سیپ، صدف اور ساحل



رُخ چوہدری

"سر! یہ چیک سائن کر دیجیے۔"

جمیل نے اپنے کام میں مصروف عبدالقدیر صاحب کے سامنے چیک رکھ دیا تو انہوں نے موٹے شیشوں کی اوٹ سے چیک دیکھا' چونک کر پھر جمیل کو دیکھا۔ "پندرہ لاکھ! یہ تو بہت بڑی اماؤنٹ ہے جمیل اور جب تک اسحاق صاحب کے دستخط نہ ہوں گے' میں بھی نہیں کروں گا۔"

عبدالقدیر صاحب نے چیک واپس جمیل کی طرف بڑھایا تو وہ چیک کو پکڑ کر کچھ دیر سوچتا رہا۔ "سوچ لیجیے سر' یہ تو صرف پندرہ لاکھ کا چیک ہے۔ اگر پارٹی چلی گئی تو آپ کو کئی گنا زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ میں تو آپ کے بھلے کی بات کر رہا تھا۔"

جمیل کی تو بہت کوشش تھی کہ یہ چیک سائن ہو جائے۔ وہ طرح طرح کے دلائل دے رہا تھا مگر عبدالقدیر صاحب ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ اصولی طور پر وہ پابند تھے کہ جب تک اسحاق صاحب سائن نہیں کریں گے' چیک کیش نہیں کرایا جا سکتا تھا۔

"سود و زیاں کو میں بھی سمجھتا ہوں جمیل مگر اسحاق صاحب جب تک امریکا سے واپس نہیں آ جاتے تب تک تو جو ہوتا ہے' ہونے دیں۔ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمارا جوائنٹ اکاؤنٹ

ہے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ میں سائن کردوں۔ اگر میں کر بھی دیتا ہوں تو جب تک اسحاق صاحب کے دستخط نہ ہوں گے چیک بے کار ہے کہ نہیں؟"

"سر پارٹی اچھی اور مضبوط ہے میں تو چاہتا تھا کہ ہماری فرم کا بھلا ہو جائے۔ لیکن بات تو آپ کی بھی درست ہے جب اسحاق صاحب کے سائن...... اوکے سر پھر میں چلتا ہوں اب کیا ہو سکتا ہے؟"

جمیل نے چیک کو الٹ پلٹ کر کے دیکھا کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر عبدالقدیر صاحب کو دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

اور پھر عبدالقدیر اور اسحاق صاحب کے ساتھ بھی وہی ہوا تھا جو جمیل جیسے جعل ساز کیا کرتے ہیں۔ جمیل شروع ہی سے ناقابل اعتماد آدمی تھا۔ اسحاق صاحب کو اس کے بارے میں کچھ سن گن تھی اسی لیے انہوں نے اسے منیجر رکھنے کی مخالفت کی تھی مگر جمیل نے اپنی ماں کو عبدالقدیر صاحب کے گھر بھیج کر کچھ ایسا نقشہ کھینچا تھا کہ وہ مجبور ہو گئے تھے۔ یوں عبدالقدیر صاحب کی سفارش پر انہوں نے جمیل کو جاب دے دی تھی۔ کچھ عرصے تک تو جمیل نے اپنی کارکردگی سے سب کو متاثر کیا' اس حد تک کہ سب اس پر اعتماد کرنے لگے اور ایسے وقت میں جب اس پر اندھا اعتماد کیا جا رہا تھا' وہ فرم کا کرتا دھرتا تھا' اسحاق صاحب کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے پندرہ لاکھ کا غبن کر دیا۔ جعل سازی میں وہ اس حد تک ماہر تھا کہ کئی بار وہ چھوٹے موٹے نقصانات پہنچانے کے باوجود اپنی حیثیت برقرار رکھے ہوئے تھا۔ اس بار اس نے عبدالقدیر صاحب اور اسحاق صاحب کے جعلی دستخط کر کے پندرہ لاکھ اڑا لیے تھے۔ اس طرح ان دونوں دوستوں کے بیچ جو کہ دور پرے کی رشتے داری بھی رکھتے تھے' شک اور دشمنی کا بیج بو دیا تھا۔

"یار قدیر، میں یہ کیسے مان لوں کہ تم نے چیک سائن نہیں کیا۔" اسحاق صاحب کو تو موقع مل گیا تھا' عبدالقدیر کو سنانے کا۔

"یار اسحاق' میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ میں نے چیک سائن نہیں کیا اور اگر عقل استعمال کرو تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ جب تک تم سائن نہ کرتے' چیک بے کار تھا۔ تم اس بات کو کیوں نہیں مان رہے کہ اس نے جعلی دستخط کے ذریعے میرے اور تمہارے سائن کیے اور رقم نکلوا کر ملک سے فرار ہو گیا' خاندان سمیت۔ کیا یہ میری بات کی سچائی کے لیے کافی نہیں ہے۔"

آفس میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ آفس کے تمام ذمے دار لوگ ان کے آفس میں موجود تھے۔ اسحاق صاحب کو یقین تھا کہ وہ درست کہہ رہے ہیں مگر وہ کچھ تو یوں بھی ان سے الگ ہونے کا جواز ڈھونڈ رہے تھے اور کچھ ان کو جمیل پر جو غصہ تھا' وہ ان پر اتارنا چاہتے تھے کیونکہ جمیل بہرحال عبدالقدیر کا انتخاب تھا۔

"میں کچھ نہیں جانتا قدیر' یہ سب سازش کی گئی ہے۔ اس سازش میں تم جمیل کے ساتھ برابر کے شریک ہو' تب ہی تو تم نے اسے رکھنے پر شدید اصرار کیا تھا۔"

اسحاق صاحب کے یہ الفاظ جلتی پر تیلی کا کام کر گئے اور ایسی آگ بھڑکی' ایسے شعلے بلند ہوئے جنہوں نے دوستی' محبت' لحاظ' رشتے داری سب کو جلا کر راکھ کر ڈالا۔

"تم...... تم اپنے حواسوں میں تو ہو اسحاق' یہ...... یہ تم میرے متعلق کہہ رہے ہو!" عبدالقدیر صاحب جو دل اور نیت کے صاف آدمی تھے' اپنے بارے میں دوست کے خیالات جان کر سکتے میں آ گئے۔

"کیوں' تم کوئی فرشتہ ہو؟ اگر تم شریک نہ ہوتے تو یہ کام ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ جمیل تمہارا ہی کارندہ تھا اور تم دونوں نے ہی یہ سب کیا ہے۔"

اسحاق صاحب اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے۔ عبدالقدیر بیمار دل کے آدمی تھے' اس چوکے کو کیسے برداشت کرتے؟ انہوں نے ڈھیر سارے لوگوں کی موجودگی میں اسحاق صاحب کا گریبان پکڑ کر تھپڑ لگا دیا اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ ایک شیطان خصلت آدمی دو بہترین دوستوں کو' جو عنقریب اپنے بچوں کے رشتے طے کرنے والے تھے' دست و گریبان کر کے الگ ہو گیا تھا۔ دونوں خوب لڑ رہے تھے۔ لوگوں کے بیچ بچاؤ کرانے کے باوجود لڑتے رہے تاوقتیکہ عبدالقدیر صاحب کو ہارٹ اٹیک ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ آفس ہی میں سے کسی نے پولیس کو فون کر دیا خلاف توقع پولیس عین موقع پر پہنچ گئی۔ عبدالقدیر صاحب تو اسپتال چلے گئے اور اسحاق صاحب صاحب حیثیت ہونے کے باوجود پولیس کے نرغے میں آ گئے۔ یوں تو کچھ عرصے بعد عبدالقدیر صاحب بھی ٹھیک ہو گئے اور اسحاق صاحب بھی فارغ ہو گئے مگر جمیل نے دشمنی کا جو بیج بو دیا تھا' وہ وقت کے ساتھ ساتھ تناور درخت بنتا جا رہا تھا۔ سب کچھ الگ ہو گیا تھا۔

☆☆☆

یہ حادثہ دونوں خاندانوں کو ہلا کر رکھ دینے کے لیے کافی تھا۔ دونوں گھرانے بنیادوں تک ہل گئے تھے۔ دونوں گھرانوں کے سربراہوں کے بیچ جو غلط فہمی ہوئی یا جو کچھ بھی ہوا' دونوں ہی گھرانے اس بات کو تسلیم نہیں کر رہے تھے کہ غلط فہمی کو دور کیے بغیر اتنی پرانی دوستی کو غلط فہمی کی قبر میں اتار دیا جائے۔

"اسحاق' میں آپ کی زندگی کی ساتھی ہوں۔ آپ کو اچھی طرح جانتی ہوں اور عبدالقدیر بھائی تو بے حد اچھے آدمی ہیں۔ پلیز' آپ لوگ اتنی اچھی دوستی کو یوں ختم نہ کریں کہ لوگوں کا دوستی پر سے اعتماد ہی اٹھ جائے۔" شاکرہ بیگم بڑی اچھی اور معاملہ فہم خاتون تھیں۔ وہ ہر طرح سے شوہر کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں مگر وہ کسی صورت مان کر نہیں دے رہے تھے۔

"اپنی رائے اپنے پاس رکھو شاکرہ بیگم' میں اس رات کو ہرگز نہیں بھلا سکتا جو میں نے اس شخص کی وجہ

سے لاک اپ میں گزاری۔ بھری محفل میں اس نے میرا گریبان پکڑ کر تھپڑ مارا اور پھر لاک اپ۔ نہیں' ہرگز نہیں اور خبردار جو اس کی حمایت کی یا ان سے کوئی رابطہ کرنے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا؟" اسحاق صاحب نے چٹانوں جیسے سخت لہجے میں کہا تو شاکرہ بیگم نے محسوس کرلیا کہ تمام جذبے اسی سختی کی نذر ہو کر اپنا وجود کھو بیٹھے ہیں۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اور وہ جو عاتکہ اور عثمان کا رشتہ......"

"شٹ اپ شاکرہ' آج کے بعد اگر میری بیٹی کا نام کسی نے اس کے بیٹے کے ساتھ لیا تو میں بری طرح پیش آؤں گا۔ میں اس راستے سے گزرنا نہیں چاہتا جہاں سے وہ گزرتا ہے اور تم رشتے داری کر رہی ہو۔"

شاکرہ بیگم جو جاتے جاتے پلٹ کر کہہ بیٹھی تھیں' افسردہ سی ہو کر پلٹ آئیں۔ دل پر بہت بوجھ تھا کیونکہ ایک تو عثمان خود ان کو بے حد پسند تھا اور دوسرے وہ جانتی تھیں کہ عاتکہ دل و جان سے عثمان کو چاہتی ہے۔

"میرے خدا! تو ہی بہتر جاننے اور کرنے والا ہے۔ ہم تو بے بس و بے اختیار ہیں۔" انہوں نے گہرا سانس لیا اور عصر کی نماز کے لیے کھڑی ہو گئیں۔

☆☆☆

"میں کہتی ہوں کہ اس میں بچوں کا کیا قصور ہے کہ آپ دونوں کی فضول سی غلط فہمی کی نذر ہو جائیں۔ عاتکہ بہت اچھی لڑکی ہے' میں اسے نہیں چھوڑ سکتی۔"

آصفہ بیگم نے دوا عبدالقدیر صاحب کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے گویا اپنا فیصلہ سنایا تو وہ بھی ان کو دیکھنے لگے۔ گزرے وقت کی شیریں یادیں کڑوے بادام کی طرح حلق میں تلخی گھول گئیں۔ عاتکہ بہت پیاری اور اچھی لڑکی تھی اور انہوں نے اسحاق سے خود اسے بہو بنانے کی خواہش ظاہر کی تھی مگر کسے خبر تھی' آنے والے لمحات میں انسانی کمزوریوں کی ایسی دھول اڑے گی جو اتنے خوبصورت اور انمول جذبوں کو آلودہ کر جائے گی۔

"دنیا میں عاتکہ کے علاوہ بھی اچھی لڑکیاں ہیں آصفہ بیگم۔" انہوں نے ٹیسوں کو بیمار دل کے درد کا حصہ سمجھتے ہوئے دوا نگل لی۔

"جی! مجھے کب انکار ہے کہ اور لڑکیاں نہیں ہیں مگر ہر اچھی لڑکی نہ تو عاتکہ ہے اور نہ ہی ہمارے بڑے بیٹے کی محبت بن سکتی ہے۔ پلیز قدیر! لایعنی سی دشمنی کی مذمت کریں' اپنے بچوں کی خوشیاں۔ ان کے پھول چہروں سے خوشی کے رنگ مت چھینیں ورنہ شاید آپ ان کی پھیکی سی مسکراہٹ کو بھی ترسیں۔" آصفہ بیگم ماں تھیں اور ماں سب کچھ برداشت کر سکتی ہے مگر اولاد کا دکھ برداشت نہیں کر سکتی اور عثمان کس

قدر دکھی اور پریشان تھا' وہ اچھی طرح جانتی تھیں اور خود عبدالقدیر صاحب بہت اپ سیٹ تھے مگر کیا کر سکتے تھے' یہ اس حادثے کے پیدا کردہ حالات کی مجبوری تھی۔

"چلی جاؤ یہاں سے آصفہ بیگم نہیں چاہیے مجھے تمہارا فلسفہ۔ خود بھی ان حالات سے سمجھوتا کرو اور بچوں کو بھی آمادہ کرو' تالی کبھی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ میں اگر ہاتھ بڑھاؤں گا بھی تو میں اسحاق کو جانتا ہوں' وہ ہرگز آگے نہیں بڑھے گا' پھر میں اپنی عزت کیوں گنواؤں۔ جاؤ' میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ عثمان سے کہو' گاڑی نکالے۔" عبدالقدیر صاحب سینے پر ہاتھ رکھ کر گھٹی گھٹی آواز میں بولے تو وہ گھبرا کر باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

ان حالات سے سب سے زیادہ عثمان اور عاتکہ متاثر ہوئے تھے۔ دونوں کی جان پر بن آئی تھی' ان لوگوں نے بہت چاہا کہ دلوں کے شفاف آئینوں پر آئی گرد کو دھو ڈالیں مگر ایسا نہ ہو سکا حتیٰ کہ گھر کے پرانے ملازم شرفو بابا جن کو سب ہی بہت عزت دیتے تھے انہوں نے اپنی سی کوشش کر ڈالی مگر بے سود۔

"میں تو آزاد فضاؤں کا پلا ہوا ہوں صاحب! محبت کے گلاب لگاتا رہا ہوں کیاریوں میں اور اللہ نے ہمیشہ مجھے خوبصورت رنگین' خوشبودار گلابوں سے نوازا ہے۔ میں نفرت و دشمنی کی فضا میں سانس لے ہی نہیں سکتا۔ میں اجازت چاہوں گا اب۔" شرفو بابا بری طرح رو رہے تھے۔ عبدالقدیر کا دل تڑپ اٹھا مگر وہ بھی تو بے بس تھے' اسحاق ہی پتھر کا بت بن گئے تھے' بے حس قسم کے انسان۔

"ٹھیک ہے شرفو' تم اب یہاں نہیں رہ سکتے تو جاؤ چلے جاؤ، میں تمہیں روکوں گا نہیں۔" اور پھر باقی سب لوگ شرفو بابا کو روکتے ہی رہ گئے مگر شرفو بابا ہچکیاں لیتے ہوئے گھر سے چلے گئے۔

☆☆☆

عاتکہ اور عثمان پر ان کے والد کی طرف سے اتنی ہدایت تھی کہ وہ سرراہ بھی مل جائیں گے تو ایک دوسرے کی جانب دیکھیں گے بھی نہیں۔ اس روز عثمان عاتکہ سے بات کرنا چاہتا تھا مگر نمبر ملانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

"ثمن ڈیئر! کچھ تو کرو تم' بھائی کے لیے اتنا نہیں کر سکتیں کہ نمبر ملا دو۔" وہ چھوٹی بہن کے سامنے جیسے ہمت ہار گیا۔ اس نے کتاب بند کر کے بھائی کو دیکھا۔

"بھائی! میں کیا کر سکتی ہوں' زیادہ قصور تو عاتکہ باجی کے ابو کا ہے نا۔ اگر ہمارے ابو کو کچھ ہو جاتا تو ہم کیا کرتے؟؟"

ثمن ابھی چھوٹی تھی' وہ نہ تو اس معاملے کی نوعیت کو جانتی تھی اور نہ ہی بھائی کے دل کی بے چینی کو سمجھ سکتی تھی۔

''شمن! تم ابھی چھوٹی ہو' نہیں سمجھتیں۔ دیکھو' پہل تو ہمارے ابو نے کی تھی ناں کہ اتنے سارے لوگوں میں انکل کا گریبان پکڑا اور تھپڑ مارا۔ دیکھو ان کو غصہ تو آنا تھا نا اور پھر ابو کو تو ہارٹ اٹیک کی وجہ سے پوچھا نہیں گیا۔ انہوں نے تو رات لاک اپ میں گزاری تھی' تو خود سوچو کہ.....'' عثمان ذاتی طور پر سمجھتا تھا کہ اسحاق صاحب کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔

''بھائی! آپ اس بات کو اگنور کر رہے ہیں کہ انکل اسحاق نے ابو پر غبن کا الزام لگایا اور ایک غلط آدمی کا ساتھی ہونے کا الزام لگایا' اس کے بعد ابو کا اموشنل ہونا غلط تھا کیا؟''

عثمان سے چھوٹا عمر' شمن اور عثمان کے بیچ آن کھڑا ہوا تو اس کی بات پر عثمان کچھ نادم سا ہو گیا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ اس بات کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ ہاں' اتنا ضرور وہ چاہتا تھا کہ مصالحت کی کوئی راہ نکل آئے۔

''یہ میں نے کب کہا ہے کہ غلط کیا تھا۔ اس وقت ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا یہی کرتا مگر یار بتاؤ' میں کیا کروں؟ مجھے اور عاتکہ کو بے گناہی کی سزا کیوں دے رہے ہیں دونوں طرف کے بزرگ۔'' عثمان بہت پریشان تھا۔ عمر اور شمن نے ایک دوسرے کو دیکھا' شمن اٹھ کر عثمان کے قریب آ گئی۔

''بھائی' ہمیں بھی بہت دکھ ہے یہ سب گڑبڑ ہونے کا مگر ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ابو تو اب بھی آگے بڑھنے کے لیے تیار ہیں مگر انکل تو ایسا لگتا ہے' موقع کے انتظار میں تھے کہ کب موقع ملے اور وہ تعلقات کو ختم کریں۔ عاتکہ باجی تو ہمیں بہت پسند ہیں۔''

''تمھیں نہیں' ہیں۔ کیا مطلب ہے تم سب کا کہ ہم بھی تعلق ختم کر لیں۔ میری اور عاتکہ کی سانس جذبوں کی ڈور سے بندھی ہے شمن' اور جذبوں کا تعلق تو' جب اللہ کا حکم ہو گا تو اسے موت ہی توڑ سکتی ہے۔''

عثمان جذباتی ہو کر پہلے تو بلند آواز میں بولا پھر اسے دیکھ کر نرم پڑ گیا ''نمبر ملا دو۔ کہنا کہ تم عاتکہ کی کوئی دوست بات کر رہی ہو' پلیز۔'' عثمان نے دھواں دھواں چہرے کے ساتھ اتنے ملتجی سے لہجے میں کہا تھا کہ شمن کی پلکیں بھیگ گئیں۔

''بھائی' میں ضرور نمبر ملا دیتی مگر ہمارا نمبر C.L.I پر آ گیا تو انکل ہنگامہ کھڑا کر دیں گے اور ان کے ساتھ نہ جانے کیا رویہ اختیار کریں۔''

''شٹ اپ کیا مصیبت ہے یار!'' عثمان کو شدید قسم کا تاؤ آ گیا اسحاق انکل پر۔

''آپ پریشان نہ ہوں' میں مصباح سے بات کرتی ہوں۔ رات کو اس کے گھر سے بات کرا دوں گی۔'' شمن نے پیار سے بھائی کو دیکھا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''مصباح کے گھر والے تو کچھ نہیں کہیں گے؟''

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہی بہت ہوتا ہے۔ عثمان نے بے بسی سے امید کے کناروں کو دیکھتے ہوئے کہا

تو شمن نے بھائی کے ہاتھ تھام لیے۔

''نہیں بھائی۔ اس کے گھر میں ہے ہی کون؟ دادی اور امی بھائی اور اس کے ابو تو باہر ہوتے ہیں' آپ فکر نہ کریں۔''

''تھینک یو شمن' بہنیں واقعی اللہ تعالیٰ نے رحمت بنائی ہیں' تھینک یو۔'' اس نے ممنون سی نظروں سے بہن کو دیکھا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔ لمحات کبھی بھی اتنے طویل اور گراں نہیں گزرے تھے جتنے کہ آج۔ وقت گزر کر ہی نہیں دے رہا تھا۔ بچپن سے آج تک کے تمام لمحات اور عاتکہ کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات فلم کی طرح یادوں کی اسکرین پر چل رہے تھے۔ وہ نہ جانے کب تک یادوں کے جنگل میں بھٹکتا کہ شمن نے آ کر شانہ ہلا دیا۔

''بھائی! چلیں میں نے مصباح سے بات کر لی ہے۔''

عثمان کو اچھا تو نہیں لگ رہا تھا مگر دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ شمن نے نمبر ملا دیا تھا۔

''عثمان' یہ سب کیا ہو گیا ہے۔ کیوں ہو گیا ہے؟'' عاتکہ تو اس کی آواز سنتے ہی رونے لگ گئی تھی۔ کئی دنوں سے غبار کی سی کیفیت تھی' آج ساون برس ہی پڑا تو اس کا ایک ایک قطرہ عثمان کو اپنے دل کے زخموں پر ٹپکتا ہوا نمک محسوس ہو رہا تھا۔

''کیا ہوا ہے' کچھ بھی تو نہیں ہوا۔ تم اس طرح کیوں ہلکان ہو رہی ہو؟''

عثمان نے بمشکل اپنے اندر کی گھٹاؤں کا گلا دبا کر لہجے کو بھیگنے سے روکا۔

''بے جان تسلیوں سے دل نہیں بہلتا عثمان' یوں لگتا ہے کہ ہم کنارے پر آ کر ڈوب گئے ہیں۔ ابو نے میرے گرد گھیرا تنگ کر دیا ہے۔ فون کے قریب نہیں آنے دیتے' کہیں آنے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''کیوں سوال پیدا نہیں ہوتا عاتکہ؟ ہم ان کو بتا دیں گے کہ جذبے کبھی بھی سرحدیں قبول نہیں کیا کرتے۔ چڑھتے دریاؤں پر کوئی بند نہیں باندھ سکا ہے' تم مجھ سے ملو ہر حال میں ہر صورت میں۔''

''یہ ناممکن ہے عثمان۔'' وہ ہچکیوں کے درمیان بولی تو عثمان کھول اٹھا۔

''کیا مطلب ہے' ناممکن ہے میری جان پر بنی ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ ناممکن ہے عاتکہ۔ میری محبت فریب تھی' نہ جذبے بے قوت کہ تم ان پر مٹی ڈال کر کسی اور کے نام ہو جاؤ۔ تو...... میں یہ نہیں ہونے دوں گا۔ مجھ سے ملو ورنہ میں کچھ بھی کر گزروں گا سنا تم نے۔''

''عثمان پلیز! ایسی باتیں نہ کرو۔''

''پھر کہیں بھی ملو مجھ سے۔''

عثمان کا لہجہ' اس کا انداز اتنا جارحانہ تھا کہ عاتکہ خوف زدہ ہو گئی کہ وہ اگر کچھ کر گزرا تو وہ تمام عمر خود کو

معاف نہیں کر سکے گی" "ٹھیک ہے عثمان، آپ کے اس انداز سے یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ ہر کسی کا زور بے بس پر چلتا ہے۔ میں امی سے بات کر کے آپ کو اسی نمبر پر بتا دوں گی' خدا حافظ۔"

☆☆☆

"امی، ایسی کیا قیامت آ گئی ہے کہ ابو اتنے پتھر ہو گئے ہیں۔ انکل تو اپنی جگہ درست ہیں' ابو تو ان کے دوست تھے۔ اتنی گہری دوستی تھی پھر بھی ابو نے ان پر اتنا غلط الزام لگایا اور پھر اتنے سخت خفا ہو گئے کہ ہماری خوشیوں کو بھی داؤ پر لگا دیا۔ معافی و درگزر کتنا نیک عمل ہے مگر......"

"معافی اور درگزر تو اللہ اور اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ کا پسندیدہ عمل ہے مگر کوئی اسے اپنائے تو بات اتنی بگڑے ہی کیوں' عبدالقدیر بھائی بے قصور ہیں' تمہارے ہی ابو کی غلطی ہے مگر ان کو اللہ ہی ہدایت دے' ہماری تو سنتے نہیں۔"

"ہم کیا کریں امی! ہمیں تو کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی۔ تیز روشنی سے اندھیرے کے گہرے غار میں آ گئے ہیں۔ آپ ماں ہیں آپ سمجھ رہی ہیں ناں میں کیا کہنا چاہتی ہوں مگر الفاظ نہیں مل رہے کہ...."

عاتکہ کی بات کا مقصد ماں بہت اچھی طرح سمجھ رہی تھی مگر کچھ بس میں نہیں تھا۔

"میں بہت مجبور ہوں بیٹی، تم چلی تو جاؤ مگر تمہارے ابو نے تمہارے لیے لڑکا پسند کر لیا ہے۔" فائزہ بیگم نے دکھ سے بیٹی کو دیکھا۔

"نہیں امی' وہ میری شادی عثمان سے نہیں کرنا چاہتے تو نہ کریں مگر میں کسی اور لڑکے سے بھی شادی نہیں کروں گی بس۔"

وہ روتی ہوئی باہر نکل گئی تو وہ بھی دکھ سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔ وہ عاتکہ کے دکھ کو سمجھ رہی تھیں۔ ان کی بیٹی بھی آج زندگی کے اس موڑ پر کھڑی تھی جہاں کبھی وہ کھڑی تھیں۔ وہ بھی اپنے کزن سے منسوب تھیں پھر بڑوں میں جائداد کی تقسیم پر محاذ آرائی ہو گئی اور داؤ پر ان دونوں کی محبت لگ گئی۔ ان کی شادی بھی اسحاق سے ہو گئی تو انہوں نے خود کو مار کر جس طرح ان کے ساتھ زندگی گزاری تھی' یہ وہ ہی جانتی تھیں۔ اپنی محبت کو یادوں کی قبر میں دبا کر اس پر دوسرا محل تعمیر کرنا کتنا اذیت ناک ہوتا ہے' وہ خوب جانتی تھیں۔ آج بیٹی کا دکھ ان کو اپنے مقابلے میں کہیں زیادہ محسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

"میں کیا کروں عثمان، جی تو یہی چاہتا ہے' کچھ کھا لوں۔"

عاتکہ عثمان کے ہاتھ تھامے روئے جا رہی تھی اور عثمان اس قدر جذباتی ہو رہا تھا کہ اس کا بس چلتا تو اسحاق صاحب کو تباہ کر کے رکھ دیتا' جن کی فضول سی ضد کی وجہ سے اتنے لوگ خوشیوں سے محروم تھے۔

"سنا ہے کہ دو بھینسوں کی لڑائی میں مینڈھا ہی مارا جاتا ہے لیکن میں وہ مینڈھا نہیں بنوں گا بلکہ......"

"پھر...... پھر کیا کرو گے عثمان؟ ہم بے بس ہیں' کچھ نہیں ہے ہمارے اختیار میں' ہاں اگر ہے تو خودکشی۔"

"عاتکہ! بندے کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارے مسئلے کا حل خودکشی نہیں' ایک اور راستہ ہے ہمارے پاس۔"

عثمان کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ عاتکہ نے اسی روشنی میں اپنے مستقبل کو دیکھا۔

"کون سا راستہ؟"

"دیکھو عاتکہ! اللہ تعالیٰ انسان کو ہمیشہ اچھی راہ دکھاتا ہے۔ اب بندے کی اپنی خوش بختی ہو تو وہ اچھی راہ پر چل پڑتا ہے' بدنصیبی ہو تو غلط راستے پر چل پڑتا ہے۔ ہم اپنے بڑوں کو سیدھے راستے پر بلا رہے ہیں' ہر ممکن کوشش کریں گے کہ وہ مان جائیں۔"

"خدا کرے عثمان! ابو اور انکل کی دوستی ہو جائے ورنہ...... ورنہ زندگی کتنی کٹھن اور منزل کتنی بے وقعت ہو کر رہ جائے گی۔ کتنے خوب صورت خواب دیکھے تھے ہم نے ساتھ جینے کے مگر یہ سب کیوں ہو گیا' دم گھٹنے لگا ہے میرا۔"

عاتکہ شدت سے رو دی تو عثمان اسے دیکھتا رہا۔

"اللہ کی ذات سے ناامید نہیں ہوتے عاتکہ، وہ مسبب الاسباب ہے۔ انشاء اللہ وہی ہمارے خوابوں کے کینوس کو رنگ عطا کرے گا۔"

"آمین!" عثمان کی دعا پر اس نے صدق دل سے آمین کہا۔

اور پھر محبت کے مارے دیوانے خاردار راستوں پر نکل کھڑے ہوئے۔ کون کون سے حربے استعمال کیے مگر دونوں بزرگ تیار نہ ہوئے بلکہ اسحاق صاحب نے تو کچھ کر گزرنے کی پاداش میں کڑی سزا دینے کی دھمکی بھی دے ڈالی تھی' البتہ عبدالقدیر صاحب اس بات پر تیار تھے کہ اگر اسحاق صاحب ان پر لگائے گئے الزام کو واپس لے لیں تو ان کو اس شادی پر قطعی کوئی اعتراض نہیں ہو گا مگر اسحاق صاحب تو یہ سن کر بھڑک اٹھے تھے۔ وہ اتنے سخت ہو گئے تھے کہ وہ دوستی کے لیے بھی تیار نہیں تھے تو رشتے داری تو ناممکن تھی۔ عاتکہ اور عثمان کی سانس اٹکی ہوئی تھی' ایسے میں شاکرہ بیگم کھڑی ہو گئیں اور دونوں طرف کی خواتین نے اسٹیپ لینے کا فیصلہ کر لیا۔

"نہ جانے ان بڈھوں کو کیا ہو گیا ہے؟"

"شاکرہ! بڈھوں کو نہیں صرف ایک بڈھے کو۔ عبدالقدیر صاحب تو ہر طرح سے تعاون کے لیے تیار ہیں۔" آصفہ نے اپنے شوہر کی طرف داری کی۔

"ہاں' تم درست کہہ رہی ہو آصفہ' اللہ اسحاق کو ہدایت دے۔ بہرحال بسم اللہ پڑھو اور بچوں کے

نکاح کا انتظام کرو۔ ہم لوگ مائیں ہیں' ہمیں نکاح کر دینا چاہیے تاکہ ہمارے بچے بغاوت کی راہ نہ دیکھیں۔"

"ٹھیک ہے ہمارے بچے بالغ ہیں' پڑھے لکھے ہیں۔ اب سوچنا نہیں' اللہ کا نام لے کر نکاح کر دیتے ہیں' بعد میں انشاء اللہ بڈھے بھی درست ہو جائیں گے' اللہ نے چاہا تو۔"

"ٹھیک ہے' میں عثمان کو کہتی ہوں کہ اپنے کسی دوست کے ہاں انتظام کر لے۔"

"ہاں' اللہ تعالیٰ دونوں کو خوش رکھے۔" دونوں نے اپنے بچوں کو دعائیں دیں۔

☆☆☆

اور پھر ایک دوست کے ہاں عثمان اور عاتکہ کا نکاح ہو گیا' یوں دونوں ہی اپنی اپنی ماؤں کے احسان مند تھے۔

"امی' کس منہ سے آپ دونوں کا شکریہ ادا کروں۔"

"میری جان خدا نے جو یہ چاند سامنے دیا ہے ناں' اسی سے ادا کرو۔ احمق' بھلا ماؤں کا بھی شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ ہم نے اپنا فرض پورا کیا ہے' اور کے!"

آصفہ بیگم نے عاتکہ کو گلے لگا کر پیار کیا اور آبدیدہ ہو گئیں۔ شاکرہ بیگم تو شدت سے رو رہی تھیں۔

"کوئی یوں بھی بیٹی کو رخصت کرتا ہے۔ نہ ڈھولک بجی نہ بارات اتری' نہ ہی سکھیوں کی چھیڑ چھاڑ نہ گیت' نہ کچھ دیا باپ نے اور ماں بھی دعا کے سوا کچھ نہیں دے سکی۔"

شاکرہ بیگم داماد اور بیٹی کو ساتھ لگائے روئے جا رہی تھیں۔

"اب تم لوگ کہاں جاؤ گے بیٹا؟"

"جہاں اللہ لاشریک لے جائے امی! انجانے راستوں کی منزل نہ جانے کہاں ملے۔ بس آپ لوگ صبح شام...... دعا کرتی رہا کیجیے گا ہمارے لیے اللہ سے۔"

"تم لوگ جہاں کہیں بھی جاؤ' بس اپنی خیریت کی اطلاع دیتے رہنا مگر اپنا ایڈریس نہ دینا' جب تک یہاں کے حالات اللہ ٹھیک نہ کر دے اور یہ رقم اپنے پاس رکھو' کام آئے گی۔" آصفہ بیگم نے بند لفافہ عثمان کے کوٹ کی جیب میں ڈال کر کہا۔

"آصفہ ٹھیک کہہ رہی ہے بیٹے! اپنا پتا نہ دینا۔ اسحاق تو اپنی ضد میں پاگل ہو چکے ہیں۔ وہ وہاں بھی پہنچ جائیں گے۔ آہ! کب سوچا تھا کہ ایسے لمحات بھی زندگی کی مالا میں پرونے پڑیں گے۔ عاتکہ! میری بیٹی کیا کروں۔ بہت مجبور ہوں' یہ چیک ساتھ رکھ لو۔ میرا خدا تم لوگوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔ جاؤ' اللہ کی امان میں دیا۔"

دونوں ماؤں نے اپنے اپنے جگر گوشے جس دل سے جدا کیے تھے' یہ وہی جانتی تھیں مگر وہ بچوں کی

خوشیوں کے پھول مرجھاتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ وہ دونوں تو افسردہ سی دھند میں انجانی منزل کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ عبدالقدیر صاحب کو یہ سب جان کر غصہ تو بہت آیا تھا مگر آصفہ بیگم نے دلائل ہی ایسے دیے تھے کہ وہ چپ ہو گئے تھے۔ یوں بھی وہ کینہ پرور قسم کے آدمی نہیں تھے۔ البتہ اسحاق صاحب نے قیامت برپا کر دی تھی۔ ان کا بس چلتا تو شاکرہ بیگم کو گھر سے نکال دیتے یا عبدالقدیر صاحب کو قتل کر دیتے مگر بچوں نے ان کو کچھ بھی نہ کرنے دیا تو وہ امریکا چلے گئے۔

☆☆☆

"رفیق اے رفیق! ذورین میاں کی فیڈر بنا لاؤ' بھوک سے رو رہا ہے۔"

"بھوک سے نہیں حمید بھائی' یہ ماں کے لیے رو رہا ہے۔ ماں کی گود کی تپش ہی اور ہوتی ہے۔"

"کہہ تو تم بھی ٹھیک ہی رہی ہو نسرین بہن! ان بے چارے بدنصیبوں کی بھی کیا زندگی ہے' ماں اور باپ دونوں سے محروم ہو گئے ہیں اور مزید بدنصیبی یہ کہ کوئی عزیز رشتے دار بھی نہیں ہے کہ وہی آ کر بچوں کو اور کاروبار کو سنبھال لے۔"

"اللہ کی مرضی ہے ناں بھائی! میں اور رفیق بچوں کو ترستے ہیں کہ اللہ ہمیں کوئی اولاد دے اور یہ بچے ماں باپ دونوں سے محروم ہو گئے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے' مجھ سے ان بچوں کا دکھ دیکھا نہیں جاتا۔ یہ ذورین تو ہر وقت مما مما کرتا رہتا ہے۔ ابھی بچے کی عمر ہی کیا ہے' صرف دو سال! اے اللہ تیری مصلحت تو ہی جانتا ہے۔" نسرین ذورین کو بہلاتے ہوئے خود بھی بری طرح رو رہی تھی۔

"عمار کو تو جیسے چپ سی لگ گئی ہے۔ نہ کچھ کھاتا ہے' نہ پیتا ہے۔ چپ چاپ اپنے کمرے میں بند اپنے مما پپا کی تصویر کو سینے سے لگائے چھت کو گھورتا رہتا ہے۔ آہ' صاحب اور بیگم صاحبہ کی روح تو تڑپتی ہی ہو گی ناں۔"

یہ سب گھر کے ملازم تھے اور وفادار تھے۔ اپنے مالکوں کی وفات کے بعد بچوں کو ہر ممکن دلاسا دیتے۔ خیال رکھتے مگر ذورین تو کسی پل بہلتا ہی نہیں تھا۔ تقریباً ایک ماہ قبل اکبر صاحب اپنی بیگم شگفتہ کے ساتھ کسی پارٹی سے واپس آ رہے تھے کہ تیز رفتار ٹرک نے گاڑی سمیت ان دونوں کو کچل ڈالا اور دو معصوم بچوں کو یتیم اور بے آسرا کر دیا۔

"نسرین بیٹی' تم ابھی یہاں بیٹھی ہو جاؤ' عمار بیٹے کے لیے کچھ بنا کر لاؤ' اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ میرے مولا' یہ کیسا امتحان ہے اس بڑھاپے میں۔ میں ان معصوم بچوں کا دکھ برداشت نہیں کر سکتا۔"

اس گھر میں شرفو بابا ہی بزرگ تھے جو پہلے بھی ان کے پاس ہی ہوتے تھے پھر جب اکبر صاحب ملک سے باہر شفٹ ہو گئے تو وہ عبدالقدیر کے پاس چلے گئے تھے مگر وہاں سے دل برداشتہ ہو کر پھر ان

کے پاس آ گئے تھے۔ اکبر صاحب کو تو انہوں نے گود میں کھلایا تھا۔ ان کی نظروں کے سامنے ہی یہ خاندان زوال پذیر ہوا تھا۔ باقی صرف اکبر صاحب بچے تھے' سو وہ بھی چلے گئے تھے۔ اب شرفو بابا بڑی جان کے ساتھ دکھ سمیٹنے لگے۔

☆☆☆

''عمار بیٹے۔ عمار بیٹے!'' شرفو بابا کی آواز باہر سے آ رہی تھی۔ عمار جو صرف پانچ سال کا تھا' والدین کی تصویر چمٹائے سو رہا تھا اور اس کی ننھی غفلت کا فائدہ عیار' مکار و لالچی رفیق اٹھا رہا تھا۔ اس نے الماریاں وغیرہ کھنگال ڈالی تھیں' پیسوں کے لالچ میں' شرفو بابا کی آواز پر اس نے جلدی جلدی سامان سمیٹنا شروع تو کر دیا مگر ابھی وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوا تھا کہ بابا اندر آ گئے۔ کمرے کا حلیہ اور رفیق کی موجودگی بابا کو سب کچھ سمجھا گئی۔

''کیوں' کچھ ملا؟'' بابا کے دبے لہجے میں طنز کی کاٹ رفیق کو کھولا گئی۔ اس نے جلدی جلدی بے ترتیبی سے کپڑے اندر ٹھونستے ہوئے بابا کو دیکھا۔ یہ بابا ہی تو تھا' اس کی راہ کی رکاوٹ۔ پہلے اپنی بیٹی اسے دینے سے انکار کیا پھر گھر میں اس پر نظر رکھ کر اس کا وہ چور دروازہ بند کر دیا جس کے ذریعے وہ مال اڑا کر لے جایا کرتا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا بابا! میں چور ہوں' ڈاکو ہوں...... بس صفائی کر رہا تھا۔''

وہ گھبرا کر بولا اور سامان رکھنے لگا۔ بابا نے آگے بڑھ کر عمار کے سینے پر سے اکبر صاحب اور شگفتہ بیگم کی تصویر اٹھائی اور رفیق کی طرف مڑے۔

''پہلی بات تو یہ کہ کسی کے ماتھے پر نہیں لکھا ہوتا کہ وہ چور ہے یا ڈاکو ہے۔ دوسری بات... کہ صفائی کر چکے ہو تو جاؤ یہاں سے۔ تم نسرین جیسی نیک بخت عورت کے لائق نہیں تھے مگر بیٹیوں کی قسمت کو کیا کہا جائے۔''

بابا کی بات پر رفیق کو غصہ آ گیا۔ وہ اپنی حرکت پر ندامت بھول کر اکڑنے لگا۔

''نسرین تمہاری بیٹی نہیں ہے بابا! اپنی بیٹی تو تم نے بیاہ دی نا کسی شہزادے کے ساتھ۔ تیری بیٹی تو خوش بخت ہے ناں۔''

رفیق بہت بدتمیز' ڈھیٹ اور فراڈ قسم کا آدمی تھا۔ شرفو بابا اس پر کڑی نگاہ رکھتے تھے اسی لیے وہ ان سے بہت چڑتا تھا۔ وہ غصے میں پھنکارتا ہوا باہر نکل گیا۔ بابا نے بڑھ کر عمار کو سینے سے لگا لیا تو عمار کے گرم گرم آنسوؤں سے بابا کا دامن تر ہو گیا اور دل راکھ ہو کر رہ گیا۔

''بابا' مما پپا کیوں چلے گئے ہیں؟ ہم ان کو تنگ کرتے تھے' اس وجہ سے؟ آپ ان کو بلا دیں بابا! ہم اب ان کو بالکل بھی تنگ نہیں کریں گے۔ پلیز بابا۔ پلیز بابا، ان کو بلا دیں بابا! مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا

ہے' مما پپا کے علاوہ۔''

عمار بابا کے ساتھ لگا اس طرح بلک بلک کر تڑپ تڑپ کر رو دیا کہ بابا ضبط کا دامن چھوڑ بیٹھے اور خود بھی رو تے رہے۔

''میرے خدا! پیدا کرنے والے اللہ پاک! تیری مصلحت تو ہی جانتا ہے۔ ان بچوں کو صبر اور حوصلہ عطا فرما دے' ان کے زخم بھر دے میرے مالک۔''

☆☆☆

وقت بوجھل ہو تو رینگتا ہے اور اسی رینگتے وقت کی اذیت کا کرب اترا ہوا تھا۔ بچوں کا دکھ سب کو رلاتا۔ عمار کی خاموشی بھی تڑپاتی اور ذورین کا ہنگامہ بھی رلا دیتا۔

''بابا! ایسے کب تک چلے گا۔ آپ تو ان کے پرانے ملازم ہیں' آپ کو کوئی تو اندازہ ہو گا۔ کوئی عزیز رشتے دار کوئی تو ہو گا ان کا۔ بچے ہیں' اتنا بڑا کاروبار ہے۔''

نسرین ہر وقت ہی بچوں کی فکر میں گھلتی رہتی۔ رفیق تو چڑ بھی جاتا۔

''تجھے بچوں کی اتنی فکر کیوں لگی رہتی ہے' اس طرح مرتی ہے بچوں کے پیچھے جیسے یہ تیرے اپنے ہوں۔'' اس نے گھور کر بابا اور نسرین کو دیکھا۔

''رفیق بیٹے! انسان میں انسانیت ہونی چاہیے' خونی تعلق ضروری تو نہیں۔ رہی بات تمہاری تو نسرین بیٹی! بدنصیبی سے اکبر میاں کا کوئی قریبی عزیز رشتے دار ہے ہی نہیں۔ میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''کوئی تو ہو گا' ذات برادری کا۔ کوئی گہرا دوست' کوئی اپنا پرایا' کوئی تو ہو گا ناں۔''

''ہوں...... دیکھتا ہوں' سوچتا ہوں کچھ۔ تم ذورین میاں کو فیڈر دے دینا' میں عمار کو لے کر باہر جا رہا ہوں ذرا اور تم......''

بابا نے پلٹ کر رفیق کو کچھ کہنا چاہا مگر پھر کچھ سوچ کر آگے بڑھ گئے۔ وہ مکاری سے مسکرا دیا۔

☆☆☆

''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' بسم اللہ پڑھ کر اماں جان نے قرآن شریف کھولا اور پڑھنے لگیں۔ اماں جان نے قرآن شریف سے ایک بار نظر اٹھا کر دروازے سے اندر آتے حبیب یزدانی کو دیکھا جو حسب عادت شام کی چائے خود اپنے ہاتھوں سے اماں جان کو دینے آئے تھے۔ اماں جان نے اشارے سے ان کو بیٹھنے کے لیے کہا اور پھر سورہ یٰسین کی تلاوت کرنے لگیں۔ اماں جان بڑی خوش الحان تھیں کہ حبیب یزدانی پر رقت طاری ہو گئی اور وہ پوری توجہ سے سنتے رہے پھر اماں جان نے قرآن پاک کو بوسہ دیا۔ جزدان میں رکھا اور بیٹے پر پھونک ماری۔

''جیتے رہو۔ اللہ ترقی دے دشمن زیر فرمائے۔ بیٹا! عفت اور ماہ ما کو بھی لے کر آیا کرو اس پاک ذکر کی برکت سے وہ بھی فیض یاب ہوتی رہا کریں۔''

''جی بہتر اماں جان' کل سے آیا کریں گی۔''

ہمیشہ کی طرح آج بھی حبیب یزدانی نے کمزور سے لہجے میں کہا حالانکہ اس نے عفت جہاں کو کہا تھا کہ اماں جان کے پاس چلو مگر وہ اپنی دوست مسز اکرام سے بحث میں مصروف تھیں۔

''اچھا ٹھیک ہے' ایسا کرو' آج چائے میں ایک چمچ شکر ملا دو۔''

''مگر اماں جان آپ کی شوگر......'' حبیب یزدانی نے ان کو دیکھا جو مستقل اللہ کا ذکر کر رہی تھیں۔

''نارمل ہے' آج ہی تو رپورٹ آئی ہے۔ ویسے بھی آج ذرا میٹھا کھانے کو جی چاہ رہا ہے۔''

''بہتر اماں جان، یہ تو اچھی خبر آپ نے سنائی ہے۔ آپ کہیں تو مٹھائی منگوا دوں؟''

حبیب یزدانی کو احساس ہوا کہ اماں جان کو میٹھا بہت پسند ہے۔

''خیر اب میری شوگر اتنی بھی نارمل نہیں ہے کہ مٹھائی کھانے بیٹھ جاؤں۔''

اماں جان مسکرا کر بولیں تو وہ بھی مسکرا دیے۔ کچھ وقت انہوں نے اماں جان کے ساتھ گزارا پھر اجازت لے کر سیڑھیاں اترتے ہوئے لاؤنج میں آ گئے۔ بیگم ابھی تک باتوں میں مصروف تھیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر گلاس وال کے سامنے سے پردے کھسکا دیے۔ وسیع لان کی مخملی گھاس پر ماہ ما اور اس کی دوست ٹینا بیڈمنٹن کھیل رہی تھیں۔

''یار ماہ ما ایڈمیشن اوپن ہونے والے ہیں۔ کیا سوچا ہے تم نے؟''

ٹینا نے جھک کر شٹل اٹھائی اور ماہ ما کو دیکھنے لگی جو گھاس پر نیم دراز تھی۔

''سوچیں وہ جن کو ایڈمیشن لینا ہے۔'' ماہ ما نے بے پروائی سے بالوں کو جھٹکا دیا اور اٹھ کر جوس نکالنے لگی۔ ٹینا بھی کرسی پر ٹک گئی۔

''What do you mean?'' آپ اے ون گریڈ لے کر جھک ماریں گی؟''

''جھک مارنے کے لیے کسی گریڈ کی ضرورت نہیں ہوتی' مائی ڈیر۔'' وہ کرسی پر بیٹھ کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا ماہ ما تم کالج میں ایڈمیشن نہیں لو گی؟'' کچھ حیرت اور کچھ گھبراہٹ سے ٹینا کا جوس حلق اور زبان کے بیچ ہی رہ گیا۔

''لوں گی ڈیر، ایڈمیشن ضرور لوں گی لیکن یونیورسٹی میں۔''

''کیا مطلب ہے یار! تم میڈیکل میں ایڈمیشن نہیں لو گی؟''

ٹینا کو اچھا خاصا شاک لگا تھا کیونکہ وہ اور ماہ ما بچپن سے ایک ساتھ پڑھ رہی تھیں اور وہ ڈاکٹر بننا

چاہتی تھیں' ماہ ما کی بھی یہی خواہش تھی مگر اس کے اچانک ٹریک بدلنے سے اسے صدمہ پہنچا تھا۔

''تو میرا ڈاکٹر بننے کا قطعی موڈ نہیں۔ وہ تو پپا کی وجہ سے میں نے اتنی محنت کی ورنہ ڈاکٹری میری منزل نہیں۔''

ماہ ما نے ربر بینڈ میں مقید اپنے حسین، چمکدار بال آزاد کیے تو اس کے بال اس کے حسین چہرے کے گرد سیاہ بادلوں کی طرح پھیل گئے۔

''تو تمہاری منزل کیا ہے؟'' ٹینا نے اپنا ریکٹ اٹھاتے ہوئے پوچھا تو ماہ ما اس کی طرف مڑی۔ کتنی اداس لگ رہی تھی وہ' اس نے اس کو پیار کر لیا۔

''جان! فی الحال میری منزل یونیورسٹی ہے۔ اس کے بعد خدا جانے لیکن تم اتنی اداس کیوں ہو رہی ہو' ہم دوست ہیں اور ملتے رہیں گے۔''

ماہ ما نے اسے ساتھ لگا کر تسلی دی مگر وہ بددل ہو کر میز پر جھکی' اپنی گاڑی کی چابی اٹھائی اور ماہ ما کی طرف گھومی۔

''او کے جاناں' خدا حافظ۔'' ٹینا افسردہ سی چلی گئی تو ماہ ما بھی کچھ دیر افسوس کی کیفیت میں رہی پھر وہ اترتی شام کے سائے میں لان ہی میں جاگنگ کرنے لگی تو اندر سے مما کی آواز آئی۔

''ماہ ما! Come inside Jani۔''

''او کے مما!'' ماہ ما اسی طرح جاگنگ کرتی وسیع لان عبور کر کے اندر آ گئی۔

☆☆☆

حبیب یزدانی کا تعلق معاشرے میں بنائی گئی کلاسز میں اپر کلاس سے تھا۔ وہ جاگیردار تو تھے ہی مگر وہ نہ تو گاؤں میں رہے اور نہ جاگیرداری سنبھالی۔ یہ ذمے داری اماں جان کے بڑے بیٹے کے سر ڈال دی۔ حبیب یزدانی نے سی ایس ایس کیا اور سرکار کے اہم ادارے سے منسلک بھی ہوئے مگر عفت جہاں جو کہ خود بھی پڑھی لکھی خاتون تھیں اور سرکاری افسر کی بہن اور بیٹی تھیں' کے ساتھ شادی کر کے وہ کچھ گھبرا سے گئے کیونکہ عفت جہاں بہت شوخ اور سیر و تفریح کی شوقین تھیں اور کچھ خود حبیب یزدانی بھی جاب کرنے میں سنجیدہ نہیں تھے چنانچہ جاب چھوڑ چھاڑ لندن روانہ ہو گئے گو کہ اس حرکت سے اماں جان کچھ مطمئن نہیں تھیں مگر بچوں کی خوشی کی خاطر چپ رہیں لیکن جب ماہ ما پندرہ برس کی ہو گئی تو انہوں نے حکم صادر کر کے ان کو پاکستان شفٹ ہونے پر مجبور کیا' چنانچہ دو برس ہو گئے تھے ان کو پاکستان شفٹ ہوئے۔ چونکہ عفت جہاں کو اماں جان کی یہ بات پسند نہیں آئی تھی اس لیے وہ ان سے لیے دیے ہی رہتیں۔ حبیب یزدانی تو سدا کے اپنی ماں کے حکم کے تابع تھے جبکہ عفت بیگم کو شوہر کی اگر کوئی بات ناپسند تھی تو یہی بات۔ عفت جہاں کا اپنا بچپن لندن ہی میں بیتا تھا' وہ وہاں کے ماحول کی عادی بھی تھیں اور اب

ماہ ما بھی دو سال گزرنے کے باوجود خود کو اس ماحول میں ایڈجسٹ نہیں کر پائی تھی۔ وہ اکثر مما اور پپا سے الجھ پڑتی کہ واپس چلیں۔

"کیا مشکل ہے مما واپس چلیں' اتنی بور لائف ہے یہاں کی کوئی انٹرٹینمنٹ نہیں۔ ڈسٹ پلوشن اس قدر ہے کہ سانس لینا دشوار ہے۔ باہر نکلنا بھی کسی مشکل سے کم نہیں۔ کسی کو ڈرائیونگ سینس ہے ہی نہیں۔ کوئی ہوٹل کلب نہیں کہ بندہ وہاں جا کر ہی فریش ہو جائے۔ مما پلیز! واپس چلیے اتنی گھٹن ہے یہاں پر کہ میرا دم گھٹتا ہے۔"

ماہ ما کو جب بھی انگلینڈ میں اپنی زندگی' اپنی معروفیات یاد آتیں تو اس پر ایک طرح کی ہذیانی کیفیت طاری ہو جاتی' اس وقت وہ اسی قسم کی کیفیت سے دوچار کشن اٹھا اٹھا کر پھینک رہی تھی اور عفت جہاں بیٹی کو کچھ اسی ہمدردی اور بے چارگی سے دیکھ رہی تھیں جیسے وہ بیٹی سے سو فیصد متفق ہوں مگر کچھ کر نہ پا رہی ہوں۔

"ڈونٹ بی سلی ماہ ما جانی' اس طرح خود کو ہلکان نہ کیا کرو۔"

"اوکے' تو پھر کچھ کریں' میں یہاں نہیں رہ سکتی' واپس چلیں بس۔"

"سوری بابا! میں کیا کر سکتی ہوں۔" وہ بے چارگی سے بولیں۔ اسی وقت اماں جان تسبیح پر درود شریف پڑھتی ہوئی آ گئیں۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ بہو اور پوتی کا آخری جملہ سن چکی تھیں اور اس بحث کا عنوان یہ جملے ہی بن گئے تھے۔

"بیٹی عفت جہاں! تمہارے لہجے میں اتنی بے چارگی کیوں ہے؟ وہ تو بچی ہے' تم اسے مطمئن کیوں نہیں کرتی ہو؟"

"مطمئن کس بات پر مطمئن کروں' کس طرح کروں؟ جبکہ میں خود مطمئن نہیں ہوں۔ اس قدر تو بے یقینی کی فضا ہے یہاں پر کوئی ڈسپلن نہیں' فضا اتنی آلودہ کہ سانس لینا دشوار ہے۔ ساری دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور ہم ابھی تک تانگے اور رکشے میں ڈھچکوں ڈھچکوں کر رہے ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں کہ......"

"تو کیوں نہیں پیروی کرتے تم لوگ ان لوگوں کی' جس طرح وہ اپنے ملک و قوم کے لیے مخلص ہیں' تم لوگ کیوں نہیں ہو۔ کیوں دوسرے ملکوں میں جا کر تیسرے درجے کے شہری بن کر فخر سے رہتے ہو۔ اپنے ملک کے اول درجے کے شہری بن کر کیوں نہیں رہتے۔ اپنے گھر کی' اپنی چھت کی بات ہی اور ہوتی ہے۔ اس کی خوبیاں' خامیاں' خوبصورتی' بدصورتی سب تمہارا ہے اس گھر کو سجاؤ' سنوارو۔"

"اماں جان! آپ تو سدا کی روایت پرست رہی ہیں۔"

عفت جہاں کو اماں جان کی حقائق پر مبنی باتیں کسی لیکچر سے کم نہ لگیں۔

"ہاں ہوں! میں روایت کی پاسدار ہوں' ان روایات کی جو دین کی حد پار نہیں کرتیں' جو انسانیت کی بھلائی کے لیے ہوتی ہیں۔ بیٹی' خود بھی سکون سے رہو اور بیٹی کو بھی سمجھاؤ کہ یہ گھر' یہ ملک ہی اس کا اپنا گھر ہے۔ اس کی ہر چیز اس کی اپنی ہے۔ یہاں یہ اول درجے کی شہری ہے اور یہ اعزاز کیا کم ہے اس کے لیے۔"

ماں اور دادی کی باتیں ماہ ما کے پلے تو پڑ نہیں رہی تھیں۔ وہ سخت بور ہونے لگی تو اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور فل آواز میں میڈونا کی کیسٹ لگا دی۔ موسیقی اور گیت کی لے پر اس کے پاؤں بھی ملنے لگے۔ وہ کافی دیر اپنے اسی شغل میں معروف رہی' اسی دوران میں اماں جان اوپر آئیں' ذرا سا دروازہ کھول کر دیکھا تو انہوں نے جلدی سے آنکھیں میچ لیں۔

"میرے خدا، اگر ہر دسویں پاکستانی کی بیٹی اسی طرح مغربی ماحول کی پروردہ ہوئی تو۔ میرے خدا' تو ہی ان کو ہدایت دے' میں تو ہار چکی۔"

اماں جان افسردہ سا دل لیے وہاں سے اپنے کمرے میں آ گئیں۔

اماں جان کی عفت جہاں اور ماہ ما سے یہی جنگ رہتی۔ وہ ماہ ما کو خالص پاکستانی لڑکی کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھیں جو پڑھتی بھی ہے' اسکول کالج بھی جاتی ہے۔ بزرگوں کی فرمانبرداری بھی کرتی ہے اور حیا کی چادر کو سر سے سرکنے بھی نہیں دیتی۔ وہ پوتی کو اکثر جینز پہننے پر ٹوکا کرتیں اور شلوار قمیص پر دوپٹا لینے کی ہدایت کرتیں اور یہ بات بیٹی تو بیٹی' ماں کو بھی گوارا نہ ہوتی۔

"حبیب! اماں جان نے ہمارا جینا حرام کر دیا ہے۔ یہ کرو' وہ نہ کرو۔ ایسے بات کرو' ایسا لباس پہنو۔ میری معصوم سی بیٹی کا ناک میں دم کر کے رکھ دیا ہے۔"

"وہ عفت! ایسا بھی کیا برا چاہتی ہیں اماں جان، وہ ایک پوتی کو اپنی روایتی پاکستانی لڑکی کے روپ میں دیکھنا چاہتی ہیں۔ وہ ہی کیا' میں بھی ایسا ہی چاہتا ہوں اس لیے کہ جیسا دیس ہو بندے کو ویسا ہی بھیس بدلنا چاہیے۔"

حبیب صاحب نے بھی ماں کے خیالات پر اپنی رضامندی کی مہر ثبت کر دی تو عفت جہاں سلگ کر رہ گئیں۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میں......"

"تمہارا مطلب کچھ بھی ہو۔ عفت جہاں' حقیقت یہی ہے کہ تم ماہ ما کو اب پاکستانی روایتی لڑکی کا روپ دینا شروع کر دو اس لیے کہ اب اس کو یہیں رہنا ہے۔ اسے آداب زندگی سکھاؤ۔ دین کی تعلیم اماں جان کی ذمے داری ہے۔ امور خانہ داری تو تمہارے بھی بس کا روگ نہیں' اس کے لیے میں باقاعدہ

شیف کا بندوبست کروں گا اوکے!"

حبیب یزدانی نے عفت جہاں کو دیکھا' جنہوں نے سنا تو سب کچھ تھا مگر اس قدر ہونق چہرہ بنایا ہوا تھا گویا سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جواب دے گئی ہو۔

"نہیں۔نہیں! آپ مذاق کر رہے ہیں ناں حبیب؟"

حبیب صاحب جاتے جاتے پلٹے۔ان کے قریب آئے' جھک کر ان کی آنکھوں میں دیکھنے لگے۔

"It was not a joke! یہی حقیقت ہے۔"

"نہیں' تم لوگ ایسا نہیں کر سکتے۔کیا سوچ رکھا ہے آخر تم لوگوں نے میری معصوم بیٹی کے لیے؟"

"صرف اس کی بھلائی۔ڈونٹ وری' اوکے!"

حبیب صاحب بیگم کی اندرونی کیفیت کو سمجھ رہے تھے مگر وہ کمزور مرد نہیں تھے کہ بیٹی یا بیوی کے مطلب کے لیے بہائے گئے جھوٹے آنسوؤں میں بہہ کر فیصلے بدل دیتے۔

"حبیب! ابھی میری بچی بہت چھوٹی ہے۔اس پر کسی قسم کا بردن ڈالنے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ابھی وہ پڑھنا چاہتی ہے' کچھ کرنا چاہتی ہے۔"

عفت جہاں تن کر اپنی بیٹی کے حق کے لیے سامنے کھڑی تھیں۔حبیب صاحب ان کی بات پر مسکرا دیے۔

"بیگم صاحب' ہم کیا چاہ رہے ہیں! یہی تو چاہ رہے ہیں کہ آپ کی بیٹی کو زندگی گزارنے کا قرینہ آ جائے' بس اور یہ کوئی غلط بات تو نہیں۔میں اور اماں جان اسے صرف پاکستانی مسلمان بچی کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔" حبیب صاحب باہر نکل گئے تو عفت نے غصے میں تکیہ اٹھا کر دیوار پر مارا۔

"اونہہ! یہ لوگ کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔"

☆☆☆

یونیورسٹی میں ایڈمیشن کھلنے میں ابھی دن تھے۔ثمینہ وغیرہ تو میڈیکل کالج میں ایڈمیشن لے چکی تھیں۔ ایک ماہ ماتھی' شدید بوریت کا شکار۔رات کے تقریباً نو بجے کا وقت تھا۔اماں جان اور حبیب صاحب ٹی وی پر خبرنامہ سن رہے تھے' اس نے بڑھ کر گاڑی کی چابی لی اور دروازے کی طرف بڑھی۔

"کہاں جا رہی ہو بیٹا؟" حبیب صاحب نے پوچھا تو اس نے برا سا منہ بنایا۔

"پپا' ذرا ٹونی کے ہاں جا رہی ہوں' بہت بوریت ہو رہی ہے۔"

"اس وقت' یہ بھی کوئی وقت ہے بھلا کسی کے گھر جانے کا۔وہ بھی تنہا لڑکی کا اور تم ڈھنگ کا لباس کب پہننا شروع کرو گی؟"

اماں جان نے اسے جینز اور ٹی شرٹ میں دیکھ کر غصے سے کہا۔

"پپا! میں جا رہی ہوں۔"

"ماہ ما بیٹا! آپ نے سنا نہیں' دادو کیا کہہ رہی ہیں؟"

حبیب صاحب نے ماں کی بات کو اہمیت دیتے ہوئے بیٹی کو دیکھا' جس کے چہرے پر Who's care کا سائن تھا۔

"پپا! دادو کو تو میرے سانس لینے پر بھی اعتراض ہے' کیا وہ بھی نہ لوں؟"

ماہ ما نے خاصی بدتمیزی سے کہا تو حبیب صاحب غصے میں آ گئے۔

"ماہ ما! Behave your self, OK۔"

وہ اتنی بلند آواز میں بولے تھے کہ دوسرے کمرے سے عفت جہاں بھاگی آئیں۔ماں بیٹے کی موجودگی' ماہ ما کے ہاتھ میں لہراتی چابی اور ٹپ ٹپ گرتے آنسوؤں کو دیکھا۔

"حبیب! یہ سب کیا ہے؟ کیوں میری بچی پر زندگی کا دائرہ تنگ کیا جا رہا ہے؟ جاؤ جانی تم جاؤ جہاں جانا ہے۔"

آگے بڑھ کر عفت جہاں نے ماہ ما کو پیار کر کے جانے کی اجازت دی تو اماں جان اٹھ کھڑی ہوئیں' چند قدم چل کر ماہ ما اور عفت جہاں کے قریب چلی گئیں۔

"ساس کی ضد میں اپنی بیٹی کی راہوں میں کانٹے نہ بوؤ عفت بی بی! جو زندگی تم لوگ گزار کر آئے ہو' وہ بناوٹی زندگی تھی۔ان کے ماحول کی چادر ان ہی پر جچتی ہے' ہم پر نہیں۔ذرہ اپنی جگہ ہی پر آفتاب ہوتا ہے۔دو سال کا عرصہ بہت ہوتا ہے۔میں دیکھتی رہی کہ تم لوگ خود ہی سدھر جاؤ گی مگر اب' نہیں اب لندن کو بھول جاؤ۔اپنی روایات اور اپنی قدروں کی روشنی میں آ جاؤ اس لیے کہ اسی میں بہتری ہے۔ماہ ما! تم کسی لڑکے کے ساتھ اکیلی نہیں گھومو پھرو گی۔"

اماں جان نے تحمل سے بہو اور پوتی کو سمجھایا اور ان کی باتوں کے جواب میں عجب رنگ اور تاثرات ان دونوں کے چہروں پر ابھر آئے تھے۔

"But why دادو......ٹونی میرا دوست ہے۔"

"مرد اور عورت کے بیچ رشتہ تو ہو سکتا ہے میری بچی! مگر دوستی نہیں۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں اماں جان! کن وقتوں کی بات کر رہی ہیں؟"

"حقیقت ہر دور اور وقت میں حقیقت ہی رہتی ہے' عفت جہاں!"

ابھی یہ بحث چل ہی رہی تھی کہ ٹونی اپنے ہپی والے حلیے میں آ گیا۔

"ہائے! ایوری باڈی! چلو ماہ ما' تم تیار ہو ناں؟"

ٹونی بے تکلفی سے ماہ ما کی طرف بڑھا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”یس! میں تو کافی دیر سے تیار ہوں' Let`s go بائے مماپپا۔“

اتنی دیر سے جو یہ ہنگامہ ہو رہا تھا' دادی اور اماں کے بیچ...... لفظوں کی دلیلوں کی جو جنگ ہو رہی تھی' وہ ماہ ما کے لیے بے کار تھی' وہ بائے بائے کرتی ٹونی کے ساتھ باہر نکل گئی۔ اماں جان نے ایک تیز نگاہ بہو اور بیٹے پر ڈالی۔

”بیٹی کو اندھیرے غار کی طرف دھکیلتے ہوئے میں نے پہلی بار دیکھا ہے' کسی بھی ماں باپ کو۔“

”اماں جان! ٹونی کوئی غیر نہیں' ماہ ما اور ٹونی ہم عمر ہیں' ہم نے ایک ساتھ وقت گزارا ہے تو اس میں اتنا خفا ہونے کی کیا بات ہے؟“

عفت جہاں ڈھٹائی کی تصویر بنی بیٹی کا دفاع کر رہی تھیں۔

”حبیب! مجھے کل ہی گاؤں بھجوا دو' میں ایک منٹ بھی یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتی۔“

حبیب صاحب جوان خواتین کو باری باری دیکھ رہے تھے' عورتوں کے اس ٹرائی اینگل کا تعلق براہ راست ان کی ذات سے تھا' وہ کسی کو بھی تو خفا نہیں کر سکتے تھے۔

”اماں جان! آپ چلیے' میں ابھی دودھ گرم کر کے لاتا ہوں۔ ماہ ما بچی ہے۔ آہستہ آہستہ سدھر جائے گی۔ دیکھ لیجیے گا' آپ کا روپ دھار لے گی۔“

”تمہاری بیٹی بچی ہے' میں نہیں جس کو جھوٹے دلاسوں کے خواب دے کر بہلا رہے ہو' بچہ تو بے خطا ہوتا ہے' اندھا اور بہرہ ہوتا ہے' جس راہ پر ڈال دو گے' اسی پر چلتا ہوا یا تو منزل تک پہنچ جائے گا یا راہوں کی دھول بن کر اپنا وجود گنوا بیٹھے گا۔ بہرحال مجھے گاؤں بھیج دو' بس کافی ہے اتنا ہی۔“

اماں جان سخت خفا تھیں۔ وہ چلتے چلتے لڑکھڑا گئیں تو بہو بیٹا آگے بڑھے مگر انہوں نے ڈپٹ دیا۔

اماں جان' بیٹے اور بہو سے سخت ناراض تھیں کیونکہ ان کی سوچ مختلف تھی اور عفت جہاں اپنی اور اپنی بیٹی کی زندگی اور آزادی میں ان کی مداخلت برداشت نہیں کر سکتی تھیں اس لیے گھر کا ماحول تلخ ہوتا جا رہا تھا۔

”کیا کروں ساجدہ! میری تو زندگی عذاب ہو کر رہ گئی ہے۔ بڑی بی تو کسی حال میں جینے نہیں دیتیں' وہاں تھے تو فون پر فون کرتیں کہ لڑکی بڑی ہو رہی ہے' مغربی ماحول سے لے کر نکل آؤ۔ اب یہاں آئے تو ہر بات پر پابندی' سچ میرا اور میری بچی کا جینا حرام کر رکھا ہے بڑھیا نے...... اور حبیب تو سدا کے ماں کے دیوانے اور فرمانبردار ہیں جو کہتی ہیں' وہ پتھر پر لکیر بن جاتا ہے۔“

”حیرت ہے' تو تم ان کو گاؤں واپس کیوں نہیں بھجوا دیتیں؟“

ساجدہ کا مشورہ ان کی خواہش تھی مگر وہ ایسا بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

”کہہ تو رہی ہیں' اب دیکھو اگر بیٹے نے پاؤں شاؤں پکڑ کر منا لیا تو تلوار پھر لٹکتی رہے گی سر پر' میں تو

تنگ آ گئی ہوں۔ ماہ ما کی تو تم حالت ہی نہ پوچھو۔ ہر وقت کی روک ٹوک نے تو میری بچی کو سہما کر رکھ دیا ہے۔ اچھا' ٹھیک پھر بات کروں گی' حبیب آ گئے ہیں۔“ حبیب صاحب کو اندر آتے دیکھ کر عفت جہاں نے جلدی سے ریسیور رکھ دیا۔

”ماہ ما کہاں ہے؟“

”سو رہی ہے۔“ عفت جہاں نے منہ بنا کر کہا۔

”واٹ! ایک بج رہا ہے اور وہ سو رہی ہے۔ جگاؤ جا کر' اماں جان کو پتا چلا تو سخت ناراض ہوں گی۔ کل سے وہ ویسے بھی چپ چپ سی ہیں۔“

”آپ کی اماں جان کو تو ہمارے سانس لینے پر بھی اعتراض ہے' اب وہ بھی نہ لیا کریں۔“

”دیکھا...... دیکھا' یہی بات اس روز ماہ ما نے کی تھی۔ یہ تربیت کر رہی ہو تم بیٹی کی۔ تمہیں اس کے فیوچر کی بالکل پروا نہیں۔ اس کی شادی کسی انگریز سے نہیں ہونی کہ تم نے اسے مغربی ماحول کی تربیت دے رکھی ہے۔“

”اب ماں کے کہنے پر اتنا چلا رہے ہیں' اس وقت کہنا تھا نا!“

”میں اس وقت بھی چلایا کرتا تھا۔ مجھے اپنے گھر کا پتا تھا' اپنی قدروں اور روایات کا پاس تھا' میرے بس میں ہوتا تو احسان کی طرح ماہ ما کے پیدا ہوتے ہی پاکستان آ جاتا۔ کم از کم بچے دہری شخصیت کے تو نہیں ہوتے مگر تم نے اس وقت بھی میری ایک نہیں چلنے دی اور......“ حبیب صاحب غصے میں بول رہے تھے کہ اسی وقت فون کی بیل ہوئی۔

”ہیلو۔ اوہ' اچھا بھائی جی! السلام علیکم!“

”وعلیکم السلام' بھئی کہاں ہو تم لوگ؟ کئی روز سے فون تک نہیں آیا۔ میری بیٹی کیسی ہے' اماں جان تو ٹھیک ہیں ناں؟“

”جی بھائی جی! سب طرح سے خیریت ہے۔ آپ سنائیں وہاں خیریت ہے' بھابی جان اور......“

حبیب صاحب نے عفت جہاں کو دیکھا جن کے چہرے پر شجاعت صاحب کے فون کو سنتے ہی ناگوار تاثرات ابھرنے لگے تھے۔ ان کو حبیب کی اپنے گھر والوں سے والہانہ محبت زہر لگتی تھی۔ انہی کی وجہ سے تو حبیب وہاں اپنا بزنس اور سوشل لائف چھوڑ کر بھاگے تھے۔

”خیریت اب آ کر ہی بتائیں گے۔“

”ارے تو کیا آپ لوگ آ رہے ہیں بھائی صاحب۔“

حبیب صاحب خوشی سے گویا اچھل پڑے' عفت جہاں نے اپنا سر پکڑ لیا۔

”ہاں اور سنو' اماں جی کو ابھی نہ بتانا' سرپرائز دیں گے تو خوش ہوں گی۔“

"جی بہتر! اچھا جی خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

ریسیور رکھ کر حبیب صاحب خوشی سے مڑے۔ ان کو اپنے بڑے بھائی اور ان کی فیملی کے آنے کی بے حد خوشی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ سب آ رہے تھے مگر عفت جہاں کو ان کی خوشی کی رتی بھر پروا نہیں تھی۔ ان کو تو اس بات کی فکر لاحق ہو گئی تھی کہ اب ان پر اور ان کی بیٹی پر پابندیاں سخت کر دی جائیں گی۔

"بھائی جی اور سب لوگ آ رہے ہیں۔"

"پھر۔" اس سرد اور خشک "پھر" نے حبیب صاحب کی خوشی کے دیپ بجھا کر رکھ دیے۔

"پھر یہ کہ ماہ ما کو سمجھا کر رکھنا اور خود پر بھی کنٹرول رکھنا اور خاص طور پر ماہ ما کے لباس کا دھیان رہے۔ ان کے قیام کے دوران میں وہ جینز وغیرہ کا استعمال نہیں کرے گی' شلوار سوٹ اور بڑا سا دوپٹا اوڑھے گی اور ٹونی کے ساتھ گھومنے نہیں جائے گی۔" حبیب صاحب ان کو ہدایات جاری کر رہے تھے اور ان کے الفاظ آگ کا گولا بن کر عفت جہاں کے پیٹ میں گھوم رہے تھے۔

"حبیب! اتنی پابندیوں میں میری بیٹی کا دم گھٹ جائے گا۔ میں اتنے دنوں کے لیے اسے اپنے بھائی کے گھر اسلام آباد بھیج دیتی ہوں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ وہ لوگ جس کی خاطر آ رہے ہیں' تم اس کو ہی گھر سے نکال دو گی۔ خبردار جو ایسا کچھ کیا تو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ نہ ہماری کوئی بہن ہے اور نہ ہی بھائی جی کی کوئی بیٹی' ان کے چار لڑکے ہی لڑکے ہیں۔ ماہ ما اس خاندان کی اکلوتی لڑکی ہے' سب کی خواہشات اسی سے وابستہ ہیں اور وہ لوگ صرف اسی سے ملنے آ رہے ہیں اور مجھے کوئی شکایت نہیں ملنی چاہیے' او کے!"

☆☆☆

"واٹ؟ مما' یہ...... یہ میں پہنوں گی......؟ امپوسیبل! مجھ سے تو ایک قدم بھی نہیں چلا جائے گا شلوار میں اور یہ دوپٹا مما، میرا تو دم گھٹتا ہے اسے دیکھ کر ہی۔"

جب ماہ ما کو تایا ابا کے آنے اور ان کی آمد پر ڈھنگ سے رہنے کی اطلاع ملی تو وہ تلملا اٹھی۔

"کیا کروں' جانی! میں خود بہت اپ سیٹ ہوں مگر جان، تمہیں یہ سب کرنا پڑے گا۔ اس Change کو Part of Life جان کر قبول کر لو۔"

"مگر مما، جینز اور ٹی شرٹ میں کیا برائی ہے؟"

"برائی کسی چیز میں نہیں بیٹا، ہماری تربیت میں ہے۔ ہم سے ہی تمہاری تربیت درست نہیں ہوئی۔ تمہیں روک ٹوک کے بغیر اس معاشرے' اس ماحول میں ڈھلنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا اور آج......"

اسی وقت حبیب صاحب بھی اندر آئے۔ بے چارگی سے انہوں نے بیٹی اور بیوی کو دیکھا اور خود کو

سرزنش کرتے ہوئے باہر آ گئے۔

☆☆☆

"میں صدقے' میں قربان! میرے بچے آج میرے گرد جمع ہیں۔ اللہ پاک تیرا شکر ہے۔ میرے دل میں ٹھنڈک ڈالی تیری پاک ذات نے۔"

اماں جان اپنے سارے بچوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو کر خدا کا شکر ادا کر رہی تھیں۔

"مجھے تو شہرام بیٹے کی خوشی ہو رہی ہے بھائی جی! آپ نے خوب سرپرائز دیا مجھے۔ آپ نے فون پر بتایا ہی نہیں کہ شہرام بھی آیا ہوا ہے۔ کیسے ہو شہرام! How is your Studies؟"

حبیب صاحب کو سب سے چھوٹا شہرام بہت پسند تھا۔ وہ اسے بار بار پیار کر رہے تھے جو تعلیم کی غرض سے امریکا گیا ہوا تھا۔

"بس چاچا جی! پڑھائی کا تو بہت برڈن تھا۔ ذرا فرصت ملی تو سوچا مزید مصروف ہونے سے پہلے گھر کا چکر لگا آؤں۔ میں تو حیران ہوں چاچا جی لوگ کس طرح پرائے دیس کو اپنا سمجھ کر سکون سے وہاں زندگی بتا دیتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں تو دل گھبرانے لگتا ہے۔"

شہرام نے متلاشی نگاہ ایک بار اطراف میں گھمائی مگر سوائے اس کے ہمراز دل کے کوئی بھی نہ جان سکا کہ اس کی بے چین نظریں کس کو تلاش کر رہی ہیں۔

"ابھی نئے نئے ہو ناں شہرام، دیکھنا بعد میں ایسا دل لگے گا کہ آنے کو جی نہیں چاہے گا۔"

عفت جہاں نے ساس کو سنانے کی غرض سے خاص طور پر چبا چبا کر کہا مگر وہ اتنی خوش تھیں کہ انہوں نے توجہ ہی نہیں دی۔

"ارے بھئی سب یہاں وہاں کی ہانک رہے ہیں۔ مجال ہے' کسی نے میری بیٹی ماہ ما کا ذکر کیا ہو۔ کہاں ہے میری بیٹی؟"

شہرام کے دل کی خواہش کو اس کی ماں صدیقہ بیگم نے لفظوں کی زبان دی تو وہ دروازے کی جانب دیکھنے لگا۔

"جی بھابی وہ ابھی آتی ہے۔ عفت، جاؤ ماہ ما کو لے کر آؤ۔"

"جی دیکھتی ہوں۔"

حبیب صاحب کو اندیشہ تھا کہ کہیں ٹونی کے ہاں نہ نکل گئی ہو۔ عفت جہاں اٹھ کر ماہ ما کے کمرے میں آ گئیں جو گہرے نیلے شلوار سوٹ میں کول سی گڑیا لگ رہی تھی۔ آج پہلی بار انہوں نے بھی اسے شلوار سوٹ میں دیکھا تو بے ساختہ پیار کر لیا۔

"مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ سوٹ تم پر اتنا سوٹ کرے گا' ماشاءاللہ۔"

''مما یہ دوپٹا تو سنبھل ہی نہیں رہا۔''

نشو کا بڑا سا دوپٹا واقعی اسے بہت تنگ کر رہا تھا۔

''چلو یہاں میں پن لگا دیتی ہوں۔ ہاں اب ٹھیک ہے؟''

عفت جہاں نے سیفٹی پن اس کے شانے پر لگا کر دوپٹا ٹکا دیا۔

''مگر مما دادو نے کہا تھا کہ دوپٹا سر پر ہونا چاہیے۔ شولڈر پر نہیں ورنہ وہ بہت ناراض ہوں گی اور پپا نے بھی یہی کہا تھا۔''

''او کے' جیسے تیسے ہو اوڑھ لینا سر پر۔ یہ بھی ضروری ہے۔ ایک دم پینڈو ہیں یہ لوگ اور دیکھو جانی! میں جا رہی ہوں کچن میں' تم جلدی چلی جانا ورنہ اس پر بھی ناراضگی ہو جائے گی۔''

''او کے مما۔'' مما تو چلی گئیں' وہ بار بار دوپٹا سر پر لینے کی پریکٹس کرتی ہوئی باہر آ گئی۔

''دیکھیے تو مما' دوپٹا سر پر ٹھہر ہی نہیں رہا۔''

ایک تو پہلی بار یہ لباس زیب تن کیا تھا اوپر سے نشو کا دوپٹا جو کہ ہر خواتین سے بھی پھسل پھسل جاتا تھا اس سے کہاں سنبھلتا۔ اسی کشمکش میں وہ سامنے سے آتے شہرام سے ٹکرا گئی۔

''اوہ سوری!...... ہیلو شہرام......''

وہ اسے دیکھتے ہی پہچان گئی تھی کیونکہ پپا کے پاس ان سب کی بچپن سے جوانی تک کی تصویریں تھیں۔ وہ تو مبہوت سا اسے دیکھے گیا۔ نیلے رنگ کے سوٹ میں وہ کانچ کی گڑیا لگ رہی تھی۔ اس کے دوپٹے کا ایک پلو اس کے ہاتھ میں تھما ہوا تھا۔

''السلام علیکم!'' وہ جیسے خواب سے چونکا۔

''وعلیکم السلام!'' ماہ ما نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔ ان دونوں کی ملاقات بہت کم ہوتی تھی۔ ماہ ما اور عفت بہت کم پاکستان آیا کرتی تھیں' البتہ تصویریں حبیب صاحب نے سب کی خوب جمع کر رکھی تھیں۔

''کیسی ہو؟'' وہ اس کی حسین گہری آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں شہرام بھائی۔''

''بھائی! خبردار جو میرے اتنے اچھے نام کے ساتھ بھائی کی دم لگائی۔ میں آپ کا بھائی وائی نہیں ہوں' انڈر اسٹینڈ۔''

وہ جو جذبوں کے حسین جزیرے پر اس کے ساتھ گھوم رہا تھا' اس نے بھائی کہہ کر اسے بے مزہ کر دیا۔

''دادو تو کہہ رہی تھیں کہ وہ چاروں تمہارے بھائی ہیں۔''

اس نے انتہائی معصومیت سے کہا تو وہ بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''جی' یہ دادو کے پرانے خیالات تھے۔ تازہ خبریں ابھی آپ نے سنی نہیں ہیں۔ اینی وے چلیے...... سب آپ کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔''

☆☆☆

دونوں ایک ساتھ جب اندر پہنچے تو سب نے ایک ساتھ ان دنوں کو دیکھا اور بے ساختہ ماشاءاللہ کہہ اٹھے۔

''ماشاءاللہ! اماں جان' آپ نے دیکھا' چاند سورج کی جوڑی لگ رہی ہے ناں۔''

صدیقہ بیگم اور شجاعت صاحب اٹھ کر ماہ ما کی طرف بڑھے' پیار کیا تو ان کی بات پر حبیب صاحب نے قدرے خوف زدہ سی نگاہ بیگم پر ڈالی جن کے چہرے پر ناگوار سا سایہ ابھرا اور ختم ہو گیا۔ وہ اٹھ کر باہر نکل گئیں۔

''شہرام! میرے خیال میں اب ماہ ما بہ حفاظت یہاں پہنچ چکی ہے لہٰذا اس کا آنچل چھوڑ دو۔''

شہرام کے بڑے بھائی ایاز نے شرارت سے کہا تو شہرام نے چونک کر پہلے تو اسے دیکھا اور پھر اپنے ہاتھ سے ماہ ما کے آنچل کو جلدی سے چھوڑ دیا۔

بزرگ ماہ ما کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ شہرام کی نگاہیں مستقل اس کے حسین سراپے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔

☆☆☆

''یہ...... یہ میں کیا سن رہی ہوں حبیب! اگر انہوں نے ماہ ما کے لیے ایسا سوچا ہے تو ان کو ابھی سے بتا دیں' میں اپنی معصوم بچی کو اتنے گھٹے ہوئے ماحول میں ہرگز نہیں دوں گی' جہاں اس کا مارے احتیاط کے دم ہی گھٹتا رہے۔''

اپنے کمرے میں آ کر عفت جہاں گویا پھٹ پڑیں۔ یہ تو شکر تھا کہ لاوا سب کے سامنے ہی نہیں بہہ نکلا۔

''اور تم بھی یہ بات گرہ سے باندھ لو عفت جہاں کہ ماہ ما اس خاندان کی اکلوتی بیٹی ہے۔ گھر سے باہر تو اس کی شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

حبیب صاحب خود ہی ماہ ما کی شادی بھائی کے گھر کرنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے بیگم کو مضبوط لہجے میں جواب دیا تو وہ قدرے سہم سی گئیں۔

''تو کس کے ساتھ ان کا ارادہ ہے' ایاز تو خاصا بڑا ہے ماہ ما سے۔''

ان کے لہجے میں آمادگی کی نرمی نے حبیب صاحب کو تسلی دی کہ لوہا گرم ہے' چوٹ لگا دو۔

"ایاز سے نہیں بھئی' شہرام سے۔ ہم عمر ہے ماہ ما کا اور پھر وہ امریکا میں تعلیم حاصل کر رہا ہے اور......"

"اوہ اچھا! یہ بات ہے...... شہرام تو مجھے بھی بہت پسند ہے۔ یوں بھی وہ ماہ ما سے صرف تین سال ہی تو بڑا ہے۔ ہاں' ظاہر ہے' بیٹی اپنوں میں جائے گی تو وہ بھی خوش رہے گی اور ہمیں بھی سکون ملے گا۔"

وہ کہہ رہی تھیں اور حبیب صاحب خوش کن احساس کے ساتھ ان کو دیکھے جا رہے تھے کیونکہ زندگی میں پہلی بار عفت جہاں نے سسرال والوں کو اپنا کہا تھا۔

"عفت! میں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟"

انہوں نے بے یقینی سے ان کو دیکھا جن کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

"نہیں حبیب! شہرام مجھے واقعی پسند ہے۔ خوب رو اور اسمارٹ ہے۔ کتنا جچ رہا تھا' ہماری بیٹی کے ساتھ۔"

"شکر ہے خدایا، ورنہ میں تو تمہاری مخالفت کی جنگ کے لیے خود کو تیار کر رہا تھا کیونکہ ماہ ما کو بہو بنانا صرف بھائی صاحب کی خواہش تھی۔ اماں جان نے تو اسے ضد بنا لیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اللہ نے تمہیں ہدایت دے دی۔"

حبیب صاحب خود کو بہت پرسکون اور ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔

☆☆☆

"دادی جان! آپ نے اپنے بیٹوں کی شادی تو جلدی کر دی تھی مگر آپ کو اپنے پوتوں کا کوئی خیال نہیں' بے چارے بڈھے ہو رہے ہیں۔"

"اچھا' بڑی جلدی ہے تمہیں شادی کی' پہلے کچھ پڑھ لکھ تو جاؤ۔"

اماں جان نے اس کا کان پکڑا تو وہ کھسیانا سا ہو گیا۔

"میں اپنی بات کب کر رہا ہوں' دادی جان میں تو ان لوگوں کی بات کر رہا ہوں جو میرے کندھے پر بندوق رکھ کر چلا رہے ہیں۔"

شہرام نے بڑے بھائیوں کو دیکھا تو وہ اسے گھورنے لگے۔

"ہاں' ہاں فکر نہ کرو' اب انشاء اللہ یہ نیک کام بھی ہو جائے گا' اللہ کے حکم سے۔"

"بڑی جلدی ہے تم لوگوں کو' ہیں بھئی؟"

شجاعت صاحب نے بیٹوں کو دیکھا تو وہ شرما گئے۔ باقی سب زور سے ہنس پڑے۔

ماہ ما ان لوگوں کو حیرت سے دیکھنے لگی' اس کے لیے یہ تمام باتیں' یہ مینرز' یہ ماحول سب کچھ نیا تھا۔

"ابا جی! آپ بھی کمال کرتے ہیں اور اس شریر کی باتوں میں آ رہے ہیں' اصل میں یہ خود......"

نے شہرام کو گھورا تو اس نے ہاتھ جوڑ کر زبان بند رکھنے کی درخواست کی۔ ماہ ما چپ چاپ سب کچھ دیکھ رہی تھی' بے تاثر چہرہ لیے۔ یوں' جیسے وہ زبردستی اس ماحول کا حصہ تو بنادی گئی ہے ورنہ اس کی خوشی شامل نہیں اور کچھ اسے ان باتوں کی سمجھ بھی نہیں تھی۔ اسے تو اس شلوار سوٹ میں سخت کوفت ہو رہی تھی' جس میں اسے دیکھ کر سب لوگ اس کی نظر اتار رہے تھے اور شہرام کا دل تاروں سے بج گیا تھا۔

☆☆☆

شجاعت صاحب کے بیٹوں کو شاپنگ کرنا تھی۔ تقریباً روز ہی جاتے' ماہ ما کے لیے یہ سب نیا بھی تھا اور انٹرسٹنگ بھی۔ وہ بہت انجوائے کر رہی تھی۔ شہرام کے لیے اس کی سنگت کے حسین لمحات بے حد قیمتی تھے۔ وہ بہت خوش تھی' جانے کب ماہ ما کی محبت کی جڑیں اس کے دل کی زمین میں پیوست ہو گئی تھیں۔ اسے تو گمان بھی نہیں ہوا تھا۔ اس روز وہ شاپنگ کر رہے تھے۔ بزرگ تو ایک طرف تھے' یہ دونوں ایک طرف۔ اسی وقت ٹونی کہیں سے بھاگتا ہوا آیا۔

"او ہیلو ماہ ما Where are you۔ میں نے تمہیں بہت مس کیا۔"

"اوہ ہائے ٹونی، میں نے بھی تمہیں بہت مس کیا' کیسے ہو؟"

اس کے بعد دونوں نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ شہرام تپ کر رہ گیا اور غصے سے دونوں کے ہاتھ الگ کر دیے تو دونوں نے انتہائی غصے اور ناگواری سے شہرام کو دیکھا جو ابھی بھی شدید غصے میں تھا۔

"ماہ ما Who is he?"

سفید شلوار سوٹ میں خوب رو سے شہرام کو ٹونی نے انتہائی حقارت سے دیکھا۔ ماہ ما کچھ نروس ہو گئی۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ اسے شہرام کی موجودگی میں ٹونی سے ہاتھ نہیں ملانا چاہیے تھا مگر کیوں' یہ خود اسے سمجھ نہیں آئی تھی۔

"میں ان کا فرسٹ کزن ہوں' کوئی اعتراض؟"

شہرام ایک ایک لفظ چبا کر بولا تو ٹونی نے جیب سے چیونگم نکالی' پیکٹ کھولا' ایک اپنے منہ میں رکھی اور دوسری کھول کر اس نے اپنے ہاتھوں سے ماہ ما کے منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"So What' ماہ ما اور ہم بیسٹ فرینڈ ہیں اور ہم ایک دوسرے سے کتنے فرینک ہیں' یہ بھی بتادوں؟"

ٹونی کو ماہ ما نے کبھی حدود کراس کرنے کی اجازت نہیں دی تھی مگر آج ٹونی شہرام کو جتانے کے لیے اس کے قریب ہو گیا۔ چیونگم اس کے منہ میں ڈال کر اس کے شانوں پر بازو رکھا تو شہرام کا دماغ گھوم گیا۔ اس کا مکا فضا میں بلند ہوا اور ٹونی کے منہ پر آ کر ٹھہرا اور وہ دور جا پڑا۔ ماہ ما کے لیے یہ سب نیا تھا۔ اس کی چیخ ممکن تھی۔ فضا میں گونجتی اور ارد گرد لوگوں کا تماشا لگاتی مگر شہرام نے اتنی سختی سے ہاتھ دبا کر چیخ اندر

گھٹ کر رہ گئی۔

''یو ایڈیٹ۔ آج کے بعد میں تمہیں ماہ ما کے قریب نہ دیکھوں' تم جیسے کاٹھ کے بنے ہوئے انگریز جو تیتر ہوتے ہیں اور نہ بٹیر انگریزوں کی اترن پہن کر انگریز سمجھتے ہیں' وہ کہیں کے نہیں رہتے۔ وہ بے نشان منزلوں کی تلاش میں راہوں کی دھول ہو کر اپنا وجود' پہچان سب کھو بیٹھتے ہیں اور تم' گھر چلو۔''

شہرام کی رگوں میں روایتی پاکستانی مسلمان کا خون گردش کر رہا تھا۔ وہ یہ سب کیسے برداشت کرتا۔ ٹونی اور ماہ ما کی سمجھ میں اس کی بات نہیں آئی ہوگی مگر وہ تو تمام مینرز بھلائے گویا غصے میں دیوانہ سا ہو گیا تھا۔ وہ ماہ ما کو گھسیٹتا ہوا گاڑی تک لے آیا۔

''شہرام Are you mad?''

ماہ ما کی کلائی بری طرح دکھنے لگی تھی۔

''Yes I am!'' وہ دہاڑا۔ اسے فرنٹ سیٹ پر پٹخ کر اس نے گاڑی ایک جھٹکے سے اسٹارٹ کی اور ٹونی کے اتنے قریب سے لے کر گیا کہ اس کے ٹائروں سے اڑتی ہوئی دھول ٹونی کے منہ اور سر پر پڑی تو وہ کھول اٹھا۔

''I will see you man'' ٹونی نے زور سے پاؤں زمین پر مارا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ شہرام اندھا دھند گاڑی چلا رہا تھا۔ کئی بار ٹکراتے ہوئے بچا۔ جو مظاہرہ وہ دیکھ چکا تھا' وہ کسی غیر لڑکی کے لیے برداشت نہ کرتا۔ یہ تو ماہ ما تھی' جس کی چاہت کی آنچ بچپن سے دل کے اندر کہیں روشن تھی۔ اس نے قہر بار نگاہ سے اسے دیکھا جس نے یہ مظاہرہ پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ بری طرح رو رہی تھی۔

''Stop It! اور خبردار جو آئندہ اس بگڑے ہوئے انگریز سے تم نے بات بھی کی ہو تو' تمہیں شرم نہیں آتی اس جیسے سے؟''

شہرام کا غصہ ابھی بھی کم نہیں ہوا تھا' وہ منظر تو بھڑکتی پر تیل کا کام کرتا جا رہا تھا۔

''Tony is my best friend. I like him''۔

وہ بھی ماہ ما تھی۔ بلا شرکت غیرے ہر چیز پر قابض ہو جانے والی' اپنی ہر بات منوانے والی اور ٹونی تو اس کا بچپن کا ساتھی تھا۔ آج اس کی انسلٹ پر وہ بہت اپ سیٹ ہو گئی مگر اس کو اندازہ نہیں تھا کہ اس کی محبت کا دم بھرنے والا شہرام بڑی بلندی سے پٹخا گیا ہے زمین پر۔ اس کا دماغ گھوم گیا۔ اسپیڈ تیز ہوئی پھر اچانک بریک چرچرائے' ماہ ما کا سر ڈیش بورڈ پر جا کر لگا۔ ماتھے پر خراش سے خون رسنے لگا۔ خود وہ سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے گہرے گہرے بے ترتیب سانس لے رہا تھا۔ گاڑی کے اندر کی فضا میں عجیب طرح کا خوف تھا۔ ناہموار سانسوں میں ذرا ٹھہراؤ آیا تو اس نے پلٹ کر ماہ ما کو دیکھا' رستے ہوئے خون نے گویا آگ پر پانی کا کام کیا۔ اسے اپنی زیادتی کا احساس ہونے لگا۔ اس نے جیب سے رومال نکال

کر اس کی پیشانی کے زخم پر رکھنا چاہا مگر وہ اتنی خفا تھی کہ اس نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

☆☆☆

گھر پہنچ کر شہرام کی خاصی شامت آئی تھی۔ اصل بات تو وہ بتا نہیں پایا تھا' البتہ تیز رفتاری کا الزام لے لیا تھا سر پر۔

''غضب خدا کا' بچی ساتھ تھی۔ تمہیں گاڑی احتیاط سے چلانی چاہیے تھی۔''

شہرام کی والدہ صدیقہ بیگم نے اس کی خاصی کلاس لے ڈالی تھی۔ وہ بس چپ چاپ سنتا رہا تھا۔

''اچھا' میری بچی کو شاپنگ بھی کرائی ہے کہ چوٹ ہی لگوا کر لے آئے ہو؟''

دادی جان پوچھ رہی تھیں۔ وہ نفی میں گردن ہلاتا ہوا اٹھ کر باہر آ گیا۔ اصل ہنگامہ تو ماہ ما نے کھڑا کیا تھا' مما پپا کے سامنے۔

''مما' شہرام نے میری اور ٹونی کی انسلٹ کی ہے۔ I hate him۔''

''دیکھ لیے آپ نے اپنے لاڈلے بھتیجے کے کرتوت۔ یہ قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ اس نے ٹونی پر ہاتھ اٹھایا۔ کیا سوچتے ہوں گے اس کے مما پپا کہ ہم اتنے Backward لوگ ہیں کہ......''

''شہرام بہت سمجھ دار اور سلجھا ہوا لڑکا ہے۔ اگر اس نے ٹونی کو کچھ کہا ہے تو کوئی نہ کوئی Inside Story ضرور ہوگی۔ میں جب تک شہرام سے بات نہیں کروں گا' کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔'' دونوں ماں بیٹی تو خوب واویلا مچا رہی تھیں۔ حبیب صاحب نے تحمل سے سنا۔

''نہیں پپا آپ شہرام کو بلا کر میرے سامنے بات کریں۔ اس نے ٹونی کی انسلٹ کیوں کی اور اس کو مجبور کریں کہ وہ میرے فرینڈ سے سوری کرے۔ بس۔''

ماہ ما نے ٹشو سے اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

''حبیب صاحب' اس میں سمجھنے کی بات ہے۔ اگر شہرام کا یہی حال رہا تو ہم......''

''میں نے کہہ دیا ناں' جب تک میں شہرام سے بات نہیں کر لیتا' تم لوگ چپ رہو۔''

حبیب صاحب جان گئے تھے کہ عفت' جن کو شہرام اور ماہ ما کے بارے میں کیا گیا فیصلہ پسند نہیں' وہ تو بہانے تراشتی تھیں' بات ختم کرنے کے۔ وہ بوجھل دل کے ساتھ باہر نکلے تو سامنے شہرام کھڑا تھا۔

☆☆☆

وہ رات بہت سرد تھی' بابا عمار کو سلا کر اپنے کوارٹر میں آئے تھے۔ ایک تو بڑھاپا اوپر سے بچوں کی پریشانی' نیند تو آتی نہیں تھی۔ وہ آ کر بستر پر لیٹ گئے مگر سردی بڑھنے لگی تو اٹھ کر انگیٹھی میں مزید کوئلے ڈالنے لگے۔ ان کا تعلق اسی پہاڑی علاقے سے تھا۔ وہ ایسے ہی موسموں کے ساتھ جوان ہوئے تھے مگر بڑھاپے نے برداشت چھین لی تھی۔ ابھی وہ پھونکیں مار ہی رہے تھے کہ دروازہ دھڑ دھڑ بجنے لگا۔

''آیا بھئی آیا' کیا آفت آ گئی ہے' رفیق میاں!''

''یہ انداز رفیق ہی کا تھا۔ بابا نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے عاتکہ اور عثمان تھے۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں بابا! ہم ہیں آپ کے بچے عثمان' عاتکہ۔''

''ارے میرے بچو! میں تو لاشعوری طور پر ہر وقت ہی تم لوگوں کا منتظر رہتا تھا۔ آؤ میرے پاس جو حالات میں چھوڑ کر آیا تھا' اس کا یہی نتیجہ ہونا تھا۔''

بابا نے اپنی چارپائی عاتکہ کو دے دی اور وہ دونوں آگ کے قریب بیٹھ گئے۔

''کہانی کھانے سے پہلے سناؤ گے بیٹے یا بعد میں؟''

''نہیں بابا! کھانا وغیرہ تو ہم ہوٹل سے کھا کر آئے ہیں۔ بس آپ ہماری کہانی سن لیں۔''

''کہانی کا کوئی کردار' کوئی واقعہ مجھ سے چھپا ہوا تو نہیں ہے۔ سب کچھ معلوم ہے پھر بھی بتاؤ۔''

اور پھر عثمان نے سب کچھ بابا کو بتا دیا۔ وہ چپ چاپ سنتے رہے۔

''تو دلوں کا یہ ملاپ دونوں ماؤں کی موجودگی میں ممکن ہوا۔ اللہ نے ہماری اپنی ماؤں کو ہمارا ہم بنا کر ہماری مشکل آسان کر دی اور آپ کا ایڈریس تو تھا ہی' بس سیدھے یہیں آ گئے ہیں۔''

''بہت اچھا کیا تم دونوں نے۔'' یہ کہہ کر بابا شعلوں کو دیکھتے ہوئے کسی گہری سوچ میں گم ہو

عاتکہ اور عثمان نے ایک دوسرے کو دیکھا اور سمجھے کہ شاید ان کا آنا بابا کے لیے کسی مشکل کا باعث بن ہے۔

''کیا سوچ رہے ہیں بابا! اگر کوئی مسئلہ ہے تو کوئی بات نہیں۔ ہم جلد ہی اپنا بندوبست کر لیں گے

''میری خاموشی کا یہ مطلب لیا ہے بیٹے۔ تم کیا اپنے بابا کو نہیں جانتے؟''

''جانتے ہیں تو آ گئے ہیں ناں بابا! یہ بتائیں' آپ کیا سوچ رہے تھے؟''

''سوچنا کیا ہے بیٹے! قدرت کے کاموں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ وہ کس قدر مہربان ایسا کام جو بندے کے نزدیک انتہائی اذیت ناک ہوتا ہے' اللہ نے اسی کام میں اس کی بہتری کر رکھی ہوتی ہے۔ اس کے ہر کام میں مصلحت اور حکمت ہوتی ہے جو اسی کی ذات واحد جان سکتی ہے ناچیز نہیں سمجھ سکتے۔''

اور پھر انہوں نے اکبر صاحب کے بارے میں ان کو ساری تفصیل سے آگاہ کر دیا۔

''اوہو' یہ جان کر تو بہت دکھ ہوا ہے بابا۔''

''بچے کیسے ہیں بابا؟'' عاتکہ گرم بستر سے نکل کر ان کے قریب آن بیٹھی۔ اسے بچوں سے محبت تھی۔

''بچوں کا تم کچھ نہ پوچھو بیٹی! ہر پل دکھ دیتے ہیں' ان کی معصوم آنکھوں سے ٹپکتے ہوئے آ

والدین کے بغیر بچے تو میدان میں پڑے پتوں سے زیادہ مظلوم ہوتے ہیں جن کو ہوائے حوادث جہاں چاہے لے جائے۔''

بابا کی آواز بھیگ گئی بچوں کا ذکر کر کے۔

''یہ تو بہت دکھ کی بات ہے بابا! کاش ہم ان کے لیے کچھ کر سکیں۔''

عاتکہ کو ان دیکھے بچوں پر ترس آ رہا تھا۔

''اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے بیٹا! میں نے اس حادثے کے بعد ایک ڈراما ترتیب دیا تھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ وہ ایسے سچے اور مخلص کردار بھیج دے جن پر میں اعتماد کر سکوں اور دیکھو' اللہ نے تم دونوں کو بھیج دیا ہے۔''

بابا کی آنکھیں کچھ سوچ کر چمک اٹھی تھیں جبکہ وہ دونوں حیران کن نظروں سے ان کو دیکھ رہے تھے۔

''میں سمجھا نہیں بابا!'' اور جواب میں بابا نے ان دونوں کو ساری بات بتا دی۔

''دیکھو بیٹے! اکبر صاحب کا کوئی عزیز رشتے دار نہیں ہے۔ جو ان کے بچوں اور بزنس کو سنبھال لے۔ تم دونوں اب اکبر کے کزن بن کر جاؤ گے۔ بزنس سنبھالو گے اور بچوں کو ماں باپ جیسا پیار دو گے' اس وقت تم لوگوں کو ہی آسرے کی ضرورت ہے اور بچوں کو مخلص محبت کرنے والوں کی۔ وہ بھی ضرورت مند ہیں اور تم لوگ بھی' ایک دوسرے کی غرض بن جاؤ۔ مجھے تو اطمینان ہو گا کہ بچے درست ہاتھوں میں ہیں اور بزنس بھی ورنہ بچوں کے بڑے ہونے تک نہ جانے کیا حالات پیش آ جائیں۔ میں تو چراغ سحری ہوں بیٹے' انسانیت اسی کا نام ہے۔''

بابا کی بات بہت اچھی تھی اور دل کو لگ بھی رہی تھی مگر پھر بھی بہت سے خدشے تھے جو دامن تھامے ہوئے تھے' قدم بوجھل کر رہے تھے۔

''مگر بابا! اگر واقعی کوئی ان کا اپنا آ گیا تو یا پھر یہ کہ آپ ہمیں کس طرح متعارف کرائیں گے؟''

''دیکھو میاں! تم لوگ ایمانداری سے اپنا کردار ادا کرو۔ اول تو کوئی نہیں آئے گا اور اگر آ گیا تو تم پیچھے ہٹ جانا۔ اب رہی بات متعارف کرانے کی تو یہ مجھ پر چھوڑ دو' اللہ مالک ہے۔''

''ٹھیک ہے بابا! میں تیار ہوں۔ کم از کم بچے تو غلط ہاتھوں میں نہ جائیں' ہم ان کی پرورش اور تربیت اپنے بچوں کی طرح کریں گے ان شاء اللہ!''

عاتکہ نے صدق دل سے کہا تو بابا خوش ہو گئے۔

''جیتی رہو بیٹی! خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے' آمین۔ تو پھر یہ طے ہوا کہ تم اکبر کے چچا زاد بھائی ہو ان کے خاندانی اختلافات تھے اس لیے زندگی میں کبھی ملاقات نہیں کی۔ اب جبکہ وہ نہیں رہے تو تم بچوں کے لیے آ گئے اور امریکا سے آئے ہو۔''

ہو گئی۔ انہوں نے بچوں کو بلایا مگر وہ اب اپنی زندگی ان بچوں کے ساتھ وابستہ کر چکے تھے اس لیے واپس نہیں لوٹے۔

"بابا! اب تو آپ خوش ہیں ناں ہماری کارکردگی سے؟ ہم اچھا کام کر رہے ہیں ناں ڈرامے میں؟"

عثمان اکثر مسکراتے ہوئے بابا سے پوچھا کرتا تو وہ بے شمار دعاؤں سے نواز دیتے۔

"آفرین ہے تم دونوں پر۔ میں بہت خوش ہوں۔ میرا اللہ بھی تم دونوں سے خوش ہوگا۔ عمار تو بہت سلجھا ہوا ہے مگر میں ذورین کی طرف سے بہت فکرمند ہوں بہت بدتمیز ہوتا جا رہا ہے۔ رفیق کی صحبت میں اسے نہ چھوڑا کرو بہت غلط آدمی ہے۔ یہ نہ ہو کیے کرائے پر پانی پھر جائے جوان ہو رہا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں بابا! انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔" اور پھر وقت پر لگا کر اڑ گیا۔ عمار کو بابا نے عثمان اور عاتکہ کے بارے میں جس انداز سے بتایا تھا وہ ان کی بے حد عزت کرنے لگا تھا اور جب رفیق نے ذورین کو اپنے انداز میں بتایا تو اکھڑ مزاج ذورین چیخ اٹھا ہاتھ میں پکڑا گلاس دیوار پر دے مارا۔

"واٹ!" ذورین کچھ اتنی زور سے دہاڑا کہ رفیق کے قدموں تلے زمین لرز گئی مگر وہ بھی رفیق تھا اس نے اسی روز ذورین کو ہموار کرنا شروع کر دیا تھا جب اس نے شعور میں قدم رکھا تھا مگر پہلے تو وہ سب اشاروں کنایوں میں کہتا تھا جو ذورین کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ آج جب اس نے برملا کہا تو ذورین جو فطری طور پر نہ صرف اکھڑ تھا بلکہ خودسر اور بدمزاج بھی تھا غصے سے چلا اٹھا۔

"رفیق اگر تم میرے بزرگ نہ ہوتے تو اس بکواس کے جواب میں تمہیں اٹھا کر پھینک دیتا یا پنکھے سے لٹکا دیتا۔ تمہیں جرأت کیسے ہوئی انکل آنٹی کے بارے میں ایسی بات کہنے کی؟"

رفیق کی اس بات نے ذورین کی پرسکون زندگی میں ایسے ہی ہلچل مچا دی جیسے پرسکون پانی کے سکوت کو ایک کنکر درہم برہم کر دیتا ہے۔

"آپ مالک ہو میاں۔ غریب کی بات کی کیا اہمیت ہوگی مگر خدا میرا ہی بھلا کرے خدا دوسرا سانس لینا نصیب نہ کرے جو جھوٹ بولا ہو۔ آپ معلوم کر لو عمار میاں سے شرفو بابا سے اور شرفو بابا تو خود ان کو لے کر کے آیا ہے نہ جانے کیا مقصد ہے ان سب کا۔ آپ معلوم کر لو پھر اگر جھوٹ نکل آئے تو جو چور کی سزا ہو وہ مجھے دے دیجیے گا۔"

رفیق نے مکاری سے آنکھیں مٹکائیں ٹوپی کو سر پر سے اتار کر اچھالا پھر سر پر رکھ لیا۔ ذورین کے اندر آندھیاں سی چل رہی تھیں۔

"سوچ لو رفیق! اگر یہ سب جھوٹ ہوا تو تمہاری خیر نہیں۔"

ذورین کو رفیق کی باتوں نے اندر تک ہلا کر رکھ دیا تھا اور سکون کی جگہ بے قراری نے لے لی تھی۔

"میں جھوٹ بول رہا ہوں کہ سچ آپ بابا سے پوچھ لو۔ میاں جھوٹ ہو تو...... اگر یہ لوگ آپ کے

"بابا! کسی کو شک ہو گیا تو؟"

"ہم لوگ کوئی برا یا غلط کام نہیں کرنے جا رہے بیٹے اللہ ہماری نیت جانتا ہے۔ ہمارا مقصد صرف بچوں کی پرورش اور بزنس ہے جس کو ایمانداری سے پورا کرنا چاہتے ہیں اور بس۔ تم لوگ مضبوط رہو ٹھیک ہے ناں؟"

"ٹھیک ہے بابا! ہم پوری کوشش کریں گے کہ ان بچوں کو اچھی تربیت دے سکیں اور ان کے بزنس کو ایمانداری سے چلا سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ثابت قدمی عطا فرمائے۔ آمین۔"

وہ تینوں آنے والے وقت کے لیے نیک خواہشات کے بیج بو رہے تھے اور باہر رفیق جو بابا کو آیا تھا کہ عمار اسے بلا رہا ہے اندر سے آتی باتوں کی آواز پر اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ معاملے تک پہنچ گیا تھا۔ اسے اتنی تو سمجھ آ گئی تھی کہ اب بابا نے یہ ڈراما تیار کیا ہے اور ان دو کرداروں سے زندگی کی گاڑی آگے بڑھانا چاہ رہے ہیں مگر یہ کردار اتفاقیہ اس کہانی کا حصہ بنے ہیں یہ وہ نہ تو سن اور سن بھی لیتا تو یقین نہ کرتا۔

"ہوں تو یہ معاملہ ہے۔ سمجھ لوں گا میں تم کو بابا شرف الدین۔"

رفیق اتنا عیار مکار اور گھٹیا سوچ کا مالک لالچی سا آدمی تھا کہ وہ ان تینوں کی سوچ کی بلندی کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ یہ راز اس نے اہم وقت کے لیے سنبھال کر رکھ لیا تھا۔ اپنی بیوی کو بھی نہیں بتایا تھا۔

☆☆☆

بابا شرفو کی پلاننگ کے تحت عثمان اور عاتکہ نے زندگی سے بھرپور کردار نگاری شروع کر دی عثمان نے مکمل طور پر گھر اور بزنس کو سنبھال لیا تھا۔ عاتکہ نے بچوں کو سینے سے لگایا تو سینہ ماں کا نہ تھا مگر خلوص کی ٹھنڈک نے ان کے جلتے دلوں پر سکون کے پھائے رکھ دیے تھے۔ عاتکہ کے انداز میں ایسی ممتا تھی کہ دونوں بچے جلد ہی اس سے ماں کی طرح پیار کرنے لگے۔ رفیق سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ سب اچھا ہو رہا تھا وقت بڑی تیزی سے خوشگوار راستوں سے ہوتا ہوا منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسی دوران میں اللہ نے عاتکہ اور عثمان کو بیٹی عطا کر دی تو عاتکہ کی توجہ کچھ بٹ گئی۔ چونکہ لڑکے بڑے ہو رہے تھے عمار فطری طور پر بڑا صابر اور ضبط والا بچہ تھا جبکہ ذورین اپنے نام کی طرح بہت زور والا اکھڑ اور ضدی تھا اور کچھ اسے رفیق کی حمایت حاصل تھی۔ رفیق پوری پلاننگ کے ساتھ ذورین کو اپنے ساتھ لگا رہا تھا۔ عثمان کی بیٹی نیلو سے تو ذورین کو چڑ ہی نہیں نفرت سی تھی جبکہ وہ اتنا ہی اس کا خیال رکھتی مگر وہ ہر کھیل سے اسے الگ کر دیتا ڈانٹ دیتا۔ اتنا زچ کرتا کہ وہ رونے لگتی۔ تب عمار بڑا بھائی بن کر اس کو ساتھ لیے کرتا۔ عجیب اتفاق تھا کہ ان کے یہاں سیٹل ہوتے ہی اسحاق صاحب اور عبدالقدیر صاحب میں

اپنے ہوتے' خون کا رشتہ اور تعلق ہوتا تو اکبر صاحب کے جمے جمائے کاروبار کو یوں برباد نہ کرتے۔ فیکٹری کو اونے پونے نہ بیچ دیتے اور آپ کی جائداد میں اپنی بیٹی کو حصے دار نہ بناتے اور......"

"شٹ اپ رفیق! یہاں سے اسی وقت نکل جاؤ۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کر گزروں؟"

رفیق کی عیارانہ انداز میں کی گئیں باتیں غبار بن کر ذورین کے دماغ پر چڑھ گئیں۔ وہ دہاڑا تو رفیق نے کھسک جانے ہی میں عافیت جانی۔ یوں بھی وہ اپنا کام کر چکا تھا۔ یہ تو آگ تھی جو اس کے دل میں اس وقت سے بھڑک رہی تھی' جب سے اس نے شرفو بابا کی باتیں سنی تھیں۔ وہ شیطانی سوچ کا آدمی تھا۔ لالچ اسے ہر کام کرنے مجبور کر دیا کرتی تھی۔ جب سے رفیق نے ماضی کے اذیت ناک لمحات کو اس کے سامنے بے نقاب کیا تھا' وہ بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ بچپن سے آج تک اس نے عاتکہ کو اور عثمان کو والدین کی طرح مخلص اور مہربان پایا تھا۔

"ایسا کیونکر ہوسکتا ہے' کیسے ہوسکتا ہے؟ کہ ایسی عورت' جس نے مجھے جنم نہیں دیا اور جس سے میرا کوئی خون کا رشتہ بھی نہیں' وہ اتنی مہربان کیونکر ہوسکتی ہے؟ اپنی راتوں کی نیندیں کیوں برباد کرتی رہی ہے؟ کیوں اس کے لمس میں ماؤں جیسا قرار اور سکون ہے۔ کیوں اس کے قرب سے ممتا کی خوشبو آتی ہے۔ کیوں میری ذرا سی تکلیف پر وہ تڑپ اٹھتی ہے اور اس کی رگوں میں دوڑنے والا خون اگر ایک نہیں ہے تو پھر کون سا جذبہ ہے' کون سا ایسا رابطہ ہے' تعلق ہے جو پاپا کو ان کی ذرا سی پریشانی پر تڑپا دیتا ہے۔ ان کے دلوں کی زمین میں محبت بڑی وافر مقدار میں کاشت ہوئی ہے کہ وہ ان کو اپنے بچوں کی طرح چاہتے ہیں بلکہ بسا اوقات اپنی سگی بیٹی نیلوفر پر فوقیت دے جاتے ہیں' ان دونوں بھائیوں کی خوشی پر بے پناہ خوش ہوتے ہیں اور دکھ پر مچل جاتے ہیں۔ تعلق کی کون سی ڈور ان کو جوڑے ہوئے ہے' کوئی غیر اتنا اچھا نہیں ہوسکتا۔ کہیں رفیق کا خیال درست تو نہیں کہ یہ شرفو بابا کا تحریر کردہ ڈراما ہو جس میں یہ دونوں کردار زندگی کے حقائق اور احساسات کے ساتھ رنگ بھر رہے ہوں اور ان کے والدین کی چھوڑی ہوئی جائداد و جاگیر وغیرہ پر قبضہ کرنا چاہتے ہوں۔

"نہیں' رفیق بکواس کرتا ہے' مما پپا ایسے نہیں ہوسکتے۔"

عثمان اور عاتکہ کی محبت' بے لوث چاہت رفیق کے شیطانی خیالات کو رد کیے ہوئے تھی۔

"اگر یہ سب جھوٹ ہوا تو...... تو میں رفیق کی بزرگی کا بھی خیال نہیں کروں گا اور اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔ ڈسٹرب کر کے رکھ دیا ہے مجھے' ایڈیٹ۔"

ذورین کئی گھنٹوں سے ذہنی انتشار کا شکار تھا۔ طرح طرح کے خیالات منفی حیثیت میں ہر طرح سے سامنے آکر اسے بے زار کر رہے تھے۔ اس نے غصے میں تکیہ دروازے کی جانب اچھالا۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور نیلوفر اندر داخل ہوئی۔ ایک تو رفیق پر غصہ تھا' اوپر سے نیلوفر کی آمد اسے تپا گئی۔

"کیوں آئی ہو اندر؟" وہ دہاڑا۔ اس نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر جھک کر تکیہ اٹھایا۔

"اس لیے کہ باہر کہیں بھی یہ درج نہیں تھا کہ اندر آنا منع ہے یا یہ ممنوعہ علاقہ ہے۔"

اس نے تکیہ اس کے بیڈ پر سیٹ کر کے رکھ دیا وہ پھر چیخا۔

"کچھ مینرز بھی ہوتے ہیں۔ کسی کے کمرے میں جانے سے پہلے ناک کر کے جانا چاہیے۔"

"تو میں کون سا ناک کے بغیر آئی ہوں۔ قسم سے ناک کے ساتھ آئی ہوں' یہ دیکھ لو۔" نیلو نے شوخی سے اس کے تیوروں کو اگنور کرتے ہوئے اپنی چھوٹی سی ناک پکڑ کر کہا۔

"زیادہ لوسی بننے کی ضرورت نہیں' میں دستک کی بات کر رہا ہوں۔"

وہ لفظ دستک کو چبانے لگا تو وہ ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی کی جلترنگ کمرے کی فضا کو خوشگوار بنا گئی۔

"اوہ اچھا' تو سنیے۔ اگر آپ کی سماعتیں حیات ہیں تو میں نے دستک تین بار دی تھی مگر لگتا ہے' آپ کی سماعتیں قید حیات سے فراغت پا چکی ہیں۔ لہٰذا مما کا پیغام دیئے اجازت کے بغیر ہی چلی آئی۔ زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں' مما نے آپ کو بلایا ہے۔"

ذورین سے وہ چار سال چھوٹی تھی اور اگر ذورین اکھڑ مزاج تھا تو وہ بھی تنک مزاج تھی۔ اسے زیادہ خاطر میں نہیں لاتی تھی مگر اس بات کی خود نیلو کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ جو ہر بات میں اس سے لڑائی کرتا ہے' ڈس ہارٹ کرتا ہے' اتنا اکھڑ ہو کر بھی وہ اتنا اچھا کیوں لگتا ہے کہ اس کی ہر بات' ہر ادا اسے اچھی لگتی تھی مگر وہ اتنی کمزور ہرگز نہیں تھی کہ اس سے دب جاتی۔ ہر میدان میں ڈٹ کر مقابلہ کرتی تھی۔ ذورین تو اس سے قطعی مختلف سوچ رکھتا تھا۔ وہ اس سے چڑتا تھا اور وہ چڑاتی تھی اور ایسے وقت میں جبکہ وہ سخت الجھا ہوا تھا' نیلو کی آمد اسے انتہائی ناگوار گزری تھی۔

"میں نہیں آرہا۔ جاؤ کہہ دو جاکر اپنی مما سے۔"

وہ اپنے ہی انداز میں دہاڑا تو نیلو چونک کر مڑی۔ اس کو دیکھا' اس کے چہرے پر غیر مانوس سے موسموں کی جھلک تھی۔ ایسے لہجے کی وہ عادی تو تھی مگر آج کچھ خاص بات ضرور تھی کہ پھانس بن کر دل میں اتر گئی تھی۔ لفظ "اپنی" جیسے دھماکا کر گیا' اس کے اندر' وہ جواب تک ہمیشہ عاتکہ کو صرف اپنی مما کہا کرتا تھا آج بغیر کسی وجہ کے اپنے حق سے سبکدوش ہو رہا تھا۔

"ٹھیک ہے' کہہ دیتی ہوں جاکر اپنی مما سے۔"

نیلو نے بھی اسی کے انداز میں دانت پیس کر کہا' تب تک وہ کچھ بہل چکا تھا' اپنی بات کی سنگینی کا احساس ہوا تو ایک دم اٹھا اور اس کے مقابل آن کھڑا ہوا۔

"خبردار جو کوئی الٹی سیدھی بات کہی تو میں...... میں خود چلا جاؤں گا' ابھی میں مصروف ہوں۔"

ذورین نے نظریں چرا کر کہا مبادا وہ کچھ اخذ نہ کرلے۔

"اچھا مجھے تو پتا ہی آج چلا ہے کہ بیڈ پر فارغ بیٹھ کر چھت کو گھورنا بھی مصروفیت کے زمرے میں آتا ہے۔"

نیلو نے طنزیہ انداز میں اسے دیکھا تو وہ اسے گھورنے لگا۔

"مجھے تمہاری ایسی فضول باتیں انتہائی ناپسند ہیں' میرے سامنے مت کیا کرو' اوکے!"

"مسٹر ذورین اکبر' میری باتیں فضول ہوں یا کارآمد۔ آپ کو میں نے یہ حق کبھی نہیں دیا کہ آپ ان کو پسند یا ناپسند کریں' اوکے۔"

وہ جانتا تھا کہ وہ بھی اسی کی طرح اکھڑ اور تنک مزاج ہے۔ نیلو نے غصے سے اسے دیکھا اور دروازہ دھڑ سے بند کر کے باہر نکل گئی۔

"یہ چغل خور مما اور بھائی سے ضرور شکایت لگائے گی۔" اس نے سوچا۔

ذورین نے زور سے کرسی کو ٹھوکر ماری' عجیب بے قراری سی اتری ہوئی تھی' ویران شام کی طرح' نیلو اندر سے بجھ سی گئی تھی۔ ذورین کے اندر بھی آج جو اجنبیت تھی' وہ کاٹ رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں آ گئی حالانکہ آج اس نے عمارے سے پڑھنا تھا مگر اداس کر دینے والی کیفیت نے نڈھال سا کر دیا تھا۔ بری حالت تو ذورین کی بھی تھی۔ اس نے لاکھ بہلایا تھا کہ اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے' یہ لوگ اپنے ہیں یا پرائے' ان کو تو انہوں نے محبت سے پالا تھا' ڈوبتے بزنس کے بیڑے کو سنبھالا تھا مگر پھر بھی بے کلی سی ہو رہی تھی۔ وہ بے دم سا ہو کر بیڈ پر لیٹ گیا۔ رفیق نے جیسے پانی میں آگ لگا دی تھی' وہ تپ رہا تھا۔ اتنی مہربان ہستیاں جنہوں نے سگے والدین کی طرح چاہا' پالا' ان کا اس سے کوئی خونی تعلق نہیں تھا۔ جو نہ جانے کن مقاصد کی تکمیل کے لیے ان کی زندگی میں آ گئے تھے۔ اسے خبر ہی نہیں ہوئی کہ عاتکہ کب اندر آئیں اور اس کی جلتی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ذورین بیٹے!"

ملیح آواز کی ساری ٹھنڈی ملاحت ذورین کو سلگتے دل پر پھوار کی طرح محسوس ہوئی۔ اس نے انگارہ آنکھیں کھول کر ان کو دیکھا۔ وہ اپنی ممتا کی سچی محبت کے لیے اس کے قریب کھڑی تھیں۔ ان کا سرد ہاتھ جلتی پیشانی پر یوں سکون دے رہا تھا جیسے زخم پر مرہم رکھ دیا گیا ہو۔ اس کا جی چاہا' ان کی گود میں سر رکھ کر بچوں کی طرح بلک بلک کر رو دے اور رفیق کی شکایت کر کے اسے نوکری سے نکلوا دے مگر نہ جانے کیا تھا جو اس کے اور ان کے بیچ دیوار بن گیا تھا۔

"مم...... مما آپ......" اس نے پیشانی پر سے ان کا ہاتھ ہٹایا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ بھی اس کے برابر بیٹھ گئیں تو وہ کھڑا ہونے لگا مگر انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کیا بات ہے ذوری بیٹا! تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی؟"

عاتکہ نے پرتشویش انداز میں اس کی پیشانی چھوئی تو وہ نظر کترا کر کھڑا ہو گیا۔

"ٹھیک ہوں مما! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ وہ...... وہ نیلو نے بتا دیا ہو گا آپ کو کہ......" اس نے چور نظروں سے ان کو دیکھتے ہوئے دھیمے سے لہجے میں کہا۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ نیلو نے ساری کہانی سنا دی ہو گی جا کر۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔ یہ لڑکی اتنی بڑی ہو گئی ہے' نہ جانے کب سدھرے گی' میں خوف زدہ ہو جاتی ہوں' اس کے لاابالی پن سے۔ میں نے اس کو کہا تھا کہ تمہیں بلا کر لائے اور وہ غالباً یہاں آئی ہی نہیں۔"

"نہیں مما' وہ آئی تھی۔" اس کے چور لہجے نے اعتراف کیا۔

"ہاں آئی ہو گی اور لڑائی کر کے چلی گئی ہو گی۔ میں اسے خوب جانتی ہوں۔ خیر یہ بتاؤ کہ تم نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟" وہ اس کے مقابل آن کھڑی ہوئیں تو وہ پشت کر کے کھڑا ہو گیا۔

"بس مما! یوں ہی بھوک نہیں تھی۔"

"چلو اب کھاؤ۔" انہوں نے ممتا بھرے انداز میں اس کا بازو پکڑا تو جیسے اسے کرنٹ سا لگا۔ اس نے آہستگی سے بازو پر سے ہاتھ ہٹائے۔

"نہیں' مجھے کھانا نہیں کھانا۔"

"اچھا' تو ٹھیک ہے' آج میں بھی بھوکی سو جاتی ہوں۔ ایک رات بندہ کھانا نہیں کھائے گا تو کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ اچھا ہی ہے ذرا اسمارٹ ہو جاؤں گی۔"

عاتکہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور دروازے کی جانب بڑھیں۔ ذورین کو گویا شاک لگا۔

"مما! آپ نے بھی کھانا نہیں کھایا؟"

اس وقت وہ سب کچھ بھول گیا تھا' اس وقت تو صرف مما سامنے تھیں۔

"آج تک ایسا ہوا ہے کہ مما کے ذوری بیٹے نے کھانا نہ کھایا ہو اور مما نے کھا لیا ہو۔ بتاؤ جان! ایسا ہوا ہے؟"

وہ سوال کر کے اس سے جواب چاہ رہی تھیں تو وہ اندر تک سرد پڑ گیا۔ وہ کیا جواب دیتا۔ گزرے وقت کے ایک ایک پل نے اس سوال کی نفی کر دی تو ندامت کا احساس قطرے بن کر پیشانی پر آ گیا۔

"سوری مما! اصل میں کبھی کبھی بندہ اتنا سیلفش ہو جاتا ہے کہ وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ گزرنے والے ہر پل پر صرف اسی کا حق ہے' وہی درست ہے حالانکہ سچائی کے آئینے میں سچے چہرے صاف دکھائی دے رہے ہوتے ہیں۔ صرف ہماری بودی سوچ ہمارے ہی چہروں کو دھندلا دیتی ہے۔ چلیے آئیے۔"

اس نے ہمیشہ کی طرح پیار سے ان کے ہاتھ تھامے اور دروازے کی طرف بڑھا۔

☆☆☆

حبیب صاحب شہرام کو دیکھ کر کچھ جزبز ہو گئے کہ اگر اس نے اپنے بارے میں عفت اور ماہ ما کے خیالات سن لیے ہیں تو اس کو یقیناً ملال ہوا ہوگا اور حقیقت بھی یہی تھی۔ ان ماں بیٹی کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ نشتر کی طرح دل میں اتر گئے تھے۔

''آؤ شہرام بیٹے' مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔''

حبیب صاحب اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر کی طرف چلنے لگے مگر وہ وہیں جما رہا تو وہ پلٹ کر اس کو دیکھنے لگے۔

''کیا بات ہے شہرام بیٹے۔'' وہ اس کے چہرے کی تحریر کو پڑھنے کی کوشش کرنے لگے۔

''چاچا جی' عدالت میں ملزم اور مجرم دونوں ہوتے ہیں ناں۔''

''ہاں۔'' سادہ دل حبیب صاحب اس کی بات نہیں سمجھ پائے۔

''تو پھر بات باہر نہیں ہوگی' یہاں ہوگی ماہ ما کے سامنے۔''

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ ساتھ ہی حبیب صاحب بھی آ گئے' اس کو دیکھ کر ماہ ما نے مزید روانی سے رونا شروع کر دیا۔

''شہرام' کیا فائدہ ہے' تمہارے اتنا پڑھنے کا' امریکا جانے کا کہ تمہیں مینرز نہیں آتے زندگی گزارنے کے' سر راہ تم نے جس طرح مس بی ہیو کیا ہے' یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ تم نے ٹونی کی نہیں ہماری انسلٹ کی ہے۔ تمہیں معلوم ہی نہیں ہے کہ مینرز کس چڑیا کا نام ہے۔''

عفت جہاں کی زبان سے تو الفاظ انگاروں کی صورت اس پر گرنے لگے تھے۔ ماں کی حمایت پر ماہ ما مزید تیزی سے رونے لگی۔ شہرام نے شعلہ بار نگاہ ماہ ما پر ڈالی جو اسے خود اپنی زندگی سے بھی پیاری تھی۔ اپنی سطحی سوچ کے آخری کنارے پر کھڑی اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی' وہ تپ گیا۔

''بات یہ ہے چاچی جی کہ یہ پاکستان ہے۔ انگلینڈ نہیں کہ جہاں آپ اخلاق و روایات سے بالاتر ہو کر جو بھی کر گزریں گی' قابل گرفت نہیں ہوگا۔ سر راہ کوئی غیر مرد کسی لڑکی سے ہاتھ ملاتا ہے' خود اپنے ہاتھوں سے چیونگم لڑکی کے منہ میں ڈالتا ہے اور اس کے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے تو ایسی اخلاقی پستی کو اگر آپ لوگ مینرز کی چڑیا کہتے ہیں تو سوری' میں نے اپنی غیرت سے اس چڑیا کو شوٹ کر دیا ہے اور اس کا مجھے نہ کوئی ملال ہے' نہ افسوس۔''

شہرام کے لہجے میں سچائی تھی' غیرت تھی۔ حبیب صاحب نے اس کی آنکھوں میں اس منظر کو دیکھ لیا تھا اور غیرت کی اس عدالت نے شہرام کو باعزت بری کر دیا تھا مگر عفت جہاں آسانی سے معاف تھوڑی کریں گی۔ اس کی اس دلیل کے بعد ان کا جواب تھا۔

''تم لوگ کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔ ٹونی اور ماہ ما بچپن سے ساتھ کھیلے بڑھے ہیں۔ اگر ایسا کچھ ہو گیا تو کون سی قیامت آ گئی ہے۔ دونوں دوست ہیں' ایک دوسرے کے۔''

''چاچا جی' انگلینڈ سے پاکستان آتے ہوئے آپ کو چاہیے تھا کہ آپ چاچی جی اور ماہ ما کو بتا دیتے کہ ہم جن سرحدوں میں داخل ہو رہے ہیں' ان کا مذہب اور کلچر مرد اور عورت کی اس قسم کی دوستی کو قبول نہیں کرتا۔'' وہ اپنے موقف پر درست تھا اور مضبوطی سے اڑا ہوا تھا۔

''بہر حال تمہیں ٹونی سے معذرت کرنی پڑے گی۔ ان لوگوں سے ہمارے بہت اچھے تعلقات ہیں' تم اس سے سوری کرو گے۔'' عفت جہاں کا انداز تحکمانہ تھا۔ غصے سے اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''عفت جہاں' بندے کو بات قرینے سے کرنی چاہیے۔ جو حرکت ٹونی نے کی وہ شہرام کی غیرت کو گوارا نہیں ہوئی تو تم بیٹی کو سرزنش کرنے کے بجائے اسی کو کہہ رہی ہو کہ یہ اس سے سوری کرے۔ یہ سوری نہیں کرے گا۔''



حبیب صاحب کے نزدیک بھی یہ نامناسب بات تھی۔

''نہیں پپا' شہرام کو ٹونی سے سوری کرنا پڑے گا۔''

ماہ ما کی بات پر شہرام کا دماغ گھوم گیا۔ اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ اسے اٹھا کر پٹخ دیتا مگر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"MY FOOT! YOU AND TONY"

''پیمانے کا اصول توازن ہے اور جب بات توازن کی حدود کراس کر جائے تو بگڑ جایا کرتی ہے۔''

اس نے قہر بار نگاہوں سے ماہ ما کو دیکھا اور دانت پیس کر کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

''دیکھا...... دیکھا آپ نے اس جاہل لڑکے کو' ذرا پاس لحاظ نہیں بڑوں کا اور آپ نہ جانے کیا سوچے بیٹھے ہیں' اس کے بارے میں۔ میری بچی کی ابھی سے یہ عزت ہے' اس کی نظر میں تو آئندہ کیا کرے گا۔''

''عفت جہاں خود کو بھی درست کرو اور بیٹی کو بھی انہی روایات کا پابند کرو۔ ورنہ زندگی مشکل ہو جائے گی اگر وہ غلط ہوتا تو میرے تھپڑ پر بھی وہ ناراض نہ ہوتا۔''

''اونہہ۔ ڈونٹ وری جانی' سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

عفت جہاں نے باہر نکلتے ہوئے شوہر کو دیکھا اور ماہ ما کو ساتھ لگا لیا۔

☆☆☆

شہرام ماہ ما سے سخت خفا تھا۔ وہ جہاں ہوتی' وہ وہاں سے اٹھ کر چل دیتا اور یہ بات ماہ ما نے اچھی طرح محسوس کی تھی اور نہ جانے کیوں یہ روٹھا روٹھا سا کزن اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اسے منانے کو

جی جاہ رہا تھا مگر پھر انا درمیان میں آ کر کھڑی ہو جاتی۔ دوسری طرف عفت جہاں نے ساس کو نہ جانے کن الفاظ میں یہ قصہ سنایا تھا کہ دادی اور ماں بیٹے کے سر ہو گئیں۔

''شہرام بیٹے' تم اگر پوتے ہو تو وہ پوتی ہے میری۔ کیوں تم نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ معصوم سی کلی ہے وہ۔''

''شہری بیٹے' میں تو رات سے پریشان ہوں' پلٹ کر ماضی کو دیکھ رہی ہوں' ایک ایک لمحہ نظر میں گھوم رہا ہے۔ تمہاری تعلیم و تربیت میں نہ جانے کس ساعت چوک ہو گئی۔ کب معلوم تھا کہ تم آداب کی گرفت سے آزاد ہو کر یوں شریف لوگوں سے لڑتے پھرو گے۔ عفت جہاں کی دوست کا لڑکا ہے وہ جس پر تم نے ہاتھ اٹھایا ہے' وہ بھی بلاوجہ۔''

اور بھی بہت سی باتیں تھیں جو اسے سنائی جاری تھیں۔ وہ چپ چاپ سنتا رہا پھر اٹھ کر نکل گیا۔ وہ کوریڈور کراس کر کے لان کی طرف جا رہا تھا کہ راہ میں پڑے اس دشمن جاں ماہ ما کے کمرے کے سامنے جیسے پاؤں جم سے گئے۔ جی چاہا۔ اندر جائے' بات کرے مگر اسی وقت فون کی بیل اس کی سماعتوں سے ٹکرائی' وہ شانے اچکا کر آگے بڑھنے لگا کہ محبوب کی زبان سے رقیب کا نام سن کر وہ کھول اٹھا۔

''ہائے ٹونی کیسے ہو۔ سوسوری ٹونی' اس روز جو بھی ہوا' در حقیقت وہ میرے فرسٹ کزن ہیں نا تو بس ان کو وہ سب اچھا نہیں لگا۔''

''اور تمہیں کیسا لگا تھا' وہ سب؟'' ٹونی نے مکاری سے پوچھا۔

''کم آن ٹونی' میرے لیے وہ سب کوئی نیا تھا کیا۔ اینی ہاؤ یہ بتاؤ تم اب خفا تو نہیں ناں۔'' وہ مستقل اسے منائے جا رہی تھی اور باہر کھڑے شہرام کا خونی دباؤ بڑھ رہا تھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے۔ ماہ ما اتنی انسلٹ کے بعد مجھے ناراض ہونے کا بھی حق نہیں' کچھ معلوم ہے' تمہارے کزن کے پنچ نے میرا جبڑا ہلا کر رکھ دیا ہے۔ کہیں باکسر تو نہیں۔''

ٹونی کی بات کے جواب میں ماہ ما کی ہنسی کے جلترنگ نے شہرام کو کھولا دیا۔

''ارے نہیں ٹونی' شہرام بہت اچھے اور نائس ہیں۔ بس کہا ناں' ان کو وہ پسند نہیں اور اب تو میں بھی محسوس کر رہی ہوں کہ THAT WAS WRONG واقعی ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

ماہ ما کے الفاظ نے جیسے کہ بارش کی پھوار کی طرح کام کیا اور شہرام کے دل پر جمی گرد کو دھو گئے۔ وہ اس خیال سے شاداں ہو رہا تھا کہ راکھ میں چنگاری باقی تھی۔

''کم آن ماہ ما' ہم دونوں کا بچپن کا ساتھ ہے' تم نے اس کا اثر نہیں لیا اور اپنے کزن کی چند روز کی

کمپنی میں ایسی باتیں کرنا شروع ہو گئی ہو۔''

''ہوں FACT IS FACT۔'' وہ اطمینان سے مسکرائی۔

''او کے بائے۔'' ٹونی سلگ اٹھا تھا۔ شہرام کے لیے نفرت کی آگ مزید بھڑک اٹھی تھی۔

''ٹونی۔ ٹونی پلیز ناراض نہ ہو۔'' وہ بے چین ہو گئی۔

''ہوں بھی اور رہوں گا بھی ناراض۔'' اس کی توجہ پا کر ہمیشہ وہ چڑی سے اتر جایا کرتا تھا۔

''او کے کیسے مانو گے۔''

''صرف ایک صورت میں کہ تم کل ڈنر میرے ساتھ کرو گی۔'' وہ اب ڈیمانڈنگ ہونے لگا۔

''WHAT A DELICIOUS OFFER WOW! آؤں گی۔''

وہ ٹونی کو ناراض نہیں کر سکتی تھی' جھٹ ہامی بھر لی۔

''او کے بائے۔'' ٹونی خوش ہو گیا۔

''بائے!'' ماہ ما ٹونی کو منا کر خود کو بڑا پر سکون اور ہلکا محسوس کر رہی تھی۔ باہر کھڑے شہرام نے گھور کر اس کے بند دروازے کو دیکھا اور ایک گہرا سانس لیا اور لان میں آ گیا۔ بندہ جس پر اپنا حق سمجھتا ہو' اس پر غیر کی نگاہ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ چاندنی کی زرد اداس کر دینے والی روشنی میں بھیگی فضا کے سوز کا حصہ بنا ٹہل رہا تھا ورنہ جانے کب تک وہ اپنے اندر کے سوز کا مقابلہ باہر کے سوز سے کرتا کہ عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس نے اس روز کے بعد ماہ ما سے بات تک نہیں کی تھی اور اب جو بات بے قراری بن کر رگوں کو کاٹ رہی تھی' وہ ٹونی سے ماہ ما کی باتیں تھیں۔

''یہ لڑکی کیوں جڑوں میں اتر گئی ہے۔ وہ اپنی زندگی میں آزاد ہے جس کو چاہے پسند کرے' شادی کرے۔ میں کون ہوں' اسے اپنے جذبوں کے حصار میں قید کرنے والا مگر کیوں ایسا ہو رہا ہے' ایسی کون سی کیفیت ہے کہ میں ماہ ما کو کسی اور کے ساتھ دیکھ ہی نہیں سکتا اور وہ اس ہپی کو منت کر کے منا رہی تھی۔ کیوں کیا رشتہ ہے' دونوں کے بیچ رابطے کے کون سے پل ہیں ان کے درمیان، اف میرے خدا۔''

وہ الجھ گیا تو ہاتھوں سے سر تھام کر بنچ پر بیٹھ گیا اور ماہ ما جو ہال سے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ اچانک اس کی نظر شہرام پر پڑی' وہ رک گئی۔ خفا خفا سا یہ کزن نہ جانے کیوں ایک دم ہی اچھا لگنے لگا تھا۔ اس حادثے کے بعد کہ جی چاہتا تھا' اسے منا لے' وہ تھوڑا سا آگے آئی پھر رک گئی پھر نہ جانے کیسے وہ آگے بڑھ گئی۔ آہستگی سے اس نے شہرام کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تو وہ چونک کر مڑا۔ اس پر نظر پڑی تو ایک دم کھڑا ہو گیا۔

''تم......'' گزرے لمحوں کی تلخی ابھی بھی باقی تھی۔

''جی میں۔'' اس نے مختصر جواب دیا اور بیٹھ گئی تو وہ آگے بڑھنے لگا۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھڑی ہوگئی۔ وہ ویسے ہی روٹھا رہا۔

''آپ کے پاکستان میں کسی روٹھے کو منانے کا کوئی رواج' کوئی رسم ہے کہ نہیں۔''

اس کی خوب صورت آواز خاموش فضا کو خوب صورت بنا گئی۔ وہ اس کی طرف گھوم گیا۔

''اگر یہ صرف میرا ہی پاکستان ہے تو میرے پاکستان میں ہر اچھی رسم موجود ہے۔ رہی بات کسی روٹھے کو منانے کی تو بلاوجہ روٹھنے والوں کو میں منانے کا قائل ہی نہیں' خواہ کوئی تمام عمر روٹھا رہے۔''

شہرام نے اکھڑے انداز میں اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کراتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔

''آپ اتنے لڑاکو کیوں ہیں۔'' ماہ ما کے لہجے میں بے چارگی تھی۔

''سوری' میرے مزاج کے موسم تو ایسے ہی ہیں' زہر کو قند نہیں کہہ سکتا۔''

وہ مستقل ہرجائی پن دکھائی دے رہا تھا۔

''توبہ ہے' اتنی مشکل باتیں کرتے ہیں آپ۔ اچھا چلیے دوستی!''

ماہ ما نے مسکراتے ہوئے اپنا مرمریں ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تو وہ اسے تیکھی نظر سے دیکھنے لگا۔

''کیا بات ہے' آج سب سے دوستی کی جارہی ہے۔''

اپنی بات کے جواب میں وہ کوئی لطیف سی بات سننا چاہ رہا تھا مگر ماہ ما سیدھی سی لڑکی تھی۔ وہ باتوں کو رنگین الفاظ کے پیرہن نہیں پہنا سکتی تھی۔

''اس لیے کہ لڑنا بری بات ہوتی ہے اور دوستی کرنا اچھی بات۔''

ماہ ما کا ہاتھ ابھی بھی اس کی طرف بڑھا ہوا تھا جسے اس نے تھاما نہیں تھا۔

''اگر میں دوستی کی شرط رکھ دوں تو۔''

وہ ایسا تھا تو نہیں مگر ایسے میں جب محبوب مہربان ہو' بندہ خواہ مخواہ ہی نخرے دکھانے لگتا ہے اور نہ جانے اس سے کیا سننا چاہتا تھا۔

''مجھے آپ کی ہر شرط قبول ہے۔'' ماہ ما نے سادگی سے کہا اور واقعی اس کی دوستی تو اسے ہر شرط قبول تھی۔ شہرام کے دل کے شہر میں جگنو چمکنے لگے۔

''ریئلی!'' شہرام نے اس کا نرم ہاتھ پکڑ لیا۔

''آف کورس۔'' ماہ ما کی مسکراہٹ ماحول کو مزید خوب صورت بنا گئی۔

''ٹھیک ہے تو کل میں اور تم ڈنر باہر کریں گے' منظور ہے۔''

''اوکے ضرور کریں گے۔'' شہرام کے چہرے پر آئی مسکراہٹ سے وہ خوش ہوگئی۔

''لیکن آپ جینز اور ٹی شرٹ نہیں پہنیں گی' شلوار سوٹ میں جائیں گی۔''

''IMPOSSIBLE۔'' ماہ ما کے لیے لباس والی شرط ذرا مشکل تھی۔

''ایک کہاوت ہے۔''

''کیا ہے؟'' وہ کہاوت کا مطلب نہیں سمجھ پائی۔

''یعنی اگر آپ اونٹوں سے دوستی کریں گی تو آپ کو دروازے اونچے کرنے پڑیں گے۔ آپ کو ہماری بات ماننا پڑے گی کہ آپ کہہ چکی ہیں۔''

وہ مسکراتا ہوا اتنا فریش اور اچھا لگ رہا تھا کہ وہ مان گئی۔

''اوکے!''

شہرام کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

☆☆☆

اس وقت دادی ماں کے کمرے میں تمام بزرگ بیٹھے شادی کی تیاریوں کی باتیں کررہے تھے۔ عفت جہاں کوئی خاص حصہ نہیں لے رہی تھیں' اصل میں ان کی کبھی بھی اپنے سسرال والوں سے بنی نہیں تھی۔ اماں جان اپنی روایات کی حدود میں رہتیں' اپنے مذہب سے ان کو عشق تھا۔ انہوں نے بیٹوں کی پرورش بھی اللہ رسولؐ کے حکم کے مطابق کی تھی مگر عفت جہاں کچھ اور سوچ کی مالک تھیں۔ روایت شکن تھیں' ماڈ تھیں اس لیے ان دونوں کے بیچ رابطوں اور تعلقات کا پل تعمیر نہیں ہوسکا تھا۔ یوں بھی وہ آفیسر خاندان سے تعلق رکھتی تھیں' وہ خود کو بھی کسی ریاست کی ملکہ ہی سمجھتی تھیں۔ اس وقت بھی جبکہ سب لوگ پرجوش ہو کر شادی کی باتیں کررہے تھے۔ وہ لاتعلق سی بیٹھی میگزین دیکھ رہی تھیں۔ اسی وقت دروازہ کھلا۔ انہوں نے میگزین سے نظر اٹھا کر دروازے کی جانب دیکھا تو ان کو جیسے کرنٹ سا لگا۔ ماہ ما اور شہرام مسکراتے ہوئے اندر آرہے تھے' سب نے ہی دیکھا۔ اماں جان پیار سے بولیں۔

''ارے' صدیقہ بیٹی' میرے بچوں کی نظر اتار دو۔ کتنے اچھے لگ رہے ہیں' ساتھ چلتے ہوئے۔''

''ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ......!''

صدیقہ بیگم نے تو باقاعدہ پرس میں سے پیسے نکال کر صدقہ اتار دیا۔ عفت جہاں سلگ اٹھیں۔

''ماہ ما تم کہاں تھیں؟'' وہ تیز آواز میں بولیں۔ ان کے لہجے میں غصہ اور چہرے پر تناؤ کا سبب صرف حبیب صاحب ہی جان سکتے تھے۔

''مما' میں اپنے روم میں تھی۔ باہر آئی تو شہرام لان میں اکیلے تھے پھر ہم دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے اب آگئے ہیں۔''

ماہ ما نے فطری سادگی سے ساری سچویشن من وعن سنا دی تو عفت جہاں جو اس بات پر ہی خوش

ہو رہی تھیں کہ ماہ ما کے شہرام سے خود ہی تعلقات بگڑ رہے ہیں لہٰذا بات آگے نہیں بڑھ پائے گی اس بات نے ان کو ہلا کر رکھ دیا۔

"تم اس وقت لان میں تھیں، کچھ پتا بھی ہے کتنے مچھر ہوتے ہیں لان میں اس وقت۔ وہ کا فون کئی بار آچکا ہے۔ ٹونی کوئی دس بارہ فون کر چکا ہے، جاؤ ابھی ان دونوں بہن بھائی کو فون جا کر۔"

سب لوگ ان ماں بیٹی کی طرف متوجہ تھے۔ حبیب صاحب عفت جہاں کے تاثرات سے کچھ پڑھ رہے تھے۔

"مما ٹونی تو کریزی ہے۔ ابھی تو میری اس کی بات ہوئی ہے۔ میں اب اس کو فون نہیں کروں گی۔" ماہ ما نے منہ بنا کر کہا تو ایک لطیف پرسکون سا نشاط آفریں احساس شہرام کو اپنے اندر اترتا محسوس ہوا۔ حبیب صاحب بھی دل میں خدا کا شکر ادا کرنے لگے کہ ماہ ما نے ٹونی کو برا کہا عفت جہاں تو تپ گئیں۔ فوراً کھڑی ہو گئیں۔ خطرے کی گھنٹیاں ان کو قریب ہی سنائی دینے لگیں۔

"ماہ ما، تمہیں احساس ہے کہ تم کس کے لیے کیا کہہ رہی ہو۔ ٹونی اور اس کے ممی پپا ہمارے لیے کتنے IMPORTANT ہیں۔ چلو میرے ساتھ آؤ اور ٹونی کو فون کرو۔"

عفت جہاں اسے گھسیٹتی ہوئی ساتھ لے گئیں۔ سب ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔ شہرام سانس لے کر رہ گیا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔

"عفت جہاں آج تک ہم میں گھل مل نہیں سکی، غیر تھی، غیروں کی طرح الگ الگ رہی۔" جان بڑی اچھی ساس تھیں۔ کبھی کسی بات پر روک ٹوک نہیں کی تھی، البتہ وہ حبیب کے انگلینڈ اور اتنا عرصہ باہر رہنے پر خوب خفا ہوا کرتی تھیں اور سوچ کا یہ تضاد ہی ساس بہو میں فاصلے بڑھاتا چلا گیا۔

"حبیب، عفت کو سمجھاؤ۔ دو سال کا عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا، خود کو ایڈجسٹ کرنے کے لیے۔ پاکستان میں بھی انگلینڈ کا ماحول پیدا کرنا اور دیکھنا چاہتی ہے اور ہمیں یہ سب پسند نہیں۔" حبیب صاحب کے بڑے بھائی نے کہا تو وہ ان کو دیکھ کر رہ گئے۔

"جی بھائی جی، کوشش تو پوری کر رہا ہوں۔ دیکھیے گا، انشاء اللہ دونوں ٹھیک ہو جائیں گی۔"

ان کے بے یقین لہجے کی کشتی میں ان کے الفاظ ڈول کر رہ گئے۔

☆☆☆

جب سے ماہ ما سے بات ہوئی تھی، شہرام نے وہ رات خوابوں کے دیس میں گزار دی تھی۔ کے ساتھ ارمانوں کے پھولوں کی بستی میں چلتے ہوئے ٹونی کے نام کا کانٹا چبھتا ہی رہا۔ اس نے

دن ماہ ما سے بات نہیں کی۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا، اسے ٹونی کی بات یاد رہتی ہے یا اس کی۔ شام کے سائے ڈھلنے لگے تھے۔ وہ سب مسجد سے مغرب کی نماز کے بعد آکر ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گئے۔ وہ بھی میگزین لے کر ایک سائڈ پر بیٹھ گیا۔ وہ خود کوئی پہل نہیں کرنا چاہتا تھا، جبکہ ماہ ما بھی غائب تھی۔ وہ میگزین کی اوٹ میں اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسی کے خیال میں نگاہ جو اٹھی تو پھر پلک جھپک نہیں پائی۔ ماہ ما اسی شلوار سوٹ میں اوپر سے نیچے آرہی تھی۔ پہلے روز کی طرح بڑا دوپٹا آج بھی مشکل پیدا کر رہا تھا۔ وہ اس وقت بالکل کوئی پری لگ رہی تھی۔ شہرام کے دل میں اچانک ہی بہار آگئی تھی۔ وہ اسے مبہوت سا دیکھے گیا۔ اس کا اس لباس میں آنا اسے معتبر کر گیا کہ وہ اس کے ساتھ جانے کو تیار ہوئی ہے۔ وہ خوشی کی کرنیں سمیٹ بھی نہیں پایا تھا کہ عفت جہاں کی کرخت آواز نے اس طلسم کو توڑ دیا۔

"یہ تم کہاں جا رہی ہو ماہ ما؟" عفت جہاں کے لہجے میں سختی تھی۔ انہوں نے ایک تیز نگاہ شہرام پر ڈالی۔

"مما، میں شاپنگ کرنے جا رہی ہوں۔" وہ مسکرائی۔

"تم شاپنگ کرنے جا رہی ہو اور مجھے خبر تک نہیں۔ کون سی شاپنگ کرنے جا رہی ہو اور کس کے ساتھ جا رہی ہو؟" عفت جہاں نے ایک سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

"مما، وہ دادی ماں کہہ رہی تھیں کہ شادی کے لیے خود شاپنگ کروں اسی لیے میں شہرام کے ساتھ جا رہی ہوں۔" ماہ ما نے سادگی سے ساری بات بتا دی تو وہ غصے سے اس کے قریب آگئیں۔

"تم کہیں نہیں جا رہیں۔ شاپنگ کرنا ہوگی تو میں خود جاؤں گی۔"

عفت جہاں نے شہرام کے روشن چہرے کو بجھا کر رکھ دیا۔ ماہ ما نے شہرام کو دیکھا جس کے چہرے پر سرد شام کی ویرانی اتر آئی تھی۔

"مگر مما......" ماہ ما کے لہجے میں اصرار کرنے والی بے چارگی تھی۔ اسی وقت حبیب صاحب آگئے۔ کچھ آوازیں تو اندر آتے ان کے کان میں پڑ گئی تھیں اور کچھ عفت جہاں کی پیشانی کے تیوروں نے سب کچھ بتا دیا۔

"شہرام بیٹا، جاؤ تم تیار ہو کر آؤ۔ تم اور ماہ ما آج اور ابھی شاپنگ کے لیے جاؤ گے۔"

حبیب صاحب نے اٹل انداز اس لیے اختیار کیا کہ عفت جہاں کے انکار کے راستے بند ہو سکیں۔ وہ تلملائیں، چند قدم ان کی طرف بڑھیں، پہلے شہرام کو گھورا اور پھر ماہ ما پر ایسی نگاہ ڈالی، جیسے کہہ رہی ہوں۔

"تمہیں تو میں اچھی طرح سمجھ لوں گی۔"

شہرام خوشی کی کرنیں سمیٹتا ہوا آگے بڑھ گیا اور عفت جہاں پاؤں پٹختی دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

☆☆☆

زندگی کے یہ لمحات کسی قیمتی اثاثے سے بھی زیادہ حیثیت رکھتے تھے شہرام کے لیے، جو وہ ماہ ماکی سنگت میں گزار رہا تھا۔ ماہ ما اس کے ساتھ قدم اٹھا کر چل رہی تھی تو اسے لگ رہا تھا' دنیا بھر کی خوشیاں اس کے ہمراہ ہوں۔ وہ اس وقت کتنا خوش تھا' یہ شاید ماہ ما کو احساس نہیں تھا۔ نہ ہی اس نے سوچا تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ اسے تو بس یہ معلوم تھا کہ وہ شہرام کو خفا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ شہرام اسے اپنے پسند کے لباس میں دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے ماہ ما کو ساڑی بھی لے کر دی۔ شرارہ غرارہ سب کچھ اس نے اپنی پسند سے لے کر دیا۔ وہ مسکراتی رہی۔ اس کی مسکراہٹ کی کرنیں دور تک اترتی گئیں۔

''شہرام' میں بہت تھک گئی ہوں اور وہ آپ کا ڈنر کا وعدہ کیا ہوا۔''

اس کے ملیح چہرے پر واقعی تھکن کی ہلکی سی شام اتری ہوئی تھی۔

''ڈنر کا وعدہ...... کم آن' میں نے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا۔''

زیرلب مسکراتا ہوا وہ شوخ ہونے لگا تو وہ گھبرا گئی۔

''شہرام I WILL KILL YOU۔''

''بسر وچشم!'' معنی خیز الفاظ اس کے لہجے کی گھمبیرتا میں دب گئے۔

''شہرام پلیز۔ مجھ سے قدم بھی اٹھایا نہیں جا رہا' کچھ تو کھلا دیں۔'' وہ منت پر اتر آئی۔

''کیا مطلب ہے بھئی' ساری رقم تو تمہاری شاپنگ پر اٹھ گئی ہے۔''

وہ اسے مزید تنگ کیے گیا تو وہ زچ ہو کر گاڑی کی طرف بڑھی۔

''اوکے' اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ میں آپ کے ساتھ کہیں نہیں آؤں گی۔''

''ارے نہیں بابا' یہ غضب نہ کرنا' خدا کے واسطے بندہ مارا جائے گا۔''

ہینڈل پر رکھے اس کے ہاتھ پر شہرام نے اپنا ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ حیرت سے مڑی۔

''کون سا بندہ مارا جائے گا۔'' وہ قطعی اس کا مطلب نہیں سمجھی تھی۔

''ہے اک پاگل سا دیوانہ سا۔ اچھا چلو' کھانا کھائیں۔ I WAS JOKING۔''

دونوں مسکراتے ہوئے ریستوران میں داخل ہوئے۔ ہلکی ہلکی سی موسیقی کی لہریں اور ہلکی سی مدھ خواب آور سا ماحول بنا رہی تھی۔ شہرام ماہ ما کی دلی کیفیت سے ناواقف تھا مگر خود اس کو یہ سب اچھا لگ رہا تھا کہ دل کے کسی کونے سے یہ دعا ابھری تھی کہ اللہ تعالیٰ' اس کی زندگی اس پیاری

ٹوپی کے ساتھ لکھ دے۔ کھانا لگنے تک دونوں مختلف موضوعات پر بحث کرتے رہے مگر شہرام کو اپنے ہی ملک' اپنے کلچر کے خیالات سن کر افسوس ہو رہا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ وہ بے قصور ہے کیونکہ بچہ تو پانی کی طرح ہوتا ہے' اسے جس شیپ کے برتن میں ڈال دو۔ وہ اسی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اسی دوران کھانا بھی لگ گیا۔ ماہ ما نے جلدی سے پلیٹ میں چاول نکالے۔ قریب تھا کہ نوالہ منہ تک جاتا' عین اسی وقت ٹونی اپنے کرلی بالوں کی پونی لہراتا غصے سے بپھرا ہوا ان کی طرف بڑھا۔ ماہ ما کا ہاتھ نیچے آ گیا۔ اس پر نظر پڑی تو شہرام کی گزرے لمحات کی خوشی تاریک ہو کر رہ گئی۔

''یہ ڈنر جو تم اپنے فرسٹ کزن کے ساتھ کرنے آئی ہو' یہ ڈنر تم نے میرے ساتھ کرنا تھا۔'' وہ دانت پیس کر بول رہا تھا۔

''اوہ نو!'' ماہ ما جو شہرام کی سنگت میں سب کچھ بھول گئی تھی۔ یاد آیا تو سر تھام کر بیٹھ گئی۔ وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

''آئی...... آئی...... ایم سوری ٹونی' میں بالکل بھول گئی' آؤ بیٹھو۔''

ماہ ما کو اپنی زیادتی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ اس نے اس کا بازو پکڑ کر بیٹھانا چاہا مگر اس نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ الگ کر دیا۔ اسی دوران شہرام کا دوران خون بوائلنگ پوائنٹ تک پہنچ گیا تھا' وہ بھی کھڑا ہو گیا تھا۔

''LEAVE ME ماہ ما' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم جو میرے لیے جان دینے کو تیار تھیں' پاکستان آ کر اتنی بدل جاؤ گی میں تمہارے کہنے پر ہرگز پاکستان نہ آتا۔''

ٹونی مکار لڑکا تھا۔ اس نے شہرام کو سنانے کی خاطر وہ باتیں بھی کہہ دیں جو ماہ ما نے کبھی اس سے نہیں کی تھیں۔

''ٹونی پلیز' سوری ناں درحقیقت میرے کزنز کی شادی ہے ناں تو شاپنگ کے بعد ہمارا ڈنر کا پروگرام بن گیا۔ اوکے چھوڑو FORGET IT! آؤ کھانا کھاؤ۔''

وہ اس کی منت سماجت میں لگی ہوئی تھی۔ شہرام نے میز پر رکھی گاڑی کی چابی اٹھائی اور جانے لگا۔

''شہرام آپ!'' وہ گھبرا کر شہرام کی طرف مڑی۔

''آپ لوگ ڈنر کریں' میں ڈرائیور کے ہاتھ گاڑی بھیج دوں گا۔''

شہرام نے بہت ضبط سے کام لیا تھا ورنہ جتنا غصہ اسے آ رہا تھا' وہ میز پر رکھی چھری ٹونی کے پیٹ میں اتار دیتا تو شاید تب بھی غصہ ٹھنڈا نہ ہوتا۔ وہ غصے میں تیز تیز چلتا باہر نکل گیا۔

''شہرام پلیز سنیے' میری بات سنیے!'' وہ رو دینے کو تھی۔ ٹونی مکاری سے مسکرایا۔

"اوکے ڈیئر جانے دو' تمہاری فیملی کے لوگ تو اچھے خاصے BACKWARD ہیں۔ مسز ایڈیکٹس کچھ بھی معلوم نہیں اور تم بتا رہی تھیں کہ موصوف امریکا میں پڑھ رہے ہیں۔ اونہہ؟"

وہ مکاری سے مسکراتا ہوا بیٹھ کر کھانا نکالنے لگا۔

"کتنی مشکل سے تو پہلے منایا تھا ان کو۔" ماہا کو شہرام کا چلے جانا دکھی کر گیا تھا۔

"کم آن کیا ضرورت ہے منانے کی لفٹ کرانے کی چلو کھانا کھاؤ۔"

"شٹ اپ ٹونی۔" اس وقت ٹونی اسے زہر لگ رہا تھا۔

☆☆☆

سب کچھ کتنا اچھا چل رہا تھا۔ سارے معاملے سیٹ تھے۔ عثمان اور عاتکہ نے والدین کی طرح ان دونوں کی پرورش' تعلیم و تربیت کی تھی اور وہ بھی ان کا والدین کی طرح احترام کرتے تھے مگر جب سے رفیق نے وہ بات بتائی تھی۔ ذورین کے رویے میں آپ ہی تبدیلی آنے لگی تھی۔ جب ان کی محبت دیکھتا تو الجھ جاتا۔ پہلے جب وہ عثمان جن کو وہ بھی نیلو کی طرح پپا ہی کہتا تھا' پیسے مانگتا اکثر انکوائری کرتے' درست ڈیمانڈ ہوتی تو رقم دے دیتے' نہ ہوتی تو نہ دیتے تو ذورین کو بھی اعتراض نہیں ہوتا مگر اب تو وہ سمجھنے لگ گیا تھا کہ یہ سب انہی کا ہے عثمان صاحب تو قابض ہیں۔ آج کل اپنے ذاتی استعمال کے لیے پجیرو لینا چاہ رہا تھا اور یہ خبر اس پر ہر وقت نظر رکھنے والے اور گرد منڈلانے والے رفیق کو بھی تھی۔ اس نے خود ہی بات چھیڑ دی اور وجہ یہ ہوئی کہ ذورین کی شیراڈ آج کل خراب تھی۔

"ذورین میاں' وہ مکینک کا فون آیا تھا۔" رفیق نے بات کی ابتدا کے لیے جھوٹ بولا۔

"پھر؟" ذورین نے اخبار پڑھتے ہوئے کہا۔

"کہہ رہا تھا ذورین صاحب کو کہو اپنے معیار کی گاڑی لیں۔ یہ ان کے معیار کی ہے بھی نہیں اور خراب بھی رہنے لگی ہے۔"

"ہاں' میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ پجیرو لے لوں۔"

"ہاں' یہ بات ہوئی ناں' خدا میرا ہی بھلا کرے۔ میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ یہ گاڑی آپ کے معیار کی ہے پھر تو میں ہر وقت آپ کے ساتھ رہوں گا۔"

رفیق اپنے مطلب میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اب یقیناً یہ عثمان سے رقم طلب کرے گا اور وہ ہرگز اجازت نہیں دیں گے' تب یہ اپنے مقاصد حاصل کرنا شروع کر دے گا۔

"کیوں' تم کیوں ساتھ رہو گے۔ اسپیئر وہیل ہوتا ہے اس میں۔"

"واہ کیا بات کی ہے ذورین میاں' مزاح تو ختم ہے آپ پر۔ ویسے میں کوئی وہیل تو نہیں ہوں مگر چلا ہوا دماغ ضرور دیا ہے اللہ نے مجھے۔ اس کی تو آپ کو ہر وقت ضرورت رہے گی۔"

وہ چاپلوسی کے مارے مرا جا رہا تھا۔ ذورین نے ایک کڑی نگاہ اس پر ڈالی تو اس نے کھسیانا ہو کر اپنی ٹوپی اتاری۔ پھونک مار کر پھر سر پر رکھ لی۔

"الحمد اللہ۔ اللہ نے مجھے بھی دماغ دیا ہے۔ جاؤ اب۔"

ذورین جانتا تھا' رفیق کس قسم کا بندہ ہے۔ اس لیے زیادہ لفٹ نہیں کراتا تھا۔

"میاں اب میں کچھ کہوں گا تو خفا ہو گے آپ ورنہ بتا دیتا کہ... آپ کا یہ خواب پورا نہیں ہوگا۔ عثمان صاحب اپنا الگ بزنس بھی چلا رہے ہیں اور آگے خدا میرا ہی بھلا کرے' کچھ آپ بھی سمجھ رکھتے ہی ہیں۔"

رفیق نے انتہائی مکاری سے کہا تاکہ ذورین کی رگوں کے جوان خون میں ابال اٹھنے لگیں۔

"رفیق گٹ لاسٹ نکل جاؤ یہاں سے' اور یہ تم ہر وقت مما پپا کے خلاف باتیں کیوں کرتے ہو۔"

اوپر سے تو وہ اسے جھاڑ دیا کرتا مگر اندر کھد بد ضرور لگ جاتی کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔

"اچھا ذورین میاں مگر......" وہ کچھ کہتے کہتے پھر رک گیا اور باہر نکل گیا اور وہی ہوا تھا' ذورین کی پجیرو والی خواہش کو عثمان نے سختی سے رد کر دیا تھا۔

"ناممکن۔" عثمان صاحب نے حتمی انداز میں کہا تو وہ غصے سے کھڑا ہو گیا۔

"اوکے!" اور دھڑ سے دروازہ بند کر کے وہ باہر نکل گیا۔

☆☆☆

ذورین شدید غصے میں تھا۔ وہ خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے والد نے ان کے لیے کتنی جائیداد چھوڑی تھی۔ ایک تو کیا وہ کئی پجیرو خرید سکتا تھا مگر عثمان صاحب نے صاف جواب دے کر گویا اس کے دل میں اپنے خلاف بغاوت کا بیج بو دیا تھا۔ وہ ان کے کمرے سے نکلا' طویل کوریڈور عبور کر کے گیٹ کی طرف جا رہا تھا کہ درمیان میں پڑے گملے کو زور سے ٹھوکر مار کر وہ غصے میں آگے بڑھا۔ عین اسی وقت نیلوفر جس نے بڑی محنت سے موتیے کے پھول اس مقصد کے لیے جمع کیے تھے کہ اپنی پیاری مما کے گجرے اپنے ہاتھوں سے بنائے گی' وہ تقریباً بھاگتی ہوئی آئی تو گرا ہوا گملا گویا شرارت پر آمادہ تھا۔ پاؤں اس سے الجھا تو وہ گرتے گرتے بچنے کی کوشش میں قریب کھڑے ذورین کو تھام کر رہ گئی کہ وہ بھی ڈول سا گیا۔ وہ غصے میں تپا ہوا تو تھا ہی' اس حرکت پر وہ پھٹ پڑا۔

"حواس کہاں ہیں تمہارے؟" وہ دھاڑا۔

"اندر الماری میں رکھے ہیں چاہیے تو لا دوں؟"

وہ اس کے غصے سے ہمیشہ لطف اندوز ہوا کرتی تھی۔ اس نے بکھرے ہوئے پھول اٹھاتے ہوئے سر اوپر اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ کھول اٹھا۔

''شٹ اپ! مجھ سے زیادہ فری ہونے کی کوشش نہ کیا کرو اور آنکھیں کھول کر چلا کرو۔ اندھوں کی طرح ٹکراتی پھرتی ہو۔''

''یو شٹ اپ اوکے! اور آپ ہیں کیا چیز کہ میں آپ سے فری ہونے کی کوشش کروں گی ہر وقت آتش فشاں مت بنے رہا کرو آپ...... اور میں آنکھیں کھول کر چلوں یا بند کر کے چلوں آپ سے مطلب؟''

وہ پھول آنچل میں ڈالے کھڑی ہوئی ہی تھی کہ اس کی بات کے جوابی حملے میں جب کر رکھ کر میزائل داغا تو سارے پھول بکھر گئے۔ ذورین نے خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''ہاں مطلب ہے مجھ کو اس لیے کہ یہ گھر...... یہ جس پر تم نے قبضہ کیا ہوا ہے اور یہ خوب صورت لان جہاں تم دندناتی پھرتی ہو یہ سب...... یہ سب......''

قریب تھا کہ وہ اپنی ملکیت کا اعلان کرتا کہ سامنے سے عاتکہ آ گئیں اور الفاظ اس کے ہونٹوں کی حدود میں اس طرح مقید ہو گئے جیسے شریر بچے ماں کو دیکھ کر اندر چھپ جاتے ہیں۔ عاتکہ نے دونوں کو دیکھا، درمیان میں گرا ہوا گملا گزرنے والی جنگ کی گواہی دے رہا تھا۔ نیلو نے مما کو دیکھا اور جھک کر پھول سمیٹے اور ان کے قریب آنے سے قبل ہی وہ آگے بڑھ گئی۔ ذورین بھی نظریں جھکا کر آگے بڑھنے لگا۔

''ذورین بیٹا......!'' مما کی نرم آواز کی زنجیر میں اس کے خودسر قدم الجھ گئے۔

''جی، مما......!'' وہ نظریں جھکائے ان کی طرف پلٹا۔

''کیا کہہ رہی تھی نیلو؟ یقیناً بدتمیزی کر رہی ہوگی۔ دیکھو جاناں، تم اس کی باتوں کا برا نہ مانا کرو، بچی ہے ناں...... اور تم کہاں جا رہے ہو؟''

عاتکہ کے ممتا بھرے لہجے میں الفاظ کی پھوار اس کا سارا غصہ ٹھنڈا کر دیا کرتی تھی۔

''جی ذرا اپنے ایک دوست کے پاس جا رہا تھا۔ آپ اجازت دیں تو چلا جاؤں؟''

وہ خودسر، اکھڑ سا ذورین اس وقت فرماں بردار بیٹا بنا اجازت طلب کر رہا تھا۔

''جی جان، جاؤ...... اور دیکھو گاڑی احتیاط سے چلایا کرو۔ تم بہت تیز ڈرائیونگ کرتے ہو۔''

عاتکہ نے دونوں ہاتھوں سے اس کا سر نیچے کر کے اس کی پیشانی پر پیار کیا تو اس نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

''اور یہ اطلاع بھی آپ کو نیلو نے دی ہوگی؟'' اس نے شکایتی انداز میں عاتکہ کو دیکھا تو ان کے

ہونٹوں پر نرم سی مسکراہٹ آ گئی۔

''میرا بیٹا کتنا بھولا ہے۔ چاند، میں روز تمہارے ساتھ انجکشن لگوانے جاتی ہوں اور ہاں، آج انجکشن لگوانے نہیں لے جاؤ گے؟''

''اوہ تو واقعی یہ وقت تو آپ کے انجکشن کا ہے۔ میں تو بھول گیا تھا۔ چلیے، آپ تیار ہو کر آیئے، میں گاڑی نکالتا ہوں۔'' اس وقت وہ سب کچھ بھول گیا تھا کہ وہ کس کیفیت سے گزر رہا ہے اور کیوں گزر رہا ہے؟

''چلو، میں تیار ہو کر آتی ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر جا رہی تھیں کہ عثمان صاحب آ گئے۔

''ارے بھئی، یہ ماں بیٹے میں کیا کانفرنس ہو رہی ہے؟''

عثمان صاحب نے جو ساری بات بھول چکے تھے، پیار سے ذورین کے شانے پر ہاتھ رکھا تو اس نے خفگی سے ایک نظر ان کو دیکھا اور یوں آگے کو کھسکا کہ ان کا ہاتھ جھٹک سا گیا۔

''ہم جناب، انجکشن لگوانے جا رہے ہیں آپ کو لگوانا ہے تو چلیے۔''

عاتکہ نے مسکرا کر عثمان اور پھر ذورین کو دیکھا جو ذرا خفا سا لگ رہا تھا۔

''واہ کیا انجکشن بھری آفر ہے لیکن جناب ہم آپ کو بڑی ہی خوب صورت سی آفر کر رہے ہیں کہ آپ اور آپ کا بیٹا ہمارے ساتھ شاپنگ بھی کیجیے اور ڈنر بھی۔ کیوں ذورین بیٹے کس کی آفر زیادہ اچھی ہے؟''

عثمان صاحب نے روٹھے روٹھے سے ذورین کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ قطعی نہیں سوچ رہے تھے کہ ابھی کچھ دیر قبل ان کے اور ذورین کے بیچ ہونے والے ناکام مذاکرات کے باعث وہ خفا ہے۔

''میری آفر زیادہ ضروری ہے۔''

عاتکہ نے اس کو اپنی طرف گھسیٹا پھر اسی طرح عثمان صاحب نے محبت سے گھسیٹا تو اس نے بیزار سا منہ بنا لیا۔

''میرا خیال ہے، آپ دونوں فیصلہ کر کے مجھے بتا دیں میں گاڑی میں ہوں۔''

اس نے ایک نظر دونوں پر ڈالی اور پورچ کی طرف بڑھ گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''عثمان، لگتا ہے ذورین آپ سے کچھ خفا سا ہے کوئی خاص بات ہے کیا؟''

''AS SUCH تو کوئی خاص بات نہیں ہوئی البتہ صاحب زادے بائیک خریدنا چاہ رہے ہیں۔''

عثمان صاحب نے ذورین کی شدید خواہش کو بڑے اطمینان سے ایک ہلکی سی مسکراہٹ دے کر

کھلی فضا کے سپرد کر دیا۔

"تو......؟" عاتکہ کو اس کے روٹھنے کی وجہ معلوم ہو رہی تھی۔

"تو کیا مطلب ہے تمہارا' اس نے کوئی ٹافی یا لالی پاپ کی فرمائش تو نہیں کی تھی کہ جھٹ مان لیتا۔ گھر میں تین تین گاڑیاں پہلے سے موجود ہیں اور پھر یہ ابھی بچہ ہے' نادان ہے۔ یہ اپنی کلاس کے لڑکوں کے سامنے اترانا چاہتا ہے۔ اسے سمجھانا تم بھی تمہاری بات تو وہ خوب مانتا ہے۔"

"ہوں...... اسی لیے موصوف کا موڈ آف ہے۔ خیر میں اسے سمجھا دوں گی۔"

دونوں چلتے ہوئے پورچ کی طرف آئے تو رفیق جو ابھی کچھ دیر قبل ہی نئے فتنوں کا پیام لے کر آیا تھا ان کو دیکھتے ہی پیچھے ہٹ گیا۔

"السلام علیکم صاحب!" چاپلوسی سے جھٹ اس نے سلام جھاڑا۔

"وعلیکم السلام۔ رفیق...... تم رات کو میرے کمرے میں مجھ سے آ کر ملنا' یہ ضروری ہے۔"

رفیق کا کردار چونکہ ہمیشہ سے مشکوک رہا تھا اس لیے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ذورین کے قریب آئے یہ شخص۔

"جی بہتر صاحب جی حکم کریں تو گردن بھی اتروا دوں۔"

رفیق نے عیاری سے چاپلوسی کی حدوں کو چھوتے ہوئے کہا تو عثمان مسکرانے لگے۔

"رفیق یہ آفر تم اتنی بار کر چکے ہو کہ دل چاہتا ہے تمہاری فرماں برداری کو آزمایا جائے مگر پھر سوچتا ہوں گردن کے بغیر رفیق خاصا ان اسمارٹ لگے گا۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

فرنٹ ڈور کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے انہوں نے پلٹ کر رفیق کو دیکھا جس کے چہرے پر عیاری کے ساتھ احمقانہ سی نمائشی مسکراہٹ تھی۔

"آپ تو مذاق کرتے ہیں صاحب جی۔ میں رات کو خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

وہ دوسری طرف چلا گیا تو ذورین نے گاڑی نکالی۔

"پہلے کہاں چلوں؟" ذورین ابھی تک خفا تھا۔ اس نے کسی کی طرف بھی دیکھے بغیر پوچھا۔

"پہلے شاپنگ۔" عثمان صاحب جھٹ بولے۔

"نہیں پہلے انجکشن۔" عاتکہ ہنسیں۔

"نہیں شاپنگ۔" وہ دونوں میاں بیوی تو دلچسپ نوک جھوک کر رہے تھے مگر ذورین سخت بور محسوس کر رہا تھا۔

"یہ آپ پر شاپنگ کا بھوت کیوں سوار ہو گیا ہے؟"

"واٹ' آپ واقعی انجان ہیں یا بن رہی ہیں......؟" عثمان صاحب نے مڑ کر عاتکہ کو دیکھا۔

"کمال کرتے ہیں۔ کیوں بنوں گی بتائیے تو کچھ؟"

"اگر آپ کو واقعی کچھ یاد نہیں تو آپ کی ناقص عقل پر ماتم کرتے ہوئے میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ دو روز بعد ہماری عزیز از جان بیٹی کا برتھ ڈے ہے۔"

"اوہ نو۔ میں تو بھول ہی گئی تھی اور اس بار تو اس نے بھی کوئی واویلا نہیں مچایا ورنہ تو مہینہ بھر پہلے ہی شور مچانا شروع کر دیتی ہے۔"

پھر دونوں گاڑی کی فضا میں صرف اور صرف نیلو کی سالگرہ کی باتوں میں یوں مصروف ہوئے کہ ذورین کا وجود گویا بے معنی سا ہو کر رہ گیا۔ وہ خود کو ایک ڈرائیور ہی سمجھ رہا تھا کہ صاحب لوگ اس کی موجودگی کو بھلائے اپنی باتیں کر رہے تھے۔ وہ کھول رہا تھا۔ اسے نیلو سے جتنی چڑ تھی' اس کے ذکر سے کہیں زیادہ نفرت تھی۔ وہ کھولتے دل و دماغ کے ساتھ بڑے ضبط کے ساتھ گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔

"تو پھر کیا گفٹ لے رہے ہیں' آپ اپنی بیٹی کے لیے؟" عاتکہ نے بڑے چاؤ سے پوچھا۔

"لاسٹ ٹائم جب ہم جیولر کے پاس آئے تھے تو اس کو ایک ڈائمنڈ سیٹ بڑا پسند آیا تھا اس وقت میں نے محض اس لیے انکار کر دیا تھا کہ اسے برتھ ڈے پر گفٹ کروں گا۔"

عثمان صاحب کے لہجے میں پدرانہ شفقت کی مہک تھی۔

"عثمان' آپ اس کی عادتیں نہ بگاڑیں لڑکیوں کی قسمت کا کچھ پتا نہیں ہوتا کہ......"

"آپ کچھ نہیں بولیں گی محترمہ یہ ہمارا اور ہماری بیٹی کا معاملہ ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے جتنا کچھ دے رکھا ہے وہ سب اسی کا تو ہے۔ ہماری محبتوں سمیت اسی کا ہے۔"

عثمان صاحب نے بڑے چاؤ سے بیٹی کی محبت میں سرشار ہو کر کہا تو ذورین کے اندر جیسے آتش فشاں پھٹا۔ غصے سے اس کی رگیں پھٹنے لگیں' ہاتھ لرز گئے۔

"ذورین بیٹا سنبھال کے۔" عاتکہ چلائی۔

☆☆☆

"کم آن ماہ ما! تم پہلے تو ایسی نہیں تھیں اب تم کو کیا ہو گیا ہے؟"

ٹونی نے ماہ ما کا ہاتھ پکڑ کر ہلایا جو مستقل گلاس وال سے نظر آنے والے منظر کو دیکھ رہی تھی جس میں بری طرح بدگمان سا' خفا سا شہرام تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا اور پھر ماہ ما نے دیکھا وہ شدید غصے میں بیٹھا اور اتنی تیزی سے گاڑی نکالی کہ ایک ساتھ کئی گاڑیوں کے ہارن گونج اٹھے۔ ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا۔

"یا اللہ خیر!" ماہ ما کے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔ وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ ٹونی کو اس کی یہ کیفیت بہت بری لگ رہی تھی مگر وہ مکار آدمی تھا۔ ریش ہو کر اپنا معاملہ بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔

اور تو نہیں ہے۔ شہرام جو بیزار بیڈ پر لیٹا کھول رہا تھا۔

''آ جاؤ......'' وہ سمجھا ملازم ہوگا' کھانے کا کہنے آیا ہوگا۔ حبیب صاحب دروازہ کھول کر اندر آئے تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''اوہ چاچا جی' آپ ہیں۔ میں سمجھا کہ شفیق ہے کھانے کا کہنے آیا ہے۔''

وہ مودب ہو کر کھڑا ہو گیا۔ لہجے میں ادب اور معذرتی اظہار تھا۔ حبیب صاحب نے اسے شانوں سے تھام لیا۔

''کوئی بات نہیں بیٹا۔ بیٹھو' میں تم سے کچھ باتیں کرنے آیا ہوں۔''

''جی' آپ تشریف رکھیے چاچا جی، وہ میں ذرا......''

اس نے شرمندہ نظروں سے کمرے میں بکھری چیزوں کو دیکھا' وہ سمجھ گئے۔

''کوئی بات نہیں' پہلی بات تو یہ...... ابھی تم اوپر ہی رہنا۔ اماں جان کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ ماہ ما تمہارے ساتھ نہیں آئی۔ ٹھیک ہے ناں ورنہ وہ بہت خفا ہوں گی۔ غلطی تو اس کی ہے مگر آہستہ آہستہ ہی بات اس کی سمجھ میں آئے گی ناں۔''

اپنی بات کا ایک حصہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے تو شہرام نے سوالیہ نظروں سے ان کو دیکھا۔

''اور چاچا جی' دوسری بات جو آپ کہنا چاہتے تھے؟'' اس کے استفسار پر حبیب صاحب کو احساس ہو گیا کہ نکاح کی بات براہ راست اس سے کرنا مناسب نہیں۔ وہ جذباتی ہو گئے تھے۔

''وہ دوسری بات اماں جان اور بھائی جی سے ہو گی ٹھیک ہے تم آرام کرو۔''

حبیب صاحب اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر باہر نکل گئے اور وہ پھر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ تصور میں ماہ ما اور ٹونی باتیں کر رہے ہوں گے۔

''کیوں...... کیوں یہ شخص میرے اور تمہارے بیچ میں آ گیا۔ مجھے معلوم ہوتا کہ یہ شخص پہلے میری راہوں میں کھڑا ہے تو...... تو میں جذبوں کے سفر پر نکلتا ہی نہیں' لوٹ جاتا...... مگر اب اب......''

شہرام سر تھام کر پھر لیٹ گیا۔

☆☆☆

''ٹونی' یہ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔'' ماہ ما نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے ٹونی کو دیکھا' جس اپنے کرلی بالوں کی پونی کو ربر بینڈ سے آزاد کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

''تمہیں کڈنیپ کر رہا ہوں۔'' وہ مسخرے پن سے ہنسا تو ماہ ما چیخ پڑی۔

''شٹ اپ! ٹونی' گاڑی ریورس کرو۔'' ماہ ما نے اسٹیئرنگ اتنے زور سے موڑا کہ اگر

ہوشیاری نہ دکھاتا تو گاڑی ٹرک سے جا ٹکراتی۔

''کیا ہو گیا ہے ماہ ما تمہیں' تم اتنی اپ سیٹ ہو کہ تمہیں اندازہ نہیں ہو رہا کہ میں تمہیں اپنے گھر لے کر جا رہا ہوں۔''

''مگر کیوں' میں نے تم سے کہا ہے جو تم مجھے لے کر جا رہے ہو؟'' اسے مزید تاؤ آ گیا۔

''تمہیں تو نہ جانے کیا ہو گیا ہے' جب سے یہ اجڈ کزن نظر آیا ہے لیکن ماہ ما ممی پپا تمہیں بہت مس کر رہے تھے۔ کتنے دن سے تم ہمارے ہاں آئی ہی نہیں۔ ماریا تو تم سے سخت خفا بھی ہے تم نے اس کو رنگ بھی نہیں کیا تھا۔''

بچپن کی یادوں کا جال پھیلا کر وہ اسے گھر لے آیا۔ گھر والے تو گویا اسی کے منتظر تھے۔ انکل آنٹی اتنی محبت سے ملے کہ کچھ دیر کے لیے وہ بھی سب بھول گئی پھر وہ ان کی طلسماتی محبت کے سحر میں سحر زدہ سی ہو کر رہ گئی۔

''تمہیں یہاں آ کر کیا ہو گیا ہے بے بی ورنہ وہاں تو تم ہمارے بغیر ایک پل بھی نہیں رہتی تھیں؟'' آنٹی نے گویا اسے یاد دلایا۔

''ممی' یہ بے وفا لڑکی ہے۔ یہ ابھی سے ہم لوگوں کو بھول گئی ہے تو......؟''

ماریا اپنی عنایتوں کے گجرے اس کی کلائیوں میں ڈالتے ہوئے بولی تو جواباً وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اسے افسوس ہونے لگا کہ اس نے اتنے دنوں تک ان کو بھلائے رکھا۔

''ٹونی' ماریا بیٹے! چلو آج تم لوگ لندن کی یاد تازہ کرو' جاؤ شاباش اپنے کمرے میں۔''

محسن صاحب نے تینوں کو اوپر بھیجا اور خود بشریٰ بیگم کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔

''بشریٰ' تمہیں اچھی طرح اندازہ ہے ناں کہ یہ لڑکی کیا چیز ہے؟''

''کیوں نہیں جناب' آپ سے زیادہ اندازہ ہے۔''

''تو پھر' ڈونٹ مس ہر۔''

☆☆☆

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ حبیب صاحب کا تو مارے پریشانی اور گھبراہٹ کے برا حال تھا ہی اب تو عفت جہاں کو بھی پریشانی لاحق ہونے لگی تھی اور شہرام خود کو ملامت کر رہا تھا کہ وہ غصے میں آ کر واپس نہ آتا تو اچھا تھا۔ چچا کی ہدایت پر وہ اپنے کمرے ہی میں بند تھا۔

''عفت جہاں اگر کوئی بات ہو گئی تو میں تم دونوں ماں بیٹی سمیت خود کو ختم کر لوں گا' سمجھیں؟''

حبیب صاحب نے غصے میں دانت پیستے ہوئے عفت جہاں کو گھورا۔

''اللہ نے چاہا تو ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔ وہ آتے ہی ہوں گے آپ...... آپ محسن بھائی کے

"ڈونٹ وری ماہ ما، کچھ نہیں ہوگا۔ کم آن...... آؤ ہم کہیں اور چلتے ہیں۔ یہاں تو وہ اپنی پرچھائیں چھوڑ گیا ہے کم آن......!" ٹونی اس کی اندرونی کیفیت سے قطعی لاعلم تھا۔ اس کے اندر عجیب سی توڑ پھوڑ ہو رہی تھی' عجیب سی بے چینی' بے نام سی خلش' انجانی سی بے قراری تھی۔ وہ اپنی اس کیفیت کو کوئی نام بھی نہیں دے پا رہی تھی اور یہی بے نام سی کیفیت آنکھوں میں تیرنے لگی۔

"ماہ ما......! کیا سوچ رہی ہو؟ اٹھو ناں۔" ٹونی نے بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑا تو ماہ ما نے نظر اٹھا کر ٹونی کو دیکھا۔ نینوں کے کنول پانی میں تیر رہے تھے تو وہ چونک گیا۔

"ماہ ما، کیا ہوا ہے بھئی تم...... تم اس کزن کے پیچھے رو رہی ہو۔ کم آن......! اچھا بتاؤ' تمہیں شہرام کا جانا برا لگا ہے یا روٹھ کر جانا اچھا نہیں لگا؟"

وہ اس کے قریب بیٹھا پوچھ رہا تھا۔ اس نے تیکھی سی نگاہ ٹونی پر ڈالی اور اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کر کے کھڑی ہوگئی۔

"ٹونی! مجھے اس کا جانا اور روٹھنا دونوں برے لگے ہیں۔" اس کی آواز رندھ گئی۔

"بٹ وائے......؟" ماہ ما کا یہ اقرار ٹونی کی پرانی دوستی کی بنیادیں ہلا دینے کے لیے کافی تھا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا پوچھ رہا تھا۔ ماہ ما نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی اور جھک کر اپنا پرس اٹھایا۔ دو قدم آگے کی طرف بڑھی پھر پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔

"آئی ڈونٹ نو وائے......؟"

یہ کہا اور تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔ اس نے بھی ہتھیلی پر مکا مارا اور اس کے پیچھے چل پڑا۔

☆☆☆

"شہرام تم اکیلے...... ماہ ما کہاں ہے؟" شہرام بوجھل قدموں سے اندر آیا تو لاؤنج میں چچا صاحب مل گئے۔ شہرام نے ایک نظر عفت پر ڈالی جو اخبار چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہوگئی تھیں۔

"جی وہ آ جائے گی ٹونی کے ساتھ۔" شہرام کے لہجے میں غصہ اور خفگی تھی۔

"کیوں' ٹونی کے ساتھ کیوں گئی تو وہ تمہارے ساتھ تھی تم اسے کہاں چھوڑ کر آئے ہو؟"

عفت جہاں نے سارا الزام شہرام پر دھر دیا۔ اس بات میں تو حبیب صاحب بھی بیگم کے ہم خیال تھے۔ یوں بھی ٹونی کا سن کر ان کو تاؤ آ گیا تھا۔

"شہرام بیٹے' تم اسے ٹونی کے ساتھ کیوں چھوڑ کر آئے ہو۔ اگر وہ اتفاقاً مل بھی گیا تھا تو ماہ ما کو ساتھ لے کر آنا چاہیے تھا۔" چچا اور چچی کے الزام پر وہ کھول اٹھا تھا مگر حد ادب ملحوظ رکھتے ہوئے اس نے سادگی سے ساری بات بتا دی تو عفت جہاں جو اندر سے تو مطمئن ہوگئی تھیں مگر اوپر سے شہرام پر ناراض ہونے لگیں۔

"اگر ٹونی آ ہی گیا تھا تو تمہیں یوں ماہ ما کو وہاں چھوڑ کر آنے کے بجائے ٹونی کو بھی ڈنر میں شریک کر کے اچھے مینرز شو کرنے چاہیے تھے۔"

ان کی بات پر شہرام کو مزید غصہ آ گیا۔ جی تو چاہتا تھا کچھ اٹھا کر دیوار پر دے مارے مگر وہ ایسا بھی نہیں کر سکتا تھا لہٰذا اپنے غصے کے بے لگام گھوڑے پر قابو پایا اور صرف یہی کہہ پایا۔

"سوری ٹو سے...... چاچی جی میری غیرت کے پاس ایسے مینرز ہیں ہی نہیں۔"

وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گیا جہاں اس کے لیے کمرا مخصوص کیا گیا تھا۔ آتے ہی اس نے سارا غصہ کمرے پر اتارا۔

"ماہ ما میں نے تمہاری پوری شخصیت کو چاہا ہے اور تم مجھے ادھوری مل رہی ہو۔ نہیں میں تمہیں کسی اور کے قریب نہیں دیکھ سکتا۔ تمہارے تصور سے میں اپنے دل کے ایوانوں کو سجاؤں اور تم...... نو...... نیور!"

اس نے زور سے دیوار پر مکا مارا کہ ہاتھ دکھنے لگا۔ وہ کبھی بھی اتنا جذباتی نہیں رہا تھا مگر یہ دل کا معاملہ تھا اور اس معاملے میں تو بہت کچا تھا۔ دوسری طرف حبیب صاحب عفت جہاں سے الجھ پڑے تھے۔

"عفت جہاں تمہیں اچھی طرح اندازہ ہونا چاہیے کہ یہ کتنی غلط بات ہے کہ ماہ ما گئی تو شہرام کے ساتھ اور ٹونی کے آ جانے پر رک گئی۔ اسے آنے دو پھر میں خود سمجھا لوں گا۔"

"ہاں آپ مجھے تو ہمیشہ برا کہتے ہی رہے ہیں اب میری بیٹی کو بھی شامل کر لیا ہے۔ اس میں میری بیٹی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ شہرام اسے کیوں چھوڑ کر آیا؟ ٹونی کو اٹینڈ کرنے کے بجائے جیلس ہو کر آ گیا اور آپ...... اور پھر وہ دونوں دوست ہیں۔"

"عفت جہاں اب اس کہانی کو اس بحث کو ختم ہو جانا چاہیے کہ ٹونی اور ماہ ما دوست ہیں۔ یہ دوستی انگلینڈ کی حد تک تو ٹھیک تھی مگر یہاں نہیں۔ اب میں نہ سنوں کہ ٹونی اور ماہ ما دوست ہیں اور ماہ ما آئندہ ٹونی سے ملنے کہیں نہیں جائے گی۔ میں جلد ہی اس کا نکاح شہرام سے کر دینا چاہتا ہوں۔"

اس کہانی کا بہترین حل یہی حبیب صاحب کی سمجھ میں آیا تھا کہ جلد از جلد دونوں کا نکاح کر دیا جائے اور تعلیم وغیرہ سے فراغت کے بعد رخصتی کر دی جائے مگر عفت جہاں تڑپ اٹھیں۔ وہ بھلا کیسے پسند کر سکتی تھیں۔

"واٹ!" وہ بیٹھی بیٹھی اچھل کر کھڑی ہوگئیں۔

"یس......!" حبیب صاحب نے اٹل لہجے میں کہا اور تیز نگاہوں سے بیگم کو دیکھتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ گئے۔ شہرام کے کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ دائیں بائیں دیکھا کہ کوئی

گھر فون کر کے معلوم تو کریں۔ وہ یقیناً وہیں ہو گی۔ اچھا رکیے میں کرتی ہوں۔"

عفت جہاں بھی پریشان تھیں، پھر شوہر کی طرف سے پریشانی تھی وہ کچھ بھی کر سکتے تھے۔ وہ خود اٹھ کر جلدی سے فون کی جانب بڑھیں۔ اسی وقت اماں جان اور بھائی صاحب آ گئے۔

"یہ بچوں نے کچھ زیادہ دیر نہیں کر دی۔ حبیب بیٹے کوئی فون آیا بچوں کا؟"

اماں جان نے حبیب صاحب کو دیکھا جن کے چہرے سے پریشانی، گھبراہٹ ہویدا تھی۔ انہوں نے گھبرا کر عفت جہاں کو دیکھا جو نمبر ملاتے ملاتے رہ گئی تھیں۔

"جی اماں جان، فون آیا تھا شہرام کا۔ شاپنگ میں دیر تو ہو ہی جاتی ہے اور ان کا تو آج کچھ گھومنے کا پروگرام بھی تھا۔"

حبیب صاحب نے بہت بڑا دل کر کے ماں سے جھوٹ بول دیا۔

"لاؤ میں فون کروں اس کے موبائل پر۔ حد ہوتی ہے ہر بات کی یہ کیا کہ بزرگوں کا لحاظ بھی نہیں اس لڑکے کو۔ جب تک باقاعدہ کوئی رشتہ طے نہیں ہوا تو وہ ماہ ما کو اس طرح لے کر کیوں گھوم رہا ہے؟"

بھائی صاحب کو شہرام پر غصہ آ گیا۔ وہ پرانی قدروں کے لوگ اس عیاشی اور تفریح کو کہاں گوارا کر سکتے تھے۔ فون کی طرف بڑھے تو حبیب صاحب کے ہاتھ ٹھنڈے پڑ گئے۔ عفت جہاں جلدی سے آگے بڑھیں۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں بھائی صاحب آپ بھی۔ ٹھیک ہے ابھی کوئی نیا رشتہ دونوں کے بیچ نہیں ہوا مگر دونوں کے درمیان قدرتی رشتہ تو موجود ہے نا۔ کزن ہیں دونوں اور پھر بندہ گھر سے تو دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔ بس آتے ہی ہوں گے آپ لوگ آرام کریں۔"

عفت جہاں نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے حبیب صاحب کو دیکھ کر بات بنائی مگر بھائی صاحب اور اماں جان کو یہ بات قطعی گوارا نہیں ہو رہی تھی کہ شہرام اور ماہ ما اکیلے شاپنگ پر جائیں اتنی رات تک واپس نہ آئیں۔

"ٹھیک ہے مگر اتنی دیر......!" بھائی صاحب فون کے قریب بیٹھ کر نمبر ملانے لگے تو حبیب صاحب ایک دم گھبرا کر آگے بڑھے اور باقاعدہ ان کے ہاتھ سے ریسیور گویا چھین لیا کیوں کہ شہرام تو گھر پر تھا۔ کیا خبر وہ ریسیور کر لیتا گھبراہٹ میں بات نہ بنا پاتا۔

"وہ...... وہ شہرام موبائل گھر پر بھول گیا ہے بھائی جی۔ فکر نہ کریں آ جاتے ہیں۔"

"حد ہوتی ہے حبیب بیٹے، ہر بات کی...... مگر تم لوگوں نے تو......" اماں جان نے اٹھتے ہوئے خاص طور پر بہو کو گھورا۔

"آئندہ ایسا نہیں ہو گا اماں جان، ہرگز نہیں ہو گا۔ آپ آرام کیجئے، ٹھنڈ ہو رہی ہے۔"

پھر وہ خود ان کو ان کے کمرے میں چھوڑ کر آئے۔ بھائی صاحب بھی ناراض سے چلے گئے۔

واپس آ کر حبیب صاحب نے ٹونی کے گھر فون کیا۔

"او ہیلو حبیب، کیسے ہو؟" محسن صاحب شوخی سے بولے۔

"یہاں، ماہ ما آئی ہے؟" حبیب صاحب نے ان کی ہر بات کو اگنور کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ کیا بات ہوئی، نہ سلام نہ دعا۔ سناؤ کیا حال ہیں؟"

"محسن، ماہ ما آئی ہے کہ نہیں۔ میں بے حد پریشان ہوں۔" حبیب صاحب اتنے پریشان اور غصے میں تھے کوئی مروت دکھانے کے موڈ میں نہیں تھے۔

"ہاں ہے۔ بھئی، کیا ہو گیا ہے؟ تم تو ایسے کر رہے ہو جیسے......"

"ماہ ما کو ابھی اور اسی وقت چھوڑ کر جاؤ۔ تم خود، ٹونی کے ساتھ نہیں بھیجنا اس کو!"

حبیب صاحب کا مارے غصے کے برا حال ہو گیا۔ انہوں نے انتہائی بداخلاقی سے گویا حکم دیا اور ریسیور پٹخ دیا اور عفت جہاں کی طرف مڑے۔ وہ سہم کر پیچھے ہٹ گئیں۔

"عفت جہاں، آج کے بعد ٹونی اور ماہ ما کو میں بات کرتے ہوئے نہ دیکھوں بلکہ اس فیملی سے ہر تعلق کو خود بھی ختم کرو اور ماہ ما کو تو میں خود سنبھال لوں گا۔"

حبیب صاحب کی رگیں پھٹ جانے کی حد تک تنی ہوئی تھیں۔ عفت جہاں ان کے خیالات سے کچھ زیادہ متفق تو نہیں تھیں، تاہم فی الوقت انہوں نے بحث فضول جانی۔ ابھی وہ وہیں ٹہل رہے تھے کہ آدھے گھنٹے میں محسن صاحب اور بشریٰ بیگم ماہ ما کو لے کر آ گئے۔ ماہ ما بہت فریش لگ رہی تھی۔ تین گھنٹوں کی ان لوگوں کی محنت نے اس کے دل میں شہرام اور اس کے روٹھ جانے کے احساس کے ساتھ گھر دیر سے آنے پر باپ کے خوف کو بھی مٹا دیا تھا جبکہ حبیب صاحب تو اتنے غصے میں تھے کہ انہوں نے تمام اخلاقیات بالائے طاق رکھ دی۔ محسن صاحب سے ہاتھ ملانے کے بجائے مار دینے والے انداز میں بیٹی کی طرف بڑھے۔

"ماہ ما تم...... تم آؤٹ......!" وہ بمشکل اپنا ہاتھ روک پائے۔ ماہ ما نے زندگی میں پہلی بار باپ کو اتنا غصے میں دیکھا تھا۔ اس نے سہم کر ماں کو دیکھا۔ انہوں نے نگاہوں نگاہوں میں سرزنش کی اور کمرے سے جانے کو کہا تو وہ باہر نکل گئی۔

"یار حبیب! تم اتنے بداخلاق تو کبھی بھی نہیں رہے۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیوں بھابی! اس کی دم پر کس نے پاؤں رکھ دیا ہے جو یہ اس طرح بی ہیو کر رہا ہے؟" محسن صاحب نے برہم بیٹھے حبیب صاحب کو دیکھا۔

"بس بھائی صاحب' ماہ ما کی وجہ سے ہم بہت فکر مند تھے ناں تو اسی وجہ سے۔"

عفت جہاں کو اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ حبیب مہمانوں کے ساتھ اس طرح کریں۔

"واہ' یہ کیا بات ہوئی عفت۔ ماہ ما اپنے دوسرے گھر میں تھی جہاں اس کو آنا ہے دلہن بن کر۔"

بشریٰ بیگم نے حبیب صاحب کو دیکھا پھر اپنے شوہر کو دیکھتے ہوئے گویا ماہ ما پر اپنا قبضہ ظاہر کر دیا۔

حبیب صاحب نے شعلہ بار نظروں سے بشریٰ بیگم کو دیکھا۔

"پلیز بھائی آج تو آپ نے یہ بات کہہ دی ہے' آئندہ مت کہیے گا۔"

ان کا لہجہ سرد اور خشک تھا مگر چہرے کے تاثرات اور انداز اتنے کڑوے تھے کہ ان دونوں نے محسوس کرنے کے باوجود ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے اگنور کر دیا۔

"ٹھیک ہے' کہیں گے نہیں' ہم اپنی بچی کو لے جائیں گے۔" محسن صاحب کی بات کے جواب میں حبیب صاحب کچھ کہنے ہی والے تھے کہ بھائی صاحب آ گئے۔ عفت جہاں اور حبیب صاحب نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ بشریٰ اور محسن صاحب احتراماً کھڑے ہو گئے۔

"السلام علیکم بھائی صاحب' آپ کب سے آئے ہوئے ہیں حبیب نے ذکر ہی نہیں کیا کہ آپ لوگ آئے ہوئے ہیں۔"

محسن صاحب نے گرم جوشی سے ان سے ہاتھ ملایا۔

"بس' اب تو ہم جانے والے ہیں۔"

"عفت' بچے آ گئے ہیں کہ نہیں؟" بھائی صاحب نے پریشان نظروں سے عفت جہاں کو دیکھا۔ حبیب صاحب جلدی سے بولے۔

"جی...... جی' آ گئے ہیں۔ شہرام بتا رہا تھا کہ گاڑی خراب ہو گئی تھی پھر ماہ ما نے محسن صاحب کو فون کیا تو یہ لوگ فوراً وہاں پہنچ گئے۔ ابھی یہ ان کو چھوڑنے ہی آئے ہیں۔"

حبیب صاحب جب بچوں کی طرح جھوٹی کہانیاں گھڑ رہے تھے تو ان کو ماہ ما اور عفت جہاں پر شدید تاؤ آ رہا تھا۔

"بہت مہربانی آپ کی' میں تو اس طرح بچوں کے دیر تک گھر سے باہر رہنے کو پسند ہی نہیں کرتا۔ اماں جان بھی سخت خفا ہوتی ہیں کہ آج کل کے بچے بھی ذرا خودسر ہیں۔ بیٹھیں آپ لوگ......"

بھائی صاحب نے ان کی کہانی پر اعتبار کر لیا تھا۔ محسن کو بیٹھنے کا کہہ کر خود بھی بیٹھ گئے پھر محسن صاحب اور بشریٰ وقت پر چھا گئے۔ اپنے اخلاق سے انہوں نے گزرنے والے لمحات کی تلخی کو کافی حد تک کم کر دیا۔

"تو پھر بھائی صاحب' کل ڈنر ہمارے ہاں ہے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ ہم ماہ ما بیٹی کی وجہ سے آ گئے۔"

"کیا مطلب ہے ماہ ما' کیا شہرام آپ کے ساتھ نہیں آیا؟" بھائی صاحب چونک کر بولے تو حبیب صاحب کا حلق خشک ہو گیا۔ محسن صاحب نے ان کی طرف دیکھا اور جھٹ بات بنائی۔

"جی...... جی کیوں نہیں' شہرام میاں بھی ہمارے ساتھ تھے' ساتھ آئے ہیں...... آتے ہی وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔"

"جی' شہرام اپنے کمرے میں ہے بھائی صاحب' کہیں تو بلاؤں؟" عفت جہاں نے جلدی سے آفر کی۔

"نہیں' میں اس کے کمرے میں چلا جاؤں گا۔ آپ لوگ بیٹھے ہیں ناں ابھی؟" بھائی صاحب کھڑے ہو گئے۔

"نہیں بھائی صاحب' ہم بھی اب چلیں گے۔ بس تو پھر یہ طے ہے کہ کل ڈنر ہمارے ہاں ہے۔"

محسن صاحب کو چھا جانے کا ہنر آتا تھا اور وہ تو بڑے عزائم لے کر آگے بڑھے تھے۔ وہ دونوں میاں بیوی بضد تھے کہ کل ڈنر ان کے ہاں ہو۔

"بھئی میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ حبیب سے بات کریں جیسا یہ لوگ کہیں گے ویسا ہی ہو گا۔"

بھائی صاحب نے ساری ذمے داری حبیب صاحب پر ڈالی تو وہ جز بز ہو گئے کیونکہ وہ اس فیملی سے کٹ آف ہونا چاہتے تھے۔

"لیجیے اور سنیے۔ حبیب صاحب کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے اور پھر جیسے یہ آپ کے بھائی ویسے ہم......"

"کیوں نہیں' آپ بھی بھائی ہیں ہمارے۔ ہم ان شاء اللہ ضرور آئیں گے۔"

اور پھر وہ لوگ دوسرے روز ڈنر کا وعدہ لے کر چلے گئے۔

"کہاں ہے یہ شہرام؟" ان کے جاتے ہی بھائی صاحب نے شہرام کا پوچھا تو دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"جی اپنے کمرے میں ہے۔ آرام کر رہا ہے۔"

"اسے اماں جان کے کمرے میں لے کر آؤ۔"

یہ کہہ کر بھائی صاحب اماں جان کے کمرے میں چلے گئے۔ ان کو شہرام پر بہت غصہ تھا۔ اچھا ہوا کہ چلے گئے۔

"اور تم ماہ ما کو لے کر آؤ۔ میں نے بھائی صاحب کے سامنے جو جھوٹی کہانی گھڑی ہے' میں سب کے سامنے سچ میں بدلنا چاہتا ہوں۔ میں ان کو بتاؤں گا کہ غلطی کس کی ہے؟" عفت جہاں نے کچھ کہنا

تو چاہا مگر وہ غصے میں بھرے چلے گئے اور وہ ماہ ما کے کمرے میں آ گئیں جو کچھ پریشان سی نظر آ رہی تھی۔ وہی افسوس وہی ملال جو شہرام کے جانے کے بعد تھا پھر در آیا تھا۔ اسے شہرام پر غصہ بھی آ رہا تھا اور ترس بھی اور اس کی ناراضگی کی بہت زیادہ پروا بھی تھی۔

''ماہ ما' کیا سوچ رہی ہو جان!'' اسی وقت عفت جہاں اندر آئیں تو وہ ان سے لپٹ گئی۔

''مما...... شہرام مجھ سے بہت خفا ہوں گے ناں!'' ماہ ما کو جو فکر تھی' وہ شہرام کے روٹھنے کی تھی۔

''ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔ جاہل، اجڈ نہ جانے امریکا میں کیسے رہتا ہے۔ ان جیسے اجڈ لوگوں نے باہر امپریشن خراب کیا ہوا ہے۔ تم نے اب سب کے سامنے یہی کہنا ہے کہ شہرام کی غلطی ہے کہ تمہیں ٹونی کے ساتھ چھوڑ کر آ گیا اور واقعی اس کی غلطی ہے اس نے کیوں کیا ایسا؟'' عفت جہاں تو کوئی بہانہ چاہ رہی تھیں کہ ان دونوں میں گڑبڑ کی ابتدا ہو اور وہ چاہتوں کے سفر پر آگے نہ نکل جائیں کیونکہ نہ تو خود ملک میں رہنا چاہتی تھیں اور نہ ہی بیٹی کو یہاں سیٹل ہونے دینا چاہتی تھیں جبکہ ماہ ما غیر محسوس انداز میں شہرام کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''نہیں مما' میری غلطی تھی۔ مجھے ٹونی کے ساتھ نہیں رکنا چاہیے تھا۔ شہرام کے ساتھ آ جانا چاہیے تھا۔ ٹونی بہت برا ہے۔''

ماہ ما فطرتاً معصوم سی تھی اور اسے اپنی غلطی کا بھرپور احساس تھا مگر شاید یہ اس کی شخصیت کی کمزوری تھی کہ جو بہلاتا' بہل جاتی اور یہی کمزوری اسے کوئی اچھا اور مضبوط فیصلہ کرنے سے روکتی۔

''ٹونی ہرگز برا نہیں۔ کتنا خیال رکھتا ہے تمہارا، جو تم کہتی ہو کرتا ہے۔ اپنی ناپسندیدگی کے بینر کھڑے نہیں کرتا تمہارے سامنے۔ وہ تمہارا بہت اچھا دوست ہے۔ تمہیں اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ ابھی سب کے سامنے تم یہی کہو گی کہ شہرام نے ٹونی کے سامنے تمہاری انسلٹ بھی کی اور جب تم نے اس کے ساتھ جانا چاہا تو اس نے گاڑی آگے بڑھا دی اور تم گرتے گرتے بچیں۔''

عفت جہاں کا ایک خطرناک مگر نیا روپ ایک چال کی صورت میں ماہ ما کے سامنے آیا تو وہ بے یقینی سے ان کو دیکھتی رہ گئی۔

''نو مما' ایسا کچھ نہیں ہوا۔ شہرام کا کوئی قصور نہیں ہے تو پھر میں یہ...... نو مما......! میں یہ نہیں کہوں گی۔''

اس نے صاف انکار کر دیا تو عفت جہاں کو غصہ آ گیا۔

''لڑکی' میں تمہیں بچانا چاہتی ہوں۔ اس جاہل' گنوار ماحول سے جہاں تمہارے پپا تمہیں بسانا چاہتے ہیں۔ تم یہ سب کہو گی' او کے!''

اور پھر انہوں نے کچھ اس انداز میں اسے اپنے عزائم کے شیشے میں اتارا کہ وہ ان کی پسند کا بیان

دینے پر تیار ہو گئی۔

''او کے مما......! جیسا آپ کہیں گی' ویسا ہی کہوں گی۔''

ماہ ما نے بے بسی سے ہتھیار ڈال دیئے۔

☆☆☆

نیلو فر عثمان اور عاتکہ کی اکلوتی اولاد تھی۔ ان کی تمام خوشیوں کا محور تھی مگر انہوں نے اس کی تربیت بڑے اچھے انداز میں کی تھی۔ دینی اور دنیاوی تعلیم دے رہے تھے۔ وہ بھی جتنی شوخ اور لاڈلی تھی' اتنی ہی سمجھ دار اور معاملہ فہم قسم کی لڑکی تھی۔ اس نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے علاوہ عمار اور ذورین کو دیکھا تھا جن کے متعلق اس کے والدین کا کہنا تھا کہ اس کے کزن ہیں' چونکہ ان کے والدین کی ڈیتھ ہو گئی تھی اس لیے یہ ان کے پاس آ گئے تھے۔ عمار تو اسے بالکل چھوٹی بہنوں کی طرح چاہتا اسے بے حد عزیز بھی رکھتا تھا' جبکہ ذورین کی اور اس کی آپس میں کبھی بنی نہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد میں کام کرتے پہلے تو سب ٹھیک تھا۔ زندگی کی ایک ترتیب تھی مگر جب سے رفیق نے بدگمانی کا بیج ذورین کے دل کی زمین پر بویا تھا' وہ ان سب کے خلاف ہو گیا تھا اور نفرت کے اظہار کا بہترین طریقہ ان دونوں کی عزیز از جان بیٹی نیلو کو تنگ کرنا تھا۔ پہلے تو اسے کسی بات کی خبر نہیں تھی مگر اب تو وہ ذرا ذرا سی بات میں خود میں اور نیلو میں مقابلہ کرتا تھا اور رفیق نفرت کی فصل کو اپنی عیاری مکاری کا پانی دے کر خوب پھیلا رہا تھا۔ نیلو کی برتھ ڈے ہمیشہ ہی دھوم دھام سے ہوتی تھی مگر اس بار تو ذورین کو ہر چیز بری لگ رہی تھی۔ اس وقت بھی وہ کلب سے کھیل کر آیا تو گھر میں برتھ ڈے کی باتیں ہو رہی تھیں۔

''السلام علیکم!'' چونکہ موضوع اس کی پسند کا نہیں تھا۔ وہ ریکٹ لہراتا سیڑھیوں کی جانب بڑھا کہ عاتکہ کی آواز نے روک لیا۔

''ذورین جانی' یہاں آؤ تم پھر کھیلنے چلے گئے تھے رات تمہیں حرارت بھی تھی یہاں آؤ میرے پاس۔''

عاتکہ نے ممتا کا جال پھینکا تو وہ ذرا بھی پس وپیش نہ کر سکا۔ آ کر ان کے قریب بیٹھ گیا۔ عثمان صاحب کے قریب بیٹھی نیلو نے ذرا نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وائٹ شرٹ اور بلیک جینز میں ریکٹ کو گول گول گھماتا ہوا وہ بڑا اسمارٹ لگ رہا تھا۔

''منع کیا تھا ناں جان کہ جب تک صحت اچھی نہیں ہو جاتی مت کھیلا کرو۔ نسرین' ذوری بیٹا کے لیے میں نے جوس نکال کر رکھا ہوا ہے جلدی سے لے آؤ۔'' عاتکہ نے اس کے بال پیشانی سے پرے کر کے پیار کر لیا تو ہزار شکوؤں کے باوجود اس نے عاتکہ کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگا کر پیار کر لیا۔ نہ جانے کیا بات تھی عاتکہ کے قرب میں۔ اسے حقیقی ماں جیسا سکون ملتا تھا ان کے قرب

سے۔

''مما' کھیل بھی تو صحت کے لیے ضروری ہے ناں۔''

''مما' صحت کے لیے کھیل کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزوں کا ہونا ضروری ہے مثلاً اخلاق کا اچھا ہونا' مزاج کا اچھا ہونا اور شکل کا اچھا ہونا وغیرہ وغیرہ......'' نیلو نے ایک شوخ سی نظر زورین پر ڈالی جو اس کی بات پر تپ کر رہ گیا تھا۔

''اپنی صحت کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟''

''میں...... میری صحت۔ الحمدللہ! میری صحت بہت اچھی رہتی ہے۔ خوش رہتی اور خوش رکھتی ہوں۔ کسی سے نفرت نہیں کرتی۔ کسی سے چڑتی نہیں۔ جیو اور جینے دو کے فارمولے پر عمل کرتی ہوں اور اپنی خوب صورتی کا خیال جوس پی کر رکھتی ہوں۔'' نیلو نے شوخی سے زورین کو دیکھا جس نے جوس کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ نیلو نے جھٹ ٹرے سے گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔

''بہت شریر ہے یہ نیلو بھی۔'' عثمان صاحب اس کی حرکت پر ہنس دیئے۔ عاتکہ بھی مسکرائیں تو وہ غصے میں کھڑا ہو گیا۔

''ویری فنی!'' وہ کاٹ کھانے والے انداز میں اس کی طرف بڑھا اور اس کے ہاتھ سے گلاس چھین کر قریب پڑے گملے میں انڈیل دیا اور ریکٹ پٹخ کر اوپر کی طرف جانے لگا کہ سامنے سے آتے ہوئے عمار سے ٹکرا گیا۔

''ہیں...... ہیں اس کو کیا ہوا ہے؟'' عمار نے غصے میں بھرے زورین کو دیکھا۔

''کچھ نہیں ہوا زورین بیٹے' تم جاؤ چینج کر کے آؤ۔ ذرا میرے ساتھ چلو کچھ انتظامات باقی ہیں کیک کا کہہ کر آنا ہے۔'' عثمان بے چارے کیا جانتے کہ زورین کے دل میں ان کے خلاف بدگمانی پھیلا چکی ہے۔

''سوری پپا......! میں فارغ نہیں آپ بھائی کو لے جایئے۔'' اس نے ناگوار سا منہ بنایا۔

''کیوں بھئی' تم فارغ کیوں نہیں۔ میں تو ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ پپا! آپ اسے لے کر جایئے۔''

عمار نے پھر ذمے داری اس پر ڈال دی تو وہ کھول کر رہ گیا کیونکہ وہ عثمان کے ساتھ کہیں جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''میں نے بول دیا ہے کہ میں فارغ نہیں ہوں پھر یہ اصرار کیوں؟''

''کیوں' کیا مصروفیت ہے تمہاری کہ فارغ نہیں ہوں؟'' عمار نے پلٹ کر زورین کو دیکھا جو سیڑھیاں چڑھ چکا تھا۔ مڑ کر عمار کو دیکھتے ہوئے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ نیلوفر بول اٹھی۔

''مصروفیت میں بتاؤں بھائی! آپ کو پتا ہے پوری تیس مکھیاں ماری ہیں انہوں نے......''

اور وہ غصے میں بھرا ہوا تو تھا جو چند سیڑھیاں چڑھ گیا تھا تیزی سے اتر کر نیچے آیا۔ انداز تو ایسا ہی تھا کہ جیسے اسے تھپڑ رسید کر ڈالے گا جی تو یہی چاہ رہا تھا۔

''میں تم سے بات کرنا نہیں چاہتا ورنہ......'' وہ لفظ چبا چبا کر بولا۔ غصے سے چہرہ تپ رہا تھا اس کا۔

''یہ ورنہ کے پیچھے چھپنے کی کیا ضرورت ہے۔ اعتراف شکست سے بھی آپ کے بہادر ہونے کا پتا چلتا ہے۔ مان لیجیے آپ کہ آپ ہماری ذہانت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور لفظوں کی جنگ جیتنا آپ کے بس کا روگ نہیں۔''

نیلو کے حسین چہرے پر بجی اس کی خوب صورت گہری نیلی آنکھوں سے نکلتی شوخ کرنوں کو بھی زورین کچھ نہیں پایا۔

''شٹ اپ!'' وہ بہت زور سے دہاڑا کہ وہ سہم کر رہ گئی۔ عثمان اور عاتکہ بھی متوجہ ہو گئے۔

''نیلو' کیوں تنگ کرتی ہو اسے۔ جب دیکھو اسے چھیڑتی رہتی ہو۔'' اور اتنی دیر میں نیلو جو اس ستمگر کی نفرت سے اندر ہی اندر گھلتی رہتی تھی اسے یوں تنگ کر کے اسے تسکین کا احساس ہوتا تھا۔

''سارے تو چھیڑنے کے لیے ہوتا ہے مما......! کیوں بھائی' ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں؟''

نیلو نے اوپر جاتے زورین کو دیکھا اور عمار کے بازو کے ساتھ جھول گئی۔ زورین کھول تو رہا ہی تھا۔ قریب تھا وہ کوئی دھماکا کرتا اس نے ایک نظر عاتکہ پر ڈالی اور اوپر چلا گیا۔ نیلو چپ سی ہو گئی۔ محفل کیسی ہی کیوں نہ ہوتی' لمحوں کا مزاج گرم ہوتا یا سرد' ساری رونق اس شخص سے محسوس ہوتی تھی۔ وہ چلا جاتا تو سارے رنگ پھیکے پڑ جاتے۔

☆☆☆

زورین اپنے کمرے میں تھا۔ ابھی ابھی اس کے دوست حامد کا فون آیا تھا۔

''میں کچھ نہیں جانتا' تم ابھی اور اسی وقت آ جاؤ میں بہت اپ سیٹ ہوں۔''

''یار! آج ہی تو آیا ہوں۔ ابو اور امی ہرگز باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیں گے اور بہنیں تو بہت وہمی ہیں میرے معاملے میں۔ ذرا باہر نکلوں تو پڑھ پڑھ کر پھونکتی ہیں۔''

''ٹھیک ہے نا آؤ' مرد۔ میں تو جیسے کچھ جانتا ہی نہیں۔ بہنوں سے کہو تم پر پڑھ کر پھونک دیں اور آ جاؤ یار!''

''آخر معاملہ کیا ہے؟ ویسے معلوم ہے مجھے...... شہزادی نیلوفر سے پھر کھٹ پٹ ہو گئی ہو گی۔ ایسا ہی ہوتا ہے نارملی۔ پہلے ہیرو ہیروئن لڑتے جھگڑتے ہیں پھر جدائیاں' بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں پھر وہی

پپی اینڈ۔ دونوں ہنسی خوشی رہنے لگتے ہیں۔" حامد شاید یہی سمجھ رہا تھا کہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی نیلو سے جھگڑے کے بعد اپ سیٹ ہو گیا ہے۔

"لعنت ہے مجھ پر جو تمہیں فون کر دیا۔ کبھی نہ آنا مرنا کہو مشرق کی سنے گا مغرب کی۔"

ذورین تو ویسے بھی اس وقت غصے سے کھول رہا تھا اوپر سے حامد کی بات اسے تپا گئی۔ اس نے غصے سے کھٹ سے ریسیور رکھ دیا پھر کتنی ہی دیر وہ ٹہلتا رہا پھر وہ لان میں آ گیا۔ گو کہ خنکی خاصی تھی مگر زرد چاند کی روشنی میں بھیگی سی فضا میں ٹہلنا اس کے دل و دماغ پر اچھا اثر ڈال گیا۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے ٹہل رہا تھا۔ اوپر اپنے کمرے میں نیلو کی نظر اس پر پڑی تو اس نے جھٹ لائٹ آف کر دی اور اوٹ میں ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"محبت کے سفر میں...... میں تنہا ہوں ذورین...... اور نفرت کے سفر میں تم۔ خدا جانے زندگی کی شاہراہ پر وقت کس موڑ پر ان دونوں جذبوں کو ملا دے یا مٹا دے۔"

نیلو نے ایک گہرا سانس لیا۔ کچھ دیر ٹہلتے ہوئے ذورین کو دیکھتی رہی پھر جب ذورین گیٹ کی جانب بڑھا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔ حامد اور ذورین بچپن کے دوست تھے۔ گو کہ مزاجاً ایک دوسرے کی ضد تھے۔ ایک شعلہ دوسرا شبنم تھا مگر دوستی خوب تھی اتنی کہ ایک دوجے کے بغیر رہ نہیں سکتے تھے۔ حامد اپنے والد کے ساتھ بزنس ٹور پر گیا ہوا تھا۔ آج ہی لوٹا تو ذورین نے بلا لیا پھر ناراض بھی ہو گیا اور یہ بات بھلا حامد کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ اتنی تھکن اور بخار کے باوجود وہ اس کی خفگی دور کرنے آ گیا تھا۔

"بہت ظالم چیز ہو تم یار' بلا کر ہی دم لیا ہے ناں۔" حامد خفگی سے ذورین سے بغل گیر تھا۔

"تو مت آتے۔" ذورین اکھڑ پن سے بولا۔ اسی وقت نیلو بھی آ گئی۔

"السلام علیکم۔ ارے آپ اچانک' کیسے ہیں آپ؟" نیلو نے ذورین کو اگنور کرتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہیں آپ اور رہا اچانک آنے کا سوال تو روٹھے یار کو منانے آیا ہوں۔ دیکھیے مانتا ہے یا نہیں۔ آپ سفارش کر دو......" سیاہ اور سرخ پرنٹیڈ سوٹ میں حامد نے نیلو کو دیکھا۔ اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ ذورین پر ڈالی پھر جھک کر گملے سے موتیے کی چند کلیاں توڑیں' سونگھیں اور حامد کی طرف بڑھائیں۔

"سوری حامد صاحب' میں فضول کام نہیں کیا کرتی البتہ آپ بڑے وقت پر آئے ہیں۔"

"ہوں واقعی' کیا آج آپ نے کھانا بنایا ہے؟" حامد نے بھی کلیوں کو ناک سے لگایا۔

"یہ بات تو نہیں' البتہ کل بہت خاص اور اہم دن ہے میرے لیے' میرے والدین کے لیے' میرے عمار بھیا کے لیے۔"

نیلو دانستہ طور پر ذورین کو اگنور کر رہی تھی اور وہ سخت کھول رہا تھا کہ وہ کیوں اس طرح آ کر باتیں کر رہی ہے۔ حامد سے اس کا بات کرنا اسے شروع ہی سے پسند نہیں تھا اور یہ بات حامد تو نہیں' نیلو ضرور جانتی تھی اور اسے ہر وہ کام کرنے میں لطف محسوس ہوتا جس سے ذورین کو چڑ ہوتی۔

"ہوں' اس کا مطلب ہے کہ کل آپ کی برتھ ڈے ہے؟"

"کتنے ذہین ہیں آپ۔ اب اگر ذورین صاحب سے یہ بات کی جاتی تو پتا ہے وہ کیا کہتے...... ہوں...... ہوں کل تو جمعہ ہے۔ اس میں کیا خاص بات ہے؟" نیلو نے ذورین کی نقل اتارتے ہوئے کہا تو حامد زور سے ہنس پڑا۔ ذورین تلملا اٹھا۔

"آئی ٹولڈ یو...... کہ مجھے ڈسکس مت کیا کرو۔" وہ دہاڑا۔

"آپ کو اور میں ڈسکس کروں گی' اتنے اہم ہیں آپ میرے لیے۔ یوں بھی فضول موضوعات پر میں بات نہیں کیا کرتی۔ اینی ہاؤ...... حامد! کل آپ ضرور آیئے گا' آئیں گے نا......؟"

ذورین سے نمٹنے کے بعد وہ پھر حامد کی جانب مڑی۔

"ارے آپ بلائیں اور ہم نہ آئیں' ایسے تو حالات نہیں ہوئے ابھی' ضرور آئیں گے۔"

حامد نے سینے پر ہاتھ رکھا اور ذرا سا جھک کر اپنے آنے کی یقین دہانی کرائی۔

"آپ کل نہیں آئیں گے۔" ذورین نے انتہائی سخت انداز میں کہا۔ نیلو تو جان گئی تھی کہ اس سے چڑ کی وجہ سے وہ ایسا کہہ رہا ہے مگر حامد کچھ پریشان سا ہو گیا جبکہ وہ تو ہر صورت میں آنا چاہتا تھا۔

"کیوں' کیوں نہیں آئیں گے بھئی' کل تو دنیا جہان کے کام بھی ہوں گے تو ضرور آئیں گے۔"

"یہ ہوئی ناں بات' حامد آپ ضرور آیئے گا میں انتظار کروں گی۔"

نیلو کو بھی غصہ آ گیا تھا' اس نے حامد کو اصرار کر کے کہا کہ وہ آئے۔ وہ بے چارہ دونوں میں گھر گیا تھا۔ کبھی نیلو کو دیکھتا اور کبھی ذورین کو دیکھتا جس کے چہرے پر شدید قسم کا تناؤ تھا۔

"او کے' جب انتظار کے تمام دیئے بجھ جائیں تو کیک کاٹ لیجیے گا' حامد نہیں آئے گا۔"

ذورین نے دانت پیس کر کہا اور حامد کا بازو کھینچتا ہوا اپنے کمرے میں لے گیا۔ نیلو نے آنکھیں بند کر کے امڈ آنے والی نمی کو پلکوں کی سرحد عبور کرنے سے روک دیا۔

☆☆☆

"ہوں تو یہ بات تھی مگر یار' یقین نہیں آتا کہ انکل آنٹی سے تم لوگوں کا کوئی خونی رشتہ نہیں ہے۔ کتنا چاہتے ہیں دونوں تم لوگوں کو کہ حقیقی والدین ہونے کا گمان ہوتا ہے یار مجھے تو بہت حیرت ہو رہی ہے یہ جان کر کہ ان لوگوں سے کوئی ایسا رشتہ بھی نہیں اور پھر ان لوگوں نے تم دونوں کی تعلیم و تربیت اتنے اچھے طریقے سے کی۔ اگر کوئی اور طرح کے لوگ ہوتے تو ساری دولت پر قبضہ کر کے تم لوگوں کو

غائب کر دینا کوئی مشکل کام نہیں تھا ان لوگوں کے لیے۔"

حامد کے لیے یہ حقیقت ناقابل یقین تھی کہ عثمان اور عاتکہ کا ان دونوں سے کوئی حقیقی رشتہ نہیں ہے۔

"ہر انسان کا طریقہ واردات مختلف ہوتا ہے حامد۔ اس وقت یہ ان کی ضرورت تھی ان کو غرض تھی کہ ہمارا خیال رکھتے۔"

رفیق نے بدگمانی کا ایسا بیج بویا تھا کہ ذورین ان کی کسی اچھائی کو قبول نہیں کرتا تھا۔ اسے ہر اچھائی میں ان ہی کی غرض نظر آتی تھی۔

"تم اگر ضرورت اور غرض کی بات کر رہے ہو ذورین تو یہ سوچو کہ اس وقت تم دونوں زیادہ ضرورت مند اور غرض مند تھے اور تم لوگوں کو ایسے ہی مخلص لوگوں کی ضرورت تھی جو تم لوگوں کا بھی خیال رکھتے اور گھر بھی سنبھالتے۔ بزنس سنبھالتے...... خدا کا شکر ادا کرو کہ تم لوگ غلط ہاتھوں میں خودغرض لوگوں کے ہتھے نہیں چڑھ گئے انہوں نے سنبھال لیا۔" حامد کے دل میں عثمان اور عاتکہ کے لیے عزت بڑھ گئی تھی۔

"اونہہ' سنبھال ہی تو لیا ہے انہوں نے سب کچھ۔ یار حامد' ان عثمان صاحب نے ہمارے سارے بزنس پر قبضہ کر لیا ہے۔ اپنی بیٹی کے لیے ہر ناجائز چیز جائز ہے اور ہمارے لیے حد بندی کر دی جاتی ہے لیکن میں بھی عثمان صاحب کو سمجھ لوں گا۔" ذورین نے حقارت سے منہ بگاڑ کر عثمان کا نام لیا تو حامد حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"عثمان صاحب...... یہ کس ٹون میں تم بات کر رہے ہو یار' تم تو ان کو پپا کہتے تھے۔"

"کہا ہی نہیں کرتا تھا سمجھا کرتا تھا' ان کو باپ سے بھی بڑھ کر عزت محبت دی تھی مگر جب سے انہوں نے فرق ڈالا ہے' تب مجھے......"

"فرق انہوں نے نہیں رفیق کی کہانی سنانے کے انداز نے ڈالا ہے ورنہ......"

"رفیق کو کچھ مت کہو یار' میں تو اس کا احسان مند ہوں کہ اس نے مجھے باخبر کر دیا ہے ورنہ تو ہم برباد ہو جاتے۔ رفیق بہت اچھا آدمی ہے۔ بہت مخلص ہے وہ ہمارے ساتھ۔"

ذورین کو رفیق پر مکمل بھروسا تھا اور وہ عثمان کو ایک غلط آدمی سمجھنے لگ گیا تھا۔ جس کو اپنے مفادات' اپنی بیٹی ان سے زیادہ عزیز تھی اور شاید یہی چھوٹی سی غلط فہمی اس کی' دوسروں کی زندگی مشکل بنا دے' وہ یہ بات مان لینے پر تیار نہیں تھا' جبکہ حامد اس کے خیالات سے متفق نہیں تھا۔

"اچھا اور مخلص آدمی نہ کہو اسے ذورین' وہ اگر اچھا آدمی ہوتا تو یوں دلوں میں نفاق پیدا نہ کرتا۔ دلوں میں نفاق پیدا کرنا' نفرت پیدا کرنا' بغاوت پر آمادہ کرنا' یہ شیطانی صفات ہیں ذورین اور تم

ایسے آدمی کو اچھا کہہ رہے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو جو دلوں میں نفاق پیدا کرتے ہیں ناپسند فرمایا ہے۔"

حامد ہر ممکن طریقے سے اس کے آئینہ دل کو' جس پر بدگمانی کی دھند اتر آئی تھی' صاف کر دینا چاہتا تھا۔

"اس نے نفاق کہاں پیدا کیا ہے' اس نے تو حقائق بتائے ہیں صرف اور فرق میں خود محسوس کرنے لگا ہوں۔"

"دیکھا' یہی تو نفاق ہے کہ وہ باتیں جو تم پہلے محسوس نہیں کرتے تھے' اب کرنے لگے ہو۔ تم نے ان کی محبتوں میں بھی کوئی فرق محسوس کیا ہے یا پھر......؟"

"نہیں۔ دیکھو یار حامد' جب انسان کسی مشن پر نکلتا ہے تو پوری تیاری کے ساتھ نکلتا ہے اور وہ دونوں بہت ہوشیار ہیں۔ ممی تو خیر ٹھیک ہیں مگر عثمان صاحب......!" ذورین بے حد بدگمان تھا۔

"کم آن یار! کم از کم میرے سامنے تو انکل کو عثمان صاحب نہیں صرف پپا کہو گے اور دیکھو' محبتوں کے پودے اتنی جلدی جڑیں نہیں پکڑتے جتنی جلدی نفرتوں کی بیل چڑھتی ہے اور اس طرح پھیلتی ہے کہ ہماری اپنی ذات بھی الجھ کر رہ جاتی ہے۔ اپنے دل و دماغ کو روشن رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے۔"

اور پھر کتنی ہی دیر حامد اس کو سمجھاتا رہا' کبھی ذورین سوچنے لگ جاتا' واقعی بچپن سے اب تک ان دونوں کی محبت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی پھر...... پھر یہ اچانک کیسی ہوا چلی تھی کہ ہر چیز آلودہ ہو گئی تھی نظر کے آئینے دھندلا گئے تھے۔

☆☆☆

"پچاس لاکھ کا چیک نیلوفر بیٹی کے اکاؤنٹ میں جا رہا ہے۔" رفیق عیار و مکار آدمی تھا' ہر وقت کن سوئیاں لینا اس کے اہم فرائض میں تھا اور اس مہم کے دوران میں جب وہ عثمان صاحب اور عاتکہ کے کمرے کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ اس نے سنا کہ عثمان صاحب پچاس لاکھ کا چیک نیلو کے بینک اکاؤنٹ میں جمع کرا رہے ہیں' تب سے اس کے سینے پر سانپ لوٹ رہا تھا کہ اپنے کوارٹر میں بھی چین سے لیٹ نہیں پا رہا تھا۔

"ارے تو تمہارے پیٹ میں مروڑ کیوں اٹھ رہے ہیں۔ ان کی کمائی ہے' ان کی بیٹی ہے۔ پچاس لاکھ کیا اربوں روپے جمع کرائیں۔ تمہیں تکلیف کیوں ہو رہی ہے؟" لکڑیوں کو پھونکیں مارتے ہوئے نسرین نے رفیق کو دیکھا۔

"کیوں تکلیف نہ ہو۔ یہ سب دولت' یہ کاروبار اکبر صاحب کا ہے اور ان کے بعد ان کے بیٹوں

کا ہے۔ یہ عثمان صاحب کون ہوتے ہیں' ان یتیم بچوں کی دولت پر قبضہ کر کے اپنی بیٹی کے نام کرنے والے۔''

''رفیق' نفاق نہ ڈالو۔ میں سب جانتی ہوں۔ عثمان صاحب کا اپنا الگ کاروبار ہے اور اکبر صاحب کا الگ۔ جب لڑکے اس قابل ہو جائیں گے تو وہ سب کچھ ان کے حوالے کر دیں گے۔ رفیق انہوں نے ان کو اپنے بچوں سے زیادہ محبت دی ہے' جان دیتے ہیں دونوں میاں بیوی لڑکوں پر۔ اگر تم نے کوئی شیطانی کام کیا تو بہت گڑبڑ ہو جائے گی۔''

نسرین رفیق سے منت کر رہی تھی۔ وہ سیدھی سادی نیک صفت عورت تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس ہنستے بستے گھرانے کو بدگمانی کا طوفان اپنی لپیٹ میں لے لے۔

''ارے تو چپ کر۔ آ گئی کہیں سے عثمان صاحب کی خیر خواہ۔ میں سب جانتا ہوں اس ڈرامے کو۔ ارے گھر سے بھاگے ہوئے ہیں یہ لوگ۔ جو والدین سے چھپ کر شادی کر کے یوں فرار ہو گئے ہیں' ان کا کوئی ٹھور ٹھکانا نہیں ہوتا۔ تو پھر کیسا کاروبار..... سارا کچا چٹھا جانتا ہوں صاحب کا۔''

''خدا کا خوف کر رفیق' خدا کا خوف کر۔'' نسرین نے چائے کا پیالہ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔

''خدا کا خوف ہے تو ان یتیم لڑکوں کو بچانا چاہتا ہوں کہ ان کا مال کوئی اور نہ کھائے۔''

''رفیق! عثمان صاحب خود بھی بہت امیر آدمی ہیں۔ ان کو ان کے والدین کی طرف سے برابر حصہ ملا ہے۔ یہ درست ہے کہ دونوں نے مرضی سے شادی کی تھی مگر دونوں کی مائیں شریک تھیں اور بعد میں تو..... دونوں کے باپ بھی خوش تھے اور جائداد میں دونوں کو برابر کا حصہ ملا ہے۔''

ان دونوں کے بارے میں نسرین کو جو کچھ شرفو بابا نے بتایا تھا' اسے تو اسی پر اعتبار آ گیا تھا مگر رفیق اسے بھی ایک من گھڑت کہانی سمجھ رہا تھا اور شرفو بابا سے تو اس کو یوں بھی دشمنی تھی۔ وہ بابا کی حسین بیٹی سکینہ کو چاہتا تھا مگر بابا اس کی بدکرداری اور عیار خصلت کو جانتا تھا اسی لیے اس نے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی اپنے ایک دوست کے بیٹے سے کر دی تھی۔ تب سے رفیق بابا کا دشمن ہو گیا تھا اور عثمان کے بارے میں جو کہانی بابا نے سنائی تھی' اسے قطعی اس پر اعتبار نہیں تھا۔ یوں بھی وہ ہر بات میں اپنا بھلا دیکھا کرتا تھا اور وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو رہا تھا۔ عمار بہت سمجھ دار لڑکا تھا اس لیے اس نے ذورین پر قبضہ کر لیا تھا۔ بدگمانی کا بیج اس نے اس کے دل میں بو دیا تھا اور وہ اب اسی بدگمانی کے درخت پر بہار دیکھنا چاہتا تھا۔

''کم عقل عورت' شرفو بابا کی باتوں میں آتی ہے۔ میں جیسے جانتا نہیں کہ اصل بات کیا ہے۔ عثمان نے قبضہ کر لیا ہے اکبر صاحب کی جائداد پر' بزنس پر۔ میں سب جانتا ہوں..... اور اس کا بندوبست بھی کر لیا ہے' ذرا تو دیکھ تو سہی۔''

رفیق نے مکاری سے نسرین کو دیکھا جس کو اس شخص سے نفرت ہونے لگی تھی۔

''ساری جوانی میں اسی صدمے میں گھلتی رہی رفیق کہ میری اولاد نہیں ہے لیکن خدا کی قسم میں اب اپنا سارا بڑھاپا خدا کا شکرانہ ادا کرتے ہوئے گزاروں گی۔ خدا تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے اولاد نہیں دی ورنہ وہ بھی باپ جیسی شیطان صفت ہی ہوتی۔'' نسرین رونے لگ گئی۔ اسے رفیق کی عیاری میں اس گھر کی تباہی نظر آ رہی تھی۔

''نسرین' اپنے بڑھاپے کی لاج رکھنی ہے تو زبان بند رکھ اپنی ورنہ اس بڑھاپے میں ایک لفظ منہ سے نکال دیا تو یہ سفید چونڈا بدکرداری کے داغوں سے رنگ جائے گا۔ عافیت اسی میں ہے کہ اپنی زبان بند رکھ اور میری راہوں میں روڑے اٹکانے کی کوشش نہ کر۔'' رفیق نے بڑی بے دردی سے اس کے بال نوچ ڈالے اور باہر نکل گیا۔



ذورین تیار ہو کر تیزی سے باہر نکل رہا تھا کہ رفیق آ گیا۔ وہ باقاعدہ آنسوؤں سے رو رہا تھا۔

''رفیق' کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے ناں؟'' ذورین نے پوچھا تو وہ منہ پر اپنے شانے پر پڑا رومال ڈال کر آواز کے ساتھ رونے لگا۔ اب ذورین مزید گھبرا گیا۔

''کیا بات ہے رفیق بتاتے کیوں نہیں ہو' کیا ہوا ہے؟''

''آپ کے حکم پر تو میں گردن بھی کٹا دوں ذورین میاں! آج میرے اکبر صاحب اور بیگم صاحبہ کی برسی تھی اور گھر میں کسی کو خیال تک نہیں ہوا کہ..... صرف ان کی روح کے ثواب کے لیے سپارے پڑھ ڈالے جاتے۔ ہائے میرے سخی صاحب خود دوسروں کے ایصال ثواب کے لیے مسجدوں میں قرآن پڑھایا کرتے' یتیموں کو کھانا کھلاتے اور آج ان کو دو حرف بخشنے والا کوئی نہیں۔''

رفیق نے اتنا کہا اور پھر چھینکوں چھینکوں رونا شروع کر دیا۔ ذورین جو حامد کی طرف جا رہا تھا ایک دم بجھ کر رہ گیا۔

''کیا آج مما پپا کی برسی تھی؟'' اس کا دل ماں باپ کی جدائی سے بوجھل ہو گیا۔

''جی ہاں ذورین میاں آج برسی تھی صاحب اور بیگم صاحبہ کی' بخشش جو اپنے ہاتھوں اتنی خیر خیرات کیا کرتے تھے اور آج ان کا نام بھی اس گھر میں نہیں لیا جاتا۔''

رفیق ایک نظر ذورین کو دیکھ لیتا اور پھر رونا شروع کر دیتا۔ نہ جانے نقلی آنسوؤں کی جھڑی کیسے لگا لیتے ہیں ایسے عیار لوگ۔ ذورین نے کہیں بھی جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا۔ اسے خود پر بھی افسوس ہو رہا تھا کہ خود ان لوگوں کو والدین کی برسی تک یاد نہ رہی تو وہ کسی اور سے کیا شکوہ کرتا۔

''آج برسی تھی تو تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ مما کو بھی یاد نہیں تھا کہ آج برسی ہے ورنہ تو وہ ہر سال رکھتی ہیں۔ اس بار کیا ہو گیا ہے کہ......؟''

''منہ چھوٹا اور بات بڑی ہے ذورین میاں! اب ان کو صاحب اور بیگم صاحبہ کی برسی یاد کیوں رہے گی۔ اب تو ان کی جڑیں مضبوطی سی پھیل چکی ہیں۔ میرے منہ میں خاک اب تو وہ لوگ آہستہ آہستہ آپ دونوں کی جڑیں اکھاڑنے میں مصروف ہیں۔ مگر میں قربان اپنے بچوں پر آنچ تک نہیں آنے دوں گا' آج برسی کو بھول گئے ہیں کل کو کچھ اور بھول جائیں گے اور یوں۔''

وہ ذورین کے قدموں میں بیٹھ کر رونے لگا۔ ذورین کی آنکھوں میں بھی والدین کی جدائی اور موجودہ حالات کی سنگینی کو محسوس کر کے نمی اتر آئی۔ اس نے جھک کر رفیق کو اٹھایا۔ اس وقت رفیق ہی اسے وہی اپنا ہمدرد نظر آیا۔

''رفیق' اگر تمہیں یاد تھا تو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا' اب بتا رہے ہو کہ قبر پر بھی نہیں جا سکتا۔''

ذورین نہ جانے کیوں گلٹی سا فیل کر رہا تھا کہ اسے والدین کی برسی تک یاد نہیں رہی۔

''میں گھر پر ہوتا ذورین میاں تو بتاتا ناں' میں تو صبح سے صاحب اور بیگم صاحبہ کی قبر پر گیا ہوا تھا۔ ابھی شام ڈھلے تو لوٹا ہوں اور آتے ہی آپ کو بتایا ہے۔ آپ تو بچے ہیں' ان باتوں کا خیال تو بزرگوں کو ہونا چاہیے اور خاص طور پر عثمان صاحب اور عاتکہ بیگم کو' ان کے ہاتھوں کے لگائے درخت سے پھل کھا رہے ہیں اور......''

''اچھا رفیق' یہ پیسے رکھو۔ ابھی جا کر مسجد میں دے آؤ تا کہ بچوں کے کام آ سکیں اور دعا کرانا۔''

ذورین نے جیب سے تین ہزار نکال کر رفیق کی طرف بڑھائے تو اس کی چندی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ وہ اتنا بے ضمیر آدمی تھا کہ اسے جھوٹ بولتے ہوئے ذرا شرم نہیں آئی تھی۔ اس نے قبرستان کا رخ تک نہیں کیا تھا۔

''اچھا بیٹا' میں ابھی مغرب کی نماز پڑھنے جاؤں گا تو مولانا صاحب کو دے آؤں گا۔''

اس نے پیسے جیب میں ڈالے اور مصنوعی آنسو پونچھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ذورین سیدھا عاتکہ کے پاس آ گیا۔

''مما!'' قریب جا کر اس نے آہستگی سے پکارا تو وہ پوری توجہ اور محبت کے ساتھ مڑیں۔

''جی جان کیا بات ہے اور یہ تمہاری آنکھیں کیوں نم ہیں۔ چہرہ کیوں اترا ہوا ہے میرے چاند کا؟''

انہوں نے والہانہ انداز میں اسے ساتھ لگا کر پیار کیا تو ذورین کے کئی آنسو ان کے آنچل میں جذب ہو گئے۔

''مما! آج مما پپا کی برسی تھی اور کسی کو خبر تک نہیں تھی گھر میں۔''

''تم سے کس نے کہا خبر نہیں تھی۔ عصر کی نماز کے بعد مسجد میں قرآن خوانی کرائی گئی اور کھانا بھی بھجوایا گیا اور یہ کام تو خود تمہارے پپا اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں۔ بھلا کوئی اپنے محسنوں کو بھول سکتا ہے۔ عمار اور عثمان خود شریک تھے قرآن خوانی میں۔'' عاتکہ نے ساری بات تفصیل سے بتائی تو ذورین ایک بار پھر الجھ گیا۔

اسے رفیق پر غصہ آنے لگا۔ کس طرح اسے بہکا دیتا تھا۔ یہاں اتنے اہتمام سے برسی منائی گئی اور وہ...... اسے بھی کیا خبر وہ تو صبح ہی قبروں پر فاتحہ خوانی کے لیے چلا گیا تھا۔ رفیق کا کردار ایک دم شفاف ہو گیا۔

''تو مما' مجھے کیوں نہیں بتایا گیا۔ فاتحہ خوانی کے لیے ہی چلا جاتا۔'' وہ اپنی کھسیاہٹ اپنے ہی سامنے مٹانے کی کوشش کر رہا تھا ورنہ عاتکہ کو تو کچھ خبر نہیں تھی کہ وہ کرب کی کس منزل سے گزر کر آیا ہے۔

''میری جان تم گھر پر تھے ہی کب...... اور یہ بتاؤ تم مما کو بتائے بغیر کہاں چلے گئے تھے۔ میں اتنی پریشان تھی اور اوپر سے موبائل بھی تم نے بند کر رکھا تھا۔'' عاتکہ نے پیار سے اس کا کان پکڑا۔

''اوہ سوری مما! وہ جاوید کے ہاں چلا گیا تھا۔'' اس نے شرمندگی سے نظریں چرائیں۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ تم نے اپنے دوستوں کو انوائٹ کر لیا ہے ناں کوئی رہ تو نہیں گیا؟''

''انوائٹ...... دوستوں کو۔ کیوں مما؟'' وہ واقعی نیلو کی طرح نیلو کی برتھ ڈے کو بھی بھلا بیٹھا تھا۔

''جانی! نیلو کی برتھ ڈے ہے ناں؟'' ممکن تھا کہ وہ کوئی مناسب جواب ہی دیتا مگر سامنے سے نیلو آ گئی تو اس کے چہرے پر تناؤ آ گیا اس نے منہ بنا کر کہا۔

''نہیں مما! میرا کوئی دوست نہیں آئے گا' ایسا کوئی خاص ایونٹ تو ہے نہیں کہ دوستوں کو انوائٹ کرتا پھروں گا۔ او کے مما! میں ذرا حامد کی طرف جا رہا ہوں۔'' عاتکہ اس کی بات پر مسکرانے لگیں۔ ان کو معلوم تھا کہ دونوں میں ہر وقت ٹھنی رہتی ہے۔ اس سے قبل نیلو جو حملہ کر چکی تھی اب وہ اس کا جواب دے گیا تھا۔

''جاؤ جان! خدا کی امان میں دیا اور سنو' برتھ ڈے پارٹی تک آ جانا۔'' عاتکہ نے جاتے جاتے ایک بار پھر ہدایت کی تو نیلو نے اس کی پشت کو دیکھا۔ عین اسی وقت ذورین نے پلٹ کر دیکھا کچھ کہنا چاہا مگر پھر عاتکہ کے خیال سے اپنے جذبات و خیالات جو نیلو کے لیے رکھتا تھا ساتھ ہی لے گیا۔ نیلو نے شدت ضبط سے آنکھیں موند لیں۔ دل میں عجیب طرح کا درد اٹھ رہا تھا۔ اس سے ماں کے سامنے کھڑا بھی نہ رہا گیا وہ واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆☆☆

تمام تیاری ہو گئی۔ تمام مدعوین آ چکے تھے۔ عثمان صاحب اور عاتکہ خوب خوش تھے اور چہک رہے تھے۔ بہت ہلکے دودھیا سے فاختئی رنگ کے لباس میں وہ اسی شیڈ کے میک اپ میں حزینہ پر سوزی شام چہرے پر لیے بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ نہیں آئے گا مگر پھر بھی نہ جانے کس آس کا دامن تھام کر اس نے اس کا پسندیدہ رنگ پہن لیا تھا۔ یہ یاد کسی حسین لمحے کی ساتھ لپٹی ہوئی تھی جس کو اس نے بڑی احتیاط سے سنبھال رکھا تھا۔ اسے یاد تھا کہ ایک بار مما نے ذورین کو نیلو کے لیے کلر پسند کرنے کے لیے کہا تھا تو اس نے یہ کلر پسند کیا تھا۔ وہ چند لمحات کتنے حسین تھے' چند ساعتیں' ذورین نے اس کے بارے میں سوچا تو تھا ناں اور یہ احساس کتنے رنگ بکھیر جاتا تھا' یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ نہ جانے اس اکھڑ خودسر میں ایسی کیا بات تھی کہ وہ بچپن ہی سے اس سے امپریس تھی۔ جب چاہت کا مفہوم تک معلوم نہیں تھا تب سے چاہ رہی تھی اسے اور وہ تھا کہ ہمیشہ اسے اگنور کرتا۔ تو لاکھ اسے اپنی چاہت عزیز سہی' اپنی انا' اپنی عزت نفس اسے اپنی محبت سے زیادہ پیاری تھی اسی لیے تو اس نے خود کو اپنی شوخی اور اس کو تنگ کرنے چڑانے کے پیچھے چھپا لیا تھا کہ ذورین کبھی بھی اس کی محبتوں کے جزیرے تک نہیں پہنچ سکتا تھا جہاں اس نے بے شمار خواب سجا رکھے تھے اس کے نام کے۔

"نیلو' کیا بات ہے بھئی۔ وہ تمہارے چارمنگ کزن نظر نہیں آ رہے؟"

اس کی دوست ہما نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ چونک کر سیدھی ہو گئی۔ ڈھلکا آنچل درست کیا اور مسکرانے لگی۔

"موصوف اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ اوپر سے مما نے ان کو سر چڑھا رکھا ہے۔"

نیلو نے اپنے درد کو چھپاتے ہوئے ساری ذمہ داری مما پر ڈال دی جو بار بار گھڑی دیکھ رہی تھیں کیونکہ نہ تو ذورین کی کوئی خبر تھی اور نہ ہی اس کا کوئی دوست آیا تھا حالانکہ حامد کو تو انہوں نے خود اصرار کر کے بلایا تھا۔

"یہ ذورین صاحب کی تم سے لڑائی تو نہیں کہ اب تک پہنچے ہی نہیں۔"

ہما کا یہ شوخ سا جملہ نیلو کے دل میں اتر گیا۔ ایک ٹیس سی اٹھی۔ وہ دروازے کی طرف دیکھنے لگی جس میں اس ستم گر کے گزرنے کی کوئی امید نہیں تھی۔

"ان سے دوستی ہی کب تھی اور مما تو بلاوجہ ہی خزاں رسیدہ درخت پر پھول دیکھنا چاہتی ہیں۔"

نیلو نے اترتی نمی کو اندر اتارا اور عاتکہ کی طرف بڑھی جو بار بار ذورین کا موبائل ٹرائی کر رہی تھیں۔

"مما!" اس نے قریب پہنچ کر آہستگی سے مما کو پکارا مگر چونکہ ذورین کا نمبر مل گیا تھا انہوں نے اشارے سے نیلو کو چپ رہنے کو کہا اور اس سے بات کرنے لگیں۔

"ہاں ہیلو ذوری بیٹا' کہاں ہو جان؟ یہاں سب موجود ہیں کیک تمہاری وجہ سے نہیں کاٹا جا رہا۔ آجاؤ بیٹا۔" مما کے لہجے میں' انداز میں اتنی محبت اتنی ممتا تھی کہ ذورین کا جی چاہا کہ اس پیاری سی لڑکی سے ساری عداوتیں بھلا کر صرف مما کی خاطر اس کی برتھ ڈے میں شریک ہو جائے مگر نیلو کی باتیں اس کا انداز پھر رکاوٹ بن گیا۔

"سوری مما! اس وقت تو میں بہت بزی ہوں' میرے ایک دوست کے والد کی طبیعت بہت خراب ہے۔ ان کو لے کر اسپتال جا رہے ہیں۔ آپ لوگ کیک کاٹیے انجوائے کیجیے۔ میں ذرا لیٹ ہو جاؤں گا پریشان مت ہوئیے گا۔ خدا حافظ۔" اور اس سے قبل کہ وہ مزید کوئی بات کرتیں اس نے جلدی سے فون آف کر دیا۔ حامد کو اس وقت اس پر شدید تم کا تاؤ آ گیا۔

"تم اتنے کمینے بھی ہو سکتے ہو مجھے اندازہ نہیں تھا۔"

"اب تو ہو گیا ہے ناں' برداشت کرو۔" ذورین نے اکھڑپن سے کہا۔

"تم اچھا نہیں کر رہے۔ ایک بدگمانی کی نذر کر رہے ہو اتنے پیارے لوگوں کو جو تم پر جان دیتے ہیں۔ کیا ہو جاتا اگر نیلو کی خوشی میں شریک ہو جاتے۔ اوپر سے جھوٹ بول دیا کہ دوست کے والد بیمار ہیں۔ تف ہے تم پر...... زہر لگ رہے ہو آج تم مجھے۔" حامد نے غصے سے اسے گھورا۔

"تم اتنا کیوں تپ رہے ہو۔ کیک کھانے کا اتنا ہی شوق ہو رہا ہے تو جاؤ چلے جاؤ اور آئندہ مجھ سے بات کرنے کی کوشش نہ کرنا۔" ذورین خود بھی محفل سے غائب ہو گیا تھا اور حامد کو بھی اپنی دوستی میں باندھ لیا تھا۔

"یہ کیک کتنا اہم ہے شاید تمہیں اس کا اندازہ نہیں۔"

حامد نے گہری آواز میں کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ دوسری طرف عاتکہ ہیلو ہیلو کرتی رہ گئیں۔

"لاحاصل انتظار کے دیے روشن کر کے پلکوں کی منڈیر پر مت رکھیں مما! اس لیے کہ نارسائی کے جھونکے جب ان کو بجھا دیتے ہیں تو دور تک اندھیرے پھیل جاتے ہیں۔ اتنے اندھیرے اتنے سناٹے اتر جاتے ہیں کہ ہم خود کو کھوجتے رہ جاتے ہیں۔"

آنکھوں میں اتری نمی اور آواز میں برستی برسات کی آمیزش عاتکہ کو چونکا گئی۔ انہوں نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ کتنی بدلی اور مختلف لگ رہی تھی ان کی بیٹی۔ نیلو چونک پڑی' ماں کی نظر کی گہرائی بہت دور تک جا پہنچی تھی۔ وہ شرمندہ سی ہو کر ہنسنے لگی۔ عاتکہ گہرا سانس لے کر رہ گئیں۔

"چلیے مما! کیک کاٹیں۔ ایک شخص ہمارے لیے اتنا اہم نہیں ہونا چاہیے کہ اس کی اہمیت کی دھند

اتنے ڈھیر سارے لوگوں کی اہمیت کو دھندلا دے۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔ عاتکہ کا ہاتھ پکڑ کر آخری بار دروازے کی طرف دیکھا۔ ناکام نگاہ کی واپسی پر اس نے چھری کیک پر رکھ دی۔ دل اندر کہیں کٹ کر رہ گیا۔

بہت اداس' بہت ویران۔ تیرے بغیر رہی میری یہ شام

بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے اس نے گھڑی پر نگاہ دوڑائی۔ سوئی تین کے ہندسے کو چھو رہی تھی اسی وقت کسی کے قدموں کی چاپ ابھری۔ اس کے دروازے کے قریب سے ہوتی ہوئی خاموشی کو درہم برہم کرتی اپنے کمرے تک جا کر ڈوب گئی۔ اس نے زور سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اب اس کو سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

☆☆☆

رفیق کو بستر پر لیٹے کافی دیر ہو گئی تھی مگر ذہن کے شیطانی چرخے میں طرح طرح کی باتیں طرح طرح کے پلان ابھر کر ڈوب رہے تھے۔ نسرین ابھی بھی کوئلوں کے پاس بیٹھی سوچوں میں گم تھی۔ اس کے پاس رفیق کی حرکتوں پر کڑھنے اور سوچنے کے علاوہ تھا ہی کیا۔

''نسرین' او نسرین!'' رفیق چارپائی پر لیٹا لیٹا بولا تو وہ چڑ کر بولی۔

''کیا ہے؟'' وہ گویا کاٹ کھانے کو دوڑی۔

''ارے بدبخت! میں تیرا مجازی خدا ہوں۔ ذرا عزت سے بات کر لیا کر۔''

''زیادہ فلسفہ بگھارنے کی ضرورت نہیں۔ عزت اسی کی کی جاتی ہے جو اس قابل ہوتا ہے۔''

''اچھا زیادہ بک بک مت کر اور ایک پیالی چائے بنا دے' دعا دوں گا۔''

وہ آج کچھ موڈ میں تھا' بڑے اسٹائل میں بات کر رہا تھا مگر نسرین کو وہ ہر حالت میں زہر لگتا تھا۔

''ابھی تو بنا کر دی تھی' کیا ساری رات اب چائے ہی بناتی رہوں گی۔ میں نے ابھی نماز بھی پڑھنی ہے۔''

''چل نیک بخت۔ بنا دے اللہ تیری نماز قبول فرمائے۔ مزید نیکیوں کی توفیق دے۔ بول آمین۔''

رفیق نے اسے پچکارا تو وہ مومن عورت ویسے تو اسے برا کہہ دیتی مگر اس کی ہر بات مانتی تھی پھر سے کوئلے انگیٹھی میں ڈالے اور چائے بنانے لگی اور رفیق کچھ اور سوچنے لگا۔

''یار رفیق اگر ایک انجان آدمی اکبر صاحب کا رشتے دار بن کر آ سکتا ہے تو ایسا ہی رشتے دار کوئی اور بھی بن کر آ سکتا ہے۔ ہاں آ سکتا ہے کیوں نہیں آ سکتا اور وہ آئے گا میں لے کر آؤں گا' وہ آئے گا...... وہ ضرور آئے گا۔''

وہ اپنے اسی خیال پر اتنا جوش اور بے قابو ہوا کہ زور سے چلا پڑا تو وضو کرتی نسرین چونک کر مڑی۔

''کیا کہہ رہے ہو' کون آئے گا؟''

''وہی جسے اب آ جانا چاہیے۔ میں اسے بلانے جاؤں گا اور وہ میری بات مان لے گا اور آ جائے گا ہاں آ جائے گا۔''

وہ خوشی سے اٹھ کر ناچنے لگا۔ یہ اس کی پرانی عادت تھی کسی اچھوتی سوچ پر وہ یوں ہی ناچنے لگتا۔ نسرین بھی اسے دیکھ کر چائے دے کر نماز پڑھنے لگ گئی۔

☆☆☆

اماں جان کے کمرے میں عدالت لگی تھی۔ سب موجود تھے۔ شہرام مجرم بنا کھڑا تھا۔ حبیب صاحب شرمندہ نظریں جھکائے کھڑے تھے۔ اماں جان تسبیح پڑھ رہی تھیں جبکہ بھائی صاحب غصے میں ٹہل رہے تھے۔ کارروائی میں تاخیر ماہ ما اور عفت جہاں کی آمد میں تاخیر تھی۔ اور عفت جہاں ماہ ما کو پابند کر کے لا رہی تھیں کہ جو کہانی انہوں نے اسے سنائی ہے وہ وہی تایا ابا کے سامنے دہرائے گی۔

''ماہ ما جانی! میں کیا کہہ رہی ہوں' سمجھ میں آ گئی ناں میری بات۔ جو کہا ہے تم نے وہی کہنا ہے۔ اوکے۔''

ماہ ما نے ایک بے بس اور خاموشی سی نظر ماں پر ڈالی مگر بولی کچھ نہیں۔ وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی پہلی نظر اس پر شہرام کی پڑی۔ کس قدر شکوے تھے اس ایک نظر میں' کتنا روٹھا ہوا تھا وہ۔ ماہ ما کا جی چاہا' سب کو اگنور کر کے براہ راست شہرام سے معافی مانگ لے۔ مگر عفت جہاں جنہوں نے اس کے چہرے اور آنکھوں کی تحریر پڑھ لی تھی انہوں نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھامے رکھا۔

''ماہ ما' یہاں آؤ بیٹا۔ میرے پاس بیٹھو۔'' اماں جان نے اسے بلا کر اپنے قریب بٹھا لیا۔ عفت بھی قریب بیٹھ گئیں۔

''شہرام میں پوچھتا ہوں کہ تمہیں کس نے کہا تھا کہ تم ماہ ما کو لے کر جاؤ۔ امریکا میں پڑھنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم طور اطوار بھی انہی کے اپنا لو۔ اپنے لباس میں رہو اپنے دین کی بات مانو اور روایات کی پاس داری کرو۔ یہ مطلب نہیں کہ تم......'' بھائی صاحب نے باقاعدہ کارروائی کا آغاز کیا۔

''جی ہمیں اماں جان اور چاچی جی نے اجازت دی تھی!'' شہرام پیچھے ہاتھ باندھے مودب کھڑا کہہ رہا تھا۔

''چلو یہ مان لیا مگر لیگل اجازت سے ناجائز فائدہ اٹھایا تم نے اور اتنی دیر لگا دی کہ سب لوگ اتنے پریشان ہو گئے۔''

"جی گاڑی خراب ہوگئی تھی۔" شہرام نے حبیب صاحب کو دیکھا ان کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔

"بھائی صاحب میری بات سنیے۔" حبیب صاحب آگے بڑھے۔ ان کی نظر ہی سے شہرام کو لگا کہ جیسے وہ سب کچھ سچ بتانے جا رہے ہیں اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر تنبیہی انداز میں دبایا اور اپنی جگہ بیٹھ جانے کی درخواست کی۔ وہ بے بسی سے اسے دیکھتے ہوئے بیٹھ گئے۔ وہ نہیں چاہتے تھے بھائی صاحب شہرام کی طرف سے کسی بدگمانی کا شکار ہوں۔

"گاڑی خراب ہوگئی تھی تو بجائے گھر فون کرنے کے تم نے ایک پرائے گھر فون کیا۔ وہ آئے تم لوگوں کو لے کر آئے۔ گھر میں خدا کے فضل و کرم سے تین گاڑیاں موجود ہیں۔ فون بھی اللہ نے دے رکھے ہیں، گھر فون کر دیتے میں خود گاڑی لے کر آ جاتا۔ کیا سوچتے ہوں گے وہ لوگ کہ کس قدر غیر سنجیدہ لوگ ہیں کہ گھر والوں کو تکلیف دینے کے بجائے ان کو تکلیف سے دوچار کیا۔ تمہیں ذرا شرم نہیں آئی ماہ ما کو غیر لوگوں کے ساتھ لے کر آتے ہوئے؟"

بھائی صاحب اسی قسم کے الزامات کی سزا دے رہے تھے اسے اور وہ سر جھکائے سب سنے جا رہا تھا۔ ماہ ما کے بیان کی نوبت ہی نہیں آئی تھی جبکہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ چیخ چیخ کر تایا ابو کو بتا دے کہ سارا قصور تو اس کا ہے اور سزا بے گناہ کو مل رہی ہے مگر عفت جہاں نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ شہرام نے کسی الزام کی تردید نہیں کی بلکہ تصدیقی انداز میں سر جھکائے سنتا رہا۔ حبیب صاحب مچل مچل رہے تھے کہ کسی طرح حقیقت کو بے نقاب کر دیں۔

"میں تو حیران اس بات پر ہوں کہ تم میں اتنی جرات آئی کیسے کہ اتنے بزرگوں کی موجودگی میں تم نے یہ حرکت کی۔ آئندہ تم ماہ ما کو لے کر کہیں نہیں جاؤ گے سمجھے۔"

اس پابندی پر شہرام کا دل سینے میں تڑپ کر رہ گیا وہ کیا کرتا۔ وہ لاکھ بے وفا سہی مگر چاہتا بھی تو اسی کو تھا۔

"میں آپ سب سے معذرت چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے آپ سب بزرگوں کا دل دکھا۔ میں آئندہ ایسی کوئی حرکت نہیں کروں گا جس سے آپ لوگوں کی عزت پر حرف آئے یا آپ لوگ پریشان ہوں۔"

اس نے گہری آواز میں کہا۔ ایک نظر ماہ ما پر ڈالی اور باہر نکل گیا۔ ماہ ما تڑپ اٹھی۔ وہ بھی باہر نکل گئی۔

"شہرام پلیز! میری بات سنو پلیز!" ماہ ما نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آئندہ میرا ہاتھ نہ پکڑنا ماہ ما۔ مجھے بار بار ہاتھ پکڑنا اور چھوڑنا قطعی گوارا نہیں۔"

شہرام نے سختی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور آگے بڑھنے لگا کہ اسی وقت ایاز نے بلایا کہ اماں جان

بلا رہی ہیں۔

"خدا کی مہربانی اور عنایت کا میں شکرانہ ادا نہیں کر سکتی۔ جو کچھ بھی ہوا وہ سب بھلا دیا جائے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اللہ کا نام لے کر ان ہی دنوں میں شہرام اور ماہ ما کا نکاح کر دیا جائے۔"

☆☆☆

"........یہ اتنی جلدی نکاح کی کیا تک ہے بھلا اماں جان بھی ہمیشہ ایسے ہی فیصلے کرتی ہیں جو کسی کو آسانی سے قابل قبول نہ ہوں۔"

شہرام اور ماہ ما کے نکاح کا جو فیصلہ رات ہوا تھا عفت جہاں کو قطعی قابل قبول نہیں تھا۔ وہ علم بغاوت لے کر شوہر کے سامنے آ گئیں تو انہوں نے انتہائی اطمینان سے ان کا اعتراض سنا اخبار ایک طرف رکھا اور کچھ دیر ان کو دیکھتے رہے۔ چشمہ اتار کر تکیے پر رکھا۔

"نکاح کبھی بھی بے تکا نہیں ہوتا۔ رہی بات جلدی کی تو ابھی صرف نکاح ہو رہا ہے، رخصتی نہیں ہو رہی ہے کہ تم نے واویلا مچانا شروع کر دیا اور یہ فیصلہ صرف اماں جان ہی کا نہیں میرا بھی ہے۔ ان سے زیادہ میں جلدی نکاح کر دینا چاہتا ہوں ماہ ما کا۔ رخصتی انشاء اللہ دونوں کی تعلیم سے فراغت کے بعد کر دی جائے گی۔" حبیب صاحب نے اطمینان اور یقین کے ساتھ اپنا پروگرام سنا دیا اور دوبارہ چشمہ لگا کر اخبار پڑھنے لگے تو عفت جہاں سلگ اٹھیں۔

"حبیب صاحب! ماہ ما آپ ہی کی نہیں میری بھی بیٹی ہے۔" انہوں نے اخبار کھینچا۔

"اچھا......!" حبیب صاحب کا لہجہ بہت تلخ اور طنزیہ تھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا اس "اچھا" سے؟" عفت جہاں نے عام جاہل بیویوں کی طرح منہ بگاڑ کر اچھا کہا تو حبیب صاحب غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے، تب عفت جہاں ذرا سی سہم کر پیچھے ہٹیں۔

"اچھا سے میری یہ مراد ہے عفت جہاں کہ اگر ماہ ما تمہاری بھی بیٹی ہوتی تو تم اس کو یوں تباہی کے راستے پر آگے بڑھتا ہوا نہ دیکھتیں فوراً آگے جا کر اسے روک لیتیں مگر......"

"حبیب! اگر تباہی کے راستے سے آپ کی مراد ٹونی اور اس کے گھر والے ہیں تو آپ بہت بڑی غلطی پر ہیں۔ وہ ہمارے دوست ہیں، ماہ ما کے دوست ہیں۔"

"دوستی کے ان علاقوں کو اپنی دوستی اور تعلقات کی ریاست تک محدود رہنے دو۔ ماہ ما تک نہ لاؤ تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اس قسم کی فضول اور لغو باتوں میں الجھنے سے بہتر ہے ماہ ما کے نکاح کی تیاریاں کرو۔"

حبیب صاحب یہ حکم صادر کرتے ہوئے باہر جاتے ہوئے یہ بھی نہ دیکھ سکے کہ ان کی پسندیدہ بیگم کے منہ کے کتنے زاویے بنے ہیں۔ دل میں بغاوت کا کیسا طوفان اٹھا ہے۔

''یہ نکاح تو میں کبھی نہیں ہونے دوں گی حبیب صاحب۔ اپنی بیٹی کو ان جاہل اجڈ روایت پرست جنگلیوں کے حوالے ہرگز نہیں کروں گی کیا کرو گے تم اور تمہاری اماں جان؟'' وہ حبیب صاحب کے جاتے ہی بڑبڑانے لگیں۔

عفت جہاں نے غصے میں تکیہ اٹھا کر دیوار پر مارا اور اٹھ کر فون کرنے لگیں۔ وہ جب تک دل کا غبار بشریٰ بیگم کے سامنے نہ نکال لیتیں بھلا سکون ملتا ان کو۔

''واٹ! یہ کیا کہہ رہی ہو تم یہ نہیں ہو سکتا بھئی۔'' بشریٰ بیگم ان سے زیادہ زور سے چلائیں۔

''یہ ہو رہا ہے بشریٰ یہ لوگ ماہ ما کا نکاح کر رہے ہیں اور میری بچی اس اجڈ کو قطعی پسند نہیں کرتی۔''

عفت جہاں نے یہ دعویٰ بھی دائر کر دیا کہ ماہ ما شہرام کو پسند نہیں کرتی۔

''ہائے عفت! یہ کس قسم کی خبریں سنا رہی ہو تم مجھے۔ لندن میں پیدا ہونے والی وہیں پلی ہوئی لڑکی ایک اجڈ ماحول میں کیسے...... نہیں بھئی امپوسبل ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ ماہ ما بہت معصوم بچی ہے وہ شہرام جیسے کریزی بندے کو پسند کر ہی نہیں سکتی۔ حبیب بھائی کو روکو اس زیادتی سے ورنہ بچی کی زندگی برباد ہو جائے گی۔'' وہ پہلے کیا کم کینہ پرور تھیں اوپر سے بشریٰ بیگم نے ایسی لگائی بجھائی کی کہ عفت جہاں کی بغاوت کی آگ مزید دہک اٹھی۔

''ارے حبیب کی خوب کہی تم نے بشریٰ ان کا بس چلے تو ابھی میری معصوم بچی کو ان جاہل لوگوں کے حوالے کر دیں۔''

''خیر یہ تو سراسر ناانصافی ہے عفت۔ تونی اور ماہ ما میں دنوں کا فرق ہے۔ یاد ہے جب یہ دونوں چھوٹے تھے تو ہم نے ان دونوں کے رشتے کی بات کی تھی؟''

بشریٰ بیگم نے چپکے سے یادوں میں سے چن کر ایک پتہ آگے کر دیا تھا تو عفت جہاں گہرا سانس لے کر رہ گئیں۔

''اور میں نے تمہیں اسی وقت بتایا تھا کہ شہرام حبیب کو اتنا پسند ہے کہ ماہ ما کی پیدائش سے پہلے ہی انہوں نے کہہ دیا تھا کہ اگر اللہ نے مجھے بیٹی دی تو شہرام کی دلہن بناؤں گا اور اب وہ بضد ہیں کہ دونوں کا نکاح جلد از جلد کر دیا جائے۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

عفت جہاں واقعی اس وقت خود کو بہت بے بسی کے بھنور میں پھنسا ہوا محسوس کر رہی تھیں اور بشریٰ کو جال پھینکنے کا اس سے نادر موقع بھلا کون سا مل سکتا تھا۔ ایک ہی ساعت میں ڈھیروں پلان ان کے ذہن میں عود کر آئے۔

''اچھا تو یہ بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟'' انہوں نے اس انداز میں پوچھا جیسے وہ ان کی ہر مشکل آسان کر سکتی ہوں۔

''میری اتنی بک بک جھک جھک سے تمہیں آئیڈیا نہیں ہوا کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ سیدھی سی بات ہے میں شہرام اور ماہ ما کا نکاح نہیں چاہتی۔''

''ہاں تو ٹھیک ہے تم ماں ہو اور جس طرح حبیب بھائی کو بیٹی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کا حق ہے اسی طرح تمہیں ہے۔ تم ایسا کرو ساس اور شوہر کے سامنے خود بری نہ بنو بیٹی کو ہاتھوں میں لو اور اسی کے ذریعے انکار کرا دو اور بات صرف منگنی پر ختم کرا دو بعد میں یہ منگنی بھی ٹوٹ جائے گی۔''

''نہیں بشریٰ! حبیب اس معاملے میں بہت زیادہ پکے ہیں۔ وہ ہر صورت میں نکاح کرنا چاہتے ہیں۔''

''اگر فیصلے پر تمہاری گرفت اتنی کمزور رہی تو وہ تو جنگ جیت ہی جائیں گے۔ ارے بھئی تمہیں اختلاف کے سمندر میں چھلانگ لگانا پڑے گی ورنہ بیٹی سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔ کہاں وہ معصوم سی بچی آزاد فضاؤں کی پلی بڑھی' اپنی من مانی کرنے والی لڑکی' کہاں گاؤں کا گھٹا ہوا ماحول' روایت پرستی کی چار دیواری' پابندیوں کے دروازے جو بزرگوں کے حکم سے وا ہوتے اور بند ہوتے ہیں۔ خواہ گھر کی بہو بیٹی دم گھٹ کر کیوں نہ مر جائے' وہ اپنی روایات کا دروازہ نہیں کھولیں گے۔''

گاؤں کی زندگی اور روایتی ماحول کے بارے میں جانتی تو عفت جہاں بھی سب کچھ تھیں مگر جس انداز میں بشریٰ نے اس زندگی کا نقشہ کھینچا تھا وہ خوف سے لرز اٹھیں۔

''نہیں' خدا نہ کرے بشریٰ ایسا ہو۔ میں اپنی بیٹی کو اس اندھے کنوئیں میں ہرگز نہیں پھینکوں گی۔''

''ہاں' میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ ہمت سے کام لو۔ اس سلسلے میں محسن ہر طرح سے تمہاری مدد کرنے کو تیار ہیں۔ ہم نے ایک جگہ پر ایک ماحول میں زندگی گزاری ہے۔ ہمارے بچے ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں۔ اچھا خیر فی الحال تو تم اس طوفان کا رخ منگنی کی طرف موڑ دو بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔''

اور پھر دونوں کافی دیر پلاننگ کرتی رہیں' بعد میں جب بشریٰ نے عفت کو اچھی طرح شیشے میں اتار لیا تو مطمئن ہو کر فون بند کر دیا۔ عفت جہاں آنکھوں میں چمک لیے ٹہلتے ہوئے سوچنے لگیں۔

☆☆☆

شہرام اور ماہ ما نے اپنے نکاح کی خبر اپنے اپنے کمروں میں سنی تھی مگر دونوں کے لیے یہ زندگی کی خوب صورت اور پہلی خوشی تھی جس کی کرنوں نے دور تک اجالے پھیلا دیے تھے۔ دونوں کے دل ایک ساتھ دھڑک اٹھے تھے۔ شہرام کا تو جی چاہ رہا تھا کہ جھوم اٹھے۔ جس طرح فلموں میں ہوتا ہے کہ ہیرو اپنی خوشی کے موقع پر خوش ہو کر گاتا ہے' رقص کرتا ہے وہ بھی ایسا ہی کرے۔ اس نے اپنے

اور ماہ ما کے کمرے کے بیچ دیوار کو دیکھا اس کا جی چاہا دیوار کو گرا کر ماہ ما کے پاس جائے اس کے تاثرات دیکھے اس سے پوچھے کہ وہ بھی وہی بے چینی اور خوشی محسوس کر رہی ہے جس نے اس کا سکون چھین کیا ہوا ہے۔

"ماہ ما!! ایک بار خدا نے تمہیں میری بنا دیا تو...... تو تونی کا سایہ بھی تم پر نہیں پڑنے دوں گا کسی کی نگاہیں بھی تم پر نہیں اٹھنے دوں گا۔ تم صرف میری ہو...... ہاں صرف میری ہو۔"

شہرام ان خوب صورت لمحات کا تصور کر رہا تھا کہ جب اس کا ماہ ما سے نکاح ہو گا تب وہ اس کے اختیار میں ہو گی۔ اس کی مرضی اور پسند پر زندگی گزارے گی۔ جس سے وہ اجازت دے گا وہ بات کرے گی اور جس سے منع کر دے گا اس کی طرف دیکھے گی بھی نہیں۔ وہ صرف اس کی ہو گی صرف اس کی...... اس تصور سے وہ خوش ہو رہا تھا۔

"لیکن یہ سب کب ہو گا......؟ کہیں یہ بزرگ اپنا ارادہ ملتوی نہ کر دیں۔ خدا نہ کرے۔ کس سے پوچھوں کہ ہمیں کب ایک مقدس رشتے کا پابند کیا جائے گا کب وہ میری ہو گی۔ کب...... کہیں یہ کب کبھی ختم نہ ہونے والا صحرا نہ بن جائے اور میں تشنہ لب خشک سمندر کو دیکھتا رہ جاؤں۔ اف خدا کرے۔ یہ کس قسم کے وہم میرے ذہن میں آ رہے ہیں۔" شہرام نے سر جھٹکا بالوں پر ہاتھ پھیرا اور کھڑا ہو گیا۔ اٹھ کر واش روم میں چلا گیا۔

☆☆☆

دوسری طرف ماہ ماہ کی کیفیت اس سے مختلف نہیں تھی مگر وہ شاید جذبوں کے ادراک تک رسائی نہیں رکھتی تھی۔ وہ اس بے کلی کو محبت کا نام نہیں دے پا رہی تھی۔ ہاں اتنا احساس ضرور تھا کہ وہ بد دماغ، اکھڑ سا شخص جس کا نام شہرام تھا وہ اس کی زندگی میں ایسی حیثیت ضرور رکھتا تھا کہ اس کی ناراضگی دکھ دیتی تھی اور اس کی دوستی کی مہک سے روح مہک اٹھتی تھی۔ شاید اسی جذبے کا نام محبت ہے۔ شہرام جس کی سنگت کے چند لمحات بھی اسے سرشار کر دیتے تھے۔ اسی شخص کے ساتھ تمام زندگی گزارنے کا تصور دل میں انوکھی دھڑکنوں کو جگا گیا۔ خوبصورت آنکھوں میں خواب مسکرانے لگے۔ اس کا دل تو شفاف آئینہ تھا جس پر پہلی بار شہرام کا چہرہ ہی ابھرا تھا اور نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر اس اکھڑ سے شخص کے بارے میں سوچتی رہی جس سے اس کے خواب، اس کی دھڑکنیں منسوب ہونے والی تھیں۔

"شہرام! آپ تو مجھ سے بہت بدگمان ہو جاتے ہیں۔ میں کیسے آپ کو تمام عمر منایا کروں گی کوئی بات نہیں منا ہی لیا کروں گی۔ آپ کو منانا تو اچھا لگتا ہے۔"

وہ خود سے بری طرح روٹھے ہوئے شہرام کے بارے میں سوچ کر مسکرا دی اور پہلی بار دو زندگی

میں سنورنے کے خیال سے آئی۔ ہمیشہ تو بنتی سنورتی بھی تھی، میک اپ بھی کرتی تھی مگر کبھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ کسی کے لیے سنورنا ہے، کسی کو دکھانا ہے آج وہ پہلی بار شہرام کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ لائٹ سا میک اپ کر کے اس نے اپنے حسین سراپے پر نگاہ ڈالی اور باہر آ گئی۔ عین اسی وقت شہرام بھی کمرے سے نکلا دونوں اس وقت اتفاق سے سفید لباس میں تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ شہرام نے چہرے پر سختی طاری کر لی، جبکہ وہ اس کی خفگی کا خیال کر کے اداس سی ہو گئی۔ قبل اس کے کہ وہ ایک قدم بڑھاتی کہ اچانک اس نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی جس کو اس نے اپنی چاہت میں قید کر رکھا تھا اور آگے بڑھ گیا۔ اس کی اس حرکت پر غصہ تو ماہ ما کو بھی آ گیا اور کچھ نہیں تو بندہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ پیش کر دیتا۔

"ٹھیک ہے، بس ایک بار ہی مناؤں گی۔ اس کے بعد نہیں مناؤں گی ہاں۔"

اس نے جاتے ہوئے اس کی پشت کو دیکھ کر سوچا۔ وہ اپنے اور اس کے بیچ بننے والے تعلق کا سوچ کر مسکرانے لگی اور سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئی۔ شہرام کو احساس تھا کہ وہ آ رہی ہے۔ وہ سیدھا ٹی وی لاؤنج میں آ گیا اور ٹی وی لگا کر بیٹھ گیا۔ کسی چینل سے کرکٹ میچ آ رہا تھا غالباً جیتے ہوئے ورلڈ کپ کی جھلکیاں آ رہی تھیں۔ وہ دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ یہی تو ورلڈ کپ تھا جس میں پاکستانی ٹیم نے اپنا بہترین گیم پیش کیا تھا۔ ماہ ما بوریت سی محسوس کر رہی تھی کیونکہ اتنے روز ہو گئے تھے ناراض ہوئے اب تو اسے گھٹن سی ہونے لگی تھی۔ کتنا اکھڑ تھا کہ اتنی بڑی بات ہو رہی تھی اور اس کو پروا ہی نہیں تھی۔ اس نے درمیان میں پڑے ریموٹ کنٹرول کو پکڑا اور چینل تبدیل کر دیا۔ یہاں کوئی موسیقی کا پروگرام تھا۔ شہرام بے مزہ ہو کر مڑا ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی اور اس کے ہاتھ سے ریموٹ لے کر پھر اپنا چینل لگا کر کرکٹ دیکھنے لگا پھر گویا یہ سلسلہ چل نکلا۔ اب دونوں ہی اندر سے اس سرد جنگ سے محظوظ بھی ہو رہے تھے مگر اوپر سے بے زاری اور ناگواری کا اظہار کر رہے تھے۔ اس بار جب شہرام نے کرکٹ میچ لگایا تو ماہ ما ٹی وی اسکرین کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔ خوبصورت چہرے پر عجیب سی سنہری کرنیں رقصاں تھیں لبوں پر ایسی مسکراہٹ تھی جس میں معذرت بھی تھی اور دوستی کی جھلک بھی۔ شہرام نے اسے دیکھا اور غصے سے ریموٹ دور پھینکا اور باہر کی طرف بڑھا۔ ماہ ما کی غلطی تھی اور یہ اس کی نیچر میں تھا کہ اگر وہ کسی کو ہرٹ کرتی یا کوئی اس سے اس کی وجہ سے خفا ہوتا تو وہ اسے ضرور مناتی۔ وہ اس کے پیچھے بڑھی اور تیز تیز چلتے شہرام کا ہاتھ دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

"شہرام! آپ پتھر ہیں تو نہیں مگر خفا ہو کر پتھر کیوں بن جاتے ہیں کہ کوئی سر ٹکرا ٹکرا کر جان دے دے۔"

اس کے نرم بھیگے ہوئے لہجے میں ڈھلے الفاظ اسے بارش میں بھیگے پتوں پر پڑے قطروں کی طرح

لگے۔ جی تو چاہا کہ فوراً مان جائے اور اس سے ڈھیر سارے وعدے لے کہ وہ آئندہ کبھی ٹونی سے بات نہیں کرے گی۔ صرف اور صرف اسی کی ہو کر رہے گی۔ مگر وہ اتنا کمزور ہی کب تھا۔ اس کی بے چینی بے قراری کبھی بھی اس کے دائرہ اختیار سے باہر نہیں ہوئی تھی۔ وہ اس کی طرف مڑا تو وہ اسے صرف اور صرف اپنی ہی محسوس ہوئی۔

''آپ کو بھی کسی کے خفا ہونے کی پروا ہو سکتی ہے۔'' وہ گمبیر لہجے کا بھرم مار رہا تھا اس پر۔

''کسی اور کے خفا ہونے کی پروا ہو نہ ہو' آپ کے خفا ہونے کی پروا ہے مجھے بس۔ صرف آپ کی۔''

سادہ لوح ماہ ما کو احساس ہی نہیں تھا کتنی بڑی بات سات پردوں میں چھپا کر رکھنے والی وہ کتنی سادگی سے کہہ گئی تھی۔ شہرام کے اندر جیسے روشنیاں پھیل گئیں۔

''صرف میری ہی کیوں پروا ہے آپ کو؟'' وہ اس کی جھکی پلکوں کا سایہ اس کے رخساروں پر پڑتا دیکھ رہا تھا نہ جانے کیوں تصدیق کی مہر لگوانا چاہ رہا تھا اس کے جملے پر۔

''مجھے نہیں معلوم کیوں' بس ہے اور آپ یہ بھی جان لیں کہ منایا صرف اس کو جاتا ہے جس کی پروا ہوتی ہے۔ جس کے روٹھ جانے سے بہت فرق پڑتا ہے جس کے نہ بولنے سے سناٹے چھا جاتے ہیں جس کے نہ دیکھنے سے گھپ اندھیرا پھیل جاتا ہے۔'' اس کے بھیگے لہجے سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے وہ روہانسی ہو گئی تھی۔ شہرام بھیگ سا گیا۔ اس ان دیکھی نمی میں جو اس کے لہجے میں تھی۔

''بس یا کچھ اور باقی ہے؟'' وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کا ہاتھ ابھی تک ماہ ما نے مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ جیسے اگر اس نے ذرا بھی گرفت پر دباؤ کم کیا تو وہ بھاگ جائے گا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ماہ ما اتنی گہری ہو گی۔ وہ تو کنارے پر کھڑا ہو کر قیاس آرائی کر رہا تھا اس کی گہرائی کے بارے میں۔

''اور کیا آپ...... آپ نے کبھی منایا مجھے بتایئے' منایا ہے مجھے؟''

کہاں تک ضبط کرتی آنسوؤں کی لڑیاں رخساروں پر آ گئیں تو شہرام نے ساری خفگی کو کٹ آؤٹ کر دیا۔

''ماہ ما اگر زندگی میں کبھی میں نے تمہیں ہرٹ کیا' تمہیں خفا کیا تو میں ایک بار نہیں' ہزار بار مناؤں گا۔ ہاتھ باندھ کر بھی مناؤں گا اس لیے کہ بندہ اسی کو مناتا ہے ناں جس کی اس کو پروا ہوتی ہے اور مجھے صرف تمہاری پروا ہے صرف تمہاری اور وہ اس لیے ہے کہ میری زندگی میں کوئی ٹونی نہیں ہے صرف تم ہو۔''

نہ چاہنے کے باوجود بھی ٹونی کانٹے کی چبھن لیے ہوئے محسوس ہوتا شہرام کو۔

''شہرام آپ ٹونی کو اپنے برابر کھڑا کیوں کرتے ہیں مجھے یہ بالکل پسند نہیں۔''

''کون...... ٹونی پسند نہیں یا اس کا میرے برابر کھڑا ہونا پسند نہیں؟'' وہ پھر شاکی ہونے لگا۔

''اس کا آپ کے برابر کھڑا ہونا۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

''ورنہ وہ تو پسند ہے ناں!'' نہ جانے کیوں وہ کرید رہا تھا یا شاید ماہ ما کے دل سے کھرچ دینا چاہتا تھا ٹونی کے نام کو اس کے ذکر کو۔ ماہ ما نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔ یہ شخص اس سے کتنا بدگمان تھا۔

''شہرام' آپ اتنے بدگمان کیوں ہیں اور ایسے میں جبکہ آپ کے اور میرے بیچ ایک خوبصورت رشتے' ایک مضبوط تعلق کی ڈور باندھی جا رہی ہے اور آپ...... آپ ایسی باتیں کر رہے ہیں آپ خوش نہیں ہیں کیا؟''

اس کی دھیمی سی آواز خاموش فضا میں گونج رہی تھی شہرام مسکرا دیا۔

''اس تعلق اس رشتے کی ڈور میری سانس سے بندھی ہے ماہ ما صاحبہ۔ اگر یہ ڈور جوڑی نہ گئی یا کٹ گئی تو...... تو شاید میں بھی نہ رہوں۔'' وہ اسے دیکھتا ہوا ایک جذب میں بولا تو وہ نہال ہو گئی۔ کتنی پریشان ہو گئی تھی وہ اس کے انداز اور رویے سے۔

''خدا نہ کرے شہرام آپ تو......'' ماہ ما نے بے ساختہ کہا اور اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا گویا وہ کہیں جا رہا ہو۔ دونوں نئی خوشیوں کے آنے والے کل کی باتیں کر رہے تھے کہ اسی وقت عفت جہاں باہر آ گئیں تو سامنے جو منظر تھا وہ ان کی رگیں کاٹ دینے کے لیے کافی تھا۔ ماہ ما کے ہاتھ شہرام کے ہاتھوں میں تھے اور وہ اس کی بات پر مسکرا رہی تھی۔

''ماہ ما......!''

☆☆☆

''باجی' میں نے اسکول کا کام بھی کرنا ہے۔ اماں نے آپ کے پاس مجھے پڑھنے کے لیے بھیجا ہوا ہے۔''

''ارے پڑھ لیتے ہیں۔ ساری زندگی پڑی ہے پڑھنے کے لیے۔ تھوڑا سا اور کھیل لیتے ہیں۔ ویسے کامی تمہارا گیم پہلے سے بڑا اچھا ہو گیا ہے۔ کس سے سیکھ رہے ہو؟''

مالی بابا کا لڑکا کامران نیلو سے پڑھنے آ جاتا تھا۔ اس بار وہ آٹھویں کا امتحان دے رہا تھا اور نیلو اسے بڑی محنت سے پڑھا رہی تھی مگر موسم اتنا خوب صورت ہو رہا تھا کہ اس کا جی نہ پڑھنے کو چاہ رہا تھا اور نہ ہی پڑھانے کو اور کامی کو یہ فکر تھی کہ اگر اماں باوا نے دیکھ لیا تو نیلو کو تو کوئی کچھ نہیں کہے گا اس کی شامت آ جائے گی۔

''سیکھنا کس سے ہے باجی! اسکول میں کھیلتا ہوں۔''

''اچھا گڈ! تمہارا کھیل پہلے سے بہت اچھا ہوگیا ہے۔''

نیلو نے شارٹ لگانے کے لیے ریکٹ اوپر کیا ہی تھا کہ گیٹ سے اندر آتی ذورین کی گاڑی پر نظریں ٹھہر گئیں۔ حامد بھی آیا تھا۔ ذورین پورچ میں گاڑی لاک کر کے باہر آیا۔ نیلو نے بڑے زور سے شاٹ مارا تو شٹل سیدھی ذورین کی ناک پر لگی جس کی ناک پر پہلے ہی غصے کا بم رکھا رہتا تھا۔ شٹل لگتے ہی ذورین کو چھینکیں آنے لگیں۔ نیلو زور سے ہنس دی۔ ذورین نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا اور تیزی سے آگے بڑھا۔ حامد ڈر گیا کہ نہ جانے کیا ہو۔ کامی بھی سہم گیا۔ سہم تو نیلو بھی گئی تھی مگر فطری دلیری عود آئی۔ ذورین نے اسے گھورا مگر ریکٹ کامی کے ہاتھ سے چھین لیا۔

''بدتمیزی کرتے ہو شرم نہیں آتی تمہیں!'' ذورین کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا قریب تھا کہ معصوم کامی کے منہ پر آ کر نشان چھوڑتا' نیلو نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''کامی نے یہ بدتمیزی نہیں کی ہے یہ شاٹ میرا تھا...... اور یہ میری زندگی کا بہترین شاٹ تھا۔'' نیلو اسے مزید تپانے کے موڈ میں تھی۔ چڑانے والے انداز میں بولی تو اس نے ہاتھ نیچے کر لیا۔

''تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔'' جی تو یہ چاہ رہا تھا اس کا کہ اس کا سر توڑ دے مگر وہ اپنی کوئی خواہش پوری بھی تو نہیں کر سکتا تھا۔

''ہوں میرا بھی یہی خیال ہے کہ کسی ذہین قابل بندے سے بات کر کے لاجواب ہونے سے بہتر ہے بندہ اس سے بات ہی نہ کرے۔ ویسے شاٹ تھا کیسا؟'' وہ چڑانے والی مسکراہٹ سے پوچھ رہی تھی۔

''شٹ اپ!'' وہ دہاڑا اور آگے بڑھ گیا۔ اسی دوران میں حامد بھی دونوں کے قریب آ چکا تھا۔

''اسلام علیکم!'' اس نے نیلو کو دیکھ کر مسکرا کر سلام کیا تو وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

''وعلیکم السلام' کیسے ہیں آپ؟'' نیلو خوش اخلاقی اور پوری توجہ سے پوچھ رہی تھی۔

''الحمدللہ بالکل ٹھیک ہوں۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ جنگ ختم ہو تو میں میدان میں کود دوں۔''

''جنگ کے اختتام پر میدان میں کودنا کوئی بہادری تو نہیں ہے۔ حامد صاحب ہار ہو یا جیت بندے کو میدان میں ہونا چاہیے۔'' نیلو نے ریکٹ کی اوٹ سے ذورین کو دیکھا جس کے چہرے سے شعلے نکلتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

''جی درست کہا آپ نے اگر ایسا ہی ہے۔ تو یہ کہاں کی بہادری ہے کہ ہار کے خوف سے بچے کے ساتھ گیم کیا جائے۔ ارے بھئی اپنی صلاحیتوں کو پرکھنا ہے تو اپنی ٹکر کے بندے سے گیم کریں تاکہ آپ کو بھی پتا چلے کہ آپ کتنے پانی میں ہیں؟''

حامد نے ایک اچٹتی سی نگاہ ذورین پر ڈالی جس کے موڈ کے تیور تو یہ بتا رہے تھے کہ بس برسا ہی چاہتے ہیں۔

''لگتا ہے اپنے بارے میں آپ کو کچھ زیادہ ہی خوش فہمی ہے آیئے آپ کو آزما لیتے ہیں۔'' اور پھر نیلو نے کامی کے ہاتھ سے ریکٹ لے کر حامد کو دیا اور دونوں کھیلنے لگے۔ ہر شاٹ پر ذورین کے غصے میں اضافہ ہو رہا تھا۔ حامد کو بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ نیلو واقعی بہت اچھا گیم کھیلتی ہے کئی شاٹس کھیل چکی تھی وہ۔

''آپ واقعی اچھا گیم کھیلتی ہیں۔'' حامد تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ ذورین نے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

''تھینک یو ویسے جب بندہ جیت کے خیال سے میدان میں اترنا چاہے ناں تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور فتح دیتا ہے۔''

نیلو نے ایک نگاہ سلگتے ہوئے ذورین پر ڈالی جس کی حالت کا اسے بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔

''مان لیا جی کہ اللہ نے آپ کو جیتنے کی صلاحیت دی ہوئی ہے۔''

حامد تو اس سے بہت متاثر ہوا تھا اور اپنے خیال کا برملا اظہار کیا تو اسی وقت ذورین تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور حامد کے ہاتھ سے ریکٹ لے کر دو ٹکڑے کر دیا۔

''اور تم یہاں بیڈمنٹن کے چیمپئن بننے یا قرانی دینے نہیں آئے میرے ساتھ آئے ہو میرے کام سے۔''

ذورین نے اسے گھسیٹا تو حامد بے چارہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے شرمندہ سی نگاہ نیلو پر ڈالی جو اسی کی توقع کر رہی تھی اس لیے نارمل تھی۔

''یار ذورین میری بات تو سنو۔'' حامد کو یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''کم آن!'' ذورین نے اسے بچوں کی طرح گھسیٹا۔ وہ اپنی مرضی اپنی پسند کے خلاف کیسے کوئی بات برداشت کر سکتا تھا۔ حامد شرمندگی سے نیلو کو دیکھتا اس کے ساتھ ہو لیا۔

''جتنے عزیز ہو اتنے ہی دور رہو ذورین!'' نیلو وہیں گھاس پر بیٹھ گئی اور آنکھوں میں دھند اتر آئی۔

شام کے دھندلکے جب بڑھ گئے تو وہ بوجھل قدموں سے اندر آ گئی۔ ٹی وی لاؤنج میں وہ دونوں بیٹھے تھے۔ حامد کے چہرے پر گزرے واقعے کی دھند ابھی باقی تھی۔ ذورین ہی باتیں کر رہا تھا اور حامد ہوں ہاں میں جواب دے رہا تھا۔ وہ آگے بڑھی دو گلاسوں میں اورنج جوس ڈالا اور لے کر آ گئی۔ ذورین نے ایک کڑی نگاہ اس پر ڈالی۔ اس نے بھی دیکھا مگر اسے اہمیت دیے بغیر ایک گلاس خود پکڑ لیا اور دوسرا حامد کی طرف بڑھایا۔

"لیجیے حامد صاحب! آج آپ کی خاصی انرجی ویسٹ ہوگئی ہے۔"

"اوہ تھینک یو! اس وقت اس کی ضرورت بھی محسوس ہو رہی تھی۔"

حامد نے ایک نظر ذورین پر ڈالی۔ تیور کڑے تھے اور گلاس لے کر پینے ہی والا تھا کہ ذورین نے گلاس چھین لیا۔

"کم آن حامد ہم ڈنر کرنے جا رہے ہیں چھوڑ دو یہ۔" ذورین کی اس حرکت پر حامد کو بھی غصہ آگیا مگر وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ کھڑا ہو گیا ایک نظر نیلو پر ڈالی جو اطمینان سے اپنا جوس پی رہی تھی۔

"میرا خیال ہے ذورین ہمارے آج کے شیڈول میں ڈنر شامل نہیں تھا۔ میں تو یوں ہی تمہارے ساتھ آگیا تھا ابھی مجھے گھر جانا ہے امی کو ڈاکٹر کے ہاں لے کر جانا ہے' ان کی طبیعت خراب ہے۔"

حامد سنجیدہ سا ہو رہا تھا اور ذورین کو احساس تھا کہ وہ ناراض ہے اور کیوں ہے؟

"اچھا چلو ٹھیک ہے کل کا پروگرام پکا ہے ناں؟" ذورین نے اس کو دیکھا۔

"ہاں ......" حامد نے مختصر سا جواب دیا اور اس کے ساتھ باہر نکل گیا۔ اس کو سی آف کر کے ذورین واپس آیا تو نیلو اپنی پسند کا چینل لگائے بے پروائی سے ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ اس نے اس کی آمد کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

"آپ آئندہ حامد سے بات نہیں کریں گی۔" ذورین نے آگے بڑھ کر ٹی وی آف کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" اس نے اطمینان سے اسے دیکھا۔

"اس لیے کہ وہ میرا دوست ہے۔" ذورین نے حامد پر اپنی ملکیت ظاہر کی۔

"دشمن تو وہ میرا بھی نہیں۔" اس نے اسی انداز اور اسی اطمینان سے کہا۔

"مجھے کسی بات سے غرض نہیں کچھ بھی ہو' مجھے تمہارا اس سے بات کرنا پسند نہیں۔"

اس کے پیش نظر نہ جانے کیا بات تھی۔ وہ کیوں ایسا کہہ رہا تھا مگر نیلو اس بد مزاج' اکھڑ' خود سر شخص کو دیکھ کر رہ گئی مگر وہ سمجھدار لڑکی کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتی تھی۔

"ذورین صاحب' اپنی پسند اور ناپسند کو اپنی سرحدوں تک محدود رکھیں۔ میں اپنی مرضی کی مالک ہوں جو مجھے پسند ہوگا وہی کروں گی' اوکے!" وہ اٹھ کر باہر جانے لگی تو ذورین نے اس کا نرم ہاتھ تھام لیا۔

"میں تمہاری پسند کے راستے ہی مٹا دوں گا تم خود کو سمجھتی کیا ہو؟"

لہجہ دبا اور گھٹا گھٹا سا تھا مگر آتشیں الفاظ نے نیلو کو سلگا کر رکھ دیا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔

"میں ...... میں۔" وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ سامنے سے عاتکہ کو آتا دیکھ کر اس نے زور سے اس کا ہاتھ جھٹکا اور باہر نکل گئی۔ ذورین نے بھی عاتکہ کو دیکھا اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔ اب معاملے کی نوعیت تو وہ جانتی نہیں تھی مگر اتنا تو معلوم تھا کہ کوئی پھڈا ہوا ہے حسب معمول۔

"نہ جانے کب سدھریں گے یہ لوگ۔" وہ دھیرے سے مسکرا دیں۔

☆☆☆

"الحمد اللہ' شکر الحمد اللہ۔" عثمان جب اپنے آفس میں بیٹھے خدا کا شکر ادا کر رہے تھے' اسی وقت ان کے پرسنل سیکریٹری مبین صاحب آگئے۔ عثمان صاحب کو خوش دیکھ کر وہ بھی مسکرا دیے۔

"آپ بہت خوش نظر آ رہے ہیں' کوئی اہم بات ہے۔"

"جی ہاں مبین صاحب اللہ رزق میں اضافہ فرمائے نعمتیں عطا فرمائے تو ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے گو کہ ہم بے بس انسان' بے شمار نعمتوں کا شکر ادا تو نہیں کر سکتے مگر پھر بھی بساط بھر تو ادا کرنا چاہیے اور خوشی کی خبر یہ ہے کہ میں نے دو فیکٹریوں کے قیام کے لیے اپلائی کر رکھا تھا' شکر الحمد اللہ کہ اجازت مل گئی ہے۔" خوشی سے عثمان کا چہرہ کھلا جا رہا تھا۔

"مبارک ہو سر! اللہ آپ کو کامیاب کرے۔"

"شکریہ مبین صاحب لیکن آپ کے مخلصانہ مشوروں اور مدد کی ضرورت ہوگی۔ یوں سمجھ لیجیے کہ آپ کی ذمے داریوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ دیکھیے!"

عثمان صاحب نے فائل ان کے سامنے رکھ دی تو مبین صاحب جیب سے چشمہ نکال کر فائل دیکھنے لگے۔

"اللہ آپ کو ترقی مبارک کرے سر میری خدمات حاضر ہیں اینی ٹائم!"

"ٹھیک ہے پھر دو الگ الگ فائل تیار کیجیے۔ ایک فیکٹری ذورین بیٹے کے نام کی اور دوسری نیلو بیٹی کے نام کی ہوگی۔ بس پہلے یہ کام کر لیجیے پھر سنگ بنیاد وغیرہ کی تیاریاں کیجیے۔"

"جی بالکل' ایسے ہی ہوگا جیسا آپ چاہیں گے۔" مبین صاحب فائل لے کر دروازے کی طرف بڑھے۔

"سنیے گا مبین صاحب!" عثمان اچانک کوئی بات یاد کر کے بولے تو وہ پلٹ آئے۔

"جی!" مبین صاحب فائل میز پر رکھ کر ہمہ تن گوش ہو گئے۔

"مبین صاحب یہ بات جو میں نے کی ہے کہ ذورین اور نیلو کے نام کی فیکٹریاں ہوں گی تو یہ بات اپنے تک ہی رکھیے گا۔ دراصل میں چاہتا ہوں کہ تینوں بچوں کو یکساں طور پر زندگی میں سیٹل کروں۔ اپنی تمام جائداد تینوں میں یکساں طور پر تقسیم کروں ...... اور ......" عثمان صاحب بات کر رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''آ جائیے۔'' عثمان صاحب کی اجازت پر آنے والا رفیق نمودار ہوا۔ عثمان صاحب نے چشمہ اتار کر قدرے حیرت سے رفیق کو دیکھا اس نے اپنے چہرے پر کھسیاہٹ کی مصنوعی کیفیت طاری کر لی۔

''آؤ...... آؤ...... رفیق خیریت ہے ناں۔''

''خدا میرا ہی بھلا کرے صاحب۔ ستر فیصد خیریت ہی خیریت ہے۔''

رفیق نے عیاری سے مبین صاحب کو اور ان کے سامنے پھیلی فائل کو دیکھا کیونکہ کچھ جملے اس کے کانوں میں بھی پڑ گئے تھے اور اسی لیے تو وہ خاص طور پر اندر آ گیا تھا۔

''اور تیس فیصد کو کیا بیماری لاحق ہو گئی ہے؟''

عثمان صاحب نے بغور اس کو دیکھا اور پھر چشمہ لگا کر فائل دیکھنے لگے۔

''تاپ چڑھا ہوا ہے جی تین دن سے کھانسی اور تاپ سے مری جا رہی ہے۔ ڈاکٹر نے دوائیاں لکھ کر دی تھیں۔ وہ لینے آیا تھا۔ سوچا آپ کو دیکھتا ہوا جاؤں۔''

''اچھا تو پھر ایسا کرو تم میرا انتظار کرو۔ میں مبین صاحب سے کچھ باتیں کر لوں پھر میرے ساتھ ہی چلنا۔ اب کہاں بس میں خوار ہوتے پھرو گے۔''

''جی جو آپ کا حکم!'' اور وہ بظاہر بے پروا بن کر بیٹھ گیا۔ کن انکھوں سے کارروائی بھی دیکھتا رہا۔ عثمان صاحب، مبین صاحب کو سمجھاتے رہے۔

''ٹھیک ہے مبین صاحب آپ دونوں بچوں کی فائلیں تیار کر کے لے آیئے۔ اور دیکھیے نیلو بیٹی فیکٹری کی زمین تو میں دیکھ چکا ہوں اب اس کے اسپتال کے لیے بھی کسی اچھے علاقے میں جگہ دیکھے گا اور جلدی کیجیے گا۔ میری بیٹی بفضل خدا تعالیٰ ڈاکٹر بنے گی انشاء اللہ تو اپنے ہی اسپتال کو چلائے گی۔'' عثمان صاحب چشم تصور میں نیلو کو ڈاکٹر کے روپ میں اسپتال میں مریض دیکھتی ہوئی دیکھ رہے تھے۔

''جی سر جیسا آپ کا حکم میں پہلے اسپتال کی زمین دیکھ لیتا ہوں۔ ویسے سر! آپ نے بیٹی کے میڈیکل میں ایڈمیشن کی مٹھائی کھلائی نہیں۔'' مبین صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ارے مبین صاحب! صرف مٹھائی...... ارے بھئی ہم تو انشاء اللہ بہت بڑی پارٹی کا اہتمام کرنے والے ہیں۔ آپ سب سے پہلے تشریف لایئے گا۔ بھابی اور بچوں سمیت۔''

''جی سر! کیوں نہیں اللہ تعالیٰ بیٹی کو زندگی دے اور اسے صحت دے صحت کے ساتھ ڈاکٹر بنائے تا کہ وہ دکھی انسانیت کی خدمت کر سکے۔ چلتا ہوں۔ ہاں ہاں سر! یاد آیا وہ اپنے پرانے کیشیئر صاحب نہیں تھے، منیم صاحب...... وہ بہت بیمار ہیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو بھیجا تھا تا کہ کچھ رقم اسے دے دی جائے۔'' مبین صاحب کو جاتے جاتے پھر یاد آیا تو وہ پلٹ آئے۔ رفیق اپنی عیارانہ چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے کبھی مبین صاحب کو دیکھتا اور کبھی عثمان صاحب کو اگر ان کی نظر اس پر پڑ جاتی تو وہ چاپلوس عیاری مسکراہٹ پیش کر دیتا۔

''اوہو! مبین صاحب! یہ آپ اتنی دیر سے بتا رہے ہیں۔ منیم صاحب ہمارے بہت اچھے ایماندار قسم کے ساتھی رہے ہیں۔ وہ بیمار ہیں ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا یہ بتائیں کہ ان کا لڑکا ہے یا چلا گیا؟''

عثمان صاحب نے پر تشویش انداز میں کہا اور کھڑے ہو گئے۔

''لڑکا تو چلا گیا ہے سر، کہیے تو پھر بلا لوں؟''

''نہیں وہ بیمار ہیں۔ میں خود ان کے گھر جاؤں گا۔ ان کی عیادت کر کے خود ہی دے آؤں گا رقم۔''

عثمان صاحب نے اسی وقت کرسی سے کوٹ اتار کر پہنا۔ مبین صاحب جا چکے تھے۔ وہ رفیق کی طرف مڑے جو اس عرصے میں نہ جانے کیا کیا کہانیاں تیار کر چکا تھا۔

''چلو رفیق، تمہیں جلدی تو نہیں کیونکہ مجھے منیم صاحب کے ہاں ہو سکتا ہے دیر ہو جائے۔''

''نہیں صاحب مجھے کوئی جلدی نہیں، آپ کی خاطر تو میں گردن کٹا دوں۔ آپ دیر کی بات کرتے ہیں۔''

رفیق نے حسب عادت اپنی ٹوپی اتاری اس میں پھونک ماری سر پر رکھی اور شانے پر پڑا کپڑا اتارا، جھاڑا اور پھر شانے پر رکھ لیا۔

''رفیق مجھے خطرہ ہے کہ کہیں کوئی...... خیر چلو دیر ہو رہی ہے۔''

پھر عثمان صاحب رفیق کو لے کر بزرگ اور خاصے بیمار منیم صاحب کی طرف گئے۔ عیادت کے بعد انہوں نے دس ہزار کا...... چیک کاٹ کر رفیق کو دیا۔

''رفیق! کل یہ رقم منیم صاحب کو پہنچ جانی چاہیے...... اور منیم صاحب یہ معمولی رقم ہے۔ آپ کو جتنی ضرورت ہو بلا تکلف کہہ دیا کیجیے۔''

''خدا آپ کا اقبال بلند کرے عثمان میاں آپ تو انسان دوست آدمی ہیں۔ میری ریٹائرمنٹ کے بعد بھی آپ مجھے میری تنخواہ سے زیادہ رقم دیتے رہے ہیں، اب تو۔''

یہ کہہ کر منیم صاحب پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ رفیق نے مکاری سے چیک دیکھا اور جیب میں رکھ لیا۔

''کیسی باتیں کرتے ہیں منیم صاحب! آپ پر کوئی احسان نہیں ہے۔ آپ نے ہماری فرم کی جو

خدمت کی ہے کوئی اور نہیں کر سکتا۔ یہ بتایئے صاحب زادی کی شادی کب ہے۔ آپ اللہ کا نام لے کر تاریخ مقرر کر دیں اسباب کی فکر نہ کریں۔ یہ انسانی کمزوریاں ہوتی ہیں جو وہ کام کرنے سے پہلے خوف زدہ رہتا ہے کہ اسباب کہاں سے ہوں گے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ غیب سے مدد فرماتا ہے بندے کی۔ آپ قطعی فکرمند نہ ہوں۔ اللہ مالک ہے۔ وہی وسیلہ بنانے والا ہے۔ خدا کے فضل سے شادی کے تمام اخراجات میں اٹھاؤں گا انشاء اللہ آپ فکر نہ کریں۔"

عثمان صاحب نسیم صاحب کے قریب بیٹھے ان کو تسلیاں دے رہے تھے اور وہ ان کو دعائیں دیے جا رہے تھے۔

"عثمان میاں جب تک نوکری کرتا رہا آپ نے سب سے زیادہ خیال رکھا اب...... اب تو آپ نے انتہا کر دی ہے۔ میری زندگی کا بوجھ اتار دیا۔ اس بیٹی کی وجہ سے میری سانسیں بوجھ بنی ہوئی تھیں مجھ پر۔ اللہ ہی آپ کو اجر دے گا میں تو دعائیں ہی دے سکتا ہوں۔" اکھڑی سانسوں کے ساتھ نسیم صاحب بمشکل کہہ پا رہے تھے۔

"بس آپ کی دعائیں میرا سرمایہ ہیں نسیم صاحب اپنا خیال رکھیے گا میں آتا رہوں گا...... خدا حافظ۔"

"خدا حافظ عثمان بیٹے خدا تمہیں مزید نیکیوں کی توفیق دے آمین۔"

"خدا حافظ۔" عثمان صاحب ان سے ہاتھ ملا کر آ گئے۔ رفیق کے سینے پر سانپ لوٹ رہا تھا کہ ایک تو اتنی بڑی رقم دے دی اوپر سے بیٹی کی شادی کرنے کا وعدہ، وہ سب کچھ اتارتا رہا اپنے اندر۔

☆☆☆

"کیا بکواس ہے یہ...... ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ رفیق میں...... میں ان کی اور اپنی جان ایک کر دوں گا۔ اگر ایسا ہوا تو سچ...... سچ بات بتاؤ ورنہ تمہاری خیر نہیں۔"

رفیق کے پیٹ میں جو مروڑ اٹھ رہے تھے ان میں اس وقت تک بھلا افاقہ کیسے ہو سکتا تھا جب تک وہ ذورین کے گوش گزار نہ کر دیتا اور ذورین تو بھڑک اٹھا تھا۔ ان حاصل شدہ معلومات سے۔

"خدا میرا ہی بھلا کرے۔ ذورین میاں گردن نہ کٹا دوں جو جھوٹ بولوں غلط بیانی سے کام لوں۔ میرے سامنے یہ سب ہوا ہے میاں اور تو اور میں خود دس ہزار کا چیک کیش کرا کر اس بڈھے کو دے کر آیا ہوں اور شادی کے...... انتظامات کے لیے تو رقم لاکھوں میں جائے گی۔ خدا میرا ہی بھلا کرے۔"

رفیق کو تو ذاتی طور پر نسیم صاحب کے کھاتے میں جانے والی رقم کی چبھن ہو رہی تھی مگر ذورین کو نیلو کی فیکٹری اور اسپتال کا صدمہ کھائے جا رہا تھا۔

"اس بکواس کو چھوڑو رفیق مجھے نیلو کی فیکٹری اور اسپتال کے بارے میں ساری معلومات چاہئیں۔ لوٹ کا مال سمجھ رکھا ہے بڑے میاں نے میری باپ کی جائداد کو۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

ذورین کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے بس میں نہیں تھا کہ کچھ کرتا۔ اسے عثمان صاحب اور مائکہ پر شدید تاؤ آ رہا تھا اور رفیق پرسکون انداز میں آئندہ آنے والے طوفان کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ فکر ہی نہ کرو۔ ذورین میاں پل پل کی خبر دوں گا آپ کو...... اندھیر ہے کہ نہیں۔ ذورین میاں کہ ہم پرانے نمک خوار اپنے صاحب اور بیگم صاحبہ پر جان دینے والوں کو پوچھا تک نہیں جاتا اور جو کچھ کرتے نہیں ان کی جیبیں بھری جاتی ہیں۔ اندھیر نگری کا راج ہے میاں بڑھیا کئی دنوں سے بیمار ہے۔ اتنے پیسے نہیں کہ ڈاکٹر کو دکھا سکوں یا دوا لا کر دے سکوں میں تو...... دن رات اپنے صاحب اور بیگم صاحبہ کو یاد کر کے روتا ہوں۔" اب رفیق نے باقاعدہ مصنوعی آنسوؤں کی بارش کر کے ذورین کو اموشنل کرنے کی کوشش کی...... اس نے رفیق کو دیکھا جتنا وہ اکھڑ اور خودسر تھا دل اتنا ہی نرم اور مزاج میں حساسیت تھی۔

"نسرین خالہ بیمار ہے اور تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔ رفیق یہ دکھو پیسے اور آئندہ ایسا نہ کرنا۔ ذرا بھی ضرورت ہو میرے پاس آ جانا۔ تم دونوں تو مجھے اچھے لگتے ہو۔ میرے اپنے مما پاپا کی نشانی ہو تم لوگ تو۔" ذورین نے کچھ رقم نکال کر رفیق کے ہاتھ میں رکھی تو وہ اس کے پاؤں چھونے لگا۔ ذورین نے اٹھا کر گلے لگا لیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو۔ رفیق تم میرے بزرگ ہو۔"

"ارے میاں میری تو جان بھی آپ پر قربان ہے۔ مجھے یاد ہے آپ میرے صاحب اور بیگم صاحبہ کو کس قدر عزیز تھے اور انہوں نے کتنی خوشیاں منائی تھیں آپ کی پیدائش پر۔"

پھر وہ ذورین کو جذباتی کرنے کے لیے اس کے بچپن کی بہت سی باتیں بتاتا رہا اور اس کے دل میں ایک اور زہر کا بیج بو کر چلا گیا۔

"عثمان صاحب یہ کھیل میں آپ کو نہیں کھیلنے دوں گا۔ اپنی جائداد پر ہاتھ صاف کرنے کی میں آپ کو اجازت نہیں دوں گا۔"

کتنی ہی دیر وہ ٹہلتا رہا سوچتا رہا پھر ہاتھ پر مکا مار کر بستر پر گر گیا۔

☆☆☆

"ارے بڑھیا کہیں گزر تو نہیں گئی کہ دروازہ بھی نہیں کھل رہا۔"

رفیق کافی دیر سے درواز...

دروازے کو دھکا دے کر کھولنا چاہا اور اسی وقت دروازہ کھلا اور رفیق دھڑ سے نیچے گر گیا اور ساتھ ہی کسی کی ہنسی کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ رفیق نے چندی آنکھوں سے ہنسنے والے کو دیکھا تو چپ گیا۔

"تو پھر ٹپک پڑا۔" رفیق نے اپنی سالی کے لڑکے وسو کو گھورا جو منہ پھاڑے ہنسے جا رہا تھا۔

"چھت کی مرمت نہیں کراؤ گے خالو میاں تو کیڑے مکوڑے تو ٹپکیں گے ہی۔"

"اچھا بک بک بند کر اور مجھے اٹھا۔"

"تمہیں تو اللہ ہی اٹھا سکتا ہے۔ خالو میاں۔ یہ ہمارے بس کا روگ نہیں۔ خیر لاؤ تیلی پکڑاؤ لیکن...... ٹوٹ ٹاٹ گئی تو الزام نہ دینا ہاں۔" وسو نے رفیق کا کمزور سا بازو پکڑ کر کھینچا۔ رفیق کپڑے جھاڑتا ہوا کھڑا ہوا اپنی ٹوپی سر پر رکھی اور شانے والا کپڑا جھاڑتا ہوا اٹھا وسو کو گھورا اور اندر چلا گیا۔

"کہاں ہے تیری بڈھی خالہ ہے یا گزر گئی؟"

"وہ اندر بستر پر پڑی اپنے منے کا کے شوہر کا انتظار کر رہی ہے جو جوانی کا فشٹ انعام جیت کر لا رہا ہے...... بڑھیا...... دیکھ لو خالو میاں میری خالہ کو بڈھی نہ کہنا پلٹ کے۔"

دروازے سے کمرے تک آتے آتے وسو اور رفیق کی لفظوں کی جنگ جاری رہی۔ اندر نسرین سر باندھے بستر پر پڑی تھی۔

"یہ لے دوا اور کھا مر۔ پڑی ہے کھٹیا سنبھال کے اور یہ وسو کیوں آیا ہے؟"

"آیا نہیں میں نے بلایا ہے اس کو۔" نسرین نے اپنی دوا لیتے ہوئے اطلاع دی تو وہ بھڑک اٹھا۔

"کیوں...... کیوں بلایا ہے یہاں۔ تمہارے شوہر کا ولیمہ ہو رہا ہے جو اس کو بلایا ہے کارڈ بھیج کر۔"

"خدا کا شکر ادا کرو خالو کہ ایک ولیمہ ہی ہو گیا ورنہ تم جیسے بندے تو۔"

"دیکھ...... دیکھ اپنی زبان کو دانتوں تلے دبا کر رکھ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

رفیق کو ایک تو اس کا آنا ہی ناگوار گزرا تھا اوپر سے اس کی باتیں بھڑکتی پر تیل کا کام کر رہی تھیں۔

"خدا تمہارا ہی بھلا کرے خالو میاں تم سے برا کوئی ہے بھی نہیں۔"

وسو نے اس کا تکیہ کلام استعمال کرتے ہوئے کہا تو وہ اسے گھور کر رہ گیا۔

"وسو چندا' جا...... جا کر چائے تو بنا لا اور پہلے گلاس میں پانی دے جا دوا کھا لوں۔"

وسو خالہ کے کہنے پر اٹھ گیا۔ دو قدم آگے گیا پھر پلٹ کر رفیق کے قریب آیا۔

"خالو میاں تمہاری پیالی میں کتنا زہر ملاؤں؟" رفیق نے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"میرا مطلب ہے شکر کتنی ڈالوں۔" وسو نے جھٹ پٹری بدلی۔

"تو جا اپنا کام کر میں اپنا کام خود کر لوں گا، جا دفع ہو جا اور اپنی بہت بری شکل گم کر۔"

"خالو میاں صرف بری سے بھی کام چل سکتا تھا۔ ویسے چلو خیر تمہاری مرضی۔"

رفیق نے جوتا اٹھانے کے لیے ہاتھ نیچے کیا ہی تھا کہ وہ باہر نکل گیا۔

"کیا ضرورت پڑ گئی تھی اس کیچوے کو بلانے کی میری جان جلانے کو تم کافی نہیں تھیں کیا؟"

"ارے مجھے کوئی شوق نہیں اپنے رشتے داروں کو تیرے جیسے کے گھر بلا کر ذلیل کر دوں وہ عاتکہ بی بی نے کہا تھا کہ گھر کے کام کاج کے لیے کسی لڑکی کی ضرورت ہے تو میں نے وسو کو بتا دیا۔"

"ہاں وسو کا بتا دیا۔ ارے اور بھی بے شمار پاگل ہیں۔ وسو کے علاوہ کسی کو بھی بلا لیا ہوتا۔"

"تو اچھی طرح جانتا ہے رفیق کہ تیرے رشتے دار تیرے گھر آنا پسند نہیں کرتے ورنہ انہی کو بلا لیتی۔"

"ہاں میں جانتا ہوں اب تو چلے گی تیری زبان۔ آ گیا ہے نا بھانجا...... یک نہ شد دو شد۔"

رفیق بڑبڑاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ نسرین بھی ہمت کر کے اٹھ کر نماز کے لیے وضو کرنے لگی۔

☆☆☆

عفت جہاں کو دیکھ کر شہرام نے جھٹ اس کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ ایک ندامت شرمندگی نے آن گھیرا۔ وہ پشت کر کے کھڑا ہو گیا۔ عفت جہاں تکتی ہوئی دونوں کی طرف بڑھیں۔

"کیا ہو رہا تھا؟" عفت جہاں نے قہر بارسی نگاہ شہرام پر ڈالی اور ماہ ما کو گھسیٹ کر دوسری طرف کیا۔

"کچھ نہیں مما کیا ہونا ہے۔ وہ ذرا شہرام میرے ہاتھ کی لکیریں دیکھ رہے تھے۔"

ماہ ما بری طرح خوف زدہ ہو رہی تھی۔ ایک تو ایسی پچویشن میں اسے شہرام کا خیال بھی تھا اور دوسرے اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کا خیال بھی۔ عفت جہاں نے شہرام کی پشت کو گھورا۔

"کیا فائدہ ان لکیروں کو دیکھنے کا جن میں اس کے نام کی کوئی لکیر نہیں۔"

"جی؟" شہرام ان کے جملے پر تڑپ کر مڑا۔ وہ ایسی خاتون تھیں کہ ان سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ وہ تو مہرے بدل کر کھیل کا پانسہ پلٹنے کا ہنر بھی رکھتی تھیں اور یہ جو بات انہوں نے کہی تھی معمولی نہیں تھی۔

"ہاں یہ تم قسمت کا حال کب سے بتانے لگے ہو۔ ویسے تو تم بڑے روایت پرست اور اخلاقیات کا درس دیتے ہو اپنے معاملے میں تمہیں کیا ہو جاتا ہے کہ......" عفت جہاں نے جس نظریے اور جس لہجے میں یہ بات کہی تھی ماہ ما تو خیر کیا سمجھتی شہرام سمجھ چکا تھا۔

"چاچی جی یہ...... یہ آپ

شہرام ان کی بات سے بگڑ گیا۔ اس سے وہاں کھڑا نہیں ہوا گیا۔ جلدی سے آگے بڑھ گیا۔ ماہ ما دور تک اسے دیکھتی رہی۔

''ماہ ما I WILL SEE YOU'' عفت جہاں کے زیر عتاب اب ماہ ما تھی۔

''مما ہم نے ایسا کیا کیا ہے کہ آپ اس قدر خفا ہو رہی ہیں۔ شہرام بہت اچھے ہیں۔''

''ہاں میں جانتی ہوں۔ شہرام بہت اچھا ہے۔ اس کی محبت کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا ہے۔ میری لڑکی تم بے حد معصوم ہو۔ یہ لڑکا تمہارے لیے بہتر نہیں ہے۔ جانی اس کی سوچ کی گھٹن تمہارا دم گھونٹ دے گی۔ چلو میرے ساتھ میں محسن صاحب کے ہاں جا رہی ہوں۔''

عفت جہاں کا بس چلتا تو اسے شہرام کے اتنا خلاف کر دیتیں کہ وہ اس کا نام تک نہ لیتی مگر ماہ ما آکر وہ خود کو بے بس سا سمجھنے لگی تھیں۔

''تو مما میں ٹونی کے گھر نہیں جاؤں گی۔'' اس نے جھٹ ہاتھ چھڑا لیا۔ ابھی کچھ دیر قبل ہی تو شہرام اسے ٹونی سے ملنے اور بات کرنے سے منع کر رہا تھا اور ٹونی تھا بھی تو بدتمیز بلاوجہ ہی فری ہونے کی کوشش کرتا تھا۔

''کیوں نہیں جاؤ گی تم ان کے ہاں؟''

''مما وہ لوگ اچھے نہیں ہیں۔'' ماہ ما نے انتہائی سادگی سے کہہ دیا تو عفت جہاں کھول اٹھیں۔

''اچھا تو آ گئیں اس کے چکر میں۔ وہ لوگ وہ جو تمہارا بھلا چاہتے ہیں۔ وہ اچھے نہیں اور جو تمہیں تباہی کی طرف لے جا رہا ہے وہ اچھا ہے...... او کے نہ مانو تم اور تمہارے پپا میری بات ایک دن رونا پڑے گا نا تو ہوش ٹھکانے آ جائیں گے تمہارے اور تمہارے باپ کے۔'' عفت جہاں شہرام کے ساتھ زندگی کا ایسا ہولناک منظر کھینچتیں کہ ماہ ما پریشان ہو جاتی۔ وہ درمیان میں لٹک کر رہ جاتی۔ ماہ ما اپنے کمرے میں آ گئی۔ کچھ دیر قبل وہ دونوں کتنے خوش تھے۔ روشنی کے سفر پر تھے مگر اچانک اندھیرے کا موڑ آ گیا اور دونوں جدا ہو گئے۔

☆☆☆

''اچھا پھر کیا ہوا؟'' عفت جہاں خود بھی بہت تیز اور الٹی سیدھی سوچ کی مالک تھیں مگر بشریٰ بیگم کی دوستی نے ان کی اس صلاحیت کو مزید ابھار دیا تھا۔ انہوں نے شہرام کی اس حرکت کی صورت کا بہت بگاڑ کر پیش کر دیا تھا۔ اول تو حبیب صاحب کو یقین نہیں آیا تھا مگر وہ یہ سوچ کر بھی مطمئن رہے کہ دونوں آپس میں فرسٹ کزن بھی ہیں اور آئندہ مقدس رشتے میں بندھنے والے بھی ہیں۔

''کیا مطلب ہے آپ کا اس بات سے کہ اچھا پھر کیا ہوا۔ ویسے تو آپ ٹونی سے اس قدر چڑتے ہیں کہ ماہ ما کا اس سے بات تک کرنا گوارا نہیں اور کہاں یہ حرکت آپ کے نزدیک ''پھر کیا ہوا؟'' کی

چکی سے زیادہ اہم نہیں۔''

''عفت جہاں اگر آپ کی ناقص عقل نے کام کرنا بالکل چھوڑ دیا ہے تو سنیے کہ ٹونی اور شہرام میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ٹونی ایک غیر مرد ہے اور شہرام ماہ ما کا فرسٹ کزن ہے اور ہونے والا شوہر ہے۔''

حبیب صاحب نے اطمینان سے جواب دیا اور سائیڈ ٹیبل پر رکھی ٹوپی اٹھائی اور نماز کے لیے نیچے آ گئے۔

''اونہہ شوہر...... یہ تو میں کبھی نہیں ہونے دوں گی میں اپنی کلیوں جیسی نازک بیٹی کو روایات پرست درندوں کے حوالے ہرگز نہیں کروں گی۔ اس کے لیے خواہ مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔''

عفت جہاں نے اسی وقت چابی اٹھائی اور نیچے آ گئیں۔ وہ فوری طور پر بشریٰ سے ملنا چاہتی تھیں۔

''کہاں جا رہی ہو عفت بیٹی اس وقت؟'' وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر کر دروازے کی طرف بڑھیں تو لاؤنج سے اماں جان تسبیح پھیرتی آ گئیں۔ کچھ دیر کے لیے عفت جہاں کچھ ٹھٹک سی گئیں۔

''جی وہ...... وہ ہاں وہ بشریٰ ہے ناں محسن صاحب کی بیگم ان کی طبیعت بہت خراب ہے۔ ذرا انہی کی طرف جا رہی ہوں۔ جاؤں؟'' عفت جہاں نے اجازت طلب کی تو ان کی ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''یہ جو منہ دیکھے کی اجازت ہوتی ہے ناں بیٹی یہ نمائشی اجازت کہلاتی ہے اور اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں سامنے آ گئی تو تمہیں اجازت لینے کا خیال آ گیا ہے۔ تو جاؤ میں کسی کو روکنے والی کون ہوں؟''

''اونہہ...... بڑی بی حکومت کرتی ہیں گھر بھر پر اور بیٹے پر لیکن پھر بھی دکھی ہیں۔''

عفت جہاں نے غصے سے سوچا اور نکل گئیں۔

☆☆☆

''کم آن ٹونی تم کہاں جا رہے ہو؟'' واک مین لگائے کرلی بالوں کو بینڈ میں باندھے ٹونی جھومتا ہوا باہر نکل رہا تھا کہ بشریٰ بیگم نے روک لیا۔

''مما دوستوں سے ملنے جا رہا ہوں۔'' اس نے چیونگم چبا کر بے پروائی سے کہا۔

''تم کہیں نہیں جا رہے او کے۔''

''کیوں مما!'' ٹونی نے منہ بنا کر واک مین بند کرتے ہوئے پوچھا۔

''اس لیے کہ تمہاری عفت آنٹی آ رہی ہیں۔''

”تو کیا مجھے ان کو لینے ائرپورٹ جانا ہے؟ کم آن مما بور نہ کریں۔ میرے سارے فرینڈز ہیں۔“

”احمق ہو پرلے درجے کے۔ عفت جہاں آرہی ہے اور تمہیں تو معلوم ہے کہ ماہ ما کا نکاح شہرام سے ہو رہا ہے۔“

”SO WHAT مما۔ ہونے دیں ماہ ما کا نکاح شہرام سے یہ بزدل لڑکی اسی قابل ہے بالکل بدل گئی ہے ماہ ما پاکستان آکر۔ ایک دم بور اور پاکستانی لڑکی بن گئی ہے۔ کھل کر بات بھی نہیں کرتی اوپر سے اس کے پیا اور گھر والے اتنی پابندیاں لگاتے ہیں کہ حد نہیں اور یو نو کہ مجھے میرے جیسی لڑکی چاہیے جو بالکل میری پسند کے مطابق آزاد خیال ہو بیک ورڈ نہ ہو۔ آئی تھنک کہ جینی میرے لیے بیسٹ رہے گی۔“

”شٹ اپ میں تمہیں کسی بھی انگریز لڑکی سے شادی کرنے کی اجازت نہیں دوں گی۔ کوئی غیر مسلم لڑکی اس گھر میں نہیں آئے گی سنا تم نے...... ہم نہ جانے تمہارے لیے کیا سوچ بیٹھے ہیں اور تم...... اینی وے تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ میں ماہ ما کو تمہارے لیے پسند کر چکی ہوں اس گھر میں وہی آئے گی۔“

”او کے مما' اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ یو نو کہ ماہ ما کیا چیز ہے کیا حیثیت ہے اس کی میری زندگی میں وہ تو میں ذرا خود ہی پیچھے ہٹ رہا تھا ورنہ تو "SHE IS MY FIRST LOVE" ٹونی نے مکاری سے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ بشریٰ بیگم بہت خوش ہوئیں۔ ان کی مراد بر آئی تھی۔ وہ بھی اس کے قریب بیٹھ گئیں۔

”گڈ بوائے سنو جانی! تم اپنے کمرے میں جا کر لیٹ جاؤ اور ایسا حلیہ بنا لو جیسے تمہیں ماہ ما کے نکاح کا اتنا صدمہ ہے کہ تم اس صدمے سے نڈھال ہو رہے ہو۔ بہت کمزور نظر آنے کی کوشش کرو اور......“

”او کے...... او کے مما آگے کا سارا سین میری سمجھ میں آگیا ہے۔ کیا کرنا ہے اور کیا کہنا ہے۔“ ٹونی ماں کا مطلب سمجھ کر کھڑا ہو گیا۔

”گڈ! بس ایسی اداکاری کرنی ہے کہ عفت جہاں متاثر ہو جائے۔“

”ڈونٹ وری مدر!“ ٹونی نے بشریٰ بیگم کی پیشانی پر پیار کیا اور اپنے کمرے میں چلا گیا اور بشریٰ بیگم پہلے تو عفت کا انتظار کرتی رہیں پھر جیسے ہی پتا چلا کہ وہ آگئی ہیں وہ جلدی سے ٹونی کے کمرے میں آگئیں۔

”ہیلو آنٹی!“ ماریہ نے عفت کا استقبال کیا۔

”اوہ ہیلو بے بی کیسی ہو؟ کہاں ہے مما؟“

”آنٹی وہ اوپر ہیں بھائی کے روم میں۔ بھائی کی طبیعت بہت خراب ہے ناں۔“ محسن صاحب کی پوری فیملی اس ڈرامے میں شریک تھی۔

”ہائیں کیا ہوا ابھی کل تو ٹونی بالکل ٹھیک تھا۔ میری خود بات ہوئی تھی بہت خوش اور فریش تھا۔“

”وہ حقیقت میں آنٹی! بات یہ ہے کہ جب سے ماہ ما کے نکاح کی خبر سنی ہے تو بہت اپ سیٹ ہے اوپر سے خوش اور فریش نظر آنے کی کوشش کرتا ہے مگر اندر سے وہ بہت دکھی ہو گیا ہے۔“

جہاں تک ہو سکا ماریہ نے بھی ٹونی کی حالت کی ترجمانی کر دی تاکہ آئندہ سین کے لیے تیاری کر سکے۔

”اچھا چلو۔ وہیں چلتے ہیں میں بھی ٹونی کو دیکھ لوں گی۔“

پھر عفت جہاں ٹونی کے کمرے میں آگئیں۔ بشریٰ بیگم ٹونی کے بیڈ پر بیٹھی اس کا سر دبا رہی تھیں۔

”السلام علیکم!“ عفت جہاں نے بشریٰ بیگم سے ہاتھ ملایا۔

”وعلیکم السلام۔ آؤ عفت بیٹھو میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔ ٹونی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ تم ہی اس کو کچھ سمجھاؤ۔“ بشریٰ بیگم نے دنیا جہان کا دکھ چہرے پر طاری کر لیا۔

”میں اس کو کیا سمجھاؤں بشریٰ میری تو خود کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ میں تو بس ہر صورت اپنی بچی کو بچانا چاہتی ہوں۔ وہ...... وہ اس جنگلی ماحول میں کس طرح سروائیو کر سکتی ہے۔ سچ میرا تو دل چاہتا ہے کہ بیٹی کا ہاتھ پکڑوں اور انگلینڈ جا بسوں۔ کتنی خوشگوار زندگی تھی وہاں پر ہم لوگوں کی یہاں آکر تو سانس لینا عذاب ہو گیا ہے۔“

عفت جہاں تو باقاعدہ رو پڑی تھیں۔ بشریٰ بیگم بھی شریک غم ہو گئیں۔

”ہائے کیا یاد دلایا ہے عفت تم نے کیا خوب صورت جگہ تھی جہاں ہم رہتے تھے۔ خیر ہمارا پروگرام تو دوبارہ وہیں شفٹ ہونے کا ہے۔ محسن دوبارہ اپنا بزنس وہیں سیٹل کر رہے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی وہیں سیٹ کریں گے۔“ بشریٰ بیگم نے ایسا خیالی پلاؤ تیار کیا کہ عفت جہاں کے منہ میں بھی پانی آگیا مگر وہ دل مسوس کر رہ گئیں۔

”ہائے تم کتنی لکی ہو بشریٰ! پھر اتنی اچھی جگہ جا رہی ہو میں تو۔“

”عفت اگر تم نے بے بسی اختیار کر لی تو...... تو بیٹی گنوا بیٹھو گی میں تو تمہیں کچھ کہہ بھی نہیں سکتی۔ میرا تو اپنا بیٹا اسی غم میں نڈھال ہو رہا ہے۔ بچپن کی محبت ہے کوئی مذاق تو نہیں ہے۔ میں نے تو خود ماہ ما

کے علاوہ کسی لڑکی کو بہو کے روپ میں نہیں دیکھا تھا مگر حبیب بھائی نے تو ہمیں کک آؤٹ ہی کر دیا ہے۔"

لہجے میں بے چارگی اور مسکینیت شامل کیے پھر بشریٰ بیگم نے ٹونی کو پیار کیا۔

"رہنے دیں مما' ماہ ما اگر شہرام کے ساتھ خوش رہ سکتی ہے تو اس سے بڑھ کر کیا بات ہوگی۔ میرا کیا ہے آج نہیں تو کل ٹھیک ہو ہی جاؤں گا۔ اور یہ بات میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ شادی میں تمام عمر نہیں کروں گا۔"

"ٹونی نے عفت کو سنانے کے لیے ناکام عاشق کا درد سموتے ہوئے کہا۔ عفت جہاں نہ صرف گلٹی فیل کر رہی تھیں بلکہ ان کو دکھ بھی ہو رہا تھا جبکہ حبیب صاحب کی رائے ہمیشہ سے ان لوگوں کے بارے میں اچھی نہیں تھی مگر ان کی اور ماہ ما کی اتنی ہی دوستی تھی۔

"ہائے میرا بچہ کتنا دل برداشتہ ہو گیا ہے۔ قسمت کی بات ہے کہ میرا بیٹا ماہ ما کے لیے جان بھی دینے کو تیار ہے مگر اس کی قدر نہیں اور شہرام ماہ ما کو اپنا غلام بنا لینا چاہتا ہے تب بھی اسی کے حوالے کی جا رہی ہے۔ یہ کہاں کی عقل مندی ہے۔"

بشریٰ بیگم اور ٹونی عفت جہاں پر چھائے ہوئے تھے اور دونوں نے ان کو اس بات پر تیار کر لیا تھا کہ ابھی صرف منگنی ہونی چاہیے۔

"دیکھو عفت میں جانتی ہوں یہ کام تمہارے بس کا نہیں۔ دیکھو زہر کو زہر سے مارنے کا بھی تو ایک فارمولا موجود ہے اسی سے کام لو۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔" عفت جہاں واقعی چالاک سوچ کی مالک بشریٰ کا مطلب نہیں سمجھ پائی تھیں۔

"دیکھو' شہرام سے تم خود بات کرو کہ ماہ ما نکاح کے لیے تیار نہیں لہٰذا وہ خود نکاح سے انکار کر کے منگنی کے لیے کہہ دے۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو بشریٰ وہ ایسا کیوں کہے گا۔ اس کے بس میں ہو تو رخصتی کا بھی کہہ دے۔"

"تم سمجھیں نہیں میں تمہیں سمجھاتی ہوں۔" اور پھر جب اپنے عزائم اپنی خواہشات کو بشریٰ بیگم نے سنہری جال میں پھنسا کر پھینکا تو عفت جہاں قائل ہو کر اٹھ گئیں۔

☆☆☆

رات کھانے کے بعد اماں جان نے اپنے کمرے میں میٹنگ طلب کی تھی' نکاح کے سلسلے میں سب ہی پہنچ چکے تھے۔ عفت جہاں کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ جس بات سے ایگری ہی نہیں تھیں تو اس میں شریک کیونکر ہوتیں۔

"عفت بیگم غالباً آپ کی نالج میں ہوگا کہ اماں جان نے اپنے کمرے میں بلایا ہے۔ بہت سے خاندانی امور پر بات کرنی ہے۔" مجبور ہو کر حبیب صاحب کو خود ہی آنا پڑا۔

"میں نے کہہ دیا ناں کہ میں نکاح پر تیار نہیں ہوں ہاں اماں جان چاہیں تو منگنی کر دیں۔"

"کیوں نکاح پر آپ کو کیوں اعتراض ہے۔ کیا قباحت ہے نکاح میں جبکہ لڑکی لڑکا تیار ہیں جب کوئی رکاوٹ بھی نہیں تو پھر تمہیں اعتراض کیوں ہے؟" حبیب صاحب کو تو نکاح کی اتنی جلدی تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ شام سے پہلے نکاح ہو جائے۔ نجانے کیوں ان کو انجانے اندیشے گھیرے رہتے ان کو ایسا لگتا تھا کہ اگر ابھی یہ نکاح نہ ہو سکا تو شاید یہ رشتہ راہوں کی دھول میں اپنا وجود کھو بیٹھے گا۔

"آپ تو بس اپنوں کی محبت میں دیوانے سے ہو رہے ہیں۔ حبیب ابھی منگنی مناسب رہے گی لڑکا امریکا میں پڑھ رہا ہے۔ آج ہم نکاح کر دیتے ہیں۔ کل کو کوئی ایسی ویسی بات ہو جائے تو۔ تو ہماری بیٹی کی شفاف پیشانی پر تو داغ لگ جائے گا ناں۔" گو وہ ان کو ہر طرح سے قائل کرنا چاہتی تھی۔

"مجھے اپنے خدا پر بھروسا ہے تم اپنی نیت درست رکھو اور آؤ۔"

حبیب صاحب ان کا ہاتھ پکڑ کر اماں جان کے کمرے میں لے گئے تو عفت بیگم تمام وقت منہ پھلائے بیٹھی رہیں۔ سب نے ہی ان کے پھولے منہ کو دیکھا پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"لگتا ہے عفت تم خوش نہیں ہو نکاح سے؟" بھائی صاحب نے پوچھا تو وہ بے بسی سے ان کو اور شوہر کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"بھائی جی ہماری حیثیت ہی کیا ہے کہ اپنی رائے دیں۔ ایک ماں کو اپنی بیٹی کے بارے میں رائے دینے کا بھی اس خاندان میں حق نہیں تو پھر۔" ان کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ اماں جان نے چشمے کی اوٹ سے عفت جہاں کو دیکھا پھر حبیب صاحب کو دیکھا انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کہا کہ اس کی کسی بات سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں آپ کارروائی جاری رکھیں۔

"عفت بیٹی' تمہیں پورا حق ہے کہ تم اپنی بیٹی کے لیے جو کہنا چاہتی ہو' جو کرنا چاہتی ہو وہ کرو لیکن یہ بات ذہن نشین کر لو کہ انشاء اللہ یہ نکاح آئندہ جمعے کو ہو جائے گا۔ میرے اللہ نے چاہا تو۔"

اماں جان نے گویا اپنا فیصلہ سنا دیا۔ عفت جہاں کی گویا ٹانگوں سے جان نکل گئی۔

"اماں جان یہ آپ سب کا ایک طرفہ فیصلہ ہے۔ میں اس میں خوش نہیں ہوں اور نہ ہی میری بیٹی تیار ہے۔" انہوں نے جذباتی ہو کر کہہ تو دیا پھر خیال آیا کہ بشریٰ کی ہدایات تو کچھ اور تھیں کہ اپنے سر کسی الزام کا بوجھ نہیں لینا۔

"جہاں تک ہمیں معلوم ہے ماہ ما نکاح کے لیے تیار ہے لیکن تم ماں ہو چاہو تو خود اپنی بیٹی سے رائے لے لو تاکہ تمہیں کوئی حسرت نہ رہے لیکن اس کے بعد تمہاری کوئی بات نہیں سنی جائے گی۔"

اماں جان نے سرد مگر سخت لہجے میں اپنا اٹل فیصلہ سنا دیا تو وہ کچھ سوچ کر خوش ہو گئیں انہوں نے اٹھ کر ساس کے پاؤں چھو لیے سب ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے اماں جان پھر جیسا آپ کا حکم ہو گا ویسا ہی ہو گا۔"

کسی انوکھے خیال سے ان کی آنکھوں روشن ہو گئی تھیں۔ حبیب صاحب نے سر پکڑ لیا ان کو معلوم تھا کہ اس میں عفت کی جو چال ہے وہ نکاح کے سلسلے کو ختم کرنے کے لیے ہے۔

☆☆☆

جس روز سے ماہ ما اور شہرام نے عفت جہاں کو ٹوکا تھا دونوں ایک دوسرے کا سامنا بھی نہیں کرتے تھے۔ ماہ ما کو اپنی ماں کی پالیسی سمجھ میں آنے لگی تھی۔ وہ تو دونوں کو چاہتی تھی دونوں میں سے کسی کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس وقت بھی شہرام تنہا بیٹھا کوئی پروگرام دیکھ رہا تھا کہ وہ بھی پیچھے سے آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے پلٹ کر اسے دیکھا دبی دبی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بھی آ گئی۔ ماہ ما نے نظریں جھکا لیں۔ عفت جہاں نے یہ منظر اوپر سے دیکھا تو رگوں میں خون کھولنے لگا۔

"ماہ ما" انہوں نے کرخت آواز میں اسے پکارا تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ اس دوران وہ نیچے آ گئیں۔

"جی مما" وہ بمشکل ان کے قریب آ گئی۔ انہوں نے دانستہ طور پر اپنا انداز بدلا۔

"کچھ نہیں جانی میں یہ کہہ رہی تھی کہ ٹونی کی بہت طبیعت خراب ہے اس کو دیکھ آؤ۔"

ٹونی کے ذکر پر شہرام نے ماہ ما کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس نے حکم دیا کہ نہیں جانا لیکن ماں کا اصرار تھا کہ ابھی چلو وہ درمیان میں پھنس کر رہ گئی۔

"مما ٹونی کی عادت ہے جب کوئی بات پوری نہیں ہوتی تو خود کو بیمار کر لیتا ہے خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ اسے بچپن سے جانتی تھی۔ اس کی نیچر کو بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ اس نے انکار کر دیا۔

"ہاں اس کی بہت بڑی خواہش پوری نہیں ہوئی تب ہی تو وہ بہت زیادہ بیمار ہے۔ تم چلو وہ تمہیں دیکھ کر خوش ہو جائے گا۔"

"مما میں کوئی ڈاکٹر ہوں۔ اسے میری نہیں ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔"

ماہ ما نے شہرام کو دیکھتے ہوئے تامل سے کام لیا۔ اس کی نظروں کے زاویے تو عفت جہاں بھی سمجھ رہی تھیں۔

"وہ تمہاری وجہ سے بیمار ہوا ہے اور اس وقت ڈاکٹر کی نہیں اسے تمہاری ضرورت ہے سمجھیں۔"

عفت جہاں اسے سنانے کے لیے مزید بڑھ چڑھ کر بول رہی تھیں۔ ماہ ما دونوں ہاتھ رگڑ رہی تھی۔ شہرام سے زیادہ برداشت نہیں ہوا اور اٹھ کر چلا گیا۔

"اونہہ اس نے تمہیں منع کیا ہو گا ٹونی سے ملنے سے۔" انہوں نے شہرام کی پشت کو گھورتے ہوئے کہا۔

"نہیں تو مما ایسی کوئی بات نہیں وہ کیوں منع کریں گے۔" ماہ ما نے صاف جھوٹ بولا۔

"اس خاندان کے مردوں کو میں جانتی ہوں اچھی طرح سے۔ یہ لوگ اپنی محبت کا جال پھینک کر قید کر لیتے ہیں اور پھر جابر سفاک صیاد بن کر مسکراتے رہتے ہیں۔"

"مما ٹھیک ہے شہرام نے منع کیا ہے مگر ٹونی مجھے خود بھی پسند نہیں۔"

ماہ ما زیادہ دیر اپنی ممی کے سامنے ڈٹ کر ان کے دلائل کا مقابلہ کہاں کر سکتی تھی جلد ہی ہتھیار پھینک دیتی۔

"دیکھا۔ دیکھا تم نے اس نے ابھی سے تمہاری پسند اور ناپسند کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ وہ تمہاری شخصیت کی اس کمزوری سے بھرپور فائدہ اٹھاتا رہے گا۔ جانی تمہیں کیوں پتا نہیں چل رہا بس باپ کی طرح اپنوں کے عشق میں پاگل ہوئی جا رہی ہو۔ چلو بس ٹونی کی طبیعت بہت خراب ہے وہ تمہیں بہت مس کر رہا ہے۔"

اور پھر شہرام نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا۔ ماہ ما ماں کے ساتھ ٹونی کی عیادت کے لیے جا رہی تھی۔ اس نے زور سے دیوار پر مکا مارا۔

ٹونی کے ہاں یہ لوگ تین چار گھنٹے تک رہیں۔ ماہ ما بے چاری پر سب کے سب چھائے ہوئے کسی نہ کسی بہانے شہرام کو غلط انداز میں پیش کرتے رہے۔ ماہ ما بری طرح نروس ہو رہی تھی۔ ایک تو شہرام اس کی پہلی محبت تھا دوسرا اس کا جیون ساتھی بننے جا رہا تھا۔ اس کے بارے میں ایسی باتیں وہ پریشان ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"مما چلیے پلیز میرا دم گھٹ رہا ہے یہاں۔"

پھر گاڑی میں تمام راستہ عفت اس کو سمجھاتی آئیں اور اس وقت بھی لان میں کھڑی ہو کر وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔ چونکہ بجلی گئی ہوئی تھی دونوں کو معلوم نہیں ہو سکا کہ شہرام بھی اس اداس اور ویران ماحول کا حصہ بنا ہوا ہے۔

"مما پلیز ختم کریں اس ٹاپک کو۔ مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہونا چاہیے اور کیا نہیں کیا بہتر ہے اور کیا غلط۔ بس آپ پپا سے بات کریں خدا کے لیے مجھے پریشان نہ کریں۔"

ماہ ما کی بھیگی آواز شہرام کے دل پر قطروں کی صورت میں ٹپکنے لگی۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ کیا بات ہوئی ہے اس کی تمام حسیات بے دار ہو گئیں۔

''ماہ ماجانی تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں نکاح ابھی نہ ہوا ابھی صرف منگنی کر دی جائے بعد میں نکاح اور رخصتی ایک ساتھ کر دیں گے۔''

''کیوں مما اس میں کیا حرج ہے۔ میں شہرام اور پپا سب لوگ تو تیار ہیں پھر۔''

ماہ ما کو ماں کی منطق سمجھ نہیں آرہی تھی۔ وہ جھنجلا رہی تھی۔

''ماہ ما جانی تم اتنی چھوٹی' اتنی معصوم ہو کہ سمجھ بھی نہیں سکتیں کہ جلدی نکاح کر دینے کے بعض اوقات نقصانات بھی ہوتے ہیں۔ بھئی رشتہ تو طے ہے نا پھر میرے خیال میں کسی رسم کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ٹھیک ہے آپ اپنی خوشی کرنا چاہتے ہیں تو منگنی کر دیں۔ نکاح ضروری تو نہیں مگر تمہارے پپا کو نہ جانے کیا ہے کہ نکاح پر دباؤ ڈالتے جا رہے ہیں۔''

اور پھر انہوں نے بے شمار ایسے واقعات سنا ڈالے کہ پہلے نکاح کرنے کے کیا نقصانات ہوتے ہیں کہ فلاح لڑکی کا نکاح ہو گیا۔ لڑکا باہر چلا گیا وہاں اس نے کسی دوسری جگہ شادی کر لی لڑکی کو طلاق بھجوا دی وغیرہ وغیرہ۔ ایسے بے شمار واقعات سنائے کہ معصوم سی ماہ ما کا دل لرز کر رہ گیا۔

''مگر مما شہرام تو ایسے نہیں۔'' اس نے ڈولتے لہجے میں کہا تو شہرام خود کو معتبر سمجھنے لگا کہ وہ اس پر اس کی محبت پر اعتماد رکھتی ہے۔

''ماہ ما جانی تم ابھی نادان ہو نا سمجھ ہو جانی۔ تمہیں کچھ معلوم نہیں کوئی اپنا ہو یا غیر ہو کسی کے فورہیڈ پر نہیں لکھا ہوتا کہ وہ کیسا ہے کیا خبر کہ شہرام بھی ایسا ہی ہو جو لڑکیوں کے ساتھ دھوکا کرتے ہیں۔ دیکھو ناں امریکا میں رہا ہے پڑھ رہا ہے تو۔'' عفت شہرام کے خلاف بولے گئیں۔

''نہیں مما میں یہ سب نہیں مان سکتی۔ شہرام تو آئینے کی طرح ہیں صاف شفاف۔''

ماہ ما مستقل شہرام کا دفاع کر رہی تھی۔

''آئینے کی بلیک سائڈ دیکھی ہے کبھی تم نے؟'' پھر وہی ہولناک قصے اور واقعات عفت جہاں نے ٹھان لی تھی کہ آج کوئی فیصلہ کر کے ہی دم لیں گی۔

''مما آپ...... آپ کیا چاہتی ہیں؟'' آخر کہاں تک وہ زبردست طوفانی موجوں سے لڑتی۔ اس نے اپنی محبت کی ناؤ کو ماں کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ شہرام نے دل تھام لیا کہ اب نہ جانے یہ خاتون اس سے کیا عہد لے لے۔

''جانی میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم نکاح سے انکار کر دو۔ ہم صرف منگنی کریں گے بس میں یہ چاہتی ہوں۔ بولو یہ کوئی غلط بات ہے۔''

ماحول پر سناٹا چھا گیا۔ شہرام سانس روکے ماہ ما کا جواب سننے کے لیے خود کو تیار کر رہا تھا۔ ماہ ما چپ تھی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا جواب دے۔

''بولو بے بی میں تمہارا جواب سننا چاہتی ہوں؟'' انہوں نے اس کا شانہ ہلایا۔

''او کے مما جیسا آپ چاہیں گی میں ویسا ہی کروں گی۔'' شہرام ڈھے سا گیا۔ ماہ ما کی سسکیوں کی آواز فضا میں گونج گئی۔ عفت جہاں خوش ہو گئیں۔ ماہ ما اندر چلی گئی پھر عفت بھی چلی گئی۔ شہرام خوابوں کی کرچیاں سمیٹتا وہیں سناٹوں میں کھویا رہا۔ اب عفت شہرام سے بات کرنا چاہتی تھیں۔ بیٹی کی لگام تو انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی اور ان کو معلوم تھا کہ ماہ ما کتنی ہی کمزور سہی اس کی بات بھی رد نہیں کر سکتی تھی۔ اس وقت شہرام کہیں جانے کو تیار ہو کر آیا تو عفت جہاں نے روک لیا۔

''شہرام بیٹے میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔'' عفت کا لہجہ شہد میں ڈوبا تھا۔

''جی حکم دیجیے۔'' وہ رات بھر خود کو سمیٹتا رہا تھا۔ اب وہ ہر قسم کی بات کہنے اور سننے کے لیے تیار تھا۔ ماہ ما ہی اس کا مان تھی جب وہی ڈھے گئی تو وہ کیوں اکڑتا۔

''وہ دراصل بات یہ ہے کہ......'' اور پھر لمبی تمہید کے بعد وہ اصل مقصد پر آگئیں۔

''شہرام بیٹے دراصل ہم چاہتے ہیں کہ تم دونوں کا نکاح کے بجائے منگنی کر دی جائے تو کیسا رہے گا۔''

شہرام نے اس بے حس عورت کو دیکھا جو قتل کر کے زخموں پہ نمک پاشی کی رائے لے رہی تھی۔ وہ دکھ سے مسکرا دیا۔

''آپ لوگ بزرگ ہیں یقیناً بہتر فیصلہ ہی کریں گے۔ میرے ذاتی خیال میں تو نکاح نہیں تو پھر منگنی کا تکلف بھی کیوں۔ نکاح آپ لوگوں کو پسند نہیں اور منگنی مجھے گوارہ نہیں اس بات کو ختم سمجھیں۔'' شہرام نے بوجھل آواز میں کہا اور دکھتے دل کو لیے بے جان قدموں سے باہر نکل گیا۔ اسی وقت حبیب صاحب اندر آئے۔

''یہ شہرام کیا کہہ رہا تھا؟'' حبیب صاحب نے سنا تو نہیں تھا مگر اتنا ان کو معلوم تھا کہ وہ کچھ کہہ کر ضرور گیا ہے۔ عفت جہاں کی تو شہرام نے مشکل آسان کر دی تھی۔ وہ اس کے زخموں کو اس کے ٹوٹے لفظوں کو اس محاذ جنگ میں اسی کے خلاف استعمال کر سکتی تھیں۔ انہوں نے زبردست ڈراما تیار کر لیا تھا اس کے چند الفاظ سے۔

''کیا کہہ رہا تھا سن سکیں گے' کیا کہہ گیا ہے؟ سچ کو برداشت کرنے کا حوصلہ ہے آپ میں؟'' انہوں نے شاطرانہ انداز میں ان کو دیکھا جو پریشان ہو گئے تھے۔

''میں پہیلیاں بوجھنے کے موڈ میں ہرگز نہیں ہوں۔ صاف اور سادہ الفاظ میں بتاؤ۔ کیا کہہ رہا تھا۔''

حبیب صاحب نے ذرا سختی سے کہا تو عفت جہاں نے ان کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ بیٹھ گئے تو خود

"تمہارا تو دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے رفیق نے۔ ذورین انسان کو اتنا احسان فراموش نہیں ہونا چاہیے کہ...... اونہہ اس رفیق کو تو میں سمجھ لوں گا۔ اول تو یہ کہ وہ ہمارا حق نہیں چھین رہے اور اگر ایسا کچھ ہوتا بھی تو یہ دیکھو انہوں نے ہمیں اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہا ہے۔ ہمیں کبھی اپنے ماں باپ کی کمی محسوس ہونے نہیں دی ہے۔ اور یوں بھی پپا کا اپنا الگ سے بزنس ہے اور ان کے بزنس پر ظاہر ہے نیلو ہی کا حق ہے۔"

"ہاں! میں سب جانتا ہوں ان کے بزنس کو، کیا تھا ان کے پاس جب یہ لوگ ہمارے گھر آئے تھے۔ گھر سے بھاگ کر انہوں نے شادی کی تھی تو ان کے پاس کیا ہو سکتا تھا؟"

"شٹ اپ ذورین تم حد سے بڑھ رہے ہو۔ اس رفیق کو تو اب گھر سے نکلنا ہی پڑے گا۔"

عمار نے محسوس کر لیا تھا کہ ذورین کو رفیق نے اس حد تک خودسر کر دیا ہے کہ وہ عثمان صاحب اور عاتکہ کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

"اور اگر رفیق کو نکالا گیا تو میں کچھ بھی کر سکتا ہوں بھائی میں اس عثمان کو..."

ابھی اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی دروازہ ہلکی سی دستک کے ساتھ کھلا اور عثمان صاحب اور عاتکہ اندر داخل ہوئے۔ عمار ان کو دیکھ کر اندر تک سن ہو گیا کہ کہیں انہوں نے ذورین کی باتیں سن نہ لی ہوں۔ کچھ دیر کے لیے تو ذورین بھی سہم گیا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ اتنی نفرت اتنی بغاوت کے باوجود وہ کھلم کھلا ان کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار نہیں کر پاتا تھا۔

"ماشاء اللہ بھئی آج تو کچھ بانٹنا چاہیے' ہمارے دونوں بیٹے ایک ساتھ مل گئے ہیں۔"

عثمان صاحب حقیقی پدری خوشی کے ساتھ دونوں کی طرف بڑھے تو ذورین چور نظروں سے عاتکہ کو دیکھنے لگا۔ اسے اگر کسی کا خیال تھا تو وہ عاتکہ ہی تھی۔ عثمان صاحب نے دونوں کو ساتھ لگانے کی کوشش کی۔ ذورین کترا کر پیچھے ہٹ گیا۔ انہوں نے ایک نظر اسے پھر عاتکہ کو دیکھا۔ عمار ان کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے معذرت کی۔

"ہاں تو کیا موضوع زیر بحث تھا ہمارے بیٹوں کے بیچ؟"

عثمان اور عاتکہ صوفے پر ذورین نے قریب ہی بیٹھ گئے۔ عمار اور ذورین نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ذورین کی نظر میں ہلکی سی ندامت کی شبیہہ تھی عمار بات بنانے لگا۔

"جی پپا وہ بس اس کو بتا رہا تھا کہ ایڈمیشن کھل گئے ہیں۔ جا کر یونیورسٹی سے فارم وغیرہ لے آؤ۔"

"کیوں بھئی ہمارا بیٹا کیوں زحمت کرے فارم لانے کی میں نے فارم منگوا لیے ہیں۔ یہ لو میں لے کر آیا ہوں۔ فل کر کے دے دو تاکہ" عثمان نے انجینئرنگ یونیورسٹی سے منگوائے گئے فارم

ذورین کی طرف بڑھائے تو وہ ان کو چھوئے بغیر کھڑا ہو گیا۔

"مجھے انجینئرنگ نہیں پڑھنی۔" اس نے اکھڑ لہجے میں کھٹ سے انکار کر دیا۔

"کیوں بیٹا یہ میری خواہش ہے کہ میرا عمار بیٹا بزنس میں آئے تم انجینئر بنو اور نیلو ڈاکٹر بنے۔ الحمد اللہ یہ دونوں تو منزل کی جانب چل پڑے ہیں۔ عمار امریکا جا رہا ہے پڑھنے نیلو کا میڈیکل میں ایڈمیشن ہو گیا ہے۔ تمہارے لیے تو میری شدید خواہش ہے کہ تم انجینئر بنو اسی لیے میں نے تمہارے لیے......"

"SORRY TO SAY" میں کسی کی خواہش کا پابند نہیں ہوں۔ میری اپنی سوچ ہے اپنی خواہش ہے۔ میں...... میں انجینئر...... کم از کم نہیں بننا چاہتا۔" عمار غصے میں اٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔

"ابھی رہنے دو بیٹا۔ کل نیلو کے ایڈمیشن کی خوشی میں میلاد شریف ہے۔ فنکشن ہے کہیں مزید گڑبڑ نہ کر دے۔"

عمار چپ چاپ واپس آ کر بیٹھ گیا۔

☆☆☆

نیلو کے میڈیکل میں ایڈمیشن کی خوشی میں میلاد شریف قرآن خوانی کرائی گئی۔ لائٹنگ کی گئی۔ بہت سے مہمانوں کو مدعو کیا گیا۔ ایک شادی کا سا سماں تھا۔ سنہری لباس میں نیلو قدرے تیز میک اپ میں بہت پیاری لگ رہی تھی اور ذورین کو چڑانے کے لیے خوب شوخ ہو رہی تھی۔

"ارے حامد اچھا ہوا آپ آ گئے۔" نیلو حامد کو دیکھ کر دور سے چلائی تو وہ ذورین کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا رک کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ ذورین کو غصہ آ گیا۔

"جی میں تم سے بات نہیں کر رہا۔" حامد نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"کیوں جی' ہم نے آپ کے کون سے کھیت اجاڑے ہیں؟" وہ اٹھلائی۔

"دنیا جہاں کے لوگوں کو انوائیٹ کیا گیا ہے اور مجھے نہیں۔" حامد واقعی اس بات پر خفا تھا۔

"یہ جو بھرم ہوتا ہے ناں حامد یہ بڑی عزت والی چیز ہوتا ہے اور مجھے عزت والی چیزوں کی عزت عزیز ہوتی ہے۔ اور یوں بھی سڑیل لوگوں کو تو ہم نے انوائیٹ کیا ہی نہیں نہ خود خوش رہتے ہیں اور نہ رہنے دیتے ہیں۔"

نیلو کے نشانے پر ذورین تھا اس لیے حامد نے مائنڈ نہیں کیا۔

"چلو خیر مبارک ہو۔ لگتا ہے بہت خوش ہو۔"

"ارے بھئی ایسی ویسی۔ الحمد اللہ خوشیوں کے یہ شادیانے روشنیاں میرے اعزاز میں ہیں تو پھر

خوش کیوں نہ ہوں گی۔ میں اللہ کا شکر ادا نہیں کر سکتی کہ اس کی ذات پاک نے اتنی خوشیاں دی ہیں اتنی کہ......'' وہ بچوں کی طرح دونوں بازو پھیلا کر گھوم گئی۔ بدقسمتی سے ذورین قریب ہی کھڑا تھا۔ اس کا چوڑیوں بھرا ہاتھ اس کے منہ پر لگا تو اس نے اس کی بھری ہوئی کلائی اس طرح پکڑی کہ بے شمار چوڑیاں ٹوٹ گئیں اور اس کی کلائی زخمی ہوگئی اور تکلیف سے اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

''اپنی خوشیوں کو اپنے تک محدود رکھواوکے!'' وہ دانت پیس کر بولا۔

''تو آپ کا کیا خیال ہے کہ میں اپنی خوشیاں آپ کو ڈونیٹ کر دوں گی۔ تو نیور کبھی سوچنا بھی مت اوکے!'' وہ بھی اسی کے انداز میں بولی۔ آواز کی لرزش اور پلکوں کی نمی کو چھپانے کے لیے اس نے ہونٹ کاٹ لیے۔ حامد نے ایک نظر اس پر ڈالی اس کا دل خراب ہوگیا۔ کتنی شوخ اور پیاری لگ رہی تھی۔

''میں ذرا شکیل کی طرف جا رہا ہوں۔ تمہیں ٹھہرنا ہو تو ٹھہر جاؤ ورنہ میں جا رہا ہوں۔''

وہ دروازے کی جانب بڑھتا ہوا بولا تو حامد نے بے چارگی سے نیلو کو دیکھا۔

''جائیے...... جائیے حامد صاحب آپ بھی جائیے۔ کچھ لوگ اتنے غیر اہم ہوتے ہیں کہ گھر میں موجود ہوں نہ ہوں احساس ہی نہیں ہوتا جائیے۔'' نیلو کے لہجے میں سرد بارشوں کا بھیگا پن تھا۔ دونوں چلے گئے تو نیلو وہیں صوفے پر ڈھیر ہوگئی تھی۔ ساری خوشیاں، ساری روشنیاں تو وہ ستم گر ساتھ لے گیا تھا۔

''جاؤ چلے جاؤ ذورین چلے جاؤ۔ کہیں دور چلے جاؤ نکل جاؤ میرے گھر سے میرے دل سے میرے خوابوں سے چلے جاؤ...... چلے جاؤ۔'' وہ وہیں پانی میں بھیگتی رہی۔

☆☆☆

''کہانی تو بہت الجھ گئی ہے رفیق میاں، یہ عثمان صاحب تو ڈھیرے ڈھیرے ساری جائداد اپنی بچیوں کے نام کرتے جا رہے ہیں اور ذورین میاں اور عمار میاں تو...... نہیں میں تو ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ کل ہی شجاع الدین کے پاس جاؤں گا۔ اپنی سوچ کا بندہ ہے سب سنبھال لے گا۔ خود بھی کمائے گا اور مجھے بھی کھلائے گا...... ہا...... ہا......''

رفیق اپنے کوارٹر میں اپنے بستر پر لیٹا رنگین خواب دیکھ رہا تھا۔ شجاع الدین اکبر صاحب کا اکاؤنٹنٹ تھا۔ اول درجے کا فراڈی اور بے ایمان آدمی تھا۔ رفیق کی اس سے بنتی تھی اور رفیق نے اب اسے اپنی پلاننگ میں شریک کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اگلے ہی روز وہ اس کی کوٹھی پر جا پہنچا جو اس نے دو نمبر کے کاموں سے بنائی تھی اور اب اپنی دو بیٹیوں اور ایک عدد یتیم بھانجے کے ساتھ رہ رہا تھا۔

''او آؤ...... آؤ...... رفیق کہاں تھے بھئی ایک مدت سے تم۔''

شجاع الدین نے بڑے پرتپاک انداز میں استقبال کیا تو رفیق نے اپنی عادت کے مطابق ٹوپی اتاری پھونک ماری اور شانے کا کپڑا جھاڑ کر پھر شانے پر رکھا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

''کوٹھی تو بڑی زبردست بنائی ہے صاحب آپ نے۔'' اس نے چاروں طرف دیکھا۔

''بس اللہ کا کرم ہے شکر ہے اس کی پاک ذات کا۔ یہ بتاؤ تم یہاں اتنے عرصے کے بعد کہاں؟''

جواباً رفیق نے ساری کہانی اس کے گوش گزار کر دی۔

''رفیق تم......'' اس آواز پر رفیق گھبرا کر مڑا۔

''ارے ہا...... ہاجرہ تم...... تم ابھی تک زندہ ہو؟'' رفیق ہاجرہ کو دیکھ کر بری طرح گھبرا گیا۔ ہاجرہ وہ خاتون تھی جو اکبر صاحب کی پرانی وفادار ملازمہ تھی۔ اکبر صاحب اور ان کی بیگم اس کو بہت پسند کرتے تھے اس پر اعتماد کرتے تھے اور یہ بات رفیق کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ موقع کی تلاش میں رہتا کہ کب اور کس طرح ہاجرہ کو ان لوگوں کی نظروں کے سامنے گرائے۔ کینہ پرور اور حاسد آدمی کے ذہن میں اس شریف عورت کے متعلق بہت سے گندے خیالات آتے۔ وہ اسے ذلیل کرنے کے بہانے تلاش کرتا رہتا مگر ہاجرہ بیوہ عورت تھی۔ تین لڑکیاں تھیں اور وہ اس ٹھکانے پر ہی رہنا چاہتی تھی۔ اس کے لیے اس کی ہر زیادتی برداشت کر جاتی۔ اکبر صاحب اور ان کی بیگم جب ہاجرہ اور اس کی بیٹیوں پر زیادہ مہربان ہونے لگے تو رفیق نے ایک چال چلی اور ہاجرہ چاروں طرف سے گھیر لی گئی۔ بیگم اکبر کا ہیرے کا سیٹ چوری ہوگیا۔ الزام ہاجرہ اور اس کی بیٹی نوراں پر آیا جو کوٹھی میں کام کرتی تھی۔ یہ الزام اتنا جاندار تھا اور ایسے حقائق پر مبنی تھا کہ ہاجرہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی اپنی بے گناہی ثابت نہ کر سکی کیونکہ سیٹ اس کے گھر سے برآمد ہوا تھا۔ اب رفیق کی کوشش تو یہ تھی کہ اس نیک شریف عورت کو عدالت اور تھانوں میں گھسیٹا جائے اور اس نے لاکھ جتن بھی کیے کہ ان بے سہارا عورتوں کو ذلیل و رسوا کیا جائے مگر اکبر اور بیگم اکبر بے حد اچھے اور نیک دل لوگ تھے انہوں نے کسی بھی کارروائی سے گریز کیا جس سے ایک بیوہ اور بے سہارا عورت لڑکیوں کے ساتھ خوار ہو جاتی۔ انہوں نے صرف اتنا کیا کہ اسے نوکری سے نکال دیا اور وہ دربدر ہوگئی۔ ایسے میں شجاع الدین نے اسے اپنے گھر ملازمہ رکھ لیا۔ نیک عورت تھی اللہ نے پھر اسے گھر اور عزت دے دی۔ شجاع الدین خود تو کوئی نیک آدمی نہیں تھا البتہ بیوی بہت شریف اور نیک عورت تھی۔ انہوں نے ہاجرہ کو بہن بنا کر گھر میں رکھا اور بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں جانا۔ اب ایک عرصے کے بعد دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو رفیق کی پیشانی پر خنکی کے باوجود پسینہ آ گیا جبکہ ہاجرہ کے اندر طوفان اٹھنے لگے زخم پھر سے ہرے ہونے لگے۔ پھر سے ٹیسیں اٹھنے لگیں تو وہ تڑپ اٹھی۔ اس کے جی میں تو آیا کہ

شجاع الدین کے سامنے اس کا پول کھول کر رکھ دے مگر وہ سمجھ دار عورت تھی۔ اس نے اسے بے نقاب کرنے کے لیے خدا سے بے شمار دعائیں مانگی تھیں اور اسے دوبارہ زندگی کی راہوں پر گامزن دیکھ کر اسے یقین ہو گیا تھا کہ جیسے اللہ نے اس کی دعائیں سن لی ہیں وہ اسے بے نقاب کرنا چاہتی تھی۔ ساری دنیا کے سامنے مگر ایسے نہیں ٹھوس شواہد کے ساتھ۔ اس لیے اس نے غصے کے طوفان پر قابو پایا۔

''اے میرے رب عظیم' مجھے صبر و ضبط اور حوصلہ عطا فرما اور اس ذلیل آدمی کو ایسا بے نقاب کر کہ یہ کسی اور کو دھوکا نہ دے سکے۔''

''اسلام علیکم بھائی رفیق میں خدا کے فضل و کرم سے زندہ ہوں۔ تم سناؤ کیسے ہو اور بہن نسرین کیسی ہے؟'' ہاجرہ نے اخلاق سے اس پر حملہ کیا تو اس نے شانے پر سے کپڑا اتارا جھاڑا اور چہرہ صاف کرنے لگا۔ اس اطمینان کے ساتھ کہ ہاجرہ وہ واقعہ بھول چکی ہے۔

''وعلیکم السلام ہاجرہ بہن رہی نسرین کی بات تو زندہ ہے کمبخت ابھی تک۔ مرتی ہی نہیں کہ دوجا چانس بنے۔'' اس نے چور چوری نظروں سے اسے دیکھا تو وہ ہنس پڑی۔

''بھائی رفیق تم نہیں بدلے تمہاری وہی باتیں ہیں۔ اتنی اچھی نسرین کو تم نے کبھی...... خیر چھوڑو تم اتنا عرصہ کہاں رہے اور اب اچانک ملاقات ہوئی۔ دیکھو زندگی کے چکر بندے کو کہاں سے کہاں ملا دیتے ہیں۔''

ہاجرہ خود پر قابو پا چکی تھی اور وہ اس طرح ظاہر کر رہی تھی کہ وہ پرانی باتیں اور اس واقعے کو بھی بھول چکی ہے جس نے اس کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا تھا جس نے اسے اتنے اچھے مالکوں کی نظروں میں گرا دیا تھا۔

''ہاں بس ایسا ہی ہے یہ بتاؤ تمہاری بیٹیاں کیسی ہیں کہاں ہیں؟ اب تو بڑی ہو گئی ہوں گی؟'' رفیق نے چور لہجے میں پوچھا۔ اس سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ وہ گھبراہٹ میں ہاجرہ کو پہچان گیا تھا۔ اگر نہ پہچانتا تو کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ اب شجاع الدین کے سامنے اسے اس غلطی کو نبھانا ہی تھا۔

''اللہ کا بڑا فضل و کرم ہوا مجھ گناہگار پر بھائی رفیق۔ نوراں اور مہراں کا تو اللہ نے ایسے گھر اور شوہر دیے ہیں کہ راج کرتی ہیں' میری بچیاں۔ شکر ہے اللہ کا البتہ شانو جو اس وقت ایک سال کی تھی اب بڑی ہو گئی ہے۔ اٹھارہ برس کی ہو گئی ہے۔ بہت شوخ اور نٹ کھٹ ہے۔''

ہاجرہ نے بڑی تفصیل سے تعارف کرایا۔ شجاع الدین اندر کی کہانی سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ دونوں کو باری باری دیکھ رہے تھے۔

''اچھا' اچھا۔ بڑی خوشی ہوئی ہے ہاجرہ بہن تم سے مل کر۔ آؤں گا کسی روز تمہاری طرف بھی۔'' رفیق نے کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ کن انکھیوں سے شجاع الدین کو دیکھا جو بغور دونوں کا جائزہ لے رہے تھے۔

''کل کس نے دیکھی ہے بھائی رفیق تم آج ہی چلو میرے کوارٹر۔ تم سے کچھ باتیں بھی کرنی ہیں۔''

ہاجرہ نے یوں ہی کہا تھا مگر رفیق کا ماتھا ٹھنکا۔

''ہاں ..... نہیں آج ملاقات تو ہو گئی ہے ناں اب میں پھر کسی دن آؤں گا بلکہ اب تو آتا جاتا ہی رہوں گا۔ آؤں گا تمہارے گھر بھی۔'' رفیق کہہ کر گزر گیا۔

''اچھا بھائی جیسی تمہاری مرضی میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' ہاجرہ نے مسکین لہجے میں کہا۔ اور چلی گئی۔ رفیق نے دور تک جاتی ہوئی ہاجرہ کو دیکھا پھر مڑ کر شجاع الدین کو دیکھ کر کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا۔

''لگتا ہے بڑی پرانی دوستی رہی ہے تم لوگوں میں؟'' شجاع الدین نے سگار سلگایا۔

''اجی رہنے دیجیے سرکار ایسی عورت سے میں دوستی کروں گا۔ وہ کم بدنصیبی سے ایک گھر میں ہم دونوں ملازم تھے۔ ویسے تو یہ اچھی عورت ہے مگر آپ جانیں صاحب یہ لالچ بڑی ہی بری چیز ہے۔ ایک روز اس نے صاحب کی بیگم کا ہیرے کا سیٹ چرا لیا اور فرار ہو گئی پھر نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانتی رہی کبھی زندگی میں ملاقات ہوئی ہی نہیں۔ اب آپ کے گھر پر ملاقات ہوئی ہے۔''

رفیق نے ایک بار پھر اس کے کردار کو دھندلا دیا۔ شجاع الدین نے بغور اسے دیکھا گہرا کش لیا اور اٹھ کر اس کے منہ پر دھواں نکال دیا۔

''اچھا ..... واقعی۔'' ان کے لہجے کی بے یقینی نے رفیق کو پریشان کر دیا۔

''جھوٹ بولوں تو اپنی گردن کٹا دوں صاحب' ایسی ہی بات ہے۔''

اس نے نظریں کترا کر پھر اپنی گردن پیش کر دی تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

''ارے ڈر گئے رفیق میاں ہم نے کب تمہیں جھوٹا کہا ہے۔ ویسے گردن کٹوانے کی عادت تمہاری گئی نہیں۔'' وہ پھر ہنس پڑے۔

''خدا ہر برائی سے محفوظ رکھے کوئی بری عادت ہی نہیں۔ ویسے آپس کی بات ہے یہ عورت بہت ایماندار اور اچھی ہے۔ قابل اعتماد اتنی ہے کہ ہم اس پر سارا گھر چھوڑ کر جاتے ہیں مگر تنکے کی چیز یہاں سے وہاں نہیں ہوئی آج تک۔'' شجاع الدین نے سچائی سے اعتراف کیا۔

''یہ تو میں جانتا ہوں صاحب کہ بڑی اچھی عورت ہے مگر خدا میرا ہی بھلا کرے لالچ بری چیز ہے صاحب' کبھی کبھی بندہ لالچ میں اندھا بھی تو ہو جاتا ہے۔''

''بالکل درست کہا تم نے۔ خیر یہ بتاؤ کیا خبریں ہیں اور تم کس چکر میں آئے ہو؟''

اور پھر رفیق نے شجاع الدین کو ساری کہانی سنادی۔ اپنے عزائم سے بھی آگاہ کردیا۔ نفع اور نقصان کا گراف بھی سامنے رکھ دیا تو شجاع الدین کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

''ارے بھئی! اکبر صاحب کی دولت جائداد اتنا ہی لوٹ کا مال بنی ہوئی ہے تو اس پر ہمارا بھی حق بنتا ہے۔''

''خدا میرا ہی بھلا کرے صاحب اس لوٹ کے مال میں آدھا حصہ میرا ہوگا۔''

رفیق نے دیکھ لیا تھا کہ بندہ لالچ میں آچکا ہے لہٰذا اس نے بھی ڈیمانڈ رکھ دی۔

''آدھا حصہ۔'' شجاع الدین جو ہمیشہ سے لوٹ کے مال میں اپنا ہی حق جانا کرتا تھا' رفیق کو کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا پھر کچھ سوچ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔

''آدھا کیا رفیق تم سارا رکھ لینا۔ ہم تو یاروں کے یار ہیں تم بتاؤ کرنا کیا ہے؟''

اور پھر رفیق نے جو سوچا تھا وہ اس کے گوش گزار کردیا۔

''ہوں تو گویا اکبر کے رشتے دار ہونے کا بھرپور ڈراما کرنا ہے۔ کوئی مسئلہ نہیں یار نو پرابلم۔''

''خوش ہوکر شجاع الدین نے گہرا کش لیا۔ دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہاجرہ کو کوئی بات واضح انداز میں تو سمجھ میں نہیں آرہی تھی مگر چونکہ رفیق کو وہ اچھی طرح جانتی تھی اس لیے اسے خطرے کی گھنٹیاں قریب سنائی دینے لگیں اور اسے یہ بھی گمان ہورہا تھا کہ جو کوئی بھی سازش ہورہی ہے وہ اکبر صاحب کے بیٹوں اور ان کی جائداد کے خلاف ہورہی ہے۔

''اب میں تمہیں کسی سازش میں کامیاب ہونے نہیں دوں گی' رفیق۔ اپنے ان محسنوں کو برباد نہیں ہونے دوں گی۔'' ہاجرہ چپکے سے باہر نکل آئی اور جب تک رفیق باہر نکلتا وہ ایک کہانی تیار کرچکی تھی۔

''اچھا صاحب اب میں چلتا ہوں۔ تو اب آپ جلدی سے اپنے آنے کی اطلاع کردیجیے گا لیکن ایک بات کا خیال رکھیے گا کہ ایکٹنگ جاندار ہونی چاہیے۔ وہ بہت سمجھدار لوگ ہیں۔''

رفیق نے پلٹ کر شجاع الدین کو تاکید کی تو وہ ہنس پڑے۔

''یہ تم ہم سے کہہ رہے ہو کہ...... ارے میاں تم دیکھنا تو سہی ایسی اداکاری کروں گا کہ تم خود بھی اکبر کا قریبی عزیز مان لوگے۔''

''اچھا صاحب تو پھر اب میں چلتا ہوں خدا حافظ۔''

رفیق نے جھک کر سلام کیا۔ اپنا ٹوپی والا عمل دہرایا اور باہر نکل گیا۔ اب وہ ہاجرہ سے بچتا ہوا چور نگاہوں سے یہاں وہاں دیکھتا ہوا طویل لان عبور کرکے گیٹ تک پہنچا تو اطمینان کا گہرا سانس لیا کہ ہاجرہ نے نہیں دیکھا وہ اس کی یہاں موجودگی سے خاصا بے مزہ ہوگیا تھا۔

''بھائی رفیق!'' وہ گیٹ سے ایک پاؤں نکال چکا تو پیچھے سے ہاجرہ نے پکارا۔ وہ بہت بددلی سے مڑا۔ غصہ تو بہت آرہا تھا مگر مجبوراً مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ مڑا۔ اب وہ اس سے بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔

''ہاں بہن ہاجرہ بولو کیا بات ہے؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی اسے لہجے میں شیرینی گھولنی پڑی۔

''تم میرے کوارٹر تو آؤ ناں کچھ باتیں کرنی ہیں تم سے۔'' ہاجرہ کو معلوم تھا وہ کترا رہا تھا مگر وہ بھی بضد تھی۔ ''اچھا چلو' ویسے میرے پاس وقت نہیں ہے۔'' رفیق اندر ہی اندر خوف زدہ تو ہورہا تھا کہ اب جانے اس نے کیا باتیں کرنی ہیں وہ دم دبائے اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا اس کے کوارٹر تک آگیا۔

''شانو بیٹی دروازہ کھولو میں آئی ہوں۔'' ہاجرہ نے باہر سے آواز لگائی تو شانو بھاگی آئی۔ دروازے کی جھری سے دیکھا تو سامنے رفیق کھڑا تھا اور رفیق اس وقت سردی سے بچاؤ کے لیے عجیب سی ٹوپی پہنے ہوئے تھا جس کی وجہ سے وہ بندر لگ رہا تھا شانو چیخ پڑی۔

''ہائے اماں جی آپ بندر کیسے بن گئیں؟'' وہ چلائی تو ہاجرہ مسکرانے لگی' رفیق کو دیکھ کر۔

''ارے بیٹی یہ میں نہیں تمہارے چاچا ہیں رفیق بندر...... میرا مطلب ہے رفیق چاچا...... دروازہ کھولو۔''

اور پھر شانو نے دروازہ کھولا۔ رفیق کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ اندر آیا۔ شانو نے سر سے پیر تک اسے دیکھا اور زور سے ہنس پڑی۔ وہ مزید کھسیانہ ہوگیا۔ وہ اس وقت خاصا بے بس سا محسوس کررہا تھا خود کو۔

''اچھا تو یہ تمہاری لڑکی ہے؟'' رفیق کو نہ جانے کیوں شانو کی ہنسی سے خوف آرہا تھا۔

''جی نہیں میں اماں کی لڑکی نہیں میں تو اماں کی بیٹی ہوں۔''

وہ اٹھلا کر بولی ہاجرہ بھی مسکرانے لگی۔

''میں نے بتایا تھا ناں یہ بہت شریر ہے۔ شانو چل چاچا کے لیے چائے بنا۔ آؤ بھائی رفیق یہاں بیٹھو۔''

ہاجرہ نے گھر کی اکلوتی کرسی اسے پیش کردی۔ شانو جو چائے بنانے جارہی تھی ایک دم پلٹی۔

''کیا کرتی ہیں اماں کرسی پر گرد جمی ہوئی ہے ذرا رکو چاچا جی کرسی صاف کردوں۔''

اور رفیق جو بیٹھنے کے لیے جھک چکا تھا' شانو نے کرسی صفائی کے لیے کھسکائی تو رفیق زور سے نیچے گرا۔ اس کا سر میز سے ٹکرایا جس پر رکھا گلاس ٹن سے اس کے سر پر آکر لگا۔ وہ بلبلا اٹھا۔

''ہائے اللہ۔'' رفیق چلایا [illegible] شانو اس کی طرف دوڑی۔

''گلاس ٹوٹا نہیں چاچا جی' اسٹیل کا ہے۔ آپ یہاں بیٹھو میں آپ کے لیے چائے میں زہر ملا کر ..... میرا مطلب ہے چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' شانو نے دھان پان رفیق کو جھٹکے سے اٹھایا اور کرسی پر دھکا دے کر بٹھا دیا۔ وہ سر تھامے ہائے وائے کرتا رہا۔

''بہن ہاجرہ تمہاری لڑکی تو بہت شیطان ہے۔ ہائے میرا سر۔'' رفیق کراہا۔

''چاچا جی آپ کی بھتیجی ہوں ناں شیطان کی بھتیجی بھی۔''

''شانو مت تنگ کر اپنے چاچا کو جا اب چائے بنا کر لا۔'' شانو چلی گئی تو ہاجرہ نے اپنے سوچے سمجھے منصوبے پر عمل درآمد کے لیے قدم بڑھا دیے اور رفیق کو مجبور کیا کہ وہ شانو کو اکبر صاحب کے ہاں ملازم رکھوا دے۔

''تمہارا یہ احسان میں عمر بھر نہیں اتار سکوں گی۔ شانو کو ملازم رکھوا دو میں اب بوڑھی ہو گئی ہوں۔ بیمار رہتی ہوں اس لیے چاہتی ہوں کہ اب شانو کام کرے۔ تم اسے وہاں رکھوا دو تمہاری تو خوب چلتی ہے ناں وہاں۔''

''ہوں ..... ہاں اچھا ٹھیک ہے۔'' ان ٹوٹے ہوئے الفاظ کی روشنی میں ..... کچھ سوچ کر ہامی بھر لی۔

☆☆☆

زندگی بہت مشکل اور فیصلہ کن موڑ پر آن کھڑی ہوئی تھی۔ شہرام فیصلے کے اس دوراہے پر کھڑا سوچ رہا تھا کہ کیا کروں۔ اپنے الفاظ کی پاسداری کرتا ہے تو خود ہی برباد ہوتا ہے تمام بزرگ بھی خفا ہو جاتے ہیں۔ ان کا مان ٹوٹ جاتا ہے اور اپنے تمام ذہنی خلفشار کو اس نے اپنے بھائی اور دوست ایاز کے حوالے کر دیا تو وہ بھڑک اٹھا۔

''تم اتنے خود مختار کب سے ہو گئے کہ بڑوں کے فیصلوں کو چیلنج کر دو ان کے فیصلوں کی اہمیت کو ختم کر دو۔ تمہیں اندازہ ہے کہ ماہ ما ہمارے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے۔ اس کو ہر حال میں اس گھر کی بہو بننا ہے اور تم .....''

ایاز کو یہ سن کر دکھ بھی ہوا تھا اور غصہ بھی آیا تھا اور کچھ وہ اندر کی باتیں بھی جانتا تھا۔

''اور کوئی یہ نہیں جانتا کہ ماہ ما میرے لیے کیا ہے کیا حیثیت رکھتی ہے۔'' شہرام بڑبڑایا۔

شہرام نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ اس کی تو عجیب حالت ہو رہی تھی۔ اس کی حالت تو ایسی ہو رہی تھی جیسے ساحل کے قریب آتے آتے کشتی ڈوب جانے پر ملاح کی ہوتی ہے۔

''ہاں اسی لیے تم نے اسے کھو دینے کا فیصلہ اتنی آسانی سے کر لیا ہے۔'' ایاز کو بہت غصہ آیا ہوا تھا اس پر۔

''آسانی سے ..... ہاں آسانی سے ..... یار ایاز میں نے فیصلہ ضرور کیا ہے مگر اس فیصلے کو آسانی کا الزام نہ دو۔ کرب کی ایک اذیت ناک ..... کیفیت سے گزرا ہوں ایک خاردار راستہ تھا یہ فیصلے کا جس کو میں نے کیسی اذیت سے گزارا ہے وہ میں جانتا ہوں۔'' وہ بری طرح اپ سیٹ تھا۔ الفاظ میں اپنی کیفیت کو مقید بھی نہ کر سکا تو اس نے پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور سمجھانے لگا۔

''تمہیں اتنے مشکل راستے پر جانے کی ضرورت ہی کیا تھی جب ہم نے خدا کے فضل سے تمہارے لیے روشنی کے سفر کا اہتمام کیا تھا تو تمہیں کس نے کہا تھا کہ تم تنہا اذیت کے کٹھن راستے کا انتخاب کرو۔''

''ایاز تمہیں شاید اندازہ نہیں کہ چاچی جی مجھے اپنی بیٹی کے قابل سمجھتی ہی نہیں۔ وہ تو یہ چاہتی ہیں کہ یہ سلسلہ جلد از جلد ختم ہو جائے ہر وقت سائے کی طرح ماہ ما کے ساتھ لگی رہتی ہیں۔ اس کو الٹی سیدھی باتیں بتاتی رہتی ہیں۔''

''دیکھو شہرام چاچی جی اس کی ماں ہیں سمجھانا ان کا فرض ہے۔ رہی بات تمہیں ناپسند کرنے کی تو یہ سب جانتے ہیں لیکن چاچا جی جان پر کھیل جائیں گے اگر تمہارا اور ماہ ما کا رشتہ نہ ہوا تو اور یہ بات چاچی جی اچھی طرح جانتی ہیں۔ تم ان کی باتوں میں نہ آؤ صرف ماہ ما کو دیکھا کرو۔''

''ہاں ..... ماہ ما جی کی اپنی نہ کوئی سوچ ہے نہ پسند ہے۔ بے ارادہ منزلوں کی مسافر موم کی ناک کی طرح ہر طرف مڑ جاتی ہے۔ میرے پاس ہو گی تو میری، ماں کے ساتھ ہو گی تو ان کی میں بھلا ..... ایسی لڑکی پر کیا اعتبار کر سکتا ہوں۔ بولو بھائی میں اس کے ساتھ زندگی کے سفر پر کیسے چل سکتا ہوں اس خوف سے لرزتا ہوں کہ وہ کسی بھی موڑ پر میرا ہاتھ چھوڑ کر چلی جائے گی۔''

شہرام کا لہجہ ٹوٹ گیا آواز گہری ہو گئی۔ ایاز سب جانتا تھا گہری سانس لے کر رہ گیا۔

''شہرام دیکھو ماہ ما ابھی بہت چھوٹی ہے اور معصوم بھی بہت ہے۔ اصل میں وہ اپنی مما سے خوف زدہ رہتی ہے اس لیے بھی۔''

''رہنے دو یار وہ اب اتنی بھی بچی نہیں کہ سب کچھ ان ہی پر چھوڑ دے۔ میں نے فیصلہ صرف اس کی بات سن کر .....''

ابھی اس کی بات جاری تھی کہ اسی وقت دروازے پر ہلکی سی دستک کے ساتھ حبیب صاحب اندر آ گئے۔

☆☆☆

حبیب صاحب کو دیکھ کر دونوں مودب ہو کر کھڑے ہو گئے۔

''آیئے چاچا جی' بیٹھیے'' ...

دیکھا جو سر جھکائے کھڑا تھا۔ وہ اس کے قریب آ گئے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیے۔

''شہرام بیٹے میں تمہیں کوئی سرزنش کروں گا اور نہ ہی کوئی بات کنفرم کروں گا اس لیے کہ سب جانتے ہیں کہ عفت جہاں اس رشتے پر تیار نہیں اور یہ وہ عورت ہے جو اپنی بات منوانے کے لیے اپنی بات کی سچائی کو ثابت کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہے۔ میں آئندہ کوئی قدم اٹھانے سے قبل یہ جان لینا بہتر سمجھتا ہوں کہ یہ معلوم ہو جائے کہ تم میں اور ماہ ما میں...... کس حد تک انڈر اسٹینڈنگ ہے ...... کس حد تک ذہنی ہم آہنگی ہے نظریات آپس میں ٹکراتے تو نہیں کیونکہ یہ اس رشتے کی بنیادیں ہیں جن پر تم دونوں کی زندگی کی عمارت کھڑی ہونی ہے۔ تمہیں ماہ ما سے کوئی شکایت تو نہیں؟''

حبیب صاحب نے خود بھی اس مسئلے پر بہت سوچا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ سوچ سمجھ کر بات آگے بڑھائی جائے۔ انہوں نے ماہ ما سے بھی اس سلسلے میں بات کی تھی اور وہ بہت خوش تھے کہ ماہ ما نے اپنی معصومیت کے ساتھ شہرام کو پسند کرنے کا بھی اعتراف کیا تھا اور نکاح پر رضامندی بھی دی تھی اور وہ شہرام سے پوچھ رہے تھے اور وہ ماہ ما سے بہت زیادہ خفا تھا اپنی رائے کے اظہار کی اس اوپن آفر پر بھی وہ احترام کے سبب کچھ کہہ نہیں پا رہا تھا۔

''شہرام بیٹے میں منتظر ہوں تمہارے جواب کا۔''

حبیب صاحب کے اصرار پر اس نے مدد طلب نظروں سے ایاز کو دیکھا چنانچہ اس نے اس کے احساسات کو اپنے الفاظ میں بیان کر دیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں چاچا جی' جہاں تک انڈر اسٹینڈنگ کا سوال ہے تو وہ بہت ہے بلکہ یہ تو شاید اس کے علاوہ......'' ایاز نے اس کی کچھ مشکل آسان کر دی تو جو شہرام کو شکایت تھی وہ اس نے خود کہہ دی۔

''اگر آپ نے مجھے رائے کے اظہار کا حق دیا ہے تو میں معذرت کے ساتھ کہوں گا کہ ماہ ما میں ایک کمزوری ہے کہ وہ ہر کسی کی باتوں میں آ جاتی ہے اور اس کی یہ کمزوری ہماری کامیاب زندگی کی ناکامی بھی ثابت ہو سکتی ہے۔''

شہرام کو ماہ ما کی شخصیت کی اس کمزوری سے بہت چڑ تھی اور یہ بات ہی دونوں میں وجہ اختلاف بنی تھی۔

''ہاں تم نے یہ بات درست تو کہی ہے بیٹا مگر وہ ابھی بچی ہے اور اپنی ماں کے زیر اثر ہے مچور ہو جائے گی تب تمہیں اس سے کوئی شکایت نہیں ہوگی انشاء اللہ۔ خدا کی ذات پر میرا مکمل ایمان ہے کہ وہ بہت اچھی ساتھی ثابت ہوگی۔ بس یا کوئی اور شکایت ہے؟'' حبیب نے پیار سے شہرام کو دیکھا۔ اس کے لبوں پر مودب سی مسکراہٹ آ گئی۔ پھر وہ کتنی ہی دیر دونوں سے باتیں کرتے رہے

سمجھاتے رہے۔ ان کو شہرام کے خیالات اور سوچ جان کر بے حد خوشی ہوئی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کی خوش بختی سمجھ رہے تھے کہ شہرام جیسا شوہر اسے مل رہا تھا۔ وہ عفت جہاں سے ٹکرانے کا عزم لے کر اٹھ کر چلے گئے۔

''واحمق ہو تم۔ خواہ مخواہ میں رائی کا پہاڑ بنا دیا۔ تمہیں سب کچھ برداشت کرنا ہے۔ چاچا جی کی خاطر اس معصوم لڑکی کی خاطر جو تمہیں بہت چاہتی ہے۔''

''تمہیں کیسے پتا کہ وہ مجھے بہت چاہتی ہے۔ مزاج تو اس کے ملتے نہیں؟'' شہرام ابھی بھی بدگمانی کی دھند میں کھڑا تھا۔

''ثبوت چاہیے ناں تو آؤ چلو۔'' دونوں اپنے کمرے سے ماہ ما کے کمرے کی طرف آئے تو اندر سے ماہ ما کی آواز آ رہی تھی۔

''مما پلیز! آپ مجھے تنگ مت کریں۔ میں وہی کروں گی جو پپا کہیں گے اور شہرام مجھے پسند ہے "I LOVE HIM"

''تو...... تو ماہ ما یہ تم نہیں تمہارے اندر وہ شہرام بول رہا ہے۔ یہ ساری جرأت تمہیں اس نے دی ہوئی ہے لیکن میں بھی سب کو سمجھ لوں گی۔ اوکے...... دماغ خراب ہو گیا ہے اس لڑکی کا۔'' عفت غصے میں چلی گئیں۔

''بتاؤ مل گیا ناں محبت کا' چاہت کا ثبوت؟'' ایاز نے شوخی سے کہا تو شہرام خوشی کے لطیف سے احساس کے ساتھ بہت دور نکل گیا تھا۔ ان گنگناتے روشن لمحوں کا تو وہ منتظر تھا جو یوں اچانک چپکے سے کسی غیر متوقع موڑ کی طرح بہاروں کی نوید سنا گئے تھے۔ ماہ ما نے اس کی چاہتوں کا اعتراف کر کے اسے کتنا معتبر کر دیا تھا۔ ایاز چلا گیا تو شہرام ہلکی سی دستک کے ساتھ اندر آ گیا۔ ماہ ما اسے یوں دیکھ کر ایک دم خوش ہو گئی۔

''ماہ ما تم بہت بہت...... بری ہو اتنا کیوں تنگ کرتی ہو مجھے۔ اس روز چاچی جی کے سامنے تم نے کیوں ہار مان لی؟''

''سوری شہرام اس روز میں ڈر گئی تھی مگر آج میں نے مما سے کہہ دیا ہے کہ...... بس...... بس آپ ساری باتیں بھول جائیں۔ آئندہ ایسا کچھ نہیں کروں گی جو آپ کو پسند نہ ہو۔'' ماہ ما قطعی نہیں جانتی تھی' شہرام سب کچھ سن چکا ہے۔

اس کے ملائم رخساروں پر آنسو لڑیوں کی طرح بہہ نکلے۔ شہرام کا ہاتھ بڑھا مگر پھر اس نے ضبط کر لیا اور ہاتھ پیچھے کر لیا اور اس کے آنسو صاف کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

''تمہیں میری ناراضگی کی کیا پروا ہے۔'' اس نے اس کی بھیگی پلکوں کو دیکھا۔

''ایک آپ ہی کی تو ناراضگی کی پروا ہے مجھے۔ بندہ اسی کو مناتا ہے جس کے روٹھنے کی اسے پروا ہوتی ہے..... اور مجھے صرف آپ کے روٹھنے کی پروا ہے۔''

وہ سادہ سی لڑکی تھی جذبات کے اظہار کا انداز بھی بہت سادہ تھا وہ مسکرا پڑا۔

''پروا تو خیر آپ کو ٹونی کے روٹھنے کی بھی بہت ہے اس کو بھی اس طرح منا رہی ہوتی ہیں۔'' شہرام کے لہجے میں چوٹ تھی انداز طنزیہ تھا۔ وہ بھیگی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''شہرام آپ..... آپ ٹونی کو اپنے مقابل کھڑا کر رہے ہیں۔''

ماہ ما کے انداز میں حیرت اور افسوس تھا۔ اس کی آنکھوں سے چند قطرے یوں گرے جیسے پھولوں پر ٹھہر جانے والے قطرے گرتے ہیں۔

''ٹونی کو میں نے نہیں تم نے میرے مقابل کھڑا کیا ہے۔'' ٹونی کے ذکر پر وہ مزید تلخ ہو گیا۔

''نہیں شہرام میں کسی کو بھی آپ کے برابر کھڑا کر ہی نہیں سکتی ٹونی تو...''

''اچھا چلو آج بات کلیئر ہو ہی جائے بتاؤ ٹونی سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟''

وہ اس کے سامنے کھڑا اس کی بھیگی پلکوں کو دیکھ رہا تھا۔ ماہ ما کا دل' نظر' نیت صاف تھی اس نے اعتماد سے شہرام کو دیکھا اور ہاتھ الگ کر لیے۔

''سوائے دوستی کے اور کچھ نہیں۔'' اس نے مضبوط انداز میں کہا۔

''اور مجھ سے؟'' آج نہ جانے وہ کیوں سارے بے حساب باق کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس کی بات پر وہ اسے دیکھنے لگی۔ ایک تو وہ اب روٹھنے جا رہی تھی اور دوسرا وہ اپنے اندر محسوس ہونے احساسات کو کس رشتے کا نام دیتی اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور وہ اس کے لبوں سے اس رشتے کا نام سننا چاہ رہا تھا جسے محبت کہا جاتا ہے۔

"I DONT KNOW" اس کے سادہ سے لہجے میں شکست تھی۔

''جن رشتوں کی کوئی پہچان نہیں ہوتی' کوئی... نام نہیں ہوتا وہ بے نشان منزل کی طرح ہوتے ہیں کہ انسان کٹھن راہوں کی دھول ہو کر رہ جاتا ہے مگر اسے منزل نہیں ملتی اور شاید میں بھی کسی ایسی ہی بے نام ونشان منزل کا راہی ہوں اور...''

شہرام سنگدل بنا بولے جا رہا تھا۔ ماہ ما سے اور ضبط کہاں ہو سکتا تھا۔

''نہیں شہرام آپ اتنے بدگمان ہیں۔ بدگمانیوں کی اتنی شدید آندھی میں...... میں اعتماد' محبت کا دیا کیسے جلا سکتی ہوں۔ بے یقینی سے لرزتی زمین پر کسی جذبے کی بنیادیں کیسے رکھ سکتی ہوں میں...... میں ابھی پپا سے جا کر کہہ دیتی ہوں کہ اماں جان سے کہہ دیں کوئی نکاح نہیں ہوگا بس۔''

وہ گویا پھٹ پڑی۔ اتنے دنوں سے ضبط کیا ہوا لاوا بہہ نکلا۔ نہ جانے کیوں اس کا رونا اس کے الفاظ شہرام کو عجیب طرح کا سکون اطمینان دیتے چلے گئے۔ وہ بھلا اسے کہاں روٹھنے دیتا وہ جلدی سے آگے بڑھا اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے تھام لیے۔

''ارے...... لڑکی کیا غضب کرتی ہو۔ بندہ مارا جائے گا بے چارہ ناحق۔ دیکھو ماہ ما مجھے تم پر اعتماد ہے اور اتنا ہے کہ شاید تم نہیں جانتیں۔ اگر نہ ہوتا تو تمہارے پیچھے نہ آتا۔ راستے سے پلٹ جاتا۔ رہی بات ناراضگی کی تو میں خفا تھا ہوں نہیں۔ یہ تو بس میں تمہیں تنگ کر رہا تھا اور تم اتنے زریں خیالات کا اظہار بھلا کب کرتیں میرے بارے میں جواب غصے میں اگل دیا ہے' جیسے کوئی لہر سمندر سے گوہر نکال کر ساحل پر اگل دیتی ہے۔'' وہ بالکل مختلف شہرام بنا اسے منا رہا تھا۔ وہ پھر کھل کر رو پڑی۔

''آپ بہت برے ہیں۔'' وہ روتے روتے مسکرا دی۔

''اب تو جیسے بھی ہیں قبول کرنا پڑیں گے۔'' وہ بھی ہنس پڑا۔ اسے دیکھتا رہا پھر اچانک جیسے کوئی خیال آیا ہو۔

''ماہ ما ہم اپنی زندگی کے ان خوب صورت روشن لمحوں کو کہیں باہر چل کر سیلیبریٹ کریں۔''

شہرام کا آج شدت سے دل چاہ رہا تھا اس کی سنگت میں کہیں باہر جائے۔

''چلیں لیکن پرمیشن......'' ماہ ما نے پرمیشن کی ہرڈل (رکاوٹ) بیچ میں رکھ دی۔

''نو پرابلم۔ اماں جان سے پرمیشن مل جائے گی تو اور کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' دونوں ہی بچوں کی طرح خوش ہو گئے۔ شہرام اس کے قریب کے لمحوں کو قید کر لینا چاہتا تھا۔ دونوں ابھی ڈھنگ سے خوش بھی نہیں ہو پائے تھے کہ سامنے سے عفت جہاں آ گئیں۔ دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ شہرام نے جلدی سے اس کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ عفت جہاں صورتحال بھانپ چکی تھیں مگر انہوں نے ضبط کا مظاہرہ کیا۔

''ماہ ما ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔'' انہوں نے ایک ترچھی نگاہ شہرام پر ڈالی تو ماہ ما حیرت سے ان کو دیکھ کر رہ گئی۔

''تیار...... مگر کیوں مما؟''

''کم آن بے بی۔ ماریا کی برتھ ڈے ہے۔ چلو جلدی کرو۔''

''ماریا کی برتھ ڈے...... مگر ابھی تو نہیں ہے اس کی برتھ ڈے؟''

ماہ ما کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ماریا کی برتھ ڈے کب ہوتی ہے اور ابھی تو بالکل بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

''اس کی ماں کو زیادہ پتا ہے کہ تمہیں؟ چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ وہ لوگ ہمارا انتظار کر رہے

ہوں گے۔" عفت جہاں شہرام کی موجودگی کو اگنور کر کے ماریا کو اتنی اہمیت دے رہی تھیں۔ شہرام سلگ اٹھا تھا مگر ضبط کیے کھڑا تماشا دیکھ رہا تھا۔

"مما پلیز آج میرا موڈ نہیں میں کل ول چلی جاؤں گی۔"

ماہ ما نے بے بسی سے شہرام کو دیکھا۔ ذرا سا احتجاج کیا اور ماں کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

"ہاں وہ تمہاری خاطر برتھ ڈے کا دن تو بدلنے سے رہی اور تم اپنے موڈ کی اتنی تابع کب سے ہو گئیں۔ چلو اوپر جاؤ...... پانچ منٹ میں تیار ہو کر آ جاؤ ورنہ......"

عفت جہاں نے اسے سیڑھیوں کی جانب دھکیلا۔ وہ پلٹ کر ایک نظر مما کو اور ایک نظر شہرام کو دیکھ کر رہ گئی۔ پھر وہ سیڑھیاں چڑھ گئی اور شہرام کمرے میں آ گیا۔ غصے میں اس نے کمرے کا حلیہ بگاڑ دیا۔

☆☆☆

"محسن صاحب آپ اس طرح کتاب پڑھتے رہ جایئے گا اور وہاں سے سونے کی چڑیا کسی اور کے نصیب میں لکھ دی جائے گی اور ہمارے سنہرے سپنے پچھتاوا بن کر رہ جائیں گے۔"

بشریٰ بیگم اندر آئیں تو محسن صاحب کتاب پڑھ رہے تھے۔

"یار یہ حبیب بھی تو بڑا ہی عجیب آدمی ہے۔ وہاں لندن میں کیسا اچھا دوست تھا۔ ہر بات کا مشورہ لیتا مگر اب تو اسے بات کرنا پسند نہیں اور لڑکی بھی بے اعتبار ہے۔ ایسی سچویشن میں سوچ ہم کیا کر سکتے ہیں یا تو یہ کہ لڑکی کو اپنے قابو میں رکھا جائے۔"

محسن صاحب کتاب ایک طرف رکھ کر پوری طرح بیگم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"جی ہاں اسی لیے میں کئی کئی ڈرامے رچاتی پھرتی ہوں۔ ماریا کی سالگرہ ایویں تو نہیں کر رہی ناں۔ اٹھ کر جایئے اور حبیب صاحب اور ان کی اماں جان کو بلکہ سب کو لے کر آیئے۔ آپ ان پر اس طرح چھا جایئے گا کہ انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔"

بشریٰ بیگم شوہر کو سمجھا رہی تھیں اسی وقت ٹونی بھی آ گیا۔

"مما اس شہرام کے بچے کو نہیں بلانا۔ ایک دم منحوس آدمی ہے I HATE HIM ا ہرگز نہیں بلانا۔"

ٹونی نے کرسی کو ٹھوکر مار کر اپنی نفرت کا اظہار کیا تو وہ دونوں ہنسنے لگے۔

"بیٹا جی رقیب روسیاہ کو ہضم کرنا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں تم کیوں گھبراتے ہو۔ وہ تمہارے راستے کا وہ پتھر ہے بیٹا جسے جب چاہیں ہم لوگ کک آؤٹ کر دیں گے "DONT WORRY"۔

محسن صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے ٹونی کو قریب بٹھالیا۔

"ماہ ما کوئی نہیں سونے کی چڑیا ہے اور دولت کے پہاڑ پر بیٹھی ہے اور ہم نے اس چڑیا کو اس پہاڑ سمیت فتح کرنا ہے۔ یو نو چلو تیار ہو کر آ جاؤ۔ ہم ماہ ما کو لینے خود جائیں گے۔"

☆☆☆

"ارے بیٹا میں اب اس عمر میں برتھ ڈے پر کیا جاؤں گی بچوں کی خوشیاں ہیں جاؤ مناؤ۔"

محسن صاحب اور بشریٰ بیگم چھائے ہوئے تھے۔ بھائی صاحب کو تو تیار کر چکے تھے۔

"ہماری خوشیاں آپ کی دعاؤں کی روشنی کے بغیر پھیکی ہیں اماں جان۔ اس روز دعوت پر بھی آپ نہیں آئیں۔ ہم اتنے برے ہیں اماں جان کہ آپ کی موجودگی اور دعاؤں سے محروم ہیں۔"

محسن صاحب اماں جان کے قدموں میں بیٹھے چاپلوسی سے کہہ رہے تھے۔ ذرا ہٹ کر بیٹھے حبیب صاحب تلملا رہے تھے مگر وہ ضبط کیے ہوئے تھے۔

"اچھا چلو بیٹے تم ایسی باتیں نہ کرو۔ میں حبیب اور اس کے دوستوں میں کوئی فرق نہیں سمجھتی۔ آج تو خالصتاً بچوں کا دن ہے۔ میں کسی روز خاص طور پر آؤں گی تمہیں بلانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

اماں جان اس وجہ سے کہیں نہیں نکلتی تھیں کہ ان کی عبادات متاثر ہوتی تھیں۔ آج وہ اتنے اصرار پر چلی تو جاتیں مگر یہ سوچ کر کہ بچوں کی محفل ہے ان کی وجہ سے ریز رونہ ہو جائیں۔

"اچھا سچ کہہ رہی ہیں ناں اماں جان۔" میاں بیوی دونوں جتے ہوئے تھے۔

"ہاں بالکل سچ بلکہ وعدہ رہا۔"

"چلیے بہت شکریہ کہ آپ نے ہمیں اس قابل تو سمجھا۔ بھئی یہ ہماری بیٹی کہاں ہے؟" محسن صاحب نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا تو عفت جہاں جلدی سے بولیں۔

"محسن بھائی وہ اوپر اپنے کمرے میں تیار ہو رہی ہے۔"

"اچھا ٹونی بیٹا جاؤ ماہ ما کو بلاؤ جلدی کرو۔" بشریٰ نے ٹونی کو کہا تو وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔

"جی نہیں ٹونی کو اوپر ماہ ما کے کمرے میں جانے کی ضرورت نہیں وہ خود ہی آ جائے گی اور یوں بھی ایسی بات کرتے ہوئے آپ یہ سوچ لیا کریں کہ یہ لندن نہیں ہے پاکستان ہے۔"

حبیب صاحب کا لہجہ سرد مگر خشک اور تلخ تھا۔ ان کے تو ہر انداز سے واضح تھا کہ وہ اس فیملی سے ملنا پسند نہیں کرتے مجبوراً نباہ کر رہے ہیں اور یہ بات عیار محسن اور بشریٰ بھی اچھی طرح جانتے تھے اس لیے تو بے غیرتی کی حد تک چاپلوس بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے ان کی بات پر جلدی سے ماہ ما کے کمرے کی طرف بڑھنے والے ٹونی کا بازو پکڑ لیا تو وہ چپ گیا۔

"اونہہ BACK WARD میری طرح اب میری بیٹی کی زندگی بھی جہنم بنائیں گے۔"

عفت جہاں نے جل کر سوچا۔ شوہر کو گھورا پھر مخصوص سی مسکراہٹ سجا کر سب پر ایک نظر ڈالی اور اٹھ کر ماہ ما کے کمرے میں آگئی جو سادہ سفید چکن سوٹ پہنے سوچوں میں گم آئینے کے سامنے کھڑی نہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔ ہاتھ میں برش لیے گم سم سی کھڑی تھی۔

"ماہ ما۔" ماں کی آواز پر وہ چونکی تو برش نیچے گر گیا۔

"جی مما۔" اس کی آواز کہیں دور سے آئی۔

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟" انہوں نے تنقیدی نظر سے اسے گھورا۔

"I AM READY۔" ماہ ما نے بے دلی سے کہا۔

"واٹ یہ تم اپنی دوست کی برتھ ڈے پر جا رہی ہو یا کسی کی تعزیت پر۔ حد ہو گئی نہ اچھا لباس نہ میک اپ۔ نہ جیولری...... کیا سوچ رہی ہو تم کن خیالوں میں ہو۔ ایک سے ایک لباس ہے۔ کیا نہیں ہے تمہارے پاس؟" عفت جہاں سمجھ رہی تھیں دیکھ رہی تھیں کہ شہرام کا رنگ آ گیا تھا ماہ ما کی شخصیت پر۔ اور یہی وہ نہیں چاہتی تھیں۔ انہوں نے خود اس کی وارڈ روب کھول کر سیاہ جھلملاتا لباس نکالا اس کے ساتھ ڈائمنڈ سیٹ نکالا۔

"چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ نیچے انکل آنٹی تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ تمہیں تو ان کی محبت کی قدر ہی نہیں چلو جلدی کرو۔"

"مما...... مما...... میں یہ...... نہیں مما میں یہ لباس نہیں پہنوں گی۔"

ماہ ما کا چونکہ جانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا اس لیے وہ ڈھنگ سے تیار بھی نہیں ہونا چاہ رہی تھی۔

"کیوں نہیں پہنوں گی...... ماہ ما تمہیں اپنی مما سے ذرا بھی محبت نہیں رہی۔ میں نے کیا کیا برداشت کیا ہے' تمہاری خاطر اور تم......؟" عفت جہاں نے آواز میں آنسوؤں کی آمیزش کر لی اور آنکھیں صاف کرنے لگیں تو ماہ ما جس کو اپنی مما سے بے حد محبت تھی آ کر ان سے لپٹ گئی۔

"او کے مما' جیسے آپ کی خوشی۔" اس نے لباس لیا اور واش روم میں گھس گئی۔

"MY POOR CHILD۔ کہاں ان جنگلی لوگوں میں پھنس رہی ہے۔ لیکن ایسا تو میں بھی ہونے نہیں دوں گی۔"

عفت جہاں نے ممتا اور بے چارگی کے ملے جلے احساسات کے ساتھ ماہ ما کے بند دروازے کو دیکھا اور آ گئیں۔ ماہ ما بے دلی سے تیار ہو کر باہر نکلی تو شہرام باہر ہی گرل کے ساتھ ٹیک لگائے اس کے کمرے پر نگاہیں جمائے دیکھ رہا تھا۔ اسے یوں تیار دیکھ کر سیاہ جھلملاتے لباس اور جیولری میں دیکھ کر وہ سلگ اٹھا۔ وہ جتنی حسین اس وقت لگ رہی تھی اس پر وہ صرف اپنا حق سمجھتا تھا کہ اس کے حسن

کے جلووں پر صرف اسی کا حق ہے۔ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی اور...... وہ بھی ٹونی دیکھے اسے گندی اور ناپاک نظر سے۔ وہ اپنی جگہ کھڑا رہا۔ ماہ ما اس کی ناراضگی کے خیال سے اندر تک کانپ گئی اور جلدی سے اس کی طرف بڑھی اور پیشگی وضاحت دینے لگی۔

"شہرام میں...... میں بالکل بھی جانا نہیں چاہتی تھی۔ یہ تو مما نے مجبور کیا ہے...... اور میں تو بالکل بھی سادہ لباس میں جا رہی تھی۔ یہ لباس تو مما نے نکال کر زبردستی پہننے کو کہا ہے۔ شہرام میں...... میں......"

وضاحت دیتے دیتے وہ روہانسی ہو گئی۔ اسے یقین تھا کہ اب شہرام پھر خفا ہو جائے گا مگر وہ اسے ایک ٹک دیکھے گیا۔ اندر کہیں ایک ٹیس سی اٹھی۔

"ماہ ما میری زندگی کی کمی نہ بن جانا۔ میری محبت کی تصویر کو ادھورا نہ چھوڑ دینا۔ میرے خوابوں کا کیوں نہ اجاڑ دینا۔" شہرام کی آواز بوجھل ہو گئی تو وہ بے طرح پریشان ہو گئی۔ اس نے شہرام کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"شہرام آپ...... آپ ایسی باتیں نہ کیجئے شاید آپ میری زندگی میں اپنی اہمیت کو ابھی سمجھ نہیں سکے ہیں۔ پلیز خفا نہ ہوں۔ یہ تو مما کی خاطر کیا ہے ورنہ ٹونی اور اس کے گھر والے میرا پرابلم نہیں ہیں۔ شہرام آپ میرے دل میں اپنی حیثیت کو پہچان جائیے ناں۔" ماہ ما کی حالت بڑی عجیب سی ہو رہی تھی۔ وہ شہرام کو بتا دینا چاہتی تھی کہ اس کے دل میں اس کی کیا حیثیت ہے مگر وہ معصوم سی سادہ سی لڑکی بتا بھی نہیں پا رہی تھی۔ شہرام کو اس وقت وہ بے حد اچھی اور صرف اپنی لگی۔

"ماہ ما میں تمہیں چاہتا ہی نہیں جانتا بھی ہوں اور مجھے تم پر اعتماد بھی ہے مگر یاد رکھنا میری برداشت کی حد ہے جس روز وہ ختم ہو گئی تو تمہیں سنسان راستے اور اندھے کنویں ملیں گے جہاں تمہاری آوازوں کی بازگشت لوٹ کر تمہارے ہی پاس آ جائے گی۔ بس اس حد کو کراس نہ کرنا ورنہ...... ورنہ۔"

"ماہ ما۔" دونوں قریب کھڑے باتیں کر رہے تھے کہ عفت جہاں کو آگ لگ گئی۔ انہوں نے کرخت آواز میں پکارا تو وہ جلدی سے شہرام کا ہاتھ چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"ماہ ما یہ کیا حرکت ہے۔ وہ تمہارے باپ کے ملازم ہیں کہ اپنے گھر کی تقریب چھوڑ کر تمہیں لینے بھی آئیں اور تمہارے نخرے بھی برداشت کریں اور شہرام یہ کیا...... تم جگہ جگہ اس کے ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہو جاتے ہو۔ اب تمہیں بزرگوں کا کوئی خیال نہیں رہا اس لیے کہ یہ سب تم لوگوں کو پسند ہے ناں۔"

ماہ ما سے نمٹنے کے بعد اب ان کی توپوں کا رخ شہرام کی طرف تھا۔ جواب تو ایسا تھا اس کے پاس

کہ محترمہ لاجواب ہو جاتیں مگر وہ بے ادبی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ماہ ما کو ایک نظر دیکھ کر چپ ہی رہا جو کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ وہ کسی صورت بھی شہرام کی انسلٹ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

''نہیں تو مما شہرام نے میرے ہاتھ نہیں پکڑے تھے۔ میں نے پکڑے تھے پہلے بھی اور اب بھی۔''

''شٹ اپ۔ اور چلو میرے ساتھ۔'' عفت جہاں نے شہرام کو گھورا اور ماہ ما کو گھسیٹتی ہوئی ساتھ لے گئیں۔

''مما آپ...... آپ میری بات تو سنیے۔ شہرام کو قطعی پسند نہیں کہ میں یوں بن سنور کر غیر مردوں کے سامنے جاؤں اور یہ بھی تو بری بات ناں کہ......'' ماہ ما مستقل شہرام کا دفاع کر رہی تھی۔

''ماہ ما یہ...... یہ تمہیں کیا ہوتا جا رہا ہے تم کن راہوں پر چل نکلی ہو؟ اور یہ تم شہرام کے موڈ کی غلام کب سے ہو گئیں؟'' عفت جہاں نے پلٹ کر کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

''مما دادی جان کہتی ہیں کہ مجھے اپنی پسند اور ناپسند کو شہرام کی پسند اور ناپسند میں ڈھال لینا چاہیے۔ ہمارا نکاح جو ہو رہا ہے اور مجھے شہرام کی مرضی اور پسند پر چلنا چاہیے۔ یہ مسلمان اور مشرقی لڑکی کا زیور ہے اور......''

''شٹ اپ ماہ ما...... شٹ اپ۔ ایک تو یہ بڑی بی جڑوں میں بیٹھ گئی ہیں ہماری۔ دیکھ لوں گی میں سب کو اور خبردار جو تم نے انکل اور آنٹی کے سامنے اس قسم کی فضول باتوں کا اظہار کیا ہو۔''

عفت جہاں نے جاہل عورتوں کی طرح ماہ ما کا بازو دبایا تو وہ ان کے تیور سے خوف زدہ ہو گئی۔

''او کے مما نہیں کروں گی۔''

''واؤ...... زبردست ماشاء اللہ۔ ہماری بیٹی تو چاند کی طرح خوب صورت لگ رہی ہے۔''

بشریٰ بیگم مچل کر ماہ ما کی طرف بڑھیں۔ ٹونی اسے دیکھ کر تو گویا دیوانہ سا ہو گیا اور بے تکلفی سے اس کی طرف بڑھا۔

''WOW! ماہ ما یہ تم ہو؟ اس قدر کیوٹ لگ رہی ہو۔ بھئی تم تو مجھے قتل کر کے چھوڑ دو گی۔''

ٹونی بے باکی سے ماہ ما کی طرف بڑھا۔ اس نے حبیب صاحب کی موجودگی کا بھی خیال نہیں کیا اور اس کی طرف بڑھا قریب تھا کہ وہ ماہ ما کا بازو پکڑتا۔

''ٹونی یہ لندن نہیں ہے اور نہ تم لوگ اب بچے ہو۔ ماہ ما سے دور ہٹ کر بات کیا کرو۔''

حبیب صاحب پوری قوت سے چلائے اور اٹھ کر انہوں نے باقاعدہ ٹونی کو پرے دھکیلا کہ وہ گرتے گرتے بچا۔ عفت جہاں آگے بڑھیں۔ بشریٰ اور محسن ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

''حبیب کیا ہو جاتا ہے آپ کو۔ ٹونی نے ایسا کیا کر دیا کہ آپ شاؤٹ کرنے لگے؟''

''اوہ کم ان آنٹی نیور مائنڈ۔ انکل کو اگر ایسا کچھ پسند نہیں تو نہ سہی آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔ انکل سوری...... ویری سوری!'' بشریٰ نے نظروں ہی نظروں میں ٹونی کو کچھ سمجھایا تو وہ باقاعدہ حبیب صاحب کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا گو کہ ان کو غصہ تو بہت تھا اور اس کی بناوٹی سوری کچھ دل کو بھائی بھی نہیں تھی۔

''ITS OK۔ آئندہ محتاط رہنا۔'' حبیب صاحب نے مروتاً اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ شانے جھکا کر فرمانبرداری سے کھڑا ہو گیا۔

''او کے انکل آئندہ CAREFULL رہوں گا۔''

''میرا بچہ، گڈ...... ویری گڈ بڑوں کا ایسا ہی احترام کرنا چاہیے بیٹا میرا بیٹا تو بہت اچھا ہے۔''

بشریٰ بیگم بیٹے کی اس بات کو کچھ زیادہ ہی اچھال رہی تھیں۔

''ہاں ہاں ماشاء اللہ سمجھ دار بچہ ہے۔ ٹھیک ہو جائیں گے یہ لوگ۔ اس ماحول کے بھی عادی ہو ہی جائیں گے۔''

''میرا خیال ہے ہمیں اب چلنا چاہیے وہاں ماریا اکیلی مہمانوں سے نمٹ رہی ہو گی۔''

محسن صاحب اٹھ کھڑے ہوئے تو سب کھڑے ہو گئے۔ حبیب صاحب کا قطعی دل نہیں چاہ رہا تھا جانے کو۔ اس سے قبل کہ وہ کوئی معقول سا بہانہ بناتے اسی وقت آفس سے فون آ گیا اور ان کو آفس جانا پڑ گیا۔ وہ معذرت کر کے کارنر پر رکھی چابی اٹھا کر نکل گئے۔ عفت بیگم سمیت سب کو ان کے جانے سے خوشی ہوئی۔

☆☆☆

محفل خاصی کلرفل تھی۔ لڑکیاں لڑکے ان ہی کی کلاس کے تھے بے باک قسم کے۔ بھائی صاحب کو یہ بات کچھ مناسب نہیں لگی۔ وہ اٹھ کر صدیقہ بیگم کے ساتھ باہر لان میں جا بیٹھے۔ کیک وغیرہ کاٹا گیا خوب شور ہنگامہ کیا گیا۔

''ارے بھائی صاحب آپ باہر کیوں آ گئے؟'' محسن صاحب نے ان کو آتے دیکھا تھا اور اب انجان بن کر پوچھ رہے تھے۔

''نہیں بھئی ایک تو یہ سب کچھ آنکھوں کو اچھا نہیں لگتا دوسرے بچے ہیں خوشی منائیں اپنی۔''

''اچھا۔ اچھا میں ابھی آتا ہوں آپ آرام سے بیٹھیے۔''

پھر محسن صاحب اٹھ کر اندر آ گئے۔ ماہ ما گم صم سی تھی۔ سب اس کے آگے پیچھے بچھے جا رہے تھے۔

''ماہ ما جانی کیوں اتنی چپ ہو۔ اپنے دوستوں کے ساتھ گھل مل کر بات کرو انجوائے کرو۔'' بشریٰ بیگم نے آ کر ماہ ما کو پیار کیا تو اس نے بے زاری سے ماں کو دیکھا۔

''رہنے دو بشریٰ یہ اپنے باپ کی بیٹی ہے۔ اپنوں کے اثر میں آ گئی ہے یہ وہ رہی ہی نہیں... وہ شہرام صاحب ہیں ابھی کوئی حیثیت ملی نہیں اور لگ گیا رعب جھاڑنے یہ کرنا وہ نہیں کرنا یہ پہننا ہے وہ نہیں یہاں جانا ہے وہاں نہیں ہر وقت کڑی نگاہ رکھتا ہے۔''

عفت جہاں نے منہ بگاڑ کر ماہ ما کو سنانے کی خاطر کہا۔

''ہیں عفت ایسی بات ہے؟'' بشریٰ بیگم کو اور کیا چاہیے تھا۔

''اور نہیں تو کیا' میں تو سوچ سوچ کر ہلکان ہوتی رہتی ہوں کہ اس کا ہو گا کیا؟''

''ہائے عفت ابھی سے کچھ کرو۔ یہ تو اچھی بات نہیں۔ ایک دو روز کی بات نہیں عمر بھر کا کھیل ہے یہ۔ شکی مزاج مرد تو عورت کی جان کو آ جاتے ہیں۔ عورت کے سائے سے بھی حسد کرتے ہیں اور پھر شہرام تو گاؤں کا پلا بڑھا ایسی ہی گھٹی سوچ ہو گی۔ امریکا میں پڑھنے سے کیا ہوتا ہے جب سوچ ہی محدود ہو۔ یہ گاڑی نہیں چلے گی چند اجذباتی نہ بنو دل سے' دماغ سے سوچو جان یہ لڑکا درست نہیں تمہارے لیے۔ تم اس ماحول میں ایک پل بھی سانس نہیں لے سکتیں۔''

''سمجھاؤ تم ہی میری تو ایک نہیں سنتی۔'' عفت جہاں نے اسے سمجھانے کی ذمے داری بشریٰ بیگم پر ڈال دی تو ان کو اور کیا چاہیے تھا۔ اس کی آئندہ زندگی کا ایسا نقشہ کھینچا کہ ماہ ما کو اس ماحول سے ان کی باتوں اور نصیحتوں سے گھٹن ہونے لگی۔

''ماہ ما ڈارلنگ تم کیا بڈھوں میں بیٹھی بور ہو رہی ہو دیکھو تو اوپر کیا محفل جمی ہے۔''

ٹونی آیا اور بے تکلفی سے ماہ ما کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر لے گیا۔

''کیا مشکل ہے ٹونی چھوڑو میرے بازو کو کیا بدتمیزی ہے۔'' ماہ ما چڑ گئی۔

''ماہ ما تم کتنی بدل گئی ہو۔ پہلے تو تمہیں یہ سب بہت اچھا لگتا تھا اب تم بہت BACK WARD ہو گئی ہو۔ بہت دور ہوتی جا رہی ہو مجھ سے۔''

ٹونی بدتمیزی سے اس کے قریب آتا ہوا بولا تو وہ غصے سے چلائی۔

''ٹونی حد میں رہو۔''

''اوکم آن تم تو خفا ہو گئیں۔ اوکے اب ایسی حرکت نہیں کروں گا رائٹ۔''

پھر وہ لوگ ہال کمرے میں آ گئے جہاں ٹونی کی طرح کے اس کے بدتمیز دوست موجود تھے۔ انہوں نے ماہ ما کو دیکھ کر بدتمیزی سے سیٹیاں بجائیں شور مچایا۔ ماہ ما کا دل چاہ رہا تھا کہ بھاگ جائے۔ یہ ماحول یہ ہلڑ بازی اس کے لیے اجنبی تو نہیں تھی مگر اب اسے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''کم آن ماہ ما یہ کیا تم بھیگی بلی بنی ہوئی ہو ڈری سہمی سی۔ یہ سب تمہارے لیے نیا تو نہیں۔'' ماریہ نے آگے بڑھ کر ماہ ما کا کو گھسیٹا پھر جمی ٹونی اور دوسرے لڑکوں نے مل اس کی جھجک دور

کرنے کی کوشش کی مگر وہ گم صم ہی رہی۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں ماہ ما؟'' جمی اس کے قریب آ گیا۔

''ماہ ما کو عشق ہو گیا ہے ایک پینڈو سے اور اب اسی سے اس کا نکاح ہونے والا ہے اور ماہ ما بیاہ کر ایک گاؤں میں جائے گی۔'' ماریا نے اطلاع دی تو حیرت' خوشی اور رشک کی چیخوں اور ہاؤ ہو سے کمرا گونج اٹھا۔

''برا لکی نکلا وہ پینڈو۔'' جمی نے آہ بھری

''ارے واہ کیا سین ہو گا جب انگلینڈ کی پلی بڑھی لڑکی گاؤں میں بیاہ کر جائے گی۔ لاچا باندھ کر پراندہ ڈال کر کمر پر لسی کی مٹکی رکھے سر پر روٹی رکھے ٹھمک ٹھمک چلتی اپنے رانجھا کے لیے روٹی لے کر جایا کرے گی تو کیا سین ہو گا...... سوچو ذرا تم لوگ۔''

نینا نے سب کو متوجہ کر کے ماہ ما کی آئندہ زندگی کا ایسا نقشہ کھینچا کہ سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ وہ غصے سے سب کو گھورنے لگی۔ اسے اپنی انسلٹ محسوس ہو رہی تھی۔

''میری ماہ ما کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہو گا سن لو تم سب کچھ نہیں ہو گا ایسا۔ یہ پری ہے پرستان میں ہی رہے گی پھولوں کی سیج پر۔ ہے ناں ماہ ما۔'' ٹونی ماہ ما کے قریب آ گیا اور ایسی باتیں کیں کہ ان سب میں اسے وہی اپنا لگا وہ اسی سے باتیں کرتی رہی۔

''بھئی ہم لوگوں کو یہاں آئے کافی عرصہ ہو گیا ہے دیکھتے ہیں۔ کس کس کو ڈانس آتا ہے اور کون بھول گیا ہے؟'' ماریا کا یہ کہنا تھا کہ سب کے سب اپنے جوہر منوانے کے لیے میدان میں آ گئے۔

''ہوں...... گڈ اس کا مطلب ہے کہ آپ لوگ فارم میں ہیں مگر ماہ ما بالکل ڈانس بھول چکی ہے۔''

''شیم...... شیم۔'' ماریا کی اس اطلاع پر سب کورس میں گویا ہوئے تو ٹونی کھڑا ہو گیا۔

''نیور...... ماہ ما کو آج بھی اتنا ہی اچھا ڈانس آتا ہے جتنا پہلے۔ ماہ ما LETS MOVE!۔''

یہ سب ایک جادوئی تاثیر والا ماحول تھا۔ کچھ دیر کے لیے ماہ ما بھی سب کچھ بھول گئی اور وہ جو ڈانس میں سب سے زیادہ ماہر تھی انعامات لیا کرتی تھی اب خود پر یہ الزام کیسے برداشت کر سکتی تھی۔ ایک جذبے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی اور تالیوں کی گونج میں ٹونی کے ساتھ مل کر اتنا اچھا ڈانس کیا کہ سب خوش ہو گئے۔ ٹونی اس کے قریب ہوتا تو ماریا کھٹ سے ان کی تصویر بنا لیتی اور اس نے ان دونوں کا سارا ڈانس اپنے کیمرے میں مقید کر لیا اور اس آخری اسٹیپ میں وہ ٹونی کے بازوؤں کو تھامے ہوئے تھی کہ دروازہ کھلا۔

''ماہ ما......!''

☆☆☆

''ذورین پہلے تو ایسا نہیں تھا میں کافی دنوں سے محسوس کر رہا ہوں کہ اس کے انداز اور تیور بدلے ہوئے ہیں۔ کچھ بغاوت پر آمادہ نظر آتا ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟'' عثمان صاحب نے جو تبدیلیاں محسوس کی تھی انہوں نے ان کو کچھ پریشان سا کر دیا تھا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں عثمان بس اسے شوق ہو رہا تھا گاڑی کا آپ نے انکار کر دیا تو کچھ خفا سا رہتا ہے ورنہ وہ بے حد اچھا اور فرمانبردار بچہ ہے میرا۔ ویسے عثمان بچے کی خوشی سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔ آپ ذورین کو اس کی پسند کی گاڑی کیوں نہیں لے دیتے؟''

کافی کا مگ عثمان کو دیتے ہوئے عاتکہ نے پرزور انداز میں کہا تو عثمان مسکرانے لگے۔

''سچ کہا ہے کسی نے کہ عورت کتنا بھی پڑھ لکھ کیوں نہ جائے مگر جب وہ ماں ہوتی ہے تو صرف ماں ہی ہوتی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ مجھے بچوں کی خوشی سے زیادہ پیاری ہے دولت' جائداد والدین کے لیے تو بچے ہی ان کی دولت ہوتے ہیں۔ اگر میں اس کی یہ خواہش پوری نہیں کر رہا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ مجھے دولت پیاری ہے؟ مجھے ذورین کی زندگی زیادہ پیاری ہے۔ آج کل کیسے کیسے واقعات ہو رہے ہیں کہ گاڑی کے چکر میں لوگ بندہ مار جاتے ہیں۔ بس ایسے ہی بہت سے وہم ہیں جن کی وجہ سے میں نے اسے منع کیا ہے مگر اس نے تو لگتا ہے دل کو لگا لی ہے یہ بات۔''

عثمان اور عاتکہ سادہ دل تھے۔ ان کو معلوم ہی نہیں تھا کہ رفتہ رفتہ ذورین کے دل کی زمین پر جہاں محبت اور چاہت کے پھول کھلے تھے وہاں اس نے بغاوت اور نفرت کا بیج بھی بو دیا ہے جو آہستہ آہستہ تناور درخت بن رہا تھا۔

''عثمان وہ بچہ ہے۔ آپ اس کو سمجھائیں گے تو سمجھ جائے گا۔ آپ اس سے بات تو کریں۔''

''کیا کروں بات۔ جب بھی اس کے قریب جانے کی کوشش کی وہ کترا کر گزر گیا۔ اب اللہ ہی اسے سمجھائے' اس کی بدگمانی دور کرے تو ہو سکتی ہے ورنہ......'' اسی وقت فون کی بیل ہوئی تو عثمان فون ریسیو کرنے لگے۔

☆☆☆

نیلو کو آج اپنے لیے گاڑی لینے جانا تھا۔ وہ تیار ہو کر نیچے آئی تو ذورین ہی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ غالباً بیڈمنٹن کھیل کر آیا تھا اور اب صوفے پر نیم دراز تھا اور ریکٹ چہرے پر رکھا ہوا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے خوبصورت لمحوں کے سحر میں کھوئی گئی۔ کچھ دیر دم سادھے وہ اسے دیکھتی رہی۔ نہ جانے وہ اسے کیوں اتنا اچھا لگتا تھا۔ وہ جتنا اس سے دور بھاگتا وہ اسے اتنا ہی قریب محسوس کرتی۔ وہ آہستگی سے اس کی طرف بڑھی اور جھک کر ریکٹ اٹھا لیا تو ساتھ ہی وہ بھی چونک کر کھڑا ہو گیا۔

''ہوں تو میرا ریکٹ آپ کے پاس ہے؟'' وہ خوامخواہ ہی چڑانے کے لیے بولی تو وہ سلگ اٹھا۔

''جی ہاں یہ ریکٹ بھی آپ کا ہے' یہ گھر بھی آپ کا ہے' یہ سب کچھ آپ ہی کا تو ہے۔''

وہ سراپا شعلہ بنا ہوا تھا اور یہی تو وہ چاہتی تھی۔ شعلے اگلتا یہ شخص اسے بہت عزیز تھا۔ نفرت کا اظہار ہی کرتا وہ اس سے مخاطب تو ہوتا تھا۔

''جی ہاں اس میں کیا شک ہے کہ یہ گھر یہ سب کچھ میرا ہی تو ہے سوائے تمہارے۔''

آخری جملہ اس کی اندر جاتی سانسوں میں لپٹ کر اس کے دل کے نہاں خانوں میں جا چھپا۔ اسی وقت حامد آ گیا۔ موجودہ صورت حال کے پیش منظر کو وہ بخوبی جان گیا تھا تاہم دونوں کو دیکھ کر مسکرایا۔

''السلام علیکم فرینڈز۔ کہیں میں آپ لوگوں کی خوش گپیوں میں مخل تو نہیں ہوا؟''

وہ دونوں کو دیکھ کر مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔ ذورین حسب معمول شعلہ بنا ہوا تھا۔

''قطعی نہیں' آیئے آپ بھی شریک ہو جایئے۔'' نیلو ریکٹ کو گھمانے لگی۔

''آپ کی تیاری سے تو لگ رہا ہے کہ آپ دشمنوں کے ساتھ کہیں باہر جا رہی ہیں۔ بڑی تیار ہیں؟''

حامد نے نیلو کو دیکھا تو وہ اترا کر ذورین کو دیکھنے لگی۔

''ہاں وہ میں آج اپنی ذاتی گاڑی لینے جا رہی ہوں ناں...... خدا کے فضل سے اور بھی بہت سی شاپنگ......''

''ظاہر ہے لوٹ کا مال جو ہاتھ لگا ہوا ہے۔ جتنا ہو سکے لوٹ لیا جائے۔''

ذورین نے اس کی بات کاٹ کر اتنی آواز میں کہا کہ حامد نے تو سن ہی لیا تھا نیلو نے بھی سن لیا۔

''جی آپ نے مجھ سے کچھ کہا یا خود کلامی کا مرض لاحق ہو گیا ہے؟ ویسے پاگل پن کی پہلی اسٹیج ہے یہ۔''

وہ جو غصے میں ہمیشہ میدان چھوڑ جایا کرتا تھا ابھی بھی جا رہا تھا کہ نیلو نے پھر میزائل داغا۔

''شٹ اپ او کے!'' اس نے گویا شعلہ اس کی طرف اچھالا۔ اتنی ہی نرم اور بھیگی سی مسکراہٹ نیلو کے لبوں پر آ گئی۔ حامد بھی اسے دیکھے گیا کہ اتنی اچھی لڑکی سے ذورین کیوں چڑتا ہے۔

''انسان کے لاجواب ہونے کی آخری حد یہی ہوتی ہے' شٹ اپ۔ بھئی دلیری تو یہ ہے کہ آپ لڑکی کی جیت مان کر اپنی ہار مان لیں یہ کیا کہ......''

''تم...... تم سے میں نے کتنی بار کہا ہے کہ میرے سامنے مت آیا کرو۔'' وہ دہاڑا۔

ذورین نے اس کے ہاتھ سے ریکٹ چھین لیا اس طرح کہ اس کے ہاتھ میں تکلیف ہونے لگی۔

"اور اتنی ہی بار میں نے بھی آپ سے کہا ہے کہ آپ میرے سامنے نہ آیا کریں۔ جب یہ گھر سب کچھ میرا ہے تو کیوں آتے ہیں میرے سامنے' مت آیا کریں۔ جائیے اور کہیں اور رہائش اختیار کیجئے یہ سب کچھ میرا ہے اور چلانے کی قطعی ضرورت نہیں اس لیے کہ آپ میرا یہ حق خود تسلیم کر چکے ہیں۔"

وہ مستقل جلتی پر تیل ڈالے گئی اور وہ جو بدگمانی کے راستے پر بہت دور تک نکل چکا تھا اس کی بے معنی سی بات کو اس نے عثمان صاحب کی طرف سے گھر سے ہر چیز سے دستبردار ہونے کا اشارہ سمجھ لیا۔

"اوہ تو نوبت یہاں تک آ گئی ہے۔" اس نے شعلہ بار نگاہ سے نیلو کو گھورا۔

"جی...... آپ کو اب خبر ہوئی ہے کہ......"

"آؤ حامد۔" ذورین اس کی بات سنے بغیر بولا تو حامد چل پڑا۔

"ٹھہرو حامد۔" جس انداز میں ذورین نے حامد سے کہا تھا اسی انداز میں نیلو نے بھی کہا تو وہ وہاں ہی قدموں پر رک کر اسے دیکھنے لگا۔

"حامد چلو دیر ہو رہی ہے۔" ذورین نے پلٹ کر حامد کو گھورا جو نیلو کو دیکھ رہا تھا۔

"لڑکی جلدی بولو کیا کہنا ہے میں سانس روکے کھڑا ہوں۔"

"تو بیٹھ جائیے' سانس روک کے۔ ویسے اگر آپ کے پاس وقت ہو تو ہمارے ساتھ چلیے شاپنگ کرنے۔"

نیلو نے ایک افسردہ سی نظر ذورین پر ڈالی جس کی ہم سفر بننے کی یا اسے بنانے کی ابھی تک خواہش پوری نہیں ہوئی تھی۔

"ارے واہ کیا بات ہے کیوں نہیں جائیں گے ایسے بھی برے حالات نہیں کہ نہ جائیں...... چلیے۔"

حامد فوری طور پر تیار ہو گیا مگر ذورین تیزی سے آگے بڑھا اور اسے گھسیٹ کر لے گیا۔

"آپ کہیں نہیں جا رہے بلکہ ہم جا رہے ہیں جاوید کے گھر۔"

وہ اسے ساتھ لے گیا تو نیلو اندر اترتی اداس سی شام کے ساتھ صوفے پر ڈھیر ہو گئی۔ اب اس کا کہیں بھی جانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔

"نیلو!" عاتکہ کی آواز پر وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ چہرے پر پھیلی کچھ دیر قبل گزرنے والی دھندلی مسکراہٹ کی کرنوں میں چھپا کر ماں کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"یہ وقت آرام کرنے کا تو نہیں۔ معلوم ہے کتنی دیر ہو جاتی ہے شاپنگ میں اور یہ عمار اور ذورین

کہاں ہیں؟ چلو اٹھو باہر آؤ۔ میں ان دونوں کو دیکھتی ہوں۔ عمار کے امریکا جانے میں چار دن رہ گئے ہیں۔ اس کی ساری شاپنگ ابھی باقی ہے۔" عاتکہ جلدی جلدی بولتی باہر نکل رہی تھیں کہ نیلو ان کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"مما میری گاڑی ابھی اتنی ضروری نہیں جتنی عمار بھائی کے جانے کی شاپنگ۔ آج آپ صرف ان کی شاپنگ کر لیں میں تو یہیں ہوں ناں بعد میں آجائے گی گاڑی۔"

وہ دھیمی آواز میں بول رہی تھی۔ ذورین کا اسے پتا تھا وہ نہیں جائے گا اور اس کی عدم موجودگی نہ جانے اس کے لیے طویل سنسان راستہ کیوں بن جاتی تھی۔ اور ویران راستوں کی تھکن اسے کبھی کبھی نڈھال کر دیا کرتی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے پروگرام خراب کرنے کی۔ اللہ مالک ہے چلتے ہیں بہت وقت ہے اور تمہارے پپا تو صرف تمہاری گاڑی کی خاطر جا رہے ہیں اپنی میٹنگ منسوخ کر کے۔ چلو موڈ خراب نہ کرو۔ یہ تمہارا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے۔ ذورین سے تو کھٹ پٹ نہیں ہوئی؟"

عاتکہ نے قریب آ کر اس کے چہرے کو چھوا تو دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ گئی۔

"نہیں تو مما اس سے کیا کھٹ پٹ ہو گی۔ اچھا چلیں عمار بھیا گاڑی میں بیٹھ چکے ہوں گے اور ہم دونوں کو باتیں سنا رہے ہوں گے۔" اس نے بات کا رخ موڑا۔

"تو سنانے دو ہم کون سا سن رہے ہیں۔ ارے ذورین جانی کہاں ہو تم؟ تیار نہیں ہوئے؟"

وہ بات کر رہی تھیں کہ ذورین اور حامد اندر آ گئے۔ عاتکہ اس کی طرف بڑھیں اور ذورین جو نیلو کی وجہ سے بہت تپا ہوا تھا چاہنے کے باوجود عاتکہ کو کوئی کھری بات نہ سنا سکا۔

"جی آپ لوگ جائیے مما مجھے کہیں اور جانا ہے۔ جاوید ہم دونوں کا انتظار کر رہا ہوگا۔ وہ اپنے نئے شوروم کی خوشی میں ہمیں ڈنر دے رہا ہے اس لیے وہاں جا رہے ہیں۔"

اس نے نظریں چرا کر جھوٹ بولا تو حامد سر تھام کر رہ گیا اس کے جھوٹ پر۔

"ٹھیک ہے جانی مگر آج ہم سب پوری فیملی جا رہے ہیں۔ اتنی تیز بھاگتی زندگی میں کبھی کبھی ایسے مواقع ملتے ہیں جب سب گھر والے اکٹھے ہوتے ہیں۔ جاوید سے معذرت کر لو آج ہر حال میں ہمارے ساتھ چلو۔ عمار بھی امریکا جا رہا ہے کچھ وقت تمہیں اپنے گھر والوں کو بھی دینا چاہیے بیٹا! ہر وقت دوستوں کے پاس رہتے ہو۔"

"محرومیوں کی کڑکڑاتی دھوپ میں چلتے ہوئے مسافر کو جہاں سکون کی چھاؤں ملے گی وہیں بیٹھ جائے گا۔" ذورین نے کٹیلے لہجے میں چوٹ کی جو سیدھی نیلو کے دل پر پڑی۔

"مما آپ کیوں منتیں کر رہی ہیں۔ ہماری محفلیں ان کے بغیر سج نہیں سکتیں' ہم ان کے بغیر چل

نہیں سکتے۔ کچھ نہیں کرسکتے کیا؟ مت چاہیں آپ ان کو اتنا...... مت بتائیں ان کو آپ اپنی مجبوری' بہت پچھتانا پڑے گا آپ کو...... بہت زیادہ۔'' نیلو تو گویا پھٹ سی پڑی۔ عاتکہ اسے حیرانی سے دیکھتی رہ گئی۔ حامد گہرا سانس لے کر باہر نکل گیا۔ ذورین تڑپ اٹھا۔

''یو شٹ اپ او کے۔ تم میرے اور مما کے بیچ میں بولنے والی کون ہو......'' وہ نیلو کو دیکھ کر دھاڑا اور پلٹ کر عاتکہ کو ساتھ لگا لیا۔ وہ عاتکہ کو ہرگز دکھی نہیں کرسکتا تھا۔

''سوری مما' آج میں نہیں جاسکتا پھر جس روز آپ کہیں گی میں چلوں گا پلیز آپ خفا نہ ہونا۔'' وہ بالکل بدلا ہوا تھا۔ نرم لہجے میں عاتکہ کو ساتھ لگائے وہ نہ جانے کی معذرت کررہا تھا اور آئندہ جانے کا عہد۔ نیلو اس عجیب شخص کو دیکھتی باہر نکل گئی۔ عاتکہ نے جاتی ہوئی نیلو کو دیکھا پھر ذورین کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ وہ کچھ عجیب سی بات محسوس کررہی تھیں۔

''نہیں جان میں اور تم سے خفا ہوں ایسا کبھی ہوسکتا ہے۔ آج نہیں تو کوئی بات نہیں لیکن پرسوں ہم سب عمار کے جانے پر ڈنر باہر کریں گے اس لیے اب کوئی بہانہ نہ سنوں میں۔ او کے!''

''او کے مما! کوئی بہانہ نہیں کروں گا ڈونٹ وری۔ اچھا آپ کے پاس کچھ پیسے ہوں گے؟''

یہ اس کی بچپن کی عادت تھی جب بھی اسے پیسوں کی ضرورت ہوتی وہ ایسے ہی کسی محبت برسانے لمحے کا انتظار کرتا اور آج تو کافی عرصے کے بعد اس نے شرارت سے کان کھجاتے ہوئے کہا تو عاتکہ نے بے ساختہ اس کی پیشانی چوم لی۔

''کچھ میری جان......! اس میں جتنے پیسے ہیں لے لو تم سے پیسے اچھے ہیں کیا؟''

عاتکہ نے اپنا پرس کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا تو اس نے ہمیشہ کی طرح آنکھیں بند کرکے جتنے نوٹ اس کے ہاتھ میں آئے لے لیے اور پھر پرس بند کرکے ان کے ہاتھ میں دیا اور پھر جھک کر ان کی پیشانی پر پیار کیا۔ یہ اس کی پرانی عادت تھی عاتکہ کو پیار کرکے اسے عجیب طرح کا سکون ملتا تھا اور اب بھی وہ سکون قلب کے ساتھ عاتکہ کو باہر چھوڑنے آگیا۔

''یہ تم ماں بیٹا کیا ہر بات میں الگ ہوکر بیٹھ جاتے ہو۔ عمار کی شاپنگ تو بعد میں بھی ہوجائے گی آج نیلو کی گاڑی ہر حال میں آنی چاہیے۔'' عثمان صاحب نے یوں ہی سادہ سی بات کہی تھی اور ذورین کے علاوہ کسی نے اس بات کو نہ تو اہمیت دی تھی اور نہ ہی کوئی مطلب نکالا تھا مگر ذورین کے دل پر یہ بات لگی تھی کہ اس کے بھائی کی شاپنگ غیر اہم اور نیلو کی گاڑی زیادہ اہم ہے۔

''ذورین بیٹھو بیٹا دیر ہورہی ہے۔'' عثمان صاحب نے اسے گاڑی میں بیٹھنے کو کہا تو وہ چڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔

''جی میں کہیں نہیں جارہا آپ جایئے آپ لوگوں کو دیر ہورہی ہے۔ ہوسکتا ہے آج کے بعد گاڑی

نہ ملے۔'' وہ تلخ لہجے میں بولتا گاڑی سے پیچھے ہٹ گیا تو نیلو نے جل کر اسے دیکھا۔

''جلا ہوا کباب۔'' اب اس نے اسے ہی سنانے کے لیے کہا تھا سو اس نے سن لیا تو کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

''عمار آج ہم ڈنر باہر کریں گے اور کباب پراٹھا کھائیں گے اور فرمائش کرکے جلا ہوا کباب منگوائیں گے۔ واہ جلے ہوئے کباب کی بھی کیا بات ہے۔''

وہ اسے بار بار جلا ہوا کباب کہہ رہی تھی اور اس وقت وہ کچھ بولنا نہیں چاہ رہا تھا۔

''او کے مما! خدا حافظ!'' اس نے وہاں سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا۔

''خدا حافظ جانی! ابھی گھر رہو گے یا جاؤ گے؟''

''نہیں مما میں اب کہیں نہیں جارہا میں اور حامد گھر ہی ہیں۔ آپ جایئے خدا حافظ''۔

ذورین کو احساس تک نہیں ہوا کہ یہ اطلاع نیلو کو کتنا اداس کرگئی تھی۔ وہ اس کی خوشی کو کس طرح اگنور کرتا تھا۔ ان سب کے جانے کے بعد ذورین اپنے کمرے میں آگیا۔ حامد کو بھی اس نے روک لیا۔ ابھی وہ سموسے چائے منگوا ہی رہے تھے کہ فون کی بیل ہوئی۔ ذورین نے ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو...... جی...... کیا......!''

''کیا کہا' گاڑی خراب ہوگئی ہے' تو میں کیا کروں؟ میں کوئی مکینک ہوں کہ میرے آنے سے وہ کھٹ سے ٹھیک ہوجائے گی۔ قطعی نہیں' میں اس وقت کہیں جانے آنے کے موڈ میں نہیں۔''

دوسری طرف عمار تھا۔ ان کی گاڑی ایسی جگہ خراب ہوگئی تھی جہاں سے نہ کوئی سواری مل سکتی تھی اور نہ ہی کوئی ورکشاپ قریب تھی۔ اس نے فوراً ذورین کو فون کیا کہ دوسری گاڑی لے کر آجائے اور وہ اس بات کے لیے قطعی تیار نہیں تھا۔ اس وقت وہ صرف بستر پر لیٹنا چاہتا تھا۔ اسے ان لمحات سے نفرت ہونے لگتی تھی جن میں نیلو کو اہمیت دی جارہی ہو۔

''ذورین' انسان کو ہر وقت ایک موڈ میں اور ایک ہی ٹون میں نہیں رہنا چاہیے۔ تمہیں احساس ہونا چاہیے کہ ہم یہاں مشکل میں ہیں۔ ٹھنڈ بھی بہت ہے اور تم گاڑی کا چھوٹا موٹا نقص بھی نکال لیتے ہو اور اس لیے فوراً نکلو۔''

''یار' بھائی میں......'' ذورین کچھ کہنے والا تھا کہ عمار نے فون بند کردیا۔ ''کیا مصیبت ہے یار!'' ذورین نے غصے میں کشن اٹھا کر دیوار پر مارا۔ حامد اسے دیکھنے لگا۔ وہ شدید غصے میں تھا۔

''کہتے ہیں کہ انسان کو کسی مشکل میں پھنسے ہوئے کسی بھی انسان کی مدد ضرور...... کرنی چاہیے مگر اس وقت تو مشکل میں تمہارے اپنے پھنسے ہوئے ہیں اور تم اس طرح ان کو اگنور کررہے ہو۔'' حامد نے کشن دوبارہ صوفے پر رکھتے ہوئے کہا۔

''میرے اپنے نہیں، میرا اپنا صرف ایک ہے...... میرا اپنا' میرا بھائی...... عمر تھا......'' وہ اچانک اکھڑ پن میں ان کی اہمیت سے انکاری ہو گیا۔ تو اسی وقت پھر فون کی بیل ہوئی۔ ذورین نے اگنور کر دیا۔ وہ جانتا تھا پھر عمار کا فون ہو گا۔ بیل مستقل ہوئی تو حامد نے ریسیور اس کو دیا۔

''ہاں' ہیلو!'' وہ اسی ٹون میں غصے سے بولا تو دوسری طرف عاتکہ تھیں۔ اس کے انداز پر ہنس پڑیں۔

''میں ہوں ذورین بیٹا جانی! جلدی آ جاؤ۔ بہت سردی لگ رہی ہے۔ اپنی مما کی بات تو نہیں ٹالو گے ناں۔''

وہ ممتا کے اعتماد کے ساتھ مان بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھیں وہ پگھل گیا۔ ان کو وہ کیسے انکار کرتا۔ ہتھیار ڈال دیے۔ ان کی محبتوں کے سامنے اس کی خودسری اور اکھڑ پن نے۔

''جی' میں آ رہا ہوں۔'' اس نے ریسیور رکھا اور دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر رہ گیا۔ حامد مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

''چلو' ان غیروں میں ایک اور اپنا نکل آیا۔ ہو سکتا ہے اپنوں کا قافلہ ہی بن جائے۔'' حامد نے اسے چھیڑا۔

''چپ رہو' زہر لگتے ہو تم مجھے جب ان کی حمایت کرتے ہو......'' وہ دہاڑا تو حامد ہنس پڑا۔

''اور مجھے تو تم اس وقت شہد لگتے ہو، جب تم آنٹی عاتکہ کی محبت کے سامنے مجبور ہو جاتے ہو اور ان کو اتنی ہی محبت دیتے ہو، عزت دیتے ہو۔'' حامد کو واقعی ایسے وقت بہت خوشی ہوتی جب ذورین ان کی عزت کرتا۔

''یہی تو بات ہے' میں مما کی محبت کے سحر میں کھو سا جاتا ہوں۔ نہ جانے کیا ہے ان کی محبت میں...... کہ میں بے بس ہو جاتا ہوں......''

اس نے تھکے ہوئے، ہارے ہوئے لہجے میں کہا تو حامد بھی کھڑا ہو گیا۔ سوئٹر پہن کر اس کی طرف پلٹا۔

''سچی محبتیں ہوتی ہی بڑی پر اثر اور پر تاثیر ہیں کہ بندہ ان کے اثر سے باہر رہ ہی نہیں سکتا اور پھر اس فیملی میں تو نہ جانے کیا کشش ہے کہ بندہ......'' حامد کو خود بھی احساس نہیں رہا کہ اس کی آواز کتنی گہری ہو گئی تھی۔ ذورین نے چونک کر حامد کو دیکھا۔

''یہ تم اس فیملی سے کچھ زیادہ ہی متاثر نظر آتے ہو' کہیں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو گئی؟''

ذورین کا معنی خیز لہجہ خاصا چبھتا ہوا یہ تاثر دے رہا تھا کہ اگر کوئی ایسی بات ہے تو بھی اسے گوارا نہیں۔ حامد بھی اسی انداز میں مسکرانے لگا۔

''ارے بھئی' ایسی گڑبڑ تو خود سر ہوتی ہے، اس کا راستہ کون روک سکتا ہے گڑبڑ ہو بھی سکتی ہے۔ تمہیں کوئی اعتراض ہے؟'' وہ اس انداز میں بولا کہ شاید کچھ اگل دے ذورین نے نیچے جھک کر گاڑی کی چابی اٹھائی اور ٹی وی آف کر کے اس کی طرف مڑا۔

''ہو بھی سکتا ہے۔'' ذورین نے ذرا مضبوط لہجے میں کہا تو حامد مسکراتا ہوا اس کے ساتھ آ گیا۔

☆☆☆

مطلوبہ جگہ پر ذورین اور حامد پہنچ گئے۔ گاڑی کا بونٹ کھولے عثمان صاحب اور عمار جھکے تک بندی کر رہے تھے مگر معاملہ ان کی سمجھ سے بالا تھا اس لیے وہ ذورین ہی کا انتظار کر رہے تھے۔ ذورین نے لائٹ آن کر کے اندر دیکھا۔ ذورین کو دیکھ کر ایک خوبصورت سی مسکراہٹ نیلو کے لبوں پر آ گئی۔ عاتکہ نے باہر نکل کر اسے پیار کر لیا۔

''میرے بیٹے نے آج تک میرا مان نہیں توڑا۔'' عاتکہ نے ذورین کی پیشانی پر پیار کر لیا تو نیلو نے شیشہ نیچے کر کے اسے دیکھا۔ اس کی چاہت کا ایک لطیف سا احساس دل کے قریب سے گزر گیا۔ شوخ سا جملہ اس کے ہونٹوں تک آ گیا۔

''یہ مان' یہ دل بہت نازک چیزیں ہیں مما! سنبھال کر رکھیے، توڑ پھوڑ پر تو ان کو عبور حاصل ہے۔''

''اور آپ اپنا سر بھی سنبھال کر رکھیے۔ سر توڑنے میں مجھے بہت مہارت حاصل ہے، سمجھیں آپ؟'' ذورین نے دانت پیس کر کہا اور پھر گاڑی پر جھک گیا۔ کافی دیر تک وہ لگا رہا۔ اسے تقریباً گاڑی کی خرابی کی جملہ بیماریوں سے واقفیت حاصل تھی اور اس گاڑی کی خرابی بھی وہ سمجھ گیا تھا۔ مگر اسے اس وقت سخت کوفت ہو رہی تھی کیونکہ نیلو گاڑی ہی میں بیگم صاحبہ بن کر بیٹھی ہوئی تھی وہ خود کو خواہ مخواہ ہی مکینک سمجھ رہا تھا۔

''گاڑی خالی کراؤ یار بھائی! دھکا لگا کر دیکھتے ہیں۔ اگر اسٹارٹ ہو گئی تو ٹھیک ورنہ......'' وہ بے زاری سے کہہ رہا تھا وہ یہاں آ گیا تھا یہی سب کے لیے بہت بڑی بات تھی۔ عمار جلدی سے نیلو کی طرف بڑھا شوخی سے جس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

''نیلو جانی بہن! آؤ باہر آ جاؤ۔ ذرا دھکا لگانا ہے۔''

''تو لگائیے ناں بھیا! بھلا پھول کا بھی کوئی بوجھ ہوا کرتا ہے...... اور یوں بھی میرے پاؤں اس وقت بہت سن ہو رہے ہیں۔ پلیز' ایسے ہی لگا لیجیے ناں۔''

وہ جب ہی کھڑے ذورین کو سنانے کے لیے زیادہ لاڈ بھرا لہجہ اختیار کیے بول رہی تھی تاکہ وہ مزید چڑے اور ایسا ہی ہوا۔

''ہاں یار! اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آؤ حامد' لگاؤ دھکا۔''

''پپا آپ اسٹیئرنگ سنبھال لیں' آؤ نا ذورین!''

عمار بھی پوری طرح چونکہ نیلو سے متفق تھا، اس لیے اس نے عثمان کو ڈرائیونگ سیٹ پر بٹھایا اور خود حامد کے ساتھ دھکا لگانے لگا۔

''ذورین! آؤ نا!'' حامد اور عمار نے ایک طرف اکڑ کر کھڑے ذورین سے کہا تو وہ غصے میں گاڑی کی طرف بڑھا۔

''اگر مما اتر سکتی ہیں تو یہ کیوں نہیں؟'' ذورین نے دروازہ کھولا اور نیلو کا ہاتھ پکڑ کر بے دردی سے باہر گھسیٹ لیا۔

''ہائے اللہ' میرا ہاتھ......'' نیلو درد سے کراہ اٹھی۔ واقعی اس حملے میں اس نے اپنی پوری قوت اور طاقت استعمال کر ڈالی تھی۔ اس کا ہاتھ بری طرح مڑ گیا تھا، تکلیف سے اس کی آنکھیں چھلک گئیں۔

''ایک دم وحشی ہو تم ذورین! جنگلی کہیں کے، اس طرح بھی کوئی کرتا ہے؟'' عاتکہ تو خیر چپ رہیں۔ وہ نیلو اور ذورین کے معاملے کے درمیان بولا ہی نہیں کرتی تھیں البتہ عثمان، جن کو نیلو سے بے حد محبت تھی تڑپ کر آگے بڑھے اور ذورین کی مضبوط گرفت سے نیلو کا نازک سا ہاتھ چھڑا لیا۔ ذورین نے غصے میں پاؤں مار کر گاڑی کا دروازہ بند کیا۔

''جانے دیں عثمان! ان کے معاملے میں آپ مت بولا کریں۔ نیلو بھی تو ذورین کو چڑانے والی حرکتیں کرتی ہے۔ چلو بیٹا' تم اپنا کام کرو، یہ دونوں باپ بیٹی تو بس......!'' عاتکہ نے آگے بڑھ کر ذورین کو پچکارا تو وہ پھر عاتکہ ہی کی محبت کے سامنے ہار سا گیا ورنہ اس نے سوچ لیا تھا کہ یہ لوگ خواہ کتنا ہی خوار ہوں، وہ گاڑی لے کر یہاں سے فرار ہو جائے گا اور پھر دھکا لگتے ہی گاڑی فراٹے بھرنے لگی۔ ذورین اب واپس گھر جانا چاہتا تھا مگر پھر عاتکہ سامنے آن کھڑی ہوئیں۔

''اب تو میں تمہیں گھر جانے نہیں دوں گی۔ آج میرا دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ تم ہمارے ساتھ چلو۔ مگر تم نے انکار کر دیا تو دیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ نے کس طرح تمہیں یہاں پہنچا دیا ہے لہٰذا اب تم ہمارے ساتھ چلو گے......''

عاتکہ کی بات اس نے نہ آج تک ٹالی تھی، نہ اب ٹال سکا' مجبوراً اسے جانا پڑا۔

''میں مما پپا کے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں۔ نیلو' تم ان دونوں کے ساتھ آ جاؤ اور سنو' لڑنا جھگڑنا نہیں۔ آؤ نیلو......''

عمار نے نیلو کے لیے دروازہ کھولا تو ذورین جو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔ عمار کو گھورنے لگا۔

حامد البتہ خوش ہو گیا۔

''واہ...... یہ بات ہوئی ناں عمار بھائی، آپ بھی کبھی کبھی دل لگتی باتیں کر جاتے ہیں۔ ہم سفر اچھا ہو تو سفر خواہ مخواہ ہی دلفریب ہو جاتا ہے...... آؤ نیلو!'' اب حامد' ذورین کو جتانے کے لیے کہہ رہا تھا یا اپنے کسی جذبے کی تسکین کر رہا تھا وہ خود بھی سمجھ نہیں پایا تھا تو کسی اور کا دھیان کیا جاتا۔

''میں گاڑی ڈرائیو...... کرنے کے موڈ میں قطعی نہیں ہوں اور اب تو میں اس گاڑی میں ہرگز نہیں بیٹھوں گا......''

وہ اکھڑ پنے سے گاڑی سے اتر کر کھڑا ہو گیا تو ایک ہلکی سی ٹیس نیلو کے دل میں اتر گئی مگر وہ آگے بڑھی۔ اور گاڑی کی چابی ذورین کے ہاتھ سے کھینچ لی اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

''اور میں اسی گاڑی میں بیٹھوں گی اور گاڑی ڈرائیو کرنے کا میرا زبردست موڈ ہو رہا ہے...... آیئے بھائی!''

نیلو نے عمار کے لیے فرنٹ ڈور کھول دیا تو وہ ان دونوں پر افسوس کرتا ہوا بیٹھ گیا اور ذورین نیلو کو گھورتا ہوا اور پاؤں پٹختا ہوا دوسری گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ ہر بات اس کے موڈ کے خلاف ہو رہی تھی۔

''عثمان......! گاڑی والا معاملہ تو اب پھر کبھی پڑ لیے...... آج تو صرف عمار کی شاپنگ ہی ہو گی۔''

''جی ہاں' گاڑی کے معاملے میں تو آپ کی نیت گھر ہی سے خراب تھی۔ ظاہر ہے۔ اب وقت تو ہے نہیں۔ اور میری بیٹی تو جوتا خریدنے میں اتنا وقت لگتی ہے تو گاڑی خریدنے میں تو اسے پورا دن درکار ہو گا اور میری بیٹی کی پسند کوئی ایویں ہوتی بھی نہیں، بہترین چیز پسند کرتی ہے۔'' عثمان صاحب کا لہجہ بیٹی کی محبت میں ڈوبا ہوا تھا جو ذورین کے غصے اور نفرت کے گراف کو ہائی کرنے کے لیے کافی تھا۔ وہ تو باپ تھے، ان کو تو ہمیشہ ہی سے نیلو سے اتنی ہی محبت...... ہو گی مگر ذورین یہ سمجھتا تھا کہ عثمان محض اس کو چڑانے کے لیے نیلو سے اتنی وارفتہ محبت کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ سلگ اٹھے۔ اور شاپنگ میں تمام وقت وہ جلتا کڑھتا رہا۔ باقی سب انجوائے کرتے رہے۔ حامد اور نیلو خوب باتیں کرتے رہے۔ عمار اپنی شاپنگ کرتا رہا اور ہر چیز میں وہ نیلو کی پسند کو اہمیت دیتا تو ذورین راکھ ہو جاتا۔ شاپنگ کے بعد ڈنر کی باری آئی تو ذورین کہیں اور جانا چاہتا تھا مگر عثمان نے نیلو کی پسند کو اولیت دی۔

''اور آپ کب جا رہے ہیں؟'' نیلو نے کن آنکھیوں سے ذورین کو دیکھا جو منہ پھلائے کسی معصوم اور اکھڑ بچے کی طرح لگ رہا تھا جس کو والدین پسند کا کھلونا نہ خرید کر دیں تو اس کا منہ بن جاتا ہے۔ وہ حامد سے پوچھ رہی تھی۔

''دعا کرو...... بھئی تمہاری دعائیں تو بہت پر اثر ہوتی ہیں۔'' حامد کے لہجے میں جانے کیا تھا نیلو نے چونک کر اسے دیکھا۔

''آپ کو کیسے پتا چلا کہ میری دعاؤں میں اثر ہوتا ہے؟''

''کیا اس ثبوت کے لیے میرا اور ذورین کا یہاں وجود کافی نہیں؟'' حامد نے ذرا دھیمے سے لہجے میں کہا تو اس کے الفاظ کا عکس نیلو کے چہرے پر عیاں ہو گیا کیونکہ واقعی اس نے شدت سے دعا مانگی تھی کہ ذورین کسی طرح آ جائے تو اللہ نے اس کی دعا کو یوں پورا کر دیا تھا۔ اس نے ایک نظر اس گھر کو دیکھا جو کنارے پر انجان بنا کھڑا اسے ڈوبتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ ایک بھیگی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آ گئی تو وہ سر جھکا کر کھانے لگی۔

٭٭٭

رفیق اپنے کوارٹر میں چارپائی پر لیٹا آئندہ کے حالات کا تانا بانا بن رہا تھا۔ سب کچھ ٹھیک ہی تو جا رہا تھا۔ شجاع الدین تو عین اس کی نیچر کا آدمی تھا اور اس کے سوچے ہوئے ڈرامے کو بہت خوب صورتی اور جاندار اداکاری سے کامیاب بھی بنا سکتا تھا لیکن وہ ہاجرہ کے اچانک آ جانے سے بہت بدمزہ تو ہوا ہی تھا، خوف زدہ بھی ہو گیا تھا۔ اس نے تو اس واقعے کے بعد ہاجرہ کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں تھا سوچا تھا تو بس اتنا کہ مر کھپ گئی ہو گی مگر یوں اچانک شجاع الدین کے گھر دیکھ کر تو کچھ دیر کے لیے جیسے اس کے حواسوں پر بجلی گر گئی تھی اور ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے...... کہ اب نہ جانے کیا ہو مگر شاید قسمت مہربان تھی، تب ہی تو ہاجرہ وہ واقعہ بھول گئی تھی اور اپنی بیٹی کو یہاں ملازم رکھوانا چاہتی تھی۔

''ہاں ہاجرہ کی لڑکی شانو میرے بہت کام آ سکتی ہے...... ٹھیک ہے میں اسے یہاں ضرور ملازم رکھواؤں گا...... اور...... اور......'' وسو جب کوارٹر میں داخل ہوا تو کمرے میں بہت کم پاور کی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سامنے ہی چارپائی پر رفیق حسب عادت سونے سے قبل اپنی سوچوں کو مختلف انداز میں دیکھ رہا تھا اور وہ چشم تصور میں شانو کو اپنے عزائم کے لیے استعمال کر کے دیکھ رہا تھا کہ وہ تیز شوخ لڑکی کس حد تک اس کے لیے فعال ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ سیدھا لیٹا فضاؤں میں ہاتھ لہرا لہرا کر خوش ہو رہا تھا۔ وسو کو شرارت سوجھی، اس وقت رفیق کی اس پر نظر پڑی تو وہ سوتا بن گیا۔ وسو آگے بڑھا اور اس کا پاؤں ہلا کر پوچھنے لگا۔

''خالو...... اے خالو جان...... سو گئے کیا......؟'' اب رفیق بالکل ہی سوتا بن گیا۔ وسو کو معلوم تو تھا ہی مگر اسے یقین تھا کہ وہ اب بولے گا نہیں، اس نے چارپائی کی ٹوٹی ہوئی رسی نکالی اور اس کے پاؤں کو چارپائی کے ساتھ باندھ دیا۔ اس کے پیچھے وسو کی شرارت تھی یا کوئی چال تھی۔ خالو سمجھ نہ سکا

اور نہ ہی ہلا کہ کہیں اسے بیداری کا علم نہ ہو جائے۔ اس کے پاؤں کے ساتھ کچھ ہو رہا ہے، اتنا تو اسے محسوس ہو رہا تھا مگر اس کا پاؤں باندھا جا رہا ہے، یہ اسے معلوم نہ ہو سکا۔ وہ بے حس پڑا رہا اور وسو اپنی کارروائی سے فراغت کے بعد خالو کو دیکھ کر ہنسا اور دوسرے کمرے میں سوئی ہوئی نسرین کو اونچی آواز میں بتانے لگا۔

''خالہ جی سو رہی ہو کہ جاگ رہی ہو؟'' وسو نے زور سے پوچھا پھر خود ہی باریک آواز بنا کر بولا۔

''اے میرے چاند سے بھانجے' میرے بچے! جاگ رہی ہوں۔'' اور پھر وہ نسرین کی طرح کھانسنے بھی لگا۔ رفیق کی تمام تر حسیات بیدار ہو کر وسو کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔ اور اس دوران میں وہ یہ بھول چکا تھا کہ اس کے پاؤں کے ساتھ کوئی سانحہ پیش آ چکا ہے۔

''اچھا تو تم جاگ رہی ہو اور یہاں اپنے خالو جان بے چارے ابدی نیند سو چکے ہیں۔ خیر مٹی ڈالو خالو پر، میں یہ گاجر کا حلوہ اور بھنا ہوا مرغ چرا کر لایا ہوں کوٹھی سے' اٹھ کر کھا لینا۔'' وسو نے پلٹ کر خالو کو دیکھا۔ وہ بھی دیکھ ہی رہا تھا، جس میں پانی بھر آیا تھا۔ وسو کو پلٹتا دیکھ کر رفیق نے جھٹ آنکھیں موند لیں اور سوچنے لگا کہ نسرین تو جوڑوں کے درد کی مریض ہے، کہاں اٹھے گی۔ جیسے ہی وسو کے خراٹے گونجیں گے، وہ اٹھ کر سب چٹ کر جائے گا۔ وسو نے اسے یقین دلانے کے لیے برتن بھی بجائے تا کہ خالو کو یقین ہو جائے کہ واقعی کوئی چیز ہے۔ وسو نے اسے دیکھا تو پھر کوئی شرارت ذہن میں آ گئی۔

''اور...... ہاں خالہ جی! آج مجھے تنخواہ ملی ہے، تین ہزار ہیں پورے۔ یہ میں اپنے تکیے کے نیچے رکھ کر سو رہا ہوں۔ صبح یاد دلانا، گھر منی آرڈر کر دوں گا۔ اور ہاں، کانے کبوتر خالو کو پتا نہ چلے کہ میں نے تکیے کے نیچے پیسے رکھے ہیں۔ تم جانو' لالچی کوا ہے خالو......''

اب وسو کو اچھی طرح خبر ہو گئی تھی کہ اس نے خالو کے لالچ بھرے تجسس کو بری طرح ابھار دیا ہے اور اس کے پیٹ میں لالچ کے کیڑے اودھم مچا رہے ہوں گے اسی لیے اس نے نقلی خراٹے لینے شروع کر دیے۔ رفیق کو اپنی منزل قریب نظر آنے لگی۔ پہلے اس نے حلوہ کھانے کا پروگرام بنایا اور پھر تین ہزار اڑانے کے حسین تصور میں وہ دبے انداز میں اٹھا مگر چارپائی سے اٹھنے والی آوازیں اسے خوف زدہ کر گئیں۔ وہ بہت احتیاط سے اٹھ کر بھاگنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ مگر بندھے ہوئے پاؤں کا تو اسے معلوم ہی نہیں تھا' وہ جیسے ہی اٹھ کر جانے لگا تو دھڑام سے نیچے گرا اور اس طرح گرا کہ چارپائی اس کے اوپر گری اور پایہ سر پر لگا کہ دماغ میں ٹن ٹن ہونے لگی، اب ایک طرف تو وہ چارپائی کے نیچے دبا ہوا تھا، دوسرا وسو کے جاگ جانے کا خیال تھا جس کے خراٹے اب رک گئے تھے۔ رفیق دم

سادھے پڑا رہا۔

''کیا ہوا خالو! ہو کہ گزر گئے؟'' وسو نے لحاف سے ذرا سا منہ نکال کر خالو کو دیکھا تو اسے ہنسی آ گئی۔ عجیب مشکل میں پھنسا ہوا تھا رفیق۔

''ارے کچھ نہیں ہوا' تم چپکے پڑے رہو۔ بڑا شوق ہے، مجھے گزارنے کا تمہیں اور تمہاری خالہ کو......''

رفیق نے سر سہلاتے ہوئے کہا اور چارپائی کھسکا کر پاؤں کھولنے لگا اور سوچنے لگا کہ پاؤں بندھا کیسے؟

''اچھا خالو! یہ ابھی کچھ گرنے کی آواز آئی تھی۔ یوں لگا جیسے چارپائی کسی کے اوپر گری ہو۔ بتی جلاؤں، دیکھوں کوئی آ تو نہیں گیا، کوئی چور وغیرہ۔'' وسو نے مزید ڈرایا تو رفیق تپ گیا۔

''ارے چپ کر کے سو جا، خبردار! جو بتی جلائی ہو تو......اور یہ میرا لحاف گرا تھا' کوئی چارپائی نہیں گری۔''

''اچھا! حیرت ہے، لحاف گرنے کی ایسی دردناک آواز آج تک تو سنی نہیں۔ خیر، تم کہہ رہے ہو تو......ایسا ہی ہوگا مگر پھر بھی احتیاطاً لحاف کا سر دیکھ لو، چوٹ ووٹ نہ آ گئی ہو؟'' وسو اپنی ہنسی چھپاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اچھا' اب تو اپنی بک بک بند کر اور سو جا...... بولے جائے گا، اپنی خالہ کی طرح......'' رفیق بہ مشکل اپنا پاؤں رسی کی قید سے آزاد کر پایا تھا۔ وسو نے اسے دیکھا، وہ اب چارپائی آہستگی سے ہٹا کر اٹھ رہا تھا۔

''اچھا خالو، شب بخیر! تم بھی اب سو جاؤ، ہم تو صبح اٹھ کر گاجر کا حلوہ کھائیں گے۔ میں اور خالہ دونوں مل کر گاجر کا حلوہ کھائیں گے......''

وسو اسے سنانے کے لیے بولا اور پھر لحاف لپیٹ کر سوتا بن گیا۔ رفیق ہنس پڑا۔

''ہاں' کھانے دیتا ہوں، گاجر کا حلوہ تم خالہ بھانجے کو......'' رفیق اٹھا' بڑی احتیاط سے برتنوں تک پہنچا اور احتیاط سے ٹٹول رہا تھا مگر حلوہ کہیں ہوتا تو ملتا۔ اسی کوشش میں بے چارے رفیق کا ہاتھ گرم گرم راکھ پر بھی پڑ گیا تو وہ تڑپ اٹھا مگر خوف سے آواز بھی نہیں نکالی۔ اسے وسو پر سخت تاؤ آ رہا تھا۔

''کم بخت نے جانے کہاں رکھ دیا ہے حلوہ، یہیں کہیں سے تو آواز آئی تھی رکھنے کی......'' وہ جھنجلا رہا تھا۔ اس جیسے کائیاں آدمی کو بالشت بھر کا لڑکا چکما دے جاتا تھا۔ مگر گاجر کا حلوہ اسے اتنا پسند تھا کہ وہ کوئی بھی رسک لے سکتا تھا۔ اس نے آہستگی سے ایک پتیلی کا ڈھکن اٹھایا تو ڈھکن نیچے گر گیا اور

آواز گونج اٹھی اور ساتھ ٹن سے آواز آئی اور سر پر زور سے ڈنڈا پڑا۔

''ہش! لگتا ہے، کوئی اونچی بلی گھس آئی ہے اور سارا گاجر کا حلوہ چٹ کر گئی ہے۔ ہائے خالہ، میں نے کتنے ارمانوں سے اپنے اور تمہارے لیے حلوہ خریدا تھا۔ کھا گئی بلی، سارا حلوہ کھا گئی۔'' وسو نے ڈنڈا گھمایا، رفیق کے سر پر جمایا، تب رفیق کو بولنا ہی پڑا۔

''ابے چپ کر کم بخت! جھوٹ بولتا ہے، کہاں ہے گاجر کا حلوہ سارے برتن ٹٹول مارے مگر مجال ہے کہیں نظر آ جائے، کیا حلوے کو آسمانی ٹوپی پہنا رکھی ہے؟ حلوہ کہیں سے ملا نہیں، سر الگ ٹوٹا' ہاتھ پر چھالے جو پڑے وہ الگ۔ جھوٹا کہیں کا......''

''اچھا تو یہ تم ہو خالو!'' وسو نے آواز سن کر کہا' جھٹ لائٹ جلائی اور پھدک کر خالو کے سر ہو گیا۔

''ہائے......! خالو تم انسان ہو کہ حیوان ہو۔ پورا دو کلو گاجر کا حلوہ چٹ کر گئے ہو......اور اف میرے خدا! کتنے پیٹو ہو تم کہ دو کلو گاجر کا حلوہ......'' وسو اتنے پیارے واویلا مچانے لگا تو رفیق کو شدید غصہ آ گیا۔

''بکومت' کوئی گاجر کا حلوہ وغیرہ نہیں تھا، میں نے سارے برتن ٹٹولے ہیں۔''

''دیکھو......دیکھو' میں کوئی تمہارے مالکوں کی طرح یا بیوی کی طرح معصوم اور بے خبر نہیں ہوں جن کو تم آسانی سے بے وقوف بنا لیتے ہو۔ میں نے خود تمہیں حلوہ دونوں ہاتھوں سے کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ دیکھو' ابھی بھی تمہارے منہ پر لگا ہے یہ...... یہ مونچھوں کی لکیر کے نیچے جو کچھی ہے اس کے ساتھ دیکھ......ابھی بھی گاجریں لٹک رہی ہیں......''

''ابے چل ہٹ! بے وقوف بناتا ہے......''

''خدا تمہیں جہنم رسید کرے گا خالو رفیق! ایسی حرکتیں کرتے ہوئے۔ ہائے میرا حلوہ، خدا کرے تمہارے پیٹ میں ایسے مروڑ اٹھیں کہ...... یہ دیکھو' ابھی تمہارے منہ پر لگا ہے گاجر کا حلوہ......''

اور پھر وسو نے رفیق جیسے چنٹ آدمی کو ایسا الو بنایا کہ وہ اسے گھورتا تو رہا مگر اسے بھی وہم سا ہونے لگا۔ اس نے اپنا منہ رگڑ ڈالا اور اسے گھورتا ہوا چارپائی کی طرف آ گیا۔ چارپائی سیدھی کی اور لیٹ گیا۔ وسو نے جب دیکھا کہ وہ لیٹ گیا ہے تو جیسے بڑبڑانے لگا، محض اسے سنانے کے لیے۔ اونچی آواز میں بولنے لگا۔

''ہاں یہ میرے تین ہزار ہیں۔ ماں کو بھیجوں گا۔ وہ میری شادی کی تیاری کرے گی اور......اور'' پھر کچھ دیر بعد اس کے خراٹے گونجنے لگے مگر رفیق کو اب چین کہاں تھا۔ حلوے کی کھسیاہٹ ابھی باقی تھی۔ اب وہ انتقاماً وسو کی رقم چرانا چاہتا تھا لہٰذا وسو کی نیند گہری ہو جانے کا یقین ہو گیا تھا یا دانستہ بنا رہا۔ رفیق نے آہستگی سے اس کے تکیے کے نیچے ہاتھ ڈال کر رقم والا لفافہ نکالا، چوما اور اپنے بستر پر

آ گیا۔ جوش میں لیٹا تو تکیہ سرک گیا' بری طرح چارپائی سے ٹکرایا۔ ساری رات وہ اسی خوشی سے سویا سینے پر ہاتھ رکھ کر کہ کہیں پیسے فرار نہ ہو جائیں۔ رات بھر تو نیند آئی نہیں، صبح کے قریب کہیں نیند آ گئی تو وہ اس وقت اٹھا، جب وسو جا چکا تھا۔ اس نے گھبرا کر...... دائیں بائیں دیکھا، نسرین بھی نہیں تھی اس نے جلدی سے جیب سے لفافہ نکالا، تین ہزار کے نوٹوں کی خوشبو کو اس نے اندر اتارا، لفافہ کھولا تو اندر سے ایک چھوٹی سی چٹ برآمد ہوئی جس پر لکھا تھا۔

''کھو خالو رفیق! کیسا رہا مذاق!'' رفیق سر سے پیر تک سلگ اٹھا۔ اس کے بس میں ہوتا تو ابھی اس کا سر توڑ دیتا۔

''الو کا پٹھا! میرے ساتھ مذاق کرتا ہے، سمجھ لوں گا تمہیں۔'' رفیق غصے میں تپا ہوا اٹھا مگر پھر دھڑام سے چارپائی ہی پر گر گیا کیونکہ وسو جاتے جاتے اس کا پاؤں پھر چارپائی سے باندھ گیا تھا۔

☆☆☆

''ماہ ما جانی...... ! آؤ، تمہارے پپا آ گئے ہیں، لینے کے لیے' آؤ چلو۔'' عفت جہاں کسی حد تک گھبرائی ہوئی تھیں۔ اس کی آمد پر میوزک اور ڈانس بند ہو گیا تھا۔ ماہ ما جلدی سے ان کی طرف بڑھی۔ وہ گھر جانا چاہتی تھی مگر ٹونی ایک دم سامنے آ گیا۔ بے تکلفی سے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''نہیں آنٹی! آج تو ماہ ما نہیں جائے گی۔ اتنے عرصے کے بعد پرانی ماہ ما ہمیں ملی ہے تو ہم ابھی اسے کھونا نہیں چاہتے۔ آپ...... آپ چلی جائیں انکل کے ساتھ، ہم آ جائیں گے...... میں خود چھوڑ دوں گا ماہ ما کو......''

''نہیں ٹونی' بہت دیر ہو گئی ہے اب اس کے پپا خود لینے آ گئے ہیں تو...... آؤ ماہ ما۔''

عفت جہاں نے ٹونی کا ہاتھ ماہ ما...... کے بازو سے ہٹایا۔ وہ تو اس بات سے خوف زدہ ہو رہی تھیں کہ اگر حبیب صاحب ادھر آ جاتے تو قیامت ہی تو آ جاتی۔

''نہیں آنٹی' پلیز! دیکھیے اتنے دنوں کے بعد تو ہم لوگ انجوائے کر رہے ہیں۔ ہم نے اپنے دوستوں کو صرف اسی لیے انوائٹ کیا تھا کہ ان کو بتائیں' ہم لوگ لندن میں کس طرح رہتے تھے۔ پلیز آنٹی! آج ماہ ما کو یہیں رہنے دیں' پلیز!''

ماریہ نے بڑی منت سے کہا پھر سارا گروپ اس فرمائش میں شریک ہو گیا تو عفت جہاں نے سوچا' میں کیوں بری بنوں انہوں نے سب کو حبیب صاحب کے سامنے کر دیا۔ پہلے تو حبیب صاحب نے ماہ ما کو تیز نگاہوں سے گھورا جو اسے اپنے آر پار ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ ایک تو ان کو اس کے لباس پر اعتراض ہوا تھا اور دوسرا ٹونی کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے آنے پر......

''انکل پلیز! ماہ ما کو آج یہیں چھوڑ دیں' ہم خود اسے ڈراپ کر دیں گے، پلیز!''

ٹونی کو تو بشریٰ بیگم نے اشارہ کر دیا تھا۔ وہ ماہ ما سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اب ماریہ اور دوسرے دوست اصرار کر رہے تھے۔

''نہیں بچو! بہت ہو گیا، میں تو اتنے کے بھی حق میں نہیں مگر...... چلو ماہ ما!''

حبیب صاحب نے خشک لہجے میں ماہ ما سے کہا تو وہ چپکے سے ان کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔

''دیکھا تم نے، باپ کے تو اشاروں کی غلام ہے یہ لڑکی!'' عفت جہاں نے جل کر بشریٰ کے کان میں کہا تو وہ عیاری سے مسکرائیں۔

''ڈونٹ وری عفت ڈیئر! بچی ہے ناں...... دیکھ لیں گے ہم بھی......'' بشریٰ نے بھی اسی انداز میں کہا۔

''بیٹھو تو سہی حبیب! تم میں تو پہلے والی بات رہی ہی نہیں۔ لندن میں تھے تو بالکل انگریز تھے، پاکستان آئے ہو تو پکے پاکستانی بن گئے ہو۔ یار، بندے کو اتنی جلدی بدلنا نہیں چاہیے۔''

محسن صاحب سگار سلگاتے ہوئے حبیب صاحب کے قریب آ گئے۔ انہوں نے ایک تلخ سی نگاہ ان پر ڈالی۔

''میں لندن میں بالکل انگریز تھا۔ وہ میری غلطی، میرا قصور تھا، یہاں آ کر میں پاکستانی بن گیا ہوں تو یہ میری اس غلطی کا اقرار اور ازالہ ہے اور تم بھی اب انگریزوں کی یہ اترن اتار پھینکو۔'' حبیب صاحب نے انگلی سے محسن صاحب کے گیلس کھینچ کر چھوڑ دیے تو محسن صاحب کا فلک شگاف قہقہ گونج اٹھا۔ حبیب صاحب نے ناگواری سے منہ دوسری طرف کر لیا۔

''عفت بھابی بالکل درست کہتی ہیں حبیب، تمہارے اندر کا پینڈو کبھی مر نہیں سکتا، کبھی CIVILIZED نہیں ہو سکتا۔''

''خدا نہ کرے کہ میرے اندر کا پینڈو مرے یا وہ اس طرح کا CIVILIZED ہو کہ میں...... چلو ماہ ما!''

حبیب صاحب کو طیش آ گیا تھا۔ وہ محسن صاحب سے بحث نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو بچے پھر ماہ ما کو روکنے پر مصر ہو گئے۔ کبھی وہ حبیب کو کہتے تو کبھی عفت بیگم سے اصرار کرتے، تب انہوں نے بچوں کی حمایت کر دی۔

''حبیب چلیے' ہم چلتے ہیں' ماہ ما کو یہیں رہنے دیں۔ بچے ہیں۔ کبھی کبھار تو ایسے مواقع ملتے ہیں، آ جائے گی ماہ ما۔ یہ لوگ خود چھوڑ دیں گے۔'' عفت جہاں کو خواہ مخواہ ہی بچوں سے ہمدردی ہونے لگی تھی۔

''حبیب بھائی، ایسی بھی کیا بے اعتباری! ماہ ما ہماری بھی بیٹی ہے، ہم خود اسے چھوڑ دیں گے،

بچے ضد کر رہے ہیں......تو......"

"بچے اگر آگ میں کود جانے کی ضد یا فرمائش کریں گے تو اس کی اجازت آپ تو دیں گے مگر میں نہیں، چلو ماہ ما!"

حبیب صاحب نے سرد مگر سخت لہجے میں کہا اور ماہ ما کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنے لگے۔ ماہ ما پلٹ کر ماں کو دیکھنے لگی تو ایسے میں ٹونی کو ہیرو بننے کا خیال آ گیا۔ اس نے حبیب صاحب پر واضح کرنا چاہا کہ ماہ ما......اسے دیکھ رہی ہے یار ہنا چاہتی ہے۔

"نہیں ماہ ما، تم جاؤ......ہم تو دوست ہیں، ہماری خیر ہے مگر تمہیں اپنے پپا کا حکم ماننا چاہیے اس لیے کہ والدین اپنے بچوں کے لیے بہت سی مشکلات فیس کرتے ہیں اس لیے بچوں کو ان کا فرماں بردار ہونا چاہیے، جاؤ......"

یہ الفاظ کہہ کر ٹونی ہیرو بن گیا۔ بشریٰ بیگم تو بیٹے پر نثار ہو گئیں۔

"ماشاءاللہ ہمارا بیٹا ذہین اور فرماں بردار ہے۔ کس طرح ماہ ما کو اپنے والدین کا حکم ماننے کا کہہ رہا ہے۔ ہائے ایسا لڑکا جسے مل رہا ہو، اسے اور کیا چاہیے......کیوں محسن؟" بشریٰ بیگم نے ٹونی کو ساتھ لگا کر پیار کرتے ہوئے محسن صاحب کو دیکھا، انہوں نے گہرا کش لے کر حبیب صاحب کی پشت کو دیکھا جو ان کے شدید خفا ہونے کا ثبوت تھا۔

"ہاں بھئی، آپ کا بیٹا بڑا ہونہار ہے مگر ہماری بیٹی بھی تو کسی سے کم نہیں بلکہ ہماری بیٹی تو اتنی اچھی ہے کہ ہم اس کو اس کے بد دماغ اور اکھڑ باپ سے مانگنے ضرور جائیں گے، ضرور جائیں گے......"

محسن صاحب نے ضرور کے لفظ میں اپنے ارادے کی پختگی کو ظاہر کیا تو حبیب صاحب پلٹ کر ان کو دیکھنے لگے۔ محسن صاحب سے ان کی ایک عرصے سے دوستی تھی مگر وہ اچھا اور درست آدمی نہیں، یہ وہ شروع ہی سے جانتے تھے مگر وہ دوستی کے اس فارمولے پر یقین رکھتے تھے کہ دوست کی دوستی سے کام ہونا چاہیے اس کے عیبوں سے نہیں لیکن دوست کے عیب اگر ان ہی کے گھر میں نقب لگائیں، یہ وہ کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

"محسن صاحب، یہ جو دامن ہوتا ہے ناں بڑی آبرو مند چیز ہوتا ہے، اس لیے دامن بہت سوچ سمجھ کر پھیلانا چاہیے۔ لوٹایا گیا خالی دامن غیرت کی موت ہوتا ہے اگر غیرت ہو تو......"

"مجھے اس کی پروا نہیں اس لیے کہ مجھے یقین ہے کہ میرا دامن خالی نہیں لوٹایا جائے گا......خدا حافظ!"

محسن صاحب نے ذرا تلخ ہو کر کہا اور حبیب صاحب کے جانے کا انتظار کیے بغیر کمرے میں چلے گئے اور وہ سلگتے ہوئے لوٹ گئے۔ ماہ ما فرماں برداری ان کے پیچھے چلتی ہوئی گاڑی میں آ بیٹھی۔

☆☆☆

بھائی صاحب کے دونوں بیٹوں کی شادیاں تھیں اس لیے سب لوگ گاؤں گئے ہوئے تھے۔ ماہ ما زندگی میں پہلی بار گاؤں گئی تھی۔ گاؤں اور وہاں کا ماحول اس کے لیے بالکل نیا تھا۔ یہاں تو دنیا ہی اور بستی تھی۔ تازہ اور بناوٹ سے پاک ہوا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی میں سب کچھ نیا تھا ماہ ما کے لیے۔ اسے یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا اور وہ بہت خوش تھی......اتنی بڑی سی حویلی میں خالص روایتی سا ماحول اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ خاص طور پر سب کی بناوٹ سے پاک محبتیں تھیں۔ اتنی رونق تھی، اتنے اچھے اچھے لوگ تھے کہ ماہ ما حیرت سے سب کو دیکھ رہی تھی۔

"اف توبہ! کتنی دشوار ہے زندگی یہاں پر، نہ جانے یہ یہاں کے لوگ یہاں رہتے کیسے ہیں؟ زندگی کی سہولیات تک تو یہاں میسر نہیں، بس فریش ائر کھا پی کی زندہ رہو......" عفت جہاں بھی ایک عرصے کے بعد گاؤں آئی تھیں۔ ان کو بھی یہاں کی زندگی میں چارم نظر نہیں آیا تھا۔ اس وقت بھی وہ باہر ہی سے آ رہی تھیں۔ حویلی کچھ تو رشتے داروں سے بھری پڑی تھی اور کچھ ملازمین اس قدر تھے کہ رش بڑھ گیا تھا۔ اس وقت بھی کسی رسم کی تیاری ہو رہی تھی۔ مہمان جوق در جوق آتے جا رہے تھے۔ عفت جہاں کو وحشت ہونے لگی تو وہ اپنے کمرے میں آ گئیں۔ ان کا پورشن حویلی میں ان کی عدم موجودگی کے باوجود آباد ہی رہتا۔ صدیقہ بیگم ان کے پورشن کا خیال رکھنا اپنا فرض سمجھتی تھیں۔

"عفت! یہ کیا، وہاں لوگ آپ کو پوچھ رہے ہیں اور آپ یہاں آ گئی ہیں۔ معلوم بھی ہے، زیادہ تر لوگ آپ سے اور ماہ ما سے ملنے آ رہے ہیں اور ویسے بھی کوئی رسم ہونے والی ہے۔ سب جمع ہو رہے ہیں اور آپ یہاں تشریف لے آئی ہیں۔"

حبیب صاحب یہاں آ کر بہت خوش تھے۔ انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے وہ خود کو کہیں کھو آئے تھے، یہاں آ کر کھوج لیا ہو۔

"میرا تو دل گھبرا رہا ہے۔ اتنے لوگ ہیں کہ اور کیا ضرورت ہے، فضول قسم کی رسومات کی۔ آنکھوں میں سرما ڈالنا، پاؤں میں مٹکے توڑنا وغیرہ......ربش!" عفت جہاں نے رعونت بھرے انداز میں کہا۔

"عفت جہاں، جو رسمیں محبتوں کی کرنیں لٹاتی ہوں' آپس کی رنجش بھلا کر قریب لاتی ہوں، وہ فضول ہی کیوں نہ ہوں، اچھی لگتی ہیں۔ اچھا' وہ ہمارے چچا عبدالکریم ہیں ناں ......ایک عرصے سے خفا تھے، زمینوں کی وجہ سے۔ مگر اماں جان گئیں، خود جا کر پوتوں کی شادی کی دعوت دی تو سب سے پہلے وہ آئے ہیں۔ یہ ہیں خاندانی روایات اور رسمیں جو قریب لاتی ہیں......اور تم نے ماہ ما کو دیکھا۔ کتنی خوش ہے' سب لوگوں میں یوں گھل مل گئی ہے، گویا برسوں سے جانتی ہو سب کو اور وہ سب بھی اس

سے اتنا پیار کر رہے ہیں کہ......'' حبیب صاحب تو دو صورت کے تناظر میں ماہ ما کا مستقبل دیکھ رہے تھے۔

''حبیب صاحب' ماہ ما کے لیے یہ سب کچھ ایک جسٹ فار انجوائے منٹ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔''

عفت جہاں کو تو اسی خیال سے ہی کوفت ہونے لگتی تھی، دل گھبرانے لگتا تھا کہ ماہ ما ان کی اکلوتی اولاد یہاں رہے گی، اس حویلی میں، جس کی اپنی چار دیواری زیادہ بلند نہیں تھی مگر رسموں اور روایات کی فصیلیں اتنی بلند تھیں کہ ان کی معصوم بیٹی کا دم گھٹ جانے کا اندیشہ تھا۔ انہوں نے گو کہ شوہر پر ظاہر نہیں ہونے دیا تھا مگر اب انہوں نے شہرام سے ماہ ما کی شادی اس بات سے مشروط کر دی تھی کہ وہ گاؤں میں نہیں، امریکا میں رہے گا، وہاں نہیں تو شہر میں رہے گا۔

''ماہ ما میری بیٹی ہے عفت بیگم! زندگی کے حقائق کو انجوائے منٹ کی چٹکیوں میں نہیں اڑا سکتی۔ اسے اسی ماحول کا حصہ بننا ہے اور اس کو اسی میں سانس لینا ہے لہٰذا اس کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں......'' حبیب صاحب نے سخت لہجے میں تنبیہ کی۔

''ماہ ما میری بھی بیٹی ہے حبیب! یہ کیوں مت بھولیں آپ!'' عفت جہاں کی بات جاری تھی کہ دروازہ کھلا اور ماہ ما ہاتھ میں مہندی کا تھال لیے آ گئی۔ عفت جہاں کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''ماہ ما......! یہ...... یہ سب کیا ہے، کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے اپنا...... اس...... اسی بات کا خوف تھا مجھے۔''

عفت جہاں نے اسے دیکھا۔ ہاتھوں پر تو مہندی لگی ہی تھی، کچھ بالوں اور چہرے پر بھی لگی تھی۔ انہوں نے جھٹ تولیے سے ماہ ما کا چہرہ صاف کیا اور مہندی کے تھال کو حقارت سے دیکھتے ہوئے پرے رکھ دیا۔

''یہ کیا حرکتیں کرتی پھر رہی ہو تم' اپنا چہرہ دیکھو ذرا آئینے میں...... بالوں کا انگ حشر خراب کیا ہوا ہے......''

عفت جہاں نے اسے آئینے کے سامنے کر دیا تو اپنا حلیہ دیکھ کر وہ واقعی زور سے چیخ پڑی۔ حبیب صاحب کو اس وقت بیٹی پر بہت پیار آ گیا۔ وہ کتنی خوش اور مطمئن تھی۔ وہ یہی تو چاہتے تھے۔

''مما! ابھی مہندی کی رسم ہونے والی ہے۔ دادی ماں کہہ رہی تھیں کہ تم لڑکوں کی بہن ہو، مہندی کے تھال تم ہی لے کر جاؤ گی...... سچ مما! انہوں نے میرے لیے اتنا حسین لباس تیار کروایا ہے، گرین کلر کا لہنگا ہے اور ستاروں بھرا۔ اتنا پیارا کہ......''

وہ پرجوش انداز میں بتائے جا رہی تھی، وہ سلگ اٹھیں۔

''ماہ ما! تمہیں اتنا مکس اپ ہونے کے لیے کس نے کہا تھا؟'' غصہ تو عفت جہاں کو بہت تھا مگر حبیب کی وجہ سے وہ اتنا ہی کہہ پائیں۔

''یہ گاؤں، یہ لوگ، یہ سب اس کے اپنے ہیں عفت بیگم! یہاں ماہ ما کو کسی سے مکس اپ ہونے کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ ماہ ما بہن ہے اور اسے مہندی لے کر جانا ہے، اسے ہی بہن کا کردار ادا کرنا ہے۔ اماں جان نے اپنی خوشی سے اس کے لیے کپڑے بنوائے ہیں...... اور جو بہنوں کے فرائض ہیں۔ وہ ماہ ما ادا کرے گی۔ تم نہ تو اسے روکو گی اور نہ کسی کے سامنے کوئی ایسی بات کرو گی کہ کسی کے جذبات مجروح ہوں۔ یہ چاہتیں لٹانے والے چاہتوں کے طلب گار لوگ ہیں یہ......''

''جی ہاں' کیوں نہیں۔ ایک میرے ہی سینے میں دل کی جگہ پتھر دھرا ہے۔ میری تو نہ کوئی سوچ ہے، نہ جذبات ہیں، نہ پسند ہے، نہ ناپسند ہے۔ بس آنکھیں بند کر لوں اور ان کے پیچھے چلتی جاؤں۔ حبیب صاحب، میں کوئی نئی نویلی دلہن نہیں ہوں جسے آپ سکھا پڑھا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی عقل دی ہے۔ سمجھ بوجھ دی ہے۔ ماہ ما میری بیٹی ہے اور اس پر میرا حق ہے اور یہ مہندی کے تھال اٹھا کر دلہن والوں کے گھر نہیں جائے گی' ملازمہ ہے میری بیٹی کیا؟''

عفت جہاں سب جانتی تھیں کہ وہ غلط بات کر رہی ہیں مگر انہوں نے اپنے سسرال کو تمام عمر قبول نہیں کیا تھا تو اب بیٹی کے لیے وہ کس طرح پسند کر سکتی تھیں۔ ان کی اسی منطق پر حبیب صاحب سر تھام کر رہ گئے۔ ماہ ما کھڑی ہو گئی۔

''مما! اس میں ملازم ہونے والی کیا بات ہے۔ میرے اپنے بھائیوں کی شادی ہے۔ اگر یہ لوگ میرے سگے بھائی ہوتے، تب بھی تو میں یہ سب کچھ کرتی تب تو آپ بہت خوش ہوتیں اور اب منع کر رہی ہیں۔ مما' سب لوگ اتنے اچھے ہیں۔ مجھے اتنا چاہتے ہیں مگر......''

ماہ ما رو دینے کو تھی کیونکہ اس نے تو دیگر کزنز کے ساتھ مل کر خوب تیاریاں کی تھیں۔ گانے گانے تھے۔ لڈی ڈالنی تھی اور مما کے موڈ نے جیسے ساری گرم جوشی پر پانی ڈال دیا تھا۔

''بتاؤ...... بتاؤ بیٹی! اسے کہ اپنے کیا چیز ہوتے ہیں اور......'' حبیب صاحب کی بات جاری تھی کہ ہما سمیت کئی لڑکیاں جن میں ماہ ما کی کزنز بھی تھیں اور دوستیں بھی تھیں، آ گئیں۔

''ماہ ما! کیا بات ہے بھئی، اتنی دیر ہو گئی ہے اور تم آرام سے بیٹھی ہو۔ تیار بھی ہونا ہے۔ اماں جان سب کو ڈانٹ رہی ہیں۔ چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ، اماں جان تمہیں تلاش کر رہی ہیں اور وہ شہرام......'' ماہ ما کی کزن ہما تیزی سے بولتی ہوئی آ گئی تو عفت جہاں نے نخوت سے چہرہ دوسری جانب کر لیا۔ ماہ ما خوف زدہ ہو کر حبیب صاحب کو دیکھنے لگی۔

''جاؤ بیٹا! تمہیں اسی فضا میں سانس لینا ہے، اسی ماحول کا حصہ بننا ہے۔ جاؤ، جیسے دادی اماں

کہیں، ویسے ہی کرنا...... اور تائی جان جو کہیں وہ کرنا۔ او کے! جاؤ' شاباش!'' انہوں نے کہا مگر ماہ ماما کو دیکھ رہی تھی۔ اسے ان سے بہت محبت تھی اور جس بات میں وہ ناخوش ہوتیں وہ چاہنے کے باوجود نہیں کرتی تھی۔ اس وقت بھی وہ اجازت طلب نظروں سے ان کو دیکھ رہی تھی۔ جبکہ وہ منہ پھلائے اعتراض کا سمبل بنی ہوئی بیٹھی تھیں۔

''میں جاؤں مما!'' اس کے دھیمے سے لہجے میں ڈھلے الفاظ میں اجازت کی طلب بھی تھی اور اپنی خوشی کا اقرار بھی۔ انہوں نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی پھر وہ ہما کو دیکھنے لگیں۔ ماہ ما کی عمر کی یہ لڑکی ان کی رشتے کی نند کی بیٹی تھی۔ کچھ دیر وہ اسے دیکھے گئیں، وہ بھی پیاری اور معصوم سی لڑکی تھی۔ نہ جانے اسے دیکھ کر کون سا خیال آنکھوں میں روشنی بھر گیا۔

''میری پرمیشن کی تمہیں کیا ضرورت ہے، جب تمہارے پپا نے کہہ دیا ہے تو جاؤ، جو کرنا ہے کرو۔'' وہ اس سے بہت خفا تھیں کیونکہ وہ ان سب میں آ کر اس طرح گھل مل گئی تھی گویا یہیں پلی بڑھی ہو۔

''نہیں مما! ایسا نہ کہیں، مجھے آپ دونوں کی خوشی اور آپ دونوں کی پرمیشن چاہیے۔ آپ دونوں میرے لیے بہت بہت IMPORTANT ہیں۔'' وہ مما کے ہاتھ تھامے کہہ رہی تھی۔ انہوں نے محبت سے اسے دیکھا۔ وہ جتنی خوبصورت تھی، اتنی ہی معصوم اور سادہ لوح تھی۔ اتنی نازک مزاج تھی کہ وہ یہاں کے ماحول میں کہاں ایڈجسٹ ہو سکتی تھی۔ بس ان کو تو یہی سوچ کر وحشت ہوتی تھی۔

"MY POOR CHILD" جاؤ' میری جان! میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ تمہارا تو خدا ہی حافظ ہے......''

انہوں نے اس کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے افسردگی سے کہا تو وہ اٹھ کر ہما کے ساتھ آ گئی۔

☆☆☆

یہ ماہ ما کی زندگی کے حسین ترین دن تھے۔ وہ مرکز نگاہ بنی ہوئی تھی۔ اس کی مقبولیت کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ لندن میں پیدا ہوئی، پلی بڑھی مگر اس کے باوجود اتنی اچھی اور سادہ لوح اور معصوم تھی کہ ہر ایک کی باتوں میں آ جاتی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسے شہرام جیسے خاندان بھر کے خوبرو اور اچھے نوجوان کی دلہن بن کر اس حویلی میں آنا تھا۔

''چھوٹی بی بی! آپ کی سب سے چھوٹی بہو تو ماشاءاللہ بہت خوبصورت ہے۔'' رحیمہ ابھی ماہ ما کو تیار ہوتا دیکھ کر آئی تھی۔

''ہاں رحیمہ! ماشاءاللہ' چاند سورج کی جوڑی رہے گی، میں تو خدا کا شکرانہ ہی ادا نہیں کر سکتی۔ جس روز میری ماہ ما اس حویلی میں دلہن بن کر آئے گی، گھی کے چراغ جلاؤں گی......'' صدیقہ بیگم کو ماہ ما

بہت زیادہ عزیز تھی اور جب سے معلوم ہوا تھا کہ شہرام اسے شدت سے چاہتا ہے تو وہ ان کو اور زیادہ عزیز ہو گئی تھی۔

''چھوٹی بی بی! آپ نے کہا تھا کہ شہرام بھائی کی شادی پر تمہیں سونے کی بالیاں دوں گی۔'' رحیمہ نے ان کو یاد دلایا تو وہ، جو دلہن کے گھر لے جانے والا سامان تیار کر رہی تھیں، چیزیں اس کو دیتی ہوئی بولیں۔

''تو میں نے کب انکار کیا، خدا وہ دن تو دکھائے...... بالیاں کیا، پورا سیٹ بنوا کر دوں گی۔ چل اٹھ اور دیکھ جا کر...... ماہ ما تیار ہو گئی کہ نہیں۔ رسم کرنے جانا ہے، دیر نہ ہو جائے۔''

رحیمہ اٹھ کر باہر آ گئی، اندر باہر ڈیوڑھی اور کمروں میں ہر طرف مہمان خواتین تھیں۔ رسم کے لیے سب تیار ہو رہی تھیں۔ ماہ ما کو تو اماں جان اپنی نگرانی میں تیار کروا رہی تھیں۔ گرین کلر کے دوپٹے پر انہوں نے خود اپنے ہاتھوں...... سے گوٹا...... لگایا تھا۔ ایک ایک ٹانکا انہوں نے محبت سے لگایا تھا۔

''اماں جان! اس کے بال چھوٹے ہیں، پراندہ تو ڈل ہی نہیں سکتا۔'' ہما بڑا سا پراندہ لیے اماں جان کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ خود اٹھ کر ان کے قریب آ گئیں، پراندہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''نہیں ڈل سکتا...... ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔ اتنے تو خوبصورت بال ہیں میری گڑیا کے...... میں چٹیا بناتی ہوں......''

انہوں نے ہما کو پیچھے ہٹایا اور خود اس کے بال سنوارنے لگیں۔ ہاتھ کپکپا رہے تھے اس لیے اس کے کرلی بال ان کے قابو میں آ بھی نہیں رہے تھے۔ انہوں نے تیل والا ڈبا اٹھایا اور اس کے سر پر انڈیلنا ہی چاہتی تھیں کہ ہما تڑپ کر آگے بڑھی اور ان کا ہاتھ روک لیا۔

''یہ کیا کر رہی ہیں اماں جان! تیل لگا رہی ہیں۔ اتنے خوبصورت بالوں کا حشر ہو جائے گا۔''

''ہٹو لڑکی! تیل لگانے سے بالوں کا حسن بڑھتا ہے کہ کم ہوتا ہے۔ ارے' فیشن نے بیڑا غرق کر کے رکھ دیا ہے آج کل کی عورت کے حسن کا۔ مجال ہے، جو قدرتی رعنائی باقی رہ گئی ہو۔ الٹے سیدھے فیشن کر کے بیڑا غرق کر لیتی ہیں۔ ہٹو پیچھے، تیل سے بال خوبصورت بھی رہتے ہیں اور بڑھاپے میں بھی......'' قریب تھا کہ اماں جان کارروائی کر گزرتیں۔ ہما نے ماہ ما کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

''اماں جان! آج گھر میں تقریب ہے اور تیل میں چپڑے بال...... ایک دم برے لگیں گے لیکن...... میں خود چٹیا بنا دیتی ہوں۔ اس کی۔'' اور پھر ہما نے کھینچ تان کر ماہ ما کی چٹیا بنا دی۔ کئی لٹیں چہرے کے اطراف پر پڑی رہیں۔

''دیکھیے اماں جان! کیسی لگ رہی ہے ماہ ما؟'' ہما نے اسے اماں جان کے سامنے کر دیا تو انہوں

نے بے ساختہ اس کی نظر اتاری، بلائیں لے لیں۔ وہ اس حویلی کی اکلوتی بیٹی تھی اس لیے بھی سب کا بے پناہ پیار اسی کے حصے میں آیا تھا۔

"ماشاءاللہ خدا نظر بد سے بچائے۔ چٹیا میں کتنی اچھی لگ رہی ہے میری گڑیا! بالکل پری لگ رہی ہے۔ آئندہ بال سیٹ نہ کروانا۔ شہرام کو یہ سب بالکل بھی پسند نہیں اور شریف لڑکیاں صرف اور صرف اپنے شوہر کے لیے بنتی سنورتی ہیں۔"

اور اماں جان اسی طرح اسے شہرام کی پسند اور ناپسند کے بارے میں بتاتی رہیں اور شہرام کے نام سے کئی رنگ اس کے صبیح رخساروں پر پھیل گئے۔

دوسری لڑکیاں بھی اماں جان کی ہدایت پر تیار ہونے چلی گئیں۔ ماہ ما خود تیار ہو کر مہندی کے سجے ہوئے تھالوں پر رکھی موم بتیاں روشن کرنے لگی۔ یہ سب اس کے لیے نیا بھی تھا اور خوبصورت بھی۔ ایک عجیب طرح کی خوشی کی دھنک بکھری ہوئی تھی۔

"دادی جان! یہ دیکھیے، تمام موم بتیاں روشن ہو گئیں۔ اب باہر لے کر چلی جاؤں؟" وہ تھال سنبھالے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں چندا! ابھی سب بہنوں کو تیار ہو کر آنے دو پھر جانا۔ ماشاءاللہ، میری بیٹی تو اتنی پیاری لگ رہی ہے۔ خدا نظر بد سے بچائے......"

اماں جان نے اس کے اوپر سے پیسے وار کر رکھ لیے اسی وقت دروازہ کھلا۔

"دادی جان! وہ امی جان چابیاں مانگ رہی ہیں اور......" صدیقہ بیگم کو چابیوں کی ضرورت تھی اور وہ رحیمہ کو اماں جان کے پاس بھیج رہی تھیں مگر شہرام دانستہ طور پر ان کے کمرے میں اس لیے آیا تھا کہ معلوم تھا، وہ یہیں ملے گی اور اس وقت وہ مہندی کے تھال پر جھکی موم بتیوں کی لرزتی روشنی میں کسی حسین خیال، خواب کی طرح لگ رہی تھی۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھے گیا۔ وہ اس کی آمد سے بے خبر اپنے کام میں مصروف رہی۔

"چابیاں یہ لو اور صدیقہ سے کہو اپنے پاس رکھے اب چابیاں، کیوں مجھے تنگ کرتے ہو تم لوگ......" دادی جان نے چابیاں تو اس کے ہاتھ میں دیں مگر وہ اتنا بے خود سا کھڑا تھا کہ چابیاں جب گریں، تب وہ ہوش میں آیا۔ اسی وقت ماہ ما نے اسے دیکھا، وہ ایک دم اسے دیکھ کر چونکی اور تھال لیے اس کی طرف بڑھی۔

"ارے آپ کب آئے شہرام! میں آپ ہی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" ماہ ما نے معصومیت سے دادی ماں کی موجودگی کو بھی بھلا دیا تو وہ بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"اچھا تو...... کیا سوچا جا رہا تھا ہمارے...... وہ ہاں تم نے ابھی تک دادی ماں کو تیار نہیں کیا،

ایسے ہی سر جھاڑ، منہ پہاڑ کھڑی ہیں۔ نہ میک اپ کیا، نہ کوئی بھڑکیلا لباس دیا۔ واہ یہ کیا بات......!"

شہرام جو اسے دیکھ کر بے خود سا ہو گیا اور جب یہ پتا چلا کہ سوچا بھی اسی کو جا رہا تھا تو اس کا تھوڑا سا رومینٹک ہونا ضروری ہو گیا مگر جیسے ہی اسے دادی جان کی موجودگی کا احساس ہوا، وہ کھسیانا سا ہو کر اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگا تو انہوں نے آ کر کان پکڑ لیے۔

"ہوں...... تو یہ چکر ہے؟ شرم نہیں آتی، میں اب میک اپ کروں گی، بھڑکیلا لباس پہنوں گی۔ میں سب جانتی ہوں، سمجھتی ہوں کہ تم یہاں کس چکر میں آئے ہو ورنہ چابیاں لینے تم ہی آتے...... بیٹا میں سب سمجھتی ہوں۔" دادی ماں نے دونوں کو محبت سے دیکھا۔ ماہ ما کے چہرے پر حیا کی دھنک بکھرنے لگی تھی، شہرام شوخ ہو گیا۔

"ہیں دادی ماں! واقعی سچ مچ آپ سب سمجھتی ہیں۔ ہائے میری دادی جان کتنی سمجھ دار ہیں۔ دادی ماں تو پھر آپ یہاں سے جائیے ناں......"

وہ شرارت سے ماہ ما کے قریب ہو کر بولا۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔ دادی جان اس کی شرارت سمجھ کر مسکرا پڑیں۔

"اچھا تو میری سمجھ داری کا یہ ثبوت ہے کہ میں یہاں سے چلی جاؤں؟" انہوں نے اس کے کان پھر پکڑے۔

"یہ تو ہے ناں دادی جان! کہ ثبوت تو دینا پڑتا ہے۔ سمجھ دار ہوتیں تو میرے آتے ہی کمرے سے بہانہ بنا کر نکل جاتیں، یہ کہہ کر کہ ارے بیٹا تم دونوں یہاں بیٹھ کر محبت کی باتیں کرو۔ خواب بنو، اون سلائیاں میں لا دیتی ہوں اور خوب دل بھر کر ایک دوسرے کو دیکھو۔ میں چابیاں دے آتی ہوں مگر آپ کی سمجھ داری کا تو یہ عالم ہے کہ موقع فراہم کرنے کے بجائے تلوار بن کر لٹک گئیں ان خوبصورت لمحات پر...... ہے ناں ماہ ما؟"

وہ بہت شوخ ہو رہا تھا۔ دادی جان کو کہہ کر وہ ماہ ما کے قریب ہو کر پوچھ رہا تھا۔ وہ کھسیا کر ہنس پڑی تو وہ اسے دیکھے گیا۔

"اچھا تو یہ ثبوت دوں میں اپنی سمجھ داری کا۔ ارے مجھے نہیں چاہیے، سمجھ داری کے ثبوت کا سر ٹیفکیٹ! نہ منگنی نہ نکاح، آ گیا کہیں سے موقع لینے کے لیے بھاگ جا یہاں سے بلکہ اب تو میں ماہ ما کا پردہ کراؤں گی تم سے......"

دادی جان کو بھی اسے تنگ کرنے میں مزہ آ رہا تھا۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ شہرام نے بال بکھرا لیے اور مجنوں بن گیا۔

"کیا...... کیا! یہ غضب نہ کرنا دادی ماں آپ کے سر چڑھ جاؤں گا۔ پلنگ پر چڑھ کر چھلانگ لگا کر

میں نازک منہ توڑ دوں گا، قالین کے نیچے چھپ جاؤں گا۔ دادی ماں۔ یہ غضب نہ کرنا...... شہرام بہت شوخ ہو رہا تھا، وہ پلنگ پر چڑھ کر کھڑا ہو گیا پھر قالین کے نیچے گھسنے کی کوشش کی تو سائیڈ ٹیبل پر سوکھی مہندی کی پلیٹ پڑی تھی، وہ ہاتھ لگنے سے اس کے سر پر گر گئی تو وہ، جو بڑا تیار ہو کر آیا تھا، چہرے منہ اور سر کا حشر بگاڑ گئی۔ وہ قالین پر برا سا منہ بنا کر بیٹھ گیا۔ دادی جان اور ماہ ما ہنستے ہنستے بے حال ہو گئیں۔ ماہ ما کو اس نے پہلی بار بے ساختہ ہنستے ہوئے دیکھا تھا، اس کی ہنسی کی جلترنگ میں وہ کھو سا گیا۔

"ماہ ما، تمہاری ہنسی بھی بہت حسین ہے تمہاری طرح!" اس نے دانستہ طور پر کہا۔ وہ دادی جان کو دیکھ کر شرارت سے کہہ رہا تھا۔

اور ان کو بھی خوشیاں لٹاتے یہ لمحے بہت اچھے لگ رہے تھے مگر وہ پھر بھی اپنی موجودگی کا بھرم رکھنا چاہتی تھیں۔

"ارے، اس لڑکے کو کیا ہو گیا؟ بے شرم میری آنکھوں کے سامنے کیسے ہونے والی منگیتر کی تعریف کر رہا ہے۔ حد ہو گئی۔"

"تو آپ آنکھیں بند کر لیں ناں۔ اب آپ کی پوتی کا دل بھی تو رکھنا ہے، جھوٹی تعریف کر کے۔"

وہ اٹھ کر ماہ ما اور دادی ماں کے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا تو ماہ ما خفا ہو گئی۔

"اچھا تو آپ میری جھوٹی تعریف کر رہے تھے۔ جائیے، میں آپ سے بات نہیں کرتی......" وہ خفا ہو کر دور ہٹ گئی۔

"احمق لڑکی! دادی ماں کا بھی تو دل رکھنا ہے، جھوٹ بول کر ورنہ تم تو......" وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھتا ہوا اس کی طرف مڑا تو دادی جان نے اس کے بال پکڑ لیے۔

"اچھا تو میرے سامنے جھوٹ بولا جا رہا ہے، ہاں...... جھوٹ بولا جا رہا ہے؟"

"آئندہ آپ کے سامنے جھوٹ نہیں بولوں گا دادی جان! آپ کے پیٹھ پیچھے بولا کروں گا۔ ارے ہاں، یاد آیا...... دادی جان! میں نے تو آپ کو سرپرائز دینا تھا......" شہرام نے کان پکڑ کر کہا پھر ایک دم کچھ یاد کر کے بولا۔

"کیسا سرپرائز!" وہ سمجھ نہ پائیں کہ اب کون سی شرارت کرنے جا رہا ہے۔ ذرا حیرت سے پوچھنے لگیں۔

"ایسے تھوڑی، آنکھیں بند کیجیے!" شرارت اس کی آنکھوں میں رقصاں تھی۔ ماہ ما بھی سمجھ نہ پائی کہ کیا کرنے جا رہا ہے۔

"وہ آنکھیں بند کر لوں۔ اچھا لو کر لیں آنکھیں بند۔ یہ تو تمہاری بچپن کی عادت ہے۔ آنکھیں بند کروا کر شرارت کر جاتے ہو۔ اچھا کر لیں بند آنکھیں۔"

انہوں نے بولتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں تو شہرام نے ان کی پیشانی پر پیار کر لیا اور اور ماہ ما کا ہاتھ پکڑ کر باہر کی طرف بڑھا۔

"دادی جان، فاؤل مت کیجیے گا۔ آنکھیں بند رہنی چاہئیں، اس وقت تک جب تک آپ کو دروازہ بند ہونے کی آواز نہ آئے۔"

وہ شرارت میں ماہ ما کو لے کر دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ حیران ہو رہی تھی اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے پریشان بھی تھی۔ وہ تھا کہ آج بہت شوخ ہو رہا تھا۔ اس کی کچھ بھی سنے بغیر آہستگی سے اس کا ہاتھ تھامے دروازے کی جانب بڑھتا رہا اور جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا۔ دونوں کو جیسے سکتہ ہو گیا۔ عفت جہاں سامنے کھڑی تھیں، دونوں ان کی نگاہوں کی کڑکڑاتی دھوپ میں جھلس کر رہ گئے۔

"کیا ہو رہا تھا یہاں؟" ان کا لہجہ انتہائی خشک اور مشکوک سا تھا۔ شہرام گڑبڑا سا گیا۔ ماہ ما، ماں کو دیکھ کر رہ گئی۔

"وہ چاچی جی، آج...... بلکہ ابھی مہندی کی رسم ہونے والی ہے ناں تو میں ماہ ما کو بتا رہا تھا کہ مہندی......"

"مہندی ہاتھوں میں رچائی جاتی ہے، اس نے رچایا نہیں جاتا...... اور تم دونوں یہاں کیوں ہو، وہ بھی اکیلے؟"

عفت جہاں کا انداز تو دوسرے کو ذلت کی موت مار دینے والا تھا، شہرام سرد پڑ گیا۔ اس نے ماہ ما کا ہاتھ چھوڑ دیا کیونکہ ان نگاہوں کی تپش سے شہرام کو اپنا ہاتھ جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"جی ہم اکیلے ہرگز بھی نہیں تھے، وہ دادی جان ہیں ناں...... وہ دیکھیے۔" شہرام بچوں کی طرح اپنی بات کی تصدیق کے لیے سامنے سے ہٹ گیا تو اماں جان، جو ان کو دیکھ چکی تھیں، ان کے قریب آ گئیں۔ عفت جہاں نے ایک تلخ سی نگاہ ان پر ڈالی۔

"دادی جان کی خوب کہی، جن کو اپنے معاملے میں ہر روایت بھول جاتی ہے۔ اماں جان! دیکھا آپ نے، کیا ہو رہا تھا آپ کی موجودگی میں یہاں؟ ویسے تو آپ روایت پرست بنتی ہیں۔ شرم و حیا کو زیور سمجھتی ہیں پھر یہ سب کیا ہو رہا تھا...... اور کیوں ہو رہا تھا؟"

عفت جہاں نے رنگے ہاتھوں ان لمحات کو پکڑ لیا تھا جو خوشی کی کرنیں بن کر ان دونوں کی آنکھوں میں رقصاں تھے۔ اماں جان کو ان کی بات بہت بری لگی۔ انہوں نے سر سے پیر تک عفت جہاں کو دیکھا۔

"حد ادب ملحوظ رکھ کر بات کیا کرو بہو! یہاں کیا ہوگیا ہے کہ تم آپے سے باہر ہو رہی ہو۔ بھلا اس میں کوئی روایت شکنی ہوئی ہے اور نہ ہی شرم وحیا کی حد کو پھلانگا گیا ہے۔ میرے بچے ذرا خوش ہو رہے تھے بس، جس کا تم نے افسانہ بنالیا۔"

"جی ہاں' میں سب سمجھتی ہوں، جب اپنے مطلب کی بات ہوتی ہے تو سب جائز ہے ورنہ....."

"عفت جہاں' گھر میں خوشی کے شادیانے گونج رہے ہیں اور تم اس قسم کی باتیں کرکے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟ مجھ پر ایسی کوئی قیامت نہیں آئی کہ بچوں کو خوف کے جنگل میں دھکیلا جائے۔ جاؤ خود نہیں تو میرے، بچوں کو زندگی کی خوشیوں کو چن لینے دو اور گھر میں ماحول خراب کرنے کی میں تمہیں قطعی اجازت نہیں دوں گی۔ جاؤ' آرام کرو جا کر اور ہمیں اپنی خوشیاں سمیٹ کر خدا کا شکر ادا کرنے دو....."

اماں جان نے کچھ اتنے سخت انداز میں کہا کہ عفت جہاں واقعی چپ سی ہو کر ان کو دیکھنے لگیں، پھر انہوں نے گھور کر شہرام کو دیکھا جو بکھرے بالوں کے ساتھ عجیب سا لگ رہا تھا، پھر انہوں نے ماہ ما کو گھور کر دیکھا۔ وہ سہمی ہوئی بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"چلو' میرے ساتھ....." انہوں ماہ ما کا ہاتھ زور سے پکڑ کر اپنی جانب کھینچا تو اسی طرح اماں جان نے ماہ ما کا ہاتھ اپنی جانب کھینچا۔

"کوشش بھی نا کرنا انہیں ہم سے جدا کرنے کی عفت جہاں اور نہ کبھی ایسی کوشش کرنا۔ شہرام بیٹا، ماہ ما کو لے جاؤ اور زندگی کی خوشیاں سمیٹو جا کر۔" اماں جان کوئی جاہل خاتون تو تھیں نہیں کہ ان کی کوئی بات یا چال نہ سمجھ پاتیں۔

"میں جا رہا ہوں دادی جان! آپ ماہ ما کو لے کر آجائیے۔" جتنی بے عزتی ہو چکی تھی، شہرام کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ وہ ان لوگوں کو دیکھے بغیر آگے بڑھ گیا۔ کچھ دیر قبل وہ کتنا خوش لگ رہا تھا کہ زندگی کی تمام خوشیاں اس کے پاس ہیں۔ مگر اب لگتا تھا، کسی نے جھپٹا مار کر سب کچھ چھین لیا ہو اور پھر مہندی کی رسم شروع ہوگئی۔ ایک شور، ایک ہنگامہ تھا۔ ماہ ما کی زندگی کی پہلی شادی تھی جس میں وہ اتنے بھرپور انداز میں شریک ہوئی تھی اور اس کی اتنی اہمیت تھی کہ کوئی رسم بھی اس کے بغیر پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ پا رہی تھی۔ اس وقت بھی وہ رسم کی جان بنی ہوئی تھی۔ مہندی کے ہنگامے میں وہ اس وقت کو بھول گئی تھی، جبکہ شہرام بھی عجیب سی کیفیت کا شکار تھا، اس کا کسی بات میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اگر عفت جہاں کا رویہ ہمیشہ ایسا ہی انسلٹنگ رہا تو وہ کیسے ان سے کمپرومائز کر پائے گا اور ماہ ما پر وہ کوئی سمجھوتا بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اس وقت بزرگ تو الگ ہو بیٹھے تھے۔ خاندان کے لڑکے لڑکیاں مہندی سے کھیل رہے تھے۔ دانستہ یا نادانستہ ہر کسی کو مہندی لگائی جا چکی تھی۔

"ماہ ما' تمہارا مجنوں تو لگتا ہے، خفا ہے تم سے کوئی بات ہوئی ہے؟" ہما ہاتھوں میں مہندی لیے ماہ ما کے قریب آ گئی۔

"نہیں مجھ سے تو نہیں..... وہ مما سے خفا ہیں۔ مما بھی تو بس کہہ دیتی ہیں، نہ جانے وہ شہرام کو پسند کیوں نہیں کرتیں؟"

ماہ ما کو اس بات کا بہت ملال تھا جو بندہ اسے اس قدر پسند تھا، عزیز تھا، وہ اس کی مما کو پسند نہیں تھا۔

"اور تمہیں بھی پسند ہے کہ نہیں؟" ہما نے بغور اسے دیکھا تو وہ شہرام کو دیکھنے لگی۔ یہ شخص تو پسند اور محبت کا پہلا احساس بن کر اترا تھا اس کے اندر کہیں۔ گزرتے دنوں نے اس احساس کو گہرا کیا تھا۔ جبکہ عفت جہاں نے اتنا ہی اسے ناپسند کیا تھا۔

"بولو ناں!" ہما نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ چونک کر سیدھی ہوگئی۔ روٹھا ہوا یہ شخص اسے کتنا عزیز، کتنا پسند تھا۔ وہ اس کو کیسے بتاتی، اسے تو خود اندازہ نہیں تھا۔ بس اسے اتنا پتا تھا کہ شہرام اس کی زندگی میں آنے والی وہ بہار تھی جس کے بغیر اب زندگی کا تصور بھی محال تھا۔

"معلوم نہیں ہما' کہ شہرام مجھے کتنا پسند ہیں۔ ہاں، بس اتنا معلوم ہے کہ زندگی شہرام کے بغیر ادھوری ہے۔"

اس نے اپنی فطری سادگی سے اقرار کرلیا تو ہما شوخ ہوگئی اور اسے شہرام کی طرف دھکیل دیا۔

"یہ جو تم سب کے کپڑے اور چہرے خراب کرتی پھر رہی ہو۔ ذرا اپنے مجنوں کے بھی کرو تو ہم جانیں....."

"نہیں ہما' اتنے تو اسمارٹ لگ رہے ہیں، ان کے بال خراب ہو جائیں گے اور یوں بھی اس وقت وہ اچھے موڈ میں نظر نہیں آ رہے۔"

"اچھا جی' ان کا اتنا خیال ہے اور جو دوسروں کا حشر کیا ہے تم نے، خاص طور پر ایاز کو تو تم نے بھوت بنا دیا ہے۔"

ہما نے ذرا ناراضگی سے کہا تو ایاز ان دونوں کے قریب آ گیا۔ وہ ہما کی بات سن چکا تھا۔

"اچھا' بھوت ایسے ہوتے ہیں؟" ماہ ما نے قریب آتے ہی ایاز کے منہ پر مہندی والا ہاتھ لگا دیا تو ایاز بھی اس کے دونوں ہاتھوں میں مہندی بھر کر اسے شہرام کے قریب گھسیٹ لایا اور اس کے مہندی بھرے ہاتھ شہرام کے منہ پر مسل دیے۔

"بھوت ایسے ہوتے ہے۔" ایاز شہرام کے منہ پر مہندی لگا کر ہنستا ہوا بھاگ گیا تو شہرام نے قریب سے گزرتی ہوئی ہما کے تھال سے مہندی ہاتھ میں بھر لی اور ماہ ما کو دیکھنے لگا، جو سہمی سی کھڑی

تھی۔ اس نے اس کے منہ پر لگانی چاہی مگر وہ اس وقت اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ اس نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔

''یہ...... یہ ایاز بھائی نے ایسا کر دیا شہرام! ورنہ میں نے تو ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔'' وہ خوف زدہ ہو گئی کہ شاید وہ خفا ہو گیا ہے۔

''حالانکہ سوچنا چاہیے تھا۔ مجھے تو تمہاری طرف دیکھتے ہوئے بھی خوف آنے لگا ہے۔'' شہرام سنجیدہ ہو گیا۔

''حیرت ہے، اب مجھے مما سے خوف نہیں آتا، نہ آپ کی طرف دیکھتے ہوئے، نہ آپ کے قریب آتے ہوئے۔'' ماہ ما نے سادگی سے اقرار کر لیا تو وہ اسے دیکھنے لگا۔

''اچھا! سوچ لو تمہاری مما نے یہی کہنا ہے کہ میں نے ان کی معصوم بیٹی کو بغاوت کے راستے پر ڈال دیا ہے کہ ماں کا خوف ہی ختم ہو گیا ہے۔''

''خوف تو شہرام صرف اللہ تعالیٰ کا ہونا چاہیے۔'' وہ معصومیت سے کہہ رہی تھی۔ یہی اس کی باتیں تھیں کہ شہرام اس کی خاطر عفت جہاں کی باتیں برداشت کر جاتا تھا ورنہ وہ کسی کی بات سنتا گوارا نہیں کرتا تھا؟

''ہوں...... گڈ! یہ ہوئی ناں بات...... بندے کو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ کیسا لگ رہا ہے یہ سب؟'' کتنی ہی دیر بعد شہرام کا موڈ اچھا ہوا تھا ورنہ جب سے عفت جہاں نے وہ باتیں کی تھیں وہ پریشان ہو گیا تھا۔

''جہاں آپ ہوں شہرام! وہاں تو ویرانہ بھی گنگناتا ہے۔ سنسان راستے بھی مسکراتے ہیں تو یہ تو گھر ہے۔ ہمارا گھر! میں نے زندگی میں کبھی اتنا انجوائے نہیں کیا، جتنا یہاں کر رہی ہوں۔ اتنا اتنا کہ......'' ماہ ماہ نے جوش میں اپنے مہندی بھرے ہاتھوں سے اس کا بازو پکڑ لیا اور وہ، جو اتنی دیر سے بچ رہا تھا، اپنے نئے لباس کا حشر دیکھ کر اسے گھور کر رہ گیا۔ وہ شوخی سے مسکرا دی تو ایک سکون و اطمینان کی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بھی آ گئی۔

☆☆☆

''مہر! یہ ہما تمہاری چھوٹی بیٹی ہے ناں؟'' عفت جہاں کو جو خیال آیا تھا، ہما کو دیکھ کر، وہ اب اس کو تکمیل تک پہنچانے جا رہی تھیں۔ مہر اندر آ گئیں تو انہوں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر بات شروع کر دی۔

''یہ...... ہاں بھابی جان! دیکھا آپ نے، دیر سے ملنے کا کتنا نقصان ہوتا ہے کہ رشتے داروں تک کی خبر نہیں رہتی۔ یہ سب سے چھوٹی ہے اور شہر ہی میں تو پڑھتی ہے، بس اسی سال بی اے کرلے گی۔''

مہر کو بھی حیرت ہو رہی تھی کہ عفت جہاں ان سے بات کیسے کر رہی ہیں۔ وہ تو رشتے داروں کو کم ہی گھاس ڈالا کرتی تھیں۔

''ارے یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ تم بیٹی کو پڑھا رہی ہو۔ ایم اے تو کرے گی ناں ہما!''

''ارے نہیں بھابی جان! آپ کو معلوم تو ہے کہ ہمارے ہاں لڑکیوں کو کہاں زیادہ تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ تو ہما کی ضد تھی اور پھر امی جان نے حمایت کر دی تو ہما نے خدا کے فضل سے بی اے کر لیا۔''

''یہ تو حال ہے، ہمارے ہاں کی جہالت کا کہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اور ہم لوگ ابھی تک جہالت کے اندھیروں میں پڑے ہیں اور اماں جان نے یہ روایت توڑ کیسے دی' وہ تو ایسی روایات کی امین ہیں۔ خیر چھوڑو، شہرام کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' وہ اصل بات کی طرف مڑ گئی تھیں۔ ان کی بات پر مہر نے حیرت سے ان کو دیکھا۔

''شہرام تو خاندان بھر کا شہزادہ ہے بھابی جان! اس کے بارے میں کیا خیال ہو سکتا ہے، میں کچھ سمجھی نہیں؟''

''اس میں سمجھ میں نہ آنے والی کیا بات ہے بھئی، شہرام اتنا اچھا ہے۔ ہما اور شہرام کی جوڑی تو خوب جچے گی ناں' تم کہو تو بات آگے بڑھاؤں؟'' یہاں آ کر عفت جہاں فیصلہ کر چکی تھیں کہ ماہ ما کی شادی شہرام سے نہیں کرنی ہے۔ اسی لیے تو وہ ہما کو درمیان میں لا رہی تھیں مگر ان کی بات پر مہر نے ان کو یوں دیکھا، جیسے یہ اپنا دماغی توازن کھو چکی ہوں۔

''کیا بات کر رہی ہیں بھابی جان! شہرام اور ماہ ما کا رشتہ طے ہے۔ یہ بات خاندان تو کیا' پوری برادری میں دور دور تک جاننے والوں کو بھی معلوم ہے۔ اب تو کسی رسم کا انتظار ہے اور آپ ایسی بات کہہ رہی ہیں۔ اور یوں بھی ہما اور ایاز کا رشتہ آج کل بزرگوں کے ذہنوں میں گردش کر رہا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے ہیں۔ یہ رشتہ خدا کے فضل سے طے ہے' اب تو اعلان باقی ہے۔ اماں جان کہہ رہی تھیں کہ وسیمہ پر وہ باقاعدہ اس رشتے کا اعلان کریں گی۔ ویسے بھابی جان! آپ نے ایسا سوچا بھی کیوں۔ لگتا ہے، آپ ماہ ما کی شادی شہرام سے نہیں کرنا چاہتیں؟''

مہر کو حیرت بھرا دکھ ہوا تھا کیونکہ شہرام خاندان کا ایسا نوجوان تھا کہ کوئی بھی اسے لڑکی دینا اپنی خوش نصیبی سمجھتا تھا۔

''ہاں' میں شہرام سے ماہ ما کی شادی نہیں کرنا چاہتی۔ میری بیٹی نے خوابوں خیالوں سے زیادہ خوب صورت ماحول میں پرورش پائی ہے۔ وہ پھولوں کی طرح نازک اور خوبصورت ہے...... وہ یہ دوران سخت روایات کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔ وہ اس گاؤں میں' اس حویلی میں زندہ نہیں رہ سکے گی۔ میں نے اسے بڑے ارمانوں اور نازوں کے ساتھ پالا ہے تو اس لیے کہ وہ یہاں اتنی مشکلات

کے ساتھ زندگی گزارے نمبور......!'' عفت جہاں' مہر کے ذریعے بھی اپنے خیالات آگے پہنچا چاہتی تھیں۔

''کیسی باتیں کررہی ہیں آپ بھابی جان! سارے والدین اپنے بچوں کو نازوں ہی سے پالتے ہیں اور پھر لڑکی کو تو مائیں ایسی تربیت دیتی ہیں کہ وہ اچھے سے اچھے اور برے سے برے ماحول میں ڈھل جاتی ہیں اور جس روز سے ماہ ما آئی ہے، میں نے تو اسے بہت خوش اور مطمئن دیکھا ہے۔ وہ ایسے لگ رہی ہے، جیسے اسی ماحول میں پلی بڑھی ہو۔ آپ کیوں فکر مند ہو رہی ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ ماہ ما یہاں بہت خوش رہے گی۔ اتنے چاہنے والے ہیں یہاں آپ بلاوجہ خوف زدہ ہیں ماہ ما یہاں بہت خوش رہے گی، خدا نے چاہا تو......''

''مہر! میں اپنی بیٹی کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ یہاں پر یہ وقت پکنک سمجھ کر انجوائے کررہی ہے۔ وہ اپنی مستقل زندگی گزار ہی نہیں سکتی۔'' عفت جہاں کو یہاں ماہ ما پر بھی تو غصہ آرہا تھا۔ واقعی وہ اتنی خوش تھی، اتنا گھل مل گئی تھی کہ سب انہی کو غلط کہہ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے۔

''اچھا بھابی جان! چھوڑیں اللہ بہتر کرنے والا ہے۔ ہمیں کیا ضرورت ہے، پریشان ہونے کی......'' مہر نے ایک نگاہ ان پر ڈالی، اور دل میں ناشکری ماں کہہ کر اٹھ کر چلی گئیں اور عفت جہاں نے ہما کو دیکھتے ہی یہ سوچ لیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح چکر چلا کر شہرام اور ہما کا رشتہ کروا دیں گی اور ماہ ما بچ جائے گی۔

☆☆☆

اماں جان نے دوسری دو دلہنوں کی طرح۔ ہما کا بھی دلہن والا لباس تیار کروایا تھا۔ سرخ، بہت قیمتی جھلملاتا ہوا لباس، ہما کو بہت پسند آیا تھا، اس کے لیے تو سب کچھ نیا اور انوکھا تھا۔ وہ اپنا جوڑا دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑی۔

''واؤ! دادی جان' کتنا خوب صورت ہے......'' وہ بڑا سا دوپٹا اٹھائے خوش ہو کر دیکھ رہی تھی۔

اسی وقت عفت جہاں اور حبیب صاحب آگئے۔

''پپا! دیکھیے' دادی جان نے میرے لیے بالکل دلہن بھابیوں جیسا لباس بنوایا ہے' کتنا خوبصورت ہے......''

''بہت خوبصورت ہے بیٹا! پہنو تمہاری دادی جان تمہیں بہت چاہتی ہیں۔ ان کی ہر بات ہر دم مانا کرو۔ جاؤ' شاباش! تیار ہو جاؤ' دولہا کی بہن کو تو سب سے پہلے تیار ہونا چاہیے...... جاؤ' جلدی کرو......'' حبیب صاحب نے پیار سے کہا اور خود اماں جان کے پاس جا بیٹھے جو کچھ اداس سی بیٹھی تھیں۔ عفت جہاں نے ایک کڑی نگاہ بہت خوش ماہ ما پر ڈالی، جو یہاں آکر ان کی بات پر زیادہ

دھیان نہیں دے رہی تھی۔

''ماہ ما! تم یہ لباس نہیں پہنو گی۔ تنگ ہوتی ہے ہر بات کی، بالکل دلہن والا لباس پہن کر......''

''ماہ ما یہی لباس پہنے گی...... اماں جان نے بڑے ارمانوں سے اس کے لیے بنوایا ہے اور بے تکے پن کی کیا بات ہے اس میں؟ ماہ ما دو دولہا بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے۔ جتنا بنے سنورے کم ہے......'' حبیب صاحب نے اماں جان کو دیکھا، وہ چپ سی تھیں۔ کل والے واقعے نے ان کو اداس کردیا تھا، جبکہ عفت جہاں تو چاہتی تھیں جتنے حالات بگڑ جائیں، ان کے حق میں بہتر ہے۔

''ٹھیک ہے حبیب! لیکن یہ اچھا لگتا ہے کہ ایک ان میریڈ لڑکی دلہن کا لباس پہن کر بیٹھ جائے؟''

''خوشی کے لباس سے بڑھ کر کوئی لباس خوبصورت اور قیمتی نہیں ہوتا اور خوشی کا لباس کوئی کسی وقت بھی پہن سکتا ہے۔ میں ماہ ما کو دلہن کے روپ میں دیکھنا چاہتی ہوں اور کیا خبر کہ جب ماہ ما کو دلہن اور شہرام کو دولہا کے روپ میں دیکھ سکوں، پھر خدا معلوم کہ دیکھ سکوں یا نہ دیکھ سکوں...... ماہ ما! جاؤ میری گڑیا! تیار ہو کر آؤ...... اور بھائیوں سے خوب نیگ لینا۔ رک پکڑائی بہت سی لینا۔ تمہارے تو بہت سے حق ہیں، سب بہن بھائیوں پر، تائی تایا پر۔ جاؤ شاباش! تیار ہو کر میرے پاس آنا، تم اور شہرام......'' اماں جان عفت جہاں کو اگنور کرکے بولے جارہی تھیں' جبکہ وہ سلگ رہی تھیں کہ ماہ ما کو دلہن بنایا جارہا ہے۔ شہرام کو دولہا بنایا جارہا ہے تو کہیں نکاح کی تیاریاں تو نہیں ہو رہیں۔ یہ سوچ بم بن کر اندر پھٹا تو وہ تڑپ اٹھیں۔ ماہ ما خوشی کی کرنوں کو سمیٹی جارہی تھی۔ عفت جہاں کو اس وہم نے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ انہوں نے گھور کر شوہر اور ساس کو دیکھا' وہ دونوں ان کو نظر انداز کیے نہ جانے کیا باتیں کررہے تھے۔ ان کو تو اب یقین ہونے لگا تھا کہ ماہ ما اور شہرام کے نکاح کا پروگرام بن چکا ہے۔

''اماں جان اور حبیب صاحب! مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے آپ لوگوں نے ماہ ما اور شہرام کے نکاح کا پروگرام بنالیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں آپ دونوں کو بتا دینا چاہتی ہوں کہ اگر ایسا ہوا تو میں خاندان کے سامنے جان دے دوں گی بس!''

وہ تیز آواز میں بولتی' دھڑ سے دروازہ بند کرتی باہر نکل گئیں۔ حبیب صاحب ماں کے سامنے شرمندہ سے نظریں جھکا کر رہ گئے۔

''عفت جہاں کبھی بھی بدگمانیوں کی دھند سے باہر نہیں آئی' نہ جانے اس کو شہرام میں کیا برائی نظر آتی ہے کہ وہ ماہ ما کا نام اس کے ساتھ آنے نہیں دیتی، جبکہ شہرام اور ماہ ما ایک دوسرے کو......'' اماں جان کی نظروں میں مہندی والے لمحات گھوم گئے، دونوں کے چہروں میں ایک دوسرے کا عکس نظر آرہا تھا۔

''عفت کا پرابلم میں سمجھتا ہوں اماں جان! یہ سطحی سوچ رکھنے والی عورت، ہمیشہ سراب کے پیچھے

بھاگی ہے۔ اکیلی سراب کا پیچھا کرتی تو خیر تھی، مگر وہ میری بیٹی کو ساتھ لے کر سراب کے پیچھے بھاگنا چاہتی ہے اور یہ میں ہونے نہیں دوں گا۔ اماں جان! دیکھیں، جب عفت نے ایسا سوچ ہی لیا ہے تو ایسا ہی سہی، لڑکی لڑکا تو راضی ہیں، ہم اللہ کا نام لے کر بسم اللہ کرتے ہیں۔ دونوں کا نکاح کر دیتے ہیں۔ بعد میں کوئی قیامت آئے یا طوفان؛ تھمے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' حبیب صاحب کو بھی عفت جہاں سے بہت سے خطرات تھے اور وہ ان کی ضدی فطرت سے بھی واقف تھے۔ اس لیے وہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

''سب تعریف اللہ لاشریک کے لیے ہے بیٹے! اور اسی پاک ذات کے پاس سب اختیارات ہیں۔ اس نے ہر کام کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ جب ان دونوں کے نکاح کا وقت آئے گا تو عفت بیٹی کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکے گی۔ اس لیے سب کچھ اللہ پر چھوڑ دو۔ ابھی جو کام ہو رہے ہیں، ان کو خیر و عافیت کے ساتھ ہونے دو۔ ان کا نکاح بھی جب اللہ کو منظور ہوگا، ہو جائے گا۔''

اماں جان نے بڑے دھیمے انداز میں بیٹے کو سمجھایا۔ اس وقت ماہ ما' ہما کے ساتھ تیار ہو کر آ گئی۔ دلہن کے لباس میں وہ چھوٹی سی گڑیا لگ رہی تھی۔ حبیب صاحب نے بے ساختہ اسے پیار کر لیا' اماں جان تو صدقے واری ہو ہو گئیں۔

''ماشاءاللہ...... ! حبیب نظر بھی ہو گی کوئی دلہن جیسی میری گڑیا ہے، جاؤ ہما، شہرام کو بلا کر لاؤ اور کسی لڑکے کو بلاؤ، ڈھیر ساری تصویریں بنائے ان دونوں کی۔ حبیب! ایک تصویر بڑی سی میرے کمرے میں لگا دینا ان دونوں کی۔'' اماں جان تو خوشی سے نہال ہوئی جا رہی تھی۔ حبیب صاحب بھی بہت خوش تھے اور مطمئن تھے کہ ان کی اکلوتی بیٹی محبتوں کے دیس کی رانی بن گئی ہے۔ اپنوں کی محبت کی سلطنت پر وہ راج کرے گی، وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میں بھیجتا ہوں شہرام کو...... میں خود...... اور ہما بیٹی! وہ راحیل کہاں ہے؛ اسے بولو تصویریں بنا لے۔''

حبیب صاحب خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے کہ ماہ ما بھی بہت خوش ہے اور اس نے ان سب کی محبتوں کے قافلے کو اپنی محبت کے پھولوں کے ہار پہنا کر خوش آمدید کہا تھا اور یہی تو وہ چاہتے تھے کہ ماہ ما اپنوں کی پناہ میں آ جائے۔ خود حبیب صاحب اور ہما چلے گئے، تھوڑی دیر میں شہرام آیا تو ماہ ما کو دلہن کے روپ میں دیکھ کر وہ کچھ دیر کے لیے خود کو بھی فراموش کر بیٹھا۔

''لڑکے! ایسے کیا دیکھ رہے ہو، نظر لگاؤ گے کیا؟'' دادی جان نے ماہ ما کے چہرے پر بڑا سا گھونگھٹ تان دیا تو وہ بور ہونے لگا۔

''یہ ہیں کون؟ ذرا دیکھوں تو......'' وہ شرارت سے آگے بڑھا اور گھونگھٹ اٹھانے لگا۔

''یہ دلہن ہے بیٹے!'' اماں جان نے اسے پرے دھکیل دیا تو وہ برا سا منہ بنا کر ہٹ گیا۔

''دلہن ہے تو مجھے کیا؟''

''چندا! یہ تمہاری ہونے والی دلہن ہے۔'' اماں جان نے اس کو ماہ ما کے ساتھ بٹھا دیا تو وہ خوشی سے اچھل پڑا۔

''اچھا! تو پھر آپ کو کیا......؟ چلیے اور ہمیں بھی اجازت دیجیے اور دعائیں دیجیے...... آؤ دلہن! ہم چلتے ہیں......''

شہرام شوخی سے ماہ ما کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف بڑھا' اسی وقت حبیب صاحب، ہما اور راحیل آ گئے۔ اسے شرافت کے ساتھ الگ ہونا پڑا۔ حبیب صاحب دونوں کو ساتھ دیکھ کر بے حد خوش ہو رہے تھے۔ ان کا تو شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ اسی وقت دونوں کی شادی کر دیں۔ انہوں نے خود اپنی خوشی سے ان کی ڈھیروں تصویریں بنوائیں۔ شہرام بہت لیے دیے تھا، ماہ ما کو واقعی شرم آ رہی تھی۔ زندگی میں کوئی اتنا خوبصورت، لطیف احساسات کا موڑ بھی آئے گا، یہ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا!

''شہرام! تم دونوں کو دولہا دلہن کے روپ میں دیکھنے کا میری زندگی کا ارمان اور خواب ہے۔ یہ بات کبھی بھی فراموش نہ کرنا۔ مخالف سمت سے آنے والی آندھی سے گھبرا کر ماہ ما کا ہاتھ نہ چھوڑ دینا بیٹا! میں...... میں اسی روز ختم ہو جاؤں گا۔''

حبیب صاحب نہ جانے کیوں وہمی ہو رہے تھے۔ وہ عفت جہاں سے خائف تھے۔ وہ اچھی خاصی سازشی خاتون ہیں' اپنی بات منوانے کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتی تھیں اور اسی بات سے وہ خوف زدہ تھے۔ شہرام نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

''کیسی باتیں کرتے ہیں چاچا جی آپ! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ...... آپ بالکل بھی فکر نہ کریں۔''

''مجھے تمہاری فرماں برداری سے یہی توقع ہے بیٹے! خدا تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔''

وہ ان دونوں کو دعائیں دیتے باہر نکل گئے۔ اماں جان بھی اپنی آنکھیں صاف کرنے لگیں۔ شہرام شوخی سے ان کی طرف مڑا۔

''اچھا دادی جان! اب ہمیں اجازت دیں' رخصتی کا وقت ہوا چاہتا ہے۔''

''چل ہٹ بے شرم! وہ وقت بھی انشاءاللہ جلد آئے گا ناں!'' انہوں نے دونوں کو پیار سے ساتھ لگا لیا، اسی وقت باہر سے اطلاع آئی کہ حبیب صاحب کے دوست محسن صاحب مع فیملی تشریف لائے ہیں۔ شہرام ایک دم سنجیدہ ہو کر ماہ ما کو دیکھنے لگا۔

''ارے ٹونی لوگ آئے ہے......'' ماہ ما ایک خوشی سے باہر کی جانب بڑھی مگر اس کا ہاتھ شہرام کے ہاتھ میں تھا، وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔ شہرام نے اس کے ہاتھ پر گرفت سخت کر دی۔

''بہت خوشی ہوئی۔ ہے ٹونی کے آنے کی؟'' شہرام خطرناک حد تک سنجیدہ لگ رہا تھا۔ کچھ دیر قبل کتنا خوش اور شوخ ہو رہا تھا۔ ماہ ما کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا جواب دے؟ خوشی تو اسے ہوئی تھی، ان لوگوں کے آنے کی اطلاع سن کر۔

''مگر وہ لوگ کیسے آئے، ان کو کب اور کس نے انوائیٹ کیا تھا؟'' وہ کچھ گھبرا سی گئی۔ شہرام کی رگوں میں خون کھولنے لگا۔

''ان کو انوائٹ کیا گیا ہے تو آئے ہیں ناں۔ مجھے صرف یہ بتاؤ، تمہیں خوشی ہوئی ہے ناں ٹونی کے آنے کی؟''

وہ سخت چہرے کے ساتھ رعونت سے پوچھ رہا تھا۔ وہ سہم سی گئی۔ اس نے نظریں جھکا کر اثبات میں سر جھکا لیا تو شہرام تپ گیا، اس نے غصے سے اسے دیکھا۔

''اچھا کیا ماہ ما تم نے اپنی آنکھوں کی سچائی کو جھٹلایا نہیں ورنہ مجھے تمہارے جھوٹے ہونے کا بھی شکوہ ہوتا۔ جاؤ، اٹینڈ کرو، اپنے فیورٹ مہمانوں کو......'' شہرام نے اس کا ہاتھ اس طرح جھٹک کر چھوڑا کہ دیوار سے اس کی کلائی ٹکرا گئی اور سرخ چوڑیاں ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں چبھ گئیں۔ وہ سسکتی ہوئی خاموش کھڑی دادی جان کے ساتھ لگ کر رو پڑی۔

''دیکھا، آپ نے دادی جان! ٹونی کی میری زندگی میں کوئی حیثیت نہیں مگر شہرام نہ جانے کیوں......؟''

''اس میں اتنا سنجیدہ ہونے کی بات نہیں ہے بیٹی! ٹونی تو ایک جیتا جاگتا مرد ہے اور یہ مرد ذات جسے چاہتی ہے ناں، تو اس کے ساتھ کھڑے ہوئے اپنے سائے کو بھی اپنا رقیب سمجھنے لگتی ہے۔ اپنے ہی سائے سے حسد کرنے لگتی ہے اور شہرام کی محبت بھی دیوانگی کی ایسی منزل پر ہے جہاں وہ تمہارے ساتھ اپنے سائے کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ تمہارے بغیر رہ بھی نہیں سکتا۔ ذرا سا بدگمان ہو گیا ہے، منا لینا، مان جائے گا۔'' پھر دادی جان کتنی ہی دیر اسے سمجھاتی رہیں اور پھر ماہ ما، مہمان خانے میں موجود ٹونی کی فیملی سے ملنے آ گئی۔ وہ اندر آئی تو شہرام جو پہلے سے وہاں موجود تھا اور اسی خیال سے جل رہا تھا کہ ماہ ما اس خوبصورت روپ میں ٹونی کے سامنے جائے گی مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی، جب اس نے ماہ ما کو بہت سادہ سے لباس میں اندر آتے دیکھا۔ ہر قسم کے میک اپ سے بے نیاز چہرے کے ساتھ، بھیگی پلکوں کے ساتھ وہ ان سے مل رہی تھی۔

''ماہ ما! ابھی تو آنٹی بتا کر گئی ہیں کہ تم دلہن بنی ہوئی ہو مگر تم تو......؟'' ماریہ ماہ ما کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''دادی جان کہتی ہیں، دلہن صرف اپنے دولہا کے لیے دلہن بنتی ہے، سب لوگوں کے لیے نہیں اور میں جس کے لیے دلہن بنی تھی، اس نے مجھے دیکھ لیا تو میں نے چینج کر لیا۔'' اس نے بھیگے سے لہجے میں کہا اور شہرام کو دیکھنے لگی، اسے اس شخص کی ذرا سی ناراضگی بھی گوارا نہیں تھی۔ ایک عجیب طرح کی خوشی کا احساس اس کے اندر اترنے لگا تو اس کا جی چاہا کہ ماہ ما کو کہیں لے کر چھپ جائے جہاں کوئی دوسرا ماہ ما کو نہ دیکھ سکے، خاص طور پر ٹونی کا بچہ!

''خیر، یہ کون کہہ سکتا ہے کہ تم کس کی دلہن ہو...... آؤ، بیٹھو ناں!'' ٹونی اپنے ساتھ جگہ بناتا ہوا بولا تو شہرام نے چہرہ دوسری طرف کر لیا، مگر ماہ ما شہرام کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ ٹونی سلگ اٹھا۔ شہرام اٹھ کر جانے لگا تو ماہ ما نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''میرا ہاتھ مت چھوڑیے گا شہرام! میں گم ہو جاؤں گی، آندھی طوفان کی نذر ہو جاؤں گی، یہی کہا تھا ناں، پیا نے آپ کو؟''

ماہ ما نے آہستگی سے کہا تو وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگا، اس کی سوچ، اس کی نیت کی پاکیزگی، سچائی اس کے چہرے کو مزید معصوم بنا رہی تھی۔ وہ ٹونی کو دیکھتا ہوا بیٹھا رہا۔

''اچھا...... تو چلو...... میرے ساتھ ابھی چلو، میں اس وقت یہاں بیٹھنا نہیں چاہتا چلو!'' وہ اس کا ہاتھ پکڑے کھڑا ہو گیا تو اس کا خیال تھا کہ وہ انکار کر دے گی مگر وہ بھی کھڑی ہو گئی۔ پورے اعتماد کے ساتھ ٹونی کی طرف گھومی۔

''ایکسکیوز می، ماریہ اور ٹونی! میں شہرام کے ساتھ ذرا جا رہی ہوں، تم لوگ آرام کرو، ہم ابھی آتے ہیں۔''

وہ شہرام کا ہاتھ تھامے ٹونی اور ماریہ سے معذرت کر رہی تھی، ایسے میں شہرام کی انا کو عجیب طرح کی تسکین مل رہی تھی۔ وہ خود کو ٹونی کے سامنے بہت معتبر سمجھ رہا تھا، جبکہ ٹونی اندر ہی اندر بل کھا رہا تھا۔

''ماہ ما! یہ کیا بات ہوئی کہ ہم آئیں اور تم......؟'' ابھی ماریہ کی بات جاری تھی کہ دادی جان آ گئیں اور ان دونوں کو باہر نکل جانے کا اشارہ کر کے ماریہ اور ٹونی کو پیار کرنے لگیں۔ شہرام اور ماہ ما باہر آ گئے۔ وہ حویلی کے اس پورشن میں آ گئے جہاں شادی کے ہنگامے زیادہ اثر انداز نہیں ہو رہے تھے۔

''ماہ ما! یہ...... یہ شخص میری راہوں میں بار بار کیوں آ جاتا ہے؟ کیوں نہیں نکل جاتا، میری زندگی سے یہ شخص! دیکھو یا تو میں اسے اپنے راستے سے ہٹا دوں گا یا...... یا خود اس کے...... راستے سے ہٹ

جاؤں گا۔تم بتاؤ‘ تم کیا چاہتی ہو؟‘‘

وہ شدید قسم کی ذہنی دباؤ کا شکار تھا، اسے اس بات کا یقین تھا کہ ٹونی اور عفت جہاں ماہ ماکو اس سے چھین لیں گے ورنہ اسے ماہ ما پر نہ تو شبہ تھا‘ نہ ہی اسے اس سے کوئی شکایت تھی مگر پھر وہ اپنے دل کی جلن کس کے سامنے نکالتا؟

’’شہرام......!‘‘

☆☆☆

’’دیکھو زرین! میں امریکا جا رہا ہوں اور میں تمہاری وجہ سے بہت فکر مند ہوں۔ دیکھو اپنے ذہن میں بے بنیاد وہموں کو بنیاد بنا کر تم مما پپا کی بے لوث محبتوں کو نہ آزمانا۔ رفیق صرف اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے تمہیں الٹی سیدھی پٹیاں پڑھا رہا ہے۔ اس کی باتوں میں نہ آنا اب میرے بعد تمہیں سب کا خیال رکھنا ہے۔ مما‘ پپا نے ہمیں سگے والدین والی محبت دی ہے‘ ان کا دل نہ دکھانا اور نیلو...... نیلو بہت اچھی لڑکی ہے۔ چاہے جانے کے قابل ہے۔ اگر اس کو چاہ نہ سکو تو اس سے نفرت بھی نہ کرنا‘ او کے! میرا دھیان تمہاری ہی طرف لگا رہے گا۔‘‘

ائرپورٹ پر عمار کو سب چھوڑنے آئے ہوئے تھے۔ عمار زرین کو ایک طرف سے لے جا کر اسے سمجھا رہا تھا اور زرین بھی بہت اداس ہو رہا تھا۔ اوپر سے عمار اسے سمجھا رہا تھا وہ چڑ سا گیا۔

’’اپنا سارا دھیان پڑھائی میں بھی لگا دینا۔ بہت شوق ہو رہا تھا ناں پپا صاحب کو آپ کو امریکا بھجوانے کا۔ کیا آپ پاکستان میں نہیں پڑھ سکتے تھے نہ جانے کیا سوچ کر بھیج رہے ہیں؟‘‘ زرین عمار کا باہر جانا بھی عثمان صاحب کی کوئی سازش سمجھ رہا تھا۔

’’پھر وہی بدگمانی! باہر جا کر پڑھنے کا شوق میرا تھا‘ انہوں نے میری خواہش پوری کی ہے ورنہ مما پپا تو اس حق ہی میں نہیں تھے کہ میں باہر جاؤں ...... اگر نہ بھیجتے تو شاید میں بھی تمہاری طرح ان سے بدگمان ہو جاتا۔‘‘

’’ہاں بس آپ تو ہر محاذ پر ان کا دفاع کرتے ہو۔‘‘ پھر جہاز کی روانگی کا اعلان ہوا تو نیلو اور عاتکہ عمار سے لپٹ کر بری طرح رو پڑیں۔ عثمان صاحب بھی چپکے چپکے اپنے آنسو صاف کر چکے تھے زندگی میں پہلی بار وہ جدا ہو رہا تھا۔ ان دونوں کو یوں محسوس ہو رہا تھا‘ جیسے یہ واقعی ان کا جگر گوشہ ہے۔

’’پپا! آپ بھی......‘‘ عمار نے عثمان کو دیکھا اور اپنی بھیگی پلکیں چھپانے کے لیے آنکھوں پر بازو رکھ کر ان کے گلے لگ گیا پھر خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

عمار جا چکا تھا میدان صاف ہو چکا تھا چنانچہ رفیق نے شجاع الدین کو میدان میں اتارنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کی آمد کا اعلان کس طرح کیا جائے‘ یہی وہ سوچ رہا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے شجاع الدین سے مشورہ کر لیا تھا چنانچہ اس روز جب عثمان اور عاتکہ افسردہ سے بیٹھے تھے فون کی بیل ہوئی۔ رفیق جلدی سے فون کی طرف بڑھا۔

’’ہیلو...... جی! ہاں جی یہ اکبر صاحب کا گھر ہے۔ مگر وہ تو جی اب نہیں ہیں۔ آپ...... کون بات کر رہے ہیں؟‘‘

رفیق پہلے سے تیار شدہ ڈرامے کے ڈائیلاگ بول رہا تھا۔ اس نے مکاری سے چندی آنکھوں سے عثمان صاحب اور عاتکہ کو دیکھا جو اس کی طرف متوجہ تھے اور یہی تو وہ چاہتا تھا۔

’’جی...... کون؟ شجاع الدین...... جی آپ اکبر صاحب کے رشتے دار ہیں؟‘‘ اس نے سنانے کی خاطر اونچی آواز میں کہا تو عثمان صاحب اٹھ کر فون کے قریب آ گئے۔

’’کون ہے رفیق!‘‘ عثمان صاحب نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لینا چاہا مگر وہ پیچھے ہٹ گیا۔

’’جی صاحب یہ ہمارے صاحب عثمان صاحب ہیں‘ یہ بھی اکبر صاحب کے رشتے دار ہیں۔ آپ ان سے بات کر لیں ہو سکتا ہے یہ آپ کو اور آپ ان کو پہچان لیں۔ آخر کو آپ لوگ آپس میں رشتے دار ہیں۔‘‘

رفیق مکاری سے مسکین آواز بنا کر بولا اور پھر عثمان کو دیکھنے لگا۔

’’لیجیے صاحب ان سے بات کر لیجیے یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ اکبر صاحب کی بیگم کے خالہ زاد بھائی شجاع الدین ہیں۔‘‘

رفیق ریسیور عثمان کو تھما کر دور ہٹ کر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ عاتکہ بھی کچھ پریشان سی ہو کر قریب آ گئیں۔ عثمان ان سے سوال و جواب کرتے رہے۔ شجاع الدین نے کچھ اتنے اعتماد اور یقین سے جھوٹ بولا تھا کہ عثمان صاحب کو یقین کرنا پڑا کہ وہ اکبر صاحب کے رشتے دار ہو سکتے ہیں۔

’’ٹھیک ہے صاحب! آپ گھر تشریف لائیے‘ تفصیل سے بات ہو گی۔ یوں فون پر تو بات ادھوری ہی رہتی ہے۔ جی...... جی بالکل! رات کھانے پر ملاقات کرتے ہیں۔ جی نہیں آپ تشریف لائیے۔ آپ تو ابھی شہر میں مہمان ہیں۔ آج آپ ہمیں شرف میزبانی دیجیے پھر باتیں ہوں گی انشاء اللہ...... او کے‘ پھر ملتے ہیں‘ اللہ حافظ۔‘‘ عثمان نے ریسیور رکھ دیا اور پرخیال انداز میں عاتکہ کو دیکھنے لگے۔ وہ پہلے ہی منتظر تھیں‘ تفصیل جاننے کے لیے۔ جتنی تفصیل ان کو معلوم ہوئی تھی الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ انہوں نے عاتکہ کو بھی بتا دی۔ رفیق مکاری سے دونوں کو پریشان دیکھتا رہا۔

’’کون تھا صاحب۔ کہہ تو رہا تھا کہ اکبر صاحب کا رشتے دار ہے‘ آپ کچھ پہچانے کہ نہیں؟‘‘ اس

نے مکار معصومیت سے پوچھا۔

''معلوم نہیں رفیق کہہ تو یہی رہے تھے' میں تو پہچان نہیں پایا۔ دیکھو گھر آئیں گے تو معلوم ہوگا۔ شاید شکل دیکھ کر پہچان جاؤں۔'' عثمان صاحب اپنا راز رفیق کے سامنے فاش کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اس بات کو گول کر گئے۔ رفیق باہر چلا گیا تو وہ عاتکہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''میں تو فکر مند ہو گیا ہوں عاتکہ! کہیں ہمارا ہی پول نہ کھل جائے اور تو مجھے کوئی پروا نہیں مگر بچوں کا اعتماد مجروح ہوگا بس۔''

''ویسے تو شرفو بابا نے تو یہی بتایا تھا کہ ان کا کوئی قریبی عزیز ہے ہی نہیں۔ پھر یہ کہاں سے ٹپک پڑے؟ خیر' دیکھ لیتے ہیں۔''

☆☆☆

''جی! میں نے عرض کیا نا کہ اکبر صاحب سے ہمارے اختلافات تھے اس لیے ہم لوگ کبھی ان سے ملے ہی نہیں۔ ان کی بیگم نجمہ میری خالہ زاد بہن تھیں۔ جائداد کی وجہ سے ہمارے ایسے اختلافات ہوئے کہ ہم لوگوں نے ایک دوسرے کو رشتے دار کہنا ہی چھوڑ دیا۔ یہ دولت بھی بڑی بری چیز ہے کہ سگے خون کے رشتے بھی پرائے ہو جاتے ہیں۔ اب جبکہ میرا ابھی کوئی نہیں رہا تو آ گیا ہوں۔ میں نے اکبر اور نجمہ کی موت کی خبر کینیڈا میں سنی تھی۔ کیا قیامت گزر گئی' بار ہا جی چاہا کہ آ کر گھر کو بچوں کو سنبھالوں مگر یہ جو عورت ہے ناں' عثمان صاحب! اب کیا بتاؤں کہ میری بیوی نے مجھے آگے نہیں بڑھنے دیا اور بچے جوان ہو گئے۔ یوں بھی مجھے اطلاع مل گئی تھی کہ اکبر کے کوئی رشتے دار بچوں کے پاس آ گئے ہیں تو قدرے اطمینان ہوا۔ ویسے تو اکبر ہمارے رشتے دار نہیں تھے اس لیے میں ان کے سارے رشتے داروں کو نہیں جانتا۔ آپ اکبر کے والد کی طرف سے رشتے دار ہیں یا والدہ کی طرف سے؟''

شجاع الدین بہت کائیاں آدمی تھا۔ اپنی چرب زبانی اور ریئل اداکاری کا ایسا جال بچھایا کہ عثمان جیسا سمجھ دار بندہ یقین کر بیٹھا کہ یہ یقیناً اکبر کا سسرالی رشتے دار ہی ہوگا۔ اب ان کو تو اپنی شناخت کرانا پڑ رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار وہ لاجواب سے ہو گئے تھے۔ جس جھوٹ پر وہ زندگی کی بنا کھڑی کر چکے تھے' اب یہ جھوٹ تو شاید عمر بھر بولنا تھا۔

''جی' میں اکبر کے بہت قریبی رشتے داروں میں سے تو نہیں بس رشتے داری ہے۔ خلوص کی محبت کی' اعتماد کی ہم دونوں نے ابھی زندگی کی ابتدا کی تھی اور یہاں یہ سانحہ پیش آ گیا تو ہم بچوں کے پاس آ گئے۔'' عثمان صاحب نے نظریں جھکا لیں۔ شجاع الدین مسکرا پڑا۔

''بہت اچھا کیا' مجھے بھی اسی بات نے مطمئن کر دیا تھا کہ بچوں کے پاس کوئی بہت نیک' شریف بندہ موجود ہے' بچوں کی تعلیم و تربیت اچھی ہو رہی ہے۔ کہاں ہیں بچے اب تو ماشاء اللہ جوان ہوں گے۔ ذورین تو بمشکل دو سال کا تھا جب اکبر اور نجمہ آپا...... کہاں ہیں بچے؟'' شجاع الدین نے آواز کو غم زدہ بناتے ہوئے کہا اور ادھر ادھر دیکھ کر بچوں کا پوچھا۔

''عمار بیٹا تو چند روز قبل ہی امریکا پڑھائی کی غرض سے گیا ہے۔ ذورین البتہ یہیں ہے۔ رفیق! ذرا دیکھنا' ذورین کمرے میں ہے تو بلا لاؤ ان کے ماموں آئے ہیں۔'' عثمان نے رفیق کو دیکھا' جو اپنی چندی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا۔

''ذورین میاں گھر پہ نہیں ہیں صاحب! جیسے ہی آئیں گے میں ان کو بتا دوں گا۔''

''اچھا تو عثمان صاحب۔ اجازت دیجئے میں تو آج کل بزنس کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ کینیڈا میں میری بیوی کے مرنے کے بعد اتنے حالات خراب ہو گئے کہ دو بیٹیوں اور اپنے یتیم بھانجے کو لے کر آ گیا۔ اب بہت پریشان حال ہوں۔ بہت ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں مگر یہاں آ کر معلوم ہو رہا ہے کہ...... خیر چلتا ہوں' بچے پریشان ہو رہے ہوں گے۔''

شجاع الدین کھڑا ہو گیا۔ اس نے اس بات سے ہی واضح کر دیا تھا کہ اب اسے اس گھر اور بزنس میں حصہ چاہیے۔ وہ موصوف تو چلے گئے عثمان اور عاتکہ کو سوچوں میں دے گئے۔

''اب کیا کرنا ہے؟'' عاتکہ ان کو چائے کا کپ دیتے ہوئے پریشانی سے کہہ رہی تھیں۔ سب کچھ گڑبڑ ہو جانے کے امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ دونوں ہی خطرے کی گھنٹیاں قریب سے سن رہے تھے۔

''ہے تو واقعی وہ ان کا رشتے دار...... کیونکہ بہت اندر کی باتیں وہ جانتا ہے جو ہمیں معلوم نہیں۔ کچھ نہ کچھ تو ہوگا ہی مجھے نہ تو بزنس شیئر کرنے کا خوف ہے نہ کسی اور بات کا کیونکہ میرا دامن خدا کے فضل و کرم سے صاف ہے مگر میں سوچتا ہوں کہ بچوں کے سامنے ہمارا کیا کردار ہوگا؟ بہت گڑبڑ ہو جائے گی۔ یہ ذورین تو پہلے ہی بہت بدگمان سا رہتا ہے۔''

''عثمان مجھے بھی اسی بات کی فکر ہے۔ اگر ہمیں بچوں سے دستبردار ہونا پڑا تو...... تو...... نہیں عثمان یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ مجھے تو یہ دونوں لڑکے نیلو کی طرح عزیز اور پیارے ہیں۔ میں ان سے جدائی برداشت نہیں کر پاؤں گی۔''

عاتکہ تو آئندہ کی صورت حال کا تصور کر کے رو پڑیں۔ عثمان بھی پریشان ہو گئے تھے۔

''اوہو اب ایسی بھی بات نہیں۔ اللہ بہتر کرنے والا ہے۔ اللہ پر چھوڑ دو' بے شک اللہ سب ٹھیک کر دے گا۔ بس اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے اور کسی کے ساتھ زیادتی کرنے سے باز رکھے۔'' عثمان صاحب عاتکہ کو سمجھانے لگے۔ رفیق نے اپنی مہم کا آغاز کر دیا تھا۔ شجاع الدین کی اداکاری سے تو وہ

خوش بھی تھا اور مطمئن بھی کیونکہ اس طرح عثمان کا پتہ بھی کاٹا جاسکتا تھا اپنا مقصد بھی حاصل کیا جاسکتا تھا۔ اب وہ ذورین کی آمد کا انتظار کر رہا تھا اور اتنی سردی میں گیٹ پر ہی ٹہل رہا تھا۔ وہ جیسے ہی آیا اس کے ساتھ ہی وہ کمرے میں آ گیا اور ساری بات اس کو بتا دی۔

''کیا...... کیا وہ واقعی ہمارے ماموں تھے؟'' ذورین کو بڑی خوشگوار حیرت ہو رہی تھی۔

''جھوٹ بولوں تو گردن نہ کٹا دوں ذورین میاں! خالص آپ کے ماموں تھے آپ کی والدہ سے شکل بھی مل رہی تھی۔''

رفیق نے اپنی بات کی یقین دہانی کے لیے نجمہ بیگم کی شکل بھی شجاع الدین سے ملا دی تو ذورین خوش ہو گیا۔

''اتنا عرصہ کہاں تھے' وہ ہم سے ملے کیوں نہیں؟ اور آئے تھے تو جانے کیوں دیا؟ کم از کم میرے آنے تک تو روک لیا ہوتا۔''

ذورین ان دیکھے ماموں سے ملنے کے لیے بے قرار ہو گیا تو رفیق اس کی بے قراری سے حظ اٹھاتا ہوا بولا۔

''بس بتا رہے تھے کہ خاندانی اختلافات کی وجہ سے نہیں مل پائے اور اب آئے تو عثمان صاحب نے سیدھے منہ بات تک نہیں کی۔ ارے کرتے بھی کیوں ان کو تو آپ کے ماموں کی صورت میں اپنی شامت صاف نظر آ رہی ہے۔ اب تو بھید کھل جائے گا نا سارا ان کی شرافت اور ایمانداری کا' جعلی محبتوں کا...... مگر ذورین میاں! لگتا نہیں کہ یہ عثمان صاحب ان کو گھسنے دیں گے۔''

رفیق نے مکاری سے جلتی پر تیل ڈالا تو ذورین واقعی بھڑک اٹھا۔

''ارے واہ کیسے گھسنے نہیں دیں گے۔ ان کا گھر ہے کوئی' ہمارا گھر ہے۔ ہمارا راج ہے تم میرے ساتھ چلنا میں خود ماموں جان کو لے کر آؤں گا۔ دیکھتا ہوں کون روکتا ہے ان کو یہاں آنے سے! بلکہ ابھی اسی وقت چلو میرے ساتھ۔'' ذورین بے قرار ہو کر رفیق کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے نیچے آیا اور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

☆☆☆

''شہرام! میرے دل میں ٹونی کی کوئی حیثیت نہیں۔ کیا ہر وقت' ہر لمحہ مجھے یہ یقین دلانا پڑے گا؟ کیا میری زندگی میں ایسا کوئی لمحہ نہیں آئے گا' جو مجھے آپ کا اعتماد یقین دے جائے گا۔ شہرام! آپ ٹونی کو راستے سے ہٹا دیں' مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا مگر خود اگر اس کے راستے سے ہٹ گئے تو...... بہت برا ہوگا' کچھ بھی باقی نہیں بچے گا۔ شہرام! پلیز' ایسا مت کریں' میں آپ کو کھونا نہیں چاہتی۔''

وہ معصوم سی لڑکی' جس کا دل شہرام کے نام پر ہی دھڑکتا تھا اس کی بدگمانی پر وہ تڑپ تڑپ گئی۔

شہرام نے اسے شانوں سے تھام لیا۔

''ماہ ما! تم میری محبت کا پہلا احساس ہو۔ مجھے تمہاری پاکیزہ محبت پر پورا یقین ہے۔ بس یہ شخص مجھے زہر لگتا ہے اور میں اس سے خوف زدہ بھی ہوں۔ نہ جانے کیوں میرا دل خوف زدہ ہی رہتا ہے کہ یہ چاچی جی کے ساتھ مل کر کوئی گڑبڑ نہ کر دے۔ مجھے کبھی کبھی ایسے لگتا ہے کہ جیسے یہ تمہیں مجھ سے چھین لے گا اور میں تہی دامن دھول دیکھتا رہ جاؤں گا۔ ماہ ما' تم سے شکوہ نہیں ہے مجھے اعتبار ہے تمہارا بس خود ہی......'' شہرام نے سارے خدشے اس کے سامنے ڈال دیے تھے۔

''ڈونٹ وری شہرام انشاء اللہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں اور اس کے بعد مجھ پر اعتماد کریں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مما اور ٹونی کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ آپ بالکل پریشان نہ ہوں شہرام آپ...... آپ......''

پھر ماہ ما کتنی دیر اس سے باتیں کرتی رہی مگر شہرام عجیب وہمی سا ہو رہا تھا۔

☆☆☆

شادی کے ہنگامے ختم ہو چکے تھے۔ نئی دلہنوں کو اس خاندان اور حویلی کے اصول و قوانین اور روایات سے آگاہ کیا جا رہا تھا۔ ان کو ان کے حقوق و فرائض بتائے جا رہے تھے۔ یہ کرنا ہے وہ نہیں کرنا۔ سب کچھ بڑوں کی اجازت سے کرنا ہے۔ عفت جہاں کو سخت چڑ آ رہی تھی۔ ان باتوں اور ان حرکتوں سے وحشت ہو رہی تھی۔ وہ آزاد فضاؤں کی پنچھی تھیں انہوں نے یہ سب خود قبول نہیں کیا تھا تو اپنی نازک' لندن میں پلی بڑھی بیٹی کے لیے کس طرح گوارا کر سکتی تھیں۔ ہر بات میں ناک بھوں چڑھا رہی تھیں۔ وہ تو اچھا ہوا تھا کہ ٹونی لوگ چلے گئے تھے۔

''یہ کمرا تو میری ماہ ما کا ہے۔ آؤ دیکھو تو عفت! کیسا ہے؟'' ایک روز صدیقہ بیگم خود بڑے شوق سے ان کو لے جا کر ماہ ما کا کمرا دکھا رہی تھیں۔ زندگی کی تمام سہولیات وہاں موجود تھیں۔ جیسا کمرا اس کا اپنے گھر میں سیٹ تھا' بالکل اسی انداز میں انہوں نے یہاں بھی سیٹ کیا تھا مگر عفت جہاں کو قطعی پسند نہیں آیا۔

''ماہ ما یہاں رہے گی؟'' ان کے لہجے میں اجنبی سی حیرت تھی۔ صدیقہ بیگم ان کا مطلب سمجھ چکی تھیں۔

''تو پھر کہاں رہے گی جہاں اس کا شوہر ہوگا وہیں ناں؟''

''تو شہرام امریکا سے پڑھ لکھ کر ڈگریاں لے کر یہاں آ کر کھیتی باڑی کرے گا؟'' عفت جہاں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''تو اس میں ہرج بھی کیا ہے؟ ضروری نہیں کہ ڈگریاں نوکریوں کے لیے ہی حاصل کی جائیں

اور یوں بھی وہ ڈگریاں لے کر کیا کرتا ہے‘ کیا نہیں کرتا یہ تو اللہ کو معلوم ہے میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ اپنی ماہ ما کو شہرام کی دلہن بنا کر جلدی سے لے آؤں۔ نہ جانے یہ خواہش اللہ کب پوری کرتا ہے؟" وہ ابھی بات کر رہی تھیں کہ رحیمہ‘ اماں جان کا بلاوا لے کر آ گئی تو وہ فوراً چلی گئیں۔ اس وقت ماہ ما بھی آ گئی۔

"مما! آپ یہاں ہیں میں آپ کو سارے گھر میں تلاش کر رہی تھی۔" ماہ ما ان سے لپٹ گئی تو اس وقت وہ ان کو بہت چھوٹی سی بچی لگی۔ وہ اسے پھولوں کی سیج پر دیکھنا چاہتی تھیں۔ ان کے نزدیک یہاں زندگی پتھریلی چٹانوں جیسی تھی۔

"کیوں‘ میری کیا ضرورت پڑ گئی تھی؟ کیوں تلاش کر رہی تھیں؟ یہاں آ کر تو تم مجھے بھول ہی گئی ہو۔" وہ روکھائی سے بولیں۔

"مما! کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ‘ آپ تو میری جان ہیں۔" اس نے ان کو پیار کر لیا۔

"اونہہ! تب ہی جان کو جلاتی رہتی ہو...... خیر کیوں تلاش کر رہی تھیں؟" انہوں نے پیار سے اس کے بال سنوارے تو وہ ان کی گود میں سر رکھ کر گویا لیٹ گئی۔

"یوں ہی مما! ہم گھر کب جائیں گے بوریت ہو رہی ہے۔" شادی کے ہنگامے ختم ہو گئے تھے۔ روٹین لائف خاصی بوری لگ رہی تھی۔ ماہ ما بھی بور ہو رہی تھی۔ اس کی بات پر ان کو موقع مل گیا تو دل کی بھڑاس نکالنے کا۔

"دیکھا میری جان! میں تمہیں یہی تو سمجھاتی ہوں کہ تم یہاں نہیں رہ سکتیں۔ یہاں کی زندگی بہت سخت‘ ڈل اور بور ہے۔ تم یہاں زندگی تو کیا‘ چند روز نہیں گزار سکتیں۔ تمہارے پپا محض اپنوں کی محبت میں تمہیں داؤ پر لگا رہے ہیں۔ ابھی بھی وقت ہے بیٹی! ابھی بھی وقت ہے۔"

عفت جہاں کو تو جیسے موقع مل گیا۔ انہوں نے اپنے جذبات اور احساسات کا برملا اظہار کر دیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں مما! اب وقت ہی تو نہیں ہے‘ بات تو بہت آگے نکل چکی ہے۔ جن کو چاہا جاتا ہے ناں مما! ان کی خاطر سب کچھ برداشت کیا جاتا ہے‘ قربان کیا جاتا ہے۔ میں بھی شہرام کی خاطر‘ ان سب کی محبتوں کی خاطر سب کچھ قربان کر دوں گی۔ جیسے یہ لوگ کہیں گے ویسے ہی کروں گی۔ مما! آپ...... آپ مطمئن رہیے میں انشاء اللہ خوش رہوں گی خدا نے چاہا تو...... آپ فکر نہ کریں۔" بات کرتے کرتے وہ پلٹی تو دیکھا‘ عفت جہاں جا چکی تھیں۔ شہرام البتہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس نے ساری باتیں سن لی تھیں۔

"ارے‘ مما چلی گئیں اور مجھے پتا بھی نہیں چلا۔ شاید ان کو میری باتیں بری لگ گئی ہیں۔" وہ

افسردہ ہی ہونے لگی۔

"نہیں جو بات انہوں نے سنی ہی نہیں وہ ان کو بری کیسے لگ سکتی ہے۔ جن کو یہ باتیں نہیں سننی چاہیے تھیں انہوں نے نہیں سنیں‘ جن کو سننی چاہیے تھیں۔ انہوں نے سن لیں‘ بات ختم۔ ویسے میں بہت حیران ہوں کہ تم ایسی باتیں بھی کر سکتی ہو؟" شہرام بہت خوش تھا۔

"شہرام! آپ کیا سمجھتے ہیں کبھی آزما کر دیکھ لیجیے گا۔ ہم آپ کی طرح تھوڑی ہیں کہ محبت کا یقین پانی پر بلبلہ بن کر ابھرتا ہے میں پکڑنے کو دوڑتی ہوں تو وہ ختم ہو جاتا ہے۔" ماہ ما کے ہونٹوں پر شکوہ آ گیا۔

"سوری ماہ ما! میں...... میں واقعی تمہارے ساتھ زیادتی کر جاتا ہوں آئندہ نہیں کروں گا انشاء اللہ۔" دونوں مسکرا دیے۔

☆☆☆

شہرام امریکا واپس جا رہا تھا۔ اماں جان کا اصرار تھا کہ کوئی رسم ادا کر دی جائے۔ عفت جہاں نے صرف منگنی کی اجازت دی تھی۔ ان سب کے لیے یہ بھی بہت تھا۔ حبیب صاحب نے بہت ارمانوں سے منگنی کا اہتمام کیا تھا۔ تقریباً پورا خاندان شریک تھا۔ ماہ ما اور شہرام بے حد خوش تھے‘ ان کی محبت منزل کے قریب تر تھی۔ ماہ ما پارلر سے تیار ہو کر آ گئی تھی۔ اب انگوٹھی پہنانے کی رسم باقی تھی۔ سب کا اصرار تھا کہ اماں جان دونوں کو اس بندھن میں باندھیں مگر اماں جان نے دونوں کو اجازت دی کہ دونوں ایک دوسرے کو رنگ پہنائیں گے چنانچہ شوخ جملوں کی پھوار میں دونوں نے ایک دوسرے کو رنگ پہنائی۔ دونوں اتنے خوب صورت لگ رہے تھے کہ ٹونی اور اس کے گھر والوں کے دلوں پر سانپ لوٹ گیا۔

تقریب کے اختتام پر سب مہمان تو جا چکے تھے۔ رشتے دار بھی آرام کر رہے تھے‘ ٹونی ابھی تک نہیں گیا تھا۔

"ماہ ما! اس میں میری طرف سے گفٹ ہے۔ یقیناً تمہیں بہت پسند آئے گا۔ ایک میں نے اپنے پاس رکھا ہے دوسرا تمہیں دے رہا ہوں۔"

وہ پیکٹ ماہ ما کی گود میں رکھ کر شہرام کو گھورتا ہوا چلا گیا۔ اسی وقت حبیب صاحب بھی آ گئے۔

"دیکھیں تو سہی ایسا کیا گفٹ دے گئے ہیں موصوف!" شہرام گفٹ کھولنے لگا تو حبیب صاحب بھی دیکھنے کے لیے رک گئے مگر جب گفٹ باہر نکلا تو ماہ ما چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ شہرام کی رگیں پھٹنے لگیں کیونکہ یہ اس روز ڈانس کے بے ہودہ پوز کی تصویر تھی جس میں ماہ ما ٹونی کی بانہوں میں تھی اور ٹونی اس پر جھکا ہوا تھا۔ شاید یہ تصاویر ایسے ہی مقصد کے لیے تیار کی گئی تھیں۔ حبیب صاحب

جنونی انداز میں تصویر پر جھپٹے اور تار تار کر دیا پھر سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے چلے گئے۔

''ماما!'' ان کے منہ سے یہ آخری لفظ نکلا اور ان کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی اور گلے کی آواز گونجی اور ان کی آنکھیں پتھرا گئیں۔

☆☆☆

''تمہیں اچھی طرح یقین ہے ناں رفیق کہ وہ ہمارے ماموں ہیں...... کہیں عثمان صاحب والا ڈراما تو نہیں کھیلا جانے والا؟ دیکھو سوچ سمجھ کر جواب دینا اب حالات بہت مختلف ہیں اب دودھ پیتے بچے نہیں ہیں کہ......''

ذورین کو جب شجاع الدین کا پتا چلا تو وہ کافی بے چین تو ہو گیا مگر پھر کچھ سوچ کر رفیق کو دیکھنے لگا۔ رفیق کچھ دیر کے لیے اندر سے ڈول گیا کیونکہ جھوٹ اوپر سے کتنا ہی مضبوط اور پائیدار کیوں نہ ہو اندر سے اتنا ہی کمزور اور بزدل ہوتا ہے۔ اور یوں بھی ذورین سے وہ ڈرا دبتا بھی تھا۔ تاہم اس نے فطری مکاری کا چراغ رگڑا' چندھی آنکھوں سے ذورین کو دیکھا' ٹوپی اتاری پھونک کر پہنی اور شانے کا کپڑا اتار کر جھاڑا پھر شانے پر رکھتا ہوا چاپلوسی سے بولا ذورین میاں! جھوٹ بولوں مکاری دکھاؤں تو گردن کٹا دوں۔ شجاع الدین آپ کے ماموں ہوتے ہیں' میں اب اپنی سچائی کا کیا کہہ سکتا ہوں' کبھی ایک بار بیگم صاحبہ مرحوم بہت شدتوں سے روئیں...... اور رو کر تھک گئیں۔''

رفیق نے مکاری سے کہا اور قالین پر ذورین کے قریب بیٹھ کر چھینکوں چھینکوں رونے لگا۔ بات کو یقین کی منزل تک پہنچانے کا اس کو فن آتا تھا اور اس کا مظاہرہ وہ بڑی خوبی سے کرتا تھا۔

''رفیق! مجھے تمہاری اس حرکت سے سخت چڑ ہے' بات درمیان میں چھوڑ کر رونے لگتے ہو...... کیوں' کیا ہوا تھا؟''

ذورین کو اصل بات جاننے کی جلدی ہوتی اور وہ فن کا مظاہرہ کرنے لگ جاتا۔ اس نے ذورین کو دیکھا' جعلی آنسو صاف کیے۔

''ہاں تو میاں! میں بتا رہا تھا کہ ایک روز بیگم صاحبہ بہت رو رہی تھیں' میں نے پوچھا تو بتانے لگیں کہ اول تو ہمارے رشتے دار ہیں ہی نہیں اور جو ہیں تو ان سے بھی خاندانی اختلافات کی وجہ سے ملنا نہیں پاتی۔ انہوں نے خاص طور پر شجاع الدین صاحب کا نام لیا تھا کہ یہ بہت اچھے آدمی ہیں اور کہا کہ اگر کبھی زندگی میں موقع ملا تو وہ ان سے ضرور رابطہ کریں گی۔ مگر آہ! زندگی نے وفا نہ کی موت نے مہلت نہ دی۔ آج اگر وہ زندہ ہوتیں تو کتنا خوش ہوتیں کہ یہ خود آ گئے ہیں۔ آہ بیگم صاحبہ!'' مکاری وہ پھر منہ پر کپڑا ڈال کر رونے لگا اور ذورین کے دل میں ماں کی محبت موجزن ہو گئی اور

اسے لگا' محسوس ہونے لگا۔ جب سے عثمان صاحب کی حقیقت کھل کر سامنے آئی تھی' وہ دیکھے ماموں سے اپنے کسی خونی رشتے دار کی طلب محسوس کرنے لگا تھا۔

''اب کب آئیں گے وہ رفیق؟'' ذورین ان سے ملنے کے لیے بے چین ہو گیا۔

''آ جائیں گے وہ جلدی ہی مگر یہاں تو عثمان صاحب نے پولیسانہ رویہ اختیار کر لیا' ایسے ایسے سوالات کیے کہ گویا وہ مجرم ہوں اور وہ وکیل۔ لہٰذا پریشان سے ہو کر چلے گئے۔ جاتے جاتے کہہ گئے کہ میں تو بہن کی محبت میں آ گیا ہوں۔ مگر لگتا ہے اس گھر میں ہمارے لیے جگہ نہیں ہے۔ آپ کے لیے بہت بے چین ہو رہے تھے۔''

جذباتی منظر نگاری میں تو رفیق کو کمال حاصل تھا۔ اس نے ذورین کے آئینۂ دل میں ان جانے ماموں کی تصویر فٹ کر دی تھی۔

''دیکھو رفیق! اگر وہ واقعی ہمارے ماموں ہیں تو عثمان صاحب کی مجال نہیں کہ ان پر تنقید کر سکیں یا ان کے بارے میں کسی قسم کی رائے زنی کر سکیں۔ اگر وہ غیر ہو کر ہمارے گھر میں حکومت کر رہے ہیں تو ہمارے اپنے کیوں نہیں؟''

''پھر ذورین میاں' چلیے شجاع الدین صاحب کے ہاں چلتے ہیں۔ وہ آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے لیکن میاں ذرا عثمان صاحب اور عاتکہ بی بی سے اجازت لے لیجیے گا' یہ نہ ہو مجھ پر بات آ جائے کہ......''

رفیق نے جب دیکھا کہ لوہا اس حد تک گرم ہو گیا ہے کہ وہ اپنی پسند کا شیپ دے سکتا ہے تو مصنوعی خوف سے بولا۔

''مائی فٹ! وہ کون ہوتے ہیں میرے معاملے میں بولنے والے۔ مجھ پر روک ٹوک کرنے والے...... اور تمہیں بھی خوف زدہ ہونے کی قطعی ضرورت نہیں کوئی بھی بات ہو' مجھے بتانا۔ چلو' ابھی چلتے ہیں ماموں کی طرف۔''

ذورین فطری اکھڑپن سے بولا تو رفیق بھی کھڑا ہو گیا۔ وہ ایسا مورچہ تیار کرنا چاہتا تھا کہ دشمن پر لگی ہوتا رہے اور جوابی کارروائی بھی نہ ہو سکے۔

''ٹھیک ہے ذورین میاں! آپ بھی تیار ہو جائیں اور میں بھی ذرا ڈھنگ کے کپڑے پہن کر آتا ہوں۔''

یہ کہہ کر رفیق کھسیانی چاپلوسی سی ہنسی ہنستا ہوا باہر نکل گیا تو ذورین صوفے پر نیم دراز ہو کر اپنے ماموں کے بارے میں سوچنے لگا۔ رفیق باہر آیا تو اس کی نظر لان پر پڑی۔ وسو کچھ گنگنا بھی رہا تھا اور گنگنا کچھ کہا بھی رہا تھا۔''

"کم بخت! ہر وقت کھاتا پیتا رہتا ہے۔ چیونٹا کہیں کا' دیکھوں تو کیا کھا رہا ہے؟"

جلن کا ایسا دورہ اٹھا رفیق کو کہ وہ کوارٹر جانے کے بجائے دسو کی طرف آیا اور جب دسو نے آتے دیکھا تو پائپ اٹھالیا۔ اتفاق سے رفیق کا پاؤں پائپ پر آ گیا تو یہ موقع دسو نے کمال جھٹ پائپ کھینچا تو رفیق دھڑام سے گیلے لان میں گر پڑا۔ ایک تو پانی اوپر سے دسو نے کھاد ڈالی تھی۔ رفیق کے کپڑوں پر لگتی تو خیر تھی۔ کھاد منہ پر لگی اور گندہ پانی اس کے منہ میں چلا گیا۔ سو وہ غصے میں آ گیا۔

"الو کے پٹھے! ابھی میں گر جاتا تو......" رفیق اٹھنے لگا پھر گر پڑا تو دسو نے آگے بڑھ کر ہاتھ پکڑا۔

"خالو میاں اٹھاؤں کہ اللہ سے کہو کہ اس کو اٹھالے......؟" دسو نے کھڑا کر کے پانی کا اخراج کر دیا۔

"ارے پیچھے ہٹ کمبخت! تو اور تیری خالہ تو یہی چاہتے ہیں کہ میں مر جاؤں۔"

"ارے خالو! تو صرف چاہتے ہیں ناں کچھ کر تو نہیں سکتے ناں...... ہماری خالہ بھی بڑی بدقسمت ہے۔"

"کیوں بھلا؟" رفیق نے دسو کو گھورا جو شرارت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اس کی دو سہیلیاں تھیں۔ کب کی بیوہ ہو گئیں مگر آہ بے چاری خالہ...... ویسے خالو' خالہ نے لٹھا منگوا کر رکھا ہے۔"

"کیوں' کس لیے لٹھا منگوایا ہے؟ ایسے ہی میں اسے فضول خرچ عورت نہیں کہتا۔"

"فضول خرچ نہیں خالو' دوراندیش عورت کہو۔ دیکھو ناں نہ جانے کب جھینگر کی جان نکل جائے بے چاری بیوہ عورت کو کفن دفن تو کرنا پڑے گا ناں......" دسو نے گھما کر بات کی جسے رفیق آسانی سے سمجھ نہیں پایا۔

"دیکھا! پھر تم کہتے ہو وہ فضول خرچ نہیں۔ میری حلال کی کمائی کو وہ جھینگروں کے کفن دفن پر برباد کر رہی ہے اور یہ بیوہ کب ہوئی...... کیا اس کا مطلب ہے تو مجھے جھینگر...... ارے الو کے پٹھے آنکھوں میں مرچیں بھر کر باندھ دوں گا؟"

رفیق اس کی بات سمجھ کر غصے میں آ گیا۔ اس نے اس کے بال نوچنے شروع کر دیے۔

"دیکھو خالو! تم خواہ مخواہ ہی خفا ہو جاتے ہو۔ تمہیں تو میں نے صرف جھینگر ہی کہا ہے۔ بے چاری اپنی خالہ کو کہا ہے۔" دسو جانتا تھا رفیق کا دماغ مکاری میں چلتا تھا۔ اس قسم کی باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔

"اچھا ٹھیک ہے مگر آئندہ مجھے جھینگر ہرگز نہ کہنا۔" رفیق دسو سے تھوڑا بہت دبنے لگا تھا۔

"ناں...... ناں' تمہاری توبہ خالو میں تمہیں جھینگر ہرگز نہیں کہوں گا مگر خالہ تو میری خالہ ہے ناں اس کو تو میں بیوہ کہہ سکتا ہوں ناں...... توبہ تمہاری ہی توبہ۔" دسو نے اسی بہانے رفیق کے کان اتنی زور سے کھینچے کہ وہ چلا اٹھا۔

"ارے...... کم بخت! میرے کان کیوں لمبے کر دیے ہیں اور یہ تو اتنی دیر سے کیا کھا رہا ہے چھوارے کہیں کے۔ بڑا چسکا ہے تجھے کھانے کا۔ ضرور اندر سے کچھ چرا کر لایا ہوگا۔ او مجھے بھی دے ورنہ شکایت کر دوں گا بیگم صاحب سے۔"

رفیق نے للچائی نظروں سے شاپر کی جانب دیکھا جس میں مصنوعی کھاد تھی جو دسو پودوں کو ڈالنے کے لیے لایا تھا۔ دسو کی آنکھیں کسی خیال سے روشن ہو گئیں۔ اس نے خوف زدہ شکل بنا کر کہا۔

"ہائے خالو میاں! دیکھو تم کسی کو نہ بتانا ورنہ مجھے نوکری سے نکال دیں گے۔" وہ باقاعدہ منت کرنے لگا۔ رفیق تو ایسے موقعوں کو کیش کرنے کا ہنر اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے سر پر ہاتھ پھیر کر ٹوپی اتارنی چاہی تو پتا چلا کہ ٹوپی نیچے گری پڑی ہے۔ اس نے جھک کر ٹوپی سر پر رکھی تو اس کے اندر جو پانی کیچڑ تھا' سارا اس کے سر پر آ رہا۔

"کمبخت' نابکار! یہ سب تیری ہی شرارتیں ہیں۔ خیر لا دے...... کیا ہے؟ آدھا دے دے تو منہ بند رکھوں گا ورنہ......"

"ارے نہیں خالو' تم منہ بند ہی رکھنا ذرا منہ کھولو......"

رفیق نے آنکھیں بند کر کے منہ کھول دیا تو دسو نے مصنوعی کھاد کی مٹھی بھر کر اس کے منہ میں بھر دی تو رفیق تڑپ کر رہ گیا اور دسو تیزی سے وہاں سے بھاگ گیا۔ رفیق قلیاں کرتا اسے کوسنے دینے لگا۔

"ارے کمبخت' بدبخت چیونٹے! کہاں سے آ گئے' ارے نہ مری یہ نسرین اور نہ ہی اس کے رشتے دار۔ الو کے پٹھے نے زہر انڈیل دیا اندر ہائے ہائے!" وہ غصے سے بکتا جھکتا جا رہا تھا کہ پاؤں کسی چیز سے الجھا اور وہ پھر کیچڑ سے بھری کیاری میں منہ کے بل گر گیا۔

☆☆☆

"دیکھو عاتکہ! حقائق کی جو تصویر کشی اس شخص نے کی ہے' اس سے تو واضح ثبوت ملتا ہے کہ شجاع الدین بیگم اکبر کا کزن ہے اور ان بچوں کا ماموں ہے لیکن میں پھر بھی تسلی کر لینا چاہتا ہوں کہ کہیں فراڈ ہی نہ ہو۔ میں تو بہت مشکل میں پھنس گیا ہوں۔"

عثمان صاحب واقعی بہت پریشان تھے کیونکہ شرفو اب حیات نہیں تھے' جن سے اس خاندان کے بارے میں معلومات حاصل ہوتیں۔ رہا رفیق تو اول درجے کے چیپڑ آدمی سے وہ کوئی اچھی توقع نہیں

رکھتے تھے کہ وہ کوئی درست بات کرے گا۔

''عثمان ذرا دامن بچا کر رکھیے گا کیونکہ اس طرح ہمارا اپنا کردار مشکوک ہو جائے گا لڑکوں کی نظر میں۔ ذورین کا رویہ تو پہلے ہی بدلا بدلا سا ہے۔ میرا مشورہ مانیں تو کوئی چھان بین مت کیجیے اور اگر وہ بندہ اتنے ہی یقین سے کہہ رہا ہے تو ہوسکتا ہے درست ہی کہہ رہا ہو۔ آپ اس کی حیثیت مان لیجیے کیونکہ میں نے محسوس کیا ہے کہ ذورین اپنی والدہ کے معاملے میں بہت نجی ہے گو کہ اس وقت وہ بہت چھوٹا تھا مگر پھر...... خیر' آپ سارے قصے کو رہنے دیں اچھا خاصا آدمی ہے' پڑھا لکھا ہے جھوٹ کیوں بولنے لگا؟ درست ہی کہہ رہا ہوگا۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے ناں کہ ہماری طرح ان کے بھی خاندان والوں کے ساتھ تعلقات خراب ہوں۔ ہمارے ساتھ بھی تو ایسا ہی ہوا تھا۔ ایک عرصے تک کوئی ہمارے ساتھ نہ ملتا تھا نہ تعلق رکھتا تھا۔''

عاتکہ نے اپنی کیفیت اور حالات یاد کر کے کہا تو عثمان صاحب بھی قائل ہو گئے۔

''ہاں' یہ تو ہے کہ بعض ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ سگے بہن بھائی بھی لاتعلق ہو جاتے ہیں۔ خیر' دیکھو اللہ مالک ہے۔ بس میں ذرا خوف زدہ ہوں تو اس بات سے کہ کہیں وہ کوئی بزنس اور جائیداد کے بٹوارے کا مسئلہ نہ ہو کیونکہ شروع بابا بتایا کرتے تھے کہ اکبر صاحب کی جائیداد بہت تھی اور جو دور پرے کے رشتے دار تھے بلاوجہ ہی حصے دار بننے کی کوشش کیا کرتے تھے کہیں یہ صاحب اسی سلسلے کی کڑی نہ ہوں۔'' عثمان صاحب کے پیش نظر یہی مسئلہ تھا۔

''دیکھیے عثمان! اگر یہ بھی معاملہ ہوا تو اب ماشاء اللہ لڑکے جوان ہیں وہ اپنا معاملہ خود دیکھیں گے اور خدا کے حکم سے ہم ان کا ساتھ دیں گے۔ بس آپ فکر مند نہ ہوں۔ آپ کا بی پی ہائی رہنے لگا ہے۔ میں تو کشتیاں جلا کر آپ کے ساتھ آئی ہوں عثمان! مجھے آپ کی زندگی اور صحت پیاری ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں جب سے وہ موصوف ہو کر گئے ہیں۔ آپ بہت پریشان رہنے لگے ہیں۔'' عاتکہ بہت فکر مند ہو جاتی تھیں عثمان کو پریشان دیکھ کر۔

''کم آن عاتکہ! اس میں اتنا فکر مند ہونے والی بات نہیں اللہ نے چاہا تو مجھے کچھ نہیں ہوگا تم بھی اللہ سے دعا کرو۔'' عثمان صاحب اندر سے تو کشمکش کا شکار تھے مگر عاتکہ کو مطمئن کر گئے۔

☆☆☆

کسی عزیز رشتے دار کی موجودگی ذورین کے لیے ایک عجیب خوشی کا احساس تھا۔ دل میں عجیب سی خوشی تھی' وہ بڑے اہتمام سے تیار ہو کر باہر آیا۔ لاؤنج میں عثمان صاحب' عاتکہ اور نیلو موجود تھے۔ نیلو کتاب دیکھ رہی تھی۔ Blue Jeans کی مہک نے پلکیں اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ یہ ذورین کی مخصوص خوشبو تھی۔ کچھ دیر وہ اس روٹھے ہوئے بندے کو دیکھنے لگی جس کو اس کی تمام تر بدتمیزیوں کے باوجود وہ چاہنے پر مجبور تھی اور احساسات کی اس بے ضابطگی پر کبھی کبھی الجھ پڑتی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ اکیلی ہی جا رہی ہے اس راستے پر جس کے اختتام پر کوئی منزل نہیں تھی۔

''مما......!'' ذورین نے ایک تیز نگاہ نیلو پر ڈالی' جس نے ''ہونہہ'' کر کے کتاب پر نظریں جمالیں پھر عاتکہ کو پکارا تو وہ ایک دم چونک کر اسے دیکھنے لگیں اور ساتھ ہی اٹھ کر اس کے قریب آ گئیں۔

''ذورین! ماشاء اللہ چشم بددور۔ کتنا اسمارٹ لگ رہا ہے میرا بیٹا۔ کہیں میری ہی نظر نہ لگ جائے۔''

عاتکہ نے ذورین کی پیشانی پر پیار کر لیا تو ہمیشہ کی طرح اس نے بھی جوابی پیار کیا۔ ان کے ہاتھوں کو ہونٹوں سے لگا لیا۔

''مان گئے مما! کہ ماں کی نظر اور دل بہت وسیع ہوتے ہیں کہ ایسوں ایسوں کی تعریف کر دیتی ہیں' واہ مما!''

نیلو کے اس حملے پر ذورین نے صرف اسے گھورا۔

''مما! میں ذرا ماموں جان سے ملنے جا رہا ہوں۔'' اس نے ایک تلخ سی نگاہ عثمان صاحب پر ڈالی تو حسب توقع وہ چونک کر اسے دیکھنے لگے مگر بولے کچھ نہیں البتہ نیلو خاصی حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ کیونکہ اسے سارے قصے کی خبر ہی نہیں تھی۔ جب سے ایڈمیشن ہوا تھا اسے پڑھائی سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔

''یہ ماموں جان کہاں سے پیدا ہو گئے ہیں مما؟'' وہ اٹھ کر عاتکہ کے دائیں جانب کھڑی ہو گئی۔

''ہاں بیٹا' وہ ذورین کی مما کے فرسٹ کزن ہیں۔''

''اچھا' حیرت ہے۔ ویسے نومولود ماموں جان کا اسم گرامی کیا ہے؟ اور کہاں رہتے ہیں؟'' ایسی باتوں سے اکثر نیلو کا مقصد اپنی نگاہوں کے سامنے اس کے قیام کو طویل کرنا ہوتا تھا اور وہ جو اس کی اس سوچ تک رسائی نہیں رکھتا تھا چڑ جاتا۔

''میرے خیال میں آپ اپنی ناقص عقل پر بوجھ نہ ڈالیں نن آف یور بزنس' اوکے۔''

وہ اس کے احساسات کی کلیوں کو کچلتا ہوا سنگدلی سے آگے بڑھ جاتا تو شدت ضبط سے وہ آنکھیں موند لیتی۔

''ذورین درست کہہ رہا ہے بیٹا! وہ اس کے ماموں ہیں۔ تمہیں اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے۔ بزرگ سب کے بزرگ ہوتے ہیں تمہیں ان کا احترام کرنا چاہیے۔ اگر وہ ذورین کے ماموں ہیں تو... تمہارے بھی ہوئے۔ تمہیں ایسی بات نہیں کرنی چاہیے۔''

''رائٹ پپا! آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ یوں بھی فضول باتوں کے لیے میرے پاس وقت تو ہوتا نہیں اوکے۔''

وہ شانے اچکا کر اپنی کتاب اٹھا کر باہر نکل گئی۔ ذورین، عثمان اور نیلو کو گھور کر رہ گیا۔

''جاؤ بیٹا! لیکن ہم نے ان کو گھر انوائٹ کیا ہے۔'' عثمان صاحب بھی اٹھ کر آ گئے۔

''تو اس کا مطلب ہے کہ میں اپنے ماموں سے ملنے بھی نہیں جا سکتا؟'' وہ اکھڑ لہجے میں بولا۔

''نہیں جانی! تم جاؤ مل کر آؤ۔ وہ بھی تمہارا بہت پوچھ رہے تھے بہت اچھے آدمی ہیں جاؤ شاباش!''

عاتکہ نہیں چاہتی تھیں کہ کوئی ایسی بات ہو جس سے وہ بددل ہو جائے۔

''خدا حافظ مما۔'' اس نے جھک کر عاتکہ کو پیار کیا اور باہر آ گیا۔ جب وہ رفیق کے ساتھ گاڑی میں گیٹ سے باہر نکل رہا تھا تو نیلو اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''کاش، کاش...... ! ذورین تم میرے کوچۂ دل سے نہ گزرے ہوتے۔ کاش میرے خواب تمہارے تصور سے آباد نہ ہوتے۔ کاش۔ تم سے تم کو مانگنا ممکن نہ ہوتا...... کاش!'' اس نے آنکھوں کی نمی کو سانس کی گہرائی میں اتار لیا۔

☆☆☆

رفیق نے جو ڈراما تحریر کیا تھا اس میں شجاع الدین اپنی جاندار اداکاری سے حقیقت کا رنگ بھرنے میں سو فیصدی کامیاب ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی وہ مکالمے ایسی آواز میں بول رہا تھا کہ ذورین کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔

''ذورین بیٹے! میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ جب تمہارے مما پپا کے ایکسیڈنٹ اور وفات کی خبر مجھے ملی تو میری کیا حالت ہوئی میں تو بے قرار ہو گیا تھا تم لوگوں کے لیے۔ آخر کو میری بہن کی آخری نشانی ہو...... ہم نے ایک گھر میں پرورش پائی تھی۔ آہ۔'' ایسی اداکاری ایسے ڈائیلاگ کہ خود رفیق بھی کچھ دیر کے لیے یقین کرنے پر مجبور ہو گیا کہ یہ واقعی عظمیٰ بیگم کے بھائی ہیں۔ اب تو شجاع الدین نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا تھا۔

''ابے لے یہ تو میرا بھی استاد نکلا!'' رفیق نے چندھی آنکھوں سے شجاع الدین کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ ذورین کو یقین ہو رہا تھا کہ واقعی یہ ہمارے ماموں ہیں۔ شجاع الدین نے بھی انتہا کر دی۔ ایسے ایسے واقعات سنائے۔ اس کی مما کے بچپن کے واقعات شرارتیں کہ رفیق بھی ڈگمگانے لگا کہ کہیں وہ دھوکے میں اصل رشتے داروں سے تو ناتا نہیں جوڑ بیٹھا۔ ذورین کو تو خوشی اس بات کی ہو رہی تھی کہ اتنے غیروں میں کوئی اپنا نظر آیا۔

''ماموں جان! جب آپ کو معلوم تھا تو آپ اسی وقت کیوں نہیں آ گئے جب مما، پپا ہمیں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اس وقت ہمیں آپ کی ضرورت تھی۔ آپ آ جاتے تو کم از کم ہم یوں......'' وہ کہتے کہتے رفیق کو دیکھنے لگا جس نے نظروں ہی نظروں میں اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا تو وہ چپ ہو گیا۔

شجاع صاحب نے پہلو بدلا کیونکہ اتنی دیر میں وہ کہانی کی اگلی قسط تیار کر چکے تھے۔

''تم درست کہہ رہے ہو بیٹا! مجھے آنا چاہیے تھا مگر جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا ناں کہ اکبر صاحب غیر خاندان کے آدمی تھے اور تمہاری مما سے شادی کے بعد کچھ اختلافات ہو گئے تو ہم نے قطعی طور پر ایک دوسرے کو چھوڑ دیا تھا حتیٰ کہ ہم لوگ ایک دوسرے کو رشتے دار تک نہیں کہتے تھے تو جب یہ جان لیوا حادثہ ہوا، میں تو مچل گیا آنے کے لیے مگر پھر معلوم ہوا کہ تمہارے والد کے کوئی کزن تم لوگوں کے پاس ہیں تو میں نے سوچا حالات خراب کرنے سے بہتر ہے کہ میں الگ ہی رہوں ہو سکتا ہے تمہارے چچا میرا آنا گوارا نہ کرتے، بس یہی سوچ کر میں نہیں آیا۔''

شجاع صاحب نے مکاری کی گہرائیوں سے ٹھنڈی آہ نکالی تو ذورین کو غصہ آ گیا کہ جعلی رشتے دار تو عیش کر رہے تھے اور اس کے اپنے دور تھے۔

''ماموں جان! اس سے قبل جو بھی ہوا سو ہوا...... اب آپ ہمارے پاس آ گئے ہیں تو ہم سے دور مت رہیے گا۔''

یہی تو وہ سننا چاہتے تھے انہوں نے معنی خیز نظر رفیق پر ڈالی تو وہ کھسیانی ہنسی ہنس کر رہ گیا۔

''ذورین میاں ابھی بچے ہیں ناں صاحب! اندر کی مصلحتیں نہیں جانتے ناں اس لیے ایسی باتیں کر رہے ہیں ورنہ میں تو ان کے چچا کو خوب اچھی طرح جان گیا ہوں۔ جائیداد کے معاملات سے تو بے خبر ہوں مگر صاحب! اتنا جانتا ہوں کہ بزنس سارا انہوں نے ہی سنبھالا ہوا ہے اور میرے خیال میں درست ہی کر رہے ہیں خوب پھیلا رکھا ہے کاروبار انہوں نے۔''

رفیق اپنی کبوتروں جیسی آنکھیں گھما کر کبھی ذورین کو دیکھتا، جس کے چہرے پر عثمان کے ذکر کی ناگواری سی شام اتر آئی تھی اور کبھی شجاع صاحب کو دیکھتا جو چہرے پر حزن و ملال اور ان دونوں کی محبت طاری کیے بیٹھے تھے۔

''ایسی باتیں نہیں کرتے رفیق! تم تو اس گھر کے پرانے نمک خوار ہو ایسی باتیں نہ سوچا کرو۔ عثمان صاحب ان کے چچا ہیں۔ یقیناً ان کے لیے اچھا ہی کیا ہوگا سوچا ہوگا مگر خیر اب تو خدا کے فضل سے میں آ گیا ہوں۔ اچھا، میرا بیٹا عمار کہاں ہے؟ بچپن میں ایک بار دیکھا تھا ماشاءاللہ بہت پیارا بچہ ہے۔ کہاں ہے وہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں آیا؟ ارے تم لوگوں کو کیا خبر کہ تمہیں دیکھ کر مجھے کتنا سکون ملا ہے۔ عمار کو بھی لے کر آتے۔''

"جی، عمار کچھ عرصہ قبل ہی تو امریکا گیا ہے۔ گیا کیا، بھیجا گیا ہے۔" رفیق نے شوشا چھوڑا۔

"بھیجا گیا ہے، کیا مطلب......؟" شجاع صاحب نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

"جی، بھائی کو شوق ہو رہا تھا کہ باہر جا کر پڑھوں گا، پپا نے بھیج دیا۔" ذورین نے سادگی سے کہا۔

"خدا میرا ہی بھلا کرے۔ ذورین میاں جھوٹ بولوں تو گردن کٹا دوں عمار میاں بڑے ہی سمجھ دار ہیں اسی لیے ان کو یہاں سے بھیجا گیا ہے تاکہ اپنا کام کیا جا سکے...... میں سب سمجھتا ہوں آپ لوگ تو بچے ہیں نہیں پہنچ پائیں گے ان کی......"

پروگرام کے تحت شجاع الدین اور رفیق ذورین کے دل میں سر ابھارتے نفرت کے بیج کو خوب پانی دے رہے تھے۔

"رفیق! میں تمہیں بھی اک عرصے سے جانتا ہوں یہ بچے ہیں مگر تم تو دانا آدمی تھے تمہیں......خیر......"

شجاع الدین کی بات جاری تھی کہ شانو آ گئی۔ رفیق کو دیکھ کر وہ چیخ پڑی۔

"ہائے چاچا رفیق تم کہاں تھے اتنے دن سے۔ اماں تو کہہ رہی تھیں کہ رفیق بھائی وعدہ کر کے نہ جانے کہاں چلا گیا۔ میں نے کہا، اماں بڈھا آدمی تھا گزر گیا ہوگا مگر تم تو......" شانو شوخ سی لڑکی تھی۔ دوسرا وہ رفیق کی اصلیت سے واقف ہو گئی تھی۔ شانو کے یوں چلے آنے پر رفیق تھوڑا سا جز بز ہوا، اس نے ذورین کو دیکھا جو شانو ہی کو دیکھ رہا تھا۔

"لڑکی! تیری زبان تو بہت تیز ہے۔ بزرگوں سے ایسے بات کرتے ہیں؟ جا اپنی ماں سے کہہ دے کہ جو میں نے اس سے وعدہ کیا ہے وہ پورا کروں گا، ابھی جاؤ۔" رفیق شجاع الدین اور ذورین کے سامنے تھوڑا سا گھبرا بھی گیا تھا۔

ذورین کو تو اس قصے سے دلچسپی نہیں تھی کہ یہ لڑکی کون ہے اور رفیق سے اس کا کیا تعلق بنتا ہے؟ البتہ شجاع الدین چوکنا ضرور ہو گئے تھے مگر اس وقت انہوں نے بھی اس بات کو اہمیت نہیں دی۔

"شانو، یوں مہمانوں سے اس طرح بات نہیں کرتے ہیں؟ جاؤ دیکھو نوشی اور فری کیا کر رہی ہیں؟"

"جی اچھا!" شجاع الدین کے حکم پر وہ اٹھلاتی ہوئی چلی گئی اور کچھ ہی دیر بعد اسی طرح آ گئی۔

"آئیں کیوں نہیں وہ لوگ؟" شجاع الدین نے اسے گھورا۔

"تو آپ نے بلایا کب تھا آپ نے تو کہا تھا کہ دیکھو کیا کر رہی ہیں تو میں دیکھ کر آ گئی ہوں کیا کر رہی ہیں؟"

"کیا کر رہی ہیں؟" شجاع الدین ذورین کی وجہ سے غصہ دبا گئے ورنہ بری طرح ڈانٹ دیتے۔

"ایک دوسرے کو گھور رہی ہیں ایسے......" شانو نے آنکھیں ٹیڑھی کیں تو وہ ذرا زور سے بولے۔

"فضول باتیں مت کیا کرو لڑکی جاؤ ان کو یہاں بھیجو۔" وہ اسی طرح ہنستی ہوئی چلی گئی۔ کچھ ہی دیر بعد نوشی اور فری آ گئیں۔ ذورین دونوں کے اعزاز میں کھڑا ہو گیا۔

"فری، نوشی بیٹا! یہ تم لوگوں کی پھپھو عظمیٰ کا بیٹا ذورین ہے۔"

"زبردست......!" خوبصورت سی فری نے اک ادا سے بالوں کو پیچھے کر کے برملا کہا تو وہ اسے دیکھنے لگا۔

"I mean......السلام علیکم!"

"آپ کھڑے کیوں ہیں ذورین بھائی۔" اب کے بار ذورین نے سانولی مگر پرکشش سی نوشی کو دیکھا اور بیٹھ گیا۔ دونوں لڑکیاں کافی تیز اور چارمنگ تھیں بہت جلدی گھل مل گئیں۔

"میں حاضر ہو سکتا ہوں؟" اس آواز پر سب چونک کر مڑے۔

☆☆☆

حبیب صاحب کی موت کا قیامت خیز سانحہ سب کی دھڑکنیں ساکت کر گیا تھا۔ دھڑکنیں ساکن اور آنکھیں حیرت سے پتھرا سی گئی تھیں۔ اماں جان بزرگ تھیں اوپر سے کئی بیماریوں کا مقابلہ کر رہی تھیں مگر بیٹے کی موت نے ان کو بستر پر ڈال دیا۔ ان کو آئی سی یو میں داخل کرا دیا گیا تھا۔ پورا خاندان اُمڈ آیا تھا۔ عفت جہاں کو بشریٰ بیگم نے گھیر رکھا تھا۔ بلکہ پوری فیملی چھائی ہوئی تھی اور غم سے نڈھال ان لوگوں کو سنبھالے ہوئے تھے۔

"بھائی صاحب! حوصلہ کریں، خدا کو یہی منظور تھا۔ خدا کے حکم کے سامنے تو ہمارا سر جھکانا ہی ہماری بندگی ہے۔ آپ ہمت ہار دیں گے تو ان سب کو کون دیکھے گا؟ صبر کیجیے بھائی صاحب حبیب کا یوں اچانک چلے جانا، اس صدمے کو برداشت کرنا بہت مشکل کام ہے مگر کیا کر سکتے ہیں جو اللہ کا حکم!"

محسن صاحب وہ شخصیت تھے جو آگ لگا کر تماشا تو دیکھتے ہی ہیں اوپر سے مرہم لگانے کی اوٹ میں مزید کچوکے لگاتے ہیں۔ غم سے نڈھال بھائی صاحب نے فساد کی اس چنگاری کو دیکھا جس نے سب کچھ جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔ جی میں تو یہی آیا کہ اسی وقت اس آدمی کا سر توڑ ڈالیں مگر وہ جانتے تھے سب لاحاصل ہے۔ اب صرف لکیر رہ گئی تھی اور وہ لکیر پیٹنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعا مانگی تھی کہ آزمائش کی اس گھڑی میں ان کو صبر اور ضبط عطا فرمائے۔ اسی لیے وہ چپ چاپ خالی نظروں سے ان کو دیکھتے رہے۔ اس وقت ہوش اور جوش دونوں کی ضرورت تھی۔

''جی ہاں' بس اللہ تعالیٰ ہمیں صبر اور میرے بدنصیب بھائی کو جنت نصیب فرمائے' بدنصیب تھا میرا بھائی۔''

بھائی صاحب نے کہا اور اٹھ کر ڈرائنگ روم میں چلے گئے جہاں اور بھی بہت سے لوگ فاتحہ خوانی کے لیے آئے ہوئے تھے۔

''بس کرو عفت! اس طرح روتی رہو گی تو زندگی کیسے گزرے گی جو خدا کو منظور ہوتا ہے' وہی ہوتا ہے۔''

بشریٰ بیگم نے مہر بیگم اور صدیقہ بیگم کو ایک طرح سے پرے دھکیلا اور بڑھ کر عفت جہاں سے لپٹ گئیں۔

''میں تو برباد ہو کر رہ گئی ہوں بشریٰ! یہ سب کیا ہو گیا......؟ کیوں ہو گیا؟'' عفت جہاں مچل مچل کر رونے لگیں۔

''کچھ کھا لو شہرام! اس طرح پتھر بنے کب تک پڑے رہو گے کچھ کھا لو......'' ہما اور ایاز کب سے شہرام کو کچھ کھلانے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہ اس روز سے پتھر بنا رہتا تھا۔ خشک آنکھوں میں وہ منظر نقش ہو کر رہ گیا۔ اس کی محبت' اس کی زندگی کی عزیز ترین ہستی ماہ ما اس کے پہلو میں تھی' وہ اس لمحے کو قید کر لینا چاہتا تھا کہ قیامت خیز آندھیاں سب کچھ بہا کر لے گئیں۔ وہ اس لمحے کو ڈھونڈتا ہی رہ گیا مگر سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ ماہ ما کا ٹونی کے ساتھ ڈانس وہ انداز وہ کیونکر برداشت کر سکتا تھا۔

''شہرام! میرے بھائی' حقیقت کو تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے' خواہ وہ کتنی ہی تلخ ہو۔ صبر کرو' ہمت سے کام لو۔ جینے کے لیے زندگی کے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں۔'' ایاز نے کچھ کھانے کو آگے بڑھایا تو وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔

''کیوں زندہ رہوں کیوں جیوں میں......؟ کس کے لیے...... ہیں ایاز! کس کے لیے جیوں؟ میرا باپ جیسا چچا مر گیا۔ میری...... میری ماہ ما مر گئی ایاز! میری ماہ ما مر گئی۔ میری محبت مر گئی تو میں کس لیے جیوں۔ نہیں جینا' مجھے نہیں جینا۔'' وہ بھائی کے شانے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا اور کتنی ہی دیر وہ ڈولتا رہا۔ غم کے طوفان میں۔ ہما اور ایاز اسے دلاسے دیتے دیتے خود رو پڑے تھے۔

شہرام کے لیے تو ایک موت نہیں ہوئی تھی' خود اس کی محبت اور اس کی' ماہ ما کی موت ہوئی تھی پھر وہ کس طرح بہلتا' سنبھلتا؟ ایاز اور ہما کے لیے اس کو سنبھالنا دشوار ہو رہا تھا۔ انہوں نے بھی اسے رونے دیا۔ دل پر چھائی گھٹائیں برس گئی تھیں۔ اب وہ گم صم سا بیٹھا تھا۔ پھر ہما کو دیکھنے لگا۔

''ہما اسے دیکھ کر تو آؤ' کیسی ہے وہ؟ اس کا روپ اپنی نگاہوں میں بسا لاؤ۔ میں ان ہی میں اسے دیکھ لوں گا۔ کیسی ہے وہ ہما! اسے دیکھ کر آؤ...... وہ زندہ تو ہے ناں۔'' وہ عجیب بہکے بہکے انداز میں بول رہا تھا۔

''اس کی حالت تم سے مختلف نہیں ہے شہرام! وہ بھی ساکت دھڑکنوں اور پتھرائی آنکھوں سے خلاؤں میں گھورتی رہتی ہے۔ تمہاری طرح نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے۔ وہ......''

''مت کہو اسے میری طرح' نہ کمپیئر کرو اسے مجھ سے ہما! وہ میری طرح نہیں مری ہے' وہ میری طرح برباد نہیں ہوئی ہے وہ...... وہ...... وہ۔'' شہرام بہت جذباتی ہو رہا تھا۔ اس نے زور سے دیوار سے سر ٹکرانا چاہا مگر ایاز نے ہاتھ رکھ دیے اور اسے ساتھ لگا لیا۔ شہرام کے ساتھ بہت برا ہوا تھا۔

''حوصلے سے کام لیتے ہیں شہرام! اس طرح کرنا تو بزدلی ہے۔ ہمت اور حوصلے سے کام لو۔''

''پلیز...... پلیز ایاز! مجھے اس حال میں رہنے دو۔ کہاں سے لاؤں میں حوصلہ' ساحل پر آ کر ڈوب گیا ہے میرا سفینہ۔ کیسے حوصلہ کروں میں۔ کس طرح بہلاؤں میں خود کو۔'' وہ آنکھوں پر بازو رکھ کر کارپٹ پر ہی لیٹ گیا۔

''شہرام! تمہیں ماہ ما کے پاس جانا چاہیے۔ ایک دوسرے سے دکھ درد کہہ دینے سے اس کی شدت میں کمی ہوتی ہے' درد کم ہو جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے وہ تمہیں ملے گی اپنے دل کا درد تم سے کہے گی تو بہل جائے گی۔ جاؤ' اس کے پاس' اس کی غمگساری ہو جائے گی۔ تمہاری تو بات اور ہے۔'' ہما کی بات پر کرب ناک سے سائے شہرام کے چہرے پر چھا گئے۔ ایک زبردست ٹیس اس کے دل میں اٹھی کہ وہ تڑپ اٹھا' اس کا جی چاہا خود کو مار ڈالے یا ٹونی اور ماہ ما کو قتل کر دے۔

''میری بات اور تھی ناں ہما' اور ہی ہو گئی ہے۔ اس کے غمگسار بہت ہیں۔ ایک ہی سب پر بھاری ہے۔''

اس کے گمبھیر لہجے سے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر گرے۔ جب درد سوا ہو گیا تو وہ کمرے سے نکل گیا۔

''اب یہ بدگمانی کے جنگل میں بھٹک گیا ہے اس کی واپسی مشکل ہے کیونکہ یہ وہ جنگل ہے جس میں انسان گم ہو جاتا ہے۔ سارے راستے کھو جاتے ہیں۔ اے اللہ میرے بھائی کو صبر دے حوصلہ دے اور بدگمانی کے جنگل میں راستہ بتا دے۔''

ایاز بری طرح دکھی ہو رہا تھا۔ کتنے خوش تھے سب لوگ شہرام اور ماہ ما کی منگنی پر کہ ٹونی نے یہ شرارت کر ڈالی تھی جس نے سب کچھ راکھ کر دیا تھا اور ستم یہ تھا کہ کوئی کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس وقت بھی گھر پر ان ہی کی فیملی چھائی ہوئی تھی اور کوئی اس آستین کی سانپ کو مار بھی نہیں سکتا تھا۔

''نہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہے ہمارے خاندان کی اتنی انمول خوشی کو۔ سب کچھ تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔ اللہ ہی اب صبر دے شہرام کو۔''

☆☆☆

وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ حبیب صاحب زندگی میں پر نہ ہونے والا خلا کر کے چلے گئے تھے۔ چالیس روز گزرنے کے بعد زندگی کے معمولات لوٹ رہے تھے مگر ہر طرف سوگ کی دھندی چھائی رہتی۔ خاموشیاں ایسی کہ سناٹے چیخ پڑتے۔ اماں جان کو جواب نیم جاں تھیں' گھر لے آئے تھے۔ وہ چپ چاپ پڑی رہتیں' بھائی صاحب کی ذمے داریاں بڑھ گئی تھیں۔ وہ مستقل طور پر شہر آ گئے تھے کیونکہ عفت جہاں کسی صورت گاؤں جانے پر تیار نہیں تھیں۔

''بھائی صاحب میں اتنی بچی نہیں ہوں کہ شوہر کے بغیر کہیں رہ نہ سکوں۔ اب میں گھر بار چھوڑ کر گاؤں چلی جاؤں' یہ نہیں ہوگا۔ ماہ ما کو پڑھنا ہے۔ اب اسے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا ہے۔ آپ پر کوئی پابندی نہیں' آپ ہماری وجہ سے پریشان نہ ہوں۔''

عفت جہاں بہت نڈر اور خودسر عورت تھیں۔ کسی کی محبت ان کے نزدیک اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ انہوں نے بدلحاظی سے ان کی حیثیت کو بے وقعت کر دیا تو وہ خاموشی سے ان کو دیکھ کر رہ گئے۔ ان کی یہ بات صدیقہ بیگم کو بہت بری لگی۔ صدیقہ بہت اچھی صاف گو اور مخلص خاتون تھیں۔ عفت جہاں کی طرف سے ہونے والی اکثر زیادتیوں کو وہ گھر اور خاندان کے مفاد میں اگنور کر جاتیں تاکہ ماحول خراب نہ ہو اور عفت جہاں ان کی اس سادگی اور مصلحت کو ان کی کم علمی سمجھتیں اور قابل اعتنا ہی نہیں سمجھتی تھیں اور نہ ہی اب ان کے رویے میں کوئی فرق آیا تھا۔

''کیوں عفت! تم ایسی باتیں کیوں کرتی ہو ہم پریشان نہ ہوں گے تو کون ہوگا۔ تم' ماہ ما ہماری ذمے داری ہو۔ ٹھیک ہے تم جہاں رہنا پسند کرو گی تمہیں مجبور نہیں کیا جائے گا لیکن یہ کبھی نہ سمجھنا کہ تم......''

''عفت پہلے بھی تم ہماری ذمے داری اور عزت تھیں اور اب بھی ہو۔ کبھی کوئی الٹی سیدھی بات نہ سوچنا۔ تم ہمارے فیصلوں سے باہر نہیں ہو سکتیں۔ حبیب تھا تو میں نے کبھی مداخلت نہیں کی لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔''

وہ ذرا سخت لہجے میں بولتے اٹھ کر کھڑے ہو گئے' دروازے تک گئے پھر واپس مڑے۔

''اور ہاں...... پہلے کی بات اور تھی لیکن محسن صاحب اور ان کے لڑکے کا آنا جانا مجھے قطعی پسند نہیں۔ اس لیے اس معاملے میں احتیاط ملحوظ رکھی جائے۔'' بھائی صاحب نے قطعی انداز اپنایا تو عفت جہاں کی انا پر چوٹ پڑی۔

''ایک تو میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ آخر سارا خاندان ان مخلص لوگوں کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔ ان کا قصور کیا ہے؟ صرف یہ کہ وہ پڑھے لکھے آزاد سوچ کے مالک لوگ ہیں۔ بس یہاں کا

قصور ہے۔''

انہوں نے ادب کو ملحوظ تو رکھا مگر انداز خاصے کڑے تھے۔ بھائی صاحب کو تو مزید غصہ آ گیا۔ تاہم وہ فطری بردباری کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

''ایسی سوچ کی آزادی جو عزتوں کے جنازے نکال دے' غیرت کو اسیر کر دے' ہمیں نہیں چاہیے۔ یہ نام نہاد اچھے اور مخلص لوگ ہماری زندگی میں نہ آتے تو ......تو نہ میرا بھائی ......'' بھائی صاحب' حبیب صاحب کے ذکر پر آبدیدہ ہو گئے۔

''کیا مطلب ہے بھائی صاحب آپ کا؟ اگر حبیب وہ تصویر نہ دیکھتے تو ان کی موت ٹل جاتی؟ موت کا وقت جب مقرر ہے تو پھر ایسی باتوں سے کیا حاصل؟''

عفت جہاں بڑی ڈھٹائی سے اپنے موقف پر اڑی ہوئی تھیں۔ ان کی بات پر وہ بڑے دکھ سے ان کو دیکھنے لگے۔

''بلاشبہ موت کا وقت مقرر ہے۔ ایک لمحہ بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا مگر اس کو دیکھ کر جو صدمہ میرے بھائی کو پہنچا تمہارے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں؟ اگر ایسا کچھ ہو ہی گیا تھا تو انہوں نے عین منگنی پر یہ تصویر' جس کو دیکھ کر نگاہیں شرم سے جھک جائیں' بطور تحفہ کیوں پیش کی؟ کیا نیت تھی ان کی' کیا ارادے تھے؟ اگر وہ اچھے ہوتے تو ایسا ہرگز نہ کرتے۔''

''اب بحث بے معنی ہے لیکن بھائی صاحب! آپ خود سوچیے' بچوں نے لندن کے معاشرے میں آنکھ کھولی وہیں پلے بڑھے تو ظاہر ہے اسی ماحول کا اثر ہونا تھا۔ اور وہاں پر یوں لڑکے لڑکیوں کی گیدرنگ یا ڈانس تو عام سی بات ہے لیکن آپ سب نے تو اسے ایسا ایشو بنایا کہ......''

''بس عفت جہاں وہ عام سی بات کتنی خاص ہے تمہیں اس سے قبل اندازہ ہوتا تو شاید میرا بھائی یہ صدمہ لے کر نہ جاتا۔''

بھائی صاحب جذباتی ہونے لگے تھے اس لیے باہر نکل گئے تو عفت جہاں بری طرح رو پڑیں حبیب صاحب کو یاد کر کے، پھر صدیقہ بیگم ہی بیٹھ کر دلاسے دیتی رہیں۔

☆☆☆

ماہ ما پر ابھی بھی سکتے کی کیفیت طاری تھی۔ اس کی تو آنکھیں جیسے پتھرا سی گئی تھیں۔ عجیب طرح کی بے حسی کی حالت میں تھی۔ اس کا دماغ جیسے ماؤف ہو گیا تھا۔ ہما سائے کی طرح اس کے ساتھ لگی رہتی تھی۔ وہی زبردستی کھانا کھلا دیتی۔ اس کی نگاہوں میں تو دو شکلیں گھومتی رہتی تھیں۔ ایک پپا کی جو اب ہمیشہ کے لیے چھپ گئی تھی' دوسری شہرام کی تھی جو اس روز کے بعد وہ نہیں دیکھ پائی تھی۔ زندگی کے تمام واقعات فلم کی طرح نگاہوں میں گھومتے رہتے۔ وہ بے حس سی پڑی' ان لمحوں کی روشنی میں

شہرام کو تلاش کرتی رہتی۔ ماہ ما کی حالت سب کے لیے فکر کا باعث بنی ہوئی تھی۔ ڈاکٹرز کے مطابق جب تک یہ کھل کر روئے گی نہیں' یہ نارمل نہیں ہو سکتی۔ مگر اس کی آنکھوں کے سوتے نہ جانے کیوں سوکھ گئے تھے۔ اماں جان روتیں' بین کرتیں۔ عفت جہاں تڑپ تڑپ کر روتی رہتیں مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ لاتعلق سی بنی سب کچھ دیکھتی رہتی۔ اس روز حبیب صاحب کی روح کے ثواب کے لیے قرآن خوانی ہوئی تھی۔ وہ سفید لباس پر بڑا سا دوپٹا لپیٹے' تین سپارے پڑھ چکی تو بے ہوش ہو گئی۔ ایک تو باپ کی موت کا صدمہ اوپر سے شہرام کے سامنے ندامت کا صدمہ، ٹونی کی بدتمیزی کا صدمہ وہ نازک سی لڑکی کہاں تک برداشت کرتی۔ کافی دیر بعد اس کی حالت بحال تو ہما اسے سہارا دے کر نیچے لاؤنج میں جب لا رہی تھی تو اسی وقت شہرام بھی آ گیا نماز پڑھ کر...... میز پر ٹوپی رکھ کر پیچھے ہی وہ مڑا تو ایک دھچکا سا لگا۔ یہ وہی سین تھا جب وہ پہلی بار آیا تھا۔ ماہ ما اسی طرح سیڑھیاں اترتی آ رہی تھی اور وہ اسی جگہ کھڑا پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھے گیا تھا لیکن کتنا فرق تھا تب میں اور اب میں۔ پہلے وہ کتنی حسین تھی' کتنی فریش' زندگی سے بھرپور مسکراہٹ لیے وہ اسے دیکھ کر اس کی طرف بڑھی تھی لڑکھڑا جانے پر وہ جلدی سے آگے بڑھا تھا اور اسے تھام لیا تھا۔ آج بھی وہی سین تھا مگر وہ حسین چہرہ زندگی سے عاری تھا۔ وہ آنکھوں میں امڈتا طوفان لیے کپکپاتے لبوں کے ساتھ وہ اسے دیکھے گئی۔ شہرام کا دل کٹ گیا۔ اس میں اسے فیس کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا اور اسی نیت سے اس نے قدم اٹھایا ہی تھا کہ ماہ ما چلا اٹھی۔

''شہرام شہرام' کہاں جا رہے ہو؟ مجھے چھوڑ کر' شہرام......!'' ماہ ما ہما کا ہاتھ چھوڑ کر تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگی تو ہما نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں کہ اب گری کہ تب گری۔ ماہ ما کے اندر ایک قیامت خیز طوفان اٹھا ہوا تھا اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی اتر رہی تھی کہ آخری سیڑھی پر اس کا بڑا سا دوپٹا پاؤں میں الجھ گیا اور وہ لڑکھڑائی۔

''شہرام! اسے پکڑو......'' وہ تو ہما زور سے چلائی ورنہ وہ بت بنا ساکت نظروں سے دیکھے جا رہا تھا تب وہ تیزی سے آگے بڑھا اور اسے تھام لیا ورنہ وہ منہ کے بل گر جاتی۔ اب وہ اس کے ساتھ لگی مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔ مجسم اشک بنی' وہ مچل مچل کر رو رہی تھی۔ وہ بڑے ضبط سے اپنے اندر اٹھتے طوفان کو روکے ہوئے تھا۔ خشک سپاٹ چہرہ لیے بے حس سا بیٹھا اسے یوں روتے ہوئے دیکھ رہا تھا نہ جانے کہاں سے اتنی بے حسی اتر آئی تھی اس کے اندر کہ اس کا ایک آنسو نہ دیکھنے والا' اب اسے پانی میں ڈوبتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

''شہرام' شہرام! آپ کہاں تھے؟ شہرام' پپا چلے گئے...... میرے پپا مر گئے شہرام! پپا مر گئے۔'' اس کا غم اس کے زخمی لہجے میں ڈھلنے لگا۔

''تمہارے تو صرف پپا مر گئے ہیں ماہ ما! میرا تو سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔ میری تو ماہ ما بھی مر گئی ہے۔ میری محبت بھی مر گئی ہے۔ میں بھی مر گیا ہوں۔ سب کچھ تو ختم ہو گیا ہے میرا' تمہاری زندگی کو تو ابھی آ مرے ہیں میرا تو سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔ تمہارے سامنے تو اور بھی راستے ہیں' منزلیں ہیں بند گلی میں تو میں پھنس گیا ہوں۔ تمہیں تو اور بھی چاہنے والے ہیں' میرے دل کی کلی تو ایک ہی بار ماہ ما! بند گلی میں تو میں پھنس گیا ہوں۔ مسکرائی تھی اس کی بھی ایسی سزا ملی کہ...... کھلنے سے پہلے مرجھا کر بکھر گئی......'' اس کا سرد' خشک لہجہ رو دیا تو جیسے ماہ ما کی یادداشت نے کام کرنا شروع کر دیا۔ سارا منظر نگاہوں میں گھوم گیا۔ اپنی اور ٹونی کی وہ تصویر' جس نے قیامت برپا کر دی تھی۔ نگاہوں میں گھوم کر رہ گئی۔ وہ شرم سے گڑ کر رہ گئی پھر ماریا کی برتھ ڈے کے سین نظروں میں گھوم گئے جب سب کے مجبور کرنے پر اس نے ٹونی کے ساتھ ڈانس کیا تھا اور ماریا اس کی تصویریں بنائی رہی تھی۔ نفرت کی ایک شدید لہر اٹھی' ٹونی اور ماریا سے اسے شدید نفرت محسوس ہونے لگی۔

''شہرام!...... شہرام!'' اب باپ کے غم کے ساتھ شہرام کی ناراضگی اور بدگمانی کا صدمہ بھی شامل ہو گیا تھا۔ کیا ستم تھا کہ ثبوت کے سامنے وہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ بس روئے گئی اتنا کہ روتے روتے بے ہوش ہونے لگی تو شہرام انتہائی سنگ دلی سے اسے جھٹک کر کھڑا ہو گیا۔

''لے جاؤ ہما! اس کو سنبھالو' اس کا سنبھلنا اتنا مشکل نہیں لیکن اگر میں بکھر گیا تو شاید مجھے سمیٹنا مشکل ہو۔ اس کو کسی اور راستے پر ڈال دو' بہل جائے گی' اس کے سامنے ہے بلکہ بہت قریب ہے۔ راستے کا پتھر تو میں ہی تھا سو اپنی آبرو سمیت کر راستے سے ہٹ رہا ہوں لے جاؤ اس کو۔'' وہ سخت لہجے میں بولتا آگے بڑھ گیا تو ماہ ما چیخ پڑی۔

''نہیں' نہیں ہما! اس کو بلاؤ پلیز۔ شہرام...... شہرام پلیز...... پلیز رک جاؤ شہرام...... پلیز' میری بات سنو شہرام' ایک بار پلٹ کر دیکھ لو۔ شہرام' ایک بار پلٹ کر دیکھ لو وہ سب...... شہرام وہ سب......'' ماہ ما اس کے پیچھے بھاگی مگر پھر نقاہت کے باعث گر پڑی تو ہما نے جلدی سے بڑھ کر اسے تھام لیا ہما بھی روئے جا رہی تھی۔

''ماہ ما اٹھو' اندر چلو۔''

''نہیں ہما! اسے بلاؤ' وہ ایک بار پھر مجھ سے بدگمان ہو گیا ہے۔ اب وہ نہیں مانے گا۔ ہما اس بدگمانی کی دھند میں میرا دم بھی گھٹ گیا تو وہ نہیں مانے گا۔ ہما' اسے بتاؤ کہ وہ سب...... شہرام...... شہرام لوٹ آؤ پلیز شہرام' آئی لو یو...... شہرام' آئی لو یو۔'' وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی اور دروازے کی اوٹ میں کھڑا شہرام اپنی محبت کا یہ اقرار جو اس کے منہ سے سننا چاہتا تھا' سن رہا تھا مگر کس وقت جب اس کا دل پتھر ہو چکا تھا جب اس کا یہ اقرار بدگمانی کی تاریکی میں کرنیں نہیں بکھیر سکتا

تھا۔ وہ انھتی ٹیسوں کو دبائے وہاں سے ہٹ گیا اور اپنے کمرے میں آ کر بستر پر گر گیا۔

"کاش ماہ ما ہماری زندگی میں یہ موڑ نہ آیا ہوتا۔ تمہارے بغیر کس طرح جی پاؤں گا ماما کس طرح جی پاؤں گا۔"

رکا ہوا طوفان بند توڑ کر بہہ نکلا وہ اپنے کمرے کی تنہائی سے لپٹ کر شدتوں سے رو دیا۔

☆☆☆

"توبہ ہے' بہت ہی جاہل لوگ ہیں عفت تمہارے سسرال والے کہ ذرا سی تصویر کو اتنا بڑا ایشو بنا رہے ہیں۔"

بشریٰ بیگم نے چونکہ خود اس ڈرامے کو تیار کیا تھا اس لیے ان کے نزدیک یہ معمولی سی بات تھی جس نے سب کچھ تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔

"بات جہالت کی نہیں بشریٰ ہے بھی غلط۔ ٹونی کو کیا ضرورت تھی عین منگنی والے روز وہ تصویر گفٹ کرنے کی۔ مجھے اور تو کسی بات کی پروا نہیں مگر بشریٰ میرے اتنے اچھے شوہر' مجھے اتنا چاہنے والے شوہر یہ صدمہ ساتھ لے کر گئے ہیں کہ ان کی بیٹی ابھی تک مغربی ماحول میں ہے یوں بھی وہ تصویر مذہبی اعتبار سے تو ہے ہی گناہ۔ اخلاقی اعتبار سے بھی انتہائی نامناسب تھی۔ چلو اگر اسے مغربی ماحول میں پلے بڑھے بچوں کی غلطی سمجھ بھی لیا جاتا مگر یوں اسے گفٹ میں دینا نہایت غلط حرکت تھی۔ حبیب اگر زندہ رہتے تو میں ان کو منا لیتی ان کو سمجھا دیتی مگر...... مگر بشریٰ وہ یہ تصویر دیکھتے ہی دل میں بیٹی کے لیے نامناسب احساس لیے رخصت ہو گئے۔ یہ بہت برا ہوا ہے بشریٰ اور تمام عمر مجھے یہ ملال رہے گا کہ حبیب دل میں یہ صدمہ لے کر گئے ہیں۔ آہ حبیب کاش موت آپ کو مہلت دیتی تو...... تو......"

عفت جہاں کو بہرحال شوہر سے محبت تھی۔ ان کو موت سے زیادہ اس بات کا صدمہ تھا کہ وہ دل میں یہ صدمہ لے کر گئے ہیں کہ ان کی بیٹی بے راہ رو ہے جبکہ ماہ ما بالکل معصوم بچی تھی۔ وہ سسرال والوں کے سامنے تو ڈٹ جاتیں مگر تنہائی میں حقائق کو سینے سے لگا کر خوب روتی تھیں اور ہو سکتا تھا کہ ان کو اپنی کمزوریوں کا احساس بھی ہو جاتا مگر مفاد پرست بشریٰ بیگم ان کو سچائی کے راستے پر آنے کا نہیں دیتی' اس وقت بھی ان کی بات سے بشریٰ کو خوف سا محسوس ہوا تھا۔

"ہوں' اس کا مطلب ہے سسرال والوں کا رنگ چڑھنے لگا ہے تم پر' دیکھو عفت! اصل بات یہ ہوتی ہے کہ یہ جو رشتے دار ہوتے ہیں ناں خاص طور پر شوہر کے رشتے دار' یہ کبھی بھی اپنی بہو کے لیے مخلص نہیں ہوتے۔ اک عجیب طرح کا حسد ہوتا ہے جس کو وہ موقع ملنے پر نکالتے ہیں۔ اب دیکھو ناں ان کا اپنا بیٹا امریکا میں پڑھ رہا ہے۔ تو کیا بہت اچھا ہوگا' بہت پارسا ہوگا۔ ارے میں سب جانتی

ہوں یہ سب ڈھکوسلے ہیں تمہیں انڈر پریشر کر کے اپنی بات منوانا چاہتے ہیں۔ سوچ لو عفت! میں تمہاری مخلص دوست ہوں۔ اگر تم اب ان کے دباؤ میں آ گئیں تو تمام عمر تم پر حاوی رہیں گے اپنی بات منوائیں گے۔ بیٹی تو ہاتھ سے جائے گی ہی تمہاری قوت فیصلہ تو کیا سوچنے کی صلاحیت پر بھی پہرے بٹھا دیے جائیں گے۔ اپنی پسند اور اپنی مرضی کے' ابھی بھی وقت ہے۔" بشریٰ بیگم نے ایک بار پھر ایسا خوفناک نقشہ کھینچا کہ عفت جہاں واقعی آنے والے حالات سے خوف زدہ ہو گئیں۔

"خیر' اتنی کمزور تو میں بھی نہیں ہوں بشریٰ کہ یہ اپنے فیصلے مجھ پر مسلط کر سکیں میں نے ہمیشہ اپنی بات منوائی ہے۔ میرے گھر پر میرے فیصلے اہمیت حاصل کرتے رہے ہیں ہاں بس ذرا خاندانی معاملات میں حبیب کچے تھے مگر اب وہ تو رہے نہیں میں ان لوگوں کو ہرگز خود پر حاوی نہیں ہونے دوں گی۔" عفت جہاں نے مضبوط لہجے میں کہا تو بشریٰ کو نہ جانے کہاں سے وہ کمزور نظر آئیں اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

"اچھی بات ہے عفت' لیکن ابھی صدمہ نیا نیا ہے وقت گزرنے دو سب کچھ عیاں ہو جائے گا۔ تمہارے سامنے۔ ابھی تو یہ تمہیں گاؤں میں رہنے پر مجبور کر لیں گے آخر تم کہاں تک ڈٹی رہو گی۔ لڑکی تو تمہاری پہلے ہی ان کے قبضے میں ہے۔"

"یہ بات نہ کرو بشریٰ، بھائی صاحب نے کہا تھا کہ گاؤں چلو میں نے صاف منع کر دیا ہے کہ میں اپنا گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔ وہ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں اس لیے دوبارہ انہوں نے بات ہی نہیں کی۔ رہی بات ماہ ما کی تو اگر حبیب زندہ رہتے تو شاید یہ رشتہ ختم ہو جاتا مگر اب یہ ان کی اولین خواہش ہے اب تو میں یہ رشتہ ختم نہیں کروں گی البتہ ان کے کسی دباؤ میں نہیں آؤں گی شہرام کو یہاں رہنا ہوگا ورنہ میں بیٹی کو گاؤں نہیں بھیجوں گی اور جہاں تک میرا خیال ہے اب اس بات پر نہ شہرام کو اعتراض ہوگا اور نہ ہی اماں جان یا بھائی صاحب وغیرہ کو۔"

عفت جہاں سادگی سے اپنا خیال اور ارادے ظاہر کر گئی تھیں جو کہ سانپ بن کر بشریٰ کے سینے پر لوٹ گئے۔ عفت ہی سے تو ان کو امیدیں تھیں وہی راستہ بدل رہی تھی تو ان کا ڈراما فلاپ ہو جانے کے امکانات روشن ہو گئے تھے جو کہ وہ برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔

"ہوں' اچھی بات ہے کہ تم کمپرومائز پر آمادہ ہو گئی ہو ورنہ زندگی بہت دشوار ہو جائے۔ اگر انسان اپنی بات پر اڑا رہے...... اچھا کیا ہے تم نے یہ فیصلہ کر کے اور میرے خیال میں تمہیں ان ہی کی بات ماننا چاہیے اچھا میں چلتی ہوں لیکن عفت میں تمہاری دوست ہوں جب بھی تمہیں میری ضرورت ہو اشارہ کر دینا میں حاضر ہو جاؤں گی۔ میں ایک بار پھر کہوں گی' حالات سے کمپرومائز کر کے تم نے بہت اچھا کیا ہے۔" بشریٰ نے جلے دل سے مگر مسکراتے ہونٹوں سے کہا۔

''ہاں بشریٰ! زندگی میں کہیں نہ کہیں تو کمپرومائز کرنا ہی پڑتا ہے۔ ورنہ زندگی بہت زیادہ دشوار ہو جائے۔ یوں بھی شہرام میں کوئی خامی تو ہے نہیں خوبرو بھی ہے سب سے بڑھ کر اپنا ہے۔ ماشاءاللہ روشن فیوچر ہے۔ میں ہی ذرا دوسرے لوگوں کی چڑ میں اسے برا بھلا کہہ دیتی تھی ورنہ تو بڑا اچھا ہے۔'' زندگی میں پہلی بار عفت نے شہرام کے بارے میں مثبت انداز میں سوچا تھا اور کہا تھا مگر بشریٰ بیگم کو آگ لگ گئی تھی کہ نوبت یہاں تک آ گئی۔ مگر وہ ابھی کچھ کہنا نہیں چاہتی تھیں کیونکہ ابھی تو ابتدا تھی۔

''ہاں واقعی' شہرام اچھا لڑکا ہے بس ذرا شکی مزاج ہے اور تم جانو شکی مزاج شوہر لڑکی کی زندگی عذاب کر دیتا ہے' وہ تو بیوی کے سائے کو بھی اپنا رقیب سمجھ کر بیوی کی پاکیزگی پر شبہ کرتا ہے' تیز طرار لڑکیاں تو پھر بھی اپنا دفاع کر لیتی ہیں' ماہ ما جیسی پیاری' معصوم سی لڑکیاں تو خود کو ہی ختم کر ڈالتی ہیں۔ بس شہرام سے کہنا کہ ہماری بیٹی پر شک نہ کرے ورنہ...... اچھا خدا حافظ!'' بشریٰ بیگم عفت جہاں کو سوچ کے نئے راستے پر ڈال کر چلی گئیں تو عفت جہاں واقعی پریشان ہو گئیں کیونکہ گزشتہ واقعات کی رو سے شہرام تنگ نظر اور شکی مزاج مرد کے روپ میں سامنے آیا تھا اور وہ جانتی تھیں کہ شکی مزاج شوہر پارسا قسم کی بیوی کو بھی سکون سے جینے نہیں دیتے تو ماہ ما تو مغربی ماحول میں پلی بڑھی تھی اور ٹونی کے حوالے سے وہ اس پر بہت شک بھی کرتا تھا۔

''اف میرے خدا! میں کیا کروں؟ تو ہی بہتر کرنے والا ہے میری مدد فرما۔'' وہ نڈھال سی بستر پر گر گئیں۔

☆☆☆

ماہ ما کو ان دنوں شدید بخار تھا' وہ نازک سی لڑکی اتنے بڑے بڑے صدمے کس طرح برداشت کرتی بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔ پورا گھر اس کے لیے پریشان تھا اور سب اس کے کمرے میں موجود رہتے مگر شہرام ایک بار بھی اسے دیکھنے نہیں آیا تھا جبکہ بے ہوشی میں وہ اسے ہی پکار کر اپنی بے گناہی بتا رہی تھی۔

''شہرام پلیز! میری بات سنو' وہ سب تو...... شہرام! میری بات کا یقین کرو شہرام' پلیز! مجھ سے بدگمان نہ ہو شہرام' میں مر جاؤں گی۔'' وہ بے ہوشی میں بولے جا رہی تھی اور بشریٰ کے خدشے کو یقین کی صورت عفت کے دل میں بٹھا رہی تھی کہ اسی طرح وہ اس پر شک کرتا رہے گا اور وہ وضاحتیں دیتی رہے گی۔

''ماہ ما' میری جان! ہوش میں آؤ' نہ کوئی تم سے بدگمان ہے اور نہ ناراض ہے۔ ہوش میں آؤ جانی تمہارے سوا میرا کون ہے؟'' انہوں نے اس کا جلتا ہوا ہاتھ ہونٹوں سے لگا کر پیار کیا تو وہ جیسے واقعی

ہوش میں آ گئی۔ کچھ دیر اجنبی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔ وہ واقعات نظروں میں گھومنے لگے جب ماریا کی برتھ ڈے پر اسے زبردستی وہاں لے گئیں اور پھر ٹونی' ڈانس' تصویریں۔

''مما...... مما...... مما!'' وہ ماں کی گود میں سر رکھ کر تڑپ کر رو پڑی' وہ بھی رونے لگیں۔

''جی میری جان! میری گڑیا! تم ٹھیک ہو جاؤ جان جو تم کہو گی وہی ہو گا۔ میں انشاءاللہ زندگی کی تمام خوشیاں تم پر نچھاور کر دوں گی۔ تم ہوش میں آؤ۔ ٹھیک ہو جاؤ میری جان!'' عفت جہاں تڑپ اٹھیں۔ بیٹی کی حالت دیکھ کر اس کی خاطر تو وہ شہرام کو کسی صورت بھی راضی کر سکتی تھیں۔

''کیوں ہوش میں آؤں مما! کس کے لیے ٹھیک ہو جاؤں؟ اچھا ہی ہے میں مر جاؤں۔ ہاں مما' ویسے بھی تو مجھے ہی مرنا چاہیے تھا ناں' مگر میرے پیارے پپا' میرے جانی پپا مر گئے۔ مما میرے جانوں پپا مر گئے' میں زندہ ہوں۔ کیوں میری وجہ سے میرے پپا مر گئے۔ میرا شہرام روٹھ گیا۔ میں پھر بھی زندہ ہوں۔ مما' کیوں...... کیوں پپا...... پپا میرے جانی پپا آ جائیں۔ مجھے معاف کر دیں پپا! میرے پیارے پپا اپنی بیٹی کی بدکرداری کا صدمہ لے کر چلے گئے۔ اسی صدمے نے شہرام کو جدا کر دیا پھر بھی میں زندہ ہوں۔ کیوں...... کیوں؟'' ماہ ما کی حالت اور باتوں پر سب رو دیے۔ بھائی صاحب آنکھیں صاف کرتے باہر نکل گئے ہما اور صدیقہ بیگم سے ان ماں بیٹی کو سنبھالنا دشوار ہو گیا۔

''ہما! جاؤ شہرام کو بلا کر لاؤ' اسے میری بیٹی کا ذرا بھی خیال نہیں اور محبت کا دعویٰ کرتا ہے بلاؤ اسے ورنہ میں بھی کچھ سوچنے اور فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاؤں گی۔ اب اس کے باپ کو تو میں نہیں بلا سکتی۔ شہرام کو تو بلا سکتی ہوں ناں جاؤ۔''

ماہ ما شدت غم اور بخار سے نیم بے ہوشی کی حالت میں تھی کہ عفت جہاں نے غصے سے کہا۔

''حوصلے سے کام لو عفت! ہم سب ہیں ناں۔ شہرام کوئی بھاگا نہیں ہے' جاؤ ہما اسے بلاؤ۔''

صدیقہ بیگم نے تحمل سے عفت جہاں کو دلاسا دیا اور ہما کو بھیج دیا۔ ایاز اور شہرام کمرے میں موجود تھے۔ ہما نے ماہ ما کی حالت بتائی تو اس کی حالت کا سن کر وہ تڑپ تو اٹھا مگر وہ کبھی بھی اپنے ضبط سے باہر نہیں آتا تھا۔

''تم غلط جگہ پر آئی ہو ہما اس کے درد کا درماں میں نہیں ٹونی ہے' وہاں جاؤ۔'' وہ واقعی سنگ دل ہو گیا تھا یا بن رہا تھا۔ کچھ بھی تھا ایاز کو اس کا یہ انداز قطعی اچھا نہیں لگا۔

''شہرام! ٹھیک ہے بندے کو غصہ آ جاتا ہے جوش غیرت میں وہ بہت کچھ کہہ جاتا ہے مگر تمہیں شرم آنی چاہیے کہ ٹونی کا نام لے رہے ہو ماہ ما کے ساتھ' ماہ ما تمہاری......'' ایاز نے نرمی سے سمجھانا چاہا مگر......!

''پلیز ایاز' پلیز! اسے میری نہ کہو' وہ میری ہوتی تو یوں غیر کی بانہوں......''

وہ بات ادھوری چھوڑ کر کھڑکی کے ساتھ جا لگا۔ ماہ ما اور ٹونی کی وہ تصویر تو گویا آنکھوں کی پتلیوں سے چپک کر رہ گئی تھی۔ ہر وقت نظر کے سامنے رہتی تھی۔ ایاز نے اسے کچھ کہنا چاہا مگر ہما نے روک دیا اور خود اس کے قریب چلی گئی۔

''اتنے سنگ دل نہ بنو شہرام! وہ نازک سی لڑکی اتنے صدمے برداشت نہیں کر پائے گی مر جائے گی۔''

''میرے لیے وہ مر چکی ہے۔'' وہ کٹھور پن سے بولا۔

''حالات کی سنگینی کا خیال کرو شہرام! ابھی تمہیں ماہ ما نے نہیں چاچی جی نے بلایا ہے اور ساتھ میں یہ بھی کہا ہے کہ اگر تم نہ آئے تو وہ کوئی بھی فیصلہ کر سکتی ہیں۔'' ہما کا یہ کہنا تھا کہ وہ غصے سے اس کی طرف گھوما۔ عفت جہاں کی اس بات پر اس کا جی چاہا سب کچھ تہس نہس کر کے رکھ دے۔ اسی عورت کے فیصلوں کے انتظار نے اسے کتنا تڑپایا تھا اور اب تو ان کے کسی فیصلے کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت رہی ہی نہیں تھی۔

''ہوتے تھے کبھی ان کے فیصلے میرے لیے اہم مگر اب نہیں...... اب فیصلہ ان کو نہیں مجھے کرنا ہے۔''

وہ مضبوط لہجے میں بولتا ہوا باہر نکل گیا۔ ہما اور ایاز ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

☆☆☆

''آؤ...... آؤ رافع' یہ ذورین ہے' تمہارا کزن!'' شجاع الدین نے داخل ہونے والے اسمارٹ سے لڑکے سے ذورین کا تعارف کرایا تو دونوں مصافحہ کر کے بیٹھ گئے۔ پھر کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں۔ فری کو ذورین بہت پسند آیا تھا۔ یوں بھی اس کے ساتھ اسے اپنا روشن مستقبل نظر آ رہا تھا۔ نوشی البتہ سادہ سی لڑکی تھی یوں بھی اس کی منزل رافع تھا جو کہ اس کے سامنے تھا اور رافع کسی انجانی منزل کی تلاش میں تھا' وہ منزل کہاں تھی وہ نہیں جانتا تھا۔ اس مکمل تعارف میں شجاع الدین نے بتایا تھا کہ رافع ان کی مرحومہ بہن کی نشانی ہے جو کہ ان ہی کی طرح حادثاتی طور پر والدین سے جدا ہو گیا تو انہوں نے اسے پالا' لکھایا پڑھایا۔

''تو میاں یوں ہم نے رافع کو اپنا بیٹا بنا کر پالا بلکہ اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہا۔ کیوں رافع بیٹے؟'' انہوں نے اپنی بات کی تصدیق کے لیے رافع کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر طنزیہ سایہ ابھرا پھر ختم ہو گیا۔

''بالکل' بالکل ذورین صاحب' ماموں جان نے جو کہ اب آپ کے بھی ماموں جان ہیں۔ واقعی ماموں جان نے مجھے اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہا ہے۔ ویسے میں اتراتا ہرگز نہیں۔ اچھا خاصا صاحب جائیداد ہوں لیکن...... آپ بھی صاحب جائیداد تو نہیں؟''

رافع نے کچھ عجیب سے انداز میں کہا تو ذورین کچھ نہ سمجھتے ہوئے مسکرایا جبکہ فری اور شجاع الدین تلملا کر رہ گئے۔

''رافع' یہ ہمارے مہمان ہیں۔'' فری نے دانت پیس کر کہا تو رافع اسے دیکھنے لگا۔

''جھوٹ نہ بولو فری! ابھی تو ماموں جان نے تعارف کرایا ہے کہ یہ میرے کزن ہیں۔ تو رشتے دار مہمان نہیں ہوتے۔ کیوں ذورین! متفق ہو کہ نہیں؟'' رافع نے ذورین کی طرف دیکھا جو فری کو دیکھ رہا تھا۔

''آف کورس یس!'' ذورین نے مسکرا کر کہا تو رافع خوش ہو گیا۔

''یہ ہوئی ناں بات' اس کا مطلب ہے آپ سے نبھے گی ذورین۔'' رافع بڑا زندہ دل لڑکا تھا اس نے تپاک سے ذورین سے ہاتھ ملایا اور پھر فری کی طرف جھک کر آہستگی سے بولا۔

''شکار بڑا زبردست ہے فری' جانے نہ پائے۔'' ایک تو وہ فری کو تنگ بھی کرتا رہتا اوپر سے جب سے اس نے رافع سے چڑنا شروع کیا تھا وہ اسے تنگ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ یوں بھی دونوں ہم عمر تھے۔

''شٹ اپ! رافع تمیز کے دائرے میں رہا کرو۔'' فری ذورین کے سامنے بدتمیزی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اگر وہ نہ ہوتا تو اسی جملے کو وہ کسی اور انداز میں کہتی مگر اب اسے اپنا امیج خراب نہیں کرنا تھا اس لیے بناوٹ ضروری تھی۔

''کیوں...... کیوں تمیز کے دائرے میں کیوں رہوں جبکہ اللہ نے مجھے اپنا گھر دے رکھا ہے' کیوں ذورین؟''

''آپ کافی زندہ دل آدمی ہیں۔'' ذورین کو ان سب سے مل کر خوشی ہو رہی تھی۔

''کافی نہیں جناب ہم چائے پی کر زندہ ہیں اور چائے تو میری بہنا فری اتنی لذیذ بناتی ہے کہ کئی دن تک چائے پینے کو دل نہیں چاہتا۔ کیوں چائے پئیں گے آپ؟''

''جی وہ بس......'' ذورین شجاع الدین اور فری نوشی کو دیکھ کر کوئی فیصلہ نہ کر پایا۔

''درست' تو طے پایا کہ آپ چائے پئیں گے۔ فری پلیز اٹھ جاؤ...... قسم سے تم بہت ہی کاہل ہو۔''

یہ رافع کی پرانی عادت تھی اسے مہمانوں کے سامنے اسی طرح زچ کیا کرتا تھا۔

''رافع اوقات میں رہو۔ ہر بات کا کوئی وقت ہوتا ہے۔'' اس نے بظاہر مسکرا کر مگر دانت پیس کر کہا۔

''یس' آف کورس...... وقت ہوتا ہے بات کا مگر چائے کا کوئی وقت نہیں ہوتا۔ جائیے اور چائے بنائیے کیوں ذورین۔'' وہ پھر ذورین کی جانب مڑا تو وہ کھڑا ہو گیا۔

''مجھے تو اب آپ لوگ اجازت دیجئے۔ مما' بہت پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' گیارہ بجے اور وقت ہو جاتا تو عاتکہ پر گھبراہٹ کے دورے پڑنے شروع ہو جاتے تھے۔ ان کی طبیعت خراب ہونے لگتی تھی اس لیے ذورین کوشش کرتا کہ گیارہ بجے سے پہلے گھر پر موجود ہو۔

''لیجئے عجیب آدمی ہو یار ہم تمہیں چائے دینے کے چکروں میں ہیں اور تم اجازت مانگ رہے ہو۔ ویسے تم جیسے لوگوں کو ہماری فری بہن اجازت دیا نہیں کرتیں۔'' رافع کے نشانے پر فری ہی تھی۔

''مجھے آپ سب سے مل کر بے حد خوشی ہوئی ہے میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ...... خیر ماموں جان اب آپ لوگ کب آ رہے ہیں مجھے بہت انتظار رہے گا۔'' ذورین زندگی کے اس نئے موڑ کے آ جانے پر بہت خوش تھا۔ یہ پیاری پیاری کزنز اور شوخ کھلنڈرا سا کزن اس نے کیا سوچا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی ان کا اپنا جس سے ان کا خون کا رابطہ...... !

''بس بیٹا جلد ہی آئیں گے اللہ تعالیٰ نے ملوا دیا ہے تو آنا جانا بھی رہے گا۔ میں ذرا بزنس کے معاملات میں الجھا ہوا ہوں ان سے نمٹ لوں تو اب تم اور عمار بھی میری ہی ذمے داریاں ہو۔ دوسرا یہ بھی سوچتا ہوں کہ کہیں تمہارے چچا جنہوں نے تم لوگوں کو پالا سنبھالا کہیں وہ میرے آنے سے یا کسی قسم کی مداخلت سے خفا نہ ہو جائیں۔ ان کا حق بہرحال تم لوگوں پر زیادہ ہے ایک تو وہ چچا ہیں دوسرا انہوں نے پالا ہے اور......''

رفیق سے شجاع الدین کو معلوم ہو چکا تھا کہ ذورین عثمان سے کتنی نفرت کرتا ہے اسی لیے وہ جان بوجھ کر عثمان صاحب کے ذکر کو بڑھا کر کر رہے تھے اور ذورین کے چہرے پر وہ عثمان کے خلاف نفرت کا غبار دیکھ رہے تھے۔

''ماموں جان! آپ نے ان کو دیکھنا ہے کہ ہمیں دیکھنا ہے۔ وہ اگر چچا ہیں تو آپ ماموں ہیں۔ دونوں کا برابر حق ہے ہم پر۔ آپ آیا کریں بلکہ کل ڈنر آپ لوگ ہمارے ساتھ کریں گے۔''

''تمہارے ساتھ...... بھئی ذورین میاں سیدھی سی بات ہے۔ ہم لوگ گوشت کچھ پسند نہیں کرتے۔ ہاں دال روٹی بنا لو تو کھا لیں گے مل بیٹھ کر۔'' حسب عادت رافع پھر بولا تو ذورین تو مسکرا دیا مگر فری اور شجاع الدین کے چہرے پر تناؤ آ گیا۔ دونوں کو رافع کی حرکتیں اور باتیں ہرگز پسند نہیں تھیں۔

''ان کی باتوں میں مت آیئے گا ذورین' ان کی تو عادت ہی ایسی ہے۔'' فری نے بات بنائی' اسے کچھ مناسب نہیں لگ رہا تھا کہ ذورین پہلی بار آیا تھا اور رافع اسے یوں باتیں بنا رہا تھا۔

''احمق' میری باتوں میں کیوں آئیں گے ان کے پاس آنے جانے کے لیے بڑی اچھی گاڑی ہے پورچ میں دیکھ کر آ رہا ہوں میں۔'' وہ پھر اپنے انداز میں بولا تو فری اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔ نوشی اور ذورین دونوں ہی محظوظ ہوئے تھے اس کے جملے سے۔

''اوکے' پھر کل ملاقات ہو گی کھانے پر۔ ماموں جان' مجھے دعوت دینے کی ضرورت ہی نہیں' آپ لوگوں کو خود آنا چاہیے' ہم آپ کے ہیں' وہ گھر آپ کا ہے۔ آپ روز آیا کریں۔'' ذورین نے جھک کر میز پر سے گاڑی کی چابی اٹھائی۔

''ہاں بیٹا' کیوں نہیں آئیں گے۔ ابھی تو بہت سے معاملے دیکھنے ہیں بزنس کچھ اچھا نہیں جا رہا اور پھر یہ گھر''

شجاع الدین تو کچھ کہنا چاہتے تھے' ابھی سے اپنے لیے راہ ہموار کر رہے تھے مگر رافع کی موجودگی کا خیال کر کے وہ چپ ہو گئے۔ وہ رافع کو اچھی طرح جانتے تھے وہ ان کی ہر غلط بات کی مخالفت کرتا تھا اور برملا ان کی پوزیشن کا خیال کیے بغیر بول دیتا تھا اس لیے وہ اس کے سامنے احتیاط ہی کیا کرتے تھے پھر ذورین ان کو خدا حافظ کہہ کر سونے کی تاکید کر کے چلا گیا۔

☆☆☆

''مما' وہ سب لوگ بہت اچھے ہیں۔ ماموں جان کی دو بیٹیاں ہیں اور رافع بڑا دلچسپ آدمی ہے۔ وہ بھی ہمارا کزن ہے۔ بہت اچھی عادت ہے' اس سے آپ ملیں گی ناں تو آپ کو بہت خوشی ہو گی۔''

ذورین کی یہ پرانی عادت تھی' جب کہیں سے ہو کر آتا تو ساری رپورٹ عاتکہ کو دیتا اور اس وقت بھی وہ ان کے قریب بیٹھا ساری روداد سنا رہا تھا اور وہ انتہائی توجہ اور محبت سے سن رہی تھیں۔

''ہاں بیٹا' شجاع صاحب سے ملاقات ہوئی ہے۔ بہت اچھے سمجھ دار آدمی ہیں تو یقیناً ان کے بچے بھی اچھے ہی ہوں گے۔''

''مما میں نے ان کو کل ڈنر کی دعوت دے دی ہے۔ ٹھیک کیا ہے ناں؟'' وہ بالکل بچوں کی طرح پوچھ رہا تھا۔ نیلو جو وہاں موجود تو تھی مگر اس نے ذورین کو یکسر نظر انداز کر کے کتاب منہ کے سامنے کر رکھی تھی اس کی اوٹ سے وہ کبھی کبھی اس کو بھی دیکھ لیتی تھی۔ وہ اس عجیب سے شخص کو دیکھتی کبھی کبھی کتنا معصوم لگتا تھا' بالکل بچوں کی طرح اور کبھی جب وہ احساسات کو روندتا ہوا آگے بڑھ جاتا تو بہت ظالم لگتا تھا۔

''ذورین۔ مما! تم نے بہت سمجھ داری کا ثبوت دیا ہے ان لوگوں کو ڈنر کی دعوت دے کر۔''

''خاک اچھا کیا ہے مما ڈنر کی دعوت دے کر آج ہی تو وہ دسو نے لان کی ساری گھاس کاٹ کر

باہر پھینکی ہے۔ پتا ہوتا کہ انہوں نے کسی کو ڈنر پر بلایا ہے تو رکھ ہی لیتے۔'' نیلو نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ سلگ اٹھا۔

''مما! اس کو بول دیں کہ میرے اور آپ کے درمیان میں نہ بولا کرے۔'' ذورین نے قہر بار نگاہوں سے گھورا۔

''مما میں درمیان میں کہاں بولی ہوں آپ کی بات کے اختتام پر بولی ہوں ناں۔'' نیلو نے کتاب ایک طرف رکھی اور عاتکہ کے دائیں جانب آ کر بیٹھ گئی اور بائیں جانب بیٹھے ہوئے ذورین کے ہاتھ ان کے شانے سے ہٹا دیے تو اس نے بھی اپنے اندر کی تمام نفرتوں سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور عاتکہ کی ممتا پر اپنا حق جتا دیا۔

''ہٹ جاؤ یہاں سے' یہ صرف میری مما ہیں۔'' وہ بڑے دھونس اور مان سے کہہ رہا تھا۔ عاتکہ نے اس کی پیشانی پر پیار کر لیا تو نیلو اسے دیکھ کر رہ گئی۔ جب وہ انسانی جون میں ہوتا تو کتنا اپنا سا لگتا تھا۔ اس وقت مما کی گود میں سر رکھے اتنا اچھا اور معصوم لگ رہا تھا کہ نیلو نے کوئی کڑوی بات نہیں کی۔ اپنے ہاتھوں پر اس کے ہاتھ کے نشان دیکھتی بیٹھی رہی۔ اسی وقت عثمان صاحب آ گئے۔ ان تینوں کو یوں دیکھ کر کے عجیب طرح کی خوشی کا احساس اندر اتر گیا۔ ذورین سے ان کو بھی بہت پیار تھا اور وہ بھی ان کو سگے باپ کی طرح چاہتا تھا' بڑی سے بڑی بات اور خواہش ضد کر کے منوا لیا کرتا تھا مگر کچھ عرصے سے وہ ان سے اتنا بدگمان ہو گیا تھا کہ ضد کرنا تو دور کی بات وہ ان کو دیکھتے ہی راستہ بدل لیتا چہرے پر ایسے ناگوار تاثرات دیتا کہ وہ مجرم سے بن جاتے۔ رفیق نے کینگی کر رکھی ہے پردہ نہیں جانتے تھے۔

''ماشاءاللہ بھئی یہ بیٹے بیٹی کے ساتھ کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں؟'' وہ خوشی سے ان تینوں کی طرف بڑھے تو ذورین اٹھ کر کھڑا ہو گیا ایک تیز نگاہ عثمان اور نیلو پر ڈالی اور دروازے کی طرف بڑھا۔

''مما! میں حامد کے ہاں جا رہا ہوں۔ وہ امریکا جا رہا ہے تو ائرپورٹ پر دیر ہو جائے گی آپ پریشان مت ہوئیے گا۔''

''او کے جانی! جاؤ خدا کی امان میں دیا۔ گاڑی احتیاط سے چلانا' خدا حافظ!''

''رائٹ مما' خدا حافظ۔'' وہ ساری روشنی ساری خوشبو ساتھ لے گیا تو نیلو بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

''یہ لڑکا مجھ سے اتنا بدگمان کیوں ہو گیا ہے عاتکہ! جبکہ مجھے اس سے نیلو کی طرح پیار ہے۔ میں نے تو ہمیشہ ان دونوں کو اپنے سگے بیٹوں کی طرح چاہا ہے مگر......'' عثمان صاحب کے لہجے میں عجب طرح کا احساس محرومی تھا۔

''میں تو خود بہت حیران ہوں عثمان کہ ذورین کیوں بدل گیا ہے؟ جبکہ عمار تو بالکل بھی نہیں بدلا تھا۔ ابھی بتا رہا تھا کہ وہ اپنے ماموں کے ہاں سے ہو کر آ رہا ہے اور کل ڈنر پر انوائٹ بھی کر آیا ہے۔''

''ہاں تو ٹھیک ہے' حقائق نے ثابت کر دیا ہے کہ شجاع الدین ان کا ماموں ہے تو ہم کون ہیں کہ تسلیم نہ کریں۔ تم ان کو ڈنر پر بلاؤ' ابھی تو وہ یہی سمجھ رہا ہے کہ ہمارا ابھی ان لڑکوں سے خون کا رشتہ ہے کیونکہ اکبر صاحب کے اپنے سسرال والوں سے اختلافات ہو گئے تھے جس کی وجہ سے وہ اکبر کے خاندان کو اچھی طرح نہیں جانتے تھے اس لیے احتیاط ضروری ہے کہ کہیں......''

''آپ فکر کیوں کرتے ہیں عثمان! اللہ ہماری عزت رکھنے والا ہے ناں۔''

☆☆☆

ڈنر پر عاتکہ نے بہت زبردست اہتمام کیا تھا کہ ذورین خوش ہو گیا تھا۔ وہ فضہ کے ساتھ کچن ہی میں آ گیا تھا۔ عاتکہ خود کھانا تیار کر رہی تھیں جیسے ہی انہوں نے پتیلا اٹھایا ان کا ہاتھ جل گیا وہ تڑپ کر آگے بڑھا۔

''مما سارے کام آپ کیوں کر رہی ہیں؟ یہ دسو اور خالہ نسرین کہاں ہیں ہٹیے یہاں سے۔''

وہ عاتکہ کو ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ صوفے پر بٹھا کر رومال لگانے لگا تو رفیق جو مستقل یہاں موجود تھا چندی آنکھوں سے شجاع الدین کو دیکھا' ان کے ہونٹوں پر بھی معنی خیز مسکراہٹ آ گئی۔

''بھابی! لگتا ہے ذورین آپ سے بہت محبت کرتا ہے۔'' شجاع الدین نے عاتکہ اور ذورین کی محبت دیکھ کر کہا تو رافع آہستگی سے فضہ کے قریب ہو کر بولا۔

''لیکن اب نہیں کرے گا کیوں فضہ؟'' رافع نے کہا تو فضہ تلملا کر رہ گئی۔

''ہر وقت ایک ہی موڈ میں رہتے ہو۔ کبھی کوئی جگہ بھی دیکھ لیا کرو۔'' اس نے دبی آواز میں کہا۔

''کیوں بھئی جگہ کو کیا ہوا۔ جگہ بھی بہت اچھی ہے اور لوگ تو بہت زیادہ اچھے اور ڈیسنٹ ہیں کم از کم تم سے زیادہ۔''

رافع نے فضہ کو چوٹ کی تو وہ تلملا کر رہ گئی۔ میزبانوں کے خیال سے چپ ہی رہی۔ نوشی البتہ خاموشی سے گھر اور مکینوں کا جائزہ لیتی رہی کہ رافع نوشی کی طرف پلٹا۔

''ویسے نوشی تم واقعی ماموں کی اصلی سگی بیٹی ہو؟ نہ جانے کیوں تم مجھے لے پالک لگتی ہو ان دونوں سے بالکل مختلف ہو تم۔'' نوشی واقعی بہت سادہ سی لڑکی تھی اور رافع کو اسی لیے وہ پسند تھی کہ اپنے باپ اور بہن کی طرح چالباز نہیں تھی۔ قریب تھا کہ نوشی کوئی جواب دیتی رافع اور نوشی ایک دم دروازے

کی طرف مڑے۔

''السلام علیکم ایوری باڈی! معذرت چاہتی ہوں کہ ٹیسٹ کی تیاری کی وجہ سے جلدی نہ آ سکی۔'' معذرت کرتی نیلو اندر آئی تو سب کی نگاہیں اس پر اٹھیں اور یہاں وہاں ہو گئیں مگر رافع اس خوب صورت لڑکی کو دیکھتا رہ گیا۔ اندر کہیں عجیب اور نیا احساس ہوا کے جھونکے کی طرح گزر گیا۔ رسمی تعارف کے بعد نیلو کھڑی ہو گئی۔

''آپ کہاں چلیں' بیٹھیے ناں؟'' رافع نے بے ساختہ کہا تو سب سے پہلے ذورین نے چونک کر رافع اور نیلو کو دیکھا ایک ناگوار سا احساس ابھرا اور مٹ گیا یا وہ اس نگاہ کے احساس کی اہمیت کو تسلیم کرنا نہیں چاہتا تھا۔

''میرا خیال ہے کھانے کو پہلے ہی دیر ہو چکی ہے لہٰذا اب سب کو اٹھنا چاہیے۔'' نیلو نے رافع پر غیر اہم سی اچٹتی نگاہ ڈالی اور باہر نکل گئی۔ پھر سب ہی اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ نیلو سب انتظامات دیکھ کر جانے لگی تو رافع ایک دم بول اٹھا۔

''آپ بھوک ہڑتال پر ہیں؟'' نیلو جاتے جاتے پلٹ کر اسے دیکھنے لگی پھر ذورین پر ایک نگاہ ڈالی اور واپس آ گئی۔

''دراصل میں پڑھائی کے دوران میں بہت کھاتی ہوں اس وقت میرا قطعی موڈ نہیں کھانے کا۔''

''چلیے مان لیا مگر رسم میزبانی تو ادا کیجیے۔'' نہ جانے کیوں رافع کو نیلو ایک دم پسند آ گئی تھی اور نہیں چاہتا تھا کہ وہ یہاں سے جائے۔

''او کے مہمان بہر حال محترم ہوتے ہیں۔ ان کی بات تو نہیں ٹالی جا سکتی۔'' وہ خوش اخلاقی سے رافع کے ساتھ خالی کرسی پر عین ذورین کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس نے اک تیز نگاہ نیلو پر ڈالی جو زیر لب مسکراتی ہوئی اپنی پلیٹ میں کباب نکال رہی تھی۔

''نیلو! آپ کس ائر میں ہیں؟'' فضہ نے نیلو کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو رافع آہستگی سے گویا ہوا۔

''ائر پوچھنے کی کیا ضرورت ہے صاف لگ رہی ہے تم سے دس سال چھوٹی ہے۔''

''رافع! میں ان سے ان کا میڈیکل ائر پوچھ رہی ہوں۔'' فضہ نے غصہ دباتے ہوئے بمشکل مسکراتے ہوئے کہا۔

''جی' میں سیکنڈ ائر میں ہوں۔'' نیلو نے مختصر جواب دیا اور کباب کھانے لگی۔ پھر خاموشی سے کھانا کھایا گیا۔ گاہے بگاہے رافع کی چور نظریں نیلو پر اٹھتی رہیں اور اتفاق سے ہر بار ذورین نے اس کی چوری پکڑی اندر کہیں حسد کا احساس ابھرتا مگر وہ اسے اہمیت دینے کے بجائے ''ہو کیئر'' کی تختی چہرے پر رکھ لیتا۔

''جی شجاع صاحب اب بتائیے آپ کیا کہہ رہے تھے کہ......'' عثمان صاحب اور شجاع الدین ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

☆☆☆

ماہ ما اتنے دن گزر جانے کے باوجود ویسی ہی تھی۔ عفت جہاں کو شہرام پر سخت غصہ تھا کہ وہ ان کے بلانے پر بھی نہیں آیا تھا مگر وہ اسے بھی کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں۔ کیونکہ ماہ ما کی حالت ٹھیک نہیں تھی اور وہ اسے مزید پریشان کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ شہرام کے رویے کے بارے میں انہوں نے بشریٰ کو آگاہ کیا تو ان کو موقع مل گیا۔

''دیکھو عفت! سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔ وہ لڑکا بہت شکی مزاج ہے کلیوں جیسی لڑکی کی زندگی برباد کرے گا۔ ماہ ما کا کیا ہے وہ تو بچی ہے تمہیں ہی سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔'' وہ پھر ان کو بغاوت پر اکسانے لگیں۔

''میں کہاں یہ سب چاہتی ہوں۔ یہ تو ماہ ما ہی ہے جس کو اپنے ددھیال والوں سے اپنے باپ کی طرح عشق ہے۔ ابھی تو اس کی حالت بھی ایسی نہیں کہ اسے ڈانٹ سکوں یا پیار سے سمجھا سکوں۔ نہ دھیان سے کھاتی ہے نہ پیتی ہے خاموش خلاؤں میں گھورتی رہتی ہے۔ میں تو عجیب مشکل میں آ گئی ہوں شوہر بھی نہ رہا' بیٹی کی بھی پاگلوں کی سی حالت ہے۔''

عفت بیگم رو پڑیں تو بشریٰ بیگم نے موقع گنوانا حماقت جانا ایک بار پھر میدان میں کود پڑیں۔

''عفت جان! تم میرے ہوتے ہوئے پریشان کیوں ہو رہی ہو۔ ہم ہیں ناں' میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ مخلص دوست سگے رشتے داروں سے اچھے ہوتے ہیں۔ اچھا اب تم زیادہ پریشان نہ ہو میں ابھی ٹونی کو لے کر آتی ہوں۔''

''ٹونی کو نہیں بشریٰ! ٹونی کو ابھی مت لے کر آؤ۔ حالات مناسب نہیں ٹونی کے آنے کے لیے۔''

''کیوں بھئی' کیوں حالات بہتر نہیں۔ دیکھو تم اسی طرح ڈرتی رہی ناں تو بیٹی گنوا بیٹھو گی۔ میں آ رہی ہوں ٹونی کو لے کر۔'' اور پھر بشریٰ بیگم نے ان کا جواب سنے بغیر ریسیور رکھ دیا اور تقریباً آدھے گھنٹے میں وہ ٹونی کو لے کر حاضر ہو چکی تھیں۔ حسب توقع سب کے چہروں پر ناگوار لکیریں ابھر آئی تھیں مگر بشریٰ نے بڑے اعتماد سے سب کو اگنور کیا اور ٹونی کو لے کر' جس کے ہاتھ میں خوب صورت سا کیک تھا' ماہ ما کے کمرے میں آ گئے۔ ماہ ما جو اس وقت کھڑکی کھولے خاموش فضا میں جانے کیا تلاش کر رہی تھی۔

''ماہ ما......!'' ٹونی نے بڑے دلار سے اسے پکارا تو وہ چونک کر مڑی کچھ دیر تو ٹونی کو گھورتی رہی

جو ڈھٹائی سے مسکرائے جا رہا تھا۔ ماہ ما کے اندر طوفان سا برپا ہو گیا۔ ڈھیر ساری باتیں تھیں جو ذہن میں گھوم گئیں' منظر پپا کی ڈھلکی ہوئی گردن پر آ کر ٹھہر گیا۔ وہ جنونی ہو گئی میز پر سے گلدان اٹھایا۔

"تم ...... تم ذلیل آدمی! میرے کمرے میں آئے کیسے؟" اس کی طرف سے اچھالا گیا گلدان ٹونی کی پیشانی پر لگا تو خون کا گویا فوارہ پھوٹ پڑا اور وہ زمین پر گر گیا۔

"ماہ ماہ......!"

"یہ ...... یہ تم نے کیا' کیا' جانی!" عفت جہاں جلدی سے ماہ ما کی طرف بڑھیں جو جنونی انداز میں ٹونی پر جھپٹنا ہی چاہتی تھی۔ انہوں نے اور ہما نے اسے قابو کر لیا جبکہ بشریٰ بیگم تو تڑپ کر بیٹے کی طرف بڑھیں جس کی پیشانی پر سے جیسے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ وہ خون میں لت پت لوٹنے لگا۔

"ہائے! میرا بچہ مار دیا ...... ارے کوئی ہے ...... دوڑو میرا بچہ مار دیا۔ میرا بیٹا' میرا ٹونی ...... ارے کوئی آئے' میرے ٹونی کو ڈاکٹر کے پاس لے جائے ...... ہائے ...... اس کو کچھ ہو گیا تو میں مر جاؤں گی میرا ایک ہی بیٹا ہے۔"

بشریٰ بیگم رو رو کر خوب واویلا مچا رہی تھیں۔ عفت جہاں کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ انہوں نے ہما کو دیکھا۔

"تم اس کو سنبھالو ہما! میں ٹونی کو اسپتال لے کر جا رہی ہوں۔ ٹونی بابا! اٹھو۔ بشریٰ! ہمت سے کام لو انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" عفت کے لہجے میں ندامت کھلی ہوئی تھی۔ وہ ٹونی کو اٹھنے میں مدد دیتے ہوئے بشریٰ کو تسلی بھی دے رہی تھیں اور جان دینے والی مطلبی سی بشریٰ تڑپ اٹھیں۔

"واہ' کمال کرتی ہو عفت تم' تمہاری بیٹی نے میرے بیٹے کا سر پھاڑ دیا اور تم کہہ رہی ہو میں ہمت سے کام لوں۔ ہائے خدایا! کہیں میرے بیٹے کی نظر پر اثر نہ پڑے۔ میرے بیٹے کو کچھ ہو گیا تو ......"

"خدا نہ کرے بشریٰ! ٹونی کو کچھ نہیں ہوگا۔" اتنی دیر میں شور کی آواز سن کر ایاز اور بھائی صاحب اندر آ گئے تو اندر کے منظر نے ان کو بھی پریشان کر دیا۔ ماہ ما' ہما اور صدیقہ بیگم کی قید سے آزاد ہو کر ٹونی کو مارنے کی دھمکیاں دے رہی تھی۔ ایاز اور بھائی صاحب ٹونی کو اٹھا کر اسپتال لے گئے۔ ماہ ما اسی طرح روتی رہی' چلاتی رہی۔

"مار دوں گی نہیں چھوڑوں گی اس ٹونی کو جس نے میرے پپا کو دکھی کر کے بھیجا ہے۔ مجھ سے بدگمان کر دیا ہے میرے شہرام کو۔ میں اسے چھوڑوں گی نہیں ......!" ماہ ما ان دونوں کے قابو میں نہیں آ رہی تھی۔

"ماہ ما! میری جان ایسے نہیں کرتے جو مقدر میں ہوتا ہے ہو کر ہی رہتا ہے۔ ہوش کرو بیٹی! اس طرح مت کرو۔"

"نہیں تائی ماں! میں ...... میں خود مر جاؤں گی یا اس کو مار دوں گی۔ اس نے میری زندگی برباد کر دی ہے۔ میرے جانی پپا چلے گئے' میرا شہرام روٹھ گیا ...... میں کیا کروں ...... ہما' میں کیا کروں؟" ماہ ما بے دم سی ہو کر بستر پر گر گئی۔ خود بھی روتی رہی اور ان دونوں کو بھی رلاتی رہی پھر جیسے ماہ ما بے ہوش ہو گئی۔ صدیقہ بیگم اس پر پڑھ پڑھ کر دم کرتی رہیں۔

"ماہ ما ...... ماہ ما......!" ہما نے پریشان ہو کر اس کا شانہ ہلایا مگر صدیقہ بیگم نے اشارے سے منع کیا اور شہرام کا پتا کرنے کو کہا تو وہ آہستگی سے باہر آ گئی۔ شہرام کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ تیسری دستک پر وہ اندر آ گئی۔ شہرام دنیا و مافیہا سے بے خبر کاغذ پر دائرے میں لکیریں لگا رہا تھا جس سے اس کی ذہنی کشمکش کا اندازہ ہو رہا تھا۔ ہما کو حیرت ہونے لگی کہ گھر میں اتنا ہنگامہ شور ہوا اور اسے خبر ہی نہیں ہوئی۔

"شہرام ......!" ہما نے آہستگی سے پکارا تو وہ اسے دیکھنے لگا۔ آنکھیں بہت سرخ ہو رہی تھیں۔

"ہوں ...... کیا بات ہے؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر سوچوں کا جال سا بچھا ہوا تھا۔

"تم واقعی اتنے بے خبر ہو جتنا ظاہر کر رہے ہو یا واقعی بے خبر ہو......؟" ہما کو تعجب ہو رہا تھا اس کے اطمینان پر۔ اس کی بات پر شہرام نے اسے دیکھا' پنسل ایک طرف رکھی اور گہرا سانس لے کر کھڑکی کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

"میں بے خبر ہوتا' جنوں میں مارتا پھرتا پتھر لوگوں کو تو کچھ نہ کہتا سوائے دیوانے اور پاگل کے۔ خدا کرے چھن جائے یہ حافظہ میرا ...... تو ...... تو درد کے ان سناٹوں سے تو جان چھوٹ جائے۔"

اس کا حزیں لہجہ رو دیا تو ہما اس کے قریب آ گئی۔

"شہرام ......! ماہ ما نے ٹونی کا سر پھاڑ دیا ہے۔" ہما نے سر پر زور ڈال کر کہا تو وہ اسے یوں دیکھنے لگا جیسے یا تو اسے پہلے سے خبر تھی یا اس کے نزدیک یہ کوئی پریشانی والی بات نہیں۔

"تو اس میں نئی کون سی بات ہے؟ توڑ پھوڑ کی تو اس کی عادت ہے' دل ہو کہ سر ہو' اس کو تو توڑنا ہی ہے ...... اور پھر تم نے دیکھ لیا ناں توڑنے میں بھی وہ جانب داری سے کام لے گئی۔" ایک زخمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

"کیا مطلب؟" ہما اس دیوانے کی بات کا مطلب بالکل سمجھ نہیں پائی تھی۔

"مطلب یہ ہما بی کہ دل اور سر میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اس نے ٹونی کا سر توڑا ہے۔ زخم کتنا ہی بڑا اور گہرا کیوں نہ ہو دو چار ٹانکے لگیں گے اور کچھ دنوں میں زخم بھر جائے گا۔ مجھے تو اس نے تباہ ہی کر کے رکھ دیا ہے۔ ہاں' اس نے ...... اس نے میرا دل توڑا ہے میرے دل پر گھاؤ لگائے ہیں۔ ہاں! میرے دل پر گھاؤ لگائے ہیں اور میرے دل کی رفوگری بہت مشکل ہے ...... بہت مشکل ہے۔"

وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر گویا سسک سا پڑا تو ہما کو بھی دکھ ہونے لگا۔

''شہرام' تم ماہ ما سے بہت زیادہ بدگمان ہو۔ اتنا نہیں ہونا چاہیے۔ اس وقت اسے تمہاری بہت ضرورت ہے اور تم ایسے وقت میں اس کے ساتھ اتنا سخت رویہ روا رکھے ہوئے ہو۔ اتنی کمزور اتنی نازک سی لڑکی اتنے بڑے صدمات کی متحمل نہیں ہوسکتی اور تمہاری بدگمانی نے تو اسے توڑ دیا ہے شہرام...... تم...... تم اسے معاف نہیں کرسکتے؟''

ہما نے ماہ ما کی طرف داری کرتے ہوئے کہا تو شہرام کے دل کے زخم اس کے ہونٹوں پر آ کر زہریلی سی مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

''اونہہ...... معاف! میں اسے معاف کرنے والا کون ہوں' اسے تو خدا ہی معاف کرسکتا ہے۔ میں تو خود بہت گناہگار ہوں۔''

''تمہیں ماہ ما سے اتنا بدگمان نہیں ہونا چاہیے شہرام...... ! اور بدگمانی کی دھند میں لوگ راستہ بھی بھول جایا کرتے ہیں۔ راستے گم ہوجاتے ہیں۔'' ہما نے اس کو سمجھانا چاہا مگر وہ اب ان سب باتوں سے دور جاچکا تھا۔

''راستے گم ہوتے نہیں' ہوچکے ہیں۔ جو اب ان کا کھوج فضول ہے۔'' اس نے خالی آنکھوں سے باہر آسمان کو دیکھا۔

''اتنے کٹھور نہ بنو شہرام! وہ نازک سی لڑکی مرجائے گی۔ مت کرو ایسے۔'' ہما کو اس کی سنگدلی پر غصہ آگیا۔

''مرتی ہے تو مرجائے میری تو کسی کو پرواہ ہی نہیں ناں! میں جی رہا ہوں کہ مر رہا ہوں خیال ہی نہیں کسی کو پرواہ ہی نہیں میری۔ میں تو گویا پتھر ہوں ناں کہ کج ادائیاں بھی برداشت کروں اور ناز برداریاں بھی کروں۔ نو...... نیور یہ سب مجھ سے نہیں ہوتا۔'' وہ غصے میں دہاڑا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ افسردہ سی ہما اس کے بارے میں سوچتی واپس ماہ ما کے کمرے میں آگئی۔ وہ اسی طرح بے سدھ پڑی تھی۔

''نہ جانے کس کی نظر کھا گئی ہے میرے بچوں کو...... کتنے ارمانوں سے میرے بچے نے اس لڑکی کو چاہا تھا کتنا تڑپا تھا اس کو پانے کے لیے۔ یا اللہ یہ سب کیا ہوگیا سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔''

صدیقہ بیگم ماہ ما کے قریب بیٹھی روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ ہما نے ان کو مزید کچھ نہیں بتایا خاموشی سے آکر ایک طرف بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر میں عفت جہاں آگئیں وہ خاصی پریشان سی تھیں۔

''خیریت تو ہے ناں؟ ٹونی کی حالت کیسی ہے؟'' صدیقہ بیگم نے جھٹ چہرہ صاف کرلیا۔

''خدا کا شکر ہے نظر بچ گئی ہے۔ زخم خاصا گہرا آیا ہے۔ چھ ٹانکے لگے ہیں۔ ابھی تو اسپتال ہی

کھا ہے۔'' عفت جہاں تفصیل بتارہی تھیں اور ساتھ ساتھ ماہ ما کو پیار کررہی تھیں۔

''یہ سب کیا ہوگیا MY POOR CHILD۔ یہ سب کیا ہوگیا؟ کاش! ہم پاکستان آئے ہی نہ ہوتے' نہ یہ سب ہوتا۔''

عفت بہت زیادہ دکھی ہورہی تھیں۔ وہ ماہ ما کے ہاتھ آنکھوں سے لگا کر شدت سے رو پڑیں۔

''حوصلے سے کام لیتے ہیں عفت! اس طرح کی باتیں نہیں کرتے ایسی مایوسی کی باتیں اللہ کو قطعی پسند نہیں۔ صبر سے کام لو۔ ماہ ما کا یہ رویہ فطری سی بات ہے۔ کہاں اس نے کوئی پریشانی نہیں دیکھی تھی کہاں باپ کی موت کا صدمہ......!''

صدیقہ بیگم بڑی اچھی سلجھی ہوئی خاتون تھیں۔ عفت جہاں کی طرف سے بارہا حملہ ہوتا مگر وہ برداشت کرجاتیں۔ اس وقت وہ ان کو سمجھا رہی تھیں مگر عفت نے کڑی نظروں سے ان کو دیکھا۔ عفت کے نزدیک تو ان کو پاکستان سیٹل ہونے پر مجبور کرنے والے یہی لوگ تھے اور انہی کی وجہ سے زندگی میں بگاڑ پیدا ہوا تھا۔

''مرنے والوں کے زخم تو بھر ہی جاتے ہیں زندہ لوگ جو زخم دیتے ہیں جو چوکے لگاتے ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

عفت جہاں سختی سے اپنا چہرہ رگڑتی ہوئی بولیں تو وہ حیرت سے ان کو دیکھنے لگیں۔

''زندوں نے کیا دکھ دیا ہے عفت! ہماری تو ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔ حالانکہ بہت سی باتیں تمہاری طرف سے ہوجاتی ہیں مگر ہم نے پلٹ کر جواب نہیں دیا۔ تم حبیب کی پسند تھیں اس لیے تمہاری ہر ناگوار بات کو بھی برداشت کیا گیا۔ تم پھر بھی ہم ہی سے نالاں ہو خفا ہو۔ اب تو ایسی باتیں نہ کرو۔''

صدیقہ بیگم نے بڑے تحمل سے کہا تو کچھ دیر کے لیے وہ بھی چپ سی ہوگئیں کیونکہ حقیقت بہرحال حقیقت تھی۔ ان کی زیادتیوں کے باوجود ان کے سسرال والوں نے بھی کچھ نہیں کہا تھا۔

''میں...... کوئی اور بات کررہی ہوں اور آپ بات کو کسی دوسری جانب لے گئی ہیں۔'' وہ فطری اکڑپنا سے بولیں۔

''اچھا تو تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟ ذرا کھل کر بات کرو تو پتا چلے کہ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟''

''واہ بھابی جان! آپ تو ایسے بات کررہی ہیں جیسے کچھ معلوم ہی نہیں؟ آپ کا بیٹا جو کررہا ہے اس کی کارکردگی سے آپ خوش اور مطمئن ہوں گی تب ہی تو وہ ایسی حرکتیں کررہا ہے۔ ظاہر ہے تکلیف مجھے ہے آپ کو پروا کیوں ہونے لگی؟''

"عفت...... عفت......! کیا ہو گیا ہے تمہیں کیسی باتیں کر رہی ہو کیا کر دیا ہے میرے بیٹے نے؟"

"کیا کر دیا ہے آپ کے بیٹے نے آپ کو احساس کیوں ہونے لگا۔ جو کچھ وہ کر رہا ہے ایک ذرا سی بات کو اس نے ایشو بنا لیا ہے۔ حد کر دی ہے ہمارے گھر والوں نے تو جہالت کی یعنی ایک ذرا سی تصویر کو اتنی اہمیت دی جا رہی ہے کہ انسانی ذات بھی غیر اہم ہو کر رہ گئی ہے۔ بڑے دعوے کیا کرتا تھا شہرام ماہ ما سے محبت کے کہاں گئی اس کی محبت' کہاں گیا اس کا جنون۔ میری بیٹی بے ہوشی میں بھی اس کو پکارتی رہتی ہے اور وہ سنگدل ایسا کہ ایک بار بھی اسے دیکھنے نہیں آیا ایسا بھی کیا کر

عفت نے شہرام کو کبھی بھی بحیثیت داماد قبول نہیں کیا تھا۔ وہ اپنے خاندان والوں کی روایتی سوچ سے ہمیشہ ہی اختلاف رکھتی تھیں اور شہرام تو کچھ زیادہ ہی روایتی سوچ کا حامل تھا۔ ان کی بات پر صدیقہ بیگم نے گہرا سانس لیا اور اٹھ کر کھڑی ہونے لگیں مگر ان کا دوپٹا ماہ ما نے اپنی مٹھی میں اتنی مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا کہ وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگیں۔

"میری جان! خدا تمہیں صبر اور سکون دے!" انہوں نے جھک کر ماہ ما کو پیار کر لیا اور دروازے کی جانب بڑھیں پھر پلٹ کر عفت کو دیکھنے لگیں۔

"شہرام کا جو رویہ آج کل ہے وہ نہ صرف غلط ہے بلکہ قابل مذمت بھی ہے لیکن جس بات کو تم ذرا سی بات اور معمولی ایشو کہہ رہی ہو نا' وہ معمولی ایشو نہیں طوفان تھا ایک ایسا طوفان جس نے ہماری زندگیوں کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔ رشتوں کی جڑیں ہلا دیں اعتماد کو چکنا چور کر دیا۔ وہ معمولی ایشو نہیں تھا عفت! ہماری غیرت کی موت تھی...... لیکن جو کچھ ہوا سو ہوا۔ تم کو پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ تم اور ماہ ما اکیلے نہیں ہو خدا کے فضل سے ہم ہیں نا' بالکل بھی فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی ماہ ما کے سامنے تم کسی بے چارگی کا اظہار کرنا۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ ان کو تسلی دے کر باہر نکل گئیں تو عفت جہاں نے بڑھ کر ماہ ما کو پیار کیا اور خود بھی باہر آ گئیں۔ ہما تو پہلے ہی جا چکی تھی اور پھر ماہ ما نہ جانے کب تک سوتی رہی اور جب آنکھ کھلی تو لائٹس آف ہو چکی تھیں۔ وہ بھی بے دلی سے اٹھی اس کا کچھ بھی کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے زندگی ایک خالی ڈبا بن گئی ہو' جس میں اس کا وجود ادھر ادھر ڈول رہا تھا۔ وہ مردہ قدموں سے باتھ روم میں آ گئی۔ کتنی دیر ٹھنڈا پانی منہ پر مارتی رہی مگر دل کی آگ نے چہرہ جھلسا کر رکھ دیا تھا۔ باہر آ کر وہ کھڑکی کے قریب آن کھڑی ہوئی۔ دل بہت بے تاب اور مضطرب ہو رہا تھا۔ کتنا عرصہ ہو گیا تھا شہرام کو دیکھے اور بات کیے۔ کتنا ظالم کٹھور ہو گیا تھا وہ کہ اس کو دیکھتے ہی راستہ بدل لیتا تھا۔ وہ مسلسل اس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"ماہ ما ٹونی سے کہو میرے راستے سے ہٹ جائے۔ اگر میں اس کے راستے سے ہٹ گیا تو باقی کچھ نہیں بچے گا۔"

شہرام کی آواز کی بازگشت اسے تڑپا تڑپا گئی۔ وہی تو ہوا تھا کہ وہ ہی راستے سے ہٹ کر راستہ ویران اور سنسان کر گیا تھا اتنا کہ سناٹے اس کی روح تک اتر گئے تھے۔

"ٹونی' ٹونی......! یہ تم نے کیا کر دیا ٹونی' تم کیسے دوست نکلے کہ میرے دل کے نگر ہی کو اجاڑ کر رکھ دیا۔ خدا کرے مر جاؤ تم!" وہ کھڑکی کی گرل سے پیشانی ٹکائے نہ جانے کتنی دیر روتی رہی۔ اسے شدید نفرت ہو گئی تھی ٹونی سے اس کے بارے میں سوچتی تو اس پر جنونی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اس کی رگیں تن جاتیں۔ اس وقت بھی اس کی ایسی ہی کیفیت ہو رہی تھی۔ اس نے بمشکل خود پر قابو پایا اور آہستگی سے لان میں آ گئی۔ ہلکی ہلکی خنکی کے باوجود اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ انگاروں میں جل رہی ہے۔ یہ شہرام کی بدگمانی کی آگ تھی جو اسے جھلسائے جا رہی تھی پھر سے ماریا کی برتھ ڈے اور وہ اس والے سین سب کچھ جیسے آنکھوں میں مرچیں بھر جاتا۔ وہ انہی خیالوں سے لڑ رہی تھی کہ اسی وقت شہرام بھی کچھ دیر خاموش فضا کو محسوس کرنے آ گیا۔ سامنے ہی ماہ ما پر نظر پڑی' عین اسی وقت ماہ ما نے بھی اسے دیکھا۔ شہرام نے نفرت سے بھرپور نگاہ اس پر ڈالی اور راستہ بدل لیا۔ ماہ ما بھاگتی ہوئی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ کتنی دکھی' کتنی تنہا تنہا سی لگ رہی تھی وہ۔ کس قدر حسین تھی کہ پہلی بار دیکھ کر وہ کھو سا گیا تھا۔ ہر فکر' ہر پریشانی سے بے نیاز حسین چہرہ آج ایک دم پیلا پڑ گیا تھا۔ آنکھوں کے گرد حلقے گہرے ہو گئے تھے۔ ویران آنکھوں اور خشک کپکپاتے لبوں سے وہ اسے دیکھے جا رہی تھی۔ یہ وہ لڑکی تھی جس کو اس نے اس وقت سے چاہنا شروع کیا تھا جب بچے کو چاہت کا مفہوم بھی معلوم نہیں ہوتا۔ آج وہ کتنی اجڑی ہوئی لگ رہی تھی۔ شہرام کا دل بغاوت کرنے پر تل گیا۔ اس کا جی چاہا کہ اسے دل کے نہاں خانوں میں چھپا لے اور دور' بہت دور بھاگ جائے۔ جہاں کوئی نہ ہو مگر ٹونی......اور ٹونی کی شبیہہ ذہن میں ابھرتے ہی وہ سین' وہ تصویر آنکھوں کے سامنے ناچنے لگی۔

"شہرام' پلیز! میری بات سنیے۔ پلیز شہرام......! اس طرح بدگمانی کی دھند میں میرا دم گھٹ جائے گا شہرام...... پلیز......!"

ماہ ما اسے ہر طریقے سے منا لینا چاہتی تھی مگر وہ اس سے خطرناک ترین حد تک بدگمان تھا۔ اس نے زور سے اسے پرے دھکیلا۔

"ہٹ جاؤ میرے راستے سے اور آئندہ کبھی میرے راستے میں نہ آنا۔" اس نے زہر خند لہجے میں کہا تو وہ پھر اٹھ کر اس کے سامنے آ گئی اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"شہرام' میری زندگی کے تمام راستے آپ کی طرف آتے ہیں۔ سارے دروازے آپ کی

طرف کھلتے ہیں زندگی کے ہر موڑ پر میں آپ کو آپ کی طلب گار ہی ملوں گی۔'' اس نے سسکی لے کر میں کہا۔ ساتھ ہی برسات کی جھڑی لگ گئی۔

''ہٹ جاؤ میرے راستے سے ماہ ما! میں لٹ گیا ہوں برباد ہو گیا ہوں۔ میں [illegible] گھوم گیا تو یا خود کو مار دوں گا یا تمہیں مار دوں گا...... ہٹو یہاں سے۔'' شہرام نے انتہائی حقارت سے اسے پرے دھکیلا تو اس نے گرتے گرتے اس کا بازو پکڑ لیا تو شہرام کا دماغ گھوم گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کے خود سے دور کر دیا۔

''DONT TOUCH ME۔ ان بازوؤں سے تمہارا کوئی تعلق، کوئی واسطہ نہیں جو [illegible] سے ہے انہی میں سماؤ جا کر۔''

اس نے انتہائی نفرت اور حقارت سے اسے خود سے جدا کیا تو نازک سی لڑکی ہار گئی۔

''ماردو شہرام، مجھے ہی ماردو۔ مجھے موت زندگی سے زیادہ پیاری ہو گی شہرام پلیز ایک بار میری بات سن لو پھر جو چاہو کر دینا۔''

وہ اس کا ہاتھ تھامے گڑگڑا رہی تھی مگر وہ نہ جانے کیوں اتنا کٹھور اور سنگدل ہو رہا تھا۔

''خدا جانتا ہے ماہ ما کہ مجھے تم سے کتنی محبت تھی اور خدا ہی جانتا ہے کہ مجھے تم سے کتنی نفرت ہے۔ نفرت ہے مجھے تم سے۔

I HATE YOU ......آئندہ کبھی میرے سامنے نہ آنا۔ میری اور تمہاری راہیں جدا ہیں جدا ہیں۔'' شہرام نے سخت نفرت انگیز لہجے میں بولتے ہوئے اسے دونوں شانوں سے پکڑ کر جھٹکا دیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا اور ماہ ما کو یوں لگا جیسے اس کی روح بھی اس کے ساتھ چلی گئی ہے۔ وہ خالی کھوکھلے وجود کو گھسیٹتی ہوئی بمشکل اپنے کمرے میں آ گئی۔ کمرے میں ہر طرف شہرام کا نفرت سے بھرا چہرہ تھا اس کی آواز کی بازگشت تھی۔ I HATE YOU کی سماعتوں کو چیرتی آواز تھی۔

''نو...... نو......!'' اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے مگر آواز ویسے ہی آتی رہی۔ وہ سوچتی رہی نظروں میں شہرام کی تصویر گھومتی رہی۔ کتنا اجنبی ہو گیا تھا۔ اس کا تو وہ رہا ہی نہیں تھا۔ وہ مستقل اسے نفرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آواز کی بازگشت نے اس کے اندر طوفان برپا کر دیا تھا۔ وہ دائیں بائیں ڈول رہی تھی گر رہی تھی۔ شہرام شہرام پکار رہی تھی مگر وہ اس طوفان کی نذر ہو چکا تھا۔ طوفان تھما تو وہ چکرا کر گر پڑی۔ کتنی ہی دیر خالی خالی نظروں سے چاروں طرف دیکھتی رہی۔ شہرام کی نفرت نے اس کے اندر سب کچھ ختم کر دیا تھا۔ وہ بالکل کھوکھلی سی ہو گئی تھی۔

''I HATE YOU TOO۔ مجھے بھی تم سے نفرت ہے شہرام شدید نفرت نفرت...... I HATE YOU!......''

ماہ ما نے گلاس اٹھا کر دیوار پر دے مارا اور مجسم اشک بن کر بستر پر گر گئی۔ اپنی چاہت کے اس انجام پر تو اس کا حق تھا۔

☆☆☆

دسو ابھی ابھی آ کر کوارٹر میں بیٹھا ہی تھا کہ رفیق بھی کہیں سے آ گیا۔ دسو نے اسے سنانے کے لیے زور سے لاحول پڑھا۔ رفیق ہانپتا ہوا اس کے قریب ہی گر سا گیا۔

''نسرین! اری او نسرین! کہاں مر گئی، کم بخت! پانی لا کر دے...... نسرین...... نسرین!'' رفیق چلا چلا کر نسرین کو آوازیں دینے لگا تو دسو بغیر آواز کے منہ بگاڑ بگاڑ کر اس کی نقل اتارنے لگا۔ جب نسرین نہیں آئی تو رفیق نے قریب بیٹھے دسو کو ٹانگ مارنا چاہی مگر وہ ہوشیاری سے پرے ہٹ گیا تو اس کا پاؤں چارپائی کے پائے سے جا ٹکرایا تو وہ بلبلا اٹھا۔

''ہائے ہائے میرا پاؤں! کم بخت جب بھی مارنے لگتا ہوں تو دھوکا دے جاتا ہے۔ ہائے میرا پاؤں۔''

رفیق پاؤں پکڑ کر ہائے ہائے کرنے لگا۔ دسو ہنسی کنٹرول کرنے لگا تو رفیق کا جی چاہا مکا مار کر اس کے دانت توڑ ڈالے۔

''دیکھو خالو! تم ہر کسی کو دھوکا دیتے ہو مگر تمہیں کوئی دھوکا نہیں دیتا۔ سچ، مجھے بڑا خیال آتا ہے اپنے خالو کا کہ تم بھی کیا سوچتے ہو گے کہ تمہیں کوئی دھوکا ہی نہیں دیتا۔ تم کہیں احساس کمتری کا شکار نہ ہو جاؤ اسی لیے تو میں تمہیں دھوکا دیتا ہوں۔''

''اچھا...... ! بک بک مت کر بتا کہاں گئی ہے بڑھیا؟''

''بڑھیا...... کون سی بڑھیا؟'' دسو اس کی جان جلانے میں کسر نہیں اٹھا رکھتا تھا۔

''ابے کیا بڑھیوں کا میلہ لگا رکھا ہے کہ پوچھ رہا ہے کون سی بڑھیا؟ وہ تیری بدشکل بڈھی خالہ کہاں ہے؟''

''ہائے میرے حسین بادشاہ خالو! میری پیاری خالہ تیری قبر پر فاتحہ خوانی کرنے گئی ہیں۔'' دسو اٹھ کر دور ہو گیا۔

''دیکھا...... دیکھ لیا ناں تو نے اپنی خالہ کے لچھنوں کو یوں دعوتیں اڑاتی پھرتی ہے۔ مجال ہے جو کبھی مجھے بتا کر جائے کہ کہاں جا رہی ہے گستاخ عورت!'' رفیق غصے میں اٹھا پھر وہیں بیٹھ گیا پھر جیسے وہ چونکا اور دسو کو دیکھنے لگا۔

''کیا کہا تو نے کس کی قبر پر گئی ہے میری......؟ ہاں، میری قبر پر گئی ہے ناں۔ ارے تم دونوں کا بس چلے تو......''

رفیق کو سمجھ ہی اب آئی تھی اس کی بات۔ اس نے اٹھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔

''ہائے خالو قسم سے بڑے بے بس ہیں۔ بس ہی تو نہیں چلتا ورنہ......'' دسو نے رفیق کی آنکھ کی پتلی پکڑ کر کھینچی تو وہ تڑپ اٹھا۔

''ابے الو کے پٹھے! باز آ جا ورنہ تیرا کام کر دوں گا کسی روز......''

''ہیں...... واقعی تم میرا کام کر دو گے خدا میرا ہی بھلا کرے۔ جاؤ میرے چار جوڑے پچھلے روز سے بھیگے پڑے ہیں ہاں...... ہاں وہی جن سے بدبو آ رہی ہے۔ دھو دو اب...... دیکھو تم تو گندے کام کرنے کے عادی ہو میں تو صاف ستھرا بچہ ہوں۔''

''ارے بچے کے بچے تیرا اور تیری خالہ کا ٹکٹ کٹانا ہی پڑے گا۔'' رفیق نے اسے گھما کر چھوڑ دیا تو وہ چارپائی پر گر گیا۔

''ہیں...... واقعی بلو کے گھر بھیج رہے ہو خالو جو ہے!'' دسو اسے چھیڑ کر بھاگ گیا اور رفیق اسے کوسنے دیتا ہوا فرش ہی پر لیٹ کر اونگھنے لگا۔ دسو پھر آیا اور تنکا لے کر اس کی ناک میں گھسا دیا تو وہ چھینکیں مارتا ہوا اٹھ گیا۔

''ارے کم بخت! کیوں جان کو آ گیا ہے دو گھڑی سانس بھی لینے دے گا کہ نہیں۔''

''تمہارے بھلے کے لیے کہہ رہا تھا' خیر نہیں تو نہ سہی؟'' اب دسو اس کے تجسس کو ابھارنے کی کوشش کرنے لگا۔ رفیق جانتا تھا اس کی حرکتوں کو پہلے تو اگنور کر گیا مگر تجسس نے چین نہ لینے دیا۔

''اونہہ تو اور تیری خالہ میرا بھلا چاہیں گے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... خیر تو بک کیا کہنا چاہتا تھا۔''

رفیق نے احتیاطاً پوچھا کہ ایسا نہ ہو کہ پچھتانا پڑے۔

''دیکھو ناں' خالو میاں! تمہیں ہر طرف سے جوتے اور لعن طعن کھانی پڑتی ہے۔ آج میں تمہیں اخروٹ کا حلوا ہی کھلا دوں' وہ جو پلیٹ ڈھکی ہوئی رکھی ہے ناں اس میں اخروٹ کا حلوہ پڑا ہے کھانا ہو تو کھا لو۔''

''ابے چل' میں تیری باتوں میں آنے والا نہیں۔ سب جانتا ہوں اپنی خالہ کی طرح عیار ہے تو۔ اس روز کی طرح بے وقوف بنائے گا' گاجر کا حلوہ ہے اور آج اخروٹ کا حلوہ آ گیا مجھے چڑانا ہے......'' رفیق کو پچھلا تجربہ یاد تھا اس لیے لالچ میں نہیں آیا انکار کر دیا تو دسو نے مسخرے پن سے اسے دیکھا۔

''کیا کہا خالو میاں' میں تم کو چڑاؤں گا' گدھے نہیں چڑایا کرتا میں۔ اونہہ' نہیں کھانا تو نہ کھاؤ' اخروٹ کا حلوا ہم خود کھا لیتے ہیں۔'' اور پھر دسو آگے بڑھا' پلیٹ اٹھائی جس میں واقعی حلوہ تھا۔

لے کر کھانے لگا۔ رفیق پچھتا کر رہ گیا کہ کیا حرج تھا اٹھ کر دیکھ لیتا اب وہ اس کو چڑا چڑا کر مزے لے لے کر کھا رہا تھا۔

''بدمعاش مجال ہے ڈھنگ کی بات کر جائے وہ اب بہت کھا مر لیا۔''

رفیق للچائی نظروں سے دیکھتا ہوا اٹھا منہ میں پانی آ رہا تھا۔ وہ پلیٹ پر جھپٹا مگر دسو تیزی سے باہر بھاگ گیا تو رفیق بلکتا جھلکتا بیٹھ گیا۔ وہ بیٹھا ہی تھا کہ دسو پھر دروازے سے جھانکا۔

''ارے خالو یاد آیا۔ میں کوٹھی جا رہا ہوں خالہ آئے تو اس کو بتا دینا کہ پرچھتی پر جو اس نے پتیلوں کا مینار کھڑا کیا ہے ناں اس میں میں نے اپنی تنخواہ رکھی ہے نکال لے کہیں تم نہ چرا لو۔''

دسو یہ کہہ کر بھاگ گیا معاملہ پیسوں کا ہو اور رفیق چین سے بیٹھ جائے یہ کہاں درج تھا۔ کچھ دیر تو وہ دسو کے جانے کا انتظار کرتا رہا جب یقین ہو گیا کہ وہ کوٹھی پہنچ گیا ہوگا۔ وہ چپکے سے اٹھا سب سے پہلے کنڈی چڑھا دی مبادا وہ لوٹ آئے اور پھر چھت سے دو فٹ نیچے لکڑی کی پرچھتی بنی ہوئی تھی جہاں نسرین نے گھر کے سارے برتن سجائے ہوئے تھے اور ایک طرف پتیلوں کا سیٹ تھا ایک کے اوپر ایک رکھا تھا اور وہ اکثر پیسے یہیں رکھتی تھی اور وہ اڑا لیا کرتا تھا۔ آج دسو نے بھی وہیں رکھ دیے تھے۔ اس نے کرسی رکھی پھر چھوٹی سی میز رکھی اور بڑبڑاتا ہوا چڑھنے لگا۔

''ارے رفیق' کہاں تیری قسمت پھوٹ گئی اس بدشکل اور اس کے بھانجے سے۔ لو بھلا اتنی بلندی پر چڑھ کر بندہ چوری کرے گا تو گر کر تو مرے گا ناں؟'' وہ بڑبڑائے جا رہا تھا اور پیسے تلاش کر رہا تھا مگر پیسے ہوتے تو ملتے وہ اچک اچک کر پیسے تلاش کر رہا تھا کہ چھوٹی میز پیروں کے نیچے سے کھسک گئی۔ اب اس کا ہاتھ آخری پتیلے پر تھا نیچے سے میز جو کھسکی تو وہ چیختا ہوا نیچے آ گرا اور ایک' دو' تین جتنے پتیلے تھے ایک ایک کر کے اس کے اوپر آ گرے۔ وہ تو بچت یوں ہو گئی کہ کوئی پتیلا سر پر نہیں آ گرا۔

''پھر...... ایک بار پھر یہ الو کا پٹھا رفیق کو دھوکا دے گیا۔ ہائے میری پسلیاں میری ٹانگیں...... ہائے کوئی ہے جو مجھے اٹھائے...... ابے کمبخت دسو تو ہی آ جا۔'' رفیق اب مدد کے لیے پکار رہا تھا اٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ پرچھتی سے ایک اٹکا ہوا گلاس اس کے سر پر آ کر ٹن سے لگا اور اس کے چودہ طبق روشن کرتا چلا گیا۔ ساتھ ہی باہر سے دسو کی آواز آئی۔

''پیسے گن لیے خالو پورے ہیں ناں؟'' ساتھ ہی دسو کا جان جلانے والا قہقہہ ابھرا تو رفیق برتنوں میں دبا بس خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

☆☆☆

شجاع الدین اور ان کی فیملی کا آنا جانا بڑھ گیا تھا۔ تقریباً ہر روز شام کو وہ آ جاتے۔ ذورین تو سو

جان سے ان پر فدا ہو چکا تھا۔ اوپر سے شجاع صاحب نے اس کی والدہ کے من گھڑت واقعات سنا سنا کر اسے اپنے قریب کرلیا تھا۔

"تمہاری مما بہت اچھی ملنسار اور محبت کرنے والی خاتون تھی۔ مجھے یاد ہے جب ہمارے والدین کے اختلافات ہوئے تھے ان کے والدین سے تو گھروں کی حد بندی تو ہوئی ہی تھی بچوں کو ایک دوسرے سے ملنے اور کھیلنے سے منع کردیا گیا تھا مگر عظمیٰ ہم سب سے اتنی محبت کرتی تھی کہ اسکول سے سیدھی ہمارے گھر آجایا کرتی تھی اور ہمارے گھر سے اپنے گھر فون کرکے کہا کرتی تھی کہ میں اپنی فلاں سہیلی کے پاس ہوں۔ تھوڑی دیر میں آجاؤں گی اور یوں وہ کافی وقت ہمارے ساتھ گزارتی۔ وہ مجھ سے چار سال چھوٹی تھی مگر احترام اتنا کرتی تھی جیسے میں کوئی بیس سال بڑا ہوں، بہت اچھی تھی میری بہن۔ اسی لیے تو ہم لوگ چاہتے تھے کہ اس کی شادی میرے چھوٹے بھائی سے ہوجائے مگر دونوں گھرانوں میں اتنے اختلافات تھے کہ یہ رشتے داری ممکن نہ ہوسکی پھر اس کی شادی اکبر سے ہوگئی۔ یہ ہمارے بھی رشتے دار تھے اور انہی کی وجہ سے عظمیٰ لوگوں سے ہمارے اختلافات ہوئے تھے۔ بس بیٹا جب اس کی شادی ہوگئی گویا جدائیوں کا ختم نہ ہونے والا سفر شروع ہوگیا۔ آہ..... عظمیٰ، میری بہن ہم سے ملنے کے لیے تڑپتی مچلتی رہی مگر...... آہ......!" شجاع الدین باقاعدہ آنسوؤں سے رو رہے تھے اور ذورین جس نے اپنی مما کی گود کی گرمی کو ابھی محسوس بھی نہیں کیا تھا اور وہ جدا ہوگئی تھیں جعلی ماموں کی من گھڑت کہانی کے شیشے میں اتر کر آبدیدہ ہوگیا تھا۔ اسے اس سے قبل کبھی اپنے والدین کی اتنی یاد نہیں آئی تھی مگر جب سے رفیق، عثمان اور عاتکہ کے غیر ہونے کا پتا چلا تھا، اسے اپنے مما پپا شدتوں سے یاد آئے تھے اور ان کے کسی قریبی رشتے دار کی شدت سے طلب ہونے لگی تھی جو شجاع الدین کے مل جانے سے پوری ہوگئی تھی۔ وہ ان کو کسی صورت کھونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ بڑی دلچسپی اور انہماک سے ان کی باتیں سنتا اور شجاع الدین بڑی کامیاب اداکاری کے ذریعے اس کے اندر اترتے جارہے تھے۔

"اوہو ذورین، تم کب آئے؟" اسی وقت رافع اندر داخل ہوا تو شجاع الدین نے جلدی سے خود کو نارمل کرلیا تاکہ اس کو کسی بات کا پتا نہ چل سکے..... وہ رافع سے بہت خائف رہتے تھے۔

"ویسے لپیٹ چکے...... یا ڈور باقی ہے؟" رافع نے ایک معنی خیز نگاہ شجاع الدین پر ڈالی اور ذورین سے ہاتھ ملاتا ہوا بیٹھ گیا۔ ذورین اس کی بات کے معنی سے کوسوں دور بس مسکرا کر رہ گیا۔

"تم اتنی جلدی آگئے؟ میرا مطلب ہے رافع بیٹے تم نے تو آج شام تک آنا تھا؟" شجاع الدین کو اس کا اتنی جلدی لوٹ آنا وہ بھی ذورین کی موجودگی میں اچھا نہیں لگا تھا۔ پہلے تو ذرا ترش لہجے میں بولے پھر ذورین کا خیال کرکے محبت آمیز انداز اختیار کرلیا۔

"جی، پروگرام تو کچھ ایسا ہی تھا مگر ذورین کی کشش کھینچ لائی ہے...... اور ذورین! ٹھیک ٹھاک؟ انکل آنٹی کیسے ہیں؟ اور...... نیلو...... نیلو کیسی ہیں؟" رافع بڑی لگاوٹ اور دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔ نیلو کا ذکر کرکے کچھ توقف کیا تو چہرے پر عجیب سی اترتی کیفیت کے رنگ کو ذورین نے پل بھر کو محسوس کیا۔ ایک ناگوار سا احساس ابھرا اور ہمیشہ کی طرح اس نے اسے غیراہم قرار دے کر پرے دھکیل دیا۔

"ہاں، سب ٹھیک ہیں پر فضہ اور نوشی نظر نہیں آرہیں؟" ذورین نے دانستہ موضوع بدلا مبادا وہ ان کے بارے میں مزید سوالات شروع کردے اور وہ ان کو اہمیت دینا ہی نہیں چاہتا تھا۔

"او، ہیلو ذورین! کب آئے؟" ابھی ذورین کی بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ فضہ آگئی رافع مسکرا دیا۔

"لیجیے آگئیں یہ وہ ہیں کہ ادھر نام لیا ادھر حاضر۔ ویسے یہ بات ایٹی کیٹس کے خلاف ہے کہ آپ کسی سے اس کی عمر پوچھیں۔"

"میں نے کس سے عمر پوچھی ہے بائی داوے؟" فضہ نے دانت پیس کر کہا۔

"لو ابھی تم کہہ نہیں رہی تھیں او ہیلو ذورین کب آئے؟ اب اگر وہ تم سے پوچھیں کہ آنٹی آپ کی عمر کیا ہے تب؟"

رافع منہ بگاڑ کر اس کی نقل اتار رہا تھا۔ فضہ کو غصہ تو شدید آیا مگر پی گئی۔ اس سے بات کرنے کے بجائے شجاع کی طرف پلٹی۔

"ہاں ابو! وہ میں بتانا بھول گئی وہ ہمارے مالک مکان کا فون آیا ہے۔" فضہ ایک دم بولی تو رافع چونک گیا۔

"مالک مکان کا......؟ یعنی کہ ہمارے مالک مکان...... کون سا مکان؟ کون سے مالک مکان؟"

شجاع الدین اٹھ کر جاچکے تھے۔ رافع فضہ کو چڑا رہا تھا۔ فضہ نے بڑھ کر اس کے پاؤں پر پاؤں مارا تو وہ وہیں قالین پر پاؤں پکڑ کر لوٹنے لگا۔ ذورین اور فضہ اسے دیکھنے لگے۔

"ہائے میری دائیں ٹانگ کا اکلوتا پاؤں ہائے......! اب میری ٹانگ کیسے چلے گی۔ ظالم لڑکی ستم ڈھانا ہی تھا تو چھوٹی سی آنکھ ماردی ہوتی من بھر کا پاؤں کیوں مارا؟ ہائے، میری ٹانگ......!"

"رافع! تمہیں کسی سرکس میں ہونا چاہیے تھا۔ تمہارے کمالات سے لوگ بہت محظوظ ہوں گے۔ آپ فکرمند نہ ہوں ذورین! یہ ایسے ہی ہیں۔ آپ بھی آہستہ آہستہ عادی ہوجائیں گے۔" فضہ پریشان ہورہی تھی۔ ذورین کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس دلچسپ صورت حال پر مسکرا رہا تھا۔

"کیا...... کہا عادی......! توبہ...... توبہ...... لڑکی کیوں اسے نشے کا عادی بناتی ہو اور......"

ابھی رافع کی بات جاری تھی کہ شجاع الدین بہت پریشان چہرہ بنائے آ گئے۔ رافع نے ایک طنزیہ نظر ان پر ڈالی اور کھڑا ہو گیا۔

"کیا کہہ رہے تھے مالک مکان صاحب!" رافع براہ راست ان سے پوچھ رہا تھا اور وہ اس سے نگاہیں چرا رہے تھے۔

"کیا کہنا ہے' حسب معمول غصے میں تھے۔" شجاع الدین نے چور لہجے میں کہا۔

"ہائیں' غصے میں تھے! یہ انہوں نے لباس کب سے بدل لیا میں نے تو ان کو ہمیشہ تائی اور شالی میں دیکھا ہے۔"

"رافع! ہر وقت مذاق اچھا نہیں لگتا۔ میں پہلے ہی پریشان ہوں کہ اب کیا ہوگا؟"

"وہی' جو ہوتا ہے یعنی وہی ہوگا جو منظور خدا ہوگا۔" شجاع الدین پریشانی کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ رافع نے ایک نظر ان کو دیکھا اور فضہ کو منہ چڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔ اب فضہ اور شجاع الدین کے لیے میدان صاف تھا۔

"ماموں جان! یہ گھر آپ کا اپنا نہیں ہے؟" رافع کے جاتے ہی ذورین نے پریشان شجاع الدین کو دیکھا تو اس نے مزید مظلوم تاثرات جا لیے چہرے پر۔

"کہاں بیٹا! اپنا گھر ہوتا تو ہم اتنے پریشان ہوتے؟ کینیڈا سے لٹ لٹا کر آئے تو اتنی آسودگی نہیں تھی کہ اپنا گھر ٹھکانا بناتے۔ ایک دوست نے یہاں رکھ لیا بغیر کرائے کے مگر شومئی قسمت' اس کو بھی امریکا جانا پڑ گیا تو اس نے یہ مکان ایک اور صاحب کے ہاتھ فروخت کر دیا تو لامحالہ ہمیں اس کے مالک کو کرایہ دینا پڑا اور اب بزنس تو کوئی ہے نہیں جو تھوڑا بہت ہوتا ہے بمشکل کرایہ ادا کر پاتے ہیں مگر پچھلے دو ماہ سے کرایہ ادا نہیں ہوا تو وہ باتیں سناتا ہے۔ میں نے کچھ دوستوں سے کہہ رکھا ہے بندوبست ہو جائے گا تو رقم اس کے منہ پر مار دوں گا۔" شجاع الدین جتنی مکاری سے اپنی غربت اور بے چارگی کا اظہار کر سکتے تھے کر رہے تھے اور ذورین کے خون میں ان کی ہمدردی اور محبت کے اتنے جوش آ رہے تھے کہ وہ فوری طور پر ان کے لیے کچھ کرنا چاہتا تھا مگر فی الحال وہ اپنی جیب سے تو ان کی کچھ مدد کر سکتا تھا مگر بزنس یا مکان کے سلسلے میں اسے عثمان صاحب سے بات کرنی پڑتی اس کے لیے وہ باقاعدہ ایک پلان تیار کرنا چاہتا تھا عمار سے مشورہ کر کے۔

"ارے ماموں جان! آپ اتنے بھی فکرمند نہ ہوں اللہ مسبب الاسباب ہے ہو جائے گا کچھ نہ کچھ۔"

اس نے باقاعدہ ان کا ہاتھ تھام کر تسلی دی تو مارے دکھ' پریشانی اور مظلومیت کے ان کا منہ گرنے والا ہو گیا۔

"ذورین تم اب ہمارے اپنے ہو اسی لیے میں بتا رہی ہوں کہ ہم پر کیا گزری ہے۔ وہاں کینیڈا میں ابو کے بزنس پارٹنر نے ابو کو بڑی مکاری سے بزنس سے جدا کر دیا۔ اتنا بے بس کر دیا کہ ایک پرائے ملک میں ہمارا رہنا دشوار ہو گیا اور ہمیں یہاں آنا پڑا۔ بس یہاں نئی سیٹلمنٹ بہت مشکل ہو رہی ہے۔ اوپر سے ابو بیمار بھی رہتے ہیں۔ ابو' آپ اتنا بھی اثر نہ لیا کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ۔ ذورین! آپ کو پتا ہے' ابو ہائی بلڈ پریشر کے مریض ہیں اور انجائنا کی تکلیف بھی ہے مگر پھر بھی اتنا اثر لیتے ہیں ہر بات کا کہ کیا بتاؤں۔"

فضہ اپنے باپ کی بیٹی تھی' بے بنیاد باتوں میں حقیقت کا رنگ اتنے بھرپور انداز میں بھر رہی تھی کہ باپ بیٹی کو داد دیتی نظر سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ارے بیٹی! یہ فکریں بھی تو میری ہیں ناں۔ اب تم دونوں بہنوں کی ذمے داری ہے مجھ پر۔ میں نہ پریشان ہوں گا تو کون ہوگا۔ سوچتا ہوں مر...... مر گیا...... تو تم دونوں بہنوں کا کیا ہوگا یہ...... یہ رافع کو دیکھا تم نے؟ ذورین بیٹے! اسے میں نے بہن بہنوئی کی موت کے بعد اپنی سگی اولاد سے بڑھ کر چاہا مگر اس کی باتیں تم سنتے ہو ناں' کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا ہمیں ذلیل کرنے کا۔ کیا ہوگا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا جب سے تم ملے ہو بیٹے کی کمی کا احساس کم ہو گیا ہے ورنہ تو......"

شجاع الدین اپنے مقصد میں کافی حد تک کامیاب ہو گئے تھے۔ ذورین کا بس چلتا تو ابھی ان کو گھر لے جاتا مگر کچھ پابندیاں تھیں وہ لاکھ عثمان اور عاتکہ سے متنفر ہوتا مگر پھر بھی ایک انجانا سا لحاظ تھا کہ وہ ان کی عزت کرنے اور بات کا احترام کرنے پر مجبور تھا۔

"ماموں جان' آپ بالکل بھی فکر نہ کریں میں ہوں ناں آپ کا بیٹا۔ رافع کچھ بھی کہتا رہے میں اڑ کب لیتا ہوں۔ ابھی فی الحال یہ رکھیے میں آپ کی خدمت کی پوری کوشش کرتا رہوں گا۔ بس' آپ اپنا خیال رکھا کریں۔"

ذورین نے رات ہی عاتکہ سے ضروری شاپنگ کے لیے پانچ ہزار لیے تھے وہ اس نے شجاع الدین کے ہاتھ پر رکھے تو وہ یوں تڑپ کر اٹھے کہ جیسے اس نے سانپ رکھ دیا ہو ہتھیلی پر۔

"یہ...... یہ کیا کر رہے ہو بیٹے' میں نے تمہیں اپنے زخم اس لیے نہیں دکھائے کہ تم اس طرح اپنی ضرورت کی رقم مجھے دے دو یہ سب تو میں نے اس لیے کہا کہ تم میرے بیٹے ہو وہ باتیں جو بندہ اپنے بیٹے سے کہہ کر مطمئن ہوتا ہے وہ میں...... نہیں بیٹے! ہرگز نہیں' مجھے تمہاری محبت اور فرماں برداری کی ضرورت ہے بیٹے۔ ان پیسوں سے بھلا میرا کیا سنور سکتا ہے یہ تمہاری پاکٹ منی ہے بیٹے تم استعمال کرو بلکہ اگر ضرورت ہو تو مجھ سے لے لیا کرو۔ میں جانتا ہوں کہ تم پرائے ہاتھوں میں ہو۔ میں تو جیسے تیسے گزارہ کر ہی رہا ہوں آگے بھی اللہ مالک ہے۔" شجاع الدین نے وہ پیسے اس کے ہاتھ پر رکھے تو

وہ کچھ پشیمان ہو گیا کہ کیا ضرورت تھی اتنی معمولی رقم ماموں جان کو دی۔ وہ کیا خیال کریں گے۔ اسی ملال کے ساتھ وہ دل میں یہ سوچتا ہوا کہ اپنے ان ماموں جان کی بھرپور مدد کرے گا اٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھ فضہ اور شجاع الدین بھی کھڑے ہو گئے۔

"ارے ماموں جان! آپ بیٹھے ناں پھر فضہ! کیا پروگرام ہے چلنا ہے ناں ہماری طرف؟"

"ہماری طرف کیا مطلب ہے' فون پر تو آپ نے کہا تھا کہ شاپنگ کرنے جانا ہے تو میں نے اپنا شاپنگ کا پروگرام ڈراپ کر دیا تھا کہ تمہارے ساتھ ہی جاؤں گی......" فضہ ایک دم ہی آپ سے تم پر اتر آئی تو ذورین کو مزید اپنائیت کا احساس ہوا۔ وہ جھک کر میز پر سے چابی اٹھا کر اس کی طرف گھوما۔

"جناب' ہم شاپنگ کرنے ضرور جائیں گے مگر گھر پر مجھے ذرا کام ہے۔ وہاں سے ہو کر پھر جائیں گے شاپنگ کرنے۔"

"او کے!" فضہ ایک دم خوش ہو گئی۔ اسی وقت رافع اور نوشی بھی آ گئے تو فضہ نے بہت برا سا منہ بنایا۔

"بات سنو! اتنا منحوس منہ نہ بنایا کرو بالکل جمائی لیتی مینڈکی لگتی ہو۔ یار ذورین! تم نے کبھی جمائی لیتی مینڈکی کو دیکھا ہے؟ یقین کرو فضہ کی جڑواں بہن لگتی ہے۔" وہ فضہ کے قریب آ کر بولا تو وہ اسے گھورنے لگی۔

"یہ تم لوگ کہاں جانے کی تیاری کر رہے ہو؟" نوشی نے ذورین اور فضہ کو دیکھا۔

"ذورین کے گھر جا رہے ہیں ذرا۔" فضہ نے دانت پیس کر کہا۔ شاپنگ کو دانستہ چھپا گئی۔

"ہوں' ریکی! پریوں کے اس دیس تو ہم بھی جائیں گے۔" رافع ایک دم خوش ہو گیا۔ چشم تصور میں نیلو کا خوب صورت سراپا گھوم گیا۔ ذورین اسے دیکھنے لگا مگر اتنی دیر میں فضہ تیار ہو کر آ گئی۔

"چلیں......؟" فضہ ذورین کے قریب کھڑی ہوئی تو رافع نے شرارتاً ہاتھ آگے کر دیا۔

"چلیے۔" وہ نوشی کو دیکھ کر ذو معنی انداز میں مسکرایا تو فضہ نخوت سے پیچھے ہٹی۔

"منہ دیکھا ہے کبھی آئینے میں؟" وہ ذورین کے مزید قریب ہو گئی۔

"دیکھ تو رہا ہوں ان بے رنگ بٹنوں میں......" وہ آنکھیں بھینچ کر کے فضہ کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا تو ذورین بھی مسکرا دیا۔ فضہ کھسیانی ہو کر مسکرانے لگی۔

"چلو یار! دیر ہو جائے گی۔"

"اچھا ابو کھانا میں نے تیار کر کے رکھ دیا ہے۔ شانو سے کہہ کر گرم کروا لیجیے گا اور میڈیسن یاد سے لے لیجیے گا۔"

فضہ نے بڑی ذمے دار اور فرماں بردار بیٹی کی طرح کہا تو شجاع الدین شاید رافع کی موجودگی کو بھول گئے تھے بلاوجہ ہی کھانستے ہوئے سینہ مسلنے لگے جیسے ان کو بہت تکلیف ہو۔

"ہائیں...... یہ ماموں کو ہارٹ اٹیک کب ہوا؟ نوشی' مجھے اور تمہیں تو خبر ہی نہ ہوئی۔ یہاں نہیں ماموں! یہاں دل دائیں طرف نہیں بائیں طرف ہوتا ہے ہاں جی یہاں......!" بے دھیانی میں شجاع الدین کو خیال ہی نہیں رہا۔ وہ دائیں جانب سینہ مسلتے رہے تو رافع نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ دائیں کے بجائے بائیں جانب کر دیا تو وہ کھول کر رہ گئے۔ فضہ بھی اسے گھورنے لگی پھر یہ سب وہاں سے آ گئے۔

ان کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو رافع کی پہلی نگاہ لان میں بیٹھی نیلو پر پڑی۔ گلابی لباس میں وہ چہرے سے تھکی تھکی اور مضمحل سی لگ رہی تھی۔ جب سے یہ لوگ زندگی میں آئے تھے۔ وہ ذورین کی لڑائی نوک جھوک کو بھی ترس گئی تھی کیونکہ اس کی ہر شام اب شجاع الدین کے ہاں گزرتی تھی اور وہ یا تو پڑھتی رہتی یا پھر بور ہوتی رہتی۔ گھر میں ملازمے بھی تو اتنے ہوتے تھے کہ وہ گھبرا جاتی۔ آج ہی وہ ٹیسٹ سے فارغ ہوئی تھی۔ پڑھائی کی تھکن کا خمار ابھی آنکھوں میں تھا۔ ان لوگوں کو دیکھ کر اسے خوشی ہوئی رافع اور نوشی سے اس کی اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی یا یوں کہنا چاہیے کہ تینوں کا گروپ بن گیا تھا جبکہ فضہ اور ذورین الگ الگ ہی رہتے تھے۔ ذورین جان کر فضہ کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا تو اک ٹیس دھیرے سے ابھری جو نیلو نے مسکراہٹ میں دبالی۔

"السلام علیکم! ڈاکٹر صاحبہ کہاں گم ہیں؟" رافع نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ کھڑی ہو گئی۔

"وعلیکم السلام! اس وقت میں واقعی آپ لوگوں کو یاد کر رہی تھی۔" اس نے صاف گوئی سے اعتراف کیا تو رافع کے دل کی کلی جیسے کھل سی اٹھی۔ یہ انسانی کمزوری ہے کہ جسے وہ خود پسند کرتا ہے اس سے بہت سی باتیں' خواہشیں وابستہ کر لیتا ہے پھر دوسرا چاہے کسی اور ہی زاویے سے بات کر رہا ہو چاہنے والا اسے اپنی پسند اور خواہش کا جامہ پہنا کر خوش ہو جاتا ہے۔

"زہے نصیب کہ آپ نے ہمیں یاد کیا آپ اسی طرح ہمیں یاد کرتی رہا کریں۔"

"اور نوشی کیا ہو رہا ہے؟ انکل کیسے ہیں؟ وہ کیوں نہیں...... ارے رافع' آپ کھڑے کیوں ہیں......؟"

نیلو نوشی سے بات کر رہی تھی کہ اچانک رافع کا خیال آیا جو ابھی تک کھڑا تھا۔

"اس لیے کہ میں بیٹھا نہیں۔ لڑکی! کوئی سوال بھی تک سے کیا کرو اور ہاں' سنو لڑکی میں اتنا بھی تمہارا...... بزرگ نہیں کہ آپ جناب لگا رکھی ہے؟ دس بارہ سال کی الگ بات ہے۔ یوں بھی تکلف مجھے اپنا رقیب لگتا ہے لہٰذا ہمیں صرف رافع ہی کہا کرو۔"

رافع ایسا ہی تھا' صاف گو اور نیک نیت کا اچھا سلجھا ہوا نوجوان جس نے زندگی میں بہت محرومیاں دیکھی تھیں۔ جب سے جوان ہوا تھا تو سب کی طرح اس کا بھی ایک آئیڈیل تھا جو اسے نیلو کے روپ میں نظر آ گیا تھا۔ وہ اسے پہلی نظر ہی میں اچھی لگی تھی۔

''اچھا چلیے' ایسا ہی سہی...... مگر میرے خیال میں...... میں نے آپ کو رافع بھائی تو کبھی نہیں کہا۔''

''واٹ......! کہنا بھی نہیں ورنہ گولی ماردوں گا فضہ کو......'' اس وقت ذورین اور فضہ باہر آئے تو رافع نے فضہ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا تو دونوں ان کی طرف آ گئے۔ دونوں ساتھ ساتھ چل کر قریب آ رہے تھے۔ ذورین بہت خوش لگ رہا تھا اور اس وقت کتنا اسمارٹ لگ رہا تھا۔ نیلو بس دیکھتی رہ گئی۔ اس نے بھی ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی اور نوشی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''نوشی تمہیں چلنا ہے تو چلو۔'' اس نے رافع اور نیلو کو اگنور کر کے نوشی کو دعوت دی تو نوشی نے ان دونوں کو دیکھا۔

''آپ لوگ جائیں۔ اگر میرے ساتھی نہیں جائیں گے تو میں بھی نہیں جاؤں گی۔'' نوشی نے خاصی بدلحاظی سے دعوت ٹھکرا دی۔

''ویسے آپ لوگ خیر سے جا کہاں رہے ہیں؟'' رافع نے کمر پر ہاتھ رکھ کر دونوں کو گھورا۔

''ہم......ہم ذرا شا......'' قریب تھا کہ ذورین اپنا پروگرام بتاتا نیلو نے دیکھا' فضہ نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے چپ رہنے کا حکم دیا تو ذورین کی زبان پر الفاظ کے معنی اچانک ہی بدل گئے۔ نیلو کے دل میں اک ٹیس سی ابھری۔

''ہاں' وہ ہم ذرا بیچ پر جا رہے ہیں۔'' ذورین کے بجائے فضہ نے بتایا تو رافع اس کی طرف گھوم گیا۔

''ہیں' واقعی! ویسے اگر غیرت میسر ہو تو چلو میں پانی بھر یئے' دیکھیے بھی اور ڈوب بھی جایئے لیکن اگر آپ اس نعمت سے محروم ہوں تو وسیع سمندر بھی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ کیوں ڈاکٹر صاحبہ!''

رافع نے حسبِ عادت نیلو سے اپنی بات کی تصدیق چاہی تو اس نے ایک گہرا سانس لیا اور ذورین کو دیکھا جس نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی اور فضہ کو دیکھنے لگا۔

''رافع' بات یہ ہے کہ اگر فضہ ساتھ نہ ہوتی تو میں آپ کی رائے پر اپنی ہاں کی مہر ثبت کر دیتی مگر اب مجبوری ہے۔ او کے فضہ! آپ لوگ جائیں آپ لوگوں کو دیر ہو رہی ہے۔'' نیلو نے فضہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے مسکرا کر ہاتھ ملایا اور پھر دونوں گیٹ کی جانب بڑھے۔ نیلو آنکھوں میں اترتی دھند میں ذورین کی پشت کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کا کبھی بھی نہیں تھا۔ اتنا تو اسے یقین تھا مگر کسی اور کا بھی تو نہیں تھا۔ یہ احساس ہی دل میں درد جگا گیا تھا۔

''ذورین لوٹ آؤ پلیز! لوٹ آؤ!'' نہ جانے کس دھڑکن نے اختیار اور ضبط کی سرحدوں کو توڑا اور چپکے سے ذورین کو پکارا تو عین اسی وقت ذورین نے پلٹ کر اسے دیکھا اور کچھ دیر دیکھتا ہی رہا۔ نیلو پشیمان سی ہو کر سوچنے لگی کہ ہونٹوں کے قفل تو ہنوز بند تھے پھر یہ سرگوشی کہاں سے ابھری کہ وہ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ وہ نادم سی اندر کی طرف چل دی۔

''چلیے ناں ذورین! دیر ہو رہی ہے۔'' اس نے سنا فضہ اصرار سے کہہ رہی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ فضہ ذورین کا بازو بے تکلفی سے پکڑے اسے لے جا رہی تھی۔ وہ ٹیسوں کو دباتی اندر آ گئی۔

''وہ لوگ چلے گئے تم بھی بور ہو کر آ گئی ہو۔ یار نیلو! یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔''

رافع نے اس کے چہرے پر اترتی شام کو دیکھ لیا تھا۔ وہ بھی اداس ہو گیا۔

''ہاں نیلو یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ ہم لوگوں کی کوئی ویلیو ہی نہیں۔ جاؤ ہم تم سے کٹی...... کٹی ہیں۔''

نوشی نے باقاعدہ بچوں کی طرح کٹی کی تو نیلو کو اپنی خود غرضی پر غصہ آ گیا۔ بھلا ہمیں کہاں یہ زیب دیتا ہے کہ اپنی ذات کے لیے کسی دوسرے کی خوشی خراب کریں اس نے روٹھے ہوئے اپنے دوستوں کو دیکھا۔

''پتا ہے اس وقت تم دونوں روٹھے ہوئے بندر بندریا لگ رہے ہو۔'' اس نے نوشی کو گدگدا دیا تو رافع اٹھ کر واقعی بندروں کی طرح خارش کرنے لگا' حرکتیں کرنے لگا تو دونوں ہنستے ہنستے بے حال ہو گئیں۔

''بس کرو بن مانس کہیں کے۔'' نیلو ہنستے ہوئے بولی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کچھ دیر کے لیے رک کر رافع اسے دیکھے گیا۔

''اسی ایک لڑکی کی زندگی میں کمی تھی شاید۔'' اسے دل فریب سا' لطیف سا احساس جھونکے کی طرح چھو گیا تو وہ دھیرے سے مسکرا پڑا پھر تینوں نے خوب انجوائے کیا۔ کیرم کی بازیاں جمی رہیں۔ رافع جی بھر کر لڑکیوں سے بے ایمانیاں کر رہا تھا۔

''اور......اور ناظرین......! ایک بار پھر فتح رافع حسین کا مقدر ہوئی اور یہ...... یہ کوئن ان کی ہو گئی۔''

اس بار بھی اس نے دھاندلی سے کوئن حاصل کر لی تو نوشی غصے سے چلا اٹھی۔

''رافع! تم بہت بے ایمان ہو۔''

''ہاں' پہلے تو نہیں تھا اب کچھ بے ایمانیاں کرنے کو دل چاہنے لگا ہے۔'' اس نے گہری سی نگاہ نیلو پر ڈالی جو اندر آتے دسو کو دیکھ رہی تھی جس کے ہاتھ میں چائے اور لوازمات تھے۔

"چائے گل گئی ہے تمہاری۔"

"پتا نہیں نیلو بی بی! چکھ کر دیکھ لیں ویسے ہڈیاں تو خوب گل گئی ہیں البتہ گوشت ابھی کچا ہے۔"

"اچھا زیادہ باتیں نہ بناؤ یہ مما کہاں ہیں؟" نیلو نے چائے نوشی اور رافع کو دیتے ہوئے کہا۔

"وہاں ہیں جہاں سے ان کو کوئی بلا نہیں سکتا۔ میرا مطلب ہے وہ کچن میں ہیں۔ بلاؤں.....؟"

"نہیں رہنے دو۔ یہ دسو بولتا تو بہت زیادہ ہے مگر ہے بہت اچھا اور وفادار۔ بہت خیال رکھتا ہے پپا کا اور ہمارا۔"

دسو کے جانے کے بعد نیلو ان کو بتا رہی تھی۔

"کیا خیال ہے ہم بھی باہر چلیں؟" چائے پیتے ہی نیلو نے قرارداد پیش کی تو رافع اسے دیکھنے لگا۔

"ابھی تو باہر سے آئے ہیں۔" نیلو سمجھ گئی کہ وہ اس کی بات کا مطلب سمجھ گیا ہے۔

"میں کمرے سے باہر کی بات نہیں کر رہی۔"

"اور ملک سے باہر جانے کا میرا کوئی موڈ نہیں ہو رہا اس وقت۔" وہ کشن سر کے نیچے رکھ کر نیم دراز ہو گیا۔

"او کے! تم آرام کرو ہم اور نوشی آئس کریم کھانے جاتے ہیں۔ آؤ نوشی!"

"جاؤ..... جاؤ میرا آئس کریم کھانے کا کوئی موڈ نہیں ویسے بھی یار! دانتوں میں پھنس جاتی ہے تو گھنٹا بھر نکالتے رہو۔"

وہ اسی طرح الٹی سیدھی ہانکتا رہا۔ نیلو اور نوشی باہر آ گئیں۔

"دسو! میں مما کے پاس کچن میں جا رہی ہوں۔ گاڑی کا تیل پانی چیک کرو سائیڈ ٹیبل پر چابی پڑی ہے۔"

یہ کہتی ہوئی نیلو عائکہ کے پاس گئی۔ اجازت لے کر دونوں پورچ میں آ گئیں۔

"لگتا ہے رافع کا واقعی موڈ نہیں جانے کا۔" نیلو نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔

"ہارن دو زور زور سے آ جائے گا۔" نوشی کے مشورے پر اس نے تین بار زور زور سے ہارن دیا۔ وہ نہیں آیا تو دونوں نکل گئیں۔ شام' رات کے اندھیروں میں بدل رہی تھی۔ لائٹس آن ہو چکی تھیں۔

"رافع آ جاتا تو اچھا تھا۔ بوریت ہو رہی ہے اس کے بغیر۔" نیلو نے گیئر بدلتے ہوئے کہا۔

"مجھے تلاش تھی جس کی وہ ہم سفر تم ہو مرے حسین خیالوں کی..... رہ گزر تم ہو!"

پیچھے چھپ کر بیٹھا رافع ایک دم اچک کر نیلو کی سیٹ کے قریب ہو کر گنگنانے لگا تو دونوں خوف زدہ ہو کر پوری مڑ گئیں۔

"رافع تم!" دونوں پوری مڑی ہوئی تھیں۔ نیلو تو یہ بھی بھول گئی کہ وہ ڈرائیونگ کر رہی ہے۔

"نیلو آگے دیکھو۔" نوشی چلائی مگر بے دھیانی کام دکھا گئی تھی ایک ساتھ کئی چیخیں ابھریں۔

☆☆☆

اس روز کے بعد ماہ ما جیسے زندہ لاش بن گئی تھی۔ اس کے اندر سے جیسے سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ دل دھڑکنوں سے خالی اور دماغ سوچوں سے خالی ہو گیا تھا۔ اب تو بس وہ دھڑکنیں تھیں جو اس کے زندہ ہونے کا ثبوت دے رہی تھیں۔ اس کی وہ شوخی و رنگینی ختم ہو چکی تھی۔ اس کے اندر کی دنیا میں ایسی برف جمی تھی کہ سب کچھ فریز ہو گیا تھا احساسات سمیت۔ اب تو وہ روبوٹ بن گئی تھی۔ اندر ایک جو آگ لگی ہوئی تھی' شہرام کے سرد رویے نے اسے بھی بجھا دیا تھا۔ آگ کی تپش سے تو حرارت محسوس ہوتی تھی اس ستم گر نے اسے بھی بجھا دیا تھا۔ اس کا شبستان اجڑ چکا تھا۔ خوابوں کا جزیرہ ویران ہو چکا تھا۔ طوفانی لہریں ان کو بہا کر ساتھ لے گئی تھیں۔ وہ تو ساکت ہو کر اپنے ارمانوں کے گھر کو جلتے ہوئے دیکھتی رہی تھی۔ اس گھر کو' جس کے لیے اس نے شہرام کے ساتھ مل کر خواب بنے تھے۔ زندگی ایک ساتھ گزارنے کے خواب اور نہ جانے کون کون سے خواب بنے تھے مگر اب تو سب کچھ ختم ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ شہرام کی محبت کے حصار سے کیا نکلی گویا بے وزن ہو گئی۔ وہ خود کو بے دل سا محسوس کرنے لگی مگر پھر اس نے اپنی زندگی کا رخ روٹین لائف کی جانب موڑ دیا۔ محبت تو مر چکی تھی سرد خانے میں پڑی ارمانوں کی لاش پر وہ نوحہ کناں ہوتی تھی' تمناؤں کی قبر پر اشکوں کے دیے بھی روشن کرتی تھی مگر کسی احساس کے بغیر۔ اب تو ایک ہی احساس باقی تھا توہین کا احساس' ذلت کا احساس' اپنے کمزور پڑ جانے کا احساس' شہرام کے سامنے جھک کر ندامت کا احساس اپنی بات کا بھرم کھو جانے کا احساس۔ بس یہی ایک دل سوز احساس تھا کہ وہ اس سنگدل کے سامنے اتنا کیوں جھکی' کیوں گڑ گڑائی۔ اتنا کیوں جھک گئی کہ زمیں بوس ہو گئی۔ اپنی انا' خودداری کو اس کے قدموں میں کیوں رکھ دیا تھا جس پر وہ سفاکی سے پاؤں رکھ کر گزر گیا تھا۔

"تم اگر پتھر ہو سکتے ہو شہرام! تو میں بھی ہو سکتی ہوں۔ نفرت ہے تم سے سنا تم نے۔ I HATE YOU!"

اس نے زور سے کھڑکی کے پٹ بند کیے یوں جیسے شہرام پر دل کے دروازے بند کیے ہوں پھر وہ بیڈ پر گر کر آخری بار محبت کی قبر پر دل کھول کر رو دی۔ اتنا کہ کوئی قطرہ باقی نہ بچا پھر وہ اٹھی واش روم میں گھس گئی۔ باہر نکلی تو وہ خود کو بہت فریش محسوس کر رہی تھی یوں جیسے اس کے دل و دماغ پر کوئی بوجھ نہ تھا جیسے اسے کچھ یاد ہی نہ ہو کہ کیا ہوا تھا اس کے ساتھ۔ وہ ایک مدت کے بعد آئینے کے سامنے

کھڑی ہو گئی تو اپنا آپ اسے نیا اور اجنبی لگا۔ اس نے تیز پرفیوم کیا بالوں میں برش مار کر باہر آ گئی پھر آہستگی سے سیڑھیاں اتر کر لاؤنج میں آئی تو پہلی نظر اس ستم گر پر پڑی جو ٹی وی پر کرکٹ میچ دیکھ رہا تھا۔ اس حوالے سے ایک یاد جھونکے کی طرح چھو کر گزر گئی۔ وہ اعتماد سے قدم اٹھاتی سیڑھیوں کے درمیان میں پہنچی تو سامنے سے ہما آ گئی' اس پر نظر پڑتے ہی وہ چیخ کر اس کی طرف بڑھی۔

''واؤ! ماشاء اللہ' ماشاء اللہ ماہ ما......! یہ تم ہو؟'' ہما تیزی سے بولتی اس کے قریب پہنچ گئی تو اسی وقت شہرام نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ کچھ دیر کے لیے وقت ٹھہر سا گیا۔ وہ بہت فریش لگ رہی تھی۔ چہرے پر عجیب طرح کا اطمینان تھا۔ کچھ دیر وہ دیکھتا رہا اسی وقت ماہ ما کی نظر اس پر پڑی تو اس کی چال میں مزید اعتماد آ گیا۔

''ہما......! مما نظر نہیں آ رہی ہیں' کہاں ہیں؟'' وہ شہرام کو اگنور کرتی ہما سے باتیں کرتی یوں پاس سے گزر گئی جیسے جانتی ہی نہ ہو۔ وہ اذیت کے اس موڑ کو کراس کر آئی تھی۔

''وہ تو دادی جان کے کمرے میں ہیں۔ آؤ' تم بھی چلو۔ دادی جان تو بس...... خیر چلو تمہیں بہت یاد کرتی ہیں۔ اب تو ان سے بات بھی نہیں ہوتی بہت کم بات کرتی ہیں۔'' ہما تو اس کی تبدیلی پر بے حد خوش تھیں۔

''ہاں' کیا بات کریں وہ بھی باتیں ہی ختم ہو گئی ہیں ساری۔ آؤ چلو۔'' ماہ ما کھوسی گئی پھر فوراً ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر دادی جان کے کمرے میں آ گئی۔

''ماہ ما! میری جان میری گڑیا......! یہ...... یہ تم ہو۔'' عفت جہاں کی خوشی دیدنی تھی۔ وہ اس کو ساتھ لگا کر پیار کرنے لگیں۔ اس کی تبدیلی سب کو بہت اچھی لگی تھی۔

''آپ کیسی ہیں دادی جان!؟'' وہ نحیف سی دادی جان پر جھک گئی تو وہ جو بیٹے کی موت کے بعد مسلسل بیماریوں کی زد میں تھیں کچھ عرصہ قبل ہونے والے فالج نے ان کو بالکل ہی مجبور کر دیا تھا اس وقت وہ اپنی لاڈلی اکلوتی پوتی کو ساتھ لگائے روئے جا رہی تھیں۔ وہ ہچکیوں کے ساتھ' جھٹکوں کے ساتھ رو رہی تھیں۔ بے شمار یادیں آنسوؤں میں ڈھل کر اور بھی واضح ہو گئی تھیں۔ کیا سوچا تھا' کیا چاہا تھا اور کیا ہو گیا تھا۔

''میرے اللہ...... اللہ!'' دادی جان کی زبان پر بس اللہ' اللہ ہی رہتا۔ انہوں نے ماہ ما کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ ان کے آنسو ماہ ما کے دل پر گرتے رہے مگر اپنی پلکیں خشک رہیں۔ وہ ان کا ہاتھ تھامے ان کو تسلیاں دیتی رہی۔

''دادی جان! حوصلے اور صبر سے کام لیجیے۔ یہ زندگی ہے اس میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ انسان ہمیشہ خوش رہے۔ ہنستا ہی رہے اسے کوئی غم نہ ملے' کسی محرومی کا سامنا نہ کرے' ایسا تو نہیں ہو سکتا ناں...... اور

نہ ہی ایسا ہو سکتا ہے کہ انسان ہمیشہ غم کی کیفیت میں رہے' ایسا نہیں ہوتا دادی ماں' اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے اور انسان کی بھلائی کے لیے ہوتی ہے مگر انسان سمجھ نہیں سکتا۔ آپ صبر کریں' بس اللہ کو یاد کیا کریں۔'' یہ وہ معصوم سی ماہ ما تھی جو اس فلسفے کو کبھی سمجھ نہیں سکی تھی۔ آج وہ بڑے تحمل سے سمجھداری سے خود بول رہی تھی۔ عفت جہاں ایک ٹک بیٹی کو دیکھے گئیں۔ باپ کی موت نے اسے کتنا بڑا کر دیا تھا مگر اصل بات تو وہ بھی نہیں جانتی تھیں۔

''میری بیٹی' میری گڑیا! کہاں سے سیکھ لیں تم نے ایسی باتیں؟'' انہوں نے اس کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے کہا تو ایک زخمی سی' ادھوری سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آ کر دم توڑ گئی۔ اس نے مما کے ہاتھ تھام کر چوم لیے۔

''مما...... ! یہ جو انسان ہے ناں بہت ناسمجھ اور بے صبرا ہے لیکن جب اللہ اس کو شعور اور صبر کی روشنی عطا کر دیتا ہے تو سارے اندھیرے ختم ہو جاتے ہیں۔ روشنی میں ہر چیز صاف اور واضح نظر آنے لگتی ہے۔'' ماہ ما نرمی سے کہہ رہی تھی اور عفت جہاں دھندلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''ہم...... ہم...... ہما...... شہر...... شہرام......!'' دادی ماں ٹوٹے لفظوں کے ساتھ بات کر رہی تھیں۔ ہما ان کی بات سمجھ گئی تھی اس لیے جلدی سے آ گئی۔

☆☆☆

''کھانا آ جاؤں گا۔ ابھی تم جاؤ' جب تک وہ وہاں ہے میں نہیں آؤں گا۔ کہہ دیا ہے میں نے!'' ہما کب سے منتیں کر رہی تھی مگر وہ بضد تھا کہ ماہ ما کی موجودگی میں نہیں جائے گا۔ اتنی محبت کے بعد اتنی شدید نفرت! دکھ کی ایک لہر ہما کے دل میں اٹھی۔ اسے بہت دکھ ہوتا تھا کیونکہ وہ ماہ ما کی محبت میں آہیں بھرتے ہوئے اس کزن کی بے قراریاں شیئر کیا کرتی تھی اور وہی اب اتنا غیر اور سخت ہو گیا تھا۔

''شہرام! تم اتنے ظالم' اتنے کٹھور تو کبھی نہ تھے۔'' ہما نے دکھ سے کہا۔

''اب ہو گیا ہوں ناں! جاؤ' ابھی نہیں جانا مجھے اندر۔'' وہ اکھڑ پن سے بولا۔

''شہرام! تم اسے کھو دو گے۔'' ہما اسے منا رہی تھی وہ تو پتھر بنا کھڑا تھا۔

''میں نہیں وہ مجھے کھو چکی ہے۔'' بچپن سے آج تک کی تمام بے قراریوں کی کسک درد بن کر اس کی آواز میں ڈھل گئی تو ہما نے اسے دیکھا۔ محبت کی ناکامی کناروں تک آ گئی تھی مگر اس کے اختیار کے بند اتنے مضبوط تھے۔ پانی کو لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ ہما کو دکھ ہونے لگا۔

''بدگمانی کی اسی دھند میں تم دونوں ایک دوسرے کی پہنچ کے نشان مٹا بیٹھو گے شہرام! پلیز' ایسا نہ کرو۔''

''جب منزل ہی نہ رہی تو...... نشانات کے مٹ جانے کا ماتم میں نہیں کروں گا۔''

لو کے اس کے لیے نہ سہی' دادی جان کے لیے تو چلو۔ جواب اپنی سانسیں گن رہی ہیں پلیز۔'' ہمانے انتہائی منت بھرے لہجے میں کہا تو اس نے پھینکنے والے انداز میں ریموٹ رکھا اور اس کے ساتھ آ گیا۔ اندر جاتے ہی اس کی نظر ماہ ما پر پڑی جو بڑے اعتماد سے اپنی دادی جان کا ہاتھ پکڑے بیٹھی تھی۔ دادی جان اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں اور ہاتھ بلند کر کے اسے پاس بلایا۔ وہ چکر کاٹ کر دوسری جانب سے ان کے قریب جا بیٹھا۔ انہوں نے بمشکل ذرا سا اٹھ کر اسے ساتھ لگایا پیار کیا اور اصرار کرنے لگیں کہ ماہ ما کے ساتھ جا کر بیٹھو۔

''ادھر...... ماہ...... ما' پاس...... بیٹھو......'' شہرام اور ماہ ما کی شادی ان کا خواب تھی۔ وہ دونوں کو یکجا دیکھنا چاہتی تھیں مگر حالات کے طوفان نے سب کچھ گڑبڑ کر دیا تھا۔ وہ ماہ ما اور شہرام کے بیچ حائل ہونے والی خلیج سے ابھی تک ناواقف تھیں اس لیے وہ اصرار کر رہی تھیں۔ وہ مسلسل اصرار کر رہی تھیں۔

''دادی جان! میں آپ کے پاس بیٹھنا چاہتا ہوں آپ کے قریب......'' اس نے جھک کر ان کی پیشانی پر پیار کیا تو نگاہیں بے ارادہ ہی اٹھ گئیں۔ ماہ ما بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ لمحہ بھر دونوں کی نگاہیں ملیں اک طوفان اٹھا اور یہ طوفان کوئی تباہی مچائے بغیر گزر گیا کیونکہ دونوں نے حقارت سے نظریں چرا لی تھیں۔ دادی جان کا اصرار بڑھا۔

''شہرام! کیا ہو گیا ہے تمہیں تمہارے باپ کی ماں تمہیں کہہ رہی ہیں' حکم دے رہی ہیں۔ محبت بھرا اصرار کر رہی ہیں اور تمہیں اثر نہیں ہو رہا۔ چلو اٹھو اور ماہ ما کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ کبھی تو خود بہانے ڈھونڈا کرتے تھے اور اب......''

عفت جہاں تو اٹھ کر جا چکی تھیں فون سننے۔ البتہ صدیقہ بیگم نے بیٹے کو ڈانٹا تو ایک زخمی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آ گئی۔

''کبھی اور ابھی میں قیامت خیز تباہیاں کیوں بھول جاتے ہیں آپ لوگ......؟''

''کوئی قیامت نہیں آ گئی چلو اٹھو اور یہاں بیٹھو۔'' صدیقہ بیگم پھر خود اٹھیں اور شہرام کو ماہ ما کے برابر والی کرسی پر بٹھانا چاہا مگر اسی وقت ماہ ما کھڑی ہو گئی۔ شہرام اس پر ایک تیز نگاہ ڈال کر رہ گیا۔

''ماہ ما بیٹی! یہ کیا میں اسے ڈانٹ رہی ہوں تم...... تم...... دونوں بڑوں کے حکم سے باہر نہیں ہو۔ چلو بیٹھو یہاں' حد ہو گئی کہ اپنی اپنی چلائے چلے جا رہے ہو بڑوں کا کوئی ادب اور احترام رہا ہی نہیں۔ کیا سمجھتے ہو تم دونوں خود کو؟''

انہوں نے دونوں کو بازو سے پکڑ کر بٹھا دیا۔ درد کی ٹیسیں ایک ساتھ دونوں کے دلوں میں ابھریں مگر انہوں نے اپنے اپنے احساس کو پتھر بنا لیا تھا۔ ایک دوسرے سے خفا خفا ہٹ کر بیٹھ گئے۔

دادی جان اندر کی کہانیوں سے لاعلم تھیں اس لیے ان دونوں کو یوں ایک ساتھ دیکھ کر وہ روئی بھی رہیں اور ہنستی بھی رہیں اور دعائیں بھی دیتی رہیں' بلائیں لیتی رہیں۔ ان نگاہوں میں شادی کے وہ منظر گھوم گئے دونوں کتنے پیارے لگ رہے تھے۔ دونوں کو انہوں نے دولہا دلہن بنایا تھا۔ شہرام کتنا شوخ ہو رہا تھا۔ ماہ ما کتنا شرما رہی تھی پھر حبیب صاحب آ گئے۔ وہ کتنا خوش ہوئے تھے کتنے ارمانوں سے انہوں نے ان دونوں کی اس روپ میں تصویریں بنوائی تھیں پھر اماں جان نے دائیں کپکپاتے ہاتھ سے تکیے کے نیچے سے وہ تصویریں نکالیں اور دیکھنے لگیں پھر بیٹے کی تصویر کو آنکھوں سے لگائے کتنی ہی دیر روتی رہیں پھر انہوں نے وہ بڑی سی تصویر جس میں شہرام اور ماہ ما دولہا دلہن بنے بیٹھے مسکرا رہے تھے ان دونوں کی طرف بڑھائی تو شہرام نے نفرت سے منہ دوسری طرف کر لیا۔ ماہ ما نے شدت ضبط سے آنکھیں بند کر لیں۔ اماں جان اشارے سے پوچھنے لگیں کہ ان دونوں کو کیا ہو گیا ہے۔ صدیقہ بیگم اپنی بھیگی پلکیں صاف کرنے لگیں۔

''کیا بتاؤں اماں جان! آندھی بستیاں اجاڑ گئی ہے۔'' وہ ان کو کیا اور کیسے سمجھاتیں۔

''اماں جان! آپ فکر نہ کریں' سب ٹھیک ہے اور ٹھیک ہو جائے گا۔ جی بچے بھی ٹھیک ہیں۔''

وہ اشاروں سے سوال کرتی رہیں اور صدیقہ بیگم ان کو اچھے طور پر مطمئن کرنے کی کوشش کرتی رہیں پھر عفت جہاں بھی آ گئیں۔ اسی وقت ماہ ما اٹھ کھڑی ہوئی۔ شہرام ضبط کر کے رہ گیا۔ اسے ماہ ما کے ساتھ ساتھ عفت جہاں سے بھی نفرت ہو گئی تھی۔ رکاوٹ کا پہلا پتھر انہوں نے ہی تو اچھالا تھا۔ وہ بھی کھڑا ہو گیا اور باہر نکل گیا۔

''مما آج میرا آؤٹنگ کا پروگرام ہو رہا ہے۔ میں کہیں باہر جانا چاہتی ہوں بہت فیڈ اپ ہو رہی ہوں اس ماحول سے۔''

''وائے ناٹ میری گڑیا جاؤ ضرور جاؤ میں تو خود یہی چاہتی ہوں کہ تم زندگی کی طرف لوٹ آؤ۔ کس کے ساتھ جاؤ گی؟'' عفت جہاں اور کیا چاہتی تھیں وہ تو اس کی وجہ سے خود بہت ڈپریسڈ رہتی تھیں۔

''اکیلے نہیں جاؤں گی مما ہما میرے ساتھ جائے گی۔ ہم گھومیں گے' پھریں گے' کچھ کھائیں پئیں گے ڈھیر سارا انجوائے کریں گے۔'' وہ مما سے زیادہ خود کو یقین دلا رہی تھی کہ وہ ان سب چیزوں اور باتوں سے بہل جائے گی۔

''ہا ڈیئر' جاؤ تم تیار ہو کر آ جاؤ اور جاتے ہوئے صفدر سے کہہ دینا کہ گاڑی صاف کرے آج میں خود گاڑی ڈرائیو کروں گی۔ میں آزاد ہونا چاہتی ہوں اس گھٹی فضا سے۔'' وہ خاصی بلند آواز میں کہہ رہی تھی۔ شہرام کے قدم وہیں جم گئے تھے جہاں وہ کھڑا تھا۔ اس کے بدل جانے کا احساس نفرت

اور غصے میں اضافہ کر گیا تو وہ آگے بڑھنے لگا۔

"اور ہاں مما میں ٹونی کا پتا کرنے بھی جاؤں گی اس روز کافی چوٹ آ گئی تھی اسے میں اب محسوس کرتی ہوں کہ......"

وہ تو آگے بھی کچھ نہ کچھ بولتی ہی رہی مگر شہرام کی برداشت جواب دے گئی تو وہ پاؤں پٹختا وہاں سے ہٹ گیا۔ اس کے دل میں آگ سی لگ گئی تھی۔

"ماہ ماتم...... تم میری کبھی بھی نہیں تھیں۔ میں ہی غلطی پر تھا۔ پاگل تھا سراب کو منزل سمجھ بیٹھا تھا۔ نفرت ہے مجھے تم سے تم صرف ٹونی کی ہو میری کبھی بھی نہیں تھیں کبھی بھی نہیں۔" شہرام بری طرح سے ادھڑ گیا تھا۔ اس نے تکیہ اٹھا کر دیوار پر دے مارا اور آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گیا مگر کسی کل قرار ہی نہیں آ رہا تھا۔ وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا پھر کھڑکی کے قریب جا کھڑا ہوا جہاں ماہ ما سیاہ جینز اور پنک شرٹ میں اپنے پرانے انداز میں گاڑی کے قریب کھڑی تھی اور ہما ایک طرف کھڑی روانگی کا انتظار کر رہی تھی۔

"یہ ہما کو لے کر ٹونی کی عیادت کے لیے نہیں جا سکتی!" یہ خیال آتے ہی وہ کھولنے لگا اور تیزی سے نیچے آیا۔ ماہ ما نے ایک غیر اہم سی نگاہ اس پر ڈالی اور منصور سے چابی لے کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"ہما' تم کہیں نہیں جا رہیں۔" شہرام نے سخت لہجے میں کہا تو سب لوگ چونک کر اسے دیکھنے لگے ہما بھی رک گئی۔

"کیوں ہما کیوں نہیں جائے گی۔" عفت جہاں نے غصے سے شہرام کو دیکھا۔

"اس لیے کہ میں نہیں چاہتا کہ یہ ٹونی کے پاس جائے۔ ہما تم نہیں جاؤ گی۔" وہ باقاعدہ لڑنے پر اتر آیا۔

"کیوں ٹونی کوئی بلا ہے جو ہما کو کھا جائے گا۔ تم نے ہمیشہ ٹونی کو ایشو بنایا جبکہ وہ لوگ اتنے اچھے اتنے مخلص اور ہمدرد دوست ہیں کہ ماہ ما کی اتنی بڑی غلطی پر بھی انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ جاؤ ہما ماہ ما اکیلی نہیں جائے گی۔"

عفت جہاں نے ہما کو پکڑ کر گاڑی میں بٹھانا چاہا مگر شہرام نے نفرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہما کو پکڑ کر گھسیٹ لیا تو وہ بے چاری ان دونوں کو دیکھ کر رہ گئی۔

"درست کہا آپ نے چاچی جی' میں ہمیشہ ٹونی کو ایشو بنایا کرتا تھا۔ اس لیے میں اب اس ایشو کو ہمیشہ کے لیے ختم کر رہا ہوں اب آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔" وہ زہر خند لہجے میں بول رہا تھا۔ دل کا سارا درد اس کے لہجے میں ڈھل گیا تھا۔ ماہ ما نے اٹھتی ٹیسوں کے بیچ اسے دیکھا اور سختی سے آنکھیں رگڑ لیں۔

"اوکے مما' میں چلتی ہوں۔ ذرا دیر ہو جائے تو پریشان نہیں ہونا میں ادھر ہی ہوں گی۔ انکل محسن کے ہاں......"

ماہ ما نے اسے سنانے کے لیے کہا تو وہ کھول اٹھا مگر پلٹ کر اسے نہ دیکھا اور نہ ہی جواب دیا۔

"جانی اکیلے کیسے جاؤ گی۔ صفدر چلو تم بے بی کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔"

عفت جہاں کو فکر ہونے لگی تھی کہ ابھی وہ ذہنی طور پر اتنی سیٹل نہیں تھی کہ اکیلی کہیں جاتی۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں مما' میں نہ تو بچی ہوں کہ کوئی پکڑے گا نہ ہی پاگل ہوں کہ راستے بھول جاؤں بلکہ مما اب تو مجھے راستے صاف نظر آنے لگے ہیں۔ I AM NOT CHILD زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا آ گیا ہے مجھے بھی اوکے مما' خدا حافظ......!" اور پھر اس نے گاڑی اتنی تیزی سے نکالی کہ سب نے آنکھیں بند کر لیں۔

"خدا کرے تم زندہ رہو ماہ ما......" ٹوٹے دل کی دھڑکن [illegible] گئی تو وہ اندر آ گیا۔

"وہ تو بچی ہے عفت تمہیں اسے روکنا چاہیے تھا۔ اتنا بیمار رہی ہے کمزور بھی بہت ہو گئی ہے وہ کسی اور کو نہیں لے جا رہی تھی۔ ہما کو شہرام نے روک لیا مگر تمہیں جانا چاہیے تھا۔ خدانخواستہ کوئی بات!" صدیقہ بیگم سادہ دل خاتون تھیں وہ اپنی سادگی اور ان کی محبت میں بولیں تو عفت جہاں تیورا کر مڑیں ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"بس رہنے دیجیے بھابی جان یہ جھوٹی ہمدردیاں۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں میری اور میری محبت کی کتنی پروا ہے آپ لوگوں کو وہ ہما کو لے کر جانا چاہتی تھی۔ آپ کے صاحب زادے نے اسے روکا تب تو آپ نے ایک بار بھی اسے منع نہیں کیا کہ وہ کیوں غلط بات کر رہا ہے۔ کیوں ہما کو اس کے ساتھ جانے سے روک رہا ہے اب چلی گئی ہے تو محبت بھری آہیں بھرنے لگیں۔"

عفت جہاں بدلحاظ تو شروع سے تھیں مگر سسرال والوں کے ساتھ ان کا رویہ بہت توہین آمیز ہوتا۔ صدیقہ بیگم کچھ پریشان سی ہو گئیں۔

"سیدھی سی بات ہے عفت۔ ماہ ما ہماری بیٹی ہے وہ جہاں چاہتی ہما کو ساتھ لے جاتی مگر ٹونی۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ٹونی [illegible]ے گھر کی بربادی کا سبب بنا ہے۔ حبیب کی زندگی اتنی ہی تھی مگر آخری سانسوں میں جو دکھ اسے ملا وہ اس کی قبر تک اس کے ساتھ گیا کہ نہیں۔ ٹونی کی بہت آزاد خیال فیملی ہے اور اس لیے ہم نہیں چاہتے کہ ہماری بیٹیاں وہاں جائیں آئیں۔"

"آپ نہ جانے کس دنیا کے رہنے والے لوگ ہیں۔ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اور آپ لوگ کھیتوں سے نہیں نکلے۔ وہ لوگ پڑھے لکھے سمجھ دار تہذیب یافتہ لوگ ہیں۔ توبہ توبہ' آپ لوگوں نے تو معمولی سی بات کو اتنا بڑا ایشو بنا دیا ہے کہ سوسائٹی میں کسی سے بات کرتے ہوئے بھی شرم آتی

ہے مگر آپ لوگ ہیں کہ......" عفت جہاں نے آگے بڑھ کر مالی کو چند ہدایات دیں اور واپس آ گئیں۔ صدیقہ بیگم بھی شرمندہ سی اپنا سامنہ لے کر اماں جان کے کمرے میں آ گئیں۔

☆☆☆

ٹونی اب ٹھیک ہو چکا تھا۔ بشریٰ بیگم تو ماہ ما کو پاگل قرار دے چکی تھیں۔ کتنی ہی لالچی سہی مگر ماں تھیں اس واقعے کے بعد سے وہ ماہ ما سے اچھی خاصی خائف ہو گئی تھیں۔

"توبہ ہے کیسی دیوانی لڑکی ہے عفت کی۔ ایسا بھی کیا دیوانہ پن کہ بندہ کسی کی جان ہی لے لے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے میرے بچے کی جان بچا لی ورنہ میں کیا کرتی۔" بشریٰ بیگم وہ لمحات یاد کر کے کانپ اٹھیں۔

"کرنا کیا تھا مما اب تک تو میرا چہلم بھی ہو چکا ہوتا اور......اور......" ٹونی کی بات درمیان میں ہی رہ گئی کیونکہ سامنے ہی ماہ ما کھڑی تھی۔ خاصی بدلی اور اجنبی سی لگ رہی تھی۔ ٹونی اس کے پراسرار چہرے کو دیکھ کر کچھ دیر کے لیے سہم گیا۔ اس نے حفاظتی تدابیر کے طور پر تکیہ آگے کر لیا۔ وہ مٹکتی سے چلتی اس کے قریب آ گئی تو وہ ہکلایا۔

"مم......مم......مما......ماہ ما آ گئی ہے۔" ٹونی نے گھبرا کر بشریٰ بیگم کو ہلایا جو ان کی طرف پشت کیے کچھ لکھ رہی تھیں۔ شاید اس اطلاع پر ان کا ہاتھ بھی کانپا' وہ جلدی سے مڑیں۔

"اوہ ماہ ما ڈارلنگ کیسی ہو جانی آؤ بیٹھو۔ اکیلی آئی ہو کہ عفت بھی آئی ہے۔"

بشریٰ بیگم کی بھی جان پر بن آئی تھی۔ ماہ ما کو یوں اچانک دیکھ کر اور وہ اس وقت لگ بھی بہت پراسرار رہی تھی۔ جیسے ابھی کوئی وزنی چیز اٹھائے گی اور ٹونی کے سر پر دے مارے گی۔ دونوں ہی خوف زدہ ہو رہے تھے۔

"جی نہیں' میں اکیلی آئی ہوں۔ مما مصروف تھیں اور میرا دل چاہ رہا تھا آپ لوگوں سے ملنے کو تو میں آ گئی۔ آپ کیسی ہیں اور ماریہ اور انکل نظر نہیں آ رہے۔" ماہ ما نے نارمل انداز میں کہا تو دونوں کو تسلی ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور تسلی دی کہ اب خیر ہے۔

"ہاں بیٹا تمہارے انکل تو ایک دوست کی طرف گئے ہیں۔ ماریہ اپنی کسی دوست کی برتھ ڈے پر گئی ہے۔ اچھا تم بیٹھو میں تمہارے لیے کولڈ ڈرنک لے کر آتی ہوں۔" بشریٰ بیگم نے جاتے جاتے پلٹ کر ٹونی کو الرٹ رہنے کا اشارہ کیا اور باہر نکل گئیں۔

"ہوں تو ماریہ برتھ ڈے پر گئی ہے۔ ٹونی برتھ ڈے پارٹی پر ڈانس وغیرہ تو ہو گا ناں۔ کیسے لوگ ہیں ڈانس وانس کرنا جانتے ہیں ناں۔" وہ بہت نارمل اور سادہ سے انداز میں بات کر رہی تھی۔ ٹونی اندازہ نہیں کر پایا کہ وہ کس انداز میں پوچھ رہی ہے۔

"ہا......ہا......ہاں ہو گا......ڈانس بھی ہو گا خاصے ماڈرن لوگ ہیں اور بہت امیر بھی ہیں۔" ٹونی نے ڈرتے ڈرتے تفصیل بتائی۔

"مگر تو پھر وہاں ڈانس وغیرہ کی تصویریں بھی تو کھینچی جائیں گی ناں اور ماریہ بھی کسی نہ کسی کے ساتھ ڈانس تو کرے گی پھر اس کی تصویریں بھی کھینچی جائیں گی اور پھر اس کی بھی کسی نہ کسی سے منگنی ہو گی اور پھر کوئی نہ کوئی ٹونی ڈانس کے وہ بے ہودہ پوز کسی نہ کسی شہرام کو تحفے میں دے گا......اور اور......" ماہ ما پراسرار انداز میں بولتی ہوئی اٹھی۔ ٹونی کی جان ہوا ہونے لگی۔ ماہ ما نے گلاس ہاتھ میں پکڑ لیا تو وہ چلا اٹھا۔

"مما آ بھی جائیں اب......" وہ خوف سے چیخا۔ ماہ ما گلاس لے کر دیوار کی طرف بڑھی تو ٹونی خوف سے کانپنے لگا۔

"ماہ ما یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کیا کر رہی ہو۔ دیکھو مت کرو ایسے میری جان نکل جائے گی ماہ ما۔" وہ بولے جا رہا تھا' آنکھیں بند کیے۔ ماہ نے گلاس دیوار پہ دے مارا۔ گلاس ٹوٹ گیا۔ ٹونی نے خوف زدہ ہو کر آنکھیں کھول دیں۔

"مم......مما آ جائیں......ماہ ما یہ......یہ تم کیا کر رہی ہو۔ دیکھو شیشہ کاٹ دے گا۔ زخم آ جائے گا۔ بہت تکلیف ہوتی ہے جب زخم پر ٹانکے لگتے ہیں۔ یہ دیکھو ماہ ما زخم آ جائے گا۔ رک جاؤ باز آ جاؤ۔ مما کہاں رہ گئیں آ جائیں' پلیز......ماہ ما......!"

ٹوٹا ہوا گلاس ماہ ما کے ہاتھ میں لگ چکا تھا۔ اس کے ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ٹونی کے قریب آ گئی تو وہ مارے خوف کے چیخ اٹھا۔

"چلاؤ مت ٹونی۔ میں تمہیں نہیں ماروں گی۔ تمہیں کچھ نہیں ہو گا ٹونی ڈونٹ وری۔ ارے کیا ہو گیا ہے تمہیں۔"

وہ پراسرار انداز میں چلتی اس کے قریب آن کھڑی ہوئی۔ اس کے ہاتھ سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔

"ماہ ما تم......تم ایسی تو ہرگز نہیں تھیں میرا مطلب ہے کہ......!" وہ خوف سے خشک لبوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"ہاں ایسی نہیں تھی۔ تب ہی تو برباد کر دی گئی۔ قسم سے ٹونی اب کچھ باقی نہیں بچا۔ جس کے مٹ جانے کا اندیشہ ہو۔ میرا دل ویران' اجڑا ہوا کھنڈر بن چکا ہے۔ سچ سب کچھ ختم ہو گیا ہے کچھ باقی نہیں تم خوف زدہ کیوں ہو رہے ہو۔"

اس نے گلاس آگے کیا تو وہ خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا تو ماہ ما زور سے ہنس پڑی۔ اس کی

پراسرار ہنسی کا خوف ٹونی کو دہلا گیا تھا۔ اس کو پسینہ آ گیا تھا۔ وہ حسین سی لڑکی جس کے عشق میں کبھی وہ آہیں بھرا کرتا تھا اس وقت اسے ڈریکولا لگ رہی تھی۔ بس اب تو دانت نکلنے کا انتظار تھا۔ "پتا نہیں جانے کہاں رہ گئی ہیں۔"

"ماہ ما...... تم پاگل ہو گئی ہو دیکھو، تمہیں زخم آ چکا ہے۔ زخم بڑا ہو تو ٹانکے لگانے پڑتے ہیں اور......"

"بڑے پیارے ہوتے ہیں وہ زخم جو ہرے ہوتے ہیں۔ جن کی تکلیف میں بھی لذت ہوتی ہے اور کچھ زخم تو ایسے بھی ہوتے ہیں ٹونی جن کی رفوگری مشکل ہوتی ہے۔ ٹانکے نہیں لگائے جا سکتے ان پر ایسے زخم تو بڑے معتبر ہوتے ہیں ٹونی جو کوئی اپنا دیتا ہے۔ وہ اپنا جو بہت قریب ہوتا ہے' عزیز ہوتا ہے جو شہرام ہوتا ہے' اس کے دیے ہوئے زخم بھی اسی کی طرح پیارے ہیں ٹونی۔ بہت عزیز بہت پیارے ہیں' مجھے یہ زخم جن پر ٹانکے نہیں لگ سکتے۔ ہاں یہ یونہی کھلے اور ہرے رہیں گے۔ ٹونی تمہیں پتا ہے' میرا شہرام مجھ سے روٹھ گیا ہے' خفا ہو گیا ہے' بدگمان ہو گیا ہے۔ بدگمانی کی دھند میں میرا شہرام کھو گیا ہے ٹونی' ہاں کھو گیا ہے۔"

وہ پھر ٹوٹا ہوا شیشہ اس کی نگاہوں کے سامنے کرتے ہوئے دیوانے پن سے ہنسی تو ٹونی کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اس نے ممی کو پکارنا چاہا مگر آواز اندر ہی کہیں دب گئی۔

"ٹونی تم میرے دوست ہو ناں۔" ماہ ما نے شیشہ اس کی آنکھوں کے سامنے نچایا تو اس کا خون خشک ہو گیا۔

"ہا...... ہاں......" بمشکل اس کے حلق سے آواز برآمد ہوئی۔

"اور دوستوں کی خوشیاں اور غم بھی ایک جیسے ہوتے ہیں ناں۔" وہ نہ جانے کیا کہنا چاہ رہی تھی۔

"تو پھر زخم بھی تو ایک جیسے ہونے چاہئیں ناں۔" اور پھر ماہ ما نے ٹوٹا ہوا شیشہ اس کے بازو پر چلا دیا تو وہ چلانے لگا۔ اسی وقت بشریٰ بیگم آ گئیں اور سامنے موجود سین نے ان کی جان نکال دی۔

"ٹونی۔ میری جان ماہ ما کیا بگاڑا ہے میرے بیٹے نے تمہارا۔" بشریٰ بیگم اس کی طرف بڑھیں۔

"تو چھوڑا کیا ہے آپ کے بیٹے نے میرا۔ سب کچھ...... سب کچھ تو برباد کر کے رکھ دیا ہے اس نے میرا۔"

ماہ ما ان سے ہاتھ چھڑاتی باہر نکل گئی تو وہ اسے کوسنے دیتی ٹونی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

☆☆☆

ماہ ما کے گھر پہنچنے سے پہلے اس کی دہشت گردی کی خبر پہنچ چکی تھی۔ سب اس کے لیے فکرمند ہو گئے۔ عفت جہاں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"میری معصوم بچی کیا سے کیا ہو گئی ہے۔ اب میں بشریٰ کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہی۔"

"ایاز' شہرام' جاؤ ماہ ما کا پتا کرو۔ کہاں ہے وہ۔ کسی مشکل میں نہ ہو میری بچی۔ ایاز جاؤ ابھی تمہارے اباجی بھی آنے والے ہیں اور اگر ان کو پتا چل گیا کہ وہ وہاں گئی تھی تو......تو......" ابھی صدیقہ بیگم کی بات جاری تھی کہ ماہ ما آ گئی۔ ڈولتے ہوئے لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ۔ ہاتھ سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔

"ماہ ما۔ یہ تمہیں کیا ہو گیا میری جان۔ کیوں ایسی حرکتیں کرتی ہو کیوں تم نے ٹونی کو پھر زخمی کیا ہے۔ کیا اسی لیے گئی تھیں تم؟"

عفت جہاں اسے دیکھتے ہی اس کی طرف بڑھیں اور باز پرس کرنے لگیں۔

"ٹونی کے زخمی ہونے کی آپ کو بڑی پروا ہے اور اس نے جو مجھے زخم زخم کر دیا ہے اس کا حساب کون کرے گا۔ کون کرے گا ان زخموں کا حساب بتایئے ناں۔" وہ رو رہی تھی۔

"عفت چھوڑو ابھی اسے ایاز ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤ۔ ہاتھ پر خاصا گہرا زخم ہے جاؤ بیٹی بھائی کے ساتھ جاؤ۔"

صدیقہ بیگم نے کہا تو ایاز جلدی سے آگے بڑھا۔ اس کا ہاتھ تھاما تو وہ سعادت مند بچوں کی طرح چپ چاپ اس کے ساتھ چلی گئی۔ اس واقعے کے بعد عجیب طرح کا خوف اور سراسیمگی پیدا ہو گئی تھی جس نے بزرگوں کو کوئی فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ شہرام بھی امریکا جانے کے لیے پر تول رہا تھا۔ سب کا مشترکہ فیصلہ تھا کہ دونوں کی شادی کر کے ماہ ما کو شہرام کے ساتھ ہی روانہ کر دیا جائے۔

"ہمارا تو یہ فیصلہ ہے عفت تم کیا کہتی ہو تمہارے بھی ہر فیصلے کا احترام کیا جائے گا۔"

بھائی صاحب نے وقت اور حالات کے ساتھ اپنے فیصلے عفت جہاں کے سامنے رکھ دیا تو وہ چپ سی ہو گئیں کیونکہ دن بدن بدلتی ماہ ما کی حالت کا تقاضا یہی تھا کہ اسے کسی چاہنے والے کے حوالے کر دیا جائے امریکا بھیجنے پر تو ان کو قطعی اعتراض نہیں تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا یا ماہ ما کی یہ حالت نہ ہوتی تو وہ قطعی انکار کر دیتیں۔ اب تو ان کو یقین تھا کہ ٹونی لوگوں سے بھی حالات گڑبڑ ہو جائیں گے کہ ابھی تک انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی مگر عفت جہاں کو یقین تھا کہ بشریٰ اب ماہ ما کو ٹونی کے لیے پسند نہیں کریں گی اس لیے انہوں نے ہر قسم کے فیصلے کا اختیار بھائی صاحب کے ہاتھ دیا تو سب نے خوشگوار حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے بھائی صاحب جو خدا کو منظور' میں کیا کر سکتی ہوں۔ خدا کے بعد آپ ہی لوگ تو ہیں ماہ ما کے ساتھ جانے پر اماں جان کو تو اعتراض نہیں ہوگا۔" انہوں نے کسی خدشے کے تحت پوچھا۔

"کیسی باتیں کرتی ہو عفت وہ جو چراغ سحری ہیں وہ ایسی بات کیوں کریں گی۔ ان کی تو خوشی

ہے کہ کسی طرح ان دونوں کی شادی کو دیکھ لیں ہر وقت مجھ سے یہی کہتی ہیں میں شہرام اور ماہ ما کی شادی دیکھ بھی سکوں گی کہ نہیں......"

"شہرام اور ماہ ما میں ذرا سی غلط فہمی ہوگئی ہے رشتہ بدلنے سے انشاء اللہ یہ ساری باتیں خود ہی ختم ہو جائیں گی۔ تم بالکل بھی فکر نہ کرو۔ ماہ ما ہماری اپنی بیٹی ہے، ہمیں جان سے پیاری ہے۔" صدیقہ بیگم ساری باتیں بھلا کر بڑے پیار سے ان کو سمجھا رہی تھیں۔ عفت جہاں کو بھی آخری پناہ گاہ یہی نظر آتی تھی اس لیے راضی ہوگئیں۔

"ٹھیک ہے بھابی جان، آپ لوگ بڑے ہیں جو کریں گے بہتر ہی کریں گے۔ میری طرف سے ہاں ہے، باقی جو کرنا ہے آپ لوگ خود کرلیں۔ بھائی صاحب بیٹی بھی آپ کی اور بیٹا بھی آپ کا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ کاش...... کاش یہ خوشی دیکھنے کے لیے حبیب حیات ہوتے۔ ان کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی، انہوں نے ماہ ما کے پیدا ہوتے ہی اسے شہرام سے منسوب کر دیا تھا اور آج جب ان کی خواہش پوری ہو رہی ہے تو وہ خود نہیں ہیں۔" عفت جہاں شوہر کو یاد کرکے اور وہ وقت یاد کرکے کہ وہ ان کی کتنی منتیں کیا کرتے تھے کہ اس رشتے کے لیے مان جاؤ مگر وہ روئے جا رہی تھیں۔

"حبیب ہم سب کی جان تھا عفت مگر کیا کیا جائے، جو حکم خدا کا ہم تو اللہ کے فیصلوں کے پابند ہیں ناں۔ بس سمجھ لو کہ یہ خوشی اس کے نصیب میں نہیں تھی بس اب اچھے دل کے ساتھ شادی کی جو تیاری کرنا ہے کرلو بلکہ تیاری کیا کرنی ہے کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ شہرام کی روانگی میں بہت کم دن رہ گئے ہیں اور تم خواتین مل کر جو دل کے ارمان نکالنا چاہتی ہو، نکال لو پھر شکایت نہ کرنا کہ افراتفری میں ہم نے اپنے بچوں کی شادی کی تیاری نہیں کی اور عفت بیٹا کوئی سامان وغیرہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ ہاں کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے تو ابھی بہت سے کام کرنے ہیں ماہ ما بیٹی کے ساتھ جانے کے انتظامات کرنے ہیں۔" بھائی صاحب ہر قسم کی رنجش بھلائے بڑی خوشی سے پروگرام ترتیب دے رہے تھے۔

"مبارک ہو بھائی صاحب!" عفت جہاں بالکل بدلی ہوئی تھیں اور یہ تبدیلی سب کو سرشار کر رہی تھی۔

"تمہیں بھی مبارک ہو بیٹی۔ میں تو تمہیں ہمیشہ سے بیٹی ہی سمجھتا ہوں۔ چلو چل کر یہ خوش خبری اماں جان کو سنائیں ان کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ان کی زندگی میں ان کی خواہش پوری ہو رہی ہے۔"

جب اماں جان کو پتا چلا کہ شادی ہو رہی ہے۔ خوشی میں بھی روئے گئیں۔ حبیب صاحب کی تصویر نکال کر روتی رہیں۔

"اماں جان مبارک ہو۔ اللہ ہم سب کو یہ خوشی مبارک کرے۔ ماہ ما اور شہرام اب ماشاء اللہ شادی ہو کر باہر چلے جائیں گے تو میں کتنی اکیلی ہو جاؤں گی اماں جان آپ ہیں ناں میرے پاس۔" عفت جہاں بہت جذباتی ہو رہی تھیں زندگی میں پہلی بار وہ سسرال والوں کو اپنا محسوس کر رہی تھیں۔ اماں جان سے لپٹی وہ رو رہی تھیں۔ وہ ان کو ساتھ لگائے بہت پیار کر رہی تھیں۔

"یار ہما ہم سے تو یہ چھوٹے فائدے میں رہے کل منگنی ہوئی آج شادی ہو رہی ہے۔ ایک ہم ہیں کہ عرصہ دراز سے منگنی کرکے بیٹھے ہیں شادی کی باری نہیں آ رہی۔" ایاز نے مسکرا کر کہا تو ہما شرما گئی باقی سب مسکرا دیئے۔

"میں ایک بات سوچ رہی ہوں ایاز کہ......!" ابھی ہما کی بات زبان پر تھی کہ ایاز نے ہاتھ جوڑ دیے۔

"پلیز۔ پلیز! اب کوئی بات نہ سوچو بس خدا کرے کہ اب خیر و عافیت سے شہرام اور ماہ ما کی شادی ہو جائے۔ یہ دونوں خاندان کے سب سے چھوٹوں نے تو طوفان کھڑا کر رکھا ہے۔ خاندان کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہمارے خاندان کا کوئی بچہ اپنے بزرگوں کے مقابل آن کھڑا ہوگا۔ اف توبہ! یہ دونوں تو جن لگتے ہیں مجھے۔ چکرا کر رکھ دیا ہے ان دونوں نے۔" ایاز نے گہرا سانس لے کر کہا۔ ہما اسے دیکھتی رہی۔

"لیکن ایاز میں کچھ اور سوچ رہی ہوں کہ شہرام اپنا کچھ سامان لینے گاؤں گیا ہوا ہے اور ماہ ما کو بھی ابھی اس بات کی خبر نہیں کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے......" ہما یہ سمجھ رہی تھی کہ ماہ ما اور شہرام کو جب پتا چلے گا تو قیامت خیز ہنگامہ کھڑا ہوگا۔ دونوں اب ایک دوسرے سے شدت سے نفرت کرنے لگے تھے۔ ایاز اس کی بات کا مطلب سمجھ نہیں پایا تھا۔

"تو......" ایاز حیرت سے اسے دیکھتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

"تو یہ کہ بلی اور بلے کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا اور جو باندھے گا دونوں غرا کر اسے زخمی کر دیں گے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ دونوں کو شادی سے انکار ہوگا؟"

"صرف انکار نہیں وہ دونوں تو اب ایک دوسرے کے ذکر سے بھی نفرت کرتے ہیں۔ نہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہے ان دونوں کی جوڑی کو کہ جان دیتے دیتے اب ایک دوسرے کی جان لینے کے درپے ہیں۔ کاش...... کاش یہ سب نہ ہوا ہوتا۔"

"میرا بس چلے ناں...... ہما تو اس ٹونی کو میں ختم کر دوں۔ ہماری زندگی کے سکون اور خوشیوں کا قاتل بھی ہے اور اس کے گھر والے ہیں اور اس سے کہیں زیادہ تو ہماری چاچی صاحبہ کی کم عقلی ہے کہ

جانتے بوجھتے انہوں نے تباہی کا راستہ اختیار کیا ہے۔ خیر اب کچھ بھی ہو ماہ ما اور شہرام بزرگوں کے فیصلوں سے باہر نہیں...... اور یوں بھی بدگمانی کی یہ دھند چھٹ جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' ایاز نے گویا اپنے آپ کو تسلی دی۔

''خدا کرے بدگمانی کی یہ دھند چھٹ جائے اور فضا شفاف ہو جائے۔'' ہما نے صدق دل سے دعا مانگی۔

☆☆☆

''آپ نے بلایا تھا بھائی صاحب؟'' عفت جہاں اندر آ کر دوسرے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ بھائی صاحب کچھ کارڈز سامنے رکھے شاید انتخاب کے مرحلے سے گزر رہے تھے۔ عینک کی اوٹ سے انہوں نے عفت کو دیکھا اور کارڈز ان کی طرف بڑھائے۔

''ہاں عفت آؤ۔ دیکھو یہ میں نے کچھ کارڈز بطور سیمپل منگوائے ہیں۔ دیکھو' پسند کرو کہ کون سے چھپوائیں؟''

کارڈز سب ہی بہت نفیس اور خوبصورت تھے۔ عفت سب کو باری باری دیکھ رہی تھیں۔

''میرے خیال میں تو یہ اچھا لگ رہا ہے اور مجھے تو یہ ہی پسند آیا ہے۔ باقی آپ سب سے ان کی پسند بھی پوچھ لیجیے۔'' سنہری حروف اور آؤٹ لائن والا کارڈ ان کو پسند آیا تو انہوں نے بھائی صاحب کے سامنے رکھ دیا۔

''ہوں تو دلہن کی ماں کو یہ کارڈ پسند آیا ہے۔ اب باری ہے دولہا کی اماں کی۔ آیئے صدیقہ' آپ بھی کوئی کارڈ پسند کر لیجیے۔''

بھائی صاحب بہت خوش تھے انہوں نے مسکراتے ہوئے دوسرے کارڈز صدیقہ بیگم کی طرف بڑھائے تو وہ بغور دیکھنے لگیں۔ سادہ دل سی خاتون تھیں بس چاہتی تھیں کہ وہ بھی خوش رہیں اور دوسرے بھی خوش رہیں۔

''خوشی تو خود بہت رنگین بہت خوشنما ہوتی ہے سادہ کاغذ پر بھی اپنی بہار دکھا سکتی ہے۔ ویسے مجھے بھی کارڈ پسند آیا ہے جو عفت کو پسند آیا ہے۔'' صدیقہ بیگم نے مسکرا کر عفت جہاں کو دیکھا جو سنجیدہ سی تھیں اور خاموش سی بھی، ان تمام مراحل سے گزرتے ہوئے ان کو حبیب یاد آ رہے تھے۔ وہ زندہ ہوتے تو کتنا خوش ہوتے۔ وہ بھی تو چاہتے تھے کہ عفت ان کے گھر والوں کے ساتھ یوں گھل مل کر رہیں مگر بدقسمتی نے ان کو کوئی خوشی دیکھنے نہیں دی۔

''ہوں' واہ بھئی! بڑی انڈر اسٹینڈنگ ہے دیورانی اور جیٹھانی میں کہ ایک ہی کارڈ کو دونوں نے پسند کیا ہے۔ لیکن آپ دونوں کو کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں کارڈ میں اپنی پسند کے

چھپواؤں گا۔ یہ تو میں ذرا خوش کر رہا تھا لڑکی اور لڑکے کی ماں کو۔'' وہ ہنسے تو صدیقہ بیگم خفا سی ہو گئیں اور احتجاجی نعرہ بلند کیا۔

''کیوں جی یہ کیا بات ہوئی کہ وقت ہمارا برباد کیا اور کارڈز آپ اپنی پسند کے چھپوائیں گے۔ یہ سراسر دھاندلی ہے۔''

''کیوں جی! یہ دھاندلی کیوں ہے۔ بھئی دیکھو عفت صرف بیٹی کی ماں اور آپ صرف بیٹے کی ماں ہیں... جبکہ میری حیثیت آپ دونوں سے زیادہ ہے کیونکہ بیٹا اور بیٹی دونوں میرے بچے ہیں اس لیے میرا حق زیادہ ہوا کہ آپ دونوں کا......؟ کیوں عفت بیٹی؟'' بھائی صاحب نے خوشی سے تمتماتے چہرے کے ساتھ عفت جہاں کو دیکھا جو چپ بیٹھی تھیں۔

''اپنائیت کا یہی احساس شاید سرد خانے میں پڑا ہوا تھا۔ بھائی صاحب میں نے ہی شاید آپ لوگوں کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ آپ کا ہر فیصلہ میرے لیے مقدم ہے' خواہ کارڈز ہوں یا کوئی اور......''

عفت جہاں کے شفاف لہجے سے ان کی نیت صاف نظر آ رہی تھی۔ میاں بیوی نے ایک دوسرے کو دیکھا اطمینان اور خوشی کا احساس دونوں کے اندر اتر گیا۔

''جیتی رہو عفت بیٹی! خوش کر دیا ہے تمہاری اس بات نے ناخنوں سے گوشت کبھی جدا نہیں ہو سکتا۔ ویسے آپ دونوں خواتین کی اطلاع کے لیے مجھے بھی یہی کارڈ پسند آئے تھے۔ آج ان کو اوکے کر کے آرڈر دے دیتے ہیں۔ یہ کام تو ہیں باہر کے جو ہم نے کرنے ہیں آپ لوگوں نے کیا کیا ہے؟ بھئی رفتار پکڑو وقت کم ہے اور...... بھئی بیگم! آپ ہماری بیٹی کی شاپنگ تو کرا دیں۔''

''یہ ہمارے کام ہیں ہم کر لیں گے آپ فکر نہ کریں۔ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ شہرام اور ماہ ما کی شاپنگ دونوں اکیلے جا کر اپنی پسند سے کریں۔ اگر عفت تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو......'' صدیقہ بیگم نے ڈرتے ڈرتے دیورانی کو دیکھا جن کے چہرے پر تسلیم و رضا کی تختی لگ گئی تھی۔ انہوں نے ان کو دیکھ کر گہرا سانس لیا اور کھڑی ہو گئیں۔

''اس میں اعتراض کی کیا بات ہے بھابی! میں تو خود اس بات کی حامی ہوں کہ جو چیزیں انہوں نے ہی استعمال کرنی ہیں وہ دونوں ایک دوسرے کی پسند سے خرید لیں۔ یہ تو بہت اچھی بات ہو گی۔'' وہ بولتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

''ہما!'' اماں جان کے لیے سوپ لے کر جا رہی تھی کہ عفت کی آواز پر پلٹ کر ان کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''اچھا ٹھیک ہے تم اماں جان کو سوپ پلا کر آ جاؤ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ یہیں میرے

کمرے میں آجانا۔"

"جی بہتر میں فارغ ہو کر آتی ہوں۔" ہما چلی گئی تو عفت اپنے کمرے میں آگئیں۔ ایسے ہی جبکہ زندگی میں عجیب واقعات ہو رہے تھے۔ نئے موڑ آ رہے تھے کہ وہ خود کو عجیب بے بس سا محسوس کر رہی تھی۔ جہاں ساری زندگی انہوں نے اپنی ہٹ دھرمی اور من مانیاں کرتے ہوئے گزاری تھی وہاں اب چپ چاپ حکم مان لینے میں بھی کوئی خاص تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔ مگر اندر عجیب سی کیفیت تھی۔ انہوں نے کچھ اور سوچا تھا کہ مگر حبیب کی اچانک موت نے حالات کا پانسا ہی پلٹ کر رکھ دیا تھا۔ ماہ ما کا یوں بدل جانا اس کا عجیب پراسرار سا رویہ ان کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔ شہرام بھی تو بدل گیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے متنفر ہو گئے تھے۔ محبتوں کے سفر پر نکلتے تو شاید وہ اتنی پریشان نہ ہوتیں مگر اب دونوں کے بیچ فاصلے بڑھ گئے تھے۔ ایسے میں دونوں کی شادی کچھ عجیب سی لگ رہی تھی مگر سب کا خیال تھا کہ یہ ناراضگی وقتی ہے، شادی کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ بدگمانی کی یہ دھند ختم ہو جائے گی تو دونوں شفاف فضا میں ایک دوسرے کو سمجھنے لگیں گے۔

"میرے خدا میں بہت پریشان ہوں میری مدد فرما۔ ماہ ما کی حرکتوں کی وجہ سے بشریٰ جیسی اچھی دوست بھی ناراض ہو بیٹھی ہے۔" عفت جو سوچوں کے جنگل میں بھٹک بھٹک کر تھک گئی تھیں سب کچھ خدا کے سپرد کر کے مطمئن سی بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔

"آؤ آؤ...... ہما میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔" ہما نے اندر جھانکا تو وہ جو اسی کی منتظر تھیں بولیں تو مخلص سی یہ لڑکی جوان حالات میں سائے کی طرح ماہ ما کے ساتھ رہی تھی اس سے ان کو خاصی ڈھارس بندھ جاتی تھی۔

"جی چاچی جی! آپ نے بلایا تھا خیریت ہے ناں؟" ہما نے ذرا تشویش زدہ انداز میں کہا تو عفت کی پلکیں بھیگ گئیں۔

"میری زندگی سے تو خیریت بیٹا تمہارے چاچا جی کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی تھی اب تو تفکرات اور پریشانیاں ہجولی بن گئی ہیں۔ خیر یہ بتاؤ یہ جو کچھ گھر میں ہو رہا ہے شادی کی تیاری...... ان سب باتوں کا ماہ ما کو پتا ہے؟"

"نہیں چاچی اسے پتا نہیں ہے میرے خیال میں جب پتا چلے گا تو... تو شاید اچھا ریسپانس نہیں ملے گا۔"

"ہاں مجھے بھی کچھ ایسا ہی اندیشہ ہے۔ مگر میں بہت کمزور عورت ہوں۔ ہما' میں اکیلی نہیں لڑ سکتی۔ میں اگر جنگجو تھی تو اپنے ساتھی اپنے سالار کی شہ پر...... اب وہ ہی نہیں تو...... میں...... میں یہ چاہتی ہوں ہما کہ ماہ ما جو اندر سے بالکل ٹوٹ چکی ہے کسی حد تک سائیکو بھی ہو چکی ہے' اسے ان کے

والوں کے حوالے کر دوں۔ کبھی...... کبھی ہم اپنی ہی سوچوں کی دیوار تلے دب کر دم توڑ دیتے ہیں اور یہ گھٹن میں تو برداشت کر سکتی ہوں مگر ماہ ما میری بچی وہ تو بہت نازک ہے' بہت آزاد ماحول میں پرورش پائی ہے اس نے۔ اس نے زندگی کو صرف ایک گلاب کے مانند حسین اور کلرفل ہی دیکھا۔ زندگی اتنی بدصورت اور بدنما بھی ہو سکتی ہے یہ اس کو خبر نہیں تھی مگر اب...... اب وہ ٹوٹ رہی تھی بہت ظلم ہوا ہے میری بیٹی کے ساتھ۔"

عفت جہاں ماں تھیں اور ممتا کی نظر سے ان کو اپنی بیٹی ہی مظلوم اور معصوم نظر آ رہی تھی اور شہرام کے دل پر قیامت گزر گئی اسے وہ معمولی ایشو سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی تھیں۔ اس زیادتی پر ہما نے شکوہ کناں سی نگاہ ان پر ڈالی جو روئے جا رہی تھیں۔

"حوصلے سے کام لیں چاچی جی! میں بحث تو نہیں کرنا چاہتی مگر جسے آپ معمولی ایشو کہہ رہی ہیں وہ...... خیر پھر بحث طویل ہو جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ ہم اچھے دوستوں کی طرح بات نہ کریں تو دل کی دل میں لے کر اٹھ جائیں۔ آپ نے مجھے کس خاص بات کے لیے بلایا تھا؟"

ہما کے پاس ایسے دلائل تھے کہ وہ ان کو مات دے سکتی تھی مگر اس وقت وہ ہرٹ تھیں وہ ان کو مزید دکھ دینا نہیں چاہتی تھی۔ انہوں نے شاید اب بحث فضول جانی اور اٹھ کر وال ٹو وال بنی الماری کی طرف بڑھ گئیں۔ الماری کھولے وہ کچھ تلاش کرتی رہیں۔ وہ عجیب ذہنی انتشار کا شکار تھیں۔ ان کو شہرام سے کچھ اچھی امیدیں وابستہ نہیں تھیں۔ وہ زیورات کے ڈبے اٹھا کر لے آئیں۔

"ہما تمہارا کیا خیال ہے۔ شہرام ماہ ما کو پہلے کی طرح چاہے گا ناں۔ وہ اسے طعنے تو نہیں دے گا ناں وہ...... وہ اس کے کردار پر شک تو نہیں کرے گا ناں۔ شک کا عفریت ایک بار چمٹ جائے تو زندگی برباد کر دیا کرتا ہے۔ میری بیٹی تو کلیوں سے زیادہ نازک ہے وہ تو احساس کی گرمی سے جھلس جاتی ہے...... تمہارا کیا خیال ہے وہ کس طرح رکھے گا ماہ ما کو؟"

اس وقت وہ صرف ایک ماں بن کر بول رہی تھیں جو اپنی بیٹی کے مستقبل سے پریشان تھیں۔ طرح طرح کے وسوسے سانپوں کی طرح ان کو خوف زدہ کر رہے تھے۔ حالات اگر نارمل ہوتے تو ان کو فکر نہ ہوتی مگر اب دونوں کے بیچ بدگمانی کی دیوار حائل ہو گئی تھی۔

"شہرام ماہ ما کو کتنا چاہتا تھا یہ تو اس کی دیوانگی نے ہمیں بتا رکھا تھا مگر آئندہ کے بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں چاچی جی اس لیے کہ حقائق کے آئینے میں ہم حال کی تصویر دیکھ سکتے ہیں' مستقبل کی نہیں...... لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے پرامید رہنا چاہیے۔ آپ فکر مند نہ ہوں' انشاء اللہ اچھا ہی ہوگا۔" ہما کو اس وقت ان پر ترس آ رہا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر ان کو دلاسے دیتی رہی گو کہ خود وہ ڈانواں ڈول سی تھی۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو ہما بیٹی! میں تو دن رات سوچ سوچ کر ہلکان ہوئی جا رہی ہوں۔ شہرام کی دیوانگی کا مجھے بھی پتا ہے مگر اس تصویر کے بعد سے جو اس نے اپنا رویہ شو کیا ہے' اس کے بعد تو میں بہت خوف زدہ ہو گئی ہوں کہ کہیں میری معصوم بیٹی سے انتقام نہ لے۔''

ان کی باتوں سے ہما کو اتنا اندازہ تو ہو گیا تھا کہ وہ شہرام کو نہ تو دل سے پسند کرتی ہیں اور نہ اس پر اعتماد ہے۔

''چلیے آپ فکر نہ کریں' اللہ پر بھروسا کریں' اللہ کا ہر فیصلہ ہی بہرحال حتمی اور آخری ہوتا ہے۔''

''اچھا ہما بیٹی میں یہ چاہتی ہوں۔ اپنی بیٹی کی شاپنگ خود کروں اور اسے کراؤں۔ تم ذرا اسے تیار کرو۔ ہم تینوں جا کر شاپنگ کر لیتے ہیں بعد میں وہ شہرام کے ساتھ شاپنگ کرے گی۔''

''جی بہتر چاچی جی! میں ابھی جا کر ماہ ما سے بات کرتی ہوں۔ دعا کریں کہ حالات سازگار رہیں ورنہ......''

ہما بہت سے خدشات کے ساتھ وہاں سے اٹھ کر آ گئی۔ نہ جانے کیوں اس کا دل گھبرا رہا تھا۔ کسی انجانی سی انہونی کے خوف سے۔

☆☆☆

ماہ ما کتنی دیر سے ایزی چیئر پر بیٹھی دروازے سے جھانکتی چھوٹی سی روشنی کی لکیر کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ کتنی دیر سے اسی طرح بے حس سی بیٹھی تھی ذہن ہر قسم کی سوچ سے خالی تھا اور نظریں روشنی کی باریک سی لکیر پر جمی تھیں۔ اسی وقت لکیر کشادہ ہو گئی۔ دروازہ مزید کھل گیا تو وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ سامنے ہاتھ میں چائے کے دو کپ لیے ہما کھڑی تھی۔

''آ جاؤں۔'' ہما نے اسے دیکھتے ہوئے وہیں رک کر پوچھا تو ماہ ما نے پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ ''میرا گھر تو پتھریلی چٹان پر ہے ہما ان پتھروں پر چل کر آ سکتی ہو تو آ جاؤ۔'' اس کی آواز کا کرب اس کے چہرے پر پھیل گیا۔ ہما آہستگی سے اندر آ گئی اور دروازہ بند کر دیا۔

''ہوں تو کیا سوچا جا رہا ہے؟'' ہما نے اس کے ہاتھ میں کپ تھمایا تو وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''کوئی سوچ بچی ہی نہیں' کیا سوچنا ہے؟ یہاں تو دور دور تک سنسان راستوں کے سناٹے ہیں اور گزرتے لمحوں کی سرگوشیاں اور......اور......'' ویران راستوں کا سارا سناٹا اس کے لہجے میں اتر آیا تو وہ ایک دم ہی سیدھی ہو گئی۔ ہما دکھ سے اسے دیکھنے لگی اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ بات کرے۔ پھر وہ کتنی ہی دیر اس سے یہاں وہاں کی باتیں کرتی رہی۔

''ماہ ما چاچی جی کہہ رہی تھیں کہ آج میں' تم اور وہ شاپنگ کرنے جائیں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟''

ہما نے بڑی احتیاط سے اصل مقصد کی جانب قدم بڑھائے تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی پھر چیئر سے اٹھ کر کپ میز پر رکھا اور پھر اس کی طرف آ گئی اور بغور اسے دیکھنے لگی۔ وہ اس سے نظریں چرا رہی تھی۔

''شاپنگ......کیسی شاپنگ میرا تو ایسا کوئی پروگرام نہیں ہے۔'' ماہ ما گھر میں بننے والے پروگرام سے قطعی بے خبر شاپنگ کے پروگرام سے متفق نہیں ہو رہی تھی اور ہما کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اصل بات بتائے کیسے' تیور بڑے کڑے تھے۔

''دیکھو ماہ ما! بات یہ ہے کہ بزرگوں نے تمہاری شادی کا فیصلہ کیا ہے اور اس فیصلے میں خود چاچی جی کی رائے اور خوشی بھی شامل ہے۔ اس لیے وہ چاہتی ہیں کہ تمہاری شاپنگ وہ اپنی اور تمہاری پسند سے کریں۔'' ہما نے اپنی بات کے جواب میں اس کے چہرے پر سر ابھارتے طوفان کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ جنونی انداز میں کھڑی ہو گئی۔

''میری شادی...... میری شادی ہو رہی ہے اور مجھے خبر ہی نہیں۔ کس سے ہو رہی ہے میری شادی؟'' اس کے تیور خاصے کڑے تھے۔ ہما تو سہم گئی تھی اس کے تیور کسی بڑے طوفان کے غماز تھے۔

''ماہ ما! دیکھو یہ زندگی ہے اس میں UP' DOWN تو آتے رہتے ہیں۔ ٹھیک ہے جو کچھ بھی ہوا اس میں تمہارا قصور نہیں تھا مگر شہرام بھی تو بہت ہرٹ ہوا ہے ناں۔ زیادتی تو اس کے ساتھ بھی ہوئی ہے ناں۔ نہ تم قصوروار ہو اور نہ ہی شہرام خطاکار۔ اصل قصوروار اصل مجرم تو ثوبی ہے' اسے تو کسی نے کچھ نہیں کہا اور تم دونوں نے خود کو تباہی کے راستے پر ڈال دیا ہے۔ یہ حماقت تم دونوں کی ہے مگر سزا اب کیوں بھگتیں۔ اس لیے بزرگوں نے فیصلہ کیا ہے۔ شہرام واپس جا رہا ہے تو تم دونوں کی شادی کر کے تمہیں شہرام کے ساتھ بھیج دیا جائے۔''

''VERY GOOD'' اس کی بات کے اختتام پر ماہ ما نے زور زور سے تالیاں بجائیں اور انتہائی تلخ اور زہریلی سی ہنسی ماہ ما کے معصوم سے چہرے کو تلخ بنا گئی۔

''تو......تو نیور۔ ہما! جو شخص محبت کا پہلا احساس تھا' میری دعاؤں میں تھا' اسی نے......اسی نے مجھے اپنی نظروں سے گرا کر میری نظروں میں گرا دیا تو......تو میرے ہی اپنے مجھے اس کے پاؤں کی جوتی بنا کر اسی کے ہمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہرگز نہیں' میں جیتی جاگتی عزت نفس رکھنے والی انسان ہوں ہما کوئی جانور نہیں ہوں کہ زبردستی کسی دوسرے کے کھونٹے سے باندھ دیا جائے۔ اس نے میری انسلٹ کی ہے ہما' میرے جذبوں کی توہین کی ہے۔ وہ شخص' جو مجھے دیکھ کر رستہ بدل لیتا ہے مجھے اسی کا ہم سفر بنایا جا رہا ہے زبردستی۔ نہیں ہما! اب میں اتنی توہین برداشت نہیں کروں گی۔ میں شہرام سے ہر

ہرگز شادی نہیں کروں گی...... ہرگز نہیں...... جاؤ بتا دو جا کر ان سب کو۔ مجھے اپنی یہ توہین گوارا نہیں۔ وہ لمحہ لمحہ مجھے اپنی نظروں میں گراتا رہے میرے کردار پر کیچڑ اچھالتا رہے...... تو...... تو...... ہا جاؤ کہہ دو جا کر یہ نہیں ہو سکتا کبھی نہیں ہو سکتا۔ جاؤ، جاتی کیوں نہیں ہو ماما جاؤ۔ کہہ دو خبردار جو کسی نے میری عزت نفس کو اس کم ظرف آدمی کے پاس رہن رکھوایا ہو۔ جاؤ ناں جاؤ کہہ دو جا کر ممانے تایا ابو سے سب سے۔ نہیں کرنی مجھے اس کم ظرف سے شادی جس کو میں نے کبھی ٹوٹ کر چاہا تھا۔ آج اس سے شدید نفرت ہے مجھے...... اس سے...... جاؤ کہہ دو جا کر جاؤ ناں......" ماہ ما نے چلا کر کہا اور اسے دھکیلتی ہوئی دروازے تک لے آئی اور باہر نکال کر دروازہ اندر سے بند کر کے دروازے کے ساتھ ہی ٹیک لگا کر بیٹھ گئی پھر اس پر عجیب جنون سا سوار ہو گیا اور اس نے کمرے کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا۔

"شادی...... ہا...... شادی کروں میں شہرام سے اس شہرام سے جس نے مجھے چاہا یا اس شہرام سے جس نے مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا میرے کردار کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ نہیں...... I HATE YOU۔" پھر وہ اسی نفرت کا یقین اتارتی رہی اندر کہیں جہاں محبت کے یقین کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔ وہ پھر بے دم سی ہو کر بستر پر گر گئی۔ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ پھر دونوں ہاتھ دعا کی صورت میں اٹھا کر اوپر دیکھنے لگی تو کبھی کہیں پڑھا ہوا پروین شاکر کا شعر اس کے لبوں پر آ گیا۔

میری طلب تھا ایک شخص وہ جو نہیں ملا تو پھر
ہاتھ دعا سے یوں گرا کہ بھول گیا سوال بھی

پھر وہ مجسم اشک بنی کتنی ہی دیر روتی رہی۔ اس کے اندر باہر کی تنہائی اس کے سوگ میں شریک ہو گئی۔

☆☆☆

"کیا...... کیا اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود جبکہ طوفان آ کر سب کچھ تباہ کر کے، سب کچھ سمیٹ کر چلا بھی گیا۔ اس کے باوجود......؟ حیرت ہو رہی ہے مجھے ایاز کہ اس کے باوجود یہ فیصلہ کیا گیا...... کیوں، کیوں آخر؟"

شہرام کا رویہ ماہ ما سے زیادہ سخت اور جارحانہ تھا۔ جس خواہش کو اس نے بڑی مشکل سے دل کے کاغذ سے مٹایا تھا، یہ لوگ پھر...... پھر اسی کے نقش ابھارنا چاہتے تھے۔ وہ سلگ اٹھا تھا۔

"شہرام...... شہرام! ٹھیک ہے جو ہوا اچھا نہیں ہوا مگر اب یہ بھی تو نہیں ہو سکتا ناں کہ ہم تمام عمر لکیر کو پیٹتے رہیں اور......" ایاز اسے ہر طرح سے قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شہرام تیورا کر اٹھا۔

"ایاز پلیز...... پلیز، میرے ضبط کو نہ آزمایا جائے تو بہتر ہے۔ تم اپنی کہو کہ اگر خدانخواستہ تم ہما کو کسی اور کے ساتھ اسی روپ میں دیکھو گے تو...... تو تم اس سے کیا اخذ کرو گے اور کیا تمہاری غیرت یہ گوارا کرے گی کہ تم پھر ہما......"

"شہرام پلیز...... پلیز! ایسی باتیں نہ کرو میں نے کب کہا ہے کہ تم غلط ہو...... مگر۔"

"اونہہ......! ایسا ہی ہوتا ہے ایاز...... اور سنو جب غیرت کا سوال ہوتا ہے تو کوئی اگر مگر باقی نہیں رہتا۔ سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ جاؤ کہہ دو جا کر سب سے کہ دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے۔" شہرام کے اندر کا دکھ کرب، درد بن کر اس کے لہجے میں اتر آیا تو ایاز ناکام سا اٹھ کر باہر آ گیا...... تو شہرام کمرے کی تنہائی سے لپٹ کر رو دیا۔

"دیکھا...... دیکھا تم نے ماہ ما یہ میں ہوں شہرام جس نے کبھی بڑی تمنا سے تمہیں چاہا تھا اور ہر گزرتے لمحے میں، میں نے تمہیں خدا سے مانگا تھا مگر...... مگر یہ کیا ہو گیا ماہ ما...... ماہ ما" وہ انتہائی زور زور سے چلایا اور آخری بار محبت کی قبر پر شدتوں سے رو دیا...... اور پھر اس پر کتنا واویلا ڈالا گیا کبھی محبت سے منایا گیا دونوں کو کبھی اپنی بزرگی کو استعمال کیا گیا مگر دونوں ٹس سے مس نہ ہوئے۔ حتیٰ کہ خاندان کی عزت کی خاطر عفت خود میدان میں اتر آئیں۔

"آپ...... آپ چاچی جی حیرت ہے آج اس رشتے کو جوڑنا چاہ رہی ہیں جس کے توڑنے کے لیے آپ ایسے ایسے منصوبے بنایا کرتی تھیں کہ یہ ٹوٹ جائے...... اور آج آپ اسے جوڑنا چاہتی ہیں حیرت ہے۔ ٹوٹنے سے ناامید ہو گئی ہیں۔ آپ نے اس وقت ہمارا نکاح نہیں ہونے دیا تھا کہ منگنی کا کیا ہے کسی وقت بھی ٹوٹ جائے گی نکاح ہو گیا تو اس مضبوط بندھن کو شاید آپ نہ توڑ سکیں۔ آپ نے دور اندیشی سے کام لیا اور صرف منگنی پر ٹرخا دیا آج جب وہ بندھن بھی کانچ کی طرح ٹوٹ کر بکھر چکا ہے تو آپ چاہتی ہیں کہ میں...... میں اپنے زخموں سے ان کو چنوں، ان کو یکجا کروں تو...... چاچی جی یہ تو...... ظلم ہے زیادتی ہے۔ مت گھسیٹیے مجھے کانٹوں پر وہ شہرام مر چکا ہے جو آپ کی بیٹی کو ٹوٹ کر چاہتا تھا۔ یہ تو...... یہ تو وہ شہرام ہے جو لٹ چکا ہے، اپنا قافلہ چھوڑ چکا ہے۔ آپ کو خوش ہونا چاہیے کہ میں خود آپ کی بیٹی کے راستے سے ہٹ گیا ہوں اب تو وہ......"

شہرام بہت دکھی ہو رہا تھا۔ عفت جہاں نے جتنے کانٹے اس کی راہوں میں بچھائے تھے سب اس کی روح میں پیوست ہو گئے تھے کہ وہ سسک پڑا تھا۔ عفت جہاں اپنی غلطی تسلیم کرنے اور اس کے دکھ کو محسوس کرنے کے بجائے غصے میں آ گئیں۔

"شہرام تم...... تم نے ہمیشہ میری کلیوں جیسی بیٹی کے کردار پر شک کیا ہے جبکہ میری بیٹی پاک دامن ہے۔"

''آپ کی بیٹی کی پاک دامنی سے انکار کس کو ہے۔ چاچی جی اس کی پاک دامنی کا مجھے یقین ہے مگر کیا کروں میں بہت کم ظرف ہوں اور میری کم ظرفی کی یہ دلیل کافی ہے کہ میں اس سے شادی نہیں کرسکتا...... پلیز' مجھے مجبور نہ کیا جائے۔''

شہرام نے عفت کو لوٹا دیا تو بھائی صاحب نے سختی کا رویہ اختیار کرلیا۔

''اس کی یہ جرات کہ بزرگوں کو جواب دے۔ شہرام اور ماہ ما کا نکاح آج ہی ہوگا۔ ایاز بندوبست کرو۔''

یہ بھائی صاحب کا حکم تھا۔ انہوں نے اتنے گرج دار لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا تھا کہ گھر کے در و دیوار کانپ گئے تھے۔

''میرے ساتھ اگر زبردستی کی گئی تو...... میں خودکشی کرلوں گا۔'' باپ کے حکم کے جواب میں جب بیٹے نے اپنا فیصلہ سنایا تو سب نے دل تھام لیے۔ وہ اس وقت نفرت کی آگ میں جل رہا تھا اسے کچھ احساس نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کس سے کہہ رہا ہے؟

اس کے فیصلے پر بھائی صاحب ڈھے سے گئے۔ وہ چھڑی پر دباؤ ڈالتے ہوئے صوفے پر جھک گئے۔

''صدیقہ بیگم اس ناخلف' نافرمان بیٹے سے کہو نکل جائے۔ دفع ہوجائے یہاں سے...... نکل جائے میرے گھر سے' میرے دل سے نکل جائے۔'' ان کی آواز دھیمی پڑ گئی۔ ہال میں موجود سب سانس روکے کھڑے تھے۔ شہرام اس وقت جنونی حالت میں تھا' کسی قسم کی نہ تو اس کو فرمانبرداری یاد تھی اور نہ ہی باپ کی حالت کی پروا وہ ڈھٹائی سے باہر نکل گیا۔

''آپ...... آپ ہمت سے کام لیں میں اس کو سمجھالوں گی۔ آپ اثر نہ لیں میں...... میں ابھی دیکھتی ہوں۔''

صدیقہ بیگم جو باپ بیٹے کے آمنے سامنے سے خوف زدہ ہوگئی تھیں' شوہر کی حالت سے خوف زدہ ہوکر اٹھیں مگر انہوں نے اشارے سے روک دیا۔

''کوئی ضرورت نہیں اس نانجار سے کچھ کہنے کی۔ ہم اس کے سامنے دامن نہیں پھیلائیں گے ماہ ما تو میری ہی بہو بنے گی۔ شہرام نہ سہی اب اس کا نکاح ایاز کے ساتھ ہوگا۔'' ان کا یہ فیصلہ کسی دھماکے کی طرح پھٹا باقی سب تو حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے مگر یہ بم براہ راست ایاز اور ماہ ما پر گرا۔ انہوں نے گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر ماہ ما آنکھوں میں اترتی دھند لیے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

''اوہ چپ کرو خانہ خراب کا بچہ! تمہاری چیخوں نے ہمارا طوطا اڑا دیا۔'' گاڑی خوش قسمتی سے اسپیڈ کم ہونے کی وجہ سے کسی خطرناک حادثے سے تو بچ گئی تھی مگر روڈ پر سے اتر کر ایک کھوکھے سے ٹکرا کر رک گئی تھی اور وہ تینوں کورس میں چلائے جا رہے تھے اور یہ شغل شاید جاری رہتا اگر خان بھائی آ کر نہ ڈانٹ دیتے۔ تینوں ایک دم چپ ہوگئے۔

''خان جی! صرف طوطا اڑا ہے ناں کوئی اور تو نہیں اڑا؟'' رافع نے خوف زدہ سی نظر سے خان جی کو دیکھا۔

''او خانہ خراب! ہم کیسے اڑ سکتا ہے ہمارا وزن کچھ زیادہ ہی ہے۔'' خان صاحب نے نہ اڑ سکنے کی وجہ اپنا وزن بتایا۔

''کچھ نہیں خان جی! بہت زیادہ وزن...... میرا مطلب ہے یہ پیسے آپ رکھیے اور طوطا لے آیئے ہم چلتے ہیں۔''

رافع نے والٹ نکال کر ہزار کا نوٹ خان جی کی طرف بڑھایا کیونکہ غنیمت تھا کہ یہاں لوگ زیادہ نہیں تھے اور یہ خان صاحب طوطا لے کر قسمت کا حال بتانے جا رہے تھے کہ یہ حادثہ ہوگیا۔

''یہ تم ہم کو کس کی قیمت دے رہا ہے۔'' خان صاحب کو غالباً پیسے کم لگ رہے تھے۔ اچھی گاڑی تھی ان کے خیال میں جتنے پیسے ہتھیا لیے جائیں' کم ہیں۔ انہوں نے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے پیسے واپس کرتے ہوئے پوچھا۔

''دیکھیے بھائی! جو چیز کارآمد ہوتی ہے اس کی قیمت بھی ہوتی ہے۔ طوطے کی قیمت دے رہا ہوں' آپ کی نہیں۔''

رافع نے نیلو اور نوشی کو دیکھتے ہوئے کہا' جن کے چہرے پر ابھی بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''اوئے پاگل آدمی! جس طوطے سے ہم نے ہزاروں روپے کمائے اور کمانے تھے اس کا تم ہم کو صرف ایک ہزار دیتی ہے؟''

اب خان صاحب کو غصہ آنے لگا تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر رافع کو دھمکایا اور گریبان سے پکڑ کر باہر گھسیٹنا چاہا۔

''ارے خان بھیا' آپ خفا نہ ہوں...... یہ یہ ایک ہزار اور لے لو۔'' نیلو نے گھبرا کر ایک اور نوٹ اس کی طرف بڑھایا تو خان کے لالچ میں اضافہ ہوگیا۔ اس نے اس نوٹ کو بھی نظر انداز کر کے رافع کے گریبان پر دباؤ بڑھایا۔

''تم ہم کو پاگل سمجھتی ہے خالہ ایک تو ہماری روزی پر لات ماری اور......''

''جھوٹ مت بولو خان ہم نے تمہاری روزی پر لات نہیں ماری گاڑی ماری ہے۔'' رافع پھنسی ہوئی آواز میں بولا۔

''اسی لیے تو ہم تم کو تھانے لے کر جائے گی اور ایسی چھترول کرائے گی کہ...... نکلو باہر' ہم بولا نکلو باہر۔''

خان رافع کو کھڑکی سے ہی باہر نکال لینا چاہتا تھا جبکہ رافع کو اس سے اختلاف تھا۔

''خان بھائی اتفاق سے ہماری گاڑی میں دروازے بھی ہیں میں دروازے سے باہر آتا ہوں۔''

''ہم تم کو کھڑکی ہی سے نکالے گی۔'' اور پھر خان نے رافع کو کھڑکی سے نکالنے کی بہت کوشش کی کبھی ٹانگیں باہر ہوتیں کبھی بازو لڑکیاں الگ پریشان تھیں۔ رافع نے خان کو اچھا خاصا چکرا دیا تھا۔ رافع کی شرارت سے کبھی پاؤں خان کے منہ پر لگتا کبھی ہاتھ ایسی گدگدی کر جاتے کہ وہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتا مگر لالچ نے رافع پر گرفت کمزور نہیں پڑنے دی۔ وہ اپنے طوطے کی قیمت بڑھا رہا تھا۔

''اچھا خان! جھگڑا ختم کرو۔ ہمیں دیر ہو رہی ہے۔ ایک ہزار اور لے لو۔'' اب نوشی نے جیب ڈھیلی کی ایک اور نوٹ دیکھ کر خان کا لالچ مزید بڑھا۔

''جاؤ' جاؤ خالہ ان تین ہزار کی مونگ پھلی کھاؤ۔''

''کیوں' کیوں۔ یہ کوئی بندریا ہیں کہ مونگ پھلی کھائیں۔'' رافع چیخا تو خان مڑا۔

''تم فکر کیوں کرتی ہے بن مانس کی اولاد' ہم تم کو الو کے دے گی ہم کو دس ہزار دو۔ ورنہ ہم جاتی ہے تھانے۔'' خان نے دھمکی دی تو رافع نے تین نوٹ اس کے سامنے کر دیے۔

''خدا کا خوف کھاؤ خان! ابھی کرائے اتنے نہیں بڑھے کہ تھانے جانے کا دس ہزار کرایہ لگے۔ یہ تین ہزار رکھو اور راستہ ناپو' ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' ابھی یہ بحث چل رہی تھی' خان دس ہزار کا مطالبہ کر رہا تھا کہ اس کا طوطا جو کہ روزی کا ذریعہ تھا اس کی وجہ سے اڑ گیا لہٰذا یہ تاوان ادا کریں مگر شاید خان کو یہ بات بھول گئی تھی کہ طوطا بہت وفادار ہے۔ طوطا واپس آ کر خان کے شانے پر بیٹھ گیا تو رافع نے جھٹ تین ہزار واپس کھینچ لیے۔

''طوطے کی واپسی مبارک ہو خان! بڑا وفادار طوطا ہے ہم چلتے ہیں۔'' رافع نے نیلو کو گاڑی اسٹارٹ کرنے کا اشارہ کیا تو خان کو اپنی بے وقوفی پر غصہ آنے لگا کہ خواہ مخواہ زیادہ کے لالچ میں کم بھی گنوا دیے۔

''یہ...... یہ پاگل کا بچہ کوئی اور طوطا ہے۔ ہمارا طوطا نہیں اے۔ صاحب لاؤ ہم کو ہزار ہی دے دو۔'' دھونس کے بجائے اب خان منت پر اتر آیا اور اپنے وفادار طوطے اور اس کی وفا کو اس نے تین ہزار میں بیچنا چاہا۔

''شرم کرو خان کہ وہ ایک جانور ہو کر تمہارے پاس لوٹ آیا ہے اور تم انسان ہو کر اسے پہچاننے سے انکار کر رہے ہو' چند روپوں کی خاطر بہت بری بات ہے۔ خان بہت بری بات ہے' چلو نیلو۔''

رافع نے پیسے والٹ میں ڈالے اور نیلو مڑی تاکہ گاڑی اسٹارٹ کی جاسکے مگر خان نے پھر رافع کا گریبان پکڑ لیا۔

''ہمارا پیسہ دو صاحب ورنہ ہم جاتی ہے تھانے۔'' اس نے دھمکی دی۔

''جاؤ خان پہنچ کر اطلاع دے دینا چلو لڑکیوں' ابھی وقت ہے۔'' رافع نے اس کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی کی۔

''تم ایسے نہیں مانے گی۔'' خان کو بھی شدید غصہ آ گیا تھا۔ وہ طوطے کو گالیاں دیتا رافع کا گلا دبانے لگا۔

''لڑکیوں چیخو!'' رافع کا کہنا تھا کہ نیلو' نوشی اتنی زور سے چلائیں کہ خان کا طوطا جو لڑکیوں کی چیخوں سے غالباً الرجک تھا فوراً اڑ گیا۔ خان نے بھی کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔

''لڑکیوں بھاگو!'' رافع چلایا تو نیلو نے گاڑی اسٹارٹ کر کے اسپیڈ پر چھوڑ دی۔ خان آواز دیتے پیچھے بھاگتے رہے اور بھاگتے ہوئے کسی پتھر سے ٹھوکر لگی تو منہ کے بل گر گئے۔ رافع ہنسنے لگا۔

''یہ ہوتا ہے لالچ کا انجام!'' نیلو نے اسپیڈ کم کرتے ہوئے کہا۔

''ویسے خان صاحب' ان مفت کے تین ہزار کے کھو جانے کا سوگ تمام عمر منائیں گے۔'' نوشی مسکرائی۔

''یار حد ہو گئی لالچ کی۔ خیر چھوڑو خدا کا شکر کرو کہ ہماری بچت ہو گئی۔ اب کیا پروگرام ہے؟''

''اب ہم سیدھے گھر جائیں گے اور بچ جانے پر خدا کے حضور شکرانے کے نفل ادا کریں گے۔''

کم از کم لڑکیاں تو اس حادثے کے بعد سیدھا گھر ہی جانا چاہتی تھیں۔

''نفل تو ہم ضرور ادا کریں گے مگر کچھ کھا پی تو لیں۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' رافع بضد تھا تو ان کو بھی جانا پڑا۔ ایک ہوٹل کی پارکنگ میں گاڑی پارک کرتے ہوئے نیلو کی نظر زورین کی گاڑی پر پڑی۔ ایک ٹیس سی ابھری۔ اس نے سختی سے ہونٹ بھینچ کر اس کی تیزی کو دبا دیا۔

''وہ دونوں بھی یہیں ہیں۔ کیا خیال ہے ہمیں اترنا ہے یا چلیں آگے؟'' وہ خود زورین کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

''ارے واہ! اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے۔ آؤ ان ہی کے مہمان بنتے ہیں۔ دیکھیں اس سرپرائز پر ہماری کزن فضہ کے کیا تاثرات ہوتے ہیں چلو آؤ۔'' نوشی اور رافع نکل کر کھڑے ہو گئے مگر نیلو بیٹھی رہی۔

''او خالہ' آؤ ناں' اب کیا سوچتا ہے؟'' رافع نے جھک کر خان کے انداز میں کہا تو ایک پھیکی سی مسکراہٹ لیے باہر نکل آئی۔

''چلتا ہوں خانہ خراب کا بچہ! مگر ایک شرط پر؟'' نیلو نے موڈ بحال کرتے ہوئے کہا۔

''بولو...... بولو خالہ! تمہارا ساتھ کے لیے ام کو ہر شرط منظور ہے' منظور ہے۔''

رافع بڑی چاہت سے نیلو کے ساتھ ساتھ قدم اٹھاتا ہوا بولا تو نوشی بور ہو کر دونوں کو دیکھنے لگی۔

''کیا مصیبت ہے خان نے تو اچھا اثر چھوڑا ہے تم دونوں پر۔ خبردار! جو اب خان کو یاد کیا گیا۔'' نوشی نے دھمکی دی۔

''او کے خالہ' اور کوئی حکم۔'' رافع نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کہا تو نیلو ہنس پڑی۔ وہ رافع کو دیکھنے لگی۔

''رافع تم بھی خوب ہو۔ تمہارا ساتھ ہو اور بندہ بور ہو جائے ناممکن ہے یہ تو۔''

''ریئلی! یہ بات ہے تو بندہ تمام عمر تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہے۔'' رافع نے نیلو کو دیکھ کر گمبھیر سے لہجے میں کہا۔ وہ تو شاید نہیں سمجھ پائی البتہ نوشی نے ایک خاموش سی نگاہ رافع پر ڈالی اور قدم تیزی سے بڑھانے لگی۔ اور پھر رافع نے بڑی احتیاط کے ساتھ ذورین اور فضہ کو تلاش کیا۔ دونوں ایک طرف الگ ہو کر بیٹھے تھے۔ وہ لوگ بھی ایسی جگہ پر بیٹھ گئے جہاں سے یہ تو ان کو دیکھ سکتے تھے مگر ان دونوں کو نظر نہیں آ رہے تھے۔ ذورین تو نارمل سا لگ رہا تھا البتہ فضہ بڑی رومینٹک سی شکل بنائے ذورین کو دیکھ رہی تھی۔ نیلو کو عجیب طرح کی جلن سی ہونے لگی حالانکہ وہ جانتی تھی کہ ذورین اس کا نہیں تھا تو کسی کا بھی ہوتا' اسے پروا نہیں ہونی چاہیے تھی مگر وہ یک طرفہ جذبوں کے سفر پر بھی اتنی دور جا چکی تھی کہ وہ اسے کسی اور کا ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی اور وہ بھی فضہ جیسی آرٹیفیشل لڑکی کے ساتھ۔

دونوں نہ جانے کیا باتیں کر رہے تھے۔ رافع اپنی طرف سے باتیں جوڑ رہا تھا۔

''اس وقت ذورین یقیناً جھوٹ بول رہا ہے۔'' ذورین نے نہ جانے کیا بات کی تھی کہ رافع نے ریمارک دیا۔

''تمہیں کیسے پتا چلا؟'' دونوں لڑکیوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا جس نے ربربینڈ میں کاغذ کی گولی سی بنائی اور ادھر ادھر دیکھنے لگا تاکہ فضہ کی ناک کا نشانہ لیا جائے۔

''بھئی سیدھی سی بات ہے جب دو لڑکی لڑکا آمنے سامنے بیٹھے ہوتے ہیں تو لڑکا ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے۔ جیسے فرض کرو میں کہوں نوشی' تم دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہو۔ دیکھو ہوا ناں جھوٹ!'' وہ شرارت سے ہنسا تو نوشی نے گہرا سانس لے کر نیلو کو دیکھا۔

''ویسے آپ اسی مثال میں نیلو کا نام بھی تو لے سکتے تھے۔'' نوشی کے لہجے میں دکھ کی آمیزش کے ساتھ ہلکا سا شکوہ بھی تھا۔ اس کے شکوے کی اوٹ میں رافع نے نیلو کو دیکھا جس کے چہرے پر اس وقت اداس سی شام اتری ہوئی تھی اور اس کے حسن کو عجیب پرسوز سا بنا دیا تھا۔

''نیلو کا نام لیتا تو پھر بھلا جھوٹ کہاں رہتا۔'' نیلو کی نظریں اس وقت صرف ذورین پر تھیں' دھیان سمیت اس لیے رافع کی بات دیوانے کی بڑ کی طرح صرف نوشی ہی کو اہمیت کا احساس دلا سکی۔ ذورین فضہ کی خوب ناز برداریاں کر رہا تھا۔ کبھی کچھ پیش کر رہا تھا کبھی کچھ۔ ایک عجیب طرح کا احساس کمتری نیلو کے اندر اتر رہا تھا سر دلبر کی صورت۔

''رافع! کیا کر رہے ہیں آپ خدانخواستہ نشانہ چوک گیا کسی اور کو لگ گیا تو ہنگامہ بھی ہو سکتا ہے۔ مینرز کے خلاف ہے یہ۔''

رافع ربربینڈ سے فضہ کی ناک کا نشانہ لینے ہی والا تھا کہ نوشی نے روک دیا جس کی تائید نیلو نے بھی کی تو اس نے ارادہ ملتوی کر دیا اور پھر کھانا کھا کر یہ لوگ ان کے اٹھنے سے پہلے ہی پارکنگ میں آگئے اور کہیں چھپ کر ان کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ بھی برآمد ہو گئے۔

دونوں ساتھ چلتے ہوئے کسی بات پر مسکرا رہے تھے۔ ذورین کی مسکراہٹ اتنی اچھی اور نرم سی ہے اس کا اندازہ تو نیلو کو آج ہی ہوا تھا۔ وہ اسے ہی دیکھے گئی پھر چلتے چلتے فضہ کا پاؤں مڑ گیا اور گرنے لگی۔ ذورین نے جس چاہت سے اسے تھاما تھا نیلو سے یہ نہ دیکھا گیا۔ وہ اٹھ کر گاڑی میں آ بیٹھی۔ وہ تو اب واپس جانا چاہتی تھی مگر رافع کا اصرار تھا کہ پیچھا کیا جائے۔

''نہیں رافع میں تھک گئی ہوں۔'' نیلو کے لہجے میں تھکن نہ دہ درد تھا۔ رافع اسے دیکھنے لگا۔

''اپنی ساری تھکن مجھے دے دو۔'' رافع کے لہجے میں جانے کیا بات تھی جس نے نیلو کو متوجہ کر لیا تو اس نے موضوع بدل دیا۔

''میرا مطلب ہے بہت اچھی نہ سہی تھوڑی بہت ڈرائیونگ تو ہمیں بھی آتی ہے۔ آپ ایک بار آزما کر تو دیکھیں۔''

اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے رافع نے چابی اس کے ہاتھ سے لے لی۔ اور پھر غیر محسوس انداز میں انہوں نے تمام وقت ان کا پیچھا کیا پھر وہ شاپنگ کرنے شاپنگ سینٹر گئے۔ رافع نے بھی گاڑی پیچھے روک دی۔ مگر لڑکیاں اترنا نہیں چاہتی تھیں۔

''نہیں رافع رہنے دو۔ انتہائی فضول سا لگتا ہے۔'' نیلو کا دل قطعی اترنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

''ارے نہیں بھئی' قطعی فضول نہیں۔ بہت اچھا شاپنگ سینٹر ہے۔ آؤ دیکھو تو سہی چلو ونڈو شاپنگ ہی ہو جائیگی۔ آؤ ناں نیلو! کچھ وقت اور ساتھ گزر جائے گا۔'' رافع نے گہرے سے لہجے میں اصرار کیا تو وہ اتر آئی۔

''اور اگر ان لوگوں کی نظر پڑ گئی تو......؟'' نوشی نے خدشہ ظاہر کیا تو رافع نیلو کو دیکھنے لگا۔

''تو پڑ جائے نظر' خوشیوں پر صرف ان کا حق ہے ہمارا نہیں...... چلیں۔'' پھر وہ تینوں شاپنگ میں

ان کے پیچھے ایسے رہے کہ وہ دیکھ نہ سکیں۔ ذورین نے فضہ کو خوب شاپنگ کرائی تھی۔ ایک ایک چیز اپنی پسند سے خرید رہا تھا گویا نیلو کو بطور خاص جلا رہا ہو۔ نیلو آنکھوں میں اترتی دھند کو بار بار صاف کر رہی تھی۔ اسی وقت ذورین فضہ کو چوڑیاں دلا رہا تھا۔ اس وقت فضہ صرف ذورین کی مرکز نگاہ تھی اور وہ جس قدر اترا سکتی تھی' اترا رہی تھی۔

''رافع! چلیں یہاں تو بہت گھٹن سی ہو رہی ہے۔'' گھٹن تو اس کے اپنے اندر تھی۔ اس کو ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ضبط کے بند ٹوٹ جائیں گے اور وہ پانی پانی ہو جائے گی اور یہی وہ نہیں چاہتی تھی اور پھر اس کے اصرار پر رافع ان کو نیچے لے آیا اور ایک جگہ بیٹھ کر آئس کریم کا آرڈر دے دیا۔ نیلو کرسی پر بیٹھ کر انگلی سے آنکھیں دبانے لگی۔

''آنکھوں میں درد ہے کیا؟'' رافع کی نظریں تو نیلو پر ہی تھیں اسے دیکھ کر بولا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں بہت زیادہ...... اتنا درد ہے کہ......'' نیلو کی آواز بھیگ گئی۔ دل کا درد لہجہ میں اتر آیا۔

''اوہو! معذرت خواہ ہوں نیلو تمہارے گلے میں درد ہوتا تو میں اپنی خدمات پیش کرتا دبانے کی آفر کرتا مگر......''

رافع کی بات پر نیلو اور نوشی مسکرا پڑیں۔ اسی وقت فضہ اور ذورین آ گئے۔ ذورین کی پہلی نظر ہی ان لوگوں پر پڑی۔ وہ گاڑی کی طرف جانے کے بجائے ان کی طرف آ گیا۔ رافع کو نیلو کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر اسے عجیب سا غصہ آ گیا۔

''ارے آپ لوگ بھی یہاں آئے ہیں؟'' غصہ تو اسے آ رہا تھا مگر اخلاقاً دبانا پڑا۔

''جی ہاں' ہم لوگ بھی آئے ہوئے ہیں کیونکہ باہر کہیں یہ درج نہیں تھا کہ فضہ بیگم اور ذورین کے علاوہ یہاں کوئی نہیں آ سکتا۔''

''رافع' تم تو ہمیشہ بات کا الٹا مطلب نکالتے ہو۔ ذورین کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں تھا۔'' فضہ نے جھٹ ذورین کی صفائی پیش کی تو رافع کو غصہ آ گیا۔ اس نے لدی پھندی فضہ کو گھورا۔

''اچھا جی دو دن میں آپ ان کی بات کا مطلب بھی سمجھنے لگیں۔ آ گئیں وہاں سے مس مطلب۔'' ابھی شاید ان کی چونچیں الجھتی رہتیں کہ ذورین' نیلو سے الجھنے لگا۔

''تمہیں کیا ضرورت تھی یوں آنے کی؟'' ذورین کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے نیلو نے اسے گھورا اور کھڑی ہو گئی۔

''خواہشات ضروریات کی تابع نہیں ہوتیں۔ میرا دل چاہ رہا تھا رافع اور نوشی کے ساتھ گھومنے پھرنے کو تو آپ کو برا کیوں لگ گیا ہے؟''

دل کی ساری جلن اس کے تلخ لہجے میں ڈھل گئی تو ذورین کچھ دیر کے لیے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''تفریح کے لیے اتنا ہی دل چاہ رہا تھا تو مجھے بتا دیا ہوتا۔'' ذورین ان کا خیال کر گیا ورنہ غصہ شدید آ گیا تھا۔

''تفریح کے لیے نکلوں، میں آپ کے ساتھ......! قطعی نہیں ایسا کبھی سوچیے گا بھی مت۔'' وہ مزید تاؤ دلانے والے انداز میں بولی۔

''یہ میں صرف مما کے خیال سے کہہ رہا ہوں۔ آج کل ان کی طبیعت بہت خراب رہتی ہے اور ان کو ہماری بہت ضرورت ہے۔ اگر تمہارا دل اتنا ہی بے اختیار ہو رہا تھا تو مجھے کہہ دیا ہوتا میں گھر پر رہتا میں اپنے سارے پروگرام ملتوی کر دیتا۔''

ذورین کو واقعی مما کی اتنی پروا تھی یا نیلو کو رافع کے ساتھ دیکھ کر غصہ آ گیا تھا۔

''میرے اختیار کو کبھی چیلنج نہ کرنا ذورین۔ بہت زیادہ تو نہیں الحمدللہ مجھے اپنے دل پر اتنا اختیار ضرور ہے کہ چھوٹی چھوٹی خواہشات کو دبا سکوں' آپ کیا جانیں کہ......'' قریب تھا کہ وہ مزید کچھ کہتی کہ ہار پھول والا بچہ آ گیا۔

''صاحب آپ ہی ہار پھول لے لیں آج تو دو روٹی کے لیے بھی بکری نہیں ہوئی۔'' بچے نے منت زدہ لہجے میں کہا تو رافع نیلو کو دیکھنے لگا۔ نیلو نے ذورین پر تیز سی نگاہ ڈالی اور رافع کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔

''لے لو رافع! مجھے گجرے بہت پسند ہیں۔'' نیلو نے پہلی فرمائش کی تو رافع کے اندر کہیں روشنی سی پھیل گئی۔ اس نے جھٹ ڈھیر سارے گجرے خرید لیے۔ پیسوں کے لیے والٹ نکال ہی رہا تھا کہ ذورین نے روک دیا۔

''قیمت تم رہنے دو رافع' میں ادا کرتا ہوں۔'' نیلو کی خواہش پوری کرنا ذورین اپنی ذمے داری سمجھ رہا تھا۔

''یہ گجرے انمول ہیں ذورین' تم ان کی قیمت نہیں جانتے۔'' رافع نے گہری سی نظر نیلو پر ڈالی اور بچے کو گنے بغیر پیسے دے دیے جو کہ گجرے کی قیمت سے بہت زیادہ تھے۔ بچہ بھی ان گجروں کی قیمت نہیں جانتا تھا جو رافع کی نظر میں تھی اس لیے وہ پیسے لے کر جلدی سے کھسک گیا کہ کہیں ان کو غلطی کا احساس نہ ہو جائے۔

''واؤ کتنی خوبصورت خوشبو ہے گجروں کی۔'' نیلو نے اپنے دونوں گجرے لے کر ہونٹوں سے لگا لیے۔ ذورین جھلس کر رہ گیا۔

''آؤ فضہ' ہم چلتے ہیں۔'' اسی غصے میں وہ نیلو کے قریب سے گزرا تو اس کے ٹکرانے سے نیلو کے

گجرے فرش پر گر گئے۔

''سنو رافع جلدی آجانا مما فکر مند رہتی ہیں۔'' بات کرنے کے بہانے وہ انہی قدموں پر چلتا اور گجروں کو کچلتا ہوا گزر گیا۔ نیلو کو اس کی یہ حرکت بہت چھوٹی لگی۔ وہ تپ گئی اس نے جھک کر گجرے اٹھائے' پھول سارے جھڑ چکے تھے' تار باقی تھی۔

''رافع تم خود ہی پہنا دو گجرے۔'' نیلو نے رافع کے سامنے کلائیاں کر دیں۔ رافع کچھ نہیں جانتا تھا وہ تو یہی سمجھ رہا تھا کہ شاید اس کی دعائیں قبول ہو گئی ہیں۔ رافع نے جھٹ گجرے اس کی نازک کلائیوں کی زینت بنا دیے۔

''اونہہ!'' ذورین نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا اور غصے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ نیلو نے ہاتھ پیچھے کر لیے۔

☆☆☆

''کیا صورت حال ہے صاحب! ذورین میاں تو آپ کی مٹھی میں آگئے ہیں اب تو کچھ حصہ ہمارا بھی نکلنا چاہیے۔''

رفیق کافی دنوں سے حالات کا جائزہ لے رہا تھا اور منتظر تھا کہ شجاع الدین خود اسے بلائیں اور کچھ دیں مگر وہ بھی شجاع الدین تھا جس کی ساری زندگی عیاری میں گزری تھی۔ وہ پڑھا لکھا تھا اور اس کے واردات کرنے کا انداز بھی مختلف تھا اور وہ رفیق جیسے لوگوں کو ہمیشہ بطور سیڑھی استعمال کر کے چھوڑ دیا کرتا تھا۔ رفیق کی بات پر انہوں نے سگار سلگایا اور تیلی ایش ٹرے میں رکھ کر وہ رفیق کی طرف گھومے جو اپنی چندی آنکھوں سے ان کو ہی دیکھ رہا تھا۔

''ابھی صرف ذورین میاں ہی مٹھی میں آئے ہیں۔ ان کی دولت جائداد نہیں' ارے ان پر تو وہ عثمان صاحب ناگ بن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب تک اس ناگ کو مارا نہیں جاتا ہماری حیثیت محض ایک بے بس تماشائی جیسی ہے۔ جو کرنا تو بہت کچھ چاہتا ہے مگر بے بس ہے۔ صرف ذورین کے مٹھی میں آجانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ وہ تو اپنی جیب سے چند ہزار نکال کر سامنے رکھ دیتا ہے اور بس!'' شجاع الدین صوفے پر نیم دراز ہو کر سگار پینے لگا تو رفیق نے حسب عادت اپنی ٹوپی اتاری پھونک ماری اور پھر سر پر رکھ شانے پر پڑا کپڑا اتارا جھاڑا اور پھر رکھ لیا اور ان کے قریب ہی بیٹھ گیا تو شجاع الدین کو یہ بے تکلفی پسند نہ آئی ''تم...... تم ہمارے برابر کیوں بیٹھ گئے ہو۔ تم لوگوں کے ساتھ یہی مسئلہ ہے ذرا لفٹ کراؤ تو بس سر پر سوار ہو جاتے ہو۔''

''کیوں بگڑ رہے ہو شجاع الدین' فرق تو اچھائی اور برائی میں ہوتا ہے۔ نیکی اور بدی میں ہوتا ہے لیکن برائی تو برائی ہوتی ہے' چھوٹی ہو یا بڑی برابر ہے تو پھر میرے برابر بیٹھ جانے پر تمہیں کیوں

اعتراض ہے۔ یاد رکھو شجاع الدین میں تر نوالہ نہیں ہوں جس کو تم آسانی سے نگل جاؤ گے۔ ارے میں تو حلق کا کانٹا ہوں زندگی عذاب نہ بنا دوں تو گردن کٹا دوں گا۔'' رفیق کے لہجے میں بغاوت اور دھمکی تھی۔ شجاع الدین خوف زدہ ہو گئے کیونکہ فی الحال رفیق ان کے لیے بہت اہم تھا۔ اگر وہ گڑبڑ کر دیتا تو سارا کھیل ختم ہو جاتا اور وہ اب یہ کھیل جیتنا چاہتے تھے۔

''ارے رفیق میرے یار! تم تو بلاوجہ ہی ناراض ہو رہے ہو تم اچھی طرح جانتے ہو ابھی تو کھیل شروع ہوا ہے۔ ابھی تو صرف ذورین ہی قابو میں آیا ہے مگر وہ بھی ہماری طرح بے بس ہے۔ اگر یہ عثمان کا کانٹا درمیان سے ہٹ جائے تو منزل بہت آسان ہو جائے۔ میں ان دونوں لڑکوں سے اپنی دونوں بیٹیاں بیاہ دوں گا اور پھر......'' شجاع الدین کی تو یہی پلاننگ تھی اس لیے تو فضہ کو آگے کر دیا تھا۔ فضہ بھی چونکہ باپ کی فطرت رکھتی تھی لالچی اور مکار تھی اسی لیے وہ اس ڈرامے میں اہم کردار ادا کر رہی تھی اور دوسرے ذورین اس کو پسند بھی بہت آیا تھا۔ شجاع الدین کی اس تجویز میں کم از کم رفیق کو اپنا حصہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

''پھر تو شجاع الدین تم پورے کے پورے کڑاہی میں ہو گے اور جب آنکھوں پر چربی آجائے تو کوئی نظر کہاں آتا ہے لیکن ...''

''اوہو رفیق تم کہاں جا رہے ہو۔ تم اس کھیل میں برابر کے شریک ہو۔ نقصان کے بھی اور فائدے کے بھی۔ میں کوئی بھاگا تو نہیں جا رہا ناں تمہارے سامنے ہوں' ساتھ ہوں۔ لیکن پلیز! میرا ساتھ نہ چھوڑ دینا ورنہ ادھورا کھیل ہم دونوں کو برباد کر دے گا۔'' شجاع الدین نے لجاجت بھرے انداز میں کہا تو رفیق بھی کچھ سوچتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

''ٹھیک ہے میں عثمان صاحب کا بندوبست کرتا ہوں۔ مگر یہ جو تم آج ذورین کو اپنا داماد بنانے کا خواب دیکھ رہے ہو ناں تو یہ بھی میرا کمال ہے کہ میں نے تمہارا تعارف ایسے کرایا ہے کہ بندہ قابو میں آگیا ہے اب بھی میں اسے ہی سیڑھی بناؤں گا چلتا ہوں خدا حافظ۔''

رفیق نے ایک بار پھر اپنا ٹوپی والا عمل دہرایا اور اپنی چندی آنکھوں سے شجاع الدین کو گھورتا چلا گیا۔

''ارے ایک بار میرے قدم جم جانے دو رفیق میاں پھر تمہارا پتا کیسے کاٹنا ہے یہ بھی مجھے معلوم ہے۔ آگیا میرے برابر بیٹھنے والا حصے دار۔ تمہارا تو خدا ہی حافظ ہے۔'' شجاع الدین نے مکاری سے ہنستے ہوئے کہا اور اٹھ کر باہر نکل گئے۔

☆☆☆

''ارے جھوٹ بولوں تو

دھمکی دی بلکہ شجاع الدین صاحب کا گریبان پکڑ لیا اور واجب الادا...... کرائے کا تقاضا کیا اور عدم ادائیگی کی صورت میں قانونی کارروائی کی دھمکی دی تو آفرین صد آفرین فضہ بی بی پر فوراً اپنے زیورات نکال کر مجھے دیے کہ رفیق چاچا ان کو بیچ کر کرایہ ادا کریں۔ آفرین ہے ایسی بیٹیاں تو رب کی ہوں جو وقت پڑنے پر اپنے والدین کے لیے سب کچھ قربان کر دیتی ہیں۔''

رفیق اپنا کردار بھرپور طریقے سے ادا کر رہا تھا۔ اس نے ذورین کی پوری پوری توجہ حاصل کر لی تھی۔ وہاں فضہ کے لیے دل میں جگہ بھی بن گئی کہ وہ اتنی اچھی لڑکی ہے۔

''اچھا اتنا کچھ ہو گیا اور مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ تم نے مجھے فون کر دیا ہوتا میں رقم لے کر پہنچ جاتا۔ لاؤ کہاں ہیں۔ فضہ کے زیورات کہیں تم نے بیچ تو نہیں دیے۔ لاؤ مجھے دو میں خود جا کر یہ معاملہ دیکھتا ہوں۔'' ذورین جذباتی ہو گیا۔

''زیورات...... وہ...... ذورین...... میاں! وہ زیورات ہاں تو وہ میں نے لیے ہی نہیں تھے۔ کتنے شرم کی بات ہے کہ گھر کی بیٹی کے زیورات بیچ کر کرایہ ادا کیا جائے۔ میں نے ان کو منع کر دیا تھا اس لیے کہ آپ سے رقم لے کر کرایہ ادا کر دوں گا۔ شجاع الدین صاحب تو اس پر بھی تیار نہیں تھے۔ بہت ہی غیرت مند اور عزت دار آدمی ہیں بس ذرا آزمائش میں پھنس گئے ہیں۔''

زیورات کا ذکر آیا تو رفیق ایک دم پریشان ہو گیا۔ شانے پر سے کپڑا اتار کر پسینہ صاف کیا اور جھوٹ گھڑنے والی فیکٹری سے جو جاندار جھوٹ برآمد ہوا اس نے ذورین کو اور بھی متاثر کر لیا۔

''گڈ رفیق! تم نے وفادار ہونے کا ثبوت دے دیا ہے۔ اگر تم زیورات بیچ دیتے تو...... اچھا یہ بتاؤ کرایہ کتنا ہے جو ماموں جان نے ادا کرنا ہے؟ میں ادا کر دوں گا۔'' ذورین جھٹ چیک بک لے کر بیٹھ گیا تو رفیق چندی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے سوچنے لگا کہ کتنی رقم بتائے کہ اس کا حصہ آسانی سے نکل آئے۔

''رقم کا مجھے معلوم تو نہیں ذورین صاحب لیکن آپ خود سوچو کس علاقے میں گھر ہے اور کرایہ کتنا ہو گا۔ مجھ جیسے غریب کے منہ سے تو اتنی رقم ادا بھی نہیں ہو سکتی۔ میرا خیال ہے آپ شجاع صاحب سے خود معلوم کر لیں مگر...... نہیں خوددار آدمی ہیں وہ تو ایک پائی بھی آپ سے ادھار نہیں لیں گے۔'' رفیق مکاری سے شجاع کی عزت بھی بڑھا رہا تھا۔

''پھر...... پھر کیسے پتا چلے گا کہ ان کو کتنی رقم کی ضرورت ہے؟'' ذورین نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''ایک ترکیب ذہن میں آئی ہے ذورین میاں! میں شجاع صاحب کو فون کر کے معلوم کر لیتا ہوں۔ مجھ سے تو وہ اپنے دکھڑے کہتے ہی رہتے ہیں۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' رفیق نے اپنی

تجویز کی خود ہی حمایت کی اور اٹھ کر فون کرنے لگا۔ اور بات اسی انداز میں کی کہ وہ سمجھ جائیں کہ کیا قصہ چل رہا ہے۔

''ارے شجاع صاحب ذورین آپ کا اپنا بیٹا ہے اور ماشاء اللہ ان کی اپنی اتنی جائداد ہے اور پھر مشکل کے وقت اپنے ہی کام آتے ہیں۔ ذورین میاں آپ کے اپنے بیٹے ہیں آپ ان سے بات تو کر کے دیکھیے۔'' پھر رفیق نے ریسیور ذورین کو دیا۔

''نہیں...... نہیں رفیق! یہ ہماری غیرت کا سوال ہے اب میں ڈھائی تین لاکھ کے لیے بھانجے کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں؟ میرا اس سے دینے کا رشتہ ہے لینے کا نہیں۔ ٹھیک ہے وہ صاحب جائداد ہے مگر پھر بھی۔''

شجاع کو معلوم تھا کہ اب ریسیور ذورین کے ہاتھ میں ہے اس لیے وہ ڈائیلاگ بول رہا تھا جنہوں نے سیدھا ذورین کے دل پر اثر کیا۔

''یہ میں ہوں ماموں جان! ذورین اور یہ کیا آپ غیروں والی بات کر رہے ہیں اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔ اور کتنے افسوس کی بات ہے کہ گھر میں اتنا بڑا ہنگامہ ہو گیا اور آپ نے مجھے بتایا بھی نہیں بس میں ابھی چیک لے کر آ رہا ہوں۔''

''ارے میرے بیٹے! میں تمہیں کیا بتاؤں شرمندہ ہوں کہ میں کسی وقت میں بادشاہ تھا مگر اب تم سے ملا ہوں تو گداگر ہوں مگر میں...... میں اپنی مرحومہ بہن کی اولاد کی دولت اور جائداد کو۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہیں ماموں جان غیروں والی۔'' ذورین تو اس قدر جذباتی ہو رہا تھا کہ اس کا بس چلتا تو سب کچھ اپنے محبت لٹانے والے ماموں کے حوالے کر دیتا۔

''ذورین بیٹے میں اور تم غیر نہیں ہیں۔ ہمارا خون ایک ہے مگر بیٹے میرے اور تمہارے بیچ جو شخص ہے وہ تو غیر ہے اجنبی ہے مگر کیا کیا جائے کہ وہ تمہارا نگراں ہے۔ اس شخص نے تم دونوں بھائیوں کی تعلیم و تربیت کی ہے۔ بلاشبہ اکبر بہت زیادہ جائداد اور اچھا بزنس چھوڑ کر گیا تھا اب میں کہہ تو نہیں سکتا کہ عثمان نے کسی لالچ میں یا کسی اور نظریے کے تحت تم لوگوں کی پرورش کی ہے۔ بہر حال میں اب درمیان میں کود کر......'' شجاع الدین تو ایسے ہی موقعوں پر تیر چلایا کرتا تھا۔ عثمان کے نام پر ذورین کو غصہ آ گیا۔

''ماموں جان! آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ یہ دولت، جائداد اور بزنس ہمارا ہے۔''

''ٹھیک ہے بیٹا، لیکن ہم کسی بھی چیز کو اس وقت تک اپنا کیسے کہہ سکتے ہیں جب تک ہمیں اس کے استعمال کا اختیار حاصل نہ ہو تم مائنڈ نہ کرنا بیٹے مگر یہ عثمان بہت ہوشیار ہے۔ مجھے تو اس کی جڑیں بہت گہری لگ رہی ہیں۔''

تو پھر آپ کچھ سوچئے ناں ماموں جان! اب تو آپ آگئے ہیں آپ فارغ بھی ہیں۔ ہر طرح بھی سنبھالیں اور...."

ذورین نے تو ایسے کہا گویا یہ اتنا ہی آسان تھا جتنا اس نے کہہ دیا تھا۔

"ہونا آخر بچے، بچوں والی بات ہی کی ہے ناں۔ بیٹے! جو شخص بائیس سال سے ہر چیز پر قابض ہے وہ آسانی سے ہٹے گا نہیں، ناممکن ہے یہ۔" شجاع الدین کے لہجے میں تحریک ابھارنے والا اشتعال تھا۔

"کچھ بھی ہو ماموں جان! اب آپ ہمارے بزرگ ہیں رہی بات عثمان صاحب کی تو ان سے میں خود نمٹ لوں گا۔ فی الحال میں چیک لے کر آرہا ہوں پہلے کرایہ ادا کیجئے اس کے بعد پھر سوچیں گے کیا کرنا ہے۔"

ذورین بہت اکھڑ بدمزاج نوجوان تھا۔ مگر دل کا سادہ تھا بقول عمار کے یہ تو اتنا معصوم ہے کہ اسے بے وقوف بنانا مشکل نہیں جذباتی سا یہ نوجوان عیار رفیق اور شجاع الدین کی مکار چالوں میں آگیا تھا۔

☆☆☆

اس وقت ٹی وی لاؤنج میں نیلو ایزی چیئر پر نیم دراز اپنی کتاب دیکھ رہی تھی کہ اسی وقت ذورین آگیا۔ اس نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر ٹی وی کی طرف بڑھا آن کیا۔ کئی چینل بدل بدل کر دیکھے مگر انداز کی بے چینی غماز تھی کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ نیلو نے کتاب کی اوٹ سے اسے دیکھا۔ جب سے اس نے رافع کو گجروں کے پیسے دینے سے منع کیا تھا ایک عجیب سی سرشاری کا احساس اتر گیا تھا اندر کہیں۔ اکھڑ...... بدتمیز......!

"میں......!" ذورین کچھ کہنے کے لیے جیسے ہی مڑا نیلو نے یوں ظاہر کیا جیسے اس کا وجود اس کے لیے انتہائی غیر اہم ہے۔ ذورین کی بھی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ وہ اسے کچھ کہنا بھی چاہ رہا تھا اور اسے اہمیت بھی نہیں دینا چاہ رہا تھا۔

"نیلو! کتاب بند کرو، مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔ نیلو نے اسے دیکھا اور اطمینان سے پیج الٹ کر نظریں کتاب پر جمائے رہی۔

"اللہ تعالیٰ نے مجھے قوت سماعت عطا کی ہے اور میں کسی بھی حالت میں سن سکتی ہوں۔ آپ نے کیسے جانا کہ میں کھلی کتاب کے ساتھ نہیں سن سکتی۔ میرے کان کھلے ہیں، کہیے جو کہنا ہے میں سن رہی ہوں۔"

نیلو نے اپنے مخصوص اکھڑ انداز میں کہا تو وہ اس کی طرف گھوم گیا اور کتاب اس کے ہاتھ سے لے کر صوفے پر اچھال دی اور خود پلٹ کر اسے گھورتا ہوا بولا۔

"تم نے رافع سے گجروں کا کیوں کہا۔ کیوں لیے اس سے گجرے؟ کچھ خیال نہیں آیا ایک غیر مرد سے گجروں کی فرمائش کرتے ہوئے......" ذورین کی نظروں میں پھر وہی سین گھوم گیا۔ نیلو نے اندر اتری روشنی کو آنکھیں بند کر کے محسوس کیا پھر چہرے پر سختی طاری کر کے اس نے اسے دیکھا پھر اپنے ہاتھ پیچھے کر کے کھڑی ہوگئی۔

"رافع اگر غیر تھا تو میرا اپنا کون تھا وہاں پر جس سے میں فرمائش کرتی؟"

"میں...... میرا مطلب ہے کہ تمہارے پاس پیسے نہیں تھے تو مجھے کہہ دیا ہوتا۔" وہ بہت غصے میں تھا۔

"کیوں...... کیوں کہہ دیتی میں آپ کو۔ رافع اگر غیر مرد ہے تو آپ بھی اتنے ہی غیر اور اجنبی ہیں میرے لیے۔" نیلو نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا تو وہ تیورا کر مڑا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نیلو یوں قطع تعلق کا اعلان کر دے گی۔

"میں...... میں غیر ہوں، اجنبی ہوں؟" ذورین کے لہجے میں حیرت زدہ افسوس تھا۔ نیلو نے اسے دیکھا۔ بچپن سے ساتھ پلنے بڑھنے والا یہ شخص اس کا سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں تھا۔

"اچھا اگر غیر نہیں تو کیا تعلق، کیا رشتہ ہے میرے اور آپ کے بیچ۔ آپ خود ہی کوئی نام دے دیجئے میں تو اس تعلق کو اس رشتے کو......" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اینی وے میں فضول بحث میں پڑنا نہیں چاہتا، تم آئندہ رافع سے نہ تو بات کرو گی اور نہ کہیں جاؤ گی۔"

ذورین نے گویا حکم دینے والے انداز میں کہا تو وہ سلگ اٹھی کیونکہ ذورین کا انداز اسے اچھا نہیں لگا۔

"او کے۔ نہیں کروں گی لیکن آپ بھی نہ تو فضہ سے ملیں گے اور نہ بات کریں گے۔"

"کیوں، تم مجھ پر پابندی لگانے والی کون ہو؟" ذورین کو بھلا یہ شرط کہاں منظور تھی۔

"آپ مجھ پر پابندیاں لگانے والے کون ہیں؟" وہ اتنی بھی کمزور نہیں تھی کہ جذبوں سے مغلوب ہوکر وہ اپنی انا کی انسلٹ برداشت کر لیتی۔

"فضہ سے تعلق میرا ذاتی مسئلہ ہے تم......" ذورین نے کچھ کہنا چاہا مگر نیلو نے روک دیا۔

"اور آپ نے یہ کیسے اخذ کر لیا کہ میں نے اپنے حقوق آپ کے نام کر دیے۔ رافع اور میرا تعلق بھی میرا ذاتی مسئلہ ہے اور......" قریب تھا کہ بحث کوئی تلخ صورت حال اختیار کر لیتی کہ فون کی بیل بجی اور جب تک ذورین ہاتھ بڑھاتا نیلو نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو.....اوہ ہیلو رافع کیسے ہو؟" دوسری طرف رافع تھا۔ نیلو خوش ہوگئی کہ ذورین کو جلانے کا سنہری موقع ہاتھ آگیا تھا۔ اس نے ایک نظر ذورین پر ڈالی جس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"کچھ نہیں رافع کچھ نہیں ہو رہا تھا۔ اس وقت تو بہت بور ہو رہی ہوں۔ کیا آ رہے ہو نثر دو آؤ.....رہنے دو مجھے فضہ کے آنے جانے سے کوئی دلچسپی نہیں تم آجاؤ..... اور.....اچھا چلو خدا حافظ۔"

ذورین کمرے سے جا چکا تھا اور ساتھ ہی اس کی دلچسپی بھی لیتا گیا جو وہ رافع کے آنے میں لے رہی تھی۔

☆☆☆

"میں بالکل درست کہہ رہا ہوں صاحب! میری بات پر یقین کریں میں نے اپنی آنکھوں سے سنا ہے۔"

"اب تم خود ہی بتاؤ دسو میاں جو بات آنکھوں سے سنی جائے وہ درست ہو سکتی ہے بھلا؟"

عثمان صاحب نے مسکراتے ہوئے اخبار اٹھا کر کہا تو دسو نے اپنے بال نوچ لیے تو عاتکہ بھی مسکرانے لگیں۔

"میں اگر جھوٹ بولوں تو میرا خالو مر جائے۔"

"ناں میاں! اس قسم کے بعد تو تمہاری بات اور بے وزن ہو جاتی ہے۔ تم تو ہر وقت اپنے خالو کے مرنے کی دعا کرتے ہو۔"

"مگر صاحب! بدقسمتی تو دیکھیے کہ آج تک پوری نہیں ہوئی یہ دعا۔ آپ مان لیں صاحب جی یہ جو نئے لوگ ہیں ناں مجھے تو خطرناک لگتے ہیں۔ ذورین میاں تو بے مول ہی بک گئے ہیں۔"

"آہستہ بولو میاں! کیوں ہمیں بھی گھر سے نکلواتے ہو۔ ویسے ماموں جان مجھے بھی خطرناک ہی لگتے ہیں۔"

عثمان نے معنی خیز نظروں سے عاتکہ کو دیکھا۔ شجاع الدین اور ان کی فیملی بطور رشتے دار ہضم تو نہیں ہو رہی تھی مگر چونکہ ان کی اپنی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ تو خود چور دروازے سے اس گھر میں آئے تھے۔ ان کی اپنی کوئی قانونی حیثیت یا شرعی حیثیت ہوتی تو وہ شجاع الدین کی حیثیت کو چیلنج کرتے بھی۔ اس لیے وہ ان کی حیثیت تسلیم کرنے کے پابند تھے اور دسو نے ذورین اور رفیق کی باتیں سن لی تھیں اور چیک رفیق کی جیب میں جاتے بھی دیکھ چکا تھا اور اب مستقل ان کو یقین دلا رہا تھا مگر وہ مان نہیں رہے تھے۔

"عثمان! اگر بات سچ بھی ہے تو ہم ذورین کو نہیں روک سکتے۔ وہ اس کے رشتے دار ہیں۔ وہ لوگ پاکستان نئے نئے سیٹل ہوئے ہیں۔ بزنس بھی کوئی نہیں تو ایسے میں پرابلمز تو ہوتے ہی ہیں اور ذورین کے بجائے اگر اس کے والدین ہوتے تو نہ جانے ان کی کتنی مدد کرتے۔ آپ ذورین سے کوئی بازپرس مت کیجیے گا۔ وہ پہلے ہی آپ سے بدظن ہو گیا ہے۔ اگر اس کی بات مان لیتے تو....."

"اچھا تمہارا کیا مطلب ہے کہ میں ذورین کو اب کسی اچھے برے سے منع بھی نہیں کر سکتا۔ وہ اگر نادانی میں سانپ کو ہار سمجھ کر گلے میں پہننے کی ضد کرے گا تو تمہارا خیال ہے اس کو یہ حماقت کرنے کی اجازت دے دی جائے؟ قطعی نہیں اپنی اولاد کی طرح پرورش کی ہے میں نے ان کی میں ان کو نقصان میں یا خطرے میں نہیں دیکھ سکتا۔ ٹھیک ہے ان موصوف کی حیثیت کو میں چیلنج نہیں کر سکتا مگر میں اپنے لڑکوں کو بھی تباہ نہیں ہونے دوں گا۔ اور جانتی ہو یہ بزنس جب میں نے سنبھالا تھا ایک ڈوبتی ہوئی ناؤ تھا۔ خدا جانتا ہے میں نے پوری ایمانداری سے اس ڈوبتی ناؤ کو سنبھالا اور آج.....آج جب یہ ناؤ مضبوط ہو گئی، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تو.....نہیں عاتکہ! میں ذورین کو اس قسم کی من مانیاں کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس کی جرأت دیکھی تم نے ہمیں خبر بھی نہیں ہونے دی اور تین لاکھ کا چیک کاٹ کر دے دیا گویا....." بولتے بولتے عثمان کو غصہ آگیا۔ ان کا بی پی ہائی ہونے لگا۔ وہ ہینڈ ملنے لگے تو عاتکہ پریشان ہوگئیں۔

"عثمان! آپ ریلیکس رہیے۔ اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ ذورین بچہ ہے ابھی اتنا سمجھدار بھی نہیں۔ میں.....میں خود اس سے بات کر لوں گی۔ دیکھ لیجیے گا وہ ٹھیک ہو جائے گا آپ فکر نہ کریں۔"

عاتکہ نے دسو کو اشارہ کیا کہ وہ چلا جائے۔ وہ صورت حال کی سنگینی کا اندازہ کر کے گھبرا کر باہر آگیا۔

"دسو!" عثمان اتنی بلند آواز میں بولے کہ ان کی رگیں تن گئیں اور دسو الٹے قدموں واپس بھاگا۔

"جی صاحب!" وہ بری طرح گھبرا گیا تھا کیونکہ عثمان کی حالت خراب ہو رہی تھی۔

"دسو دیکھو اگر نمک حلال ہو تو تمہیں ذورین اور شجاع الدین پر نظر رکھنی ہوگی اور فی الحال جاؤ اور رفیق سے کسی طرح چیک والی بات معلوم کر کے آؤ۔" عثمان نے پھنسی پھنسی سانسوں کے ساتھ کہا۔ عاتکہ کو بہت گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ دسو اپنی وفاداری کا ثبوت دینے کے لیے باہر آیا تو رفیق ذورین کے کمرے سے آ رہا تھا۔ اس نے سینے پر بازو ایسے باندھ رکھے تھے جیسے سردی لگ رہی ہو۔

"ایسے کیوں جا رہے ہو خالو! کہیں گردن توڑ بخار تو نہیں چڑھ رہا تمہیں؟"

"ارے تیرے منہ میں خاک کمبخت! اپنی منحوس خالہ کی طرح جب بھی بولے گا بری بات ہی

بولے گا۔ ارے گردن توڑ بخار چڑھے تجھے تیری خالہ کو اور تیرے......"

"خالو کو!" دسو نے پھر شرارت سے جملہ مکمل کیا تو رفیق چکرا گیا۔

"ہاں تیرے خالو کو...... ہائے مچھر کی اولاد! مجھے ہی مار رہا ہے۔ پیچھے ہٹ مجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔" رفیق نے جیب پر مضبوطی سے ہاتھ رکھ کر دسو کو وہم میں ڈال دیا کہ رفیق چیک لے کر جا رہا ہے۔

"ارے خالو' کیا تکلف کر رہے ہو...... کفن دفن کا کام اوپر والوں کا کام ہوتا ہے۔ تم بس اب مرنے کی تیاری کرو۔"

دسو اچک اچک کر اس کی جیب میں دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا اور رفیق چونکہ اسی کام سے جا رہا تھا اس لیے دسو سے وہ الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ دم دبا کر آگے بڑھ گیا تو دسو پریشان ہو گیا۔

"خالو تو نکل گیا ہاتھ سے۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھا تو جیب میں کچھ دیر قبل رکھے جانے والے کیلے نے ایک آئیڈیا دیا۔ وہ مسکرایا۔ جلدی سے کیلا چھیلا اور کھا کر چھلکا زور سے اس طرح اچھالا کہ چھلکا رفیق کے قدموں میں جا کر گرا اور اگلا پیر جب رفیق نے اٹھا کر رکھا چھلکے پر تو پھسلتا چلا گیا اور وہ پھسلتا ہی چلا جاتا اگر کوریڈور ختم نہ ہو جاتا اور اس کا سر بڑے سے گملے سے نہ ٹکرا جاتا۔

"ہائے ہائے خالہ! یہ کیا ہو گیا۔ ہائے میرا خالو مر گیا۔ ہائے میری خالہ بیوہ ہو گئی۔ ہائے میری خالہ! چوڑیاں توڑ دو ماتمی لباس پہن لو خالہ خالو مر گیا...... ہائے ہائے۔"

دسو نے بندروں کی طرح اچھلنا شروع کر دیا۔

"ابے الو کے پٹھے مجھے پکڑ آ کر۔ بڑا شوق ہے تجھے خالہ کو بیوہ کرنے کا۔"

رفیق پہلے تو ہائے وائے کرتا رہا پھر خود اٹھنے کی کوشش کرتا ہوا اٹھا دسو شور مچاتا ہوا آگے بڑھا اور چھلکا پھر رفیق کے پاؤں کے قریب رکھ دیا۔

"سنبھل کے خالو ہاں...... ہاں ادھر پاؤں رکھو۔ ارے نہیں خالو چھلکا یہاں ہے۔ ہاں یہاں رکھو۔"

دسو کی ہدایت پر رفیق نے پھر کیلے پر پاؤں جو رکھا تو پہلے سے زیادہ زور سے گرا اور دور تک پھسلتا چلا گیا۔

"ارے دسو الو کے پٹھے! مجھے پکڑ میں پھسل گیا ہوں۔" رفیق چلایا تو وہ پھدکتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔

"کچھ شرم کرو خالو کوئی عمر ہوتی ہے پھسلنے کی۔ اس عمر میں پھسلتے ہوئے تمہیں خالہ کا نہیں تو اپنے چنے چونڈے کا ہی خیال کر لینا چاہیے تھا۔ لو بتاؤ کوئی پوچھے کہ میاں! تمہارے خالو کی موت کیسے واقع

ہوئی تو بندہ شرم سے گڑ جائے کہ پھسل کر۔" دسو نے رفیق کو اٹھانے کے بہانے اس کی جیب سے چیک پار کر لیا۔

"ارے ٹھہر کیکڑے! ابھی بتاتا ہوں کہ پھسلتے کیسے ہیں؟" رفیق نے اٹھنے کی کوشش کی مگر چھلکا جوتے میں پھنسا ہوا تھا کھڑا ہونے لگا تو پھر پھسل گیا۔ دسو بندروں کی طرح بغلیں کھجانے لگا۔

"خالو میاں! ایسے پھسلتے ہیں۔" پھر دسو رفیق کو چھوڑ کر جسے خبر ہی نہیں ہوئی تھی کہ وہ چیک جس کو وہ جان سے لگا کر اس لاج میں لے جا رہا تھا کہ آدھا حصہ اس کا ہو گا' غائب ہو چکا ہے۔ دسو نے چیک عثمان کے ہاتھ میں دے دیا۔

☆☆☆

"یہ چیک تم نے سائن کیا ہے ذورین بیٹا!" عثمان نے ذورین کو طلب کر لیا تھا اور اب چیک اس کے سامنے رکھے پوچھ رہے تھے۔ ذورین پہلے تو ان سے ڈر گیا کیونکہ جیسے ان کے آج تیور تھے ایسے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے مگر پھر یہ سوچ کر کہ ان کی کیا حیثیت ہے محض پالنے والے اور نگراں کی' باقی بزنس جائیداد تو سب ان دونوں بھائیوں کا ہے لہٰذا ان سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے اور اسی خیال نے چہرے پر تناؤ کی صورت اختیار کی نظریں جو اب تک جھکی ہوئی تھیں اٹھ گئیں۔

"جی!" ذورین نے اسی انداز میں کہا گویا کہہ رہا ہو آپ کو کوئی اعتراض ہے۔ عثمان نے بغور اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر بغاوت کے تیور منہ زور گھوڑوں کی طرح نمایاں تھے۔ انہوں نے گہرا سانس لے کر عاتکہ کو دیکھا جنہوں نے نظروں ہی نظروں میں کول رہنے اور ذورین کو نہ ڈانٹنے کی درخواست کی۔

"کیوں ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی اتنے اماؤنٹ کی؟" انہوں نے اب نرمی سے پوچھا۔

"ضرورت مجھے نہیں ماموں جان کو تھی۔ تو ظاہر ہے اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے ان کے ساتھ پرابلم ہے انہوں نے مجھ سے نہیں مانگے میں وہاں گیا ہوا تھا ان کے مالک مکان کا فون آ گیا۔ وہ کرائے کا تقاضا کر رہا تھا۔ ان کے پاس رقم نہ تھی تو میں نے سوچا کہ مجھے کرنا چاہیے...... اور یوں بھی وہ حقدار ہیں اور......"

وہ خلاف توقع حد ادب میں خاصی نرمی سے بتا رہا تھا کہ عثمان نے بیچ میں ٹوک دیا۔

"ٹھیک ہے ذورین بیٹا میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں ان کی ہیلپ کرو جو مرضی کرو مگر جو کچھ کرو سب میری اجازت سے میرے علم میں لا کر۔" عثمان نے تو اپنے رشتے کے مان سے کہا مگر ذورین نے اسے اپنی توہین سمجھا وہ اکھڑ پن سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میرے خیال میں اب ہم اتنے بڑے ہو چکے ہیں کہ ہمیں اب خود فیصلے کرنے چاہئیں اور

کریں گے۔"

آواز اونچی اور لہجہ بے باک تھا۔ عثمان کو غصہ آ گیا۔ وہ بھی کھڑے ہو گئے۔ عاتکہ کی سانس اوپر کی اوپر نیچے کی نیچے رہ گئی۔

"ذورین تمہیں معلوم ہے تم کس سے بات کر رہے ہو۔ آج کے بعد کوئی فیصلہ میری اجازت کے بغیر تم نہیں کرو گے' اوکے۔"

عثمان بھی اس وقت سخت گیر باپ کی طرح حکم دے رہے تھے۔ ذورین کے اندر بغاوت کا طوفان آ گیا۔ اس نے گستاخانہ نظر سے ان کو دیکھا اس وقت وہ اس کو چور اور سینہ زور لگے۔ عاتکہ نے ذورین کا بازو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"اوکے۔" ذورین نے بڑے معنی خیز انداز میں کہا اور عاتکہ سے بازو چھڑا کر باہر نکل گیا۔



بھائی صاحب کے فیصلے سے گھر میں سناٹے خرید لیے گئے تھے۔ ان کے فیصلے سے کوئی بھی خوش تو کیا' متفق بھی نہیں تھا۔ شہرام تو اپنا فیصلہ سنا کر واپس چلا گیا تھا۔ دو ہفتے بعد تو اسے امریکا چلے جانا تھا اور ماہ ما کو دانستہ طور پر اس خبر سے بے خبر رکھا گیا تھا۔ ورنہ وہ نہ جانے کیا کر گزرتی۔ ہما کا رو رو کر برا حال تھا۔ ایاز جانے کس کونے میں جا چھپا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے تھے اور کچھ عرصہ قبل ہی تو دونوں کی منگنی بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔

"آ...... آپ نے یہ کوئی اچھا فیصلہ نہیں کیا۔ آپ کیوں اپنی ضد میں دو معصوم دل توڑ کر ماہ ما کو زبردستی کی سزا دینا چاہتے ہیں۔ اس فیصلے سے کوئی بھی خوش نہیں۔ عفت بھی اس کی مخالفت کر چکی ہے۔" صدیقہ بیگم نے بڑی ہمت کر کے سب کی رائے شوہر تک پہنچا دی تو انہوں نے غصے سے حقے کی نال دور پھینکی اور کھڑے ہو گئے۔ صدیقہ بیگم کو کچھ دیر گھورتے رہے۔

"مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ میرے اس فیصلے سے کون خوش ہے اور کون نہیں۔ میں نے ہمیشہ وہ فیصلے کیے ہیں جو خاندان کی عزت اور وقار میں اضافہ کریں جو سب کے مفاد میں ہوں اور سب سن لیں کہ ماہ ما میری ہی بہو بنے گی۔ میں اپنی بیٹی کو کسی غیر خاندان میں جانے نہیں دوں گا۔ ماہ ما کی شادی ایاز کے ساتھ ہو گی کسی کو اعتراض کی اجازت نہیں۔"

بھائی صاحب نے پہلے سے زیادہ سخت لہجے اور انداز میں اپنے فیصلے کو مضبوط کر دیا۔

"مگر اس بے چاری بچی ہما کا کیا قصور ہے؟ اس نے تو رو رو کر خود کو ہلکان کر لیا ہے۔"

"کیوں...... کیوں ہلکان کر لیا ہے ہما نے خود کو رو رو کر؟" بھائی صاحب نے حیرت سے بیگم کو دیکھا جن کو ان کے اس انداز پر دکھ ہونے لگا کہ وہ ایک معصوم لڑکی کے جذبات کو نہیں سمجھ رہے تھے۔

"کاش کہ ہماری اپنی بھی کوئی بیٹی ہوتی تو آج آپ ہما کے آنسو کا مطلب بن کہے سمجھ جاتے۔ اس کے ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں اپنی پلکوں سے چنتے تو آپ کو ہما کا دکھ آپ ہی سمجھ میں آ جاتا آپ اس کا حق چھین کر ماہ ما کو دینے جا رہے ہیں تو کیا وہ روئے بھی نہیں؟ اتنے سنگدل تو مت بنیں آپ؟" صدیقہ بیگم نہ صرف ہما کا دکھ جانتی تھیں بیٹے کو بھی روتا ہوا وہ نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ بھائی صاحب ان کا مطلب سمجھ گئے تھے۔

"کون چھین رہا ہے ہما کا حق۔ کوئی کسی سے کسی کا حق نہیں چھین رہا۔ ہمارے دین میں تو چار شادیوں کی اجازت ہے تو ایاز دو بیویاں نہیں رکھ سکتا۔ بس فیصلہ ہو گیا اب کوئی بحث نہیں کرے گا' نہ ہی اعتراض کرے گا۔"

انہوں نے حتمی انداز میں کہا تو صدیقہ بیگم کو کچھ تسلی ہوئی کہ ہما کے ساتھ زیادتی نہیں ہو گی مگر وہ سمجھدار خاتون تھیں جانتی تھیں عورت سوت کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔

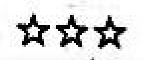
"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں دونوں کم عمر لڑکیاں ہیں اور پھر عورت کبھی بھی اپنے شوہر میں تقسیم برداشت نہیں کرتی۔ یہ دونوں لڑکیوں کے ساتھ زیادتی ہے۔"

کپکپاتے لہجے میں انہوں نے اپنی بات کہہ ہی ڈالی تو وہ ان کو گھورنے لگے۔

"کہہ دیا ناں بس......" انہوں نے اتنے سخت لہجے میں کہا تو وہ سہم کر گئیں۔ عفت جہاں کو تو ایاز کے ساتھ شادی پر ہی اعتراض تھا کجا ہما اور ماہ ما سوت بنیں' وہ سلگ اٹھیں۔

"یہ...... یہ سب کیا ہو رہا ہے کیوں تماشا بنایا جا رہا ہے ہم ماں بیٹی کا...... ایک ٹھکرا کر چلا گیا دوسرے کی دوسری بیوی بنائی جا رہی ہے۔ میری معصوم بیٹی کو آخر سمجھ کیا رکھا ہے آپ لوگوں نے۔ شہرام کی حد تک تو ٹھیک تھا اور بس میں بھی چاہتی تھی کہ ماہ ما اپنے ہی گھر میں رہے مگر وہ اتنی گری پڑی اور گئی گزری نہیں کہ ہما کی سوکن بن کر رہے۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کون سا گناہ کیا ہے میری بیٹی نے کہ اسے اتنی ناقدری کی سزا دی جا رہی ہے۔ بھاڑ میں گئیں خاندانی روایات اور زمین جائداد۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ ماہ ما کی شادی ایاز سے میں کسی صورت نہیں کروں گی کہہ دیجیے آپ بھائی صاحب سے۔"

عفت جہاں جو شوہر کی وفات کے بعد کافی حد تک بدل گئی تھیں یا یوں کہ مصلحتاً انہوں نے حالات سے اب کمپرومائز کر لیا تھا مگر اپنی بیٹی جوان کی زندگی اور ان کی خوشیوں کا مرکز تھی اسے بھی وہ عذابوں کے حوالے کر دیتیں ایسا تو وہ ہرگز بھی نہیں کر سکتی تھیں۔



ماہ ما اپنی زندگی کے





رہتی۔ سوچوں کے پیچھے اور ہر سوچ' ہر خیال کے اختتام پر وہ دشمن جاں مل جاتا تو وہ تڑپ تڑپ جاتی۔ وہ زیادہ تر اپنے کمرے ہی میں بند رہتی۔ کھڑکی میں کھڑی رہتی۔ ہما کے بارے میں سوچتی رہتی تھی وہ بھی تو نظر نہیں آئی تھی' تین چار دن سے۔

''یہ ہما کو کیا ہو گیا ہے ایک بار بھی ملنے نہیں آئی۔ کہیں گاؤں واپس تو نہیں چلی گئی۔ اگر جاتی بھی تو مل کر جاتی۔ دیکھتی ہوں جا کر تم بھی تو اول درجے کی خود غرض لڑکی ہو ماہ ما اپنے سوا تمہیں کسی اور کا خیال ہی نہیں۔ اب بھلا کون کہاں تک میری ناز برداریاں کرے گا۔ اپنی راہوں کے خار تو مجھے خود ہی چننے ہیں۔'' ایک ٹیس سی ماہ ما کے دل میں ابھری۔ وہ بالوں کو درست کرتی آ گئی۔ گھر میں عجیب طرح کا سناٹا تھا۔ جانے ہما کہاں تھی اور باقی سب شاید دادی جان کے کمرے میں ہوں۔ یہ سوچتی ہوئی وہ لاؤنج میں آئی تو ایاز سفید لباس میں پشت کیے کھڑا اسے بالکل شہرام لگا۔

''شہرام!'' وہ بے خودی سب کچھ بھول کر آگے بڑھی۔ اسی وقت ایاز مڑا تو وہ ایک دم شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔ ایاز بھی بہت دکھی ہو رہا تھا۔ اسے دیکھ کر دکھ مزید بڑھ گیا۔

''ارے ایاز بھائی! یہ آپ ہیں......اور......اور۔'' ماہ ما شرمندہ سی ہو گئی چہرے پر ہاتھ رکھ لیے آنکھوں کی نمی کو چھپا لیا۔

''ہاں ماہ ماوہ...... میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' ایاز بھی اتنے دنوں سب سے چھپتا پھر رہا تھا۔ ہما کہاں تھی یہ تو اس کو بھی خبر نہیں تھی۔ وہ ماہ ما کو جانتا تھا مگر اپنے باپ کو اور ان کے فیصلوں کو بھی اچھی طرح جانتا تھا۔

''چھوڑیں ایاز بھائی اب نہ آپ کے پاس کچھ کہنے کو ہے اور نہ...... اچھا یہ بتایئے ہما کہاں ہے کیوں نظر نہیں آ رہی؟''

ماہ ما جلد ہی بات کا رخ موڑ کر ہما کی طرف ہو گئی۔ مگر ایاز کیا کہنے جا رہا ہے یہ وہ قطعی نہیں جان سکی تھی۔ ایاز نے بھی خاموشی بہتر جانی۔

''وہ اپنے کمرے میں ہے جاؤ مل لو اس سے ہو سکتا ہے' وہی تمہیں ساری بات بتا دے۔'' ایاز نے سنجیدگی سے کہا تو وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے وہاں سے آ گئی۔ پھر اس نے اس کے کمرے میں بھی دیکھ لیا ہما نظر نہیں آئی۔

''کہاں چلی گئی ہما!'' ماہ ما گھبرائی اور کچھ بوکھلائی سی پھر رہی تھی کہ عفت جہاں سے ٹکرا گئی۔ وہ اسے اس طرح اجڑے روپ میں دیکھ کر تڑپ اٹھیں۔ ان کی بیٹی کیا تھی اور کیا ہو گئی تھی۔ زرد چہرہ' بے خواب آنکھیں جن میں ٹوٹے خوابوں کے نشاں تھے۔

''ممّا ہما کہاں ہے؟ اتنی دیر سے تلاش کر رہی ہوں ایک گھر میں رہتے ہوئے وہ کئی روز سے

میرے پاس آئی ہی نہیں۔''

اس کے لہجے میں عجیب طرح کی بے چینی اور بے قراری سی تھی۔ عفت تڑپ اٹھیں۔ انہوں نے اسے ساتھ لگا لیا بے شمار آنسو اس کے بالوں میں جذب ہو گئے۔ کیا کچھ نہیں ہو گیا تھا اس معصوم سی لڑکی کے ساتھ۔

''تم کسی کے لیے اتنی پریشان نہ ہوا کرو جانی! کیا صلہ ملا ہے تمہیں ان لوگوں سے محبت کرنے کا۔ ہما اماں جان کے کمرے میں ہے ویسے تم اس سے ضرور ملو اور اسے تسلی دے دو۔ اس وقت اسے بھی تسلی اور حوصلے کی ضرورت ہے۔''

عفت جہاں نہیں چاہتی تھیں کہ خود اسے کچھ بتا کر پریشان کریں۔ اس لیے انہوں نے یہ ذمے داری ہما پر ڈال دی۔ تو ماہ ما دل میں اترتی سوگ کی شام کی اداسی لیے ایاز اور عفت کی بات کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ تو ایک عرصے کے بعد عفت نے لوٹی کے گھر کا نمبر ملا دیا۔ دوسری طرف بشریٰ بیگم ہی تھیں۔ عفت کی آواز پر انہوں نے کترانا چاہا کیونکہ وہ ماہ ما سے خوف زدہ ہو گئی تھیں۔ لوٹی کی تو وہ جیسے جان کی دشمن ہو گئی تھی۔

''میں جانتی ہوں بشریٰ کہ تم کیوں کترا رہی ہو۔ مگر کیا بتاؤں بشریٰ کہ میں ضبط کے جنگل سے گزر رہی ہوں۔ کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا' ایک تم دوست تھیں تم بھی ناراض ہو گئیں۔ میں کیا کروں کہاں جاؤں؟ بشریٰ! پلیز ناراضگی ختم کر دو پلیز!''

عفت جہاں کو اس وقت کسی اچھے مخلص دوست کی ضرورت تھی اور وہ دوست بشریٰ ہی نظر آئی تھی۔ بشریٰ بھی بس ماہ ما کی وجہ سے خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی تھیں ورنہ تو وہ بڑی پلاننگ کے ساتھ میدان میں اتری تھیں۔ ماہ ما تو ان کے نزدیک سونے کی چڑیا تھی مگر سونے کی چڑیا نے ایسے زخم دیے تھے کہ وہ خوف زدہ ہو گئی تھیں۔ لاکھ لالچی سہی مگر بیٹا ان کو بہت عزیز تھا۔

''ٹھیک ہے عفت میں محض تمہاری خاطر پھر دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہوں مگر ماہ ما نے تو میرے بچے کو جان سے مار دینے کا تہیہ کر لیا تھا شاید اور بیٹا مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ تم بھی سوچ سمجھ کر آگے بڑھو۔'' بشریٰ نے خفا خفا سے انداز میں کہا۔

''تم بھی درست کہہ رہی ہو بشریٰ مگر اب طوفان آ کر گزر گیا ہے۔ چڑھے ہوئے پانی اتر گئے ہیں۔ اب تو صرف تباہ کاری کے نشانات ہیں ماہ ما چپ چاپ ان کو دیکھتی رہتی ہے۔ اب تو تم اسے دیکھو بھی تو پہچان نہیں سکو گی۔ بشریٰ میں بہت دکھی ہو گئی ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے پھر پرانے دن لوٹ آئیں۔ بشریٰ! چلو ہم پھر واپس چلے جاتے ہیں۔'' عفت رو پڑیں تو بشریٰ کو ترس آ گیا۔

''اچھا تم ہمت سے کام لو۔ ہمارا پروگرام بھی اب واپس جانے کا ہے۔ دیکھو اب تمہارے ساتھ

بھی کوئی پروگرام بنائیں گے۔ حوصلے سے کام لو اللہ مالک ہے۔" پھر بشریٰ کی تھی ہی دیر ان کو سمجھاتی رہیں تو عفت کو کچھ ڈھارس بندھی۔ خدا حافظ کر کے وہ نیچے آگئیں۔

☆☆☆

"ارے ہما تم یہاں ہو...... بھئی ایک گھر میں رہتے ہوئے ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا نہیں، بات نہیں کی؟" ماہ ماا اپنی تلاش میں کامیاب ہوگئی۔ ہما نے اس کو دیکھتے ہی آنسو صاف کر لیے۔ اب وہ اس لڑکی سے کیا شکوہ کرتی جو خود لٹ چکی تھی۔

"ہما...... ہما! یہ تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ تمہاری آنکھوں میں میرے آنسو کیوں ہیں۔ تمہارے چہرے پر میرے والا درد و کرب کیوں ہے؟ کیوں یہ سب تم نے لے لیا ہے کیا ہوگیا ہے؟" ماہ ما نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے ساتھ لگا لیا تو وہ شدت سے رو پڑی۔

"ماہ ما میں نے سب کچھ تمہارا اس لیے لے لیا ہے کہ...... کہ میری محبت میری خوشیاں تمہیں ہو بھی جا رہی ہیں۔ میرے خواب تمہاری آنکھوں میں سجائے جا رہے ہیں۔ میرا ایاز تمہارے نام کیا جا رہا ہے۔" ہما جو اتنے دنوں سے ضبط کر رہی تھی آج بند ٹوٹ گئے۔ تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی اور اس کے الفاظ میں اس کے آنسوؤں کا مطلب سمجھنے لگی۔

"کیا مطلب ہے ہما تمہاری اس بات کا؟" ماہ ما بالکل بھی تو نہیں سمجھ پائی تھی یا حادثات نے دماغ ماؤف کر دیا تھا۔ جب ہما نے اسے ساری بات بتا دی تو ماہ ما نئے سرے سے ادھڑ گئی۔ اس پر جنونی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔

"مما...... مما! میری اپنی مما! صرف میری مما! آپ کہاں ہیں مما جلدی آیئے پلیز! ورنہ میں مر جاؤں گی مما...... مما...... !"

بھائی صاحب سمیت گھر بھر جمع ہوگیا تھا۔ سب گھبرا گئے تھے ہما خود پریشان ہوگئی۔

"ماہ ما...... میری جان میری گڑیا! کیا بات ہے کیا ہوا ہے؟" عفت نے فرش پر پڑی ماہ ما کا سر گود میں رکھ لیا جو تیز تیز سانس لے رہی تھی۔

"مما یہ...... یہ سب مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ کیا سمجھتے ہیں مما میں نے ایسا کون سا گناہ کر دیا ہے کہ یہ لوگ مجھے جینے نہیں دیتے۔ اپنی پسند کی سزا کیوں دینا چاہتے ہیں؟ مما سنا آپ نے یہ...... یہ میرے تایا ابو شہرام کے ٹھکرا دینے کا ازالہ یوں کرنا چاہتے ہیں کہ......" بولتے بولتے ماہ ما نے بھائی صاحب کو دیکھا جو تنے کھڑے تھے اس کے اس احتجاج کو وہ کوئی اہمیت نہیں دے رہے تھے۔

"مما! یہ لوگ سمجھتے ہیں میں لوز کیریکٹر ہوں۔ مما کتنا بڑا الزام ہے مجھ پر۔ یہ لوگ مجھے کس گناہ کی سزا دینا چاہتے ہیں اور لوٹ کے مال کی طرح مجھے کسی کے بھی دامن میں ڈال دینا چاہتے ہیں۔ مما

کس گناہ کی پاداش میں کیوں......؟ اس لیے کہ میں نے ٹونی سے دوستی کی۔ ہاں مجھ پر یہی الزام لگایا ہے ناں مما! مجھ پر ٹونی کا الزام لگایا ہے تو...... تو میں شادی بھی ٹونی ہی سے کروں گی۔ سب سن لیں میں ٹونی سے شادی کروں گی۔"

ماہ ما کے فیصلے میں جانے کیا تھا کہ سب لوگوں پر جیسے سحر کی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ ماہ ما بری طرح ہانپ رہی تھی' سوائے عفت جہاں کے۔ اس فیصلے سے سب کے اندر جیسے دھماکے ہونے لگے تھے۔ بھائی صاحب کے ہاتھ کے نیچے ان کی چھڑی پر اتنا دباؤ پڑا کہ وہ ٹوٹ گئی۔ ان کو شدید غصہ آرہا تھا۔ وہ جلدی سے قریبی صوفے پر بیٹھ گئے۔ سب دم سادھے ماہ ما کے اس فیصلے کے آئینے میں آنے والے حالات کی بگڑی ہوئی تصویر دیکھ رہے تھے۔ خود عفت جہاں ہونق بنی رہ گئیں گو کہ ایسے میں جب حالات کا طوفان اتنا شدید ہو کہ وہ کبھی کدھر لڑھک رہی تھیں اور کبھی کدھر کم از کم ماہ ما نے ناؤ کو کنارے تک تو لگایا ہی تھا۔ اب یہ کنارہ اس کی زندگی کی ڈوبتی ناؤ کو کس طرف لے جاتا ہے یہ سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا تھا۔

عفت جہاں ہمارے ہاں عورت کو زندگی کا ساتھی سمجھا جاتا ہے غلام نہیں لیکن اس حد تک گستاخی بے باکی کہ اتنے بزرگوں کی موجودگی میں وہ خود فیصلہ کرے ناممکن ہے۔ ابھی بڑے زندہ ہیں سمجھاؤ اس کو......"

بھائی کی آواز کا بھاری پن اور لہجے کا ٹھہراؤ بتا رہا تھا کہ وہ ضبط کی کس منزل سے گزر رہے ہیں۔ وہ باہر نکل گئے۔

"ماہ ما! جانی یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ بیٹا یہ سب......؟" عفت جہاں نے اس ماہ ما کو ساتھ لگا لیا جس کے چہرے پر چٹانوں کی سی سختی تھی۔

"مما! اگر میری بے گناہی میری سزا بن رہی ہے تو سزا منتخب کرنے کا حق تو مجھے ہونا چاہیے ناں اور میری بے گناہی کی سزا اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ میں اس شخص کے ساتھ زندگی گزاروں جس کے ساتھ میں ایک قدم بھی چلنا نہیں چاہتی۔ ٹونی کے ساتھ شادی کر کے میں خود کو ہر لمحہ سزا دینا چاہتی ہوں...... کہ میں نے شہرام کو کیوں چاہا کیوں...... کیوں خود کو سر سے پیر تک اس کی خاطر بدل ڈالا کیوں...... اور پھر جس کے ساتھ بدنام کیا جا رہا ہے تو...... تو...... مما! کہہ دیں ان سب کو چلے جائیں یہاں سے۔ نفرت ہے مجھے ان سب سے۔ پپا کے ساتھ یہ سب بھی ختم ہو گئے...... ختم ہو گئے۔"

ماہ ما پر ایک بار پھر جنون سوار ہوا تو زور زور سے پاؤں مارنے لگی۔

"ماہ ما۔ جانی! یہ کیا ہوگیا ہے تمہیں کیوں ایسی باتیں کر رہی ہو؟" عفت نے اس کو ساتھ لگایا تو وہ

ایک جھٹکے سے کھڑی ہوگئی اور کچھ ایسی نظروں سے وہاں موجود سب کو دیکھا جن میں دکھ تھا، شکوہ تھا۔ ایک عجیب طرح کی شکایت تھی۔ اعتماد ٹوٹ جانے کا صدمہ تھا۔

''مما! اب سب کچھ ختم ہوگیا ہے۔ ان سے کہہ دیجیے راکھ میں انگلیاں پھیرنے سے صرف ہاتھ خراب ہوں گے۔ کوئی نقش نہیں ابھرے گا۔ اپنا وقت برباد نہ کریں۔ میری زندگی برباد کرنے......اور......''

''ماہ ما! بیٹی جان مانا کہ تم بہت ہرٹ ہوئی ہو مگر اس طرح نہ باتیں ختم ہوا کرتی ہیں اور رشتے تو......''

وہ جانے لگی تو صدیقہ بیگم نے آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگانا چاہا مگر وہ شدید غصے میں تھی۔ ان کے ہاتھ جھٹک کر الگ کھڑی ہوگئی۔

''مما! ان سے کہہ دیں THIS IS MY LAST DECSION۔ میں اب اس ٹاپک پر بات نہیں کروں گی اور اگر مجھے مجبور کیا گیا یا مجھے روایتی فیصلوں کی بھینٹ چڑھانے کی کوشش کی گئی تو میں وہ کر گزروں گی جو اس خاندان کی روایات میں نہیں ہے۔ بعد میں مجھ سے شکوہ نہ کیا جائے۔''

ماہ ما سرد مگر مضبوط لہجے میں بولتی' ہارے ہوئے بے جان قدموں سے باہر نکل گئی۔ سب ادھر ادھر ہوگئے۔ عفت سمجھ میں نہ آنے والی سوچوں میں گھری اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئیں۔

''یا اللہ یہ سب کیا ہوگیا۔ سب کچھ بکھر گیا ہے' الجھے ہوئے حالات کے دھاگوں کو میری سمجھ سلجھانے سے قاصر ہے۔ پروردگار! میری مدد فرما میں کیا کروں؟'' یہ وہ عفت جہاں تھیں جن کو کسی کی پروا نہیں ہوتی تھی۔ حبیب کے بعد تو وہ بالکل بدل کر رہ گئی تھیں۔ ان کو کسی کی پروا نہیں تھی سوائے اپنی بیٹی کے اور وہ بھی بے منزل راستوں پر نکل کھڑی ہوئی تھی۔ ماہ ما کے اس فیصلے نے سب کو حیران پریشان کر دیا تھا اور سب کو شبہ ہی نہیں تھا یقین تھا کہ اس فیصلے کی بنیاد عفت نے ڈالی ہے اور بیٹی اسے پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتی ہے۔

''مجھے تو پہلے ہی دال میں کچھ کالا نظر آرہا تھا۔ عفت کا رویہ ہمیشہ مبہم اور پراسرار رہا ہے۔ ہماری محبتوں کو سچائیوں کو اس نے نہ آج قبول کیا اور نہ ہی سراہا۔ وہی کچھ بیٹی کے اندر بھر دیا ہے۔ وہ ٹونی بھی اس قابل ہے کہ ماہ ما اس کے ساتھ شادی کرے مگر......''

''بس اب سب خاموش ہو جائیں۔ خبردار! جو کسی نے میری بیٹی کا نام اس آوارہ بھی کے ساتھ لیا۔ میں نے سوچ لیا ہے اب کیا کرنا ہے۔ میں سب کو سمجھ لوں گا۔'' بھائی صاحب اپنے طور پر جو فیصلہ کر چکے تھے اس سے کوئی متفق ہے کہ نہیں ان کو غرض نہیں تھی۔ وہ سب کو اپنا فیصلہ سنا کر باہر نکل

گئے۔

☆☆☆

''شہرام ختم کرو یہ ڈراما۔ مانا کہ تم بھی ہرٹ ہوئے ہو مگر ایسی بھی کیا خود غرضی کہ خاندان کو داؤ پر لگا دیا جائے۔''

شہرام کے جانے میں دو روز رہ گئے تھے اور وہ اپنے کسی دوست کے ہاں مقیم تھا اور اس کے اس ٹھکانے کی خبر صرف اور صرف ایاز کو تھی اور وہ اب اس سے بحث کر رہا تھا جو اندر اٹھتے طوفان کی زد میں جانے کیا سوچ رہا تھا۔ اس کی بات سن کر وہ اٹھا اور ایک گہرا سانس لے کر کھڑکی کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔

''میں خاندان کو داؤ پر لگا رہا ہوں یا ابا جان کی وہ چہیتی بھتیجی۔ دیکھ لیا ناں تم لوگوں نے اس نے ہمیشہ ٹونی ہی کو اہمیت دی ہے۔ اب جبکہ اس نے ٹونی کے ساتھ شادی کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں اس کے قدموں میں گڑگڑانے بیٹھ جاؤں۔ اس کے ساتھ شادی کی بھیک مانگوں......تو......نیور! کس کو خبر کہ اس نے اور اس کی مما صاحبہ نے یہ سارا ڈراما کیا ہی اس لیے ہو کہ ٹونی سے شادی کی رکاوٹیں دور ہو جائیں۔ ایاز! پلیز ابا جان سے کہو کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ وہ ان کی موجودگی میں اتنی بدتمیزی کر گئی اس کی یہ جرات کہ ابا جان کے سامنے اس گھٹیا بھی کے ساتھ شادی کا اعلان کیا ایسی گستاخ کو خاندان ہی سے نکال دیا جائے۔ کیا سمجھ رکھا ہے اس نے ہمیں؟'' شہرام ایک تو ٹونی کے حسد میں جل رہا تھا اوپر سے ماہ ما کی بدتمیزی اسے سلگا گئی تھی۔

''ماہ ما کو چھوڑو تم نے ابا جان کا کتنا خیال کر لیا کہ اس بات کو بھول کر تم اسے اپنا لو۔''

ایاز نے اس کی بات کی ڈھال لے کر اس جوابی حملہ کیا تو کچھ دیر کے لیے وہ چپ ہوگیا پھر کتنی ہی دیر وہ ٹہلتا رہا۔ اس کے چہرے پر سوچوں کی لہریں ڈوب کر آتی جاتی رہیں۔ ایاز کو خوش فہمی ہونے لگی کہ شاید اس کی بات کارگر ثابت ہوگئی ہے۔ وہ اس کے جواب کے لیے سانس روکے کھڑا رہا۔

''شہرام پلیز! خاندان کی عزت کی ڈوبتی ناؤ کو بچا لو، اسے کنارے تک لے آؤ۔ پلیز شہرام! پلیز!''

ایاز اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر منت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ شہرام رلا دینے والی نظروں سے بھائی کو دیکھنے لگا..

''خدا کی قسم ایاز! بڑی تمنا سے چاہا تھا اسے اس نے میری محبت کی، میرے اعتبار کی ناؤ ڈبو دی ہے جو کبھی نہیں ابھرے گی۔ ایاز اس زندہ لاش کو میں یہاں سے لے جا رہا ہوں۔ چل پھر رہا ہوں تو یہ نہ سمجھا جائے کہ میں زندہ ہوں اور زندہ لاش کی مجبوری یہ ہوتی ہے کہ اسے دفن نہیں کیا جا سکتا۔

اعتبار کے آنگن میں ایک بار خزاں کا چکر لگ جائے تو پھر کبھی اعتبار کے پھول نہیں کھلتے۔" شہرام کا لہجہ روسا دیا۔ ایاز بھی اس کے دکھ کی پھوار میں بھیگ گیا۔ نہ جانے کس کی نظر لگ گئی تھی۔ اس معصوم محبت کو۔

"شہرام ایسا نہیں سوچتے' درگزر بہت اچھی بات ہے دیکھو۔" ایاز نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی پھر کہا تو وہ تاؤ میں آ گیا۔

"ایاز کیا چاہتے ہو تم سب۔ مر جاؤں جان دے دوں؟ کیا درگزر کر دوں؟ یہ بات ہے تو چلو میں نے اس کو معاف کیا۔ مگر...... پلیز! اب سب مجھے معاف کیوں نہیں کر دیتے کیوں گھسیٹ رہے ہیں' میری زخمی روح کو کانٹوں پر۔ چھوڑ دو میرا پیچھا ورنہ میں کچھ بھی کر گزروں گا؟" شہرام نے اپنے بال نوچ لیے تو ایاز اسے دکھ سے دیکھتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"شہرام سب کچھ بکھر چکا ہے۔ تم چاہو تو سمیٹ سکتے ہو۔ ابا جان بہت بڑے بڑے فیصلے کر چکے ہیں۔ وہ...... تمہیں......"

"ہاں...... اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائداد سے عاق کر دیں گے ناں...... تو...... ایاز بھائی! جو دولت مجھ سے چھن چکی ہے ناں اس کے بعد کسی دولت جائداد کے چھن جانے کا کوئی دکھ' کوئی غم نہیں۔ اس بے وفا کے دکھ کی چادر نے سب کچھ چھپا کر رکھ دیا ہے۔ پرسوں میری فلائٹ ہے۔ امی جان کو کسی نہ کسی طرح ائرپورٹ پر لے آنا مجھے معلوم ہے ابا جان یہ گوارا نہیں کریں گے مگر کوشش ضرور کرنا اور......" دھیمے بھیگے لہجے میں شہرام بولتا ہوا رک گیا تو ایاز اس کی اور اس کے پیچھے چھپی خواہش کو سمجھ گیا۔ وہ ماہ ما کو دیکھنا چاہتا تھا مگر اس نے خود ہی اپنی خواہشوں کے دیے بجھا دیے تھے پھر ایاز ڈھیر سارا دکھ سمیٹے وہاں سے آ گیا۔ شہرام شفاف آسمان پر اڑتے پرندوں کو دیکھتا رہا پھر بیڈ پر آ کر لیٹ گیا۔

"ماہ ما! پلیز مجھے یاد نہ آؤ۔ میں تمہاری یادوں کو' محبت کو نوچ کر پھینک دینا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں بھول جانا چاہتا ہوں' بھول جانا چاہتا ہوں۔" وہ تکیے میں منہ چھپا کر سسک سا پڑا۔

☆☆☆

کتنی دیر سے ماہ ما شہرام کی اور اپنی تصویر دیکھے جا رہی تھی کتنے خوش تھے دونوں۔ کوئی بدگمانی درمیان میں نہیں تھی۔ دونوں ہی خوش اور مطمئن تھے۔

"شہرام' شہرام! کیا محبت اسی کا نام ہے کہ ذرا سی بدگمانی ہو جائے تو محبت کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دی جائیں۔ کتنا بے اعتبار نکلا تمہارے پیار کا موسم شہرام کہ میں تمہارے ساتھ کی کلیاں چن بھی نہیں پائی تھی کہ آندھی آئی اور سب کچھ ساتھ لے گئی۔ کتنے کمزور تھے تم شہرام' تم نے ٹونی کا الزام لگایا۔ وہ اسٹوپڈ تو کہیں بھی نہیں تھا شہرام مگر...... اب...... اب شہرام علی میں...... میں اسی سے شادی کروں گی۔ ہاں' ٹونی سے شادی' شہرام علی! جتنی تمہیں ٹونی سے نفرت ہے اس سے کہیں زیادہ مجھے تم سے نفرت ہو گئی ہے۔ نفرت ہے مجھے تم سے شہرام...... نفرت!"

اندر سے اٹھنے والا غبار اس کے دماغ کو چڑھ گیا۔ اس نے بے دردی سے تصویر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور اس پر پھر جنون سوار ہو گیا اور کچھ ہی دیر میں کمرا اس کے جنون کی زد میں آ کر اپنی شناخت کھو چکا تھا اور اب وہ گہرے گہرے سانسوں کے ساتھ چیزوں کو گھورے جا رہی تھی۔ کافی دیر بعد وہ اٹھ کر واش روم میں گئی۔ کتنی دیر منہ پر پانی سے اندر بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی ناکام کوشش کرتی رہی پھر باہر آ کر اس نے فل آواز میں میوزک لگا دیا اور میک اپ کرنے لگی۔ وہ اپنے باہر کے رویے سے اندر کے طوفان کو شکست دینا چاہتی تھی۔ ڈانس کے اسٹیپ لیتے ہوئے وہ فون کے قریب آ گئی۔

"ہیلو ٹونی!" اس نے پرانے انداز میں ٹونی کی آواز پہچان کر کہا تو ٹونی کی تو جان نکل گئی۔ اسے تو ماہ ما کی صورت میں اپنی موت نظر آتی تھی۔ وہ جان بوجھ کر انجان بن گیا۔

"یس کون بات کر رہا ہے؟" وہ مصنوعی انجان پن سے بولا تو ماہ ما زور سے ہنس پڑی۔

"کم آن ٹونی! اب تو ہم لوگ ایک دوسرے کو اس حد تک جان چکے ہیں کہ صدیوں بعد بھی ایک دوسرے کی آواز کو پہچان لیں۔ اب بتاؤ میں کون بات کر رہی ہوں۔ کم آن جلدی بتاؤ میں کون ہوں؟" ماہ ما نے کہا تو وہ شرمندہ ہو گیا مگر اب حقیقت اسے کیسے بتاتا کہ وہ اس سے خوف زدہ ہے۔ دوستی تو دور کی بات ہے وہ اس سے بات بھی کرنا نہیں چاہتا۔

"نہیں ماہ ما وہ بات یہ ہے کہ ہمارے ریسیور میں ذرا خرابی ہے تو میں تمہاری آواز نہیں پہچان سکا۔"

بودے سے بہانے کی اوٹ میں چھپا ٹونی ماہ ما کو بہت فنی اور بزدل لگا۔ بھلا ایسے بندے کے ساتھ شادی عمر بھر کی سزا نہیں ہو سکتی تو اور کیا ہو گی۔

"خرابی تو ہوتی ہے ٹونی' کہیں نہ کہیں خرابی ضرور ہوتی ہے کہ رابطے ٹوٹ جاتے ہیں...... ورنہ......" ماہ ما کی آواز کہیں ڈوب گئی' لہجے میں اجڑی شام کا سوگ اتر آیا مگر وہ فوراً سنبھل گئی۔

"ہاں ٹونی! میں یہ کہہ رہی تھی کہ تم تیار ہو جاؤ۔" وہ آواز کو نارمل ٹون میں لے آئی۔

"کک...... کک...... کہاں کے لیے تیار ہو جاؤں؟" آواز ٹونی کے حلق میں پھنس گئی۔ ماہ ما تو اس کے لیے ڈریکولا کا روپ اختیار کر گئی تھی جو صرف اس کا خون پینا چاہتی تھی۔

"کم آن ٹونی! تم بس تیار ہو جاؤ کہاں جانا ہے کیا کرنا ہے یہ مجھے معلوم ہے۔ چلو شاباش جلدی

سے تیار ہو جاؤ میں آرہی ہوں۔"

"لیکن ماہ ما......!" ٹونی اس کے ساتھ جانے کو ہرگز تیار نہیں تھا۔ اس نے انکار کرنا چاہا مگر ماہ ما نے ریسیور رکھ دیا اور اب وہ پریشان سا بشریٰ بیگم کے پاس آ گیا اور ساری بات ان کو بتا دی۔ وہ تو گزشتہ واقعات سے پہلے ہی خوف زدہ تھیں۔

"نو بابا" تم اس کے ساتھ ہرگز نہیں جاؤ گے۔ ارے پاگل لڑکی ہے ہاتھ دھو کر میرے بیٹے کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ ٹونی بیٹا تم جاؤ اوپر اپنے کمرے میں چلے جاؤ وہ آئے گی تو میں نمٹ لوں گی۔ حد ہو گئی مشکل میں جان آ گئی ہماری تو۔ جاؤ شاباش!" اور ماہ ما کی محبت کا دم بھرنے والا ٹونی اس کی آمد کے خوف سے اپنے کمرے میں چھپ گیا اور بشریٰ پیار و محبت سے ماہ ما کو منع کرنے اور ٹونی کی عدم موجودگی کا ثبوت دینے کے بہانے تراشنے لگیں۔

"ہیلو آنٹی ہاؤ آر یو؟" ٹھیک بیس منٹ کے بعد وہ سیاہ جینز اور ٹی شرٹ میں انگلی پر گاڑی کی چابی لہراتی ہوئی اندر آ گئی تو میز پر برتن رکھتے ہوئے بشریٰ بیگم نے گھبرا کر اسے دیکھا چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجا کر مڑیں۔

"او ہیلو بے بی! فائن تم کیسی ہو؟ آؤ تمہاری ممی کیسی ہے؟ آؤ......" بشریٰ یوں خوف زدہ ہو رہی تھیں جیسے وہ ابھی گن نکال کر ان کو شوٹ کر دے گی۔ ماہ ما ان کے قریب آ گئی بغور ان کو دیکھتی رہی اور ان کی جان ہوا ہو گئی۔

"آپ کو نہیں معلوم کہ ہم کیسے ہیں؟ مما کا کیا حال ہے؟ حیرت ہے۔ اینی ہاؤ ٹونی کہاں ہے؟ میں نے اس کو فون کر دیا تھا کہ تیار ہو جاؤ میں آرہی ہوں۔ کہاں ہے؟" ماہ ما نے پہلے تو کھرے انداز میں کہا پھر تلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ گویا ٹونی کو تلاش کر رہی ہو۔

"ٹونی...... ہاں وہ ماہ ما جانی! وہ جب تمہارا فون آیا ناں تو اسی وقت اس کا ایک دوست آ گیا اور وہ اسی کے ساتھ نکل گیا۔" بشریٰ نے نظر چراتے ہوئے صاف جھوٹ بولا تو ماہ ما زور سے ہنس پڑی۔

"ریئلی آنٹی! ایسا ہی ہے...... امپوسیبل...... ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا کہ میں ٹونی کو فون کروں اور وہ کہیں اور چلا جائے۔ ناممکن وہ اپنے کمرے ہی میں ہوگا۔ میں خود دیکھ لیتی ہوں۔" وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی تو بشریٰ گھبرا کر اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئیں۔

"ماہ ما بیٹی! وہ گھر پہ ہے۔ کیا تمہیں میری بات پر اعتبار نہیں آیا؟" بشریٰ نے چور لہجے میں کہا۔

"اعتبار یہ اعتبار بہت بری چیز ہے۔ بس اسی چیز پر ہی اعتبار نہیں۔" وہ جو سیڑھیاں چڑھ چکی تھی۔ دکھ سے ان کو دیکھتی نیچے اتر آئی۔ بشریٰ کی گھبراہٹ بڑھ گئی۔ ماہ ما سمجھ گئی۔

"آنٹی' دادی اماں کہا کرتی تھیں کہ چور اپنی ہی کسی حماقت سے پکڑا جاتا ہے۔" ماہ ما نے چابی

ان کی آنکھوں کے سامنے لہرائی اور تیز تیز سیڑھیاں چڑھ گئی اور دروازے پر ناک کیا۔ ٹونی سمجھا بلا ٹل گئی ہے اور یہ اس کی مما ہیں۔

"مما! وہ ڈریکولا چلی گئی ناں؟" ٹونی کی گھبرائی ہوئی آواز ماہ ما کی سماعتوں سے ٹکرائی تو ایک عجیب سا سکون اس کے اندر اتر گیا۔ اس کی زندگی کے سکون کو ختم کرنے والا بے سکون ہو، یہی تو چاہتی تھی وہ۔

"ہاں ڈریکولا ماہ ما چلی گئی ہے۔ مائی ڈیئر۔ اوپن دی ڈور۔" ماہ ما نے اسی طرح دبی دبی آواز میں کہا تو ٹونی نے جھٹ دروازہ کھول دیا اور سامنے اسے دیکھ کر ٹونی کو جیسے سکتہ ہو گیا۔

"تت...... تت...... تم ماہ ما...... وہ مما...... کہاں ہیں مما؟" وہ بزدلوں کی طرح زور سے چلایا تو ماہ ما نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھنے کے لیے بڑھایا وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ وہ اس سے خوف زدہ ہو رہا تھا تو نہ جانے کیوں ماہ ما کو بہت اچھا لگ رہا تھا اس کا یوں بے سکون ہونا خوف زدہ ہونا۔

"کم آن! ٹونی یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم تو ایسے نہیں ہوتے تھے اور میں نے تمہیں تیار ہونے کو کہا تھا اور تم اتنے ربش حلیے میں بیٹھے ہو۔ چلو شاباش جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

ماہ ما نے بڑے دوستانہ انداز میں کہا تو ٹونی میں کچھ ہمت پیدا ہو گئی۔ یہ وہ لڑکی تھی جو اس کی پسند میں ہمیشہ فرسٹ چوائس بن کر رہی تھی مگر اب اس کے لیے خوف کی علامت بن گئی تھی۔

"وہ بات یہ ہے ماہ ما کے میرے گلے میں تکلیف ہے۔ اس لیے میں کہیں نہیں جا سکتا۔"

ٹونی نے اپنے اندرونی خوف کی بڑی بھونڈی سی وجہ بتائی تو ماہ ما اس کی اس کیفیت پر پھر زور سے ہنس پڑی۔

"ہیں یہ تم نے گلے سے کب سے چلنا شروع کیا پہلے تو ٹانگوں پر چلتے تھے؟"

"ماہ ما! وہ...... سنو تو سہی میں......" وہ کھکھیایا تو ماہ ما نے اسے واش روم کی طرف دھکیل دیا۔

"شٹ اپ۔ جلدی سے تیار ہو کر آؤ۔ آج میں خوب موڈ میں ہوں اور آج تمہارے ساتھ خوب انجوائے کرنا چاہتی ہوں۔ چلو جلدی سے تیار ہو کر آؤ میں نیچے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"

وہ ہاتھ ہلا ہلا کر کچھ کہنے کی کوشش ہی کرتا رہ گیا اور وہ اسے حکم دیتی نیچے اتر گئی۔ بشریٰ بیگم ماتھا پکڑے سوچ ہی رہی تھی کہ اس بلا سے کیسے پیچھا چھڑایا جائے۔

"کم آن آنٹی! بندے کو اتنے جھوٹ نہیں بولنے چاہئیں۔ ٹونی اوپر موجود تھا اور میرا انتظار کر رہا تھا ابھی بھی اس نے کہا ہے کہ تم چلو میں تیار ہو کر آتا ہوں۔" ماہ ما صوفے پر گرنے والے انداز میں بیٹھی تو بشریٰ نے گھور کر اسے دیکھا مگر ایسی صورت حال میں وہ غصہ نکال بھی نہیں سکتی تھیں۔

”ہاں...... نہیں وہ میں نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ ٹونی نے کہا تھا کہ وہ جا رہا ہے پھر میں تو کام میں مصروف ہوگئی اندازہ ہی نہیں ہوا کہ وہ گھر ہی پر ہے تم بتاؤ کیا چائے چلے گی؟“

”چائے نہیں گولی چلے گی آنٹی‘ گولی۔“ وہ ان کے قریب ہو کر پراسرار انداز میں بولی تو وہ کھڑی ہو گئیں اور دل میں اس کے ٹل جانے کی دعا خدا سے کرتی کچن میں چلی گئیں اور گلاس میں کولڈ ڈرنک ڈال لائیں۔

”لو جب تک وہ تیار ہو کر آئے تم یہ پیو۔“ بشریٰ نے اس انداز میں کہا جیسے کہہ رہی ہوں ”لو پیو مرو“ اور کچھ دیر بعد ٹونی تیار ہو کر آ گیا۔ خوف اس کے چہرے سے جھلک رہا تھا۔

”گڈ یہ ہوئی نا بات آؤ چلو۔“ ماہ ما نے بے تکلفی سے اس کا بازو پکڑا تو وہ یوں اُلگ ہوا جیسے کرنٹ لگا ہو۔

”دیکھو ماہ ما! بیٹا ذرا جلدی آ جانا ہمیں اور بھی کہیں جانا ہے۔“ بشریٰ بیگم کی جان پر بنی ہوئی تھی۔

”او کے آنٹی! ہم بہت جلدی لوٹ آئیں گے آؤ ٹونی!“

”خدا حافظ ٹونی بیٹا! اپنا موبائل ضرور لے کر جانا۔“ بشریٰ بیگم نے کسی خطرے کے تحت کہا۔

”لے لیا ہے مما خدا حافظ!“ ٹونی نے بے بس سی نظر ماں پر ڈالی تو طرح طرح کے وسوسوں نے بشریٰ بیگم کو پریشان کر کے رکھ دیا اور پھر ماہ ما گھبرائے ہوئے پریشان حال ٹونی کی گھبراہٹ سے سارا وقت محظوظ ہوتی رہی۔ گاڑی اتنی تیزی سے چلا رہی تھی اور اتنے خطرناک انداز میں کہ کئی بار خطرناک ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا۔

”خدا کے لیے ماہ ما کیا ہو گیا ہے تمہیں گاڑی آہستہ چلاؤ۔ ورنہ کوئی بھی بڑا سا حادثہ ہو سکتا ہے۔“ اس بار گاڑی ایک بڑے آئل ٹینکر سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تو ٹونی نے سرزنشی نظروں سے اسے گھورا مگر اس کے چہرے پر بلا کا سکون اور اطمینان تھا۔

”اچھا تمہیں حادثات کی سنگینی کا اندازہ کرنے کا شعور ہے ٹونی! مگر ٹونی میں جس سنگین حادثے کو بھگت چکی ہوں ناں بخدا اس کے بعد کسی حادثے سے خوف نہیں آتا۔ ویسے ٹونی اگر میرا اور تمہارا انجام ڈایانا اور ڈوڈی جیسا ہو تو...... تو کتنا مزہ آئے‘ ہے ناں؟“ ایک برج کے قریب سے گزرتے ہوئے ماہ ما نے خطرناک موڑ کاٹا تو ٹونی نے آنکھیں بند کر کے شاید زندگی میں پہلی بار اللہ سے اپنے گناہوں کی توبہ کی۔

”ARE YOU MAD?“ وہ چیخا تو وہ ہنسنے لگی۔

”آف کورس۔ ٹونی زندگی حادثات ہی کا نام ہے اور انسان کو ہمیشہ اچانک حادثاتی موڑ کے لیے تیار رہنا چاہیے نہ جانے کب...... کس موڑ پر ایسا حادثہ ہو جائے کہ آپ اپنا سب کچھ گنوا بیٹھیں۔

بے ناٹونی!“

وہ روتے لہجے میں بولتی ہوئی اس کی طرف مڑی تو وہ چلانے لگا۔

”سامنے دیکھو ماہ ما!“ وہ چیخا اور آنکھیں بند کر لیں آنکھیں کھولیں تو گاڑی ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ اتر کر گاڑی لاک کر رہی تھی۔

”اب آؤ بھی!“ دروازہ کھولے وہ ہاتھ بڑھائے کھڑی تھی۔ وہ ٹشو سے پسینہ صاف کرتا ہوا باہر آ گیا۔ یہ وہ ہوٹل تھا جہاں ماہ ما شہرام کے ساتھ آتی تھی اور اسی جگہ پر اس ٹونی کی وجہ سے وہ اس سے بدگمان ہو کر چلا گیا تھا اور اپنے قدموں کے نشان بھی مٹا گیا تھا۔ اپنی اور شہرام کی مخصوص جگہ کو دیکھ کر درد سوا ہو گیا تو اس کا جی چاہا ٹونی کو قتل کر دے مگر اس نے اس پر کچھ ظاہر نہیں کیا۔ وہ دوسری جگہ پر بیٹھ گئی۔ ٹونی گم صم سا بیٹھا تھا۔ اسے اپنا انجام خاصا عبرتناک نظر آ رہا تھا۔ ماہ ما نے اپنی پسند کا کھانا منگوایا اور خود ہی کھایا۔ ٹونی تو برائے نام، لقمے لے رہا تھا۔ کھانے سے فراغت کے بعد دونوں بیٹھے تھے کہ ماہ ما کی نظر اٹھی تو اسی جگہ پر پڑی جہاں وہ شہرام کے ساتھ بیٹھا کرتی تھی وہاں شہرام موجود تھا اور میز پر جلتی ہوئی کینڈل کو دیکھے جا رہا تھا۔ ماہ ما اسے دیکھے گئی۔ کتنے دنوں کے بعد دیکھا تھا اس ستمگر کو۔ کتنا دکھی‘ کتنا اکیلا لگ رہا تھا۔ نہ جانے وہ نفرت جو اسے اس سے ہو گئی تھی کہاں جا چھپی تھی۔ دل کا درد موم میں ڈھل گیا تھا۔ کتنا سوگوار لگ رہا تھا شہرام۔ کتنا مچلا تھا اس کی تنہائی کی چادر اوڑھ لینے کو اس کے درد کی مہک کو روح میں اتار لینے کو۔ مگر وہ شاید اس کی موجودگی سے لاعلم تھا‘ تب ہی تو صرف گرتے ہوئے موم میں اپنا دکھ دفن کر رہا تھا۔ ٹونی نے شہرام کو دیکھا تو غنیمت جانا اور کھڑا ہو گیا۔

”او کے ماہ ما! میں چلتا ہوں تم شہرام کے پاس چلی جاؤ۔“ اس نے جان چھڑانا چاہی مگر ماہ ما نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”نہیں ٹونی شہرام کی طرف جانے والے تمام راستے تو تم نے بند کر دیے ہیں۔ ان راستوں کی دھند میں ہم دونوں ایک دوسرے کو کھو بیٹھے ہیں، اب تم کہاں جاتے ہو آؤ ایک ساتھ چلتے ہیں۔“

ماہ ما نے شہرام کو دیکھتے ہوئے صبر کی سل اپنے دل بے قرار پر رکھی اور ٹونی کا بازو تھام کر وہ جان کر اونچی آواز میں بولی کہ شہرام متوجہ ہو جائے اور وہ ہو گیا۔ ٹونی کو ماہ ما کے اتنے قریب دیکھ کر شہرام کے ضبط کے بند ٹوٹنے لگے۔ جی میں آیا کہ زندگی تو یوں بھی اس ہرجائی کے بغیر ادھوری ہے کیوں نہ دونوں کو قتل کر کے اخبار کی ایک کونے میں چھپی ہوئی خبر بن جائے کہ محبوبہ کو رقیب کے ساتھ دیکھ کر مشتعل عاشق نے دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مگر محبوبہ نے یہ نوبت نہیں آنے دی‘ ٹونی کا بازو تھامے اٹھلاتی ہوئی آگے بڑھی۔ شہرام نے شدت ضبط سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''کم آن ٹونی! تم اتنے ڈل کیوں ہو رہے ہو؟ ابھی تو ہمیں بیچ پر جانا ہے اور پھر......'' محض شہرام کو جلانے کے لیے جو پہلے ہی راکھ ہو رہا تھا وہ ٹونی کو مخاطب کر کے پروگرام بناتی ہوئی آگے نکل گئی پھر رک گئی۔ چند لمحوں کی سوچ کے بعد وہ پلٹی۔ شہرام کی میز کے قریب آئی ٹونی کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے رکھا پھر اس نے اپنی جینز کی جیب سے شہرام کی تصویر نکالی کچھ دیر دیکھتی رہی پھر وہ تصویر جلتی ہوئی موم بتی پر رکھ دی اور زہریلی ہنسی ہنستی رہی۔ شہرام کو ضبط کا یارا نہ رہا۔ اس نے جلتی ہوئی تصویر اس کے ہاتھ سے چھین لی۔

''گٹ لاسٹ' اس سے پہلے کہ میں تمہیں اور تمہارے اس ہپی کو قتل کردوں' دفع ہو جاؤ یہاں سے۔''

شہرام نے سرد مگر بھڑکتے ہوئے انداز میں کہا تو وہ منہ بناتی وہاں سے ہٹ گئی۔

''آؤ ٹونی کچھ لوگ بہت کم ظرف ہوتے ہیں، کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتے۔'' ماہ ما چلی گئی۔ شہرام کے اندر جیسے آندھیاں آئی ہوئی تھیں۔ وہ موم کی جگہ خود جل رہا تھا' پگھل رہا تھا۔ اس نے تصویر اسی طرح جلنے دی اور اندر کی جلن اتنی تھی کہ احساس ہی نہیں ہوا کہ تصویر جل جانے کے بعد اس کا ہاتھ بھی خاصا جل چکا تھا۔

''سر آپ کا ہاتھ...... میں ابھی مرہم لے کر آتا ہوں۔'' ویٹر گزرا تو اس نے جلدی سے موم بتی بجھا کر مرہم کی آفر کردی تو وہ دل کی جلن لیے کھڑا ہو گیا۔

''شکریہ بھائی! میرے زخم کا مرہم تمہارے پاس نہیں۔'' وہ پلیٹ میں ٹپ رکھ کر مردہ قدموں سے باہر نکل آیا۔ تو ویٹر اسے یہ بھی نہ کہہ سکا کہ کھایا پیا تو کچھ بھی نہیں ٹپ کس بات کی مگر بڑے لوگوں کی ادا کو نہ سمجھتے ہوئے وہ پیسے جیب میں رکھتا ہوا اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ وہ تمام رات دونوں نے اپنے اپنے بستر پر نہیں کانٹوں پر گزاری تھی۔ دونوں ہی جل رہے تھے۔

آج کے منظر نے شہرام کے زخم کرید دیے تھے' اوپر سے ماہ ما کی نمک پاشی اسے فطرت سے زیادہ نفرت کرا رہی تھی۔ اگلے روز اس کی فلائٹ تھی۔ ایاز کسی نہ کسی طرح اس کی خواہش پر صدیقہ بیگم کو لے آیا تھا۔ دونوں گلے مل کر جانے کس کس غم کو روتے رہے۔ جب وہ چلے گئے تو نہ جانے کس امید کی کرنوں کی روشنی میں وہ ماہ ما کا راستہ دیکھتا رہا۔ وہ پلٹ پلٹ کر دیکھتا مگر ہر بار نامراد نظر دل کے درد میں مزید اضافہ کر دیتی۔ وہ تو کشتیاں جلا کر آیا تھا پھر کس امید پر پلٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ آخری بار جو پلٹ کر دیکھا تو جیسے آنکھیں پتھرا گئی ہوں۔ ماہ ما آنکھوں میں سمندر لیے جانے والے اس روٹھے پردیسی کو بے بس الوداعی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ یکبارگی شہرام کا دل چاہا تمام دیواریں توڑ ڈالے' نفرتیں بھول جائے اور ماہ ما کو لے کر کہیں غائب ہو جائے۔ کسی کو نظر نہ آئے۔ وہ

اسے دیکھتا رہا اور جب ماہ ما کو احساس ہوا کہ وہ بے خودی میں کہاں آ کھڑی ہوئی ہے تو جلدی سے ایک ستون کی اوٹ میں ہو گئی۔ شہرام کا دل جیسے پگھل گیا۔

''ماہ ما...... تم...... تم کیا چیز ہو ماہ ما! کہ میں تم سے نفرت بھی نہیں کر سکتا۔ خدا حافظ ماہ ما۔'' وہ مردہ قدموں سے آگے بڑھنے لگا۔

''خدا حافظ شہرام...... خدا حافظ!'' ماہ ما گاڑی میں بیٹھی دور تک اس کے جہاز کو دیکھتی رہی جو بہت دور بلندیوں پر پرواز کر رہا تھا۔

☆☆☆

''دیکھ شانو!''

''دکھا چاچا! قسم سے بڑا دل چاہ رہا ہے فلم دیکھنے کو۔ اماں تو اجازت نہیں دیتی مگر اب تو میں......''

رفیق شانو کو اپنے مقاصد کے لیے عثمان صاحب کے گھر لے جا رہا تھا اور شانو خوب اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ وہ شوخی سے پلٹ کر بولی تو رفیق نے ماتھا پیٹ لیا۔

''لگتا ہے تو بھی اسی الو کے پٹھے کے قبیلے کی ہے۔'' رفیق نے جلدی آنکھوں سے اسے گھورا۔

''ہیں چاچا! وہاں تیرے علاوہ بھی کوئی اور پٹھا ہے میرا مطلب ہے کہ......''

''اچھا بک بک مت کر اور دھیان سے میری بات سن۔''

''چاچا سننے کے لیے اللہ نے کان دیے ہیں پھر میں دھیان سے بات کیوں سنوں' اچھا بتا۔''

شانو کی صورت میں رفیق کو ایک اور مصیبت نظر آ رہی تھی تاہم اس نے ساری بات شانو کے گوش گزار کر دی تو وہ ہنس پڑی۔

''بس چاچا اب تو فکر ہی نہ کر۔ اب تیرا کام تمام کرنا میرا کام ہے۔''

''کیا بک رہی ہے لڑکی!'' رفیق نے چلتے چلتے رک کر اسے دیکھا تو وہ اتنی دیر میں سنبھل چکی تھی۔

''کچھ نہیں چاچا! میں وہاں تیرا ہی کام کروں گی۔ اماں نے بھیجا ہی اس لیے ہے ورنہ۔''

''اچھا' اب اپنی زبان بند رکھ یہ میرا گھر ہے۔''

رفیق نے اپنے کوارٹر کے سامنے کھڑے ہو کر اسے چپ رہنے کی ہدایت کی اور خود جھری سے دسو کے وجود اور عدم وجود کے لیے جھانکنے لگا اور دسو کو اس کی یہ مخصوص عادت پتا تھی اس نے وہاں تنکا ایسے اٹکا دیا تھا کہ جیسے ہی وہ جھانکنے لگا تنکا اس کی آنکھ میں چبھ گیا۔ وہ چلانے لگا۔

''کمبخت الو کا پٹھا۔ ارے جان لے کر رہے گا یہ چھینگر میری۔''

''چاچا! یہاں تمہارے علاوہ تو کوئی نہیں کیا خود کو کوسنے دے رہے ہو؟'' شانو ہنسی تو رفیق کھول اٹھا۔

''ارے تو چپ کر۔ ایک کم تھا کہ تو بھی آ گئی۔'' پھر رفیق نے حسب عادت دروازے کو دھکا دینا چاہا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ دسو پیچھے موجود ہے۔ اس نے جھٹ دروازہ کھول دیا اور رفیق پھر دھڑام سے زمین بوس ہو گیا۔

''الو کے پٹھے۔ ہر بار زمین پر گراتا ہے تو' ابھی تیری خبر لیتا ہوں۔'' رفیق بمشکل دروازہ تھام کر اٹھا۔ دسو نے شرارت سے پاؤں سے دروازہ پھر ہلا دیا اور رفیق منہ کے بل گر پڑا۔

''دیکھو خالو زمین تمہیں بار بار پکار رہی ہے۔ کیڑوں کی خوراک ختم ہو گئی ہے۔''

دسو آنکھیں جھپکی کر کے شانو کو دیکھنے لگا جو اٹھلا اٹھلا کر اپنا پراندہ پھرا رہی تھی۔ پراندہ دسو کی آنکھوں میں جا لگا۔ شانو کھلکھلا کر ہنس پڑی اور دسو کو سر سے پیر تک دیکھنے لگی۔

''ابے ہٹ' بدشکل اسے کیا گھور رہا ہے یہ لڑکی ہے۔'' رفیق نے دسو کو پرے ہٹایا۔

''اوہ اچھا ہوا خالو جو تم نے بتا دیا کہ یہ لڑکی ہے ورنہ تو میں اس کو تمہارا اجڑواں بھائی سمجھا تھا۔''

دسو نے ایکشن مارا اور ہاتھ سے بال سنوارنے لگا۔

''اس کو چھوڑو شانو بیٹی!''

''تو میں نے اس کو پکڑا کب ہے چاچا جو چھوڑوں گی۔'' شانو بھی دسو کی کاپی تھی۔ رفیق کو تاؤ آ گیا مگر ضبط کر گیا۔

''ویسے خالو ہمارا تعارف بھی کرا دو ناں کہ فلاں فلاں ملک کا شہزادہ ہوں' فلاں فلاں ڈگریاں ہیں میرے پاس۔''

دسو نے ایکشن مارتے ہوئے رفیق کے شانے پر کہنی رکھی۔ وہ ہٹ گیا تو دسو گرتے گرتے بچا۔ پھر سنبھل کر کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا۔

''نہیں نہیں تمہارے تعارف کی قطعی کوئی ضرورت نہیں میں جانتی ہوں۔''

''ہیں' تم مجھے جانتی ہو؟ دیکھا خالو میں کتنا مشہور ہوں کہ یہ مجھے تعارف کے بغیر ہی جانتی ہے۔''

''ہاں میں جانتی ہوں کہ خارش زدہ بندر چاچا کا رشتے دار ہی ہو سکتا ہے۔ چاچا وہ تمہارے اور رشتے دار جھینگر الو کے پٹھے لاوارث بن مانس کہاں ہیں۔ ان سے بھی ملواؤ ناں۔'' شانو نے دسو کو دیکھ کر کہا تو وہ واقعی بندروں کی طرح اچھلنے لگا اور اپنے بجائے رفیق کو زور زور سے خارش کرنے لگا۔

''اوہو پرے ہٹو مردو یہ لنگڑا کوا میرا نہیں میری بیوی کا رشتے دار ہے۔'' رفیق نے دسو کو پرے دھکیلا جو اسے خارش کرتا جا رہا تھا۔ شانو اپنی ہنسی بمشکل روکے ہوئے تھی۔

''تب ہی چاچا' میں بھی سوچ رہی تھی کہ یہ سب تو معصوم سے جانور ہیں تمہارے رشتے دار کیسے ہو سکتے ہیں۔ تمہارا تعلق تو لومڑی کے خاندان سے ہے ناں۔ اوہ' یہ یقیناً خالہ ہیں...... السلام علیکم خالہ! کتنی دیر بعد اس گھر میں کوئی انسان نظر آیا ہے......'' سامنے سے آتی نسرین کو دیکھ کو شانو اس کی طرف بڑھی تو اس نے بھی والہانہ انداز میں اسے ساتھ لگا لیا۔

''وعلیکم السلام بیٹی! تم ہو کون اور ان دونوں کے درمیان کیا کر رہی ہو؟'' نسرین نے پیار سے اسے دیکھا۔

''یہ...... یہ شانو ہے میرے چچازاد بھائی کی بیٹی ہے۔ وہ کوٹھی میں ضرورت تھی میں اسے لے آیا۔'' رفیق نے نظریں چراتے ہوئے شانو کا تعارف کرایا۔

''سفید جھوٹ!'' رفیق کے تعارف پر دسو دور سے چلایا تو رفیق جوتا لے کر اس کے پیچھے بھاگا۔ دسو نے دروازہ بند کر دیا تو رفیق بری طرح دروازے سے جا ٹکرایا۔ نسرین اور شانو ہنسنے لگیں اور پھر چند گھنٹوں میں نسرین اور شانو ایک دوسرے کو اپنے دکھوں کی تصویر دکھا چکی تھیں۔

☆☆☆

''نیلو میری زندگی کی ایک کمی تم ہی تو ہو۔ اگر تم مل جاؤ تو خدا کی قسم زندگی سے کوئی شکوہ نہ رہے۔ میری زندگی کے...... سنسان راستوں کو تم نے تمہاری محبت نے مہکا دیا ہے۔ نیلو! اگر تم نہ ملیں تو شاید اس زندگی میں باقی کچھ نہ رہے۔ میرے دل میں بہت اندھیرا ہے نیلو! اپنی محبت کا ایک چھوٹا سا دیا اس دل کے کھنڈر میں رکھ دو تو شاید......

رافع حادثات زندگی کے تھپیڑوں کا مارا ہوا تھا۔ والدین نہ رہے۔ عیار مکار ماموں نے جس طرح پالا یہ خدا ہی جانتا تھا۔ ہر نوجوان کی طرح اسے بھی کسی کی کھوج تھی۔ وہ بھی کسی کو چاہنا چاہتا تھا' چاہا جانا چاہتا تھا۔ مگر آج تک کوئی ایسی ہستی ٹکرائی ہی نہیں تھی۔ وہ مستقل اس کی تلاش میں سوچ کے کھوج کے صحراؤں کی خاک چھانتا پھرتا۔ نیلو کیا ملی اسے لگا اس کی کھوج اس کی سوچ کو منزل مل گئی ہو۔ وہ اس سے ملتا تو اس کے قرب کے احساس کو اندر سموتا رہتا اور تنہائی میں اسے سوچتا اسے بہت اچھا لگتا اور اس وقت بھی وہ نیلو سے ملاقات سے اب تک کے مناظر سوچ رہا تھا۔ سب سے نشاط آفریں وہ لمحہ تھا' جب نیلو نے گجرے کے لیے کلائی اس کے آگے کر دی تھی۔ وہ اس لمحے کو بار بار سوچتا اور ہر بار دل نئے احساس سے لبریز ہو جاتا۔ تمام رات اسے سوچتا رہا اور دن کو وہ اس کے کالج کے کوریڈور سے گزر رہا تھا۔ وہ نیلو کو کلاس میں جاتے پھر ڈائی سیکشن ہال میں جاتے دیکھ چکا تھا۔ وہ اسے ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اب وہ یقیناً فارغ ہو کر باہر نکلی تو وہ ڈرامائی انداز میں اس کے قریب سے تیزی سے گزرا کہ اس کی فائل گر گئی۔

"اوہ' آئی ایم سوری!" وہ نیچے جھکا فائل اٹھا کر اسے دی اور پھر کھلکھلا اٹھا۔

"ارے نیلو! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" نیلو نے فائل اس سے لے لی۔

"میں غالباً یہاں پڑھتی ہوں اور آپ یقیناً یہاں نہیں پڑھتے پھر آپ کے یہاں پائے جانے کا مقصد؟ کس ائر میں ہے؟" نیلو نے شوخی سے اسے دیکھا تو وہ اس کو دیکھنے لگا۔

"نیو تھرڈ ائر میں۔" وہ جلدی سے بولا تو نیلو اس کے احساس سے بے خبر آگے بڑھ گئی۔

"ہوں تو یہ معاملہ ہے۔ ذرا ہمیں بھی تو پتا چلے موصوفہ کیسی ہیں؟ چلو ابھی ملواؤ۔" نیلو ضد کرنے لگی تو وہ اپنی بات کی زد میں آ کر پھنس گیا۔

"کم آن کیسی باتیں کر رہی ہو۔ یہاں اپنے ایک دوست سے ملنے آیا تھا۔ غالباً پاس آؤٹ کر گیا ہے۔ ابھی واپس جا رہا تھا کہ تم سے یہ فلمی ٹکراؤ ہو گیا۔ اینی وے اب تو تمہارا مہمان ہوں۔ کوئی خاطر خدمت نہیں کرو گی؟"

"ٹکراؤ آپ نے فلمی کہا ہے تو خاطر خدمت بھی فلمی ہونی چاہیے ناں' اتاروں سینڈل؟"

"ارے خدا کے لیے ایسا نہ کرنا۔ تمہاری پوری برادری شروع ہو جائے گی۔ چلو تمہارے گھر پر بھی میں ہی میزبان بن جاتا ہوں۔ آؤ کیفے ٹیریا چلیں۔" اور پھر نیلو اور رافع کیفے ٹیریا آ گئے۔

"ویسے رافع' تمہاری بیگم تو مزے میں رہے گی۔ ہر وقت لطیفے سناتے رہو گے اسے۔ اور وہ ہنس ہنس کر......" نیلو چائے کا کپ رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی تو رافع گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"نیلو! کیا تمہارا دل نہیں چاہتا ہر وقت ہنسنے کو؟" دھیمی آواز کی لہریں نیلو سے جانے کیا سننا چاہ رہی تھی۔

"ہر وقت ہنسنے والے پاگل ہوتے ہیں' میں کوئی...... اوہو چھوڑو چلو اب چلتے ہیں اور وہ تمہاری کزن فضہ بیگم کیسی ہیں؟" فضہ کا نام لیتے ہی عجیب سی کڑواہٹ گھل گئی تھی' نیلو کے لہجے میں۔ رافع اسے بغور دیکھنے لگا۔

"ہاں ٹھیک ہے مگر تم نے فضہ کا قیمہ کیوں بنایا اس قسم کے قیمے تو اکثر رقابت کی چکی میں بنتے ہیں۔"

"تمہاری تو ہر بات نرالی ہوتی ہے رافع چلو چلیں۔" نیلو کھڑی ہو گئی اور بیگ شانے سے لٹکا کر مڑی ہی تھی کہ اس کی نظر ذورین پر پڑی جو اسی کے کلاس فیلوز کے ساتھ کھڑا باتیں کر رہا تھا جانے کس بات پر ہنسا تو وہ اسے دیکھتی رہی یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ اکثر اس کے کالج کسی نہ کسی کام سے آیا کرتا تھا۔

"چلو رافع اچھا ہوا تم آ گئے ورنہ آج مجھے بس سے خوار ہو کر جانا پڑتا۔" وہ ذورین کے سامنے

سے گزر کر رافع کے ساتھ چلتی گیٹ کی طرف بڑھنے لگی۔ ذورین کی تیر کی طرح نگاہیں اس کے آر پار ہوتی رہیں۔

☆☆☆

"مما آج اس کو منع کر لیجیے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔" ذورین گھر پہنچتے ہی اس پر بک رہا تھا۔

"ڈونٹ وری' آپ کے علاوہ کوئی یہ دعویٰ کر ہی نہیں سکتا کہ وہ آپ سے برا ہے۔" صوفے پر بڑے سکون اور اطمینان سے بیٹھی وہ پاؤں ہلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وہ دہاڑا۔

"شٹ اپ' او کے! کون ہے یہ رافع' تم کیوں اس کے ساتھ گھومتی ہو اس سے گجرے لیتی ہو' اس کو کالج بلاتی ہو۔ کیا تعلق' کیا رشتہ ہے اس کے ساتھ تمہارا کہ تم......" ذورین کو بھی نہ جانے کیوں عجیب سی جلن ہونے لگی تھی رافع سے۔

"ذورین صاحب' کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جو خود بخود استوار ہو جاتے ہیں ان کا کوئی نام نہیں ہوتا۔"

نیلو نے اسے دیکھتے ہوئے گہرے سے لہجے میں کہا تو وہ چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا اور معنی خیز نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"اوہ تو آپ کے اور رافع کے بیچ کوئی ایسا بے نام رشتہ طے ہو گیا ہے کہ......"

"تو۔ تو مسٹر ذورین یہیں تو گڑبڑ پیدا ہوئی ہے۔ میرے اور رافع کے بیچ نہیں آپ کے اور فضہ کے بیچ!"

"میرے اور فضہ کے درمیان ایسا کوئی رشتہ' کوئی نیا تعلق نہیں بنا۔ وہ میری کزن ہے اور بس۔"

"واقعی؟" ذورین کا شفاف لہجہ واقعی فضہ سے کسی اچھے ناتے سے انکار کر رہا تھا۔ نیلو کے اندر جیسے روشنی پھیل گئی۔

"جی ہاں لیکن اگر میں نے اب رافع کو تمہارے قریب دیکھا تو۔" وہ بہت غصے میں تھا۔ عاتکہ کو بیچ بچاؤ کرانے کے لیے ہمیشہ کی طرح آنا پڑا اور انہوں نے بڑی محبت سے دونوں کے ہاتھ تھام لیے۔

"تم دونوں مجھے بہت عزیز اور پیارے ہو لڑو ضرور کیونکہ اس قسم کی لڑائیاں محبتوں کی علامت ہوتی ہیں مگر لڑائی میں ایک دوسرے پر ایسا حملہ نہ کر بیٹھنا کہ ایک دوسرے کو دیکھنا گوارا نہ ہو۔ ایک دوسرے کا لحاظ کرو' احترام کرو۔" عاتکہ دونوں کو سمجھا رہی تھیں کہ اسی وقت فون کی بیل ہوئی ذورین بھاگا۔

"او ہیلو فضہ' کہاں ہو تم۔ میں کئی بار فون کر چکا ہوں مگر تم......" اس کے انداز کی بے قراری کچھ

دیر قبل ہونے والی روشنی کو نگل گئی تو نیلو اداس سی وہاں سے اٹھ کر آ گئی۔

''نہیں وہ ذورین میں ابو کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی تھی ان کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی۔''

''کیوں خیریت کیا ہوا ماموں جان کو۔ اچھا رکو میں آ رہا ہوں' خدا حافظ۔'' وہ عجلت میں ریسیور رکھ کر عاتکہ کی طرف گھوما اور جو ادھوری تفصیل اسے ملی تھی اسی کو بتاتا باہر نکل گیا۔ نیلو اس کو گیٹ سے نکلتا دیکھ کر گہرا سانس لے کر لیٹ گئی۔

☆☆☆

''اب تو ابو آرام کر رہے ہیں۔ میں نے میڈیسن دے دی ہیں ہارٹ کی اب آرام کر رہے ہیں۔''

فضہ ذورین کو ساری تفصیل بتا رہی تھی اور پھر وہ وجوہات بھی بتا دیں کہ جن کی وجہ سے ابو کی یہ حالت ہوئی۔

''پتا نہیں ذورین لوگ اتنے سنگ دل کیوں ہوتے ہیں۔ ہمارے مالک مکان نے تو اندھیر مچا رکھا ہے۔ بہت ہی خبیث آدمی ہے۔ اتنی اونچی آواز میں بولا کہ ابو کو ہارٹ پین ہونے لگا۔ تب میں نے اس سے کہا کہ ابھی چلے جائیں اور پھر......''

فضہ تو اور بھی درد انگیز انداز اختیار کرتی کہ سامنے سے رافع آ گیا۔ ذورین کے چہرے پر تناؤ آ گیا۔ بے دلی سے ہاتھ ملا کر بیٹھ گیا۔ رافع بغور دونوں کو دیکھتا رہا۔ فضہ کو بھی اس کا آنا ناگوار گزرا تھا۔

''میرا خیال ہے تمہاری کہانی ابھی پوری نہیں ہوئی ہے۔ کیری آن' میں چلتا ہوں۔'' رافع چلا گیا تو فضہ پھر مظلوم بن گئی۔ اسے شجاع الدین نے لگایا ہی اس کام پر تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح ذورین کی توجہ حاصل کر کے گھر میں گھس جائیں تو پھر کام آسان ہو سکتا تھا۔

''ہوں یہ تو بہت مسئلہ ہو گیا ہے۔ ایسا کرتے ہیں تم لوگ اسی ہفتے ہمارے گھر شفٹ ہو جاؤ۔ اوپر والا پورشن خالی پڑا ہے۔ فی الحال تم لوگ وہاں شفٹ ہو جاؤ پھر ان شاء اللہ تم لوگوں کے لیے دوسرا گھر دیکھ لوں گا۔''

فضہ کا انداز ہی ایسا تھا کہ ذورین جو بظاہر بہت بدتمیز اور اکھڑ تھا' دل کا اتنا ہی نرم تھا۔ اس نے بغیر سوچے سمجھے ان کو شفٹ ہونے کا کہہ دیا تو فضہ کے دل میں لڈو پھوٹنے لگے۔ ذورین کے ساتھ زندگی پھر اتنی بڑی اور خوبصورت کوٹھی میں رہنے کا خیال اسے سرشار کر گیا۔ مگر روایتی انکار بھی ضروری تھا۔

''لیکن ذورین' وہ تمہارے چچا اور ان کے گھر والے کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں

کہ ابو پھر بیمار ہو جائیں۔ نہیں ذورین میں کوئی گھاٹے کا سودا نہیں کرنا چاہتی۔ دیکھو ناں......''

''میں نے جو دیکھنا تھا جو سمجھنا تھا' دیکھ بھی لیا اور سمجھ بھی لیا۔ اب تم لوگ بس شفٹ ہونے کی تیاری کرو اور عثمان صاحب اور ان کے گھر والوں سے خوف زدہ ہونے کی قطعی ضرورت نہیں تم لوگ حق دار ہو۔ اب میں چلتا ہوں' دیکھوں جا کر اوپر والے پورشن میں کسی قسم کی کمی تو نہیں بلکہ ایسا کرو تم بھی چلو۔''

اور پھر وہ فضہ کو لے کر آتے ہی اوپر چلا گیا۔ فضہ ہر ایک چیز کا جائزہ لے رہی تھی۔

''ذورین یہ کارپٹ اور پردے......''

''آں ہاں' تمہیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب کچھ بدل جائے گا۔ ایسا کرو تم نوٹ کرو اور مجھے بتا دو کہ کیا کرنا ہے آگے میرا کام ہے۔''

''وہ تو سب ٹھیک ہے ذورین پھر بھی مجھے شرمندگی ہو رہی ہے کہ ہم نے تم پر کتنا بوجھ ڈال دیا ہے اگر پھپھو زندہ ہوتیں تو اور بات تھی مگر اب......'' فضہ اپنے باپ والی عیاری کے ساتھ بولی تو وہ غصے سے اس کی طرف گھوما۔

''اب اگر تم نے ایک لفظ بھی مزید کہا۔۔۔ تو اٹھا کر باہر پھینک دوں گا تمہیں۔ یہ سب کچھ جو میرا ہے سب تم لوگوں کا بھی ہے سمجھیں۔''

پھر ذورین اس کا ہاتھ پکڑے نیچے آیا۔ لاؤنج میں عثمان صاحب' عاتکہ اور نیلو چائے پی رہے تھے۔ تینوں نے ذورین اور فضہ کو دیکھا۔ ذورین کو نہ جانے کیا خیال آیا کہ اس نے فضہ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

''فضہ آؤ بیٹی' چائے پیو۔'' عاتکہ نے فضہ کو چائے کی آفر کی۔ دونوں ہی عاتکہ کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ ذورین عاتکہ کو دیکھنے لگا۔ اس ہستی میں نہ جانے کیا تھا کہ عاتکہ کے سامنے اس کی تمام خود سری ہوا ہو جاتی تھی۔

''مجھے تو ممانیہ چائے ہی دے دیجئے۔ فضہ کے لیے دسو چائے اور لے آؤ۔''

''چائے میں زہر کتنا لیتی ہیں فضہ بی بی آپ۔ میرا مطلب ہے شکر کتنی لیتی ہیں۔''

دسو کو یہ سب لوگ بہت برے لگتے تھے۔ خاص طور پر فضہ سے اسے چڑ تھی۔

''دسو اوقات میں رہا کرو۔'' ذورین نے دسو کو ڈانٹ دیا۔

''میری اوقات تو ذورین بھیا چوبیس گھنٹے ہے۔ ہر وقت اوقات کے لباس میں رہتا ہوں' کبھی زبان پٹری سے اتر جاتی ہے۔''

''اپنی زبان کی پٹری کو ٹھیک کیوں نہیں کراتے۔ یہ فضہ بی بی ہیں' میں ان کو اچھی طرح جانتی

ہوں۔ لاؤ میں اپنی باجی کو خود چائے بنا کر دیتی ہوں۔" اسی وقت شانو آگے بڑھی اور فضہ کو چائے بنا کر دینے لگی۔

"اور شانو دل لگ گیا یہاں پر؟" فضہ پوچھ رہی تھی۔

"دل تو نہیں لگا فضہ باجی۔ جی خوب لگ گیا ہے۔ یہ سب تو اتنے اچھے ہیں کیا بتاؤں۔"

"ہاں۔ ہاں سب کو معلوم ہے کہ میں بہت اچھا ہوں۔ کسی سے میری برائی کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیا بتاؤں آ کر گھس گئی ہے میرے اتنے اچھے گھر میں۔ میں بھی تمہیں نکال کر ہی دم لوں گا۔" دسو کو اس سے چڑ ہو رہی تھی کہ وہ کیوں آ گئی ہے اور اس کے آنے کے مقصد کو کوئی نہیں جانتا تھا۔

"تو ٹھیک ہے رو کے رکھو اپنے دم کو میں تو اب عمر بھر یہاں ہی رہوں گی۔" شانو نے پیار سے نیلو کو دیکھا۔

"ہاں یہ الگ بات کہ تیری عمر ہی وفا نہ کرے۔" دسو دو بدو لگا ہوا تھا عاتکہ نے اسے ٹوک دیا۔

"بری بات ہے دسو جس کا جہاں رزق ہوتا ہے ناں اللہ تعالیٰ اسے خود ہی وہاں بھیج دیتا ہے۔ تم لوگوں نے یہاں ہی رہنا ہے ہمارے ساتھ۔ تم نے بھی اور شانو نے بھی۔ شانو چلو تم اب برتن اٹھا کر لے جاؤ۔" شانو برتن اٹھا کر لے گئی دسو بسورنے لگا۔

"جائیے بیگم صاحبہ میں آپ سے نہیں بولتا۔ سب کچھ تو آپ نے اس کے حوالے کر دیا اب میں کیا اٹھاؤں۔"

"تم یہ کتابیں اٹھاؤ اور میرے کمرے میں چھوڑ آؤ۔" نیلو نے اسے کتابیں تھما دیں۔ اسی وقت فضہ نے نیلو کو دیکھا پھر ذورین کو دیکھا اور پانی کی فرمائش کر دی۔

"چلو دسو کتابیں یہیں چھوڑ دو اور پانی لے کر آؤ۔" نیلو سمجھ گئی تھی کہ اس کی بات کی اہمیت کو کم کرنے کے لیے دونوں نے یہ کہا ہے۔ اس نے کتابیں اٹھائیں اور جانے لگی کہ اسی وقت رافع اور نوشی آ گئے۔

"السلام علیکم۔" رافع نے نیلو کو دیکھا کچھ کچھ مضمحل سی تھکی تھکی سی وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"وعلیکم السلام، اچھا کیا جو تم لوگ آ گئے سچ بہت بور ہو رہی تھی۔" نیلو نے کتابیں وہیں رکھ دیں اور بیٹھ گئی۔ عثمان اور عاتکہ پہلے ہی جا چکے تھے۔ ذورین کے چہرے پر تناؤ سا آ گیا رافع کو دیکھ کر۔

"تم اچھی آدمی ہو یار بغیر بتائے ہی آ گئیں۔ وہاں ماموں جان ڈھونڈ رہے تھے۔" رافع نے فضہ کو گھورا۔

"میں ان کو بتا کر آئی ہوں۔ چلو ذورین ہم چلتے ہیں۔" فضہ رافع اور نیلو کو گھورتی ہوئی کھڑی

ہو گئی۔

"ہاں چلو تم ذرا رکو میں ابھی آیا۔" ذورین وہاں سے عثمان کے کمرے میں آ گیا۔

"آؤ بیٹے کیا بات ہے؟" عاتکہ نے پیار سے اسے دیکھا۔

"مما میں ذرا شاپنگ کرنے جا رہا ہوں مجھے کچھ رقم چاہیے۔"

"ہاں۔ ہاں کیوں نہیں۔" عاتکہ نے پلٹ کر عثمان کو دیکھا جنہوں نے کتاب ہٹا کر دونوں کو دیکھا۔ عثمان بہت کچھ سمجھ رہے تھے۔ وہ جان گئے تھے کہ ذورین کو رقم کیوں چاہیے۔

"سامنے والٹ رکھا ہے جتنے چاہئیں پیسے لے لو۔" عثمان صاحب نے کتاب دوبارہ سامنے کر لی۔

"مجھے لالی پاپ کے لیے پیسے نہیں چاہئیں۔ فضہ کی برتھ ڈے آ رہی ہے اور میں اس کو شاپنگ کرانا چاہتا ہوں۔"

ذورین کا لہجہ دھیما مگر انداز خاصا کڑوا اور کچھ بھی کر گزرنے کا اعلان کر رہا تھا۔ عثمان صاحب نے بغور اسے دیکھا۔

"ذورین میاں مانا کہ شجاع الدین تمہارے ماموں ہوتے ہیں اور ان کا حق ہے مگر بیٹے......"

"جب حق پر بات ختم ہو گئی تو پھر کسی اگر مگر کی گنجائش نہیں رہتی آپ مجھے میری مطلوبہ رقم دے دیجیے۔"

ذورین کے لہجے میں درخواست سے زیادہ حکم کا تاثر تھا۔ عثمان صاحب ذرا غصے میں آ گئے کیونکہ یہ بزنس جس پر اب یہ اکڑ رہا ہے ان کی دن رات کی محنت کا نتیجہ تھا اور اب وہ اسے یوں برباد ہوتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اوپر سے ذورین کا انداز ان کو کھولا گیا تھا۔ عاتکہ دونوں کے چہرے پڑھ رہی تھیں اور ان کو دونوں عزیز تھے اس لیے وہ ہمیشہ کی طرح درمیان میں آ کر کھڑی ہو جاتی تھیں۔

"ٹھیک ہے ناں آپ بلاوجہ اپنا بی پی ہائی نہ کریں۔ فضہ اس کی کزن ہے تو اسے شاپنگ کرانے دیں آؤ بیٹا میرے ساتھ آؤ۔"

عاتکہ بات بڑھنے سے قبل ہی ذورین کو وہاں سے لے گئیں گو کہ ذورین کی مطلوبہ رقم تو نہیں ملی تھی تاہم وہ عاتکہ کے خیال سے ٹل گیا اور پیسے لے کر واپس آیا تو نیلو رافع اور نوشی بھی کہیں جانے کو تیار تھے۔

"رافع آج ہم کھانا بھی باہر ہی کھائیں گے۔ سچ آج میں بہت بور ہوئی ہوں۔ خوب انجوائے کریں گے۔ چلو اب دیر ہو رہی ہے میں پپا کو بتا کر آ گئی ہوں چلو۔" وہ رافع کی طرف بڑھی تو ذورین درمیان میں کھڑا ہو گیا۔

"تم کہیں نہیں جارہیں۔" اس کے لہجے میں حکم تھا' دھونس تھی۔ حاکمیت کا زعم تھا۔ نیلو نے اسی سختی سے اسے پرے کیا اور جھک کر میز پر سے اپنا بیگ اٹھاتی ہوئی بولی۔

"ہم کہیں نہیں جارہے ہیں۔ جہاں ہمارا دل چاہے گا وہیں جارہے ہیں۔" نیلو نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں نے کہہ دیا ناں تم کہیں نہیں جاؤ گی سنا تم نے۔" اب آواز میں مزید سختی آ گئی تھی۔

"اور میں نے بھی کہا ناں میں سخت بور ہورہی ہوں' مجھے جانا ہے بس۔" نیلو کو اس کی بلاوجہ کی دھونس پر تاؤ آرہا تھا کہ خود تو جارہا تھا اور اس پر پابندی لگا رہا تھا۔

"او کے اگر تمہارا دل اتنا ہی چاہ رہا ہے تو چلو میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں ہر جگہ لے جاؤں گا جہاں کہو گی لے جاؤں گا۔"

ذورین کو نہ جانے کیا ہو گیا تھا وہ کسی صورت بھی نیلو کو رافع کے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دے رہا تھا اور اسے اس جذبے کا شاید احساس ہی نہیں ہو رہا تھا جو اس کے لہجے میں ڈھل کر سب کو حیران اور نیلو کو معتبر کر گیا تھا۔ رنگوں کی برسات سی وہ اپنے اوپر اترتی محسوس کر رہی تھی۔ ذورین کی بات پر فضہ کا موڈ آف ہو گیا۔

"او کے ذورین میں چلتی ہوں۔ ایوی طبیعت بھی خراب ہے نوشی تم بھی چلو۔"

فضہ کے چہرے سے اس کے دل کی کیفیت صاف عیاں تھی۔ نیلو نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"نیلو تم نے کبھی جلتے ہوئے کباب کی بدبو کو محسوس کیا ہے؟" رافع نے فضہ کو چھیڑا۔

"کباب کی خوشبو یا بدبو کو تو میں نہیں جانتی البتہ ہڈی کا کردار ادا کرنا مجھے قطعی پسند نہیں۔ فضہ تم ہماری وجہ سے اپنا پروگرام خراب نہ کرو ہم اپنی اپنی منزل کے راہی ہیں۔ آؤ رافع نوشی۔"

نیلو نے رافع اور نوشی کا ہاتھ تھاما اور آگے بڑھ گئی۔ ذورین پاؤں پٹخ کر رہ گیا۔ نیلو نے ایک بار مڑ کر دیکھا۔ وہ ابھی تک ان لوگوں کو گھور رہا تھا۔ ایک سکون کا احساس لیے وہ آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

"میرا کمیشن دینا نہ بھولیے گا شجاع صاحب! ورنہ کھانا ہضم نہیں ہوگا۔" رفیق شفقت میں شجاع الدین کی پوری مدد کر رہا تھا۔ دو عیار ذہن ایک ساتھ کام کر رہے تھے اور دونوں ہی ایک دوسرے کو مات دینے کا سوچ رہے تھے۔

"کیسا کمیشن رفیق میاں! ابھی تو ہم خود سیٹ نہیں ہوئے۔ ابھی تو بہت سے مرحلے باقی ہیں میاں' ابھی تو ہم اس گھر میں بطور مہمان جارہے ہیں۔ جب مالک مکان بن جائیں گے تو تمہیں بھی کمیشن مل جائے گا۔"

شجاع الدین بہت عیار اور کنجوس آدمی تھا۔ وہ رفیق کو بھی ڈاج دینے کے چکر میں تھا۔

"جھوٹ بولوں تو اپنی گردن نہ کٹادوں۔ اپنی فضہ بی بی تو ذورین میاں پر چھاسی گئی ہیں۔ اب بھلے گھر بھی آپ کا اور گھر والا بھی آپ کا۔ خدا کا شکر ادا کریں کہ عمار میاں یہاں پر نہیں ہیں ورنہ تو دمڑی بھی ہاتھ نہ آتی۔ ذورین میاں جذباتی اور غصیلے ہیں مگر ان کو آسانی سے شیشے میں اتارا جاسکتا ہے۔"

"اوہو یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ ارے بھئی راستے کا بھاری پتھر عثمان کو تو راستے سے ہٹاؤ۔ وہ راستے سے ہٹے گا تو کچھ ہاتھ لگے گا۔ ابھی تو ساری دولت جائیداد پر سانپ بن کر بیٹھا ہے۔"

ان کی بات پر رفیق نے چندی آنکھوں سے عیاری سے شجاع الدین کو دیکھا اپنی ٹوپی اتاری پھونک ماری اور پھر سر پر رکھ کر شانے پر رکھا کپڑا اتار کر جھاڑا اور پھر رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اس سانپ کو مارنے کے لیے لاٹھی میرے پاس ہے مگر میں اس لاٹھی کو ٹوٹنے سے بچانا چاہتا ہوں۔ آپ کو تو معلوم ہے کہ عثمان جیسے سانپ راستوں میں آتے رہتے ہیں تو ان کے سر کچلنے کے لیے لاٹھی تو ضروری ہے ناں صاحب!"

"تو چلو ہم ایسی کوئی ترکیب نکالیں گے کہ سانپ کا سر بھی کچل دیں اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ ویسے رفیق میری دونوں بیٹیاں اگر اکبر صاحب کی بہوئیں بن جائیں تو...... سمجھو کہ وارے کے نیارے ہوجائیں۔"

شجاع الدین کے تو منہ میں پانی آ رہا تھا۔ اکبر صاحب کے بیٹے دیکھ کر اور اتنی دولت جائیداد دیکھ کر وہ تو سمجھ رہے تھے کہ حلوا تیار ہے بس منہ کھولنے کی دیر ہے اور حلوا ان کے پیٹ میں ہوگا۔

"جی آپ کے تو ہوجائیں وارے نیارے اور ہم وہی رہیں' لکیر کے فقیر۔ نہیں شجاع الدین صاحب مجھے بھی اتنی دولت جائیداد چاہیے کہ میں صاحب بن سکوں' صاحب کہلاؤں اور......" رفیق نے بہت غربت میں زندگی گزاری تھی۔ باپ بھی لوگوں کے گھر اسی طرح نوکر تھا پھر اس کے ساتھ بھی ایسا ہوا۔ اس نے زندگی کے لیے کچھ خواب بنے تھے جن میں سے ایک بھی پورا نہ ہوا تو اس نے انگلیاں ٹیڑھی کر لیں اور انگلیاں ٹیڑھی کر کے وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے لگا تھا۔ تمام عمر ملازم بن بن کر اب اس کو بھی صاحب بننے کا شوق ہوا تھا۔ یہ اس کے بچپن کا خواب تھا کہ وہ بھی کوئی امیر دولت مند آدمی ہو' کسی کوٹھی بنگلے کا مالک ہو۔ آگے پیچھے پھرنے والے ملازم ہوں' اس کے اشاروں پر ناچتے ہو۔ اسی خواب اور خواہش کی تکمیل کے لیے اس نے یہ پلان تیار کیا اور شجاع الدین کو اس میں شریک کیا۔ اس کی اس بات پر شجاع الدین نے مکاری سے اسے دیکھا۔

"ارے صاحب' ہم تمہیں ایسا ویسا صاحب بنائیں گے۔ رفیق صاحب ذرا ہمیں حیثیت حاصل

ہونے تو دو پھر دیکھنا ہمارا کمال ہم کرتے کیا ہیں۔" سگار سلگاتے ہوئے شجاع الدین نے مکاری سے کہا۔

"چلیے صاحب دیکھ لیتے ہیں ابھی تو میں چلتا ہوں۔" رفیق کھڑا ہو گیا۔

"سنو رفیق! تم اس گھر کے پرانے ملازم ہو۔ ذورین میاں کو فضہ سے شادی کرنے پر آمادہ کرتے رہنا۔ دیکھو میرے بھائی! اس میں تمہارا بھی فائدہ ہے اور......" شجاع الدین خوشامد پر اتر آیا۔

☆☆☆

شجاع الدین بڑے زور شور سے اکبر ہاؤس میں شفٹ ہو چکا تھا۔ اس نے ذورین کو اس حد تک اپنے قابو میں کر لیا تھا کہ وہ ان کی خاطر ہر خطرہ مول لینے کو تیار تھا۔ جب ہی تو اس نے ان کو اوپر والے پورشن میں سیٹ کر دیا تھا۔

"آپ لوگوں کا یہ اپنا گھر ہے ماموں جان۔ آپ لوگ ہمارے مہمان نہیں ہیں۔ جب جس وقت جو ضرورت ہو میں حاضر ہوں۔ ملازم ہیں آپ حکم دے سکتے ہیں۔"

"خدا تمہارا بھلا کرے ذورین بیٹا! تم نے ہماری عزت رکھ لی ورنہ میں جوان بیٹیاں لے کر کہاں جاتا۔ میں تو پرانے واقعات کی وجہ سے آگے نہیں بڑھا تھا ورنہ مجھے تم لوگوں کے بارے میں سب خبر تھی مگر......"

شجاع الدین بات کرتے کرتے سینہ مسلنے لگے جیسے واقعی ان کو تکلیف ہو رہی ہو۔ انہوں نے کمال عیاری سے فضہ کو دیکھا۔

"بیٹا وہ زبان کے نیچے رکھنے والی گولی تو دینا۔" ذورین کو متاثر کرنے کے لیے شجاع الدین نے بھرپور اداکاری کی۔

"لیجیے ماموں جان! یہ تو میں ہر وقت اپنے پاس رکھتا ہوں کہ نہ جانے بیمار دل کو کب ان کی ضرورت پڑ جائے۔" اسی وقت رافع آگے بڑھا اور گولی ان کی طرف بڑھائی۔ وہ ہاتھ میں لے کر رکھنا چاہتے تھے مگر رافع بضد ہو گیا "ارے ماموں جان! آپ کی طبیعت خراب ہے۔ ہاتھ بھی کانپ جاتا ہے میں خود گولی آپ کی زبان کے نیچے رکھ دیتا ہوں۔"

رافع اندر کے ڈرامے کو چونکہ جانتا تھا اس لیے وہ گولی لے کر آگے بڑھا تو وہ گھبرا گئے۔ انہوں نے ذورین کی نظر بچا کر اسے گھورا۔

"نہیں اب ضرورت نہیں طبیعت بہل گئی ہے۔ گولی واپس رکھ دو۔"

"ماموں جان! آپ کو یہ تکلیف کب سے ہے؟" ذورین کو ان پر بڑا ترس آ رہا تھا۔

"کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا جب سے......" رافع نہ جانے کیا بک جاتا۔ اگر وہ اسے منت بھری نظروں سے نہ دیکھتے۔

"خیر ماموں جان! اب اپنا چیک اپ کسی اچھے ڈاکٹر سے کرائیے گا۔"

ذورین نے تو ان کو خود کسی ڈاکٹر کے پاس لے جانے کا پروگرام بھی بنا لیا تھا۔

☆☆☆

زندگی نئے موڑ پر آ گئی تھی۔ شجاع الدین چھا گئے تھے اپنی بیٹی فضہ سمیت۔ ذورین ان کے قابو میں تھا۔ عمار وہاں پر تھا نہیں سکتا تھا اور یہاں شجاع الدین نے رفیق کے ساتھ مل کر عیاریوں کا ایسا جال بچھا دیا تھا کہ عثمان صاحب گھبرا کر رہ گئے تھے۔ ذورین کے روز بہ روز بڑھتے ہوئے مطالبات سے کا مطالبہ وہ گھبرا گئے تھے۔

"پپا اب آپ کا بی پی زیادہ تر اپ رہنے لگا ہے۔ کیا سوچتے رہتے ہیں آپ؟"

خود نیلو زندگی کی اس نئی تبدیلی کو سمجھ نہیں پائی تھی۔ بدلتے ہوئے حالات نے اسے وہمی بنا دیا تھا۔

"نہیں بیٹا! میں کچھ نہیں سوچتا بس پھر بھی نہ جانے کیوں......؟" عثمان صاحب دکھی سے ہو گئے۔ ذورین کے رویے نے ان کو بہت دور پھینک دیا تھا۔ انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ لوگ جن کو انہوں نے اپنی اولاد کی طرح پالا ان کے ناز نخرے اٹھائے ان کی زندگی کی ڈوبتی ناؤ کو کنارے تک پہنچایا۔ آج وہی بچے ان کے گریبان تک آ رہے تھے۔

"پپا! میں آپ کی بیٹی ہی نہیں ڈاکٹر بھی ہوں۔ خدا کے فضل سے ایک سال بعد میں ڈاکٹر بن جاؤں گی۔ آئی نو کہ آپ ان حالات کی وجہ سے اپ سیٹ رہتے ہیں۔ کیوں......؟"

"حالات سے فرار ممکن بھی تو نہیں بیٹا کیا کروں؟ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟"

"عثمان! دیکھیے مانا کہ اس زندگی میں ہم نے بہت کچھ کھویا اور خدا کی مہربانی سے بہت کچھ پایا بھی ہے۔ ہم لوگوں نے پوری دیانت داری سے ان بچوں کی تربیت کی۔ والدین کا سا پیار دیا۔ اب اگر ان کے ماموں آ گئے ہیں تو ٹھیک ہے عمار کے آ جانے پر ہم الگ ہو جائیں گے۔ ان کی زندگی سے نکل جائیں گے۔ بس اتنی سی تو بات ہے۔"

عاتکہ خود بہت دکھی ہو رہی تھیں موجودہ حالات سے مگر عثمان کی طبیعت کے پیش نظر انہوں نے بات کو بالکل معمولی اور بے وقعت بنا کر پیش کیا تو نیلو ان کو دیکھنے لگی۔ اک بھرپور ٹیس اس کے دل میں اٹھی۔

"بس اتنی سی بات ہے مما! کیا واقعی اتنی سی بات ہے ان کی زندگی سے نکل جانا۔ ان سے بے

رابطہ ہو جانا اتنی سی بات تو نہیں مما! اس کے بعد تو کچھ بھی نہیں بچتا۔ یہ تو بہت بڑی بات ہے مما! پوری زندگی پر مسلط یہ بات اتنی سی بات نہیں ہو سکتی۔"

بے زبان سوچ کا درد لیے نیلو وہاں سے اٹھ کر باہر آ گئی۔ وہ کچھ دیر شفاف پاکیزہ فضا میں سانس لینا چاہتی تھی۔ وہ لان میں آ گئی' ننگے پیر چلتے ہوئے وہ قدرے پرسکون سا محسوس کر رہی تھی۔ وہ گھاس پر آنکھیں بند کر کے بیٹھی ہی تھی فضہ کی ہنسی کی آواز کے ساتھ اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ ذورین اور فضہ کہیں باہر سے واک کر کے آ رہے تھے۔ کچھ دیر قبل حاصل ہونے والا سکون فضہ کی ہنسی میں کہیں کھو گیا۔

"سچ ذورین! تمہارے ساتھ زندگی اتنی خوبصورت ہو جائے گی میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اب تو تم سے ایک پل کی جدائی بھی گوارہ نہیں ذورین' تم کیسا محسوس کرتے ہو؟" فضہ اپنی محبتوں کے اظہار کے بعد اب ذورین سے تصدیق چاہ رہی تھی۔ نیلو نے سانس روک لی ذورین کا جواب سننے کے لیے۔

"بولو ناں ذورین' کیا سوچ رہے ہو؟" فضہ نے اپنا سوال دہرایا۔

"بھئی اس وقت تو میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ جلدی سے اپنے بستر پر جا کر گر جاؤں۔ بہت لمبی واک کروا دی ہے تم نے۔"

ذورین کے انداز میں کسی حد تک بے زاری تھی جو نیلو کے جلتے دل پر ٹھنڈے چھینٹوں کا کام کر گئی۔

"ذورین یہ تو کچھ بھی نہیں میں تو زندگی کے سفر پر تمہارے ساتھ بہت دور' بہت آگے تک جانا چاہتی ہوں۔"

فضہ تو خاصی رومینٹک ہو رہی تھی۔ ذورین ہی عدم دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ فضہ بھی جانے لگی تو نیلو پر نظر پڑتے ہی زور سے چلائی تاکہ ذورین سن لے۔

"ارے نیلو! تم ابھی تک جاگ رہی ہو کہیں ہم لوگوں کی جاسوسی تو نہیں ہو رہی تھی؟"

فضہ نے عیاری سے کہا تو نیلو بھی چلتی ہوئی سرخ اینٹوں کی روش پر آ گئی اور اسے دیکھنے لگی۔

"میرے خیال میں پڑھے لکھے لوگوں کو خوش فہمی زیب نہیں دیتی۔ جاسوسی تو ان لوگوں کی کی جاتی ہے جن کی کوئی حیثیت یا اہمیت ہوتی ہے زندگی میں۔ اور میں تو جن لوگوں کو اہمیت نہیں دیتی ان کی کسی بات یا سرگرمی کو اہمیت نہیں دیتی۔ نہ ان کی دوستی کو اور نہ ان کی دشمنی کو۔" ذورین کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے سنانے کی غرض سے اس نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔ ذورین کی نیند' تھکن اس کی آواز میں ڈھلے الفاظ کے ساتھ ہی چلی گئی۔ وہ دور تک اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔

آہستہ آہستہ شجاع الدین ہر بات کا حساب اپنے پاس رکھنے لگے تھے۔ بزنس میں مداخلت کرنے لگے۔ ہر بات میں انٹرفیئر کرنا اپنا حق سمجھنے لگے۔ عثمان صاحب کو بعض اوقات ایسی بات کہہ جاتے کہ وہ ان کو دیکھ کر رہ جاتے۔

"ذورین بیٹے! دیکھو جب تک تو میں دور تھا' کوئی خبر نہیں تھی تو چپ تھا مگر اب اندر گھس کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ عثمان صاحب، مائنڈ نہ کرنا بیٹا وہ رشتے میں تمہارے چچا ہوتے ہیں۔ لیکن انہوں نے تم دونوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا تمہاری ہی جائداد سے اپنی جائداد بھی بناتے رہے۔ اپنی بیٹی کو تم دونوں کے برابر کھڑا کیا۔ دیکھو میاں یا تو خود اپنا بزنس سنبھالو یا پھر مجھے یہ اختیار دو تاکہ میں خود اپنی بہن کی دولت' جائداد کی نگرانی کر سکوں۔ حد ہو گئی معصوم یتیم بچوں کا مال کھاتے ہوئے کچھ خیال نہیں آیا۔ اب یہ جو جائداد فیکٹری اور نہ جانے کیا کچھ انہوں نے اپنی بیٹی کے نام کر رکھا ہے بے ایمانی نہیں تو کیا ہے؟ ناں میاں ناں! میں تم لوگوں کے ساتھ یہ زیادتی نہیں ہونے دوں گا۔ سوچ لو کیا کرنا ہے؟" شجاع الدین نے دل کی بات کو زبان دے دی تو ذورین ان سے سو فیصد متفق ہونے کے باوجود فوری طور پر کچھ کہہ نہ سکا۔

"لگتا تو مجھے بھی ایسے ہی ہے ماموں جان! مگر اب کیا کروں عماد بڑا بھائی ہے۔ وہ آ جائے تو ہم کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں۔"

"واہ میاں واہ! جب تک مسٹر عثمان چاہیں سب کچھ ہضم کر جائیں۔ دیکھو بیٹا میں تمہارا ماموں ہوں کنارے پر کھڑا ہو کر تمہارے ڈوبنے کا منظر نہیں دیکھ سکتا۔ یا تو خود بات کرو یا مجھے کرنے دو تاکہ موصوف کے ارادوں کی خبر تو ہو۔"

لوہا گرم ہو چکا تھا۔ شجاع الدین چاہتا تھا کہ عثمان کا پتا کاٹ کر خود سیٹل ہو جائے۔

"آپ کی طبیعت پہلے ہی خراب رہتی ہے ماموں جان! آپ آرام کریں میں پہلے خود بات کرتا ہوں۔ اگر بات نہ بن سکی تو پھر آپ بات کر لیجیے گا۔ کچھ نہ کچھ کرنا تو ہے۔"

☆☆☆

عثمان صاحب آج کل ذہنی دباؤ کا شکار تھے۔ مستقل ٹینشن اور پریشانی نے ان کے اعصاب کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ وہ خوف زدہ رہنے لگے تھے۔ ان کو شجاع الدین سے خوف آتا تھا۔ اوپر سے ذورین کا بدتمیز رویہ' یہ سب باتیں ان کی برداشت سے باہر تھیں۔ شجاع الدین نے باقاعدہ آفس جانا شروع کر دیا تھا اور ان سے حساب کتاب یوں پوچھتے گویا وہ ان کے ملازم ہوں۔

"ذورین بیٹا' تمہیں اپنے پپا کا ذرا خیال نہیں ان کی اتنی طبیعت خراب ہے۔ تم ایسی باتیں کرتے ہو؟"

اس کڑے وقت میں تم اپنے آپ کو اکیلا تصور کرو۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

بشریٰ بیگم ان کو تسلیاں دیتی چلی گئیں تو وہ ماہ ما کے بارے میں سوچنے لگیں۔ ایک شخص کے چلے جانے سے زندگی ہی بدل کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

اتنا کچھ ہو گیا تھا مگر بھائی صاحب اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے کہ ایاز اور ماہ ما کا نکاح ہو کر رہے گا۔

"آج ہر صورت میں ماہ ما اور ایاز کا نکاح ہوگا۔ میں اپنے بھائی کی نشانی کو لاوارث نہیں چھوڑ سکتا۔ میں ایاز اور ماہ ما کا آج ہی نکاح کروں گا۔ آج ہی رخصتی ہوگی اور ماہ ما آج ہی ہمارے ساتھ گاؤں جائے گی اور وہیں رہے گی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ نہ تو کسی کو اعتراض کی اجازت دی جائے گی اور نہ اب اس پر بحث ہوگی...... بس۔"

انہوں نے گویا فیصلہ کر کے قلم توڑ دیا۔ ایک بار پھر سب سناٹے میں آ گئے۔ ماہ ما نے ایک قیامت برپا کر دی۔

"ممّا! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں۔ نکل جائیں ورنہ میں خود کو ختم کر دوں گی۔ تمام عمر پچھتے رہیں گے۔ کیا سمجھ رکھا ہے انہوں نے مجھے کہ ایک نے ٹھکرا دیا دوسرے کے سر زبردستی تھوپا جائے۔ ممّا! ان سے کہہ دیں باز آ جائیں ورنہ آج کچھ بھی ہو گیا تو اس کے ذمے دار یہ لوگ ہوں گے بس۔"

ماہ ما نے چھری اٹھا کر اپنی گردن پر رکھ لی تو عفت تڑپ اٹھیں۔ انہوں نے چھری اس کے ہاتھ سے لے لی۔

"خدا تمہیں سلامت رکھے میری جان! ابھی تمہاری ماں زندہ ہے۔ میں سمجھ لوں گی سب سے۔"

ماہ ما کو بہلا کر وہ بھائی صاحب کے پاس آ گئیں۔ انہوں نے بھی کوئی آخری فیصلہ کر لیا تھا۔

"بھائی صاحب! اب تک جو کچھ ہوا میں خاموشی سے دیکھتی رہی آپ لوگوں نے تو میری بیٹی کو تماشا بنا دیا ہے۔ ایک بیٹے نے اسے ذلیل کر کے ٹھکرا دیا تو آپ زبردستی دوسرے بیٹے کے گلے کا ڈھول بنانا چاہتے ہیں۔ نہیں بھائی صاحب! اب نہیں' مجھے اپنی بیٹی کی زندگی بہت پیاری ہے۔ میں آپ کی یہ بات نہیں مان سکتی۔ پہلی رشتے داری رکھنا چاہیں تو ٹھیک ہے ورنہ جہاں حبیب گئے وہاں ہم سمجھے لیکن میں آپ کا فیصلہ قبول نہیں کر سکتی۔ آپ لوگ واپس جا سکتے ہیں۔"

ایک طرف سے عفت نے ان کو گھر سے نکل جانے کا کہہ دیا۔ سوائے بھائی صاحب کے سب ان سے متفق تھے۔

"ٹھیک ہے عفت! تم نے تو ہمیں کبھی قبول کیا ہی نہیں لیکن تم نے درست کہا جہاں حبیب گیا وہاں تم دونوں بھی گئیں۔ آج کے بعد ہمارا مرنا جینا ختم، ناک کٹوا کر رکھ دی خاندان بھر میں میری۔"

یوں ایک اور باب بند ہو گیا۔ بھائی صاحب مرنا جینا ختم کر کے چلے گئے۔ دونوں ماں بیٹی بہت تنہا ہو گئیں تو عفت نے ماہ ما سے بالا بالا بشریٰ سے ٹونی اور ماہ ما کی شادی کی بات کی۔ وہ تو تیار نہیں تھیں مگر ان کے شوہر محسن صاحب چہک اٹھے۔

"نہیں محسن! وہ پاگل لڑکی ہے۔ میرے بیٹے کو مار دیا تو؟"

"ارے وہ پاگل ہے مگر تم احمق ہو۔ احمق عورت اس لڑکی کے پاگل پن کو ہم بخوبی کیش کرا سکتے ہیں۔ دیکھو ٹونی کو مار سکتی ہے جلا سکتی ہے۔ دیکھو کچھ بھی کر سکتی ہے اس میں ہمارا کیا قصور بھلا۔"

محسن صاحب نے مکروہ ہنسی کے ساتھ ایسا پروگرام بنایا کہ بشریٰ بیگم بھی شریک ہو گئیں اور پھر ماہ ما اور ٹونی کے نکاح کی تیاری ہونے لگی۔ عفت نے اسے یہ ہی بتایا کہ شہرام سے بدلہ لینے کا طریقہ اس سے اچھا ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اس کے رقیب کے ساتھ نکاح کر کے اسے اذیت پہنچائے۔ وہ چپ چاپ سنتی رہی دیکھتی رہی۔ نکاح والے روز [illegible] اور بشریٰ آئیں تو عفت جلدی سے ماہ ما کو تیار کرنے کی غرض سے اوپر آئیں مگر وہاں ماہ ما نہیں تھی۔ ایک خط بستر پر پڑا تھا۔ عفت نے جھٹ کھولا۔

"ممّا! شہرام سے مجھے کتنی ہی نفرت کیوں نہ ہو مگر میں مرجانا تو پسند کروں گی ٹونی کے ساتھ شادی نہیں۔ مجھے تلاش مت کیجیے گا۔ سمجھیے گا آپ کی کوئی اولاد تھی ہی نہیں...... خدا حافظ!" عفت بیگم وہیں ڈھیر ہو گئیں۔

"بیگم صاحبہ! کیا ہوا ہے' خیریت تو ہے ناں؟" گھر کے ملازم اشرف نے دیکھا تو عفت بے ہوش پڑی تھیں اور ہاتھ میں ماہ ما کا خط تھا۔ اب انگریزی تو اسے آتی نہیں تھی کہ پڑھتا' ایک ہی بات سمجھ میں آئی اور اس نے کھٹ سے بشریٰ بیگم کو فون کر دیا تو وہ جو اپنی ہونے والی بہو سے کافی حد تک خوف زدہ تھیں اور اس سے کسی بھی قسم کے رویے کے وقوع کا ان کو یقین تھا۔ ماہ ما کے رویے نے ان کے لالچ کے بھوت کا تو گلا دبا کر مار ڈالا تھا مگر ان کے حریص شوہر محسن سونے کی اس چڑیا کو ٹونی کے نکاح کے پنجرے میں قید کر کے اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے اس لیے وہ بیگم کو لے کر فوراً وہاں پہنچ گئے۔

"او نو!" ماہ ما کی تحریر نے کچھ دیر کے لیے ان کے فیوز بھی اڑا کر رکھ دیے۔ اب وہ اسے کہاں تلاش کرتے' جبکہ بشریٰ عفت کو ہوش میں لانے کی کوشش میں کامیاب ہوئیں تو دماغ بیٹی کے جانے کے صدمے سے سن ہو کر رہ گیا۔

''بشریٰ! بشریٰ' یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ میں نے ایسا کیا کر دیا ہے کہ اتنی کڑی سزا کی حق دار قرار دی گئی ہوں۔ میرے پروردگار! میری بیٹی کہاں چلی گئی...... ماہ ما...... جانی' لوٹ آؤ ورنہ میں مر جاؤں گی۔''

عفت ماہئ بے آب کی طرح تڑپ رہی تھیں۔ ان کی بے سکون روح کو کسی صورت قرار نہیں آ رہا تھا۔

''کہاں جا سکتی ہے' کچھ تو آئیڈیا ہوگا تمہیں؟'' بشریٰ نے پانی ان کو دیتے ہوئے کہا۔

''نہیں بشریٰ! مجھے کوئی آئیڈیا نہیں کہ وہ کہاں گئی ہے۔ اس کا تو کوئی ایسا دوست بھی نہیں سوائے ٹونی اور ماریہ کے۔ میں کیا کروں' کہاں تلاش کروں اپنی بیٹی کو؟ میرے خدا! اسے اپنی حفظ و امان میں رکھنا۔''

عفت کی مچلتی ممتا آنسوؤں میں بہتی جا رہی تھی۔ خاموش بیٹھے محسن صاحب اپنے قیافے اور سوچوں کے گھوڑے دوڑا رہے تھے کہ لڑکی اس وقت کہاں ہو سکتی ہے؟

''عفت! دیکھو' مائنڈ نہ کرنا۔ اگر اس کی ٹونی کے ساتھ شادی کی مرضی نہیں تھی تو تمہیں بھی زبردستی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ ایسے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے جو نہ صرف اپنے لیے بلکہ دوسروں کے لیے بھی مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ کیوں تم نے اس کے ساتھ زبردستی کی؟''

''نہیں بشریٰ! میں نے ماہ ما کے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کی بلکہ میں تو خود اس کی خوشی کی خاطر ہر قدم اس سے پوچھ کر اٹھا رہی تھی' ٹونی سے شادی کا فیصلہ اس کا اپنا تھا۔ اس نے اپنی خوشی سے پورے خاندان کے سامنے ٹونی کے ساتھ شادی کا اعلان کیا تھا' خود اپنی مرضی سے۔'' عفت کے الفاظ آنسوؤں میں بھیگ رہے تھے۔

''ہوں......'' گویا کوئی نکتہ ہاتھ لگا تھا' کوئی راستہ نظر آیا تھا محسن صاحب پرخیال انداز میں عفت کو دیکھتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

''بھابی! کہیں ایسا تو نہیں کہ ماہ ما کو آپ کے...... آئی مین' ماہ ما کے تایا یا ان کے لڑکوں نے کڈنیپ کر لیا ہو؟'' محسن صاحب کا عیار' تخریبی ذہن ایسی ہی سوچ اور خیال کا اظہار کر سکتا تھا۔

''نہیں' نہیں۔ بھائی صاحب! ایسا ہرگز نہیں۔ میرے سسرال والے اصول پرست لوگ ہیں۔ اپنی بات پر مر مٹنے والے' وہ کوئی اوچھی حرکت کر ہی نہیں سکتے۔ وہ ہمیں' ہمارے حال پر چھوڑ سکتے ہیں مگر ایسی گھٹیا حرکت...... امپاسیبل...... نو...... نیور!''

ماضی میں شدید اختلافات سہی مگر عفت جہاں اپنے سسرال والوں کو' ان کی خوبیوں کو بہت بہتر جانتی تھیں۔ اپنے سسرال والوں پر جس اعتماد کا اظہار انہوں نے کیا تھا' وہ تیر بن کر محسن صاحب کے

دل میں اتر گیا تھا۔ انہوں نے پہلو بدلا۔

''آپ بہت سادہ لوح ہیں بھابی! آپ نہیں جانتیں کہ اصول پرست کتنے سخت اور کٹر ہوتے ہیں۔ وہ سر کٹا دیا کرتے ہیں مگر اپنے اصول نہیں توڑا کرتے' جان دے بھی دیتے ہیں اور لے بھی لیتے ہیں مگر اپنی روایات میں دراڑ نہیں پڑنے دیتے۔ چونکہ آپ نے اور ماہ ما نے ان کے اصولوں اور روایات کو توڑ ڈالا تھا اور ان کی اہمیت کو اپنی زندگی سے ختم کر ڈالا تھا تو یہ چیز وہ کیونکر برداشت کر سکتے تھے۔ انہوں نے سوچا ہوگا کہ اسی طرح آپ کو جھکایا جا سکتا ہے۔''

محسن صاحب نے تو بڑے مؤثر انداز میں ماہ ما کے اغوا کے سین کو عفت کے سامنے پیش کیا تھا' تمام حقائق کے ساتھ مگر عفت کو یقین نہیں آ رہا تھا' بھائی صاحب بھلا ایسا کر سکتے ہیں' ماہ ما ان کی اپنی بچی' اپنی عزت ہے۔

''نہیں محسن بھائی! میں یہ نہیں مان سکتی۔ وہ کیوں...... کیوں ماہ ما کو اغوا کریں گے؟ نہیں' میں نہیں مان سکتی۔ میری بچی نہ جانے کہاں ہوگی' کس حال میں ہوگی؟'' عفت تڑپ رہی تھیں طرح طرح کے وسوسے ان کا ضبط اور چین چھین رہے تھے۔

''کیوں کی بھی آپ نے خوب کہی۔ دیکھیے ناں...... ماہ ما کتنی جاگیر کی اکیلی وارث ہے تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ جو جاگیردار قسم کے لوگ ہوتے ہیں ناں' اپنی جاگیر کو گھر میں رکھنے کی خاطر بے جوڑ شادیاں کر دیتے ہیں اور انہوں نے بھی تو ہر ممکن کوشش کی ماہ ما کو اپنے گھر لے جانے کی مگر جب گھی سیدھی انگلیوں سے نہ نکلا تو انہوں نے انگلیاں ٹیڑھی کر لیں...... اور......''

محسن صاحب نے اپنے عیارانہ دلائل کو کچھ ایسا رنگ دیا کہ بیٹی کی گمشدگی کے صدمے میں کھوئی ہوئی عفت پریشان ہو کر رہ گئیں کہ اب کیا کریں کسی حد تک تو ان کی بات میں وزن تھا مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو ماہ ما اپنی تحریر چھوڑ کر کیوں جاتی؟

''محسن بھائی! میں کیسے مان لوں آپ کی بات؟ یہ دیکھیے ذرا ماہ ما کی تحریر پڑھی تو ہے آپ نے۔''

عفت نے آنسو صاف کرتے ہوئے کاغذ ان کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے چور سی نگاہ اس پر ڈالی اور چہرے پر ہلکی سی خفت نمایاں ہو گئی کیونکہ جلد بازی میں وہ اس تحریر کو اگنور کر گئے تھے جس میں ماہ ما نے ٹونی کے ساتھ شادی نہ کرنے کا اعلان کیا تھا اور گھر سے جانے کی اطلاع دی تھی۔

''جی میں پڑھ چکا ہوں آپ......'' محسن کچھ کہنا چاہتے تھے مگر بشریٰ نے روک دیا۔

''عفت! اس میں تو صاف لکھا ہے کہ ماہ ما ٹونی کے ساتھ شادی کرنا نہیں چاہتی تھی۔ تم نے کیوں پھر یہ سب کیا کہ لڑکی ہی ہاتھوں سے جاتی رہی اور لے کر سب کو پریشان کر دیا۔'' بشریٰ بیگم کے سر سے چونکہ لالچ کا بھوت اتر چکا تھا' ان کو صرف اپنا بیٹا عزیز تھا اس لیے انہوں نے خاصی برہمی سے کہا

تو عفت بری طرح رونے لگیں۔ کتنی تنہا اور اکیلی ہو گئی تھیں وہ' کوئی اپنا نہیں تھا۔ جن پر مان تھا وہ بھی ناراض ہو گئے تھے۔

''اب میں تمہیں کیا بتاؤں بشریٰ! کہ ماہ مانے خود......'' عفت جہاں ہچکیاں لینے لگیں۔

''اس کی ایب نارملٹی کا تم اسی بات سے اندازہ کر لو کہ کبھی سب کے سامنے ٹونی سے شادی کا کہتی ہے اور جب شادی کا وقت آتا ہے تو گھر سے فرار ہو جاتی ہے۔ SORRY TO SAY عفت! ماہ ما نارمل لڑکی نہیں ہے' وہ......''

''چپ ہو جاؤ بشریٰ! خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ۔ میں نے دوست سمجھ کر تمہیں اپنے زخم دکھائے تھے تم مرہم لگانے کے بجائے ان پر نمک چھڑک رہی ہو۔ یہ کیسی دوستی ہے' کیسی انسانیت ہے؟ میری بچی جانے کہاں چلی گئی اور......''

عفت چیخ پڑیں۔ صدمے نے ان کے حواس اور ضبط چھین لیا تھا۔ اس وقت وہ خود کو بہت اکیلا اور تنہا محسوس کر رہی تھیں۔ ایسے میں ان کو اپنے تمام سسرال والے شدت سے یاد آ رہے تھے جو ان کے آنسوؤں کو اپنی پلکوں میں اتار کر محتجز کر دیا کرتے تھے۔

''بھابی...... بھابی! آپ دوست کہہ رہی ہیں' ہم آپ کے دوست ہیں اور ایسے وقت میں ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ آپ خود کو تنہا مت سمجھئے' ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ بشریٰ آپ کو کچھ تو خیال کرنا چاہیے' اپنی برسوں پرانی دوستی کا۔''

محسن صاحب نے آگے بڑھ کر بشریٰ کا ہاتھ دبایا اور اس دباؤ کا مطلب وہ سمجھ تو گئی تھیں مگر ان سے متفق نہیں تھیں تاہم انہیں اپنی بات اور رویے کا احساس ہوا تو انہوں نے عفت کو دلی ہمدردی اور محبت کے ساتھ گلے لگا لیا۔

''خدا پر بھروسا رکھو عفت! ہم ماہ ما کو تلاش کرتے ہیں۔ تم دعا کرو انشاءاللہ تمہاری بیٹی آ جائے گی۔''

سچے الفاظ کی گرمی نے عفت کو اور پگھلا دیا۔ وہ شدت سے رو پڑیں۔

''بشریٰ...... بشریٰ! میں مر جاؤں گی اگر ماہ ما کو کچھ ہو گیا۔ جانے وہ کہاں چلی گئی ہے۔ میرے خدا!! اسے اپنی امان میں رکھنا۔''

☆☆☆

''وقت زیادہ ہو گیا ہے ذورین! شارٹ کٹ لے لو۔'' رافع نے گھڑی دیکھ کر مشورہ دیا۔

''ہوں...... شارٹ کٹ سے فرق تو بہت پڑے گا' مما کے کئی فون بھی آ چکے ہیں۔ وہ میرے زیادہ گھر سے باہر رہنے کے بہت خلاف ہیں مگر شارٹ کٹ والی روڈ خاصی سنسان ہے' کئی حادثات

ہو چکے ہیں۔''

''اللہ مالک ہے یار!'' رافع کے کہنے پر ذورین نے گاڑی شارٹ کٹ والی روڈ پر ڈال دی تو رافع کو اندازہ ہوا کہ راستہ واقعی بہت سنسان تھا۔ روڈ بھی ٹوٹی پھوٹی تھی' روشنی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دونوں کو عجیب طرح کا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ رافع کو تو الٹے سیدھے وہم بھی آ رہے تھے اور ایسے سنسان علاقوں سے وابستہ جن بھوتوں اور چڑیلوں کے واقعات جو سن رکھے تھے اور پڑھ رکھے تھے سب سچ ہوتے ثابت ہو رہے تھے۔ کیا خبر کوئی چڑیل اچانک سامنے آ جائے اور ان دونوں کو...... اوہ' اس نے جھرجھری لی اور ذورین کو دیکھنے لگا جو خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا۔

''آرام' سکون سے گاڑی چلاؤ یار! مرد بنو' مرد۔ کیوں اتنے خوف زدہ ہو رہے ہو؟ کیا ہو گیا یار! اگر کوئی چڑیل آ ہی گئی تو دیکھ لیں گے۔ م...... میں نمٹ لوں گا۔ م...... میں ہوں ناں...... تمہارے ساتھ۔ ڈرنے کی بھی کیا بات ہے' ذرا اپنی حالت دیکھو' خوف سے تمہارے بال کھڑے ہو رہے ہیں۔ بالکل کنڈیالے چوہے لگ رہے ہو۔'' رافع خوف سے بولتے ہوئے ذورین سے لپٹ گیا تو ذورین نے اسے پرے دھکیل دیا۔

''رافع! ہوش میں تو ہو تم' یہ کیا بچوں کی طرح ڈر رہے ہو؟''

''بچوں کی طرح تو نہیں' میں بڈھوں کی طرح ڈر رہا...... اور یہ ڈر کون بھوت رہا ہے' میرا مطلب ہے یار! تمہارے قریب تو میں اس لیے ہو گیا تھا کہ کہیں خوف کے مارے گاڑی کسی کھڈے میں نہ گرا دو۔'' رافع نے سامنے دیکھتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

''ڈر...... ڈر کس کو لگ رہا ہے؟''

''ڈر نہیں خوف تو آ رہا ہو گا۔ چلو خوف کی خیر ہے' آنے دو۔''

''مجھے خوف بھی نہیں آ رہا۔'' ذورین اپنی بات پر اڑا رہا تو رافع اسے گھورنے لگا۔

''ہائے' اوئے تیریاں دلیریاں!'' رافع نے اپنی طرف کا شیشہ چڑھا لیا اور باہر دیکھنے لگا۔ باہر گھپ اندھیرے کا خوف اس کے اندر اتر رہا تھا۔

''بھوت...... یار! ذورین بھوت دیکھو۔ میری طرف دیکھ رہا ہے بھوت۔ دیکھو' تم سے کتنی شکل مل رہی ہے۔ سنا ہے' یہ بھوت کسی کا بھی روپ بھر لیتے ہیں۔'' رافع اچک کر پھر ذورین سے لپٹ گیا۔

''بھوتوں کے کرتوت کو تو میں نہیں جانتا البتہ آپ ذرا غور فرمائیے' شیشے میں آپ کا اپنا ذاتی تھوبڑا جھانک رہا ہے۔''

ذورین نے اسے پرے کیا تو رافع کھسیانا سا ہو گیا اور سیدھا ہو کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

'' اچھا' اچھا...... ٹھیک ہے۔ اس میں اتنا خوف زدہ ہونے والی کیا بات ہے۔ توبہ ہے زورین! میں تمہیں اتنا بزدل نہیں سمجھتا تھا۔ دیکھو تو رنگ کیسے حیا سے سرخ پڑ گیا ہے۔ بھوت نہ ہوئے تمہارے سسرالی دشمن ہو گئے۔'' وہ اپنی کھسیاہٹ مٹا رہا تھا۔

'' تم تھوڑی دیر چپ نہیں رہ سکتے؟'' زورین نے اسے گھورا۔

'' چپ رہوں گا ناں تو یہ جو تمہاری بھوت برادری ہے ناں' بھنگڑا ڈالتے ہوئے پائے جائیں گے اور......''

ابھی رافع کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ سامنے رکھا زورین کا موبائل بول پڑا۔ رافع نے اجازت طلب نظروں سے زورین کو دیکھا اور ریسیو کر لیا۔

'' ہیلو!''

'' ہیلو' میں ہوں نیلو' کہاں ہو تم لوگ؟'' اس کی آواز پر نیلو نے جلدی سے کہا تو رافع کو لگا جیسے اس کی آواز کا جلترنگ روشنیاں پھیلاتا دور تک سناٹوں کو مٹا گیا ہو۔

'' اوہ ہیلو! ڈاکٹر صاحبہ! کیسی ہیں آپ؟'' رافع نے بڑے نرم انداز میں کہا۔ زورین نے گھور کر اسے دیکھا۔

'' مجھے چھوڑو' یہ بتاؤ تم لوگ ہو کہاں...... مما اتنا پریشان ہو رہی ہیں' کہاں ہو تم دونوں؟''

'' محسوس کرو تو تمہارے پاس' بہت قریب۔ نہ کرو تو دور' بہت دور۔'' رافع کی آواز کی گہرائی اس کے دل میں نیلو کے لیے جذبوں کی چغلی کھا گئی تو زورین سلگ اٹھا۔ کیا وجہ تھی کہ وہ بری لگنے والی اس لڑکی کو کسی اور کا بھی ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے جھپٹنے والے انداز میں موبائل اس سے لے لیا۔

'' کیا مصیبت آ گئی ہے کہ بار بار فون کیا جا رہا ہے۔ کوئی ضرورت نہیں تھی' میرے لیے پریشان ہونے کی۔''

اس نے خواہ مخواہ ہی خود کو اہمیت دی تو نیلو تپ گئی۔

'' مسٹر زورین! خود کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دینے والے یا تو احمق ہوتے ہیں یا احمق پنے کی حد تک خوش فہم ہوتے ہیں اور غالباً آپ جان ہی گئے ہوں گے کہ ایسے لوگوں سے سخت چڑ ہے مجھے بلکہ نفرت ہے۔ میں نے صرف مما کے کہنے پر آپ کو......''

'' مما! یقینا جاہل خاتون نہیں ہیں کہ موبائل کا نمبر خود نہ ملا سکتی ہوں۔''

اس کی بات کچھ دیر کے لیے نیلو کو سن کر گئی۔ وہ کیا سمجھ رہا تھا کہ اس نے خود سے نمبر ملایا ہے' اسے اس کی اتنی پروا ہے۔ تبھی تو وہ اسے اس کی ہوا بھی لگنے دینا نہیں چاہتی تھی۔

'' یہ میں نہیں جانتی' انہوں نے مجھے نمبر ملانے کو کہا' میں نے ملا دیا۔ ریسیو کرنے والا اگر رافع نہ ہوتا تو میں یقینا ہیلو نہ کہتی مما کو دے دیتی لہٰذا اب آپ کو مطمئن ہو جانا چاہیے کہ میں نے......'' رافع کا نام لے کر اس نے اس کی اہمیت مٹا کر جلتی پر تیل ڈال دیا تو زورین کھول اٹھا۔ رافع خاموشی سے زورین کے بدلتے تیور دیکھ رہا تھا' زورین کو اس وقت اس پر شدید غصہ آ رہا تھا۔

'' یہ میرا موبائل ہے' رافع کا نہیں۔ اپنی انگلیوں کو صرف رافع کے موبائل کے لیے سنبھال رکھیے۔ یہ میرا موبائل ہے' اوکے!''

آگ برساتے لفظوں نے اس کی آگ کو تو کسی طور ٹھنڈا کیا مگر نیلو سلگ اٹھی۔

'' یہ موبائل میرا ہے' یہ گھر میرا ہے' یہ بھی میرا وہ بھی میرا۔ زورین اکبر صاحب! ہر جگہ پر ملکیت کے جھنڈے گاڑنے والے کبھی کبھی بے اماں ہو جایا کرتے ہیں۔ اتنے کہ پاؤں رکھنے کے لیے انہیں بالشت بھر جگہ بھی میسر نہیں ہوتی۔ آپ کی اطلاع کے لیے پھر بتا رہی ہوں کہ مما کے کہنے پر آپ کے موبائل کا نمبر ملایا تھا' خود نمبر ملاؤں گی تو میری انگلیاں رافع کے موبائل نمبر پر ہی اٹھیں گی۔''

'' شٹ اپ۔'' نیلو کے جوابی حملے نے اسے راکھ کر دیا تو اس نے شٹ اپ کہہ کر موبائل آف کر کے سامنے پٹخ دیا۔

وہ بہت برہم ہو گیا تھا۔ رافع بھی چپ تھا' چونکہ اچانک رافع ان دونوں کے بیچ آ گیا تھا تو نہ جانے کیوں ایک لطیف سا نشاط آفریں احساس اس کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ بن کر آ گیا۔ وہ چپ چاپ اس احساس کی لطافتوں کو محسوس کرتا رہا۔ گاڑی کی فضا نیلو کے فون سے خاصی مکدر ہو گئی تھی۔ دونوں چپ تھے اور نظریں سامنے تھیں۔ رافع نے کچھ دیر اپنی شگفتہ باتوں سے ماحول کو بہتر بنانے کی کوشش کی تھی مگر نیلو کے فون کے بعد وہ ساری شگفتگی ختم ہو گئی تھی۔ اپنی خاموشی میں سامنے نظر آنے والے سین نے دونوں کو ایک ساتھ چونکا دیا۔ دونوں نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

زورین نے رفتار کم کر لی۔ اس کی گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں یہ منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ ایک ٹیکسی کھڑی تھی' ایک آدمی جو کہ اس ٹیکسی کا ڈرائیور ہو سکتا تھا' اس لڑکی کو گھسیٹ رہا تھا جو سیاہ جینز اور سرخ شرٹ میں اس سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی' یوں جیسے اس کے ساتھ زبردستی ہو رہی ہو۔ لڑکی چلا رہی تھی مگر وہ خبیث آدمی اسے زبردستی گھسیٹ کر ٹیکسی میں بٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس بار وہ اس کوشش میں کامیاب ہو گیا اور اسے گاڑی میں بٹھا لیا مگر لڑکی ہوشیاری سے دوسرے دروازے سے نکل کر روڈ پر کھڑی ہو گئی اور مدد کے لیے اس نے ہاتھ لہرائے۔ ایک سنسان علاقے میں ایک لڑکی ایسی صورت حال میں' نہ جانے اندر کی کہانی کیا تھی مگر اس وقت دونوں کے دل اس اجنبی لڑکی کی مدد کے لیے تیار ہو گئے۔

'' کیا خیال ہے' گاڑی روکوں؟'' زورین نے مشورہ طلب نظروں سے رافع کو دیکھا۔

''گاڑی میرے خیال سے نہیں بریک لگانے سے رکے گی بریک لگاؤ۔'' رافع نے اس کی ہمت بڑھائی۔

''روک تو میں لیتا ہوں گاڑی مگر کبھی کبھی نیکی مصیبت بھی بن جایا کرتی ہے نہ جانے کیا کہانی ہے اور......'' ذورین نے رفتار تو مزید کم کر دی مگر بہت سی باتیں اور امکانات اس کے پیش نظر آ گئے۔

''نیکی سوچ کر کرو گے تو شیطان ورغلائے گا ہی' سوچو مت اور نیکی کرو۔''

''ہیلپ ......ہیلپ ...... پلیز! ہیلپ می ...... پلیز ہیلپ می!'' لڑکی لڑکھڑاتی ہوئی ان کی گاڑی کی طرف آئی۔ پیچھے ہی وہ خبیث ٹیکسی ڈرائیور آیا۔ ذورین نے بریک لگائے۔ اسی وقت رافع پھرتی سے باہر نکلا اور ڈرائیور کی طرف لپکا مگر وہ بھی کوئی عیار آدمی تھا۔ بڑی تیزی سے ٹیکسی نکال کر بھاگ گیا۔ لڑکی ذورین کی گاڑی کے بونٹ پر بے ہوش ہو کر گر پڑی تھی۔

''ہیلو! او کاکی...... ہوش میں آؤ۔ دیکھنا ذورین! کہیں یہ وہ تو نہیں' پاؤں چیک کرو اس کے۔'' رافع نے لڑکی کا شانہ ہلایا پھر جھک کر اس کے پاؤں دیکھنے لگا۔

''کم آن رافع! فضول باتیں نہ کرو' اٹھاؤ اسے اور گاڑی میں ڈالو بے ہوش ہو چکی ہے۔'' ذورین نے لڑکی کو دیکھتے ہوئے کہا تو رافع کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے گھورنے لگا۔

''کیوں' میں تمہیں لڑکیاں اٹھانے والا انجن لگ رہا ہوں خود لڑکی اٹھاؤ' خود اٹھاؤ لڑکی۔''

''مجھے لڑکیاں اٹھانے کا کوئی تجربہ نہیں۔'' ذورین نے فطری اکھڑپن سے کہا تو وہ چپ گیا۔

''او شاباش! آفرین ہے تیری مت پر۔ یار ذورین! تمہیں لڑکیاں اٹھانے کا کوئی تجربہ نہیں تو میں تو ڈگری ہولڈر ہوں اس شعبے میں۔ او کاکی! ہوش میں آؤ ورنہ میں بھی بے ہوش ہونے لگا ہوں۔''

پھر بہ مشکل دونوں نے لڑکی کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈالا تو وہ چیخ مار کر بیٹھ گئی۔

''چھوڑ دو مجھے' پلیز چھوڑ دو۔ مجھے گھر جانے دو۔ پلیز' کون ہو تم...... کون ہو تم؟''

لڑکی اپنے حواسوں میں نہیں تھی اس نے رافع کا گریبان پکڑ لیا تو اس نے خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''خدا کی قسم' انسان ہوں۔ یہ دیکھو دس ناک ستر کان' اڑتیس ہونٹ آپس میں اختلاف رکھنے والی دائیں بائیں مڑتی آنکھیں' ایک درجن ٹانگیں۔ سوا سات بازو اور پاؤں...... ہاں پاؤں پچھلی طرف ہیں لیکن میں چڑیل تو نہیں چڑیلا ہوں۔ تم...... تم اپنی شناخت کراؤ' کیا چیز ہو؟'' رافع نے خوف زدہ نظروں سے کہا تو لڑکی رونے لگی۔

''میں...... میں چڑیل نہیں ہوں' لڑکی ہوں......'' وہ ہکلائی تو رافع اچھل کر سیٹ پر پاؤں رکھ کر بیٹھ گیا اور اسے گھورنے لگا۔

''چپ رہو کسی پاگل نے آج تک خود کو پاگل مانا ہے جو چڑیل خود کو چڑیل مانے گی۔''

''دیکھیے' آپ لوگ میری مدد کیجیے' میں...... میں......'' لڑکی بہت خوف زدہ تھی' گھبرائی ہوئی تھی۔ ''اس خبیث آدمی نے مجھے اغوا کیا تھا۔'' پھر وہ کچھ بھی بتائے بغیر ان دونوں نوجوانوں کے لیے سوالیہ نشان بن کر بے ہوش ہو گئی۔

''اب کیا...... کیا جائے؟'' ذورین نے رافع کو دیکھا۔

''کیا مطلب کیا' کیا جائے؟'' رافع اس کی بات کا مطلب واقعی نہیں سمجھا تھا۔

''بھئی' خاتون تو بے ہوش ہو گئی ہیں اور ہمارے ہوش اڑ گئی ہیں۔ کوئی اتا پتا تو بتایا نہیں' اب کیا کیا جائے؟''

''سیدھی سی بات ہے' خاتون کو گھر لے جاتے ہیں اور طبی امداد کے بعد سوچیں گے کہ کیا کرنا ہے؟ اب لڑکی کو ایسی ویسی جگہ پر چھوڑا بھی نہیں جا سکتا۔ رات کے ڈھائی بج رہے ہیں۔ کوئی اتا پتا بتا دیتی تو الگ بات تھی۔'' اور تقریباً تین بجے یہ لوگ گھر پہنچے تو گیٹ سے گاڑی اندر لاتے ہوئے بے ساختہ ذورین کی نظر نیلو کے کمرے کی طرف اٹھ گئی۔ پڑھائی کے لیے اکثر رات گئے تک اس کی لائٹ آن رہتی تھی مگر اس وقت وہ گاڑی اندر آتے دیکھ کر فوراً آگئی اور لائٹ آف کر دی۔

''اونہہ...... نہ جانے خود کو کیا سمجھتی ہے؟'' ذورین نے نفرت سے دیکھا اور زور سے دروازہ بند کر کے آگے بڑھا۔

''سنیے بھائی صاحب! یہ تحفہ جو آپ لے کر آئے ہیں' اس کا کچھ کرنا ہے یا ہوش میں آنے کے بعد یہ ہمیں حبس بے جا کے الزام میں......''

''اوہ!'' رافع کی بات پوری ہونے سے پہلے ذورین جو واقعی لڑکی کو بھول چکا تھا ایک دم واپس آ گیا۔ اسی وقت عاتکہ باہر آ گئیں۔ وہ دونوں لڑکی کو نکال رہے تھے۔

''یہ...... یہ لڑکی کون ہے اور ذورین......'' آواز میں غصہ بھی تھا اور بدگمانی بھی۔ وہ ایک دم گھبرا گئیں اور جلدی سے آگے بڑھیں۔

''ذورین! رافع' یہ لڑکی کون ہے؟''

''مما! فی الحال تو اسے اندر پہنچانے دیں' پھر بتاتا ہوں۔'' ذورین نے لڑکی کو بازو سے پکڑا۔

''جی آنٹی! دیکھنے میں تو ایکسرے لگ رہی ہے مگر ایکسرے کا وزن خاصا ہے۔'' پھر دونوں تقریباً گھسیٹتے ہوئے اسے لاؤنج تک لائے اور صوفے پر ڈال کر ذورین نے مختصر الفاظ میں اس لڑکی کی کہانی سنا دی تو عاتکہ اس کے قریب آ گئیں۔ اس کے بال پیچھے کر کے دیکھنے لگیں۔ اس کے چہرے

پر خراشیں تھیں۔ ماتھے پر سے خون بھی نکل رہا تھا۔

"لڑکی تو زخمی بھی ہے' تم لوگوں نے دھیان نہیں دیا؟"

"دیا تھا آنٹی! مگر چونکہ یہ بے ہوش تھی اس نے لیا نہیں' میرا مطلب ہے کہ ہمیں تو اس کے لڑکی ہونے پر بھی شبہ ہے۔ آپ بھی ذرا اس کے پاؤں چیک کر لیں۔" رافع کی زبان پھر پھسلی تو عاتکہ اسے گھورنے لگیں۔

"فضول باتیں نہ کرو' جاؤ نیلو کو بلا کر لاؤ۔"

"او کے! ابھی گیا اور ابھی آیا۔" اس آفر پر رافع خوش ہو گیا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا مگر ذورین نے اس کا بازو پکڑ کر روک دیا۔ رافع پلٹ کر اس کی اس حرکت کے پس پردہ مطلب کو سمجھنے کی کوشش میں اسے دیکھتا رہا اور ذورین کو جیسے رافع کا نیلو کی طرف بڑھنا' نہ جانے کیوں پسند نہیں تھا اور وہ اس کیوں کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس وقت بھی اس کا بازو مضبوطی سے تھامے عجیب سی کیفیت سے دوچار اس کی سوالیہ نظروں کی زد میں نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔

"کیا بات ہے ذورین؟" رافع کی الجھی ہوئی آواز سے وہ چونک گیا اور اس کا بازو چھوڑ دیا۔

"ہوں...... ہاں' کچھ نہیں۔ وہ مما! میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس کو کسی طرح ہوش میں تو لائیں پھر......"

ذورین خاصا الجھا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ رافع کو روک کر کچھ شرمندہ سا ہو گیا تھا۔ رافع بھی کچھ چپ سا ہو گیا۔ اسی وقت نیلو جو لڑکی کو دیکھ چکی تھی آ گئی۔

"مما! خیریت...... کون ہیں یہ...... اوہ' یہ تو خاصی زخمی ہیں۔" نیلو نے لڑکی کو دیکھا۔ اس کا سر' چہرہ' گردن اور بازو زخمی تھے' جن سے خون بھی رس رہا تھا۔ نیلو نے جلدی سے اس کے زخم دھوئے اور ضروری میڈیسن لگائی۔

"رافع! کون ہیں یہ؟" لڑکی کو چیک کرتے ہوئے نیلو نے رافع کو دیکھا۔ اس تمام وقت میں اس نے ذورین کو بالکل اگنور کیے رکھا۔ اس کو اپنا وجود اتنا غیر اہم لگا کہ اسے تاؤ آ گیا۔

"قسم سے' میری کچھ نہیں لگتی۔ ہمیں تو یہ تحفہ سنسان جنگل سے ملا ہے وہ بھی......" اور پھر رافع نے اسے ساری بات بتا دی۔

"چھوڑ دو پلیز! چھوڑ دو مجھے' پلیز...... میری ہیلپ کریں' پلیز ہیلپ می......!"

لڑکی گھبرا کر ایک دم ہوش میں آ کر چلانے لگی پھر اس کی رافع پر نظر پڑی تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"آ...... آپ کون ہیں؟" لڑکی نے رافع کو دیکھا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے بال نوچ لیے۔

"لڑکی! میں ہی تمہیں مشکوک چیز نظر آ رہا ہوں' میرے ساتھ یہ چیز بھی تھی اور اس چیز کو ہم ذورین

کہتے ہیں۔"

رافع نے بسورتے ہوئے کہا اور ذورین کو کھینچ کر آگے کر دیا تو لڑکی کچھ دیر ذورین کو دیکھتی رہی پھر رونے لگی۔

"دیکھیے' آپ جو کوئی بھی ہیں' ہم اس وقت تک آپ کی مدد نہیں کر سکتے جب تک آپ اپنے بارے میں نہ بتا دیں۔ ہم پر اعتماد کریں اور سب کچھ بتا دیں ورنہ......" نیلو نے لڑکی کے بال پیچھے کرتے ہوئے پیار سے کہا تو وہ عاتکہ کو دیکھنے لگی۔ خوف زدہ اور بے اعتماد نظر میں جانے کیا تھا کہ عاتکہ پگھل گئیں۔

"بیٹی! تم خدا کی مہربانی سے اب محفوظ جگہ پر آ گئی ہو' بتاؤ تم کون ہو اور کہاں سے...... کیسے آئیں؟ تمہارے ساتھ کیا حادثہ ہوا کہ تم یوں......" عاتکہ کی محبت پر لڑکی ان کے ساتھ لگ کر شدت سے رو پڑی پھر وہ ذورین اور رافع کو دیکھنے لگی۔

"رافع! آپ لوگ باہر جائیں۔" نیلو اس کی نظر کا یہی مطلب نکال پائی تو دونوں چپ چاپ باہر نکل گئے۔

"بولو بیٹی! میں اس کی ماں ہوں' یہ میری بیٹی نیلو ہے۔ مجھے تم اسی طرح لگ رہی ہو' ایک بیٹی اپنی ماں سے کچھ نہیں چھپاتی۔ بتاؤ' کیا بات ہے کیوں ہوا تمہارے ساتھ ایسا؟ کوئی بھی شریف لڑکی اس وقت گھر سے باہر ہو تو یہ اس کی بدنصیبی ہوتی ہے۔"

"ایسی لڑکی کو آپ کیا کہیں گی آنٹی! جس نے اپنی شامت خود بلوائی ہو' خود بدنصیبی کو اپنا مقدر بنایا ہو۔ میں...... میں بہت بری لڑکی ہوں آنٹی! بہت بری' بہت بری......" لڑکی شدت سے رونے لگی تو عاتکہ نے نیلو کو دیکھا۔ وہ اس کے لیے پانی اور فروٹ لے آئی۔

"بری بات ہے بیٹی! ایسے نہیں کہتے۔ اطمینان سے بتاؤ' کیا ہوا ہے؟ لو پہلے پانی پیو' کچھ کھاؤ اور پھر بتاؤ۔"

عاتکہ نے زبردستی اسے پانی پلایا جس کے اندر طوفان اٹھ رہے تھے۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں آنٹی! میں نے اپنی پیاری ماں کو دھوکا دیا ہے' ان کی ممتا کو آزمائش میں ڈالا ہے۔ ان کو خون کے آنسو رلایا ہے اور پھر...... اسے روتا بلکتا چھوڑ آئی۔ لڑکی کا اٹھایا ہوا ایک غلط قدم اسے بے نام' بے منزل راستوں پر ڈال دیتا ہے اور میں بھی ایسے ہی بے منزل راستوں پر نکل کھڑی ہوئی ہوں' جس کا انجام یہ ہوا کہ......" لڑکی پھر رونے لگی۔

"ہمت سے کام لو بیٹی! پوری بات بتاؤ۔ ہو سکتا ہے' تمہاری واپسی کے راستے ابھی گم نہ ہوئے ہوں؟" عاتکہ نے محبت سے اسے ساتھ لگایا تو وہ کچھ دیر ان کو دیکھتی رہی پھر دونوں ہاتھوں سے چہرہ

صاف کرلیا۔

"آنٹی! میرا نام ماہ ما ہے اور ...... اور ......" اور پھر ہچکیوں کے درمیان ماہ ما نے سب کچھ ان دونوں کو بتا دیا تو وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ ماہ ما کے چہرے پر سچائی کی کرنیں تھیں۔

"دیکھو بیٹا! اگر تمہیں ٹونی اتنا ناپسند تھا تو تم نے اس سے شادی کا کیوں کہا اور جب نکاح کا وقت آیا تو تم ...... نہیں بیٹا! تم نے نہ صرف اپنے ساتھ بلکہ سارے خاندان کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ بچیاں جب اس قسم کے غلط فیصلے کر کے گھر کی دہلیز پار کرلیتی ہیں تو وہ بے وزن ہو کر لڑکھڑانے لگتی ہیں۔ وہ لوٹ کا مال بھی جانے لگتی ہیں۔ بیٹی! یہ بہت غلط کیا ہے تم نے ......" عاتکہ کے سامنے اپنا ماضی آ گیا۔ گو کہ وہ اپنی زندگی کے ساتھی کے ساتھ آئی تھیں مگر کتنا خوار ہونا پڑا تھا ان کو اچھی زندگی کے لیے۔

"بس آنٹی! میرا دماغ خراب ہو گیا تھا۔ شہرام کی بے وفائی کی وجہ سے اور تایا ابو کے غلط فیصلے کی وجہ سے۔ بھلا میں ایسے شخص کے ساتھ شادی کیسے کرسکتی تھی جس کو میں نے ہمیشہ اپنا بڑا بھائی سمجھا اور اپنی بہترین دوست ہما کا حق مار کر۔ بس مجھے راہ فرار ایک ٹونی ہی نظر آیا' میں نے اس سے شادی کا مورچہ بنالیا اور اس میں چھپ جانا چاہا۔ مگر جب یہ ...... یہ ...... وقت آیا تو ...... ٹونی سے شادی سے بہتر مجھے موت نظر آئی مگر میں جانتی تھی کہ میری مما مر جائیں گی' میں نے عین نکاح کے دن سوچا کہ اسلام آباد اپنی آنٹی کے گھر چلی جاتی ہوں۔ وہاں سے مما کو فون کر دوں گی ...... مگر ......" بات کرتے کرتے آنسوؤں کا گولا ماہ ما کے حلق میں پھنس گیا تو وہ رک گئی۔

"ماہ ما بیٹی! ہمت سے کام لو' اسی لیے تو کہتے ہیں کہ انسان کو جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے' پھر کیا ہوا؟"

"پھر میں نے ائرپورٹ جانے کے لیے ٹیکسی رکوائی تو ...... تو وہ خبیث آدمی مجھے نہ جانے کس نیت سے شہر سے جنگل کی طرف لے گیا اور کسی انجانی جگہ پر لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ سب میری اپنی غلطی سے ہوا کہ وہ ...... میں نے اپنی مما کا دل دکھایا تھا۔ اب نہ جانے ان کی کیا حالت ہو رہی ہوگی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس کی پاک ذات نے آپ کے بیٹوں کو وہاں بھیج دیا۔ کاش' میں نے ایسا نہ کیا ہوتا' کاش ...... میری مما کا جانے کیا حال ہو رہا ہوگا۔" ماہ ما کو مما کا خیال رلائے جا رہا تھا۔

"واقعی بیٹی! تم نے بہت بڑا اور غلط قدم اٹھایا تھا۔ یہ تو خدا کا احسان ہے کہ اس نے ذوریان لوگوں کو وہاں بھیج دیا۔ ایسا کرو' اپنی مما کو فون کر کے بتا دو کہ تم یہاں خیریت سے ہو۔" نیلو اٹھ کر فون لے کر آ گئی۔

"آپ ...... آپ لوگ ......" ماہ ما نے ممنون نظروں سے نیلو کو دیکھا۔

"آپ نمبر ملایے ماہ ما!" نیلو نے ریسیور اس کی طرف بڑھایا تو وہ پھر رونے لگی۔

"میں کس طرح مما کو فیس کروں؟ وہ مجھے کچھ نہیں کہیں گی مگر پھر بھی میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتی کہ ان کا دل دکھانے کے بعد ان سے بات کروں' کیا کہوں ...... کس طرح کہوں؟"

"او کے بیٹا! تم رہنے دو' میں بات کرتی ہوں ...... نمبر تو بتاؤ۔" عاتکہ نے ریسیور لے کر اس کی طرف دیکھا تو آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے نمبر بتا دیا۔ ماہ ما کا دل اچھل اچھل کر حلق میں آ رہا تھا۔ مما سے ندامت ہو رہی تھی۔ کتنا دکھ دیا تھا اس نے اپنی پیاری مما کو' ان کو تو اس کے ددھیال میں یوں بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس کی اس حرکت کے بعد تو نہ جانے ان کا کیا حشر کریں۔

"بیٹا! لگتا ہے' تمہاری مما گھر پر نہیں ہیں۔ مستقل بیل جا رہی ہے مگر کوئی ریسیو نہیں کر رہا۔" عاتکہ نے ریسیور رکھ دیا اور وقفے وقفے سے نمبر ملاتی رہیں مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

"مما! میری پیاری مما! سوری ...... سوری مما! آپ کہاں ہیں ......؟ مما! آپ کہاں چلی گئی ہیں۔"

ماہ ما بری طرح رو رہی تھی۔ وہ ان کے لیے فکرمند بھی تھی کہ وہ نہ جانے اس کی وجہ سے کہاں چلی گئی ہیں۔ گاؤں سے وہ لوگ آ گئے ہوں گے۔ مما کو ساتھ لے گئے ہوں گے۔ کتنا برا بھلا کہہ رہے ہوں گے' سب ان کو۔

"اف ...... میرے خدا! یہ مجھ سے کیا ہو گیا' مما سوری!" ماہ ما' مما کا سوچ سوچ کر رو رہی تھی۔

"بیٹی! اب یوں ہلکان نہ ہو' کہو تو ابھی تمہیں گھر لے چلیں یا پھر صبح تو ہر حال میں۔ کہتی ہو تو ابھی ......"

دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ اڑ کر مما کے پاس پہنچ جائے مگر ان لوگوں کی پریشانی کا خیال کر کے ضبط کر گئی۔

"نہیں آنٹی! اب جو ہونا تھا ہو چکا ہے۔ نہ جانے مما کہاں ہیں' بلاوجہ آپ لوگ بھی پریشان ہوں اور ...... صبح چلے جائیں گے۔"

"چلو جیسے تمہاری مرضی۔ ہماری وجہ سے انکار کر رہی ہو تو خدا کے فضل سے تین گاڑیاں کھڑی ہیں۔"

"نہیں آنٹی! یہ بات نہیں' میں اس وقت مما کو تلاش بھی کہاں کروں گی۔ انشاء اللہ صبح چلے جائیں گے۔"

"چلو ٹھیک ہے' تم اب ریلیکس ہو کر کھانا کھاؤ اور سکون سے سو جاؤ۔ نیلو جانی! بہن کو کھلاؤ پلاؤ اور پھر اپنے ساتھ کمرے میں لے جاؤ۔ صبح انشاء اللہ ملاقات ہوگی۔ او کے بیٹا! شب بخیر۔" عاتکہ

بہت تھکی ہوئی تھیں۔ ذورین کی وجہ سے پریشان بھی تھیں۔ اٹھ کر چلی گئیں۔ ماہ ما کو بہت تحفظ کا احساس ہو رہا تھا' یوں جیسے اپنے گھر میں ہو۔

''چلو ماہ ما! تم بھی میرے ساتھ کچن میں چلو' کھانا گرم کر کے دونوں کھاتے ہیں۔''

''کھانا! ہاں بھوک تو اب چمکی ہے۔ پتا ہے' میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔'' ماہ ما بے تکلفی سے کہتی کھڑی ہو گئی پھر دونوں باتیں کرتی رہیں۔ ماہ ما کو نیلو اتنی اچھی لگی کہ اس نے ساری کہانی اسے سنا ڈالی۔

''ہوں...... تو شہرام کو اس حد تک بدگمانی ہو گئی تھی کہ وہ تمہیں معاف کرنے پر تیار ہی نہیں تھا؟''

بستر پر ماہ ما کے برابر لیٹتے ہوئے نیلو نے اسے دیکھا تو اس کے حسین چہرے پر شہرام کی محبت اور نفرت کے موسموں کی پرچھائیاں سی چھا گئیں۔ دل میں ایک ٹیس سی اٹھی اور درد آنکھوں میں تیرنے لگا۔

''نفرتوں کا اعلان کرتا' اپنی محبتوں پر یقین کی مہر ثبت کرتا' بدگمانیوں کی دھند میں وہ کہیں کھو گیا ہے نیلو! اور یہ سب...... یہ سب ٹونی کی وجہ سے ہوا۔ تم بتاؤ' اس نے مجھے برباد کر دیا پھر...... پھر میں ٹونی کے ساتھ شادی...... موت سے بڑھ کر خود کو سزا دینے کا جو فیصلہ میں نے کیا تھا۔ میں...... میں اس کو نہیں نبھا سکتی تھی؟ چنانچہ فرار ہو گئی مگر یہ جو کچھ ہو گیا ہے' اس کا تو میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اف...... میری مما!'' ماہ ما' مما کا خیال کر کے پھر رو پڑی۔

''ریلیکس ماہ ما! بعض اوقات زندگی کے راستوں میں ایسے موڑ بھی آ جاتے ہیں جن کے بارے میں انسان نے نہ تو سوچا ہوتا ہے اور نہ وہ ان کو قبول کرتا ہے۔ شہرام آج اگر بدگمان ہے تو ان شاء اللہ جب بدگمانی دور ہو گی تو لوٹ آئے گا۔''

''ہوں...... اب لوٹ بھی آئے تو...... کیا فائدہ؟ بکھری راکھ میں نقش کون ڈھونڈے گا۔'' ماہ ما کو شہرام کے ساتھ گزارا ہوا ایک ایک پل یاد آنے لگا تو وہ تڑپ گئی۔ وہ نیلو کو سب کچھ بتاتی چلی گئی۔ نیلو کو بھی یہ پیاری سی لڑکی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ ہلکی سی روشنی میں پریشان سی' دکھی سی خوف زدہ سی یہ لڑکی اسے بہت پسند آئی تھی۔

''تمہیں نیند تو نہیں آ رہی نیلو! اگر آ رہی ہے تو سو جاؤ' میں...... میں ٹھیک ہوں۔ میری آنکھیں یوں بھی بے خواب ہو کر رہ گئی ہیں۔''

''ارے نہیں ماہ ما! مجھے تو بالکل بھی نیند نہیں آ رہی۔ اچھا لگ رہا ہے' تمہارا یوں بات کرنا۔ میری تو کوئی دوست بھی نہیں۔ اچھا ہوا کہ اللہ نے تمہاری صورت میں ایک اچھی دوست دے دی ہے۔ تم بات کرو۔''

نیلو' جو لیٹ گئی تھی' اس کے خیال سے پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ماہ ما بھی بیٹھ گئی۔

''اچھا' اب تم اپنے بارے میں بتاؤ' تم بھی میری طرح اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہو تو وہ کون ہے جو آنٹی کو مما کہہ رہا تھا؟'' ماہ ما کا اشارہ ذورین کی طرف تھا۔ نیلو نے نظریں دوسری طرف کر لیں' چہرے پر ایک تناؤ سا آ گیا۔

''وہ صرف مما کے بیٹے ہیں۔ مما نے پالا ہے ناں...... لیکن جیسے شہرام تمہارے لیے کچھ نہیں ناں' اسی طرح وہ بھی میرے کچھ نہیں۔'' نیلو نے دھیمی سی آواز میں چہرہ جھکا کر کہا تو ماہ ما سب کچھ سمجھ گئی۔

''ہوں...... تو یہ بات ہے...... لیکن کاش ایسا ہوتا کہ شہرام میرا بھی کچھ نہ ہوتا' اس کی کوئی حیثیت نہ ہوتی میری زندگی میں۔''

شہرام کی محبت' اس کے سارے بھرم توڑتی چلی گئی اور وہ سسک پڑی۔

☆☆☆

''ماہ ما...... ماہ ما آ گئی...... ماہ ما کو لاؤ...... میری بیٹی کہاں چلی گئی ماہ ما' کہاں ہو مما کی جان' آ جاؤ۔''

عفت ماہ ما کے صدمے میں مستقل شام سے بے ہوش تھیں۔ ان کو بشریٰ اور محسن صاحب ساتھ لے آئے تھے ڈاکٹر بھی آ گئے تھے۔

''یہ تو شاک میں ہیں' ان کی بیٹی کہاں ہے' بلائیں اسے ورنہ......'' چیک اپ کے بعد ڈاکٹر نے رائے دی۔

''بیٹی...... وہ دراصل ڈاکٹر صاحب! ان کی بیٹی آج ہی اسلام آباد گئی ہے۔ چونکہ وہ اکلوتی اولاد ہے' کچھ عرصہ قبل ان کے شوہر کی بھی ڈیتھ ہو گئی ہے جس کی وجہ سے یہ بہت محسوس کر رہی ہیں۔'' بشریٰ نے بات بنائی۔

''جی ڈاکٹر صاحب! ان کی بیٹی' ان کی مرضی کے خلاف گئی ہے ناں تو اس وجہ سے بھی یہ اثر لے رہی ہیں۔''

''ٹھیک ہے محسن صاحب! ہوتا ہے ایسا بھی لیکن یہ تو بہت ویک ہیں...... اینی وے' میں نے انجکشن لگا دیا ہے پھر بھی کوئی پرابلم ہو تو فون کر دیجئے گا۔ اب میں چلتا ہوں' خدا حافظ!'' محسن صاحب ڈاکٹر کو سی آف کرنے چلے گئے۔

عفت تو انجکشن کے اثر سے بے سدھ پڑی تھیں۔ بشریٰ بیگم کو ان پر بہت ترس آ رہا تھا۔ ایک وقت تھا کہ یہ عفت بندے کو بندہ نہیں سمجھتی تھی۔ ایک عجیب طرح کے غرور کی گرفت میں تھیں وہ اور آج گھر سے بے گھر ہو کر کتنی اکیلی' کتنی تنہا تھی۔ بشریٰ کی ان سے پرانی دوستی تھی۔ مگر دوستی کے

شفاف آئینے پر غرض اور حرص کی گرد نے چہرے خاصے دھندلا دیے تھے۔ بشریٰ بیگم خود بھی فطری طور پر حریص طبع تھیں' کچھ شوہر بھی ایسا ہی ملا تو انہوں نے اپنے لفظوں اور سوچوں کی بھی قیمت لگا دی لیکن جب ٹونی کو ماہ ما نے سمندر میں دھکیل دیا تھا اور اس کا سانس بند ہو گیا تھا' وہ تب سے خوف زدہ ہو گئی تھیں۔ اگر ان کے اکلوتے بیٹے کو کچھ ہو جاتا تو یہ دولت جائیداد جو انہوں نے تقریباً ناجائز ذرائع ہی سے حاصل کی تھی' کس کام کی ہوتی۔ تب سے انہوں نے اللہ سے توبہ کی تھی اور ہدایت کے راستے پر چلنے کی دعا کی تھی مگر محسن ان کو بار بار اسی خارزار میں گھسیٹ لاتے تھے' جس کے نتیجے میں اس وقت عفت بے سدھ پڑی تھیں۔ ٹونی کی ان کو الگ فکر تھی۔ وہ بھی اس حادثے کے بعد گم صم ہو گیا تھا۔ بلکہ کافی حد تک نفسیاتی مریض ہو گیا تھا۔ ہر وقت وہ سوچوں میں گم' کھویا کھویا سا رہتا' یوں جیسے خود کو کہیں رکھ کر بھول گیا ہو اور اپنی تلاش میں ہو۔ اس نکاح پر بھی محسن صاحب نے اسے زبردستی مجبور کیا تھا۔ بشریٰ بیگم سوچوں میں گھری عفت کا ہاتھ سہلا رہی تھیں' انہیں لگ رہا تھا جیسے ان کی بے ہوشی بھی بیٹی کو پکار رہی ہو۔

''اللہ' تمہاری بیٹی کو جلد تم سے ملائے عفت! اور اللہ اسے اپنے حفظ و امان میں رکھے۔''

''بھابی نے کچھ کھایا پیا بھی تھا کہ ویسے ہی پڑی ہیں۔'' محسن صاحب نے آکر پوچھا تو بشریٰ بیگم گہرا سانس لے کر کھڑی ہو گئیں۔

''محسن' ہمیں چاہیے کہ عفت کے سسرال والوں کو اطلاع کر دیں۔ عفت کی حالت ٹھیک نہیں اور ان کی جوان بیٹی کہیں لاپتا ہو گئی ہے تو ایسے میں ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ ان کو اطلاع کر دیں۔ وہ آکر خود ہی معاملے کو ہینڈل کر لیں گے۔''

بشریٰ بیگم نے گھبرا کر کہا تو محسن صاحب ان کو گھورنے لگے اور دبی دبی آواز میں ان کو سمجھانے لگے۔

''بشریٰ! آپ کو جذباتی ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دوستی کو کیش کرانے کا موقع تو اب آیا ہے اور اب ہم......''

''بس کریں محسن! پلیز' بس کریں۔ ہماری ساری زندگی ان ہی دھندوں میں گزر گئی ہے۔ کبھی کسی موقع کو کیش کرا لیا' کبھی کسی کی مجبوری خرید لی۔ بہت ہو گیا محسن! کب تک ہم لڑکھڑاتی ہوئی خوف زدہ زندگی کی گاڑی میں سوار رہیں گے' جس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہر وقت موجود ہے۔ ٹونی کو آپ نے دیکھا ہے' کتنا بدل گیا ہے وہ۔ نہ ڈھنگ سے کھاتا پیتا ہے' نہ بات چیت کرتا ہے۔ ہر وقت خیالوں میں کھویا نہ جانے کیا سوچتا رہتا ہے۔ وہ ماہ ما سے بہت خوف زدہ ہے اور ہم نے دولت و جائیداد کے لالچ میں یہ خوف ہمیشہ کے لیے اس پر مسلط کر دیا تو جانتے ہیں' کیا ہو گا؟''

''کیا ہو گا' کچھ بھی نہیں ہو گا۔ تم ایک بار اس لڑکی کو قابو میں آنے دو پھر دیکھنا' سب کچھ ہمارے کنٹرول میں ہو گا۔ وہ لڑکی بھی اور اس کی جاگیر بھی۔ ارے سونے کی چڑیا کو جانے دوں' تو...... نورا۔''

محسن صاحب بڑے حریص تھے۔ ماہ ما تو واقعی ان کے لیے سونے کی چڑیا تھی۔ جس کو وہ ٹونی کے نکاح کے پنجرے میں بند کر کے اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔

''اور محسن صاحب' یہ سونے کی چڑیا آپ کے اکلوتے بیٹے کی جان کی دشمن ہے۔ اگر وہ خدانخواستہ اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہو گئی اور ہمارا بیٹا نہ رہا تو......نہیں' محسن! میں آپ کو حرص و ہوس کا یہ کھیل نہیں کھیلنے دوں گی۔ مجھے اپنے ٹونی سے بڑھ کر کچھ بھی عزیز نہیں ہے۔'' بشریٰ بیگم کو وہم ہو گیا تھا۔

''اور آپ جیسی احمق خواتین ایسے ہی بودے فیصلوں کی آندھیوں میں کھو جایا کرتی ہیں' کچھ نہیں ہو گا......ٹونی کو اور...... خبردار جو ماہ ما کے تایا کو خبر کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ ماہ ما کو میں خود ڈھونڈ لوں گا اور اب جب وہ واپس آئے گی تو ہمارے علاوہ اس کا کوئی طلب گار نہیں ہو گا۔'' محسن نے عیاری سے سگار سلگایا اور مکاری سے مسکرائے۔

''آپ تو یوں کہہ رہے ہیں' جیسے آپ کو معلوم ہو کہ وہ کہاں ہے؟'' بشریٰ نے مشکوک سی نظروں سے شوہر کو دیکھا۔

''معلوم ہے تو نہیں' پتا لگایا تو جا سکتا ہے ناں کہ......''

''ماہ ما...... ماہ ما میری بچی کہاں ہو تم۔ آجاؤ پلیز' میری جان آجاؤ۔'' عفت پھر غنودگی میں بولیں تو بشریٰ جلدی سے ان کے پاس آگئیں اور محبت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔ گو کہ ماہ ما کی وجہ سے وہ بھی ایسے ہی لمحوں کی زد میں رہی تھیں۔ ٹونی کے لیے ایسے ہی پریشان رہی تھیں مگر اللہ جب ہدایت دے دیتا ہے تو سارے راستے صاف نظر آنے لگتے ہیں۔

''محسن' اگر کچھ کر سکتے ہیں تو ضرور کریں۔ ایک بار ماہ ما کو تلاش کر کے لے آئیں پھر دیکھیں جو خدا کا حکم ہو گا کر لیں گے۔ مگر فی الحال آپ ایک ماں کے دل میں لگی ہوئی آگ کو بجھا دیں۔ اگر ان کے رشتے داروں کو خبر نہیں کرنی تو خود تلاش کر لیجیے ماہ ما کو۔ پلیز!''

بشریٰ نے منت بھرے انداز میں کہا تو سگار کو ہونٹوں سے لگائے محسن نے سوچتی آنکھوں سے عفت کو پھر بشریٰ کو دیکھا اور باہر نکل گئے۔

☆☆☆

''السلام علیکم مما!'' نیلو سیدھی آکر عاتکہ سے لپٹ گئی۔

"وعلیکم السلام' اتنی دیر کردی آج' کالج نہیں جانا تھا کیا؟" عاتکہ نے اس کے بال سنوارے۔

"جانا تو تھا مما' مگر وہ ماہ ما سے ساری رات باتیں ہوتی رہیں' نیند ہی نہیں آئی۔ فجر کی نماز پڑھ کر تو ہم سوئے ہیں۔ وہ تو ابھی بھی سو رہی ہے۔ میں نے دانستہ نہیں جگایا۔ ایک تو وہ اپ سیٹ بہت رہی ہے۔ دوسرے ساری رات جاگتی رہی ہے۔ ویسے مما' بہت پیاری اور اچھی لڑکی ہے بالکل معصوم سی۔" نیلو کو ماہ ما بہت پسند آئی تھی۔

"ہاں' بہت پیاری لڑکی ہے مگر اس نے نادانی میں بہت بڑا اور خطرناک قدم اٹھالیا ہے۔ بچیاں جذباتی ہو کر ایسے قدم اٹھالیتی ہیں مگر اس کے بعد کی صورت حال جس کا پہلے تو ان کو اندازہ نہیں ہوتا بعد میں جب پیش آتی ہے تو...... خیر دیکھو اب کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بچی پر رحم کرے۔ ناشتا لگواؤں یا ماہ ما کے ساتھ ہی کرو گی۔"

"نہیں ابھی ناشتا نہیں' صرف چائے پیوں گی۔ ناشتا میں اسی کے ساتھ کروں گی۔" نیلو اخبار لے کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ عاتکہ اٹھ کر اس کے لیے چائے بنانے چلی گئیں۔ نیلو کے سب کام وہ اپنے ہاتھوں سے کیا کرتیں۔ ایک عجیب سا سکون اور خوشی ملتی تھی ان کو۔

"دسو...... دسو میاں! کہاں ہو بھئی؟" چائے بنا کر عاتکہ نے دسو کو آواز دی تو وہ جو شانو سے چھپ کر میز کے نیچے بیٹھا اس کا ناشتا بھی ہضم کر رہا تھا' ان کی آواز پر ایک دم اٹھا تو دھڑ سے میز سر پر لگی۔

"میں...... میں' یہاں جی...... ہائے۔" وہ ہائے ہائے کرتا ہوا باہر نکلا۔

"پر تم یہاں کیا کر رہے تھے؟" عاتکہ نے اس کے الٹے سیدھے منہ بنتے دیکھ کر پوچھا۔

"ناشتا کر رہا تھا جی' مگر میز کی نظر لگ گئی۔ کمبخت خود تو اتنا بڑا ہے نہیں نظر بہت وزنی ہے' دماغ گھوم کر رہ گیا ہے۔" دسو کو کافی درد ہو رہا تھا۔ وہ سر مسلے جا رہا تھا۔

"ناشتا تم باہر کہیں بیٹھ کر بھی کر سکتے تھے' کیوں گھسے میز کے نیچے؟"

"جی درست کہا آپ نے' اپنا ناشتا...... تو میں کہیں بیٹھ کر بھی کر لیتا ہوں مگر شانو کا ناشتا تو چھپ کر ہی کرنا پڑتا ہے ناں۔"

"ہوں تو یہ بات ہے۔ بہت بدتمیز ہو' تو شانو کا ناشتا تم کر جاتے ہو؟"

"جی' وہ رات کا کھانا کھا جاتی ہے میرا تو...... اس کے ناشتے پر میرا حق بنتا ہے کہ نہیں۔"

"اچھا اب باتیں نہ بناؤ اور یہ چائے نیلو کو دے آؤ۔"

"یہ دسو کا بچہ گیا کہاں اس کی ہڈیوں کا سرمہ نہ بنایا تو شانو نام نہیں...... مگر یہ ہے کہاں۔"

"ڈھونڈ کر لاؤ' دسو کے بچے کو پھر بتاتا ہوں۔" دسو اس کے قریب سے کھسک گیا۔ شانو پہلے تو

تیزی سے آگے بڑھ گئی پھر خیال آیا تو اس کی طرف مڑی۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔

"الو کے کان ذرا واپس تو آؤ۔ خدا جانے ننھی سی جان کیوں بوجھ ہے اس پر۔" شانو بولتی جھکتی آگے بڑھ گئی اور نیلو کے کمرے کا دروازہ ناک کر کے دسو کھڑا ہو گیا۔

"یس' کم ان۔" ماہ ما اٹھ چکی تھی۔ اجازت ملنے پر دسو اندر آگیا اور نیلو کی جگہ ماہ ما کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔

"نیلو بی بی' نیلو بی بی! آپ...... آپ کہاں ہیں؟" پھر دسو نے بیڈ کے نیچے الماریوں میں سب جگہ اچھل اچھل کر تلاش کیا۔ ماہ ما حیرت سے اسے دیکھنے لگی اور دسو کو یقین تھا کہ یہ حسین سی لڑکی کوئی پری یا چڑیل ہے یا نیلو ہی کوئی گڑبڑ چیز ہے کہ جس نے روپ بدل لیا ہے۔

"نیلو بی بی' یہ آپ...... کو کیا ہو گیا ہے۔ آپ راتوں رات کیسے بدل سکتی ہیں لیکن اگر آپ چڑیل بن گئی ہیں تو...... خدا کے لیے مجھے مت کھایئے گا۔ میں...... تو...... م...... میں تو بہت ہی پیارا سا' گکو سا معصوم سا بچہ ہوں...... ہاں' میرا ایک خالو ہے بہت بڑا ہے ناں اس لیے ایک ہی بھاری ہے' آپ...... آپ اس کا کلیجا چبالو۔ اے حسین چڑیل' ہاں میرے خالو کا کلیجا کھا جاؤ۔ میں ابھی بہانے سے اسے یہاں بھیجتا ہوں۔ ہاں' آپ کی بھوک بھی مٹ جائے گی۔ میں ابھی بہانے سے لاتا ہوں۔ کہوں گا ابھی اوپر میں نے دس ہزار کے بڑے نوٹوں میں برفی رکھی ہے جا کر کھالو تو یقین کریں' چڑیل بہن! وہ چھ چھ سیڑھیاں کودتا آئے گا...... اور آتے ہی آپ اس کو دانتوں تلے دبا لیجیے گا اور ہڈیاں چوس کر پھینکیے گا مت۔ کیا خبر ہڈیاں لہراتا ہوا آجائے۔ ہڈیاں بھی چبا جایئے گا...... ایسے......"

اور ماہ ما اسے گھور رہی تھی۔ دسو گھبراہٹ میں سا سر چبانے لگا' ٹانگیں خوف سے کانپ رہی تھیں۔ "SHUT UP WHO ARE YOU" "ابے لے یہ تو امریکا سے آئی چڑیل لگتی ہے۔ انگریزی بولتی ہے۔" دسو نے ماہ ما کے پاؤں دیکھتے ہوئے کہا۔

"YOU STUPID" ماہ ما کو اندازہ ہو گیا تھا۔ ملازم ہے مگر اس کی بدتمیزی پر اسے غصہ آگیا تھا۔

"مجھے بھی انگریزی آتی ہے چڑیل...... چڑیل تھینک یو۔" ماہ ما آگے بڑھی تو وہ پھدکتا ہوا باہر نکلا اور کئی کئی سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے آگیا اور نیلو سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

"دسو' یہ کیا ہر وقت پھدکتے رہتے ہو' کیا ہوا ہے تمہیں؟" دسو نیلو کو دیکھ کر بے ہوش ہونے لگا۔

"آ...... آپ...... مجھ سے پہلے پہنچ گئیں۔ آپ یقیناً چڑیل ہیں۔ اب نیلو بی بی بن گئی ہیں اوپر کچھ تھیں اور اب......"

"وسو کیا بدتمیزی ہے کیا کر کے آئے ہو اوپر۔ وہاں کمرے میں میری دوست ہے۔"

نیلو تیزی سے اوپر کی طرف بھاگی۔ وسو اب ساری کہانی سمجھا' دم دبائی اور بھاگ گیا۔

"کیا ہوا' ماہ ماتم ٹھیک تو ہو ناں...... وہ...... وسو ہے ہمارا ملازم ہے۔ ذرا جولی سا ہے کوئی بدتمیزی تو نہیں کی؟"

"نہیں کوئی خاص تو نہیں بس امریکی چڑیل کہہ گیا ہے۔" ماہ ما مسکرائی تو نیلو اپنی وارڈروب کی جانب بڑھی اور اپنا خوبصورت سا چکن سوٹ نکال کر اس کی بڑھایا۔

"بہت بدتمیز ہے پوچھتی ہوں جا کر خیر تم یہ کپڑے بدلو۔ یہ تو بہت گندے ہو رہے ہیں۔ سو ویسے تم اور سو لیتیں، ساری رات تو ہم جاگتے رہے ہیں۔" نیلو نے پیچ کلر کا سوٹ اس کی طرف بڑھایا تو وہ بیٹھ گئی۔

"مجھے ایک بات پر حیرت ہو رہی ہے نیلو کہ......"

"ارے...... تم وسو کی فکر نہ کرو، ایک تو وہ جولی ہے دوسرے اسے معلوم نہیں تھا کہ میں نیچے ہوں اور تم رات کو چونکہ آئی تھیں وہ آ کر نہ جانے کیا سمجھا۔" نیلو سمجھی کہ اسے وسو کی بات بری لگی ہے۔

"ارے نہیں نیلو! یہ بات نہیں۔ میں یہ کہنے والی تھی کہ باوجود اس کے کہ اتنا بڑا اور خطرناک قدم میں نے اٹھایا اور اتنا بڑا حادثہ میرے ساتھ پیش آیا مگر تم لوگوں سے مل کر مجھے اتنا سکون ملا ہے کہ لگتا ہے جیسے میں تم ہی لوگوں کی تلاش میں تھی۔ تم سے باتیں کرتے ہوئے میرے اندر ایک بہن کی کمی کا جو احساس تھا ناں، وہ بھی مٹ گیا اور اتنی پیاری نیند آئی کہ بتا نہیں سکتی۔ شہرام کی بے وفائی کے بعد پہلی بار مجھے سکون کے یہ لمحات میسر آئے ہیں کہ......"

ماہ ما ان لوگوں کے خلوص اور محبت سے بہت متاثر ہوئی تھی۔

"اللہ تعالیٰ تمہیں بہت سا سکون دے اور خوشیوں کے جگنو تمہارے اردگرد رقصاں رہیں۔ چلو تم فریش ہو کر آؤ پھر ناشتا کرتے ہیں پھر میں اور مما تمہیں چھوڑنے جائیں گے۔"

پھر ماہ ما واش روم میں چلی گئی۔ نیلو بستر درست کر کے اس کا انتظار کرنے لگی۔

"ماشاء اللہ، کتنی کیوٹ لگ رہی ہو، بالکل گڑیا سی۔" ماہ ما باہر آئی تو نیلو نے بے ساختہ تعریف کی تو کسی خاص یاد کی ٹیس ابھری اور دم توڑ گئی۔ وہ مسکراتی ہوئی نیلو کے ساتھ نیچے آ گئی۔ وہ لوگ نیچے آئیں تو فضہ، رافع اور ذورین بیٹھے تھے۔ ماہ ما کو دیکھ کر دونوں کھڑے ہو گئے احتراماً، فضہ نے چبھتی سی نظر ماہ ما پر اور نیلو پر ڈالی۔

"آپ کی تعریف!" فضہ براہ راست ماہ ما سے مخاطب ہوئی تو رافع اس کے قریب آ گیا۔

"ان کی تعریف، اجی...... تعریف تو اس خدا کی ہے، جس نے ان کو بنایا ہے۔" رافع نے چڑانے والے انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے مگر یہ ہیں کون؟" حاسد طبع فضہ کو نہ جانے کیوں دال میں کچھ کالا کالا نظر آ رہا تھا۔ منہ بنا کر گویا ہوئی تو قریب تھا کہ ذورین فرمانبرداری سے ساری کہانی اس کے گوش گزار دیتا کہ نیلو بڑے وقار سے ماہ ما کا ہاتھ تھامے آگے بڑھی۔

"فضہ! یہ میری دوست ہیں ماہ ما۔ اچانک ہی رات اس کا ائرپورٹ سے فون آ گیا کہ یہ امریکا سے آئی ہے اور ائرپورٹ پر ہے۔ سرپرائز دینے کی عادت اس بار اس کو مہنگی پڑ گئی کہ کوئی لینے ہی نہیں آیا۔ اتفاق سے کسی اور کا نمبر لگا نہیں تو اس نے مجھے فون کیا۔ میں اور رافع اس کو لینے چلے گئے تھے، ہم لوگ تین بجے تک اس کو لے کر آئے ہیں اور ماہ ما، یہ ہماری کزن فضہ اور نوشی ہیں۔" نیلو نے بڑے اعتماد سے ماہ کی آمد کی جو کہانی گھڑی تھی، رافع تو سو جان سے اس کے ساتھ تھا۔ اختلاف تو ذورین کو بھی نہیں تھا مگر جہاں اس نے اپنے ساتھ رافع کا نام لیا، ذورین کھول اٹھا۔ نہ جانے اسے کیوں لگتا تھا کہ وہ رافع کا نام محض اسے چڑانے کے لیے استعمال کرتی ہے۔ وہ بھی اسے اہمیت دینا نہیں چاہتا تھا۔

"ارے واہ، گھر میں رات اتنا بڑا ڈراما ہو گیا اور مجھے خبر بھی نہیں ہونے دی۔ بہت ہوشیار ہیں آپ سب۔"

فضہ نے، نیلو اور نیلو کے برابر کھڑی ماہ ما کو دیکھا تو رافع اسے گھورنے لگا پھر مسکرانے لگا۔

"ہاں، بہت اچھا سوال کیا فضہ بی بی آپ نے۔ مگر بات یہ ہے کہ رات جو ڈراما ہوا، اس میں بہت اچھے اور بڑے اداکاروں نے کام کیا مگر تمہارا کردار اس ملازمہ کا تھا جس نے اپنے چڑی میاں کے گھڈے میں گرنے کی وجہ سے چھٹی کر لی تھی۔"

رافع نے حسب عادت فضہ کو چھیڑا تو وہ جل جانے کی حد تک چڑ گئی۔

"رافع! تم بے تکی باتیں ہی کرنا۔" وہ چڑ کر بولی تو ذورین کھڑا ہو گیا۔

"کم آن فضہ! کیوں الجھتی ہو، آؤ ہم چلتے ہیں۔" ذورین نے گویا نیلو سے بدلہ لیا اور جتانے والے انداز میں فضہ کا ہاتھ تھام کر باہر کی طرف مڑا اس وقت فضہ کی اتراہٹ دیکھنے کے لائق تھی بالکل جیسے اس نے اس کی محبت کے تمام علاقے فتح کر لیے ہوں۔ وہ ذورین کو اپنے اتنا ہی قریب دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ ذورین کو اپنے قابو میں کر لینا چاہتی تھی۔ وہ کسی فاتح کی طرح نیلو کو دیکھتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ نیلو نے سانس روک کر ٹیس کو دبایا اور ماہ ما کو لے کر آگے بڑھ گئی۔ ناشتا کر کے وہ لاؤنج میں آ گئیں۔

"ویل ڈن ڈاکٹر صاحب! ہم تو آپ کو ڈاکٹر ہی سمجھ رہے تھے مگر آپ تو بہت اچھی رائٹر بھی ہیں۔"

بہت خوبصورت کہانی تیار کی ہے آپ نے؟'' رافع ماہ ما کو دیکھتا ہوا آ گیا۔

''ہوں، تو آپ کو کہانی پسند آئی؟'' نیلو نے مسکرا کر رافع کو دیکھا۔

''زبردست...... ویسے کہانی کی ہیروئن چپ چپ کیوں ہیں؟ آپ ہمیں اپنا کہانی بھائی بنا لیجیے پھر دیکھیے۔''

''تھینک یو! ایک مہربانی یہ کیجیے کہ مجھے گھر چھوڑ دیجیے۔ ایک کہانی تو یہ ہے ناں جو نیلو نے سنائی ہے مگر اصل کہانی شاید آپ کو نہ سنائیں مگر جب بھائی کہا ہے تو......'' ماہ ما بات کر رہی تھی کہ عاتکہ آ گئیں۔

''ماہ ما بیٹا! میں خود ساتھ چلوں گی تمہارے۔ تمہاری مما کو تسلی دوں گی کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کی بیٹی کو محفوظ ہاتھوں میں پہنچایا۔ بس ذرا مجھے کچھ کام ہے، ایک آدھ گھنٹے کی بات ہے۔ اتنی دیر میں تم اپنی مما کو فون کرو، پتا چلے کہ وہ ہیں کہ نہیں یا پھر کسی جاننے والے کو فون کر کے معلوم کرو، میں ابھی آتی ہوں۔''

عاتکہ یہ کہہ کر چلی گئیں تو ماہ ما کتنی دیر گھر کا نمبر ملاتی رہی مگر وہاں کوئی ہوتا تو ریسیو کرتا۔

''نہ جانے مما کہاں چلی گئی ہیں۔ ہو سکتا ہے، ٹونی کے ہاں چلی گئی ہوں یا پھر تایا ابو...... اف، کتنی انسلٹ ہو رہی ہو گی میری پیاری مما کی۔ کاش...... کاش میں نے یہ حرکت نہ کی ہوتی، کاش......''

ریسیور رکھ کر ماہ ما شدت سے رو پڑی۔

''ماہ ما! تم ٹونی کے ہاں فون کر کے دیکھو۔ ہو سکتا ہے وہاں ہوں تمہاری مما!''

ماہ ما کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا وہاں کا نمبر ملانے کو، اسے شدید نفرت تھی اس پوری فیملی سے مگر نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے وہاں کا نمبر ملایا۔

''ہیلو!'' دوسری طرف فون ریسیو کرنے والے محسن صاحب تھے۔

''ہیلو انکل! میں...... میں ہوں ماہ ما......'' اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا تو وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑے۔

''ارے ماہ ما بیٹی! تم کہاں...... کہاں چلی گئی تھیں۔ یہ تم نے بہت برا کیا۔ اب کہاں ہو، جانتی ہو تمہاری مما کا کیا حال ہوا ہے؟ جلدی سے بتاؤ، کہاں ہو...... تمہاری مما......'' محسن صاحب نے دائیں بائیں دیکھ کر آہستہ سے کہا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ماہ ما کی خبر سب کو پتا چلے۔

''انکل! مما کہاں ہیں، کیسی ہیں؟ میری بات کروایئے ناں پلیز...... پلیز! مما کو فون پر بلایئے، پلیز انکل!''

وہ مما کا سن کر بے قرار ہو گئی۔ وہ اڑ کر مما کے پاس پہنچ جانا چاہتی تھی۔

''بیٹا! مما بھی ہمارے پاس ہیں مگر ان کی طبیعت ٹھیک نہیں کہ فون پر بات کر سکیں، تم مجھے ایڈریس بتاؤ، کہاں ہو تم؟ میں خود تمہیں لینے آ جاتا ہوں۔ جلدی سے بتاؤ۔'' وہ رازداری سے پوچھ رہے تھے۔

''انکل! مجھے تو معلوم نہیں، آپ ان سے بات کر لیں۔ رافع بھائی! آپ انکل کو یہاں کا ایڈریس سمجھا دیں۔''

ماہ ما نے ریسیور رافع کو تھما دیا تو سلام دعا کے بعد اس نے گھر کا ایڈریس سمجھا دیا۔

''تھینک یو بیٹا! میں آتا ہوں...... ذرا ماہ ما سے بات کراؤ۔ ہاں بیٹا! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں بھابی کو بتا دیتا ہوں کہ تم یہیں ہو...... وہ فکر نہ کریں، ہو سکا تو ان کو ساتھ لیتا آؤں گا۔''

''ضرور...... ضرور انکل! مما کو ساتھ ضرور لایئے گا اور جلدی آ جایئے گا، میں انتظار کر رہی ہوں، خدا حافظ!''

''نیلو! میری مما کی طبیعت ٹھیک نہیں انکل بتا رہے ہیں۔ میں کتنی بری ہوں، کتنی سیلفش ہوں کہ صرف اپنی خاطر، اپنی جان چھڑانے کے لیے میں نے اپنی پیاری مما کو اتنا دکھ دیا۔ آئی ہیٹ مائی سیلف۔ نیلو! میں کتنی خود غرض ہوں، کتنی بری ہوں کہ......'' ماہ ما مما کے بارے میں سن کر بہت جذباتی ہو گئی تھی۔

''محض اپنی جان بچا کر راہ فرار پر دوڑ پڑنا ہے تو بہت زیادہ خود غرضی مگر جب تیر کمان سے نکل جاتا ہے تو پچھتاوے کے سوا کیا رہ جاتا ہے اور آپ تو جتنا خدا کا شکرانہ ادا کریں، کم ہے ورنہ جو سچویشن کل تھی، اس میں تو......''

''میں خدا کا شکرانہ تو ادا کرتی ہی رہوں گی رافع بھائی مگر آپ لوگوں کی بھی احسان مند رہوں گی۔''

''لیجیے ڈاکٹر صاحبہ! سن لیجیے یعنی کہ تھپڑ مارا سر پر! چوٹ آئی ٹخنے پر۔ مجھ گناہ گار بندے نے صرف خدا تعالیٰ کا شکر گزار اور احسان مند ہونے کو کہا تھا، اپنا قصیدہ پڑھنے کو نہیں کہا تھا۔ بی بی، ہمارا وہاں موجود ہونا بھی اللہ ہی کی مہربانی تھی کہ ہم نے شارٹ کٹ مارا اور...... خیر، اب زیادہ فکر مند نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ خود اپنے بندے کا نگہبان ہوتا ہے...... اور اگر آئندہ ایسا کیا ناں تو......''

''خدا نہ کرے کہ...... رافع! کیسی باتیں کر رہے ہو، اچھی اچھی باتیں کرو۔'' نیلو نے اسے ٹوکا تو وہ اسے دیکھنے لگا۔

''اچھی اچھی باتیں نہ تو تمہاری سمجھ میں آتی ہیں اور......'' رافع کے گہرے لہجے میں ڈھلے الفاظ پورے نہیں ہوئے تھے کہ عاتکہ آ گئیں، ہلکے کلر کی ساڑی میں وہ بہت اسمارٹ لگ رہی تھیں۔

"مما! آپ کتنی اسمارٹ لگ رہی ہیں۔" نیلو بے ساختہ ان سے جالپٹی۔

"جتنی چاہے تعریف کرلو، میں تمہیں ساتھ لے کر نہیں جاؤں گی۔ میں اور رافع جارہے ہیں ماہ ما کو چھوڑنے، آؤ ماہ ما!"

عاتکہ نے ماہ ما کو دیکھا تو وہ کچھ جز بز ہوگئی۔

"تھینک یو آنٹی! وہ میں نے انکل کو فون کیا تھا۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ تم وہیں رکو، میں لینے آرہا ہوں۔"

"ارے، یہ تو اور بھی اچھی بات ہے کہ وہ خود آرہے ہیں، چلو ہم بعد میں تمہارے گھر آئیں گے۔ کب آئیں گے تمہارے انکل؟"

"جی آنٹی! بس جلدی ہی آجائیں گے۔"

"اوکے، چلو رافع! تم آؤ، مجھے ذرا مارکیٹ تک جانا ہے۔"

"تو جائیں آنٹی! اس میں مجھ سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھا خاتون، آپ نے...... ہمارے گھر کے بزرگ کتنے فرماں بردار ہیں۔ جائیے آنٹی! لیکن ذرا جلدی آجائیے گا اور فضول خرچی ہرگز نہیں کرنی، اوکے! جائیے۔"

رافع نے مسکراتے ہوئے کہا تو عاتکہ اس کی طرف بڑھیں اور اس کا کان زور سے پکڑلیا۔

"اسی لیے تو میں چاہ رہی ہوں کہ میرے بزرگ میرے ساتھ چلیں۔ چلیے ابا جان، میرے ساتھ۔"

"ارے لڑکی! کیا کررہی ہو۔ دو ہی تو کان ہیں۔ ایک اتر گیا تو کوئی لڑکی نہیں دے گا، کن کٹا بندر مشہور ہوجاؤں گا۔ ارے چھوڑیے، آپ تو فری ہورہی ہیں۔ قسم سے ایک کان کے بغیر بہت اسمارٹ لگوں......"

عاتکہ اسے کان سے گھسیٹتے لیے جارہی تھیں، دونوں لڑکیاں ہنسے جارہی تھیں۔

"ہنسے جاؤ کم بختو! ہنسے جاؤ، کبھی ایسا بھی موقع آئے گا کہ تمہارے جوتے ہوں گے اور میرا سر...... ہائیں یہ کیا کہہ دیا میں نے۔" رافع نے اپنے منہ پر تھپڑ مارا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ دونوں ہنستی ہوئی آگئیں۔

☆☆☆

"ہاں تو رفیق میاں! مانتے ہو ناں استاد! دیکھ لو، گھر میں آکر بیٹھ گئے ہیں ناں۔" شجاع الدین نے مکاری سے مسکرا کر کہا۔

"استاد تو میں نے مان لیا صاحب مگر اصل کام تو باقی ہے۔ اصل چیز بزنس ہے، جس میں عثمان صاحب نے پنجے اس طرح گاڑے ہوئے ہیں کہ اگر یہ لڑکے تمام عمر بھی کوشش کرتے رہیں تو نہیں نکل سکتے۔" رفیق اندر کی ساری بات جانتا تھا، اس نے سب کچھ شجاع الدین کو بتادیا تو اس نے سگار نکالا اور رفیق کے قریب آگیا۔

"ارے یہ لڑکے ہیں۔ ان کو کیا خبر کہ دشمن کو کن طریقوں سے مات دی جاتی ہے۔ ہم نکالیں گے عثمان کے پنجے اس گھر سے، اس کاروبار سے، بس تم جیسے بھائی کا ساتھ ہونا چاہیے۔" شجاع الدین پڑھا لکھا عیار آدمی تھا، وہ جانتا تھا کہ کس سے اپنا مطلب کس طرح نکالنا ہے۔ وہ رفیق کو بھی بڑی ڈالتا رہتا تھا مگر رفیق نے بھی ساری زندگی ایک خواب دیکھا تھا کہ اس گھر جیسا ایک اس کا بھی گھر ہو، ایسا ہی بزنس ہو اور یہ موقع اسے اب مل رہا تھا۔ وہ جان پر کھیل کر بھی یہ سب حاصل کرنا چاہتا تھا۔

"دیکھو شجاع الدین! میں نے اگر گند میں قدم رکھا ہے تو اپنی خواہش کے لیے۔ مجھے ابھی لکھ کر دو کہ کام ہونے پر میں تمہارے برابر کا شریک ہوں گا۔ میں ایک تکا بھی کم نہیں لوں گا، ہاں۔"

رفیق کی چھوٹی چھوٹی چندی آنکھوں میں انجانے انتقام کی چمک تھی اور شجاع الدین جانتا تھا کہ رفیق کتنا کمینہ آدمی ہے۔ جن راستوں سے وہ اسے لے کر آیا ہے، انہی راستوں سے وہ اس کو نکال بھی سکتا تھا اور پولیس کو بھی لاسکتا تھا۔ اس نے کاغذ قلم لیا اور وہ رفیق کی مطلوبہ تحریر لکھ دی۔

"ارے رفیق! ہم تو یاروں کے یار ہیں، یار کے لیے جان بھی دے دیتے ہیں۔ تم تو بلاوجہ بے اعتباری کا شکار ہورہے ہو۔"

شجاع الدین نے کاغذ اس کے ہاتھ میں دیا تو وہ اپنے مخصوص انداز میں کھسیاہٹ اور چاپلوسی سے بھری مسکراہٹ لیے ان کو دیکھنے لگا۔ چونکہ فطری طور پر خود بھی عیار اور مکار تھا اس لیے اعتبار ذرا کم ہی کرتا تھا وہ کسی پر۔

"ٹھیک ہے شجاع صاحب! اب راستے میں آپ کو بتاتا ہوں، گھس آپ جائیں، بزنس کے بل میں......"

"ارے میں کوئی چوہا ہوں کہ بل میں گھس جاؤں گا، میں تو......"

"خدا میرا ہی بھلا کرے شجاع صاحب! اپنے مطلب کے لیے تو چوہا گدھا سب بننا پڑتا ہے۔ بس اب آفس جانا شروع کردیں اور ذورین میاں کو مٹھی میں رکھیں، یہی وہ دروازہ ہے جس سے آپ اندر گھس سکتے ہیں۔"

"ہوں...... ٹھیک مشورہ دیا۔ ویسے آفس تو میں جارہا ہوں۔ عثمان صاحب خاصے بدکتے ہیں مجھ سے، ابھی تو میں صرف جائزہ لے رہا ہوں، حملے کا سوچ رہا ہوں دیکھو، کب موقع ملتا ہے۔ خیر اب تم

جاؤ اور ذورین کو بھیج دو۔"

"جی بہت بہتر، جاتا ہوں مگر وہ بات یہ ہے کہ......" رفیق مطلبی انداز میں اپنی ٹوپی اتار کر سر پر ہاتھ پھیرنے لگا، جس کا مطلب ہوتا تھا کہ اسے پیسے درکار ہیں۔ شجاع الدین کو ایسے موقعوں پر وہ زہر لگتا مگر چونکہ ابھی مطلب تھا اس لیے چپ چاپ پیسے نکال کر اس کے حوالے کر دیتا۔

"بہت مہربانی، شکریہ صاحب! غلام ہوں آپ کا۔" رفیق مکاری سے دیکھتا اور ہنستا ہوا چلا گیا۔ تو شانو اسی وقت جلدی سے سیڑھیاں اتر گئی اور دسو سے ٹکرا گئی، وہ بے چارہ گر گیا۔

"کیا ہوا ہے، بھاگ تو ایسی رہی ہو جیسے خالو پیچھے لگا ہو۔"

"ہاں......وہی تو......دسو! آؤ میری بات سنو۔" پھر شانو اسے ساتھ لے گئی اور ساری بات بتا دی۔

"ہوں......تو یہ بات ہے مگر شانو! ہم ملازم ہیں۔ ہم کیا کر سکتے ہیں، سوائے اس کے کہ......"

ابھی دسو کی بات ادھوری تھی کہ رفیق آ گیا۔ ان دونوں کو دیکھ کر وہ دونوں کو گھورنے لگا۔

"تم دونوں کو دیکھ کر مجھے خوف آتا ہے۔"

"کیوں خالو! ہمارے ہاتھوں پر شیشہ لگا ہے کہ اپنی صورت دیکھ کر ڈر جاتے ہو۔ سدھر جاؤ قبر کے کیڑے بڑے خوفناک اور خطرناک ہوتے ہیں تم سے بھی زیادہ۔ ان کو دیکھ کر کیا کرو گے؟"

"ارے ہٹ! ہر وقت الٹی سیدھی بکواس کرتا رہتا ہے۔ قبر کے کیڑوں سے ڈرتا ہے کم بخت، بالکل اپنی خالہ پر گیا ہے۔" رفیق نے اسے پرے دھکیلا اور آگے بڑھ گیا۔

"یہ لوگ بہت خطرناک کھیل، کھیل رہے ہیں دسو۔ یہ عثمان صاحب، بی بی عاتکہ اور نیلو باجی تو بہت اچھے ہیں اور......"

"ارے تو فکر نہ کر۔ نک کٹی بندریا! ان کا کھیل تو شروع ہونے سے پہلے ہی ختم کر دوں گا۔ لے مونگ پھلی کھا، خالو کی پالتو بندریا!" دسو نے جیب سے چھلکے نکال کر اس کو دیے تو اس نے اسی پر الٹ دیے۔

☆☆☆

"مما کیوں نہیں آئیں انکل! کیا ان کی طبیعت اتنی خراب ہے کہ آ نہ سکتی تھیں۔ کیا وہ بیمار ہیں یا مجھ سے اس حد تک خفا ہیں کہ آنا نہیں چاہتی تھیں۔ پلیز انکل! بتائیے نا۔" محسن صاحب آئے تو ماما تیزی سے ان کی طرف بڑھی۔ انہوں نے محبت سے اسے گلے لگا لیا۔

"بھئی، نہ تو وہ تم سے خفا ہیں، نہ ایسی بیمار کہ آ نہ سکتی ہوں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ میں نے ان کو بتایا ہی نہیں کہ میں تمہیں لینے جا رہا ہوں۔ میں ان کو سرپرائز دینا چاہتا ہوں۔ چلو، اب جلدی سے تیار

ہو جاؤ۔"

"ایسی بھی کیا جلدی ہے صاحب! بیٹھیے، چائے پی کر جائیے گا۔ نیلو بیٹا! چائے لاؤ انکل کے لیے۔"

عثمان صاحب نے محسن صاحب کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا تو نیلو ماما کو ساتھ لے کر باہر آ گئی۔

"ماما، تم نے پہچان تو لیا ہے ناں، یہی ہیں ناں انکل! کہیں......" نیلو مسکرائی تو ایک سایہ سا ماما کے چہرے پر چھا گیا۔

"ان کو نہیں پہچانوں گی، ارے نیلو! یہ میری تباہی کی، میری بربادی کی پہچان ہیں یہ لوگ تو...... ان کو نہیں پہچانوں گی، ان ہی لوگوں نے تو میری خوشیوں پر شب خون مارا ہے مجھ پر خوشیوں کے دروازے بند کر کے دکھوں کے حوالے کرنے والے ٹولی کے باپ ہیں یہ......میں......میں......" ماما کی آواز بھیگ گئی۔ کتنا پیچھا چھڑایا تھا ان سے مگر سب کچھ ختم ہو گیا اور یہ زندگی میں لازمی جزو کی طرح رہے۔

"دیکھو ماما! یہ نہ ہو کہ بھول جاؤ، کو ٹھیک رکھنا۔"

"کیسی بات کر رہی ہو نیلو! اپنے محسنوں کو بھی کوئی بھولتا ہے۔ تم لوگوں سے دوستی تو میری زندگی کا بہت روشن اور خوبصورت باب ہے جس کو میں ہر وقت پڑھنا چاہوں گی۔ گھر پر اگر نہ آ سکی تو تمہارے کالج ضرور آیا کروں گی۔ تم مجھے سارے نمبر لکھ دو۔" پھر روایتی انداز میں دونوں نے ایک دوسرے کو نمبر لکھ دیے۔

"اوکے پھر محسن صاحب! آپ سے بات رہے گی۔ آپ سے مل کر ہمیں واقعی خوشی ہوئی ہے۔"

محسن صاحب بڑے ہوشیار اور کائیاں آدمی تھے، بندے کو شیشے میں اتار لینے کا فن جانتے تھے۔ اتنی سی دیر میں وہ عثمان کو متاثر کر چکے تھے۔ ماما بس ان کو دیکھ کر رہ گئی۔ وہ ان کی اصلیت اچھی طرح جانتی تھی۔

"کیا بات کرتے ہیں عثمان صاحب! میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ اس شہر میں اتنا اچھا انسان رہتا ہے اور میں اس کی محبت سے محروم ہوں، تو کیوں ہوں۔ آئندہ حاضری دیتا رہوں گا، اجازت دیجئے۔ اب تو ملاقات رہے گی۔"

محسن صاحب نے جھک کر میز سے اپنا موبائل اٹھایا اور ماما کو دیکھا جو گم صم سی ان کے ساتھ جانے کو تیار کھڑی تھی۔

"اوکے نیلو! اب تو انشاء اللہ آتی رہوں گی۔ آنٹی آئیں تو سلام کہنا ہو تمیں تو اچھا تھا۔"

''چلو کوئی بات نہیں، میں اپنے ٹیسٹوں سے فارغ ہو کر خود مما کو لے کر آؤں گی تمہارے گھر، تمہاری مما سے بھی ملاقات ہو گی، خدا حافظ!''

نیلو نے بے ساختہ ماہ ما کو ساتھ لگا لیا کہ ان لمحات میں یوں لگ رہا تھا گویا برسوں کی شناسائی ہو۔

''خدا حافظ نیلو!'' ماہ ما افسردہ سی گاڑی میں بیٹھ گئی پھر پورا راستہ تو خاموشی کی نذر ہو گیا۔ ماہ ما ان سے نظریں چراتی رہی اور وہ اس سے باز پرس کے بجائے دوستانہ بات چیت کرنا چاہتے تھے۔

''ماہ ما بیٹا! میں تمہارا بزرگ ہوں، کوئی باز پرس نہیں کرنا چاہتا مگر بیٹا! تم نے یہ قدم اٹھا کر اچھا نہیں کیا۔''

موڑ کاٹتے ہوئے انہوں نے اس پر ایک نگاہ ڈالی، نظریں سامنے تھیں، دونوں ہاتھ آپس میں اس طرح الجھے ہوئے تھے جس طرح ان کی سوچیں۔ ان کی بات کی درستگی کے اعتراف میں اس نے احساس ندامت سے سر جھکا لیا۔ محسن صاحب کو تسلی ہوئی کچھ دیر وہ پھر خاموش رہے۔

''ماہ ما بیٹا! دیکھو، میری بات کا مائنڈ نہ کرنا، یہ بتاؤ تمہیں ٹونی ناپسند ہے؟''

محسن صاحب نے اسے دیکھا تو اس نے ایک نظر ان پر ڈالی اور پھر سامنے دیکھنے لگی اور چپ رہی حالانکہ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ چیخ چیخ کر کہے کہ مجھے ٹونی سے شدید ترین نفرت ہے، جس نے میری زندگی کی کتاب کا عنوان ہی دکھ رکھ دیا ہے مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دل سے اٹھنے والی ٹیسوں کو دباتی رہی۔ اس کی خاموشی سے وہ خود ہی سمجھ گئے۔ دل میں ان کو اس پر غصہ آنے لگا تھا۔ انہوں نے کیا کیا خواب دیکھے تھے کہ اس کو بہو بنا کر وہ اس کی دولت، جاگیر کے کرتا دھرتا بن جائیں گے مگر ماہ ما نے تو ان کے خوابوں کو توڑ ڈالا تھا، وہ تلملا کر رہ گئے۔

''ٹھیک ہے بیٹی! تمہیں حق ہے پسند ناپسند کا لیکن تم نے اپنے سارے خاندان کے سامنے ٹونی سے شادی کا اعلان کیوں کیا، جبکہ تم پر کوئی ایسا دباؤ نہیں تھا پھر تم نے کیوں ایسا کیا؟ شاید تم ٹونی کو بطور ڈھال استعمال کرنا چاہتی تھیں۔ یہی بات تھی ناں...... تو بیٹا! یہ تو بہت بری بات ہے ناں کہ تم ایسے نوجوان کو جو تمہیں بچپن سے چاہتا ہے، پسند کرتا ہے، تم اسے کبھی اپنانے کا اعلان کرتی ہو اور کبھی اسے ٹھکرا دیتی ہو۔ آخر وہ بھی انسان ہے، معلوم ہے...... ٹونی کو چپ لگ گئی ہے، اس کے بعد سے وہ......''

''لیو دس ٹاپک پلیز......'' وہ بولے جا رہے تھے اور ماضی کے سارے منظر سارے سین ماہ ما کی نظروں میں گھومنے لگے تو وہ تقریباً چیخ پڑی تو یکبارگی ان کو بھی غصہ آ گیا مگر ضبط کرنا ان کی مجبوری تھی۔ وہ اسے اتنی جلدی کھونا نہیں چاہتے تھے۔

''اوکے، اوکے بیٹا! ریلیکس، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم میری بیٹی ہو۔ جس بات میں

تم خوش نہیں، وہ میں کس طرح کر سکتا ہوں۔ آرام سے بیٹھو۔'' محسن صاحب نے پھر اپنا اعتماد بحال کرنے کے لیے بہت سی یہاں وہاں کی باتیں کیں تاکہ اس کا موڈ درست ہو جائے اور اندر وہ کچھ اور سوچتے رہے، پروگرام بناتے رہے۔

''بیٹا! یہ کیسے لوگ ہیں جن کے گھر تم آئیں، رہیں اور......''

''جی، بہت اچھے لوگ ہیں۔'' ماہ ما نے مختصر سا جواب دیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ نیلو کی ہدایت کے مطابق ماہ ما کی اصل کہانی کو بدل دیا گیا تھا اور جو کہانی نیلو نے فضہ کو سنائی تھی، وہی سب لوگوں سمیت محسن صاحب کو بھی سنائی گئی تھی۔ ذرا سی تبدیلی کے ساتھ کہ ماہ ما گھبرا کر ان لوگوں کے ہاں آ گئی تھی اور بس۔

''ماہ ماہ بیٹی! مجھے آخری بار تم سے ایک بات پوچھنی ہے۔'' محسن صاحب کو جو موقع ملا تھا، وہ اسے گنوانا نہیں چاہتے تھے۔

''جی کہیے؟'' ماہ ما نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ وہ تو مجبوراً ان کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی ورنہ جتنی نفرت اس کو ان سے تھی، ان کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی اور محسن صاحب تو اس موقع کو کیش کرانے کا پروگرام بنا کر آئے تھے کیونکہ یہ آخری موقع تھا ان کے پاس اور وہ اس کو گنوانا نہیں چاہتے تھے۔ ساری نہ سہی مگر آدھی سے تو وہ کسی صورت دستبردار نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ اب اپنی بات کہنے کے لیے ماہ ما کے موڈ اور سوچ کے مطابق مناسب الفاظ تلاش کر رہے تھے۔

''ماہ ما بیٹا! وہ بات یہ ہے کہ یہ زندگی ہے اور انسان کو بعض اوقات اس کے حالات کے ساتھ کمپرومائز کرنا پڑتا ہے اور کرنا چاہیے ورنہ زندگی بہت مشکل اور دشوار ہو جائے۔ دیکھو بیٹا، ٹھیک ہے...... ٹونی سے ایک غلطی ہو گئی ہے مگر......''

''پلیز انکل! ٹونی کا نام نہ لیں، اس کی ایک غلطی نے مجھے سب کی نظروں میں گرایا ہے۔ میرے ڈیئر پاپا یہ صدمہ لے کر قبر کی گہرائی میں اتر گئے کہ ان کی بیٹی ایسی ہے...... اف، میرے خدا! اس کی غلطی میری محبت، میرے اعتماد، میرے بھرم کی موت بنی ہے اور میں......'' ماہ ما کے اندر آندھیاں چلنے لگیں، اس کی رگیں پھٹنے لگیں۔

''ہوں...... تو اس کا مطلب ہے کہ اب کوئی ایسا راستہ نہیں جو ٹونی کو تمہارے دل تک لے جائے، ہم تو چاہتے تھے کہ اس واقعے کے بعد ٹونی ہی تمہیں اتنی عزت اور محبت کے ساتھ قبول کر سکتا ہے، گھر کی بات گھر ہی میں رہے ورنہ...... ورنہ بیٹی! جو حرکت تم نے کی ہے، اس کے بعد تمہیں اپنانے سے پہلے لوگ تمہارے کردار کی......''

''کیا مطلب ہے انکل آپ کا؟ اب میرے کس کردار کی ڈھال بنانا چاہتے ہیں آپ ٹونی کو۔

اس کردار کی جس کو ایک ڈرامے کے ذریعے آپ لوگوں نے تصویر میں قید کیا، اس کردار کی جس کی بدصورتی اور بدنمائی میرے مرتے ہوئے باپ کے دل کا روگ بن گئی، اس کردار کی جس سے بدگمان ہو کر شہرام روٹھ گیا۔ ان کے بعد مجھے کسی کی پروا نہیں۔ انکل کسی کو مجھ سے ہمدردی کرنے کی ضرورت نہیں ...... اور ٹونی ......!'' وہ شدت سے رو پڑی۔ ٹونی نے تو اس کی زندگی میں وہ کردار ادا کیا تھا کہ اس کا کردار مسخ ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ روتی رہی اور محسن صاحب اس کو دیکھتے ہوئے کچھ اور ہی سوچ رہے تھے۔

''ہوں، تو اس کا مطلب ہے کہ گھی نکالنے کے لیے انگلیاں ٹیڑھی کیا، توڑنی پڑیں گی، او کے بے بی، او کے!''

محسن صاحب نے تلخی سے سوچا اور گاڑی ان کی سوچ کے مطابق ان کے پسندیدہ موڑ پر مڑ گئی جو ماہ ما کی منزل کی طرف نہیں جاتا تھا۔



''نیلو کی یہ دوست کچھ گڑبڑ نہیں؟'' فضہ بھی باپ کی طرح خاصی کائیاں اور تیز تھی۔ اسے نیلو کی کہانی پر یقین نہیں آیا تھا۔

''کیوں گڑبڑ ہے۔ ٹھیک ٹھاک لگی مجھے تو تمہیں کیوں گڑبڑ لگی وہ؟'' گاڑی پورچ میں روکتے ہوئے ذورین نے فضہ کو دیکھا تو وہ کچھ ڈگمگا سی گئی کیونکہ اس کا تو خیال تھا کہ وہ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائے گا اور وہ نیلو اور اس کی دوست کی برائیاں کرے گا۔

''نہیں، لڑکی تو گڑبڑ نہیں، البتہ نیلو کی کہانی میں خاصا جھول ہے۔ لگتا ہے جھوٹ ہے یہ سب۔''

''کیوں، تمہیں کیوں اور کیسے لگا کہ یہ جھوٹ ہے؟ جبکہ یہ جھوٹ نہیں، سچ ہے۔'' ذورین کو اس وقت فضہ پر غصہ آ رہا تھا۔

''اچھا، تم بھی ائرپورٹ گئے تھے؟'' وہ نہ جانے کن کن راستوں سے کہانی کے سچ یا جھوٹ تک پہنچنا چاہ رہی تھی۔

''نہیں، میں گیا تو نہیں تھا البتہ رافع اور نیلو کو جاتے ہوئے اور پھر اس لڑکی کو ساتھ آتے ہوئے ضرور دیکھا تھا۔''

نظریں چرا کر وہ نیلو کے جھوٹ کا بھرم رکھ گیا تھا۔ نہ جانے کیوں نیلو کو جھوٹا ثابت کرنے کا حوصلہ نہیں تھا یا کچھ اور بات تھی، وہ جان نہیں پایا۔

''اچھا خیر چھوڑو، ہمیں کیا...... نیلو سے اور اس کی دوست سے۔ مجھے تو یہ فیملی ہی گڑبڑ لگتی ہے۔'' فضہ نے ناک چڑھا کر ان کے ذکر کو غیر اہم قرار دے کر ان کی برائی پر لیکچر شروع کر دیا۔ تو

ذورین برہمی سے اس کی طرف گھوما۔

''مما کو برا نہ کہنا۔ ہاں، یہ میری مما ہیں صرف اور ان کی برائی میں نہیں سن سکتا۔''

''ارے ان کی برائی کون کر رہا ہے، وہ جتنی کیوٹ ہیں اتنی ہی سویٹ ہیں مگر یہ جو انکل عثمان ہیں ناں، بہت چالاک آدمی ہیں۔ تم لوگوں کو کچھ خبر ہے کہ بزنس میں کتنا گھپلا کر رہے ہیں یہ موصوف!''

''کیا مطلب؟'' ذورین نے چونک کر فضہ کو دیکھا تو اس نے بڑے خوبصورت انداز میں جو کہانی باپ نے رٹائی تھی، اس کو سنا دی۔ تو وہ جوان سے پہلے ہی بدگمان تھا مزید ہو گیا۔

''تم مانو نہ مانو ذورین! اس شخص نے تم لوگوں کا حصہ بھی اپنی بیٹی کے نام کیا ہے۔ فیکٹری، کوٹھی، بینک بیلنس جو انہوں نے اپنی اکلوتی چہیتی بیٹی کے نام کروایا ہے، کہاں سے آیا ہے۔ ظاہر ہے، تم لوگوں کے بزنس سے ناں۔ تم لوگوں کا حق مارا ہے اس بندے نے۔ اور تو اور عمار بھیا کو بھی اپنی عیاری کے جال میں الجھا رکھا ہے۔ ابو روز آفس اسی لیے جا رہے ہیں کہ موصوف کا نامۂ اعمال دیکھ سکیں اور ذورین! معلوم ہے کہ رات ابو کی طبیعت خراب ہو گئی کہ ان کی مرحومہ بہن کی اولاد کو ان کے حق سے دستبردار کرنے کا پلان بنایا جا رہا ہے۔'' فضہ نے ذورین کو پوری طرح اپنی باتوں میں الجھا لیا تھا۔ کچھ تو وہ بدگمان تھا بھی اور باقی کی کسر فضہ نے پوری کر دی تھی۔

''کیسا پلان بنا رہے ہیں؟'' وہ فکرمندی سے مڑا کیونکہ رفیق نے اس کے دل میں بدگمانی کا جو بیج بویا تھا، اسے فضہ اور شجاع الدین نے پانی دے کر درخت بنا دیا تھا۔

''مجھے معلوم نہیں رات کو ابو کے پاس آنا وہ تو ثبوت ساتھ لے کر آئے ہیں۔''

''ٹھیک ہے، جب یہ لوگ سو جائیں گے تو میں آؤں گا۔ ماموں جان کو بتا دینا۔''

دونوں باتیں کرتے ہوئے آ رہے تھے کہ ذورین کی نظر نیلو اور رافع پر جا رکی جو بیڈمنٹن کھیل رہے تھے اور نوشی کمنٹری کر رہی تھی۔

''کم آن، ہری اپ رافع! آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ آپ کے اچھے شارٹس کیا ہوئے، آپ ہار رہے ہیں۔''

''ہار رہے کیا، ہم ہار چکے ہیں لڑکی...... اور یہ ہار زندگی کی ہر جیت سے زیادہ پیاری اور خوبصورت ہے۔'' رافع نے نیلو کو دیکھا جو دوپٹے سے چہرہ صاف کرتی ان کے قریب آ بیٹھی تھی۔

''رافع! آج کچھ مزہ آیا نہیں، تم خاصے ڈل رہے ہو گیم میں۔ کہاں گئے وہ تمہارے شارٹس؟''

نیلو گہرے گہرے سانس لے رہی تھی اور رافع اسے دیکھ رہا تھا اور یہی وہ نظریں ہوتی تھیں جو ذورین کا خون کھولا جاتیں۔ وہ اندر جانے کے بجائے ان کی طرف آ گیا تو فضہ بھی ساتھ ہی آ گئی۔

''نیلو کبھی کسی لمحے نے اتنا معتبر کیا تو انشاء اللہ تمہیں ہی بتاؤں گا کہ اس ہار میں کیا لطف اور

میرے شارٹ کہاں گم ہوگئے ہیں؟''

''تم لوگوں کو ان فضولیات سے بھی کبھی فرصت ملتی ہے کہ بچوں کی طرح......'' ذورین نیلو کو گھور رہا تھا۔

''اور آپ لوگ جو خلائی اسٹیشن تیار کرکے آئے ہیں، اس نے کام شروع کردیا کیا؟''

نیلو نے ذورین کو تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے چوٹ کی تو وہ سلگ اٹھا۔

''میں تم سے بات نہیں کررہا۔''

''اوکے، آؤ رافع! ان کو دیواروں سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے۔'' نیلو نے کھڑے ہوکر رافع اور نوشی کی طرف ہاتھ بڑھائے تو دونوں اس کے ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہوگئے، ذورین بھنا گیا۔

''نیلو بی بی! نیلو بی بی! جلدی سے آئیے...... وہ صاحب......!''

دسو بھاگا آیا تو نیلو کو گویا پر لگ گئے۔



''کم آن نیلو! You are also a Future Doctor! اگر آپ ہی صبر کا دامن چھوڑ دیں گی تو اپنی والدہ کو کیا تسلی دیں گی، کم آن!'' ڈاکٹر ظفر جو کہ نیلو کے سر بھی تھے تسلی دیتے ہوئے بولے تو ایک ساتھ بے شمار آنسو نیلو کی پلکوں سے آزاد ہوکر رخساروں کی زمین سیراب کرنے لگے۔

''سر! پپا...... پپا بہت زیادہ حساس ہیں اور ان کا بی پی...... سر! زیادہ گڑبڑ تو نہیں میرا مطلب ہے کہ......''

''گڑبڑ بڑی ہو یا چھوٹی بیٹا گڑبڑ ہوتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی تو خطرہ ٹل گیا ہے مگر آئندہ کے لیے بہت زیادہ محتاط ہونا پڑے گا۔ باقی باتیں تو ایک طرف مگر ان کو کوئی شاک، کوئی پریشانی، کوئی صدمے والی بات نہ ہو کیونکہ......''

ڈاکٹر ظفر بتا رہے تھے اور نیلو بھیگی پلکوں کی اوٹ سے غنودگی کے عالم میں پڑے عثمان کو دیکھتی رہی۔ اس کے پپا اس کے آئیڈیل تھے۔ کس طرح انہوں نے زندگی کے مسائل سے جنگ کی تھی۔ وہ کتنے خوش اور مطمئن رہا کرتے تھے مگر جب سے ذورین کا رویہ بدلا تھا اور شجاع الدین زندگی میں آئے تھے تب سے ان کی شفاف پیشانی پر سوچ اور تردد کے سائے ابھرنے لگے تھے۔ تبھی سے عثمان صاحب کی صحت خراب ہونے لگی تھی۔

''مما! آپ اب گھر جائیے۔ میں ہوں ناں...... پپا کے پاس۔'' باہر آکر نیلو نے گم صم بیٹھی عاتکہ سے کہا تو وہ کھڑی ہوگئیں۔

''بیٹا! تمہارے پپا ٹھیک تو ہیں ناں کوئی......'' انہوں نے ٹٹولتی نگاہوں سے بیٹی کی طرف دیکھا کہیں وہ کچھ چھپا تو نہیں رہی۔

''نہیں، کوئی خطرے کی بات نہیں مما! خدا کا شکر ہے احسان ہے کہ پہلے پتا چل گیا۔ خیر آپ گھر جائیے انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پلیز......!'' اور پھر نیلو نے کسی نہ کسی طرح عاتکہ کو گھر بھیج دیا اور خود پپا کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ سب ہی لوگ آرہے تھے۔ سب فکرمند تھے نہیں آیا تھا تو ذورین نہیں آیا تھا۔ اس کا خیال، اس کی محبت، اس کی نفرتوں کا احساس ایک ٹیس کی صورت ابھرا تو وہ گہرا سا سانس لے کر بے سدھ پڑے عثمان صاحب کے سرہانے بیٹھ گئی۔ ان کو دیکھتی رہی کتنا چاہتے تھے وہ اس کو کتنے ارمانوں سے انہوں نے اسے میڈیکل میں بھیجا تھا۔ ان کی بند آنکھوں میں اس کے لیے بہت سارے خواب تھے جن کی لو میں وہ اپنا آپ دیکھ کر کتنا خوش ہوتی تھی، اسی قندیل کی روشنی میں جب ذورین کا عکس نمایاں ہو جاتا تو وہ سرشار ہو جاتی اور ڈھیروں خواب اس کے تصور میں سج کر پلکوں میں اتر جاتے۔

''سنو، پپا کیسے ہیں؟ میں...... میں ان کے لیے بہت پریشان رہا ہوں۔ بس نہ جانے یہ درمیان میں...... خیر بتاؤ پپا ٹھیک ہیں ناں کوئی پریشانی والی بات تو نہیں...... اور تم کیسی ہو؟ اپنا رنگ، اپنا حلیہ دیکھا ہے تم نے۔ اترا ہوا چہرہ بے ترتیب لباس...... اور کچھ کھایا پیا بھی نہیں ہوگا۔ تم کیا سمجھتی ہو نیلو، مجھے تمہاری پروا نہیں ہے۔ تمہیں خبر ہی نہیں کہ مجھے تمہاری کتنی پروا ہے۔ کتنا سوچتا ہوں میں تمہیں۔ تم اپنے آپ کو تنہا سمجھ رہی ہو۔ کیوں میرے ہوتے ہوئے...... اور یہ اتنی بے یقینی، بے اعتبار نظروں سے کیوں دیکھ رہی ہو۔ میں جانتا ہوں نیلو مگر...... خیر چھوڑو فی الحال تم آؤ میرے ساتھ ذرا باہر چلتے ہیں آؤ......''

''ذورین...... ذورین، آپ......!'' نیلو نے ذورین کے بڑھے ہوئے ہاتھ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اسی وقت جھٹکا لگا تو وہ ہوش میں آگئی۔ سامنے رافع کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے جلدی سے پپا کو دیکھا اپنے الجھے ہوئے بال کانوں کے پیچھے کیے۔

''اوہ تو وہ سب خواب تھا تم کب آئے رافع؟'' نیلو نے اپنے دائیں ہاتھ کو دیکھا جو ابھی خواب میں ذورین کی ہاتھ میں تھا۔

''ہوں ابھی آیا ہوں۔ دیکھا تو آپ محو خواب تھیں ابھی جگانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ......''

رافع بڑی صفائی سے جھوٹ بول گیا۔ اس کی خوابیدہ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ یہ سچ نہ بول سکا کہ وہ تو پندرہ منٹ سے آیا ہوا ہے۔

''اوہ ہاں...... وہ پپا کی وجہ سے اتنی ٹینشن رہی ہے ناں کہ اب پتا ہی نہیں چلا کہ کب...... ویسے تم

کیسے آئے؟" نیلو عثمان کا کمبل درست کرتی پوچھ رہی تھی۔

"گاڑی سے۔" رافع نے حسب عادت جلدی سے کہا اور کرسی پر بیٹھ گیا تو نیلو اس کی طرف مڑی۔

"ظاہر ہے گاڑی سے آئے ہوگے، پر تو تمہارے ہیں نہیں۔ میرا مطلب ہے کیوں آئے ہو؟"

"وہ میرے دوست کی بلی کو چھچھوندر نے دماغ میں کاٹ لیا تھا۔ وہ یہاں ایڈمٹ ہے اس کی عیادت کرنے آیا ہوں۔ ظاہر ہے یہاں آیا ہوں انکل کے پاس، تمہارے پاس......" وہ بری طرح چڑ گیا۔

"تم وہاں آرام کرتے رافع میں یہاں اکیلی تو نہیں۔"

نیلو کے لہجے میں کسی حد تک رعونت تھی۔ وہ جس خواب سے چونکی تھی اس کے بعد رافع کا وجود کوئی خوش گوار احساس پیدا نہیں کر سکا تھا۔ وہ اس وقت صرف اس خواب کو سوچنا چاہتی تھی جس میں ذورین اس کا طلب گار بنا کھڑا تھا مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ رافع نے اس وقت اس کی طرف بڑھنا شروع کر دیا تھا جب اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ اس کی بات پر وہ نیلو کو دیکھے گیا۔

"میں تو وہاں اکیلا تھا ناں۔" رافع نے گہرے سے لہجے میں کہا مگر وہ اس گہرائی کی طرف اسے متوجہ نہ کر سکا۔

"اچھا کیا جو تم آگئے ورنہ پاپا کو یوں دیکھ دیکھ کر میرا دل بہت خراب ہو رہا تھا۔ اچھا مما نے میرے لیے کچھ بھیجا ہے؟" نیلو اپنے گزشتہ لہجے کی تلافی نرمی سے کر رہی تھی۔

"کچھ...... بہت کچھ بھیجا ہے مگر گاڑی میں ہے۔ ٹھہرو، میں لے آتا ہوں۔" پھر رافع تیزی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"مما...... ! وہ...... وہ...... پا...... میرا مطلب ہے عثمان صاحب کی طبیعت کیسی ہے؟"

ذورین ان لوگوں کی محبتوں کا قیدی تھا ان کی حقیقت جان لینے کے باوجود محبتوں کے سحر سے خود کو آزاد نہیں کر سکا تھا۔ وہ بہت چاہتا تھا کہ اس قید سے آزاد ہو جائے۔ اس وقت بھی جب کہ اسے عثمان صاحب کی بہت فکر ہو رہی تھی بارہا اس نے ان کو دیکھنے جانے کے لیے پر تولے، ان کے لیے دعائیں بھی کیں مگر رفیق نے عثمان کے کردار کو اتنا گھناؤنا بنا کر پیش کیا تھا کہ عثمان اس کو ایک خوبصورت دشمن لگتے تھے مگر دوسری طرف جو عثمان اسے نظر آتے تھے وہ بالکل باپ تھے۔ اسے اپنے والدین کی خبر ہی کب تھی اس نے تو تصویروں میں ان کو دیکھا تھا مگر ماں باپ کتنے پیارے، کتنے جاں نثار ہوتے ہیں یہ اس نے ان میں محسوس کیا تھا۔ اس وقت بھی وہ عاتکہ کے قریب بیٹھا پوچھ رہا تھا۔ وہ

جو نماز کے بعد دعا مانگ رہی تھیں۔ ذورین کے الفاظ تیر کی طرح حزیں دل میں اتر گئے تو انہوں نے ذورین کو دیکھا۔ کتنا الجھا ہوا بٹا ہوا تھا وہ۔ کہاں وہ پاپا پاپا کہہ کر ان سے لپٹا رہتا تھا نیلو سے خار کی ایک وجہ یہ بھی تھی وہ جو آگئی تھی اس کے مما پاپا کی محبتوں کی شریک پھر یہ کیسی ہوا چلی تھی کہ محبتوں کے سارے چراغ بجھا گئی تھی بس آنکھوں میں آنسو بھر دینے والا دھواں چھوڑ گئی تھی۔

"کس کا حال پوچھ رہے ہو بیٹا! پاپا کا یا عثمان صاحب کا؟ اگر عثمان صاحب کی خیریت معلوم کرنی ہے تو خدا کے فضل سے وہ ٹھیک ہیں۔ اور اگر پاپا کی خیریت پوچھنی ہے تو جاؤ، خود ان کو دیکھ کر آؤ۔"

عاتکہ کی شاکی نظر میں پھر اس کے لیے ممتا اُمڈ آئی تو انہوں نے اس الجھے ہوئے مرد کو ساتھ لگا لیا جو بدگمانی کی دھند میں اپنا راستہ ہی کھو بیٹھا تھا۔ ذورین عاتکہ کے پاس بیٹھا تھا اور دروازے کی اوٹ میں کھڑی نصہ کے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے تھے۔ ذورین اور عاتکہ کے اس ملاپ کی خبر رفیق نے شجاع الدین کو دی تھی۔

"شجاع الدین صاحب! اگر اسی طرح ڈھیل دیتے رہے تو ذورین محبت میں الجھ کر کٹ جائے گی۔ بڑھیا ذورین کو قابو میں کیے ہوئے ہے۔"

رفیق کی اس اطلاع پر شجاع الدین کی ابرو کا اشارہ چالباز نصہ کو متحرک کر گیا۔

"مما! میں...... میں ان کے لیے پریشان ہوں، آپ...... آپ بھی چلیے ناں میرے ساتھ۔"

ذورین معصوم بچوں کی طرح تھا۔ وہ عثمان کو دیکھنا چاہتا تھا مگر درمیانی دیوار کو دیکھ کر وہ پیچھے ہٹ رہا تھا۔

"نہیں جان! میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ وہ یہ سمجھیں گے کہ میں نے تمہیں مجبور کیا ہے، زبردستی تمہیں ساتھ لے کر آئی ہوں اور وہ محبتوں میں زبردستی کے قائل نہیں، تم اکیلے جاؤ گے ناں تو دیکھنا، وہ کتنے خوش ہوں گے۔ ذورین جانی! تمہیں اندازہ نہیں کہ وہ تمہیں کتنا چاہتے ہیں اور......" اور عاتکہ کے نرم گرم لفظوں کے ذریعے ذورین کے دل پر رفیق اور شجاع الدین کی جمائی برف پگھلنے لگی تو بچپن سے آج تک کے بہت سے سین اس کی نگاہوں میں گھوم گئے۔ وہ اسے کتنا چاہتے تھے۔ ہر جائز و ناجائز خواہش پوری کیا کرتے تھے۔ رات کے کسی بھی پہر شدید بیماری کی حالت میں بھی وہ فرمائش کر دیتا تو ہنس کر پوری کر دیتے۔ زندگی کتنی خوبصورت اور بھرپور تھی۔ ان دونوں کی محبتوں کے ہجوم میں کبھی اس کو سگے والدین کی کمی کا احساس بھی نہیں ہوا تھا۔

"او کے مما! میں اکیلا ہی جاتا ہوں، وہ مجھ سے خفا تو بہت ہوں گے۔" اٹھتے ہوئے ذورین کا راستہ اس خیال نے روکا تو وہ پلٹ کر عاتکہ کو دیکھنے لگا۔

"والدین کو اللہ تعالیٰ نے بہت حوصلہ، بہت ظرف بخشا ہوتا ہے کہ وہ بچوں کی ہر گستاخی کو

برداشت کر جاتے ہیں۔ بہت گنجائش ہوتی ہے ان کے دلوں میں۔ چاہے جنم دینے والے والدین ہوں یا پالنے والے اور بیٹا' تم تو......'' عاتکہ نے الجھے ہوئے ذورین کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پیار کیا تو جواباً وہ ان کے ساتھ لگ گیا تو عاتکہ کی تمام محبتوں کا اظہار اس کے دل میں سکون بن کر یقین کی صورت اتر گیا۔

''آئی لو یو مما۔'' اس نے عاتکہ کی پیشانی پر پیار کیا تو دروازے کی اوٹ سے یہ منظر کسی تیر کی طرح فضہ کے دل میں اتر گیا۔

''آئی لو یو مما! اونہہ...... دیکھ لیتی ہوں کہ تم میرے علاوہ کس سے محبت کرتے ہو۔ یہ ماں بیٹی جس چکر میں ہیں' میں جانتی ہوں'' فضہ نے سلگتے ہوئے سوچا اور ذورین' جو باہر آ رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گئی۔ جلدی سے اپنے بال بکھرا لیے' چہرے پر گلاس سے پانی لے کر چھینٹے مارے اور تیزی سے بھاگتی ہوئی پورچ میں پہنچ گئی جہاں ذورین کی گاڑی کھڑی تھی۔ وہ کسی صورت ذورین کو اسپتال جانے دینا نہیں چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی' نیلو وہاں ہے اور دوسرے اگر ان لوگوں کی دوریاں' کدورتیں اسی طرح ختم ہونے لگیں تو ان کا پلان تو تباہ ہو کر رہ جائے گا۔

''ارے فضہ خیریت...... تم یہاں کیا کر رہی ہو اور گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟''

ذورین اسے دیکھ کر پریشان ہو کر اس کی طرف بڑھا تو تھوڑی دیر کے لیے وہ گڑبڑا گئی کہ کیا بہانہ بنائے؟

''ہاں ذورین! وہ ابو کی طبیعت بہت خراب ہے۔ آؤ چلو وہ تمہیں بلا رہے ہیں' چلو آؤ۔''

وہ باقاعدہ اس کا بازو گھسیٹتی ہوئی بولی تو وہ بوکھلا کر اسے دیکھنے لگا اور اس وقت اسے یوں بھی فضہ کا رد کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔ اس وقت صرف عثمان کو دیکھنے اسپتال جانا چاہتا تھا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے تو میں آیا ہوں ان کے پاس سے اٹھ کر بالکل ٹھیک تھے۔ مجھے تو تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی کیا بات ہے؟'' ذورین نے خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھا تو اس نے ایک دم پینترا بدلا۔

''ہاں' تم ٹھیک کہہ رہے ہو ذورین! ابو کی وجہ سے میں اتنا اپ سیٹ رہتی ہوں ناں۔ اس وقت بھی وہ بہت اکھڑی اکھڑی مایوس کن باتیں کر رہے تھے کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو میری بیٹیوں کا کیا ہوگا...... اور مجھے ان کی باتوں سے بہت گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ میں تمہارے پاس آئی تھی کہ کچھ دیر کے لیے ہم باہر چلتے ہیں۔ دل بہت گھبرا رہا ہے' میرا باہر جائیں گے تو کچھ بہل جائے گا۔ سمندر پر چلیں' ٹھنڈی ٹھنڈی ریت پر......''

''نہیں فضہ! سوری اس وقت تو میں اسپتال جا رہا ہوں پپا کو دیکھنے تین دن میں ایک بار بھی نہیں جا سکا پھر کبھی سہی۔'' ذورین اس کی حالت' اس کی بے معنی باتوں سے قطعی متاثر نہیں ہوا تھا۔ وہ کھول کر رہ گئی۔ اسے اپنی بات کے رد ہونے سے زیادہ اس کا پپا کہنا برا لگا تھا۔

''ذورین پلیز! میری طبیعت گھبرا رہی ہے' پلیز!'' وہ ڈھٹائی سے بولی اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو کچھ دیر کے لیے ذورین کو اس سے چڑ سی ہونے لگی۔

''کہاناں' پھر کبھی سہی۔ جاؤ آرام کرو طبیعت بہل جائے گی۔'' ذورین نے ناگوار جھٹکے سے اس کی مضبوط گرفت سے اپنا ہاتھ آزاد کرایا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس وقت یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے اسے جانا تک نہیں اور وہ سر سے پیر تک سلگ رہی تھی۔ چوکیدار نے گیٹ بند کیا تو وہ پاؤں پٹختی اوپر آ گئی۔

''او ہو بیٹا! تم فکر کیوں کرتی ہو' باسی کڑی کا ابال ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کم آن...... فکر نہ کرو۔''

شجاع الدین نے اس کی بات سن کر مکاری سے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بھی ہنس دی جبکہ نوشی باپ اور بہن کی حالت پر کڑھتی ہوئی وہاں سے اٹھ گئی۔

☆☆☆

اسپتال کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے عثمان کی تمام محبتیں اس کے ہمراہ تھیں۔ بہت سے منظر نگاہوں میں گھوم رہے تھے۔ آج پھر اس کے دل میں ان کے لیے وہی محبت کا دریا موجزن تھا جو پہلے بھی ہوا کرتا تھا۔ اس وقت وہ یہ سب بھولا ہوا تھا کہ وہ ان کے ساتھ کیا کیا بدتمیزیاں کر چکا ہے یا رفیق نے ان کے متعلق اس کو کتنا ورغلایا ہوا تھا۔ آج کتنے عرصے کے بعد اس کے دل میں عثمان کی پہلے والی محبت روشن ہوئی تھی۔ اس وقت وہ صرف پپا کا بیٹا بن کر آ رہا تھا۔ اسی سرشاری میں اس نے دروازے کے ہینڈل کو دبایا تو ذرا سی جھری میں نظر آنے والا منظر اس کو کھولا دینے کے لیے کافی تھا۔ نیلو اور رافع آمنے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ رافع نے جانے کیا بات کی تھی کہ نیلو چہرے پر ہاتھ رکھ کر مسکرا پڑی تھی۔ یہ بات بھی قابل گرفت تھی مگر اصل تیل تو رافع کی نظروں نے ڈالا تھا جو نیلو کو بڑے پیار سے دیکھ رہا تھا۔ ذورین سلگ اٹھا۔ اس نے آواز کے ساتھ دروازہ کھولا اور اندر کے تمام غصے کے ساتھ آگے بڑھا۔ دونوں اس طوفان کو اتنی خاموشی سے آتے دیکھ کر کھڑے ہو گئے مگر دونوں کے جذبات اس وقت قطعی مختلف تھے۔ اسے دیکھ کر نیلو کے اندر دور تک روشنی سی پھیل گئی تھی جبکہ رافع ذورین کی آمد سے ان قیمتی لمحات سے محروم ہو جانے پر چڑ سا گیا تھا مگر اس وقت ذورین کا غصے سے کیا حال ہو رہا ہے یہ دونوں نہیں جانتے تھے۔

''یہ...... یہ والد صاحب کی تیمارداری ہو رہی ہے؟''

وہ جنونی انداز میں نیلو کی طرف بڑھا۔ کچھ دیر قبل والا حلیم محبت کرنے والا ذورین جانے کہاں چلا گیا تھا۔ اس وقت تو وہ سلگ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں وہ خود بھی اس کیفیت کو سمجھ نہیں پاتا تھا جو رافع اور نیلو کو ایک ساتھ دیکھ کر وجود میں آتی تھی۔ اس کی بات پر نیلو اسے دیکھتی ہوئی اٹھی۔

''یہ والد صاحب میرے ہیں......'' نیلو نے جھک کر سوئے ہوئے عثمان کی پیشانی پر پیار کیا اور پھر پورے اعتماد کے ساتھ ذورین کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔

''میں ان کی خدمت یا تیمارداری کسی بھی انداز میں کروں۔ Non of your Business آپ کو پروا نہیں ہونی چاہیے۔''

''ہے...... ہے کیوں نہیں پروا ہے بہت پروا ہے مجھے پپا کی...... اور تم...... تم......!''

غصے میں اس کی آواز بلند ہوئی تو اسی وقت عثمان کسمسائے تو نیلو جلدی سے ان کی طرف بڑھی۔

''نیلو......!'' انہوں نے آہستگی سے پکارا مگر وہ پھر سو چکے تھے۔ نیلو نے کمبل درست کیا اور ذورین کی طرف مڑی۔ وہ اسی طرح رعونت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نیلو نے اس شخص کو دیکھا جو نہ جانے کب اس کے دل میں آ بسا تھا۔ مگر وہ اتنی کمزور نہیں تھی کہ اپنی انا بھی اس پر قربان کر دیتی۔ ایک یہ چیز ہی تو اس کا بھرم تھی۔

''جن کی پروا ہوتی ہے ناں ذورین صاحب ان کو یوں لمحہ لمحہ توڑا نہیں جاتا۔ یہ صرف میرے پپا ہیں اور میں آپ جیسے خود پسند آدمی اور کمزور ترین شخص کو یہ حق نہیں دیتی کہ وہ میرے پاپا کو پپا کہے۔ میری محبتوں میں حصے دار بنے یہ محبتیں صرف میری ہیں ان پر صرف میرا حق ہے اور میرے والدین کی محبت کی سلطنت صرف میری ہے اور میں آپ کو اس میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔''

وہ مضبوط پُراعتماد لہجے میں بولتی ہوئی ذورین کو زہر لگ رہی تھی۔ وہ اس کی انسلٹ کر جائے وہ یہ بات کیسے برداشت کر سکتی تھی۔

''یہ دونوں میرے بھی ہیں ان کی محبتوں پر میرا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا تمہارا۔ تم مجھے دستبردار کرنے والی کون ہو؟'' وہ دانت کچکچا کر بولا۔

''جس دن میرے حق کی پہچان ہو گی ناں ذورین صاحب اس روز آپ کے ہاتھ خالی ہوں گے اب آپ جا سکتے ہیں۔'' نیلو نے اس کے چہرے کے تناؤ کو دیکھتے ہوئے اسی طرح کہا تو وہ دہاڑا۔

''شٹ اپ!''

''Dont Shout یہ اسپتال ہے آپ جا سکتے ہیں۔''

نیلو یہ کہہ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی تو ذورین قہر بار نظر ڈال کر دروازے کی طرف بڑھا پھر چند قدم واپس مڑا اور رافع کے قریب آ گیا۔

''تمہاری اطلاع کے لیے بتا رہا ہوں کہ تمہارے ماموں جان کی طبیعت بہت خراب ہے۔ چلنا چاہو تو میرے ساتھ ہی چلو۔''

غصے کی پہنچائی ہوئی وہ جھوٹی خبر جس کو اس نے اگنور کر دیا تھا اب رافع کو اہم بنا کر بتا رہا تھا۔ نہ

جانے کیوں وہ سمجھ نہ پایا مگر رافع اپنے سگے ماموں کی ڈرامے بازی جانتا تھا۔

''پہلی بات تو یہ ذورین کہ میرے ماموں جان کی جو بھی بیماری ہوتی ہے اس کا تعلق براہ راست تم سے ہوتا ہے۔ شاید تم سمجھتے ہو یا نہیں اور دوسری بات یہ کہ میں آج یہیں رکوں گا نیلو اکیلی ہے۔''

رافع کا یہ جملہ جلتی پر تیل ڈال گیا۔ اس نے نیلو کی پشت کو گھورا۔

''بیٹی اپنے باپ کے پاس اکیلی نہیں ہوتی۔'' ذورین دانت پیس کر اتنا ہی کہہ سکا۔

''ہاں...... مگر میں......'' رافع کی بات ادھوری چھوڑ کر ذورین پاؤں پٹختا ہوا باہر نکل گیا تو کئی بے نام سے آنسو نیلو کے رخساروں پر پھیل گئے۔ رافع بغور دیکھتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

''یہ ٹشو بہت اچھا ہے یہ لو۔ میرے بھی بہت سے آنسوؤں کا اور ڈھیر ساری ناک کا رازدار ہے یہ۔''

رافع نے جینز کی جیب سے ٹشو نکال کر اس کی طرف بڑھایا تو پھیکی سی مسکراہٹ نیلو کے چہرے پر آ گئی۔

''وہ باتیں ہی کیا جن سے خوشبو نہ آئے۔ وہ مسکراہٹ کیا جس میں زندگی نہ ہو پھیکی' بے رنگ سی۔ آئندہ میری کسی بات پر اتنی بے دلی سے کبھی نہ مسکرانا۔''

''رافع! تم بہت اچھے ہو۔'' نیلو نے اس کے ہاتھ سے ٹشو لے کر چہرہ صاف کر لیا۔

''ہوں' واقعی!'' رافع نے اس کی بھیگی پلکوں کو دیکھا۔

''ہاں لیکن تمہیں چلے جانا چاہیے تھا۔''

''یہ تم اس لیے کہہ رہی ہو کہ شاید ذورین کو میرا وجود یہاں ناگوار گزر رہا ہے؟''

رافع کا لہجہ دھندلا دھندلا سا شاکی سا تھا۔

''مجھے اس کی پروا نہیں۔'' نیلو غصے سے بولی تو ایک سکون رافع کے اندر اتر گیا۔

''اچھا تو پھر سنو اچھی لڑکی میں واپس جانے کے لیے آیا ہی نہیں کشتیاں جلا کر آیا ہوں۔ ہو سکے تو......'' رافع کا لہجہ گمبھیر سا ہو گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ کچھ نہ کہے اور نیلو سب کچھ سمجھ جائے مگر نیلو اس راستے پر کبھی تھی ہی نہیں تو اس کے پیچھے آنے کا احساس ہی کیوں ہوتا اسے۔ نیلو تیزی سے عثمان کی طرف بڑھی تو رافع گہری سانس لے کر باہر اداس چاند کو دیکھنے لگا۔

☆☆☆

عثمان بظاہر ٹھیک ہو رہے تھے مگر ان کی آنے والی رپورٹس نے عاتکہ اور نیلو کو پریشان کر دیا تھا۔ ڈاکٹرز کے مطابق اب ان کو پڑنے والا دورہ فیصلہ کن بھی ہو سکتا تھا اس لیے نیلو اور عاتکہ نے ان کو گھیر لیا تھا۔ دونوں ان کو ذرا بھی سوچنے کا موقع نہیں دیتی تھیں۔ کام کا یا آفس جانے کا تو سوال ہی

پیدا نہیں ہوتا تھا۔

''آپ ہرگز آفس نہیں جائیں گے۔ ارے جان ہے تو جہان ہے۔ ہمارا کون ہے دنیا میں آپ کے علاوہ۔'' اس روز نیلو بھی کالج چلی گئی تو عثمان بھی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تیار ہو گئے تو عاتکہ راستے میں آن کھڑی ہوئیں۔

''عاتکہ! نیلو تو بچی ہے نہیں سمجھتی مگر تمہیں تو Realize کرنا چاہیے کہ کتنا لوڈ ہے کام کا اور اب تو مجھے آفس جانا چاہیے۔ خدا کا شکر ہے میں اب ٹھیک ہوں۔''

''خدا کا بہت شکر ہے عثمان! مگر ابھی آپ نے کام نہیں کرنا ہے۔ ڈاکٹرز کہتے ہیں آپ ابھی آرام کریں۔ میں ابھی آپ کو آفس جانے نہیں دوں گی بس......'' عاتکہ نے ان کے ہاتھ سے بریف کیس لے کر میز پر رکھا۔

'ارے بھئی ڈاکٹرز کا کیا ہے اچھے خاصے بندے کو بستر پر باندھ دیتے ہیں اور پھر ڈاکٹر تو ڈاکٹر جعلی قسم کے ڈاکٹر ان سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔'' عثمان نے عاتکہ کو دیکھا تو وہ مسکرا دیں۔

''کچھ بھی کہہ لیں میں آپ کو آفس جانے نہیں دوں گی۔ بس آج آپ باتیں کریں گے میرے ساتھ۔''

عاتکہ نے ان کو بٹھا دیا تو وہ بھی نقاہت کا احساس لیے بیٹھ گئے۔

''دیکھیے بیگم صاحبہ باتوں سے مراد اگر آپ کی یہ ہے کہ ہم جوانی والے جھوٹ ابھی بھی بولیں کہ آپ بہت خوبصورت ہیں، گریس فل ہیں تو اب بڑھاپے میں اس قسم کے جھوٹ تو ہم نہیں بول سکتے۔''

عثمان مسکرا کر بولے تو عاتکہ نے سائڈ ٹیبل سے ان کی دوا اٹھائی ان کے ہاتھ پر رکھی اور پانی کا گلاس تھما دیا۔

'چلیے' آپ جھوٹ نہ بولیے۔ ہم بولے دیتے ہیں کہ آپ تو پہلے سے زیادہ خوبرو اسمارٹ اور گریس فل ہو گئے ہیں۔ کہیے' ہمارا جھوٹ پسند آیا؟'' عاتکہ نے ہنس کر کہا تو عثمان قہقہہ لگا کر ہنس پڑے اور اسی وقت نیلو کلاسز آف کر کے آ گئی۔ ماں باپ کو یوں ہنستا دیکھ کر ایک سکون سا اندر اتر گیا۔

''ماشاءاللہ' ماشاءاللہ۔ کس بات پر ہنسا جا رہا ہے ہمارے بغیر؟''

نیلو دونوں کے درمیان آن کھڑی ہوئی۔

''بھئی بیٹا جھوٹ بولنے کا مقابلہ ہو رہا تھا تو ظاہر ہے آپ کی مما کو ہی جیتنا تھا سو جیت گئیں۔''

عثمان خوش دلی سے ہنس رہے تھے۔ دونوں ماں بیٹی ان کو تندرست اور خوش دیکھ کر دل میں خدا کا

شکرانہ ادا کر رہی تھیں کہ اسی وقت وسو آ گیا۔

''صاحب! وہ...... آئے ہیں...... جو فارغ البال ہیں۔'' وسو نے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے آنے والے کی شناخت کرائی تو نیلو سمجھ کر کھڑی ہو گئی۔

''وسو! تم بہت زیادہ بدتمیز ہو۔ پپا' انکل مبین آئے ہوں گے یہ ان کو فارغ البال ہی کہتا ہے۔''

''تو اور کیا کہوں جی اب گنجا کہنا بھی تو مناسب نہیں لگتا۔''

''اچھا باتیں نہ بناؤ اور ان کو ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ میں آتا ہوں۔''

عثمان نے وسو کو بھیجا اور خود اٹھنے لگے۔ عاتکہ نے نیلو کو دیکھا۔ معنی خیز سی اس نظر کا مطلب نیلو خوب ہی سمجھ گئی تھی اسی لیے کھڑی ہو گئی۔

''پپا! آپ بیٹھیں میں مبین انکل کو یہیں لے آتی ہوں۔'' اور پھر وہ نہ نہ ہی کرتے رہ گئے مگر نیلو مبین صاحب کے پاس پہنچ چکی تھی۔

''آفس کے حالات کچھ بھی ہوں' بزنس لاس میں جا رہا ہو یا نفع کی چوٹی کو چھو رہا ہو۔ انکل آپ پپا کو کچھ نہیں بتائیں گے بس۔ بزنس کا لاس پورا ہو سکتا ہے نہ بھی ہو تو خیر ہے۔ مگر انکل! پپا کی زندگی' ان کی صحت بہت اہم ہے۔ اس لیے آپ ان کو کچھ نہیں بتائیں گے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے بیٹا مگر ذورین میاں کے ماموں نے گھپلے شروع کر رکھے ہیں اور عثمان صاحب کو ساری بات معلوم ہونی چاہیے کہ......''

''تو کرنے دیں انکل! جو کر رہے ہیں۔ ان کا بزنس ہے جو چاہے کریں ہمیں کیا؟''

''نہ بیٹا! ایسی باتیں نہ کرو یہ بزنس' یہ جائیداد صرف ذورین اور عمار میاں کا ہی نہیں آپ کا بھی ہے۔ آپ برابر کی حصے دار ہو اور عثمان صاحب نے تو ان کے بزنس کی ڈوبتی ناؤ کو کامیابی سے ساحل تک پہنچایا تھا۔ ان کا اور آپ کا بزنس الگ ہے مگر یہ شخص عیاری سے سارے بزنس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تو میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں نے اور عثمان صاحب نے اس بزنس کو دن رات دیے ہیں اور اب ایک تھرڈ پرسن کو اس پر آسانی سے ہاتھ صاف کرنے دوں' یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ بچی ہو اور جذباتی ہو رہی ہو۔ آپ کو اندازہ نہیں کہ یہ کتنے خطرناک لوگ ہیں۔ اب اگر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا تو یہ آپ لوگوں کو مکھن کے بال کی طرح نکال پھینکیں گے۔''

مبین صاحب اسے بزنس کے بارے میں اور اس بزنس سے اس کے پپا کی انوالومنٹ بتاتے رہے۔

''ٹھیک ہے انکل! ابھی آپ پپا کو کچھ مت بتایئے پہلے میں اور آپ مل کر دیکھتے ہیں پھر اگر بات قابو میں نہ آئی تو...... لیکن پلیز! ابھی...... ابھی پپا کو کچھ نہیں بتانا' ان کی حالت اچھی نہیں ہے۔

آپ مجھے سب کچھ بتائیں مگر پپا کو نہیں۔" نیلو بری طرح پریشان تھی۔ اس نے عثمان کی رپورٹس بھی ان کو دکھا دیں۔

"ٹھیک ہے بیٹا! دیکھو کیا ہوتا ہے اللہ مالک ہے۔ ابھی میں ان سے مل سکتا ہوں کہ نہیں؟" مبین صاحب کھڑے ہو گئے۔ وہ لڑکی تھی وہ اس کو کیا بتاتے کہ اندر ہی اندر کیا ہو رہا ہے۔

"نہیں انکل! آپ بیٹھیے میں پپا کو بھیجتی ہوں لیکن پلیز......" اس نے پلٹ کر منت بھرے انداز میں کہا۔

"ڈونٹ وری بیٹا! عثمان صاحب کی زندگی اور صحت مجھے بھی بہت عزیز ہے۔"
مبین صاحب نے پریقین لہجے میں کہا تو وہ باہر چلی گئی۔

☆☆☆

"انکل یہ...... یہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟" گاڑی انجانے راستوں انجانی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ماہ ما نے گھبرا کر محسن صاحب کو دیکھا جو سوچوں میں اس قدر الجھے ہوئے تھے کہ ماہ ما کی آواز بھی ان کو اجنبی سی لگی۔ وہ دراصل جو پلان بنا چکے تھے اس پر عمل کرتے ہوئے کچھ گھبرا رہے تھے۔

"ہوں...... ہاں بیٹا! وہ بات یہ ہے کہ میرا ایک دوست ہے اس سے مجھے کام ہے۔ اسی طرف جا رہا ہوں تم گاڑی میں بیٹھنا میں بات کر کے آ جاؤں گا۔ ٹھیک ہے ناں؟" سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز میں محسن صاحب نے کہا اور گاڑی ایک اجنبی سے گھر کے سامنے روک دی اور قبل اس کے کہ وہ کچھ پوچھتی وہ گاڑی کو لاک کر کے اندر جا چکے تھے۔ بالکل اجنبی علاقہ اجنبی گھر۔ وہ واہموں میں گھرنے لگی۔ ابھی تو خود ساختہ غلطی کے جنگل سے پوری طرح نہیں نکل سکی تھی کہ ایک اور موڑ آ گیا تھا۔ اسے مما کی فکر کھائے جا رہی تھی۔

"اف میرے خدا اب نہ جانے کیا ہو گا۔ اے اللہ! میری مدد فرمانا۔ نہ جانے مما کا کیا حال ہو رہا ہو گا۔ کیوں خود غرض ہو گئی تھی میں اتنی کہ اپنی مما کا بھی خیال نہیں کیا۔"

وہ ابھی اسی سوچ میں تھی کہ دو نوجوان چہرے ڈھانپے سامنے آ گئے اور دروازہ کھول کر اسے گھسیٹا تو وہ جو پہلے ہی ایسے حادثے سے گزر کر آئی تھی چیخ پڑی۔

"انکل...... انکل!" وہ چلا رہی تھی مگر انہوں نے اس کی ایک نہیں سنی اور گھسیٹتے ہوئے اندر لے گئے اور ایک کمرے میں بند کر دیا۔

"دروازہ کھولو کون ہو تم لوگ۔ کھولو پلیز انکل! آپ کہاں ہیں دروازہ کھولو۔"
ماہ ما دروازہ پیٹتے ہوئے رونے لگی۔

"میرے خدا یہ کیا ہو گیا۔ ایک آزمائش اور...... میرے خدا! میں تو بہت کمزور ہوں۔ پلیز اللہ میاں جی! میری مدد فرما پلیز!" وہ دروازے سے سر ٹکرا کر روتی رہی۔ باہر کیا ڈراما کھیلا جا رہا تھا وہ قطعی لاعلم تھی۔

"سنو! میں لڑکی چھوڑ کر جا رہا ہوں اس کے ساتھ کسی قسم کی بدتمیزی نہیں ہونی چاہیے۔ میں کچھ دیر میں آؤں گا اور نہ ہی لڑکی کو میرے بارے میں معلوم ہو ٹھیک ہے...... ورنہ اپنا انجام خود جانتے ہو تم لوگ۔"

محسن صاحب نے ماہ ما کے دروازے کو باہر سے لاک کیا اور چابیاں اپنی جیب میں ڈال کر ان دونوں کو دیکھا جو ان کے اس بنگلے کے ملازم تھے اور ان کی اس حرکت کو غلط سمجھتے ہوئے بھی کچھ بول نہیں سکتے تھے۔

"ٹھیک ہے صاحب! آپ کو شکایت نہیں ہو گی۔"

"چلو جاؤ اپنا اپنا کام کرو جا کر اور ہاں...... وہ خیر...... میں خود دیکھ لوں گا۔"

محسن نہ جانے کیا کہنے والے تھے کہ کچھ سوچ کر خاموش ہو گئے اور تیزی سے باہر نکل گئے۔ وہ خود بھی الجھے ہوئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہوں نے اچھا کیا تھا یا برا؟

☆☆☆

"ماہ ما...... ماہ ما! میری گڑیا! میری بیٹی! کہاں ہو میری جان...... ماہ ما!"

عفت کو جب بھی ہوش آیا وہ ماہ ما کو یاد کرتیں۔ ان کی ممتا تڑپ رہی تھی سلگ رہی تھی۔ ان کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ان دیکھی آگ میں جل رہی ہیں اور ان کی حالت دیکھ کر بشریٰ بیگم رو دیتیں۔ ابھی تک وہ شوہر کی نئی سازش سے بے خبر تھیں۔

"ہمت سے کام لو عفت۔ اللہ نے چاہا تو ماہ ما آ جائے گی انشاء اللہ اسے کچھ نہیں ہو گا۔"

بشریٰ اپنی سی کوشش کرتیں ان کو دلاسا دینے کی مگر ان کو کہاں سکون آتا تھا۔

"بشریٰ! بھائی صاحب کو بلا دو پلیز! ان کو بتا دو کہ...... ان کی بیٹی اب میرے پاس نہیں ہے۔ کہیں کھو گئی ہے آ کر ڈھونڈ سکیں تو ڈھونڈ لیں...... ورنہ...... ورنہ...... ہائے میری بیٹی ماہ ماہ......!"

عفت سر پکڑ کر شدت سے رونے لگیں تو بشریٰ اٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گئیں جہاں گم صم ٹونی ان کو مزید پریشان کر رہا تھا۔ بیٹے کو اس حالت میں دیکھ کر وہ کٹ کر رہ جاتیں۔ جب سے ماہ ما نے اسے سمندر میں دھکا دیا تھا اس وقت سے وہ گم صم تھا نہ ڈھنگ سے کھاتا پیتا اور نہ ہی بات کرتا۔

"ٹونی، میری جان! کیا ہو گیا ہے تمہیں کن خیالوں میں گم رہتے ہو تم کیا سوچتے رہتے ہو؟"

بشریٰ نے اس کا اترا ہوا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پیار سے کہا تو وہ خالی خالی نظروں سے ان کو دیکھتا رہا۔

''مما پلیز! مجھے تنہا چھوڑ دیں میں تنہا رہنا چاہتا ہوں۔'' ٹونی نے ان کے ہاتھ جھٹک دیے۔

''کیوں تنہا چھوڑ دوں بیٹا! تم ...... تم میری خوشیوں کا مرکز ہو بیٹا۔ تم زندگی کی طرف آؤ زندگی سے پیار کرو۔'' بشریٰ نے پیار سے اس کے بال سنوارے تو پھیکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آ گئی۔

''زندگی سے پیار کروں زندگی کی طرف آؤں ...... مگر مما زندگی ہے کہاں؟''

وہ مبہم سا سوال بن کران کے سامنے آن کھڑا ہوا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

''مما! ماہ ما کہاں ہے۔ کیوں نہیں مل رہی ہے وہ ...... کہاں چلی گئی ہے وہ ...... مما وہ بہت اچھی لڑکی تھی۔ وہ شہرام کو دیوانگی کی حد تک چاہتی تھی۔ میں کم ظرف ان دونوں کے درمیان آ گیا۔ اور کمینہ پن کی انتہا کر دی۔ اف ...... وہ تصویریں وہ سب ...... مما! کتنا چیپ ہو گیا تھا میں ...... کیوں نہیں روکا آپ نے مجھے؟ مما! اصل میں آپ لوگ مجرم ہیں۔ ہاں' آپ لوگ گناہ گار ہیں۔ جو والدین گناہ یا برائی میں بچوں کا ساتھ دیتے ہیں سرزنش کے بجائے چشم پوشی کرتے ہیں تو اصل مجرم وہی ہوتے ہیں ...... اور سزا ...... سزا اولاد کو ملتی ہے۔ مما' آپ لوگ مجرم ہیں اور میں اس احساس کے ساتھ ہی مرجاؤں گا کہ ...... کہ ......''

اتنے دنوں سے جو ٹونی چپ تھا تو اس کے اندر لاوا پک رہا تھا۔ ماہ ما کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا جس طرح ان کا گھر برباد ہوا تھا اس میں خود کو مجرم سمجھ رہا تھا۔ اس وقت بھی اس نے اپنا برا حال کر لیا تھا اپنے بال نوچ رہا تھا دیواروں سے سر ٹکرا رہا تھا۔ بشریٰ تڑپ اٹھی۔

''ٹونی ...... ٹونی بیٹا! یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے جان!'' بشریٰ نے اسے سنبھالنے کی ناکام کوشش کی۔

''مما! مجھے تنہا چھوڑ دیں' میں ...... میں پاگل ہو گیا ہوں۔ میرا احساس' میرا ضمیر' مجھے جینے نہیں دیتا۔ مما! میں ...... میں جب تک اپنی غلطیوں کا ازالہ نہیں کر لوں گا مجھے چین نہیں آئے گا۔ دو ہنستے بستے دل میری وجہ سے برباد ہو گئے۔ اور مما! آپ لوگ مجھے سپورٹ کرتے رہے گناہ پر میری حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ شہرام اور ماہ ما کے درمیان بدگمانی کا ...... پہاڑ کھڑا کر دیا کہ دونوں ...... اف میرے خدا! مما آپ لوگوں نے کس راستے پر ڈال دیا مجھے ...... کیوں کیا آپ لوگوں نے ایسا۔ جب تک میں ان دونوں سے معافی نہیں مانگوں گا مجھے سکون نہیں آئے گا۔ مما آپ کو کچھ اندازہ نہیں میں کس قدر بے چین ہوں' بے قرار ہوں۔ جرم کا احساس ہر وقت مجھے کچوکے لگاتا رہتا ہے۔ مما' پلیز کچھ کریں ورنہ میں اسی ٹینشن میں مرجاؤں گا۔''

ٹونی قالین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر باقاعدہ رونے لگا تو بشریٰ نے اسے ساتھ لگا لیا۔

''قصور تمہارا نہیں ہے مجرم تو ...... ہم لوگ ہیں بیٹا کہ حرص اور لالچ میں ہم دونوں نے تمہاری معصوم اور پاکیزہ دوستی کو استعمال کیا۔ سارا قصور میرا اور محسن کا تھا بیٹا! حبیب بھائی اور عفت کے مجرم ہیں ہم لوگ۔ ماہ ما ہمارے اس جرم کا شکار ہو کر نہ جانے کہاں چلی گئی ہے۔ خدا اسے اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ تمہارے پپا نہ جانے کیا سوچ بیٹھے ہیں کہ ماہ ما کے تایا اور بھائیوں کو بھی اطلاع نہیں دے رہے جبکہ عفت کا تقاضا بھی ہے کہ اس کے سسرال والوں کو بلایا جائے اور ایسا ہی ہونا چاہیے ان کی بیٹی غائب ہو گئی ہے یہ کوئی معمولی بات تو نہیں مگر تمہارے پپا تو ......''

''مما! کہیں پپا نے ماہ ما کو کڈنیپ ......'' اندر سے اٹھنے والے اس اچانک خدشے پر ٹونی نے ماں کو دیکھا تو کچھ دیر کے لیے وہ بھی چپ سی ہو گئیں مگر پھر سنبھل گئیں۔

''نن ...... نہیں بیٹا' اپنے پپا سے اس حد تک بدگمان نہ ہو۔ وہ سب کچھ کر سکتے ہیں مگر یہ ...... نہیں ٹونی! ایسا سوچنا بھی نہیں۔'' بشریٰ نے ڈولتے دل کے ساتھ شوہر کی گواہی دی تو ٹونی چہرہ صاف کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''رائٹ مما! ایسا نہ ہو تو اچھا ہے لیکن اگر ایسا ہوا تو اچھا نہیں ہو گا۔ مما بہت برا ہو گا۔'' ٹونی بہت بدلا بدلا سا تھا۔ اس کے تیور بہت کڑے' لہجہ سخت اور ارادے خطرناک تھے۔ بشریٰ گھبرا گئیں۔

''ٹونی بیٹا! ایسی باتیں نہیں کرتے وہ ...... تمہارے ماموں کا امریکا سے فون آیا تھا وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ تم نے کیا سوچا ہے؟''

بشریٰ بیگم نے فوراً بات کا رخ موڑا تو وہ گہرا سا سانس لے کر الماری کی طرف بڑھا۔ دراز کھول کر کاغذات دیکھنے لگا۔

''جی میری تیاری بھی مکمل ہے۔ بس ٹکٹ خریدنا ہے۔ ایک بار ماہ ما مل جائے میں اس سے معافی مانگ کر یہاں سے چلا جاؤں گا کبھی نہ آنے کے لیے۔'' ٹونی بہت دکھی ہو رہا تھا۔ ماہ ما کا معصوم چہرہ اس کی نظروں میں رہتا۔ ساتھ ہی شہرام کی شبیہ ابھرتی تو مارے ندامت کے وہ خیالوں ہی میں نادم ہو جاتا۔

''خدا نہ کرے کہ تم نہ آنے کے لیے جاؤ۔ مگر میں یہ چاہتی ہوں کہ تم کچھ عرصے کے لیے اپنے ماموں کے پاس رہو آرام کرو۔ وہ تو تمہیں بہت چاہتے ہیں اور ......''

''مما' پپا آ گئے ہیں اور اپنے کمرے میں آپ کو بلا رہے ہیں؟'' ماریہ نے بتایا۔

''شکر ہے محسن آئے۔ میں تو اتنی فکرمند تھی کہ صبح سے بغیر بتائے گئے ہوئے تھے اور اب لوٹ رہے ہیں رات کے ایک بجے۔ ماریہ تم ٹونی کے ساتھ بیٹھو میں ابھی آتی ہوں۔'' ماریہ کی اطلاع پر بشریٰ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔

''خیریت' آپ نے کہاں سارا دن گزارا۔ نہ فون کیا' نہ ہی بتا کر گئے۔ اتنی فکر لگی ہوئی تھی۔''

بشریٰ نے محسن کو دیکھتے ہی شکوہ جھاڑ دیا تو وہ اٹھ کر ان کے قریب آئے پھر آگے بڑھ کر دروازے کو کنڈی لگائی۔ پردے درست کیے اور بشریٰ کو بیڈ پر بٹھا دیا خود بھی ہونق لگ رہے تھے۔ بشریٰ بھی ہونقوں کی طرح ان کی حالت اور کارروائی دیکھے جا رہی تھی۔

"محسن! کیا بات ہے کیوں بولائے دے رہے ہیں خیریت تو ہے ناں؟"

"ہاں خیریت' بہت بڑی خبر ہے۔ ماہ ما میرے پاس ہے۔" محسن نے گویا دھماکا کیا تو بشریٰ اچھل کر کھڑی ہو گئیں۔ ٹونی کا خدشہ درست ثابت ہوا اور وہ اپنی اس گواہی پر شرمندہ ہو گئیں جو انہوں نے بیٹے کے سامنے دی تھی۔

"اس کا مطلب ہے ٹونی کا خدشہ درست تھا کہ آپ نے ماہ ما کو کڈنیپ کیا ہے؟"

وہ سر سے پیر تک سلگ اٹھیں۔ شدت غم اور غصے سے ان کا چہرہ تپنے لگا۔

"احمق عورت! میں نے اسے پہلے کڈنیپ نہیں کیا تھا بلکہ اب اسے اپنے پاس رکھا ہے۔ وہ بھی ایک مقصد کی خاطر۔"

اور پھر انہوں نے جو سوچا تھا وہ بیگم کو بتا دیا تو وہ مخالفت کی دیوار بن کر کھڑی ہو گئیں۔

"نہیں محسن! میں اب آپ کو ایسی کوئی حرکت نہیں کرنے دوں گی اس لالچ نے ہمیں ہماری ہی نظروں سے گرا دیا ہے۔ ختم کریں محسن یہ سب' اب ہمارا بیٹا سائیکو ہو گیا ہے۔ پلیز' ماہ ما کو واپس لے آئیں۔ پلیز' عفت کی حالت پر رحم کریں۔ اس کی تڑپ مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ پلیز! اتنی بڑی خبر آپ نے چھپا رکھی ہے آپ کو فون کر دینا چاہیے تھا۔ اس کی تڑپتی ممتا کو سکون تو آ جاتا۔ پلیز محسن' ابھی اسی وقت ماہ ما کو لائیں۔"

بشریٰ تو تڑپ اٹھیں ماہ ما کا سن کر۔ مگر محسن جس مقصد کی خاطر قدم اٹھا چکے تھے اسے پورا کیے بغیر اب پیچھے ہٹنا نہیں چاہتے تھے۔

"جذباتی نہ بنو احمق عورت! اب جبکہ ہمیں منزل مل رہی ہے تو تم ملکۂ جذبات بن رہی ہو۔ اپنی زبان بند رکھو یہ بتاؤ ٹونی کہاں ہے؟" محسن نے بشریٰ کو بری طرح ڈانٹ دیا۔

"محسن! میں آپ کو کوئی ایسا ویسا قدم اٹھانے نہیں دوں گی۔ خدا کے لیے آپ ماہ ما کو لے آئیں۔ عفت مر جائے گی اس کے بغیر اور ٹونی بھی اس سے معذرت کرے گا تو اسے بھی سکون آ جائے گا۔ پلیز محسن میری بات مان لیں۔"

بشریٰ منت پر اتر آئی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ ماہ ما جلدی سے آ جائے۔ ایک طرف تو ایک ماں پرسکون ہو جائے اور دوسری بربادی کی طرف بڑھتا ان کا بیٹا سنبھل جاتا جبکہ محسن اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے۔

"بشریٰ! تم سمجھ کیوں نہیں رہی ہو ماہ ما گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی ہے اور ہمارے ہاں ایک لڑکی جب ایک رات باہر گزار آتی ہے تو معاشرہ تو کیا خود گھر والے اسے قبول نہیں کرتے۔"

"آپ نے خود ہی تو بتایا ہے کہ ماہ ما اپنی کسی دوست کے ہاں چلی گئی تھی اور رات بھی وہیں رہی ہے۔"

"ہاں' یہ سچ ہے مگر یہ سچائی ہم افسانے گھڑ کے ذہنوں میں منتقل نہیں کر سکتے۔ اب کوئی اسے قبول نہیں کرے گا سوائے ہمارے۔ ہمارے دوستوں کی بیٹی ہے اور ہماری بھی بیٹی ہے۔ ہمیں اس کا خیال کرنا چاہیے۔ ٹونی اور ماہ ما کا نکاح ہو جائے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" محسن نے اپنے لفظوں کا جال بشریٰ کے چہرے پر پھیلا ہوا محسوس کر لیا تھا' ان کی ہمت بندھ گئی تھی۔

"آپ جو کہہ رہے ہیں' ٹھیک ہے محسن! مگر ٹونی سے ماہ ما نفرت کرتی ہے اور اسی نکاح سے خوف زدہ ہو کر تو وہ گھر سے گئی تھی اور اب پھر...... اور اب تو ٹونی بھی شاید اس بات کے لیے تیار نہ ہو۔"

"کمال کرتی ہو تم' کیوں تیار نہیں ہوگا وہ...... وہ ماہ ما کو چاہتا ہے اور یہ خبر تو اس کے لیے خوشی کی خبر ہوگی اور یوں بھی ہمیں عفت بھابی کے ساتھ ہمدردی ہونی چاہیے۔ دیکھو ناں' اب بے چاری ماہ ما کے ساتھ کون شادی کرے گا۔ ایسی لڑکیاں تو بس ایک گالی بن کر رہ جاتی ہیں جو گھر سے فرار ہو جاتی ہیں۔"

محسن نے چہرے پر ماہ ما کے لیے ہمدردی طاری کر کے کہا تو کچھ دیر کے لیے بشریٰ بھی ان کی سوچ کے آئینے میں ماہ ما کا حال اور مستقبل دیکھنے لگیں۔ واقعی بات تو شوہر کی درست تھی کہ بے چاری ماہ ما کا اب کیا ہوگا؟

"بات تو آپ کی ٹھیک ہے مگر محسن' ٹونی بہت بدل چکا ہے۔ وہ ماہ ما کے ساتھ ہونے والے ان حالات کا ذمے دار خود کو سمجھتا ہے۔ وہ اس سے معافی مانگنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے ضمیر کی خلش کو ختم کرنا چاہتا ہے۔"

"لو' تو اور اس سے اچھا موقع کون سا آئے گا کہ وہ اپنی غلطی کی تلافی بھی کر دے گا اور اس سے معافی بھی مانگ لے گا' دیکھو یہ کار ثواب ہے کہ ایک ایسی لڑکی کو اپنائیں جس کو دوسرے لوگ حقارت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ ٹونی جذباتی ہو رہا ہے میں اس سے بات کروں گا تو سمجھ جائے گا' ڈونٹ وری۔"

محسن صاحب بڑی چالاکی سے اپنے مقاصد کا جال پھیلا رہے تھے' جس میں بشریٰ بیگم تو آسانی سے پھنس گئی تھیں۔ اب وہ ٹونی پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے۔

"ٹھیک ہے محسن' اگر آپ نیک مقاصد کے لیے ایسا سوچ رہے ہیں تو اچھی بات ہے کچھ بھی

کرنے سے پہلے آپ عفت کو یہ تو بتا دیں کہ ماہ ما آپ کے پاس ہے یا مل گئی ہے۔ کم از کم اس کی جان کو تو سکون آئے۔ مجھ سے اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی' پلیز محسن!"

"اوہو' ایک تو تم ان سے زیادہ جذباتی ہو رہی ہو پہلے مجھے کچھ انتظامات کرنے دو ٹونی سے بات کرنے دو پھر بتا دیں گے...... بلکہ لا کر سامنے پیش کر دیں گے۔ اچھا' اب تم جاؤ اور ٹونی کو بھیج دو۔ میں گھر پر بات نہیں کروں گا ہم باہر جا رہے ہیں۔ تم پورچ میں بھیج دو میں گاڑی میں اس کا انتظار کر رہا ہوں۔"

محسن صاحب کافی حد تک اپنی حرکت پر مطمئن ہو چکے تھے۔ بیگم کو شیشے میں اتارنے کے بعد وہ ٹونی کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"پپا ماہ ما کہاں ہے؟ مجھے ابھی اور اسی وقت اس کے پاس لے کر چلیے۔"

ماہ ما کا سن کر ٹونی بے تاب سا ہو کر کھڑا ہو گیا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔

"بہت چاہتے ہو ماہ ما کو اب بھی......؟" انہوں نے جان بوجھ کر اب بھی پر زور دیا تو وہ ان کو دیکھنے لگا۔

"نو پپا! محبت بہت پاکیزہ جذبہ ہے جس کی پاکیزگی اور رفعتوں تک میں کم ظرف آدمی بھلا کیسے پہنچ سکتا ہوں...... مجھے اگر اس سے محبت ہوتی تو میں اس کی عزت کرتا اسے خوشی دیتا...... مگر میں نے تو اس کی جھولی کے تمام پھول ہی نوچ ڈالے اس کی خواہشوں کی قندیلیں بجھا ڈالیں۔ میں بھلا اس سے محبت کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہوں۔ بس آپ مجھے جلدی سے اس کی پاس لے چلیں۔"

ٹونی اس سے ملنے کے لیے اس سے معافی مانگ کر اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے بے چین تھا۔

"اوکے! لے چلوں گا بیٹا یہاں بیٹھو اور مجھے بتاؤ کہ تم اب بھی اس سے شادی کرنا چاہتے ہو؟"

محسن صاحب ٹونی کے اندر تبدیلی کو واضح طور پر محسوس کر رہے تھے۔ ٹونی حیرت سے ان کو دیکھنے لگا۔

"میں...... میں' پپا اس کے قابل کہاں ہوں اور پھر وہ شہرام کو شدت سے چاہتی ہے۔ وہ تو صرف میری وجہ سے ایسا ہو گیا ورنہ وہ اب تک تو شہرام کے ساتھ خوشحال زندگی گزار رہی ہوتی۔ نفرت ہونے لگتی ہے مجھے خود سے جب یہ خیال آتا ہے کہ میں نے دو دلوں کو برباد کیا ہے۔ I hate myself۔" اس نے بیٹھ کر زور سے میز پر مکا مارا۔

"ریلیکس مائی سن' ریلیکس! زندگی اسی کا نام ہے۔ ایسے ہی اپ اینڈ ڈاؤن کا نام زندگی ہے۔ چلو مان لیا کہ تم نے ان دونوں کے ساتھ زیادتی کی ہے مگر اب تم اس کی تلافی بھی تو کر سکتے ہو۔"

"میں سمجھا نہیں پپا!"

"دیکھو بیٹا' جب حالات نارمل ہوتے ہیں ناں تو سب اچھا لگتا ہے۔ کسی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی مگر بیٹا' دوستی کی پہچان تو مشکل وقت میں ہوتی ہے۔ اگر آپ کا دوست ڈوب رہا ہو تو اسے بچانا آپ کا فرض ہے کہ نہیں؟"

"جی پپا' بالکل ہے بلکہ اپنی زندگی کو مشکل میں ڈال کر دوست کی مدد کرنی چاہیے۔"

"تو بیٹا' پھر تم ماہ ما کے ساتھ شادی کر لو۔" انہوں نے بالآخر دھماکا کیا۔

"واٹ! نو پپا! یہ نہیں ہو سکتا۔ She Heates me۔ اور میں...... نو پپا! میں نے اسے بہت دکھ دیے ہیں۔ میں اس کو مزید دکھ نہیں دے سکتا۔ میں صرف اس سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔"

ٹونی اپنے پپا کے مقاصد قطعی نہیں سمجھ رہا تھا جبکہ وہ اس کے شانے پر بندوق رکھ کر بھرپور حملہ کرنا چاہتے تھے ماہ ما پر۔

"ہوں' تو اس کا مطلب ہے کہ تمہیں ماہ ما سے کوئی ہمدردی نہیں تم اسے ڈوبنے سے نہیں بچاؤ گے؟"

"کیا مطلب ہے پپا' آپ کا اس بات سے؟" وہ پریشانی سے بولا تب انہوں نے ماہ ما کی بدنامی اور مظلومیت کی داستان کچھ اس انداز میں سنائی کہ اب وہ اس قابل کہاں رہی کہ کوئی دوسرا آدمی اسے قبول کرے گا۔

"بیٹا اب تو ماہ ما سے شادی تم ہی کو کرنا پڑے گی دوستی ہے تمہاری بھی' ہماری بھی۔ دوست ہی دوست کے کام آتا ہے۔"

محسن نے تو ماہ ما کو بالکل ہی گرا دیا تھا' ٹونی تڑپ اٹھا۔

"دوستی اور محبت میں نہ تو مجبوری ہوتی ہے اور نہ ہی زبردستی ہوتی ہے۔ مان ہوتا ہے' بھرم ہوتا ہے اور اگر واقعی ماہ ما کے ساتھ ایسا ہوا ہے تو پپا میں ماہ ما کے ساتھ شادی ضرور کروں گا...... اور اس کی اتنی عزت کروں گا کہ...... کہ......" ٹونی چشم تصور میں ماہ ما کو منا کر دلہن بنا کر لا رہا تھا۔

"جیتے رہو بیٹا! تم نے میری بھی عزت رکھ لی ہے' میرے مرحوم دوست کے سامنے کہ اس کے بعد اس کی بیٹی ہماری عزت بن کر رہے گی۔" محسن صاحب تو پھولے نہیں سما رہے تھے مارے خوشی کے۔ ان کو تو امید ہی نہیں تھی کہ ٹونی' جو سمندر والے واقعے کے بعد حواسوں ہی میں نہیں تھا اتنا نارمل ہو جائے گا۔

"لیکن پپا! یہ صرف اسی صورت میں ہو گا جب ماہ ما دل سے' خوشی سے میرے ساتھ شادی کے لیے تیار ہو گی تو ورنہ ہرگز نہیں۔" ٹونی نے یہ شرط رکھ کر ان کی خوشی کے کچھ چراغ گل کر دیے۔

"دیکھو بیٹا' جو اس قسم کی لڑکیاں ہوتی ہیں ناں' ایک بار گھر سے فرار ہو کر گھر سے باہر رات گزار آتی ہیں ناں تو ان کی اپنی کوئی پسند' کوئی مرضی باقی نہیں رہتی۔ وہ انتخاب کا حق گنوا بیٹھتی ہیں پھر تو جو راستہ ان کے لیے منتخب کر دیا جاتا ہے چاہے وہ خاردار ہو یا پھولوں سے سجا' ان کو چپ چاپ بغیر اس پر چلنا ہوتا ہے اور ماہ ما نے بھی ایسی ہی حرکت کی ہے' جس کے بعد وہ اپنا وقار کھو بیٹھی ہے سو تمہارا احسان مند ہونا ہوگا کہ تم اسے قبول کر لو گے۔" محسن انتہائی کمینگی پر اترے ہوئے تھے۔

"پپا! پلیز...... ماہ ما کے لیے ایسی بات نہ کریں۔ چلیے پپا! پلیز' اسے گھر لے کر آ جیے وہ ہے کہاں؟"

"وہ...... وہ اپنا بنگلا ہے ناں...... وہاں......"

"کیا پپا! وہ اکیلی وہاں...... ملازموں کے ساتھ...... چلیے پلیز! اسے گھر لے کر آئیے۔ جو کچھ بھی ہوگا اپنے گھر میں ہوگا۔ آنٹی کا تو برا حال ہے اس کے لیے۔ پلیز پپا! چلیے ورنہ میں خود چلا جاتا ہوں۔"

ٹونی جذباتی ہو کر کھڑا ہو گیا تو محسن کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا کہ انہوں نے ماہ ما کا اصل ٹھکانا کیوں بتا دیا۔ وہ تو اسی وقت اس کے پاس جاتا اور ان کا پلان فیل ہو جاتا۔

"زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں بیٹا۔ میرے کچھ مقاصد ہیں جن کے لیے میں یہ سب کر رہا ہوں۔"

غصے میں ان کے منہ سے یہ الفاظ کیا نکلے کہ ٹونی چونک' چونک گیا۔ گڑبڑ کی بدبو تو اسے آ ہی رہی تھی مگر وہ پھر بھی دھوکا کھا گیا۔ اور اس کا یہ شبہ یقین میں بدل گیا کہ ماہ ما کو پپا نے ہی کڈنیپ کیا ہے وہ سلگ اٹھا۔

"کس قسم کے مقاصد ہیں آپ کے پپا' اس قصے سے ماہ ما سے یا......" اس کا انداز جارحانہ تھا۔

"تم...... تم نہیں جانتے ٹونی! ماہ ما سونے کی چڑیا ہے اور میں اسے تمہارے دل میں' گھر میں قید کرنا چاہتا ہوں۔"

محسن نے اسے ایک بار پھر پہلے والا ٹونی سمجھ کر اسے لالچ دلایا۔

"پپا! ماہ ما سونے کی چڑیا ضرور ہے مگر میرا دل اس قابل ہے اور نہ ہی میرا گھر کہ جہاں میں اسے رکھ سکوں۔ میرا دل اور میرا گھر تو بہت گندا میلا ہے اور ماہ ما تو......"

یہ کہہ کر ٹونی چپ ہو گیا تو اچانک ہی وہ پپا کی طرف پلٹا۔

"اینی ہاؤ پپا! مجھے تو ہر حال میں ماہ ما سے شادی کرنی ہے اتنی مشکل سے تو وہ پھنسی ہے۔ ویسے اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟ میرا مطلب ہے سیدھے گھر جائیں گے یا ماہ ما کی طرف۔"

اس نے نہ جانے کیا سوچا تھا کہ ایک دم ہی وہ سب کرنے کو تیار ہو گیا تھا محسن صاحب کھڑے ہو گئے۔

"ابھی ہم گھر چلتے ہیں نکاح وغیرہ کے انتظامات کر کے پھر ماہ ما کی طرف جائیں گے اور نکاح کے بعد گھر لے آئیں گے۔ اور کچھ دنوں میں بہت دھوم دھام سے تمہارا ولیمہ کریں گے اور پھر......؟"

خیالوں ہی خیالوں میں محسن صاحب خود کو حبیب صاحب کی خوبصورت کوٹھی اور جائیداد کا مالک سمجھنے لگے۔ ان کا لالچ ایک واضح تصویر کی طرح ان کے چہرے سے عیاں تھا اور ٹونی اس تصویر کو دیکھ کر کوئی فیصلہ کر چکا تھا۔

"اوکے پپا! آپ تو ولیمے کا پروگرام بنائیں' مما اور ماریہ کو بھی شامل کریں میں ذرا اپنے ایک دوست سے مل کر آتا ہوں۔"

"کون سے دوست سے؟" محسن صاحب کچھ کھٹک سے گئے تو وہ ہنس پڑا۔

"وہ پپا! اب آپ کو کیا بتاؤں کہ میری اس سے شرط لگی تھی کہ میں اسے ماہ ما سے شادی کر کے دکھاؤں گا مگر اس نے کہا تھا کہ تم اس تک نہیں پہنچ سکتے۔ میں آج اسی کے پاس جا رہا ہوں آپ گھر چلیے میں آتا ہوں۔" وہ باپ سے نظریں چراتا ہوا بولا اور آگے بڑھنے لگا مگر محسن نے ہاتھ پکڑ لیا۔

"ٹونی' مجھے فول نہ بناؤ' کیا کرنے اور کہاں جا رہے ہو؟" محسن کو شک ہی نہیں یقین تھا کہ ٹونی کوئی گڑبڑ کرنے والا ہے۔ انہوں نے باقاعدہ اس کا راستہ روک لیا۔

"میں دوست کے پاس جا رہا ہوں پپا کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ آپ گھر جائیں اور نکاح کی تیاری کریں۔"

ٹونی نظریں چراتا ہوا تیزی سے آگے بڑھ گیا تو اس کے تیور محسن کو خوف زدہ کر گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کے پاس جاتے روکتے وہ ٹیکسی رکوا کر جا چکا تھا۔

"یہ خبیث یقیناً کوئی گڑبڑ کرے گا۔ ماہ ما کے پاس جا کر اسے ورغلائے گا اور...... ٹھیک ہے اگر ایسا ہی ہے تو میں ابھی بیگم صاحبہ کو پکڑتا ہوں۔" انہوں نے جو کہانی تیار کی تھی' اس کا اگلا موڑ شاید یہی تھا وہ مختلف قسم کے پروگرام بناتے تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے گھر آ گئے۔

☆☆☆

"میرے خدا! یہ مجھے کن گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔ مجھے معاف فرما دے میرے پروردگار۔ اصل میں کوئی چیٹر نکلے۔ یہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے' اللہ پاک میری مدد فرما دے۔"

ماہ ما کا رو رو کر برا حال ہو رہا تھا۔ اس نے گلاس مار مار کر پورے کمرے کی کھڑکیوں کے شیشے توڑ

ڈالے تھے۔ غصے میں اس نے اپنے ہاتھ بھی زخمی کر لیے تھے اور اب وہ بیڈ پر بے دم سی پڑی تھی کر باہر سے آوازیں آنے لگیں۔

''ٹونی' میاں صاحب ہمیں منع کر کے گئے ہیں کہ کوئی اندر نہیں جائے گا۔''

ملازموں نے ٹونی کو کمرے کی طرف بڑھنے سے روکنا چاہا تو وہ غصے سے ان کی طرف مڑا۔

''تم لوگ کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے...... ہٹ جاؤ پیچھے۔'' ٹونی نے مالی کے بچے کو دھکا دے کر پیچھے کیا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ چابی اس نے لڑکے سے چھین لی۔ ایک چابی محسن صاحب لے گئے تھے۔ ٹونی دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ ماہ ما' جو بھوکی پیاسی زخمی حالت میں بیڈ پر پڑی تھی اب اس میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ آنکھیں کھول کر دیکھے۔ وہ بے حس پڑی تھی ٹونی کا دل کٹ گیا۔ وہ آہستگی سے ماہ ما کی طرف بڑھا۔ اس کے شانے پر آہستگی سے ہاتھ رکھا۔

''ماہ ما!'' ہاتھ کا لمس' آواز کی پہچان اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ چونک کر مڑی۔

''تت...... تت...... تم یہاں کیوں آئے ہو؟ خبردار جو آگے بڑھے...... ٹونی! میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ اگر مجھے ہاتھ لگایا تو...... تو خود کو مارلوں گی...... یو چیٹر! تم لوگ انسان نہیں درندے ہو لیکن اب میں تم لوگوں کو جیتنے نہیں دوں گی۔ میں خود کو ہی ختم کرلوں گی۔''

ماہ ما خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹی گئی اور جھک کر ٹوٹا ہوا گلاس اٹھا کر اپنی گردن پر رکھا تو ٹونی' جس کو اس کی حالت پر رونا آ رہا تھا تڑپ کر وہیں رک گیا کیونکہ اس کا بڑھا ہوا ایک قدم ماہ ما کو کسی بھی جارحانہ اقدام پر اکسا سکتا تھا۔

''ماہ ما پلیز...... پلیز! مجھے غلط نہ سمجھو۔ میں...... میں تمہارا دوست ہوں۔ میرا یقین کرو آج...... میرا دل' میری نظر' میری نیت شفاف آئینے کی طرح ہے۔ پلیز ماہ ما! ایک بار اپنے دوست پر اعتبار کرلو۔''

''شٹ اپ! میں تم جیسے چیٹر کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ دادی جان بالکل درست کہا کرتی تھیں کہ مرد اور عورت کے درمیان رشتہ تو ہو سکتا ہے' دوستی نہیں...... اور میں نے تم سے دوستی کر کے زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی تھی ٹونی...... خبردار جو آگے بڑھے۔ ایک بار مجھے اپنی مما تک جانے دو پھر میں تمہارے چیٹر باپ اور تم کو سمجھ لوں گی۔'' ماہ ما گہرے گہرے سانسوں کے ساتھ رونے بھی جا رہی تھی اور بولے بھی جا رہی تھی۔ ٹونی بے بسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے اس وقت اس پر شدید ترس آ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟

''ماہ ما پلیز! سمجھنے کی کوشش کرو' میں جانتا ہوں کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا ہے' اس کے بعد تمہارا یہ رویہ بالکل درست ہے مگر دیکھو پلیز! غصہ مت کرو۔ میری بات سنو...... ماہ ما میں پہلے والا ٹونی نہیں

ہوں۔ میرا یقین کرو ماہ ما پلیز! اب بھی تمہارے ساتھ دھوکا کیا ہے میرے پپا نے۔ ماہ ما' میں...... ہم سب تمہارے گناہ گار ہیں۔ ماہ ما' میں...... میں بہت بے قرار ہوں بے سکون ہوں۔ میں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ تمہارے پاؤں چھو کر تم سے اپنی بدتمیزیوں کی معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ میرا اعتبار کرو ماہ ما۔''

ٹونی ایک دم اس کے پاؤں پکڑ کر بیٹھ گیا تو وہ چیخ پڑی۔

''خبردار ٹونی! جو مجھے چھوا۔ چلے جاؤ یہاں سے ورنہ میں تمہیں قتل کردوں گی' ماردوں گی۔ چھوڑو......''

وہ خونخوار انداز میں چلائی مگر ٹونی نے اس کے پاؤں پکڑے رکھے۔

''ماہ ما پلیز! مجھے معاف کردو۔ کیا تمہیں اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ میں تمہارے پاؤں پڑ گیا ہوں۔ میرے خلوص کا' سچائی کا یقین کرو ماہ ما! پلیز ایک بار مجھے معاف کردو میں بہت بے سکون ہوں۔ میں ہر وقت جیتا مرتا رہتا ہوں۔ میں نے دشمن بن کر نہیں' دوست بن کر تمہیں برباد کیا ہے۔ پلیز ماہ ما! مجھے ایک بار معاف کردو' پلیز......''

ٹونی کے لہجے کی سچائی' اس کے لفظوں میں ڈھلی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ شفاف پانی سے تر تھا مگر ماہ ما بری طرح بدگمان تھی وہ ٹونی کو کسی صورت معاف کرنے پر تیار نہیں تھی۔

''میں اب تمہاری مکاریوں کا شکار نہیں ہو سکتی ٹونی! ہٹ جاؤ پیچھے ورنہ میں ماردوں گی...... ہٹ جاؤ۔'' ماہ ما پر تو آج واقعی خون سوار تھا۔ وہ اپنے اس مجرم کو کیسے معاف کر دیتی جس نے اس کا گھر اور دل اجاڑ کر رکھ دیا تھا۔ جبکہ ٹونی ہر صورت اس سے معافی مانگ کر ہی ٹلنا چاہتا تھا۔

''ماہ ما پلیز!'' وہ گڑگڑایا۔

''ہٹ جاؤ ٹونی!'' ماہ ما نے غصے سے اسے دھکا دیا اور ٹوٹے ہوئے گلاس کے ساتھ اس پر حملہ آور ہو گئی۔ ٹونی کا چہرہ' بازو' ہاتھ اور شولڈر پر گہرے زخم آئے۔ وہ بے حس و حرکت مار کھاتا رہا۔ ماہ ما بالکل دیوانی ہو گئی تھی۔ ٹونی کو اس تکلیف میں بھی راحت کا احساس ہو رہا تھا۔

''تم ذلیل آدمی ہو' ڈاکو ہو' میری خوشیاں لوٹ لیں تم نے۔ دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔''

ماہ ما جب مارتے مارتے تھک گئی تو اپنے زخمی ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر بیڈ پر گر گئی۔ ٹونی نے جگہ جگہ سے اپنے نکلتے ہوئے خون کو دیکھا پھر ماہ ما کو دیکھا جو بری طرح رو رہی تھی۔ وہ اٹھا اور الماری کی طرف بڑھا اور سب سے اوپر پڑا قرآن پاک لے کر اس کے قریب آ گیا۔

''ماہ ما' میں جانتا ہوں کہ میں تمہارا مجرم ہوں۔ گناہ گار ہوں مگر میں تمہیں یقین دلا رہا ہوں کہ میں اب برا آدمی نہیں رہا۔ ارے وہ برا ٹونی تو اسی روز ڈوب کر مر گیا تھا جب تم نے اس کو سمندر میں

دھکا دیا تھا۔ میری بات پر یقین نہیں ہے ناں تمہیں' ٹھیک ہے ہونا بھی نہیں چاہیے۔ مگر میں خدا اور رسول پاکؐ کے بعد اس قرآن پاک کی قسم کھا کر کہتا ہوں ماہ ما کہ میں بدل گیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت کی روشنی عطا کر دی ہے اور میں خدا اور رسول پاکؐ اور قرآن پاک کے صدقے میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔ پلیز' ان کے صدقے میں مجھے معاف کر دو۔ میں بہت بے قرار ہوں ماہ ما' مجھے معاف کر دو۔ گناہ کا احساس ہر وقت مجھے ڈستا رہتا ہے کہ میں نے تمہاری جیسی پاکردار لڑکی کو گھناؤنے مقصد کے لیے استعمال کیا تمہاری خوشیاں چھین لیں۔ پلیز' مجھے معاف کر دو۔"

ٹونی روئے بھی جا رہا تھا اور آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے قرآن پھر آگے بڑھایا تو وہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی اور کچھ دیر ٹونی کو دیکھتی رہی جو ہدایت کی روشنی میں کھڑا کتنا بدلا ہوا اور مختلف لگ رہا تھا۔ بدگمانی کی ساری دھند چھٹ گئی۔ اس نے جلدی سے قرآن پاک اس کے ہاتھ سے لے کر آنکھوں سے لگا لیا اور پھر قرآن کو بوسہ دینے کے بعد سینے سے لگا کر وہ شدتوں سے رو پڑی۔ کتنی ہی دیر روتی رہی مگر ایک عجیب طرح کا سکون اس کے اندر اتر رہا تھا۔

"ٹونی! یہ تو وہ سرچشمۂ ہدایت ہے جس سے دور ہو کر ہم مسلمان اپنی دینی اور دنیاوی زندگی برباد کر بیٹھتے ہیں۔ ہم کیوں اس روشنی سے دور ہیں۔ گمراہی کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہیں کیوں ہم نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے نہیں تھاما۔ اس لیے تو بربادی کی کھائی میں جا گرے ہیں۔ جاؤ ٹونی' میں نے تمہیں خدا' رسول پاکؐ اور قرآن پاک کے صدقے میں معاف کیا۔ اپنا قتل' اپنی محبت کا قتل اپنی خوشیوں کا قتل معاف کیا۔ جاؤ ٹونی میں نے تمہیں معاف کیا۔"

سینے سے قرآن پاک کو لگائے ماہ ما روئے جا رہی تھی اور بولے جا رہی تھی۔ ٹونی کو لگا جیسے وہ گھور اندھیرے سے چکا چوند روشنی میں آ گیا ہو۔

"تھینک...... تھینک یو ماہ ما! تھینک یو...... میں...... میں...... تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ میں کتنا پرسکون ہو گیا ہوں تھینک یو...... ماہ ما!"

ٹونی اس قدر جذباتی ہو رہا تھا کہ اس سے بات بھی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ وہیں بیڈ کے پاس کارپٹ پر ہی بیٹھ گیا۔ دونوں رو رہے تھے۔ بدگمانیوں کی دھند چھٹ گئی تھی۔ عجیب طرح کا سکون اور اطمینان اندر اتر رہا تھا۔ ایسا سکون' جس کی لذت انہوں نے زندگی میں کبھی محسوس نہیں کی تھی دونوں جانے کب تک اسی کیفیت میں رہتے کہ فون کی بیل ہوئی۔ ایک دو تین بیل کے بعد ٹونی نے چہرہ صاف کیا اور ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو!" اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"اوہ' تو اس کا مطلب ہے کہ میرا شک درست تھا تم وہیں ہو گے...... کوئی بات نہیں بیٹا ہو گا تو

وہی جو میں چاہوں گا۔" دوسری طرف محسن صاحب تھے۔ وہ بھی کچھ سوچ کر واپس گئے تھے اور اب ٹونی کو دھمکی دے رہے تھے۔

"میں یہ کر دوں گا میں وہ کر دوں گا۔ یہ انسان کی اپنی کمزوریوں کے بودے دعوے ہوتے ہیں' ہوتا تو صرف وہ ہے جو خدا کو منظور ہوتا ہے۔ ہم آپ تو وقت کی بساط کے بے جان' بے بس مہرے ہیں اور......"

"شٹ اپ! اس لڑکی کی محبت نے تمہیں پاگل کر دیا ہے لیکن ڈونٹ وری' تم نے جو کرنا تھا کر لیا' اب میں نے جو کرنا ہے' وہ بھی تم دیکھ لینا۔" محسن نے غصے سے فون بند کر دیا تو ٹونی اٹھ کر ماہ ما کے پاس آ گیا جو اب بھی قرآن پاک کو سینے سے لگائے بھیگی پلکوں کے ساتھ نہ جانے کیا سوچ جا رہی تھی' آنکھیں ساکت تھیں' ہونٹ کانپ رہے تھے۔

"ماہ ما! مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" وہ ماہ ما سے ہٹ کر بیٹھ گیا تو وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

☆☆☆

ٹونی نے محسن صاحب کا پلان فیل کر دیا تھا۔ انہوں نے سوچا کچھ تھا اور ہو کچھ اور گیا تھا مگر اپنا مقصد تو وہ اب بھی پورا کر سکتے تھے۔ اس لیے وہ بشریٰ کی نظریں بچا کر عفت کے کمرے میں آ گئے جہاں وہ گم صم خلاؤں میں گھور رہی تھی۔

"کیسی ہیں بھابی! آپ؟" محسن آگے بڑھ کر پوچھ رہے تھے۔ انہوں نے رونا شروع کر دیا۔

"جس بدنصیب ماں کی جوان بیٹی کھو گئی ہو وہ کیسی ہو سکتی ہے بھائی صاحب! کچھ پتا نہیں چلا میری بیٹی...... میری گڑیا کہاں ہے؟ وہ میرے پاس کیوں نہیں آ گئی' میرے دل میں آگ لگی ہوئی ہے۔ ماہ ما آ جاؤ...... میری جان! کہاں ہو تم؟ یا اللہ میں کیا کروں؟" عفت بے بسی سے رو رہی تھیں کہ محسن آگے بڑھے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"ماہ ما مل گئی ہے بھابی!" انہوں نے دھماکا کرنے والے انداز میں کہا تو عفت حیرت اور خوشی سے پھٹی آنکھوں سے اس خبر کی سچائی پر بے یقینی سے یقین کر رہی تھیں۔

"ما...... ما...... ماہ ما مل گئی ہے' کہاں ہے میری بیٹی؟ بھائی صاحب! مجھے ابھی اور اسی وقت اس کے پاس لے چلیے۔ بھائی صاحب پلیز...... میری بیٹی کہاں ہے اس کے پاس لے کر چلیے یا پھر وہ آ گئی ہے...... اور...... اور......"

عفت بری طرح جذباتی ہو رہی تھیں۔

"ہمت سے' حوصلے سے بھابی جان! آپ کی بیٹی جہاں ہے بالکل ٹھیک ہے اور تھوڑی دیر میں

آپ سے مل بھی سکتی ہے مگر......" محسن نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کان کھجائے۔

"مگر...... نہیں بھائی صاحب! اولاد اور ممتا کے درمیان مگر کا پہاڑ کھڑا نہ کریں پلیز...... مجھے لے جائیں۔"

وہ گرتی پڑتی کھڑی ہو گئیں تو انہوں نے ان کو شانوں سے پکڑ کر پھر بیڈ پر بٹھا دیا۔

"مگر کیوں درمیان میں نہ لاؤں بھابی! اسی مگر کی تو قیمت لگائی ہے ان لوگوں نے۔"

"کن...... کن لوگوں نے قیمت لگائی ہے؟ کون ہیں وہ لوگ جو میرے اور میری بیٹی کے درمیان آ گئے ہیں۔ چکا دیجیے ان کی مگر کی قیمت اور مجھے میری بیٹی تک لے جائیے۔ پلیز بھائی صاحب! میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں میری بیٹی......"

عفت نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیے تو محسن کو بھی اس حد تک ترس آ گیا کہ زیادہ دیر اپنے مطالبات چھپا کر ان پر ظلم نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔

"بھابی جان! دراصل ماہ ما بیٹی کچھ غلط قسم کے لوگوں کے پاس ہے یا یوں کہہ لیں کہ اغوا برائے تاوان ہے۔ انہوں نے ہماری بیٹی کی رہائی کی کچھ قیمت رکھی ہے وہ......"

"کچھ...... کچھ قیمت' ارے بھائی صاحب! ان سے کہہ دیں کہ میرا سب کچھ لے لیں میری جان لے لیں مگر...... مگر میری بیٹی میری ماہ ما کو لوٹا دیں۔ پلیز بھائی صاحب! دیر نہ کریں' ان سے کہہ دیں...... میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں کہ میری بیٹی مجھے دے دیں چاہے سب کچھ لے لیں۔" عفت تو بالکل دیوانی سی ہو گئیں۔ تب محسن نے ایک کاغذ نکالا اور ان کے سامنے رکھ دیا' اس پر کیا درج تھا' کیا مطالبات تھے عفت نے کچھ پڑھا نہیں۔

"بھابی جان! اس کاغذ پر دستخط کر دیں۔ چاہے تو پڑھ لیں مگر یہ سوچ کر کہ یہ آپ کی بیٹی کی زندگی اور آزادی کا پروانہ ہے اور ہماری ذرا سی غفلت ماہ ما کو......"

"نہیں...... میں کچھ نہیں جانتی یہ لیجیے...... میں نے دستخط کر دیے اب جلدی سے ماہ ما کو لے آئیے۔ نہیں میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ مجھے ساتھ لے کر چلیے میں اپنی گڑیا کو خود لے کر آؤں گی۔ میری آنکھیں ترس گئی ہیں اس کی صورت دیکھنے کو جلدی کیجیے بھائی صاحب!" عفت بے قراری سے کبھی کھڑی ہوتیں کبھی بیٹھ جاتیں۔

"بھابی جان! آپ آرام کیجیے' وہ خطرناک لوگ ہیں۔ نہ جانے کیا حالات ہوں آپ یہیں پر ہمارا انتظار کیجیے۔ میں ابھی اسے لے آتا ہوں۔" وہ دروازے کی طرف بڑھے۔

"جلدی...... بہت جلدی کیجیے گا بھائی صاحب! ورنہ یہ بے قراری میری جان لے لے گی میری بچی میری بیٹی جلدی آ جا۔ یا اللہ میری بیٹی کی حفاظت فرمانا۔" وہ بے چینی سے دعائیں کر رہی تھیں۔

محسن باہر آ گئے۔

☆☆☆

"اوہ نو' میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ انکل محسن...... اف میرے خدا! ٹونی' مجھے جلدی سے یہاں سے لے چلو۔ مما کا نہ جانے کیا حال ہو رہا ہوگا۔ چلو' ابھی چلو۔" ٹونی نے ماہ ما کو اپنے پپا کے عزائم سے آگاہ کیا تو وہ خوف زدہ ہو کر کھڑی ہو گئی مگر ٹونی نے اسے پھر بٹھا دیا۔

"ابھی نہیں اندھیرے گہرے ہونے دو پھر ہم یہاں سے فرار ہوں گے تاکہ کسی کو خبر ہی نہ ہو اور پپا تو ہمارے نکاح کی تیاریوں میں لگے ہوں گے۔"

ٹونی کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ محسن جس مقصد کے لیے ان دونوں کا نکاح کرنا چاہتے تھے' وہ مقصد نکاح کے بغیر بھی پورا ہو چکا تھا اور اب وہ اس کے نکاح میں دلچسپی بھی نہیں رکھتے تھے۔

"ماہ ما! معلوم ہے' میں زندگی میں اتنا خوش' پرسکون کبھی نہیں ہوا جتنا اب محسوس کر رہا ہوں۔ سوچتا ہوں کہ کاش' میں سب لوگوں کو بتاؤں کہ کسی دوسرے کے لیے اچھا کرنا یا سوچنا اپنے لیے اچھا کرنا ہے۔ اگر آپ دوسرے کے لیے دل میں برائی رکھیں گے تو اس کو کچھ نہیں ہوگا۔ اس کھڈ میں آپ خود گر جائیں گے۔ کاش کوئی کسی کے لیے نہ برا سوچے نہ کرے اور نہ اذیت میں گرفتار ہو۔ معلوم ہے ماہ ما' جب تم نے مجھے پانی میں دھکا دیا تھا ناں' تو میں نے موت کو اتنے قریب سے دیکھا کہ زندگی کا ساحل ڈوب گیا تھا اور اس ایک لمحے کی آگہی میں اللہ تعالیٰ نے مجھے سر سے پیر تک بدل کر رکھ دیا۔ نیکی بدی' اچھائی برائی سب کچھ عیاں ہو گیا۔ میرے سامنے اور اللہ نے مجھے بدل دیا اور یوں موت کے طوفان سے لڑتا ہوا میں زندگی کے کنارے تک آ لگا اور جب اللہ نے شعور دیا تو میں بے چین رہنے لگا۔ تمہارے ساتھ' شہرام کے ساتھ زیادتی کا شدت سے احساس ہونے لگا۔ میں تم دونوں سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔" ٹونی گہرے لہجے میں اسے بتا رہا تھا۔ شہرام کے نام کی ایک ٹیس ماہ ما کے دل میں ابھری تو وہ سسک پڑی۔

"شہرام کا نام نہ لو میرے سامنے۔ اس کی محبت میں تو اتنی بھی گنجائش نہیں تھی کہ سچ کا سامنا کرتا۔"

"ایسا نہ کہو ماہ ما' شہرام جس بات پر اتنا بدگمان ہوا وہ معمولی بات نہیں تھی اور پھر مرد کے دل میں اتنی گنجائش ہی کب ہوتی ہے کہ جس کو وہ ٹوٹ کر چاہے' وہ کسی دوسرے مرد کے ساتھ ایسے پوز بنوا کر تصویر بنوائے اور وہ برداشت کر جائے۔ تو میرا خیال ہے ماہ ما! پپا آ رہے ہیں یہ انہی کی گاڑی کا ہارن ہے۔"

بات کرتے کرتے باہر......

''اب کیا کریں؟'' ماہ ما پریشان ہو گئی کہ اب اس کا نکاح زبردستی ٹونی سے پڑھا دیا جائے گا۔

''ٹونی! کچھ کرو...... میں...... میں تم سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔ میں تم سے نکاح نہیں کرنا چاہتی۔'' ماہ ما بری طرح گھبرا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ سرد ہو رہے تھے۔ چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ نارسائی و کم مائیگی کا احساس ایک ٹیس بن کر ٹونی کے دل میں اترا۔ وہ کبھی بھی ماہ ما کو نہیں پا سکا تھا۔ نہ صیاد بن کر اسے قید کر سکا تھا اور نہ دوست بن کر اس کا طلبگار بن سکا تھا۔

''میں جانتا ہوں ماہ ما! جانتا ہوں ایسا تم نے کبھی نہیں چاہا۔ کسی ایک کے چاہنے سے تو ملن کے چراغ روشن نہیں ہوتے۔ ڈونٹ وری' مجھے معلوم تھا تم ایسا نہیں چاہتی ہو اس لیے تو میں نے یہ سارا ڈراما کیا ہے لیکن سنو ہمارے درمیان اب دوستی کا رابطہ تو رہے گا ناں؟'' ٹونی اس پیاری سی لڑکی سے تعلق اور رابطے کی کوئی نہ کوئی ڈور باندھے رکھنا چاہتا تھا۔ اس سے قطع تعلق نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ماہ ما نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''ہاں اس نئے ٹونی سے میری دوستی میری آخری سانسوں تک مشروط ہے۔''

''تھینک یو ماہ ما! آؤ چلیں ایسا نہ ہو پاپا پکڑ کر ہمیں باندھ دیں۔''

دل کی اس خواہش کو ٹونی نے سختی سے دبایا۔ وہ دوسرے دروازے سے نکل کر کوریڈور میں آ گئے اور اسی وقت قدرت نے ان کا ساتھ یوں دیا کہ بجلی چلی گئی۔ پورا علاقہ تاریکی میں ڈوب گیا۔ وہ دونوں دبے پاؤں گیٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دوسرے گیٹ سے محسن صاحب چوکیدار سے باتیں کرتے آ رہے تھے۔ ماہ ما کا سانس رکنے لگا۔

''ٹونی! اگر انہوں نے دیکھ لیا تو؟'' وہ سرگوشی میں بولی۔

''ڈونٹ وری' میں جانتا ہوں۔ پپا کی آنکھوں میں ٹیوب لائٹ فٹ نہیں ہے سکون سے چلتی رہو۔ رکو' میں گیٹ کی کنڈی کھولتا ہوں۔'' اور جیسے ہی ٹونی نے کنڈی کھولی۔ اس کی اتنی آواز تھی کہ چوکنے چوکیدار کی سماعت تک جا پہنچی' وہ تیزی سے بھاگا۔

''کون...... کون ہے؟'' وہ چلایا پھر ساتھ ہی اس نے فائرنگ شروع کر دی۔

''ٹونی' نہیں ٹونی......!'' ماہ ما کی چیخ خاموش فضا کو چیر گئی۔

☆☆☆

''جھوٹ بولوں تو اپنی گردن کٹا دوں ذورین میاں! عثمان صاحب نے تو سب کچھ اپنی بیٹی کے نام کر رکھا ہے۔ یہ دیکھیں فائلیں بڑی مشکل سے مبین صاحب کی دراز سے چرا کر لایا ہوں۔''

رفیق نے فائلیں جو بغل میں دبائی ہوئی تھیں نکال کر ذورین کے سامنے رکھ دیں تو ذورین جس کو بزنس کی اے بی سی معلوم نہیں تھی' فائلیں دیکھ رہا تھا۔ جن کی رو سے نیلو ہی تمام بزنس اور جائیداد کی

مالک تھی۔ عمار یا ذورین کا کہیں نام تک نہیں تھا۔ وہ کھول اٹھا۔ اس نے رفیق کو دیکھا۔ تو وہ کھسیانی سی چاپلوسی سے ہنسنے لگا۔

''یہ تمام فائلیں تم نے کس طرح حاصل کیں؟'' ذورین کا انداز اور لہجہ خاصا تیکھا تھا۔

''یہ...... یہ حاصل کرنے کے لیے رفیق نے جان جوکھوں میں ڈالی ہے میاں' صرف آپ کی محبت میں اور اکبر صاحب کی وفاداری میں۔ خدا میرا ہی بھلا کرے ایسا کام مجھ جیسے کبرو جوان ہی کر سکتے ہیں۔ کم بخت یہ جملہ کہیں وسو نہ سن لے۔'' بولتے بولتے رفیق نے وسو کے خوف سے دروازے کی جانب دیکھا جہاں سے کوئی سایہ تیزی سے پیچھے ہٹا۔ رفیق کا سانس خشک ہو گیا مگر ذورین اور ہی سوچوں میں تھا۔

''ٹھیک ہے رفیق! تم جاؤ' میں دیکھتا ہوں۔''

''خدا میرا ہی بھلا کرے صاحب! جاتا ہوں' وہ...... اچھا خیر......'' رفیق نے حسب معمول اپنی ٹوپی اتاری' پھونک مار کر پھر سر پر رکھی۔ شانے کا کپڑا جھاڑ کر سائے کا خوف لیے باہر نکل گیا اور ذورین کو پریشان کر گیا۔ اس نے ایک بار نہیں کئی بار فائلوں کو پڑھا۔ ہر لفظ ہر صفحے پر نیلو ہی نظر آ رہی تھی۔ وہ ٹہلتا رہا' سوچتا رہا پھر جب کھڑکی کے قریب آیا تو لان میں نیلو پر نظر پڑی۔ وہ ڈھلتی شام میں اداس سی بیٹھی شام ہی کا حصہ لگ رہی تھی۔ وہ آہستگی سے چلتا ہوا جانے کب اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے بہت قریب' نیلو نے اس کے پیروں سے دیکھنا شروع کیا تو چہرے پر آ کر ٹھہرنے والی نظریں اسے چونکا کر کھڑا ہونے پر مجبور کر گئیں۔ وہ ذورین کو اتنے قریب دیکھ کر جانے لگی تو ذورین نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

''سنو مجھ سے شادی کرو گی؟''

یہ الفاظ تھے کہ جگنو جو نیلو کے اطراف میں رقصاں ہو گئے تھے۔ ذورین کے لہجے کا طلسم نیلو کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھا۔ وہ بچپن ہی سے اس ستم گر کی محبتوں کی اسیر تھی جو چاہت کا پہلا خواب بن کر پلکوں میں اترا تھا۔ وہ جس کی محبت کو اس نے اپنی انا کی فصیل کے پیچھے چھپا لیا تھا' آج خود اس کا طلب گار بنا کھڑا تھا۔ یہ خواب تھا کہ حقیقت' مذاق تھا یا سچائی وہ فیصلہ نہ کر پائی۔ بس اس کے ایک جملے کی مہک میں ڈوبی الفاظ کی چاندنی لیے گہری آنکھوں میں حیرت و بے یقینی کی ڈولتی ناؤ میں ذورین کو دیکھے گئی۔ جس کے مضبوط ہاتھ میں ابھی بھی اس کی نازک سی کلائی ایک لطیف احساس کے ساتھ موجود تھی۔ یہ کون سا احساس تھا جو ہم خیالی کی زنجیر میں دونوں کو جکڑے ہوئے تھا۔ دو مخالف سمتوں میں جانے والی دھڑکنیں احساس کے اس موڑ پر کیوں یکجا ہو گئی تھیں۔ وقت جیسے ٹھہر سا گیا تھا۔ دونوں عجیب کشمکش میں مبتلا تھے۔ ذورین کو خود احساس نہیں تھا کہ یہ بات اس نے کس احساس'

کس خواہش سے مغلوب ہو کر اس سے کہہ ڈالی تھی۔ کیا وہ واقعی نیلو کی محبت میں اتنا بے خود ہو گیا تھا کہ اس حد تک آ گیا تھا۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا اور نیلو جو اس کی نفرتیں سمیٹنے کی عادی تھی آج اس التفات کو اس کرم کو کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی۔ جی تو یہ چاہتا تھا کہ اچانک اتر آنے والے ان لمحات کو اپنے دل میں قید کر لے مگر وہ اتنی کمزور کب تھی کہ اس مغرور و خود سر محبوب کے قدموں میں اپنی رضا ڈال دے۔ اپنی انا تو اسے اپنی جان اور محبت سے زیادہ عزیز تھی۔ اس کے چہرے پر تناؤ سا آ گیا۔ کچھ دیر قبل والی نیلو جس کے چہرے پر ذورین کا جملہ خوشی اور حیا کی قوس قزح بن کر اسے مزید حسین بنا رہا تھا' اب تناؤ اور سختی کی نذر ہو گیا تھا۔ ذورین بھی کچھ چونک سا گیا۔ دونوں ہی خواب کی کیفیت سے باہر آ گئے۔ دونوں نے ایک ساتھ اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ ذورین نے مضبوطی سے نیلو کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ کچھ دیر قبل یہ احساس کتنا خوبصورت اور لطیف تھا اور اب ایک ناگوار احساس بن گیا تھا۔

''مسٹر ذورین! اگر آپ نے یہ جملہ مذاق میں کہا ہے تو انتہائی گھٹیا مذاق ہے جس سے آپ کی سوچ کی پستی کا پتا چلتا ہے۔ اگر آپ سنجیدہ ہیں تو SORRY TO SAY آپ کے ساتھ شادی تو کیا' میں آپ کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی۔ آپ جیسے شخص کے ساتھ میں ایک قدم چلنا بھی اپنی توہین سمجھتی ہوں۔''

نیلو کے لبوں سے نکلنے والے الفاظ ذورین کے اندر دھماکے کرتے چلے گئے۔ نفرت اور غصے کا شدید قسم کا طوفان آیا جو اس کے حواس اڑا لے گیا۔ اس کا اکھڑ دماغ چٹخنے لگا۔

''تم...... تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو؟ ذرا سے مذاق کو اتنا اہم بنا ڈالا ہے تم نے۔ میں اور تم جیسی لڑکی سے شادی کروں گا مائی فٹ۔ اور اگر اندر کہیں کسی ایسی خوش فہمی کو پال رکھا ہے تو اسے ختم کر دو میں تم سے مذاق تو کر سکتا ہوں شادی نہیں ...... آیا عقل شریف میں؟''

ذورین نے غصے میں اتنے زور سے نیلو کا ہاتھ جھٹک کر چھوڑا کہ وہ گرتے گرتے بچی۔ کرسی کا سہارا نہ لیتی تو یقیناً اس کا سر گملے پر جا کر لگتا۔

''ایڈیٹ! تمہاری یہ جرات کہ مجھ سے مذاق کرو میں ...... میں ......'' ذرا حواس بحال ہوئے تو نیلو تیورا کر مڑی توہین کا احساس اسے مار گیا۔ وہ مڑی مگر وہ اس پر ایک حقارت کی نظر ڈالتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ ذلت کا احساس لیے اپنے کمرے میں آ کر بستر پر گر گئی جبکہ ذورین نے اپنے کمرے کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ وہ تو خود حیرت زدہ تھا کہ یہ سب ہوا کیسے۔ اس نے کب ایسا سوچا کب ایسا چاہا۔ اگر یہ خود اختیاری حرکت تھی تو اس کے پیچھے یقیناً کوئی حقیقت تھی تو کیا وہ نیلو جیسی بدتمیز اور خود سر لڑکی کو چاہنے لگا تھا؟

''تو...... تو میں اور اس بدتمیز خود سر لڑکی کو پسند کروں گا' چاہوں گا...... نیور!'' ذورین نے گلاس دیوار پر دے مارا۔ اپنے اندر ابھرتے نہ جانے کس اقرار کی وہ نفی کر رہا تھا۔

''مگر نفرت تھی تو پھر ایسی کیا بات تھی' کون سا جذبہ تھا کہ یوں بے خودی میں جا کر کاسہ تمنا اس کے سامنے رکھ دیا جس کو اس کی لاج رکھنی بھی نہیں آئی۔ کیوں ...... کیوں آخر ایسا کیوں ہوا؟''

ذورین نے کمرے کا حشر کر دیا تھا وہ اس جذبے کی کھوج میں تھا جس کے تحت وہ بے خود سا ہو کر اس کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ جب کوئی کھوج نہ ملا تو غصے میں اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور دھڑ دھڑ دروازے کھولتا ہوا طوفانی انداز میں باہر نکلا اور تیزی سے سیڑھیاں اترا تو سامنے سے آتا ہوا وسو دیوار سے لگ گیا۔

''یا اللہ خیر، لگتا ہے ذورین بھیا کی بریکیں فیل ہو گئی ہیں۔'' اس نے خوف سے آنکھیں موندیں۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' ذورین کی دہاڑ پر وسو نے گھبرا کر اسے دیکھا۔

''جی وہ کچھ نہیں' ذرا بریکیں ٹھیک کر رہا تھا' میرا مطلب ہے......'' وہ گھسیایا۔

''بکومت یہ جگہ ہے بریکیں درست کرنے کی۔ دفع ہو جاؤ اور آئندہ مجھے یہاں کھڑے نظر نہ آنا۔''

''بیٹھا نظر آ جاؤں؟'' وسو نے آہستگی سے کہا تھا مگر ذورین نے سن لیا' تیورا کر مڑا تو وسو نے آنکھیں بند کر لیں۔ ذورین بقیہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تو عاتکہ جو ذورین کا انداز دیکھ چکی تھی اٹھ کر اس کے سامنے آن کھڑی ہوئیں۔ ان کو یقین تھا کہ اس کی اور نیلو کی مڈبھیڑ ہوئی ہے۔

''کیا بات ہے' میرا بیٹا بہت غصے میں ہے؟'' انہوں نے اس کے شانے پر شفقت سے ہاتھ رکھا تو وہ جو غصے میں ابل رہا تھا' ان کی طرف پلٹا۔ عاتکہ کی ممتا اس کے عزائم کو ہر بار توڑ ڈالتی تھی مگر اس وقت وہ بہت غصے میں تھا اس کی انا پر چوٹ لگانے والی اس عورت کی بیٹی تھی۔ مگر جانے کیا بات تھی اس عورت کی محبت میں کہ وہ انتہائی غصے میں بھی لحاظ رکھ لیتا اس وقت بھی اس نے سرد انداز میں ان کا محبت بھرا ہاتھ شانے پر سے ہٹایا اور دو قدم بڑھا کر واپس پلٹا' چاہتا تو چیخنا تھا مگر سرد اور خشک لہجے میں ڈھلے الفاظ عاتکہ کو اندر تک دکھی کر گئے۔

''نہیں ہوں میں آپ کا بیٹا!'' لہجہ اور انداز نہ صرف حوصلہ شکن تھا بلکہ دل کو توڑتا ہوا تھا مگر ممتا اتنی کم حوصلہ کہاں ہوتی ہے۔ وہ پیار سے اس کے سامنے آن کھڑی ہوئیں۔ وہ کتنا ہی اکھڑ اور روڈ کیوں نہ ہوتا مگر ان سے ہمیشہ نرمی سے بات کرتا۔

''اچھا میرے بیٹے نہیں ہو تو کس کے بیٹے ہو۔ ہاں' بولو کس کے بیٹے ہو؟''

وہی نرم پھوار برساتا ممتا بھرا لطیف انداز جس کے سامنے ذورین کا سارا غصہ اور اکھڑ پن ہتھیار ڈال دیا کرتا تھا۔ مگر آج وہ بہت تلخ ہو رہا تھا۔

"میں صرف اپنی مما کا بیٹا ہوں آپ کا نہیں۔" وہ انگارے برساتا ہوا برقی انداز میں مڑا اور طوفانی انداز میں گاڑی کے بریک چرچراتا ہوا گیٹ سے باہر نکلا تو عاتکہ نے کلیجہ تھام لیا۔ انہوں نے اسے جنم نہیں دیا تھا مگر ماں بن کر ہی پالا تھا۔ انہوں نے نیلو اور ان دونوں میں کبھی کوئی فرق محسوس نہیں کیا تھا اور آج ذورین ان سے وہ مان چھین کر لے گیا تھا۔ وہ بمشکل اندر آئیں اور ... گئیں۔ ذورین گاڑی اڑاتا ہوا سیدھا قبرستان پہنچ گیا۔ آج وہ بہت بے حوصلہ ہو رہا تھا۔ وہ اپنی مما کی قبر پر بیٹھ کر کتنی دیر پھوٹ پھوٹ کر روتا رہا۔ اس نے اپنی جنم دینے والی ماں کی ممتا کے لمس کو محسوس تک نہیں کیا تھا۔ ماں کے قرب کو محسوس ہی نہیں کیا تھا مگر پھر بھی ماں تو ماں ہے۔ وہ تڑپ تڑپ کر روتا رہا۔

"مما' آپ اتنی جلدی کیوں چلی گئیں۔ مما دیکھیے تو آپ کا بیٹا کتنا دکھی ہو رہا ہے۔ مما! کون ہے ہمارا اپنا سب غیر ہیں۔ ہم اپنا دکھ کس سے کہیں مما پلیز! بتائیں نا ہم کیا کریں کون ہے ہمارا اپنا؟"

ذورین گھٹنوں میں سر دیے روتا رہا اسی وقت اسے اپنے شانے پر ہاتھ کا لمس محسوس ہوا تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔ شجاع الدین اور رفیق کھڑے تھے۔

"ہم ہیں ناں' تمہارے بیٹا! ماں اور ماموں میں کیا فرق ہوتا ہے۔ بیٹا کیوں اتنے اکیلے ہو رہے ہو۔ میں ہوں نا تمہارا اپنا' تمہارا اپنا خون۔ رفیق! بتاؤ اسے کہ میری بہن مجھے کتنی پیاری تھی؟"

شجاع الدین نے ذورین کو ساتھ لگایا اور رونے لگے جبکہ رفیق' جس نے ذورین کو طوفانی انداز میں جاتے دیکھ کر جھٹ شجاع الدین کو اطلاع دی تھی کہ ذورین کی ہمدردیاں سمیٹنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہ پائے لہٰذا شجاع الدین اور رفیق گاڑی لے کر بھاگے۔

"اب میں کیا بتاؤں صاحب جھوٹ بولوں تو گردن کٹا دوں۔ آپ دونوں کی تو مثالی محبت تھی۔ بیگم صاحبہ تو آپ پر جان دیتی تھیں اور تو اور انہوں نے آپ کی بیٹیوں کو بہو بنانے کا بھی فیصلہ کیا ہوا تھا اور......!" رفیق نے اداکاری کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے قبر پر کھڑے ہو کر روتے ہوئے اتنا مضبوط اور انوکھا جھوٹ بولا کہ شجاع الدین نے مصنوعی آنسوؤں کی آڑ سے رفیق کو داد دیتی نظروں سے دیکھا اور دل میں اس کی مکار ذہانت کی تعریف کی۔ پھر ذورین کی طرف متوجہ ہو گئے جس کے نزدیک ان باتوں کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔

"ذورین بیٹے میری جان' میں ہوں ناں۔ میں ہوں جو تمہاری ماں بھی ہوں' باپ بھی اور ماموں بھی۔ بناوٹی رشتوں کے چنگل سے نکلو بیٹا یہ سب مطلب اور غرض کے رشتے ہیں۔ بیٹا اپنوں کو پہچانو' چلو اب گھر چلو یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے۔ جب تک میں زندہ ہوں تم خود کو تنہا کیوں سمجھتے ہو۔ اللہ مالک ہے چلو شاباش۔"

اور پھر رفیق کا عیاری حربہ کامیاب رہا۔ ذورین جس کو اس وقت جس اپنائیت اور اخلاقی سہارے کی ضرورت تھی وہ شجاع الدین نے بھرپور انداز میں دیا تھا۔ وہ ان کے ساتھ قبرستان سے باہر آ گیا۔

☆☆☆

"آخر آپ کو ہوا کیا ہے؟ کیوں ہلکان ہو رہی ہیں آپ آنٹی! مانتا ہوں کہ میں آپ کا کچھ نہیں' کوئی رشتہ نہیں ہے میرا آپ سے مگر...... مگر پھر کیا وجہ ہے کہ آپ کے آنسو مجھے تڑپا رہے ہیں پلیز مجھے بتائیے۔"

رافع باہر سے آیا تو عاتکہ پر نظر پڑی۔ وہ اس طرح کبھی کمزور نہیں پڑتی تھیں۔ آج کوئی خاص بات تھی اور وہ مسلسل ان سے پوچھے جا رہا تھا اور عاتکہ سوچ رہی تھیں وہ کیا کریں۔ ذورین کی شکایت کریں جو اسے بہت عزیز تھا۔

"کچھ نہیں بیٹا بس یوں ہی۔" عاتکہ نے ٹشو سے چہرہ صاف کیا رافع خفا خفا سا کھڑا ہو گیا۔

"ٹھیک ہے کچھ نہیں ہوا ہو گا۔ ظاہر ہے میں ایک تھرڈ پرسن ہوں' آپ بھلا اپنی خوشی اور غم میں مجھے کیوں شریک کرنے لگیں۔ لیکن آپ کو بتاؤں میں بن ماں باپ کا بچہ تھا جس کو بھی ماں کا پیار کہیں سے نہیں ملا اور ملا تو آپ کی شفقت سے مگر شاید میں ہی اس لائق نہیں کہ ماں جیسا پیار مجھے کہیں سے مل جائے۔ میں ہوں ہی کم نصیب میں چلا جاؤں گا یہاں سے بھی۔" رافع کا سینہ دکھوں نے صدموں سے انسانی غلط رویوں سے چھلنی تھا۔ وہ اپنی آہوں اور سسکیوں کو چھپانے کے لیے مزاح کا لبادہ اوڑھے رکھتا تھا اور اس نے عاتکہ کی ممتا میں پناہ ڈھونڈ لی تھی مگر اس وقت وہ افسردہ سا کھڑا ہو گیا تو عاتکہ کے دل پر چوٹ سی پڑی۔ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"گھر سے چلے جاؤ گے تو کیا ماں کے دل سے بھی چلے جاؤ گے نہیں۔ ماں کے دل سے اولاد کبھی کہیں نہیں جا سکتی۔" اور پھر انہوں نے حزیں دل کے ساتھ اسے وہ باتیں بھی بتا دیں جو اب تک نہیں بتائی تھیں۔

"تو پھر اس بدبخت ذورین کو اور کیا چاہیے کہ ماں جیسی ماں اسے اللہ پاک نے دے دی۔ اس کا دل دکھاتے ہوئے اسے شرم نہیں آئی۔" رافع کو ذورین پر تاؤ آ گیا۔

"نہیں بیٹا! ذورین ہرگز بھی ایسا نہیں تھا کسی سے کوئی اختلاف بھی ہو جاتا تو پھر بھی وہ مجھ سے

ایسی گستاخی بھی نہیں کرتا تھا مگر آج...... آج تو اس نے ماں ہونے کا حق بھی چھین لیا ہے۔"

عاتکہ نے اپنا سارا دکھ دکھی ہو کر رافع کے حوالے کر دیا تو وہ ان کے دونوں ہاتھ تھام کر ان کے قدموں کے قریب کارپٹ پر بیٹھ گیا۔ ان کی داستان کے آئینے میں وہ اور عثمان اسے بہت عظیم نظر آئے جنہوں نے اپنے والدین کی طرف سے معافی مل جانے اور واپس آنے کے اصرار کے باوجود ان دونوں بھائیوں کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

"کتنے خوش نصیب ہیں یہ دونوں بھائی کہ کوئی خونی تعلق نہ ہوتے ہوئے بھی آپ نے ان دونوں کی ماں اور باپ کی کمی کو پورا کیا' ایک میں ہوں کہ سگے ماموں کے ہوتے ہوئے بھی......"

اور پھر اداس لہجے اور بھیگی آواز میں اپنے سارے دکھ بھی ان کی گود میں رکھ دیے تو عاتکہ اپنی گود میں رکھے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کتنی دیر روتی رہیں۔

"ماں بھی کہتے ہو اور اس طرح رو بھی رہے ہو...... میں ہوں ناں تمہاری ماں، بس آج سے تم اپنا ہر دکھ اپنی ماں سے کہو گے۔ بیٹا ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ تمہارے ماموں اتنے عرصے سے ان دونوں سے دور کیوں رہے' کبھی کوئی خیر خبر نہیں لی اور......" عاتکہ نے پیار سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا تو رافع نے اس راز پر سے بھی پردہ اٹھانے دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے عاتکہ کو دیکھا۔ کتنی حلیم اور مہربان خاتون تھیں بالکل اپنی ماؤں جیسی۔

"آنٹی! آج سچ ظاہر ہو ہی جائے کہ......" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کوئی ماں کو بھی آنٹی کہتا ہے بھلا؟"

"او کے مما! میں...... میں اتنی عنایات کا شکریہ کس طرح ادا کروں گا مما کہ...... آپ...... آپ نے میری تشنگی کو......"

"ماں نہ احسان کرتی ہے اور نہ اس کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے چلو اٹھو۔"

عاتکہ نے پیار سے اسے ساتھ لگا لیا تو کتنے ہی آنسو رافع کی آنکھوں سے آزاد ہو کر عاتکہ کے آنچل میں جذب ہو گئے۔

"نہیں اب میں ان لوگوں کو سب کچھ بتا دوں گا اپنی اور ماموں صاحب کی حیثیت' ان کی ریشہ دوانیاں سب کچھ ان کو بتا دوں گا۔ میں ان کے ساتھ کوئی دھوکا نہیں ہونے دوں گا۔"

رافع نے منٹوں میں فیصلہ کر لیا اور عاتکہ سے الگ ہو کر ان کے ہاتھ پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"مما! یہاں بیٹھیے میں آپ سے کچھ راز کی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ یہ جو شجاع الدین صاحب ہیں ناں' یہ میرے تو سگے ماموں ہیں بدقسمتی سے مگر......" رافع کی بات ابھی جاری تھی کہ سامنے سے نیلو کالج جانے کے لیے تیار ہو کر آ گئی۔ ساری رات وہ روتی رہی تھی۔ چہرہ اور آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ رافع پہلی نظر میں دل میں اتر جانے والی اس لڑکی کو دیکھتا رہا' وہ اذیت کے کس خارزار سے گزر کر آئی ہے یہ نہیں جانتا تھا مگر یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی نہ کوئی غیر معمولی بات ضرور ہوئی ہے۔

"ہیلو...... ہیلو ڈاکٹر صاحبہ! یہ آپ کے چہرے پر کس خوشی میں ساڑھے بارہ بج رہے ہیں۔"

اس نے قریب سے گزرتی نیلو کا لٹکا ہوا پرس تھام لیا تو وہ پلٹ کر خاموش نظروں سے دیکھنے لگی۔

"چھوڑو پلیز!" نیلو ذرا بے زاری سے بولی تو رافع عاتکہ کی طرف پلٹا۔

"مما' اجازت ایک عدد فلمی گانے کی۔" عاتکہ اس کی بات پر مسکرانے لگیں تو وہ نیلو کے سامنے آ گیا اور فلمی انداز میں گانے لگا۔

"نہ چھڑا سکو گے بیگ تم' نہ نظر بچا سکو گے نہ چھڑا سکو گے......"

رافع نے لہراتے ہوئے بیگ کھینچا اور نیلو نے بیگ چھوڑ دیا تو رافع اندر آتے وسوے جا ٹکرایا جس کے ہاتھ میں پانی کا جگ تھا۔ دونوں گرے پانی کا جگ رافع کے سر پر لگا اور پانی اس پر گر گیا۔ وہ آنکھیں ٹیڑھی کر کے کارپٹ پر گر گیا اور وسوا اس کی گود میں گر گیا۔ نیلو اور عاتکہ بے ساختہ ہنس پڑیں تو رافع نے سر کو جھٹکا دیا اور دونوں کو شاکی نظر سے دیکھنے لگا پھر کچھ سوچ کر مسکرایا' وسو کو اٹھا کر دور پھینکا اور اٹھ کر ان دونوں کے قریب آ گیا۔

"رافع اپنی حالت دیکھو ذرا آئینے میں۔ بالکل بھیگے ہوئے مرغے لگ رہے ہو۔"

اس طرح ہنستی ہوئی نیلو بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وہ اس کی ہنسی کی جلترنگ میں کھو سا گیا۔

"ابھی اس وقت تو میں مرغی لگنے کو بھی تیار ہوں پھر ایک فلمی گیت ہو جائے۔"

رافع نے شوخی سے نیلو کو دیکھا پھر ایک ہاتھ نیلو کا پکڑا اور ایک عاتکہ کا اور گانے لگا۔

"لو آئی ہونٹوں پر ہنسی چلیے کچھ تو بات بنی۔" وہ دونوں کے ہاتھ تھامے ترنگ میں گنگنا رہا تھا کہ اسی وقت ذورین اندر داخل ہوا تو یوں لگا جیسے سب کچھ تھم گیا ہو۔ ذورین ویسے بھی شجاع الدین اور رفیق کی کمپنی سے آیا تھا' بغاوت اور نفرت کا ایک طوفان لیے ہوئے تو تھا ہی کہ دوسرے اس منظر نے اسے کھولا کر رکھ دیا۔ اس نے قہربار نگاہ رافع اور نیلو کے ہاتھ پر ڈالی' نیلو کے چہرے پر بھی رعونت آ گئی البتہ عاتکہ سنجیدہ ہو کر گہرا سا سانس لے کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"یہ میرا گھر ہے کوئی ہالیووڈ نہیں جہاں آپ لوگ......" مارے غصے کے وہ بات بھی پوری نہ کر سکا۔ اس کے شعلے برساتی نظریں نیلو کو تپا گئیں۔ اس نے بھی "ہو کیئرز" والا تاثر دیا اور ایک طرف کونے میں رکھے ریکٹ اٹھا کے ایک رافع کو دیا اور باہر کی طرف قدم بڑھائے۔

"کم آن رافع! ڈونٹ کیئر۔ چلو آؤ ایک گیم ہو جائے کافی دنوں سے کھیلا ہی نہیں۔"

وہ ذورین اور اس کے وجود اس کی بات کو قطعی نظر انداز کرتی ہوئی آگے بڑھی۔ رافع بھی آگے

بڑھا تو ذورین تلملا کر نیلو کے سامنے اکڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''تم اس طرح مجھے اگنور کر کے کیا ظاہر کرنا چاہتی ہو؟'' وہ دانت پیستے ہوئے بولا تو نیلو کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

''اگنور ہونے کا کمپلکس...... ان ہی لوگوں کو ہوتا ہے جن میں کوئی کمی ہوتی ہے۔ جائیے اور اپنی خامیاں اور کمزوریاں تلاش کیجئے۔ رہی بات میرے ظاہر کرنے کی تو...... اینی وے آؤ رافع! میں فضولیات میں وقت برباد نہیں کیا کرتی...... آؤ۔'' نیلو نے چڑانے والے انداز میں ذورین کو دیکھا اور رافع کو باہر دھکیل کر خود بھی نکل گئی۔

''اسٹوپڈ لڑکی! نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے...... شٹ!'' ذورین نے غصے سے دیوار پر مکا مارا تو ایک ہلکی سی سسکی پر اس نے اپنے قریب کھڑی عاتکہ کو دیکھا جنہوں نے دیوار پر اس جگہ اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا تاکہ اسے تکلیف نہ پہنچے۔ اس نے تڑپ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس نے تو پوری قوت سے مکا مارا تھا عاتکہ کے ہاتھ سے خون رسنے لگا تھا اور آنکھوں سے ضبط کے باوجود آنسو بہہ نکلے تھے۔ ذورین تڑپ اٹھا۔ کچھ بھی تھا وہ عاتکہ کو بہت زیادہ چاہتا تھا۔

ذورین وہ بات بالکل بھول چکا تھا کہ اس نے ان کو کیا کہا تھا' کتنا دکھ دیا تھا۔ اس وقت صرف اپنی مما کا بیٹا بنا ہوا تھا۔

عاتکہ سب کچھ بھول گئیں۔ دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر پیشانی چوم لی۔

''اگر مجھے یہ تکلیف نہ ہوتی تو تمہیں ہوتی' تب بھی مجھے ہی ہوتی۔ مائیں اولاد کی تکلیف کو اپنے دل میں محسوس کرتی ہیں۔ بیٹا اللہ تعالیٰ نے ماں کو بنایا ہی ایسا ہے کہ وہ اولاد کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتی ہے۔ یہ تکلیف خود پر لے کر میں کتنی پرسکون ہوں' تمہیں کیا پتا بیٹا!'' فرط جذبات سے وہ شدت سے رو پڑیں۔ ذورین کے سابقہ رویے نے ان کو توڑ سا دیا تھا اور ان کے آنسوؤں سے ذورین کا میلا دل صاف ہو گیا۔ اس نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ہونٹوں سے لگا لیا۔

''مما...... مما! آپ واقعی بہت اچھی ہیں۔ میں ہی برا ہوں۔'' اور قبل اس کے کہ وہ ان محبتوں سے مغلوب ہوتا اور اپنے کیے پر پچھتاتا اسی وقت رفیق اور شجاع الدین آ گئے۔ رفیق نے ان کو دیکھنے کے بعد شجاع الدین کو دیکھا۔

''جھوٹ بولوں تو گردن کٹا دوں بڑے صاحب! دیکھ لیجئے' ذورین میاں جب کہیں نہیں ہوتے تو بیگم صاحبہ کے پاس ہوتے ہیں۔ دیکھ لیجئے کس طرح محبت جتا رہے ہیں۔ ماں بن کر پالا ہے نا انہوں نے بھی۔''

رفیق نے مکاری سے اپنی چندی آنکھوں سے ذورین کو دیکھا پھر شانے پر سے کپڑا اتارا' ٹوپی

میں پھونک مار کر سر پر رکھا اور کھسیانی سی کھی کھی کرتا ہوا بیڑی کو دونوں ہاتھوں میں مسلنے لگا۔ شجاع الدین کو بھی یہ منظر نہیں بھایا تھا مگر اب وہ ناپسندیدگی کا مظاہرہ کر کے گرنا نہیں چاہتے تھے' چہرے پر نہ جچنے والی سو بری مسکراہٹ کو سجایا اور لاٹھی کو ہاتھوں تلے گھماتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے۔

ہاں بھئی' ٹھیک کہہ رہے ہو رفیق میاں! ماں...... ماں ہی ہوتی ہے۔ جنم دینے والی ہو یا پالنے والی' اور پھر عثمان صاحب اور بھابی تو بہت رحم دل اور سادہ دل ہیں اتنے کہ ان کو اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ کون ان کو کتنی آسانی سے بے وقوف بنا رہا ہے یا بن رہا ہے...... کیوں رفیق میاں' درست کہہ رہا ہوں؟''

''خدا میرا ہی بھلا کرے' آپ جھوٹ بول رہے ہوں تو خدا آپ کو غارت کرے۔ آپ ڈھائی آنے سچ بات کہہ رہے ہیں۔ آپ ہی ان کو کچھ سمجھائیے۔ اب ہم تو کیا بولیں' چھوٹے منہ سے بڑی بات تو نہیں ہو سکتی نا۔''

رفیق عیاری سے مسکراتا ہوا ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ عاتکہ' شجاع الدین کی بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اول تو ایسے وقت میں جب ذورین ان کے قریب تھا' ان کو ان دونوں کا آنا ہی پسند نہیں آیا تھا۔ دوسرے ان کی بات پر وہ ذورین کو دیکھ کر رہ گئیں۔ وہ نظریں چرا رہا تھا۔

''آپ چائے تو پئیں گے بھائی صاحب!'' از راہ اخلاق عاتکہ نے پوچھا۔

''جی ہاں ضرور پئیں گے مگر عثمان صاحب کے ساتھ۔ کہاں ہیں وہ؟ رفیق ذرا ان کو بلاؤ' میں کچھ بزنس میٹران سے ڈسکس کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ملازم بھی بہت موقع پرست ہوتے ہیں موقع ملتے ہی اپنا ہاتھ دکھا جاتے ہیں۔ اب عثمان صاحب آمنے سامنے بیٹھیں تو بات ہو۔''

شجاع الدین نے مکاری سے رفیق کو دیکھا اور قریب کھڑے ذورین کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھا لیا۔

''میں دیکھتی ہوں ان کی طبیعت کچھ خراب تھی۔ اگر سو نہیں گئے تو آ جائیں گے۔''

عاتکہ ساڑھی کا پلو سنبھالتی چلی گئیں۔

''دیکھا بیٹا' اس کو کہتے ہیں جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ کیسے رنگ اڑ گیا تمہاری مما کا۔ موصوف عثمان صاحب تشریف لے آئیں تو بیٹا' تمہارے سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ غضب خدا کا اتنی بے ایمانی' یتیم بچوں کا مال کھانے والوں پر کیا عذاب ہوتا ہے شاید معلوم نہیں ہے ان کو' یہ دیکھو بیٹا!''

در پھر شجاع الدین اپنی مکاری کو فائلوں میں دبائے اس کو کاغذات دکھا رہے تھے جن کے مطابق عثمان سو فیصد مجرم تھے مگر ذورین کا دل نہ جانے کیوں اس ساری بکواس کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں

تھا۔

”نہیں ماموں! عثمان صاحب ایسے آدمی نہیں ہیں۔ یہ یقیناً موقع پرست قسم کے لوگوں کا کام ہے۔“

اس کی بات پر شجاع الدین نے رفیق کو دیکھا اور کہا کہ لوہا ابھی اتنا تپا نہیں کہ اسے اپنی پسند کے شیپ میں ڈھال لیا جائے۔

”ذورین میاں‘ اپنے ماموں کی بات پر تمہیں یقین نہیں آرہا‘ جنہوں نے تمہارے حقوق کے لیے اتنی قربانی دی ہے۔ عثمان جیسے لوگ اتنی صفائی سے کام کرتے ہیں کہ...... بہر حال بیٹا‘ میں نے یہ فائلیں بڑی محنت اور کوشش سے حاصل کی ہیں۔ تم مانو نہ مانو‘ میں عثمان صاحب کو گھر کی راہ دکھا کر رہوں گا‘ حد ہوگئی بھئی!“

شجاع الدین نے کمال ڈھٹائی سے اپنی غلط بات کا دفاع کیا۔

”ذورین میاں‘ شجاع صاحب جھوٹ بولیں تو ان کی قبر میں کیڑے پڑیں۔ ابھی آپ بچے ہیں آپ کو کیا خبر کہ آپ کے ان عثمان صاحب نے کاروبار میں کیا کیا گھپلے کیے ہیں۔ وہ رشید صاحب کو کیوں نکالا تھا‘ آپ کو معلوم ہے؟ کچھ نہیں فلاں مجھ سے پوچھیے میاں آپ کے عثمان صاحب اپنی بیٹی کے لیے اسپتال خرید رہے تھے رشید نے صرف اتنا کہہ دیا کہ صاحب یتیم بچوں کا مال ہے تو جھٹ نکال باہر کیا۔ جھوٹ بولوں تو گردن کٹا دوں خدا میرا ہی بھلا کرے۔“

رفیق نے چندی آنکھوں سے ذورین کو دیکھا جس کے چہرے کے تاثرات رشید کو ملازمت سے نکالے جانے پر بدل گئے تھے۔

”رشید صاحب کو نکال دیا گیا ہے۔ ان کو تو میں نے رکھا تھا کیوں نکالا ہے ان کو...... اور مجھے خبر تک نہیں۔“

ذورین طیش میں آ گیا تو وہ دونوں اپنے منصوبے کی کامیابی کی ابتدا پر مسکرا کر رہ گئے۔

”دیکھ لو بیٹا‘ اسی لیے کہہ رہا تھا کہ بڑا تو یہاں کوئی ہے نہیں۔ تمہیں بزنس کے معاملات میں انوالو ہونا چاہیے۔ اب ایک دوسرے آدمی کو کیا فکر ہو سکتی ہے کہ کاروبار کی ناؤ ڈوبے یا کنارے لگے۔“

اور پھر دونوں باری باری اسے عثمان کے خلاف ایکشن لینے پر مجبور کرتے رہے۔

”اب بیٹا‘ میں مریض آدمی ہوں تم لوگوں کے لیے جان بھی دے سکتا ہوں مگر اس قسم کے سیاسی آدمی سے یعنی کہ حد ہوگئی ایک طرف تو بزنس پر قبضہ کیا ہوا ہے اور دوسری طرف......“

”آپ فکر نہ کریں ماموں جان! اب میں خود سنبھالوں گا۔ رفیق کل سے میں آفس جایا کروں گا اور دیکھتا ہوں اب کون گڑبڑ کرتا ہے؟“ اسی وقت عاتکہ کمرے میں آ گئیں تو ذورین ایک تیز نظر ان پر ڈالتا ہوا باہر نکل گیا اور وہ کچھ دیر قبل والے ذورین کو تلاش کرتی ہوئی آگے بڑھیں۔

”بھائی صاحب! وہ دراصل......“ ابھی عاتکہ کی بات منہ میں تھی کہ شجاع الدین چھڑی پر دباؤ ڈال کر کھڑے ہو کر بولے۔

”چلیے کوئی بات نہیں۔ بہر حال ان کو بتا دیجیے گا معاملہ خاصا گمبھیر ہے۔ اچھا تو ہم چلتے ہیں۔ ان کی طبیعت سنبھلے تو وہ آ جائیں ورنہ میں تو حاضر ہو ہی جاؤں گا۔“ وہ یہ کہتے دروازے سے نکلے تو رفیق بھی کھی کھی کرتا عاتکہ کو دیکھتا باہر نکل گیا اور وہ سوچوں میں گم ہو گئیں اور اس نئے ڈرامے کے بارے میں سوچنے لگیں۔

☆☆☆

”رفیق تم نے جو یہ کام کیا ہے ناں زبردست کیا ہے۔ عثمان صاحب سو فیصد مجرم ہیں اور جب ذورین اور عمار کے سامنے ان کے کارنامے رکھے جائیں گے ناں تو ساری محبتیں اس فریب میں بہہ جائیں گی۔ واہ کیا بات ہے تمہارے دماغ کی‘ میں تو حیران ہوں کہ یہ سب تم نے کہاں سے حاصل کیں۔“ شجاع الدین تو بے حد خوش تھے اس طرح تو وہ بغیر رکاوٹ کے عثمان صاحب کو مجرم قرار دے کر مکھن سے بال کی طرح الگ کر سکتے تھے۔

”شجاع صاحب آم کھائیے آم۔ اور کھائیے اور کھلائیے اور یہ جعلی کاغذات نہیں ہیں یہ وہ کاغذات اور فائلیں ہیں جو بڑی مشکل سے حاصل کی ہیں۔ یہ بتائیں مجھے کیا ملے گا؟“

رفیق نے مکاری سے ہتھیلی پر بیڑی مسلی۔

”ارے تم...... ایک بار اس عثمان کا کانٹا نکل جانے دو۔ نیت بھر تو نہیں البتہ پیٹ ضرور بھر دوں گا۔ لیکن یہ سوچو کہ اگر عثمان مکر گیا کہ اس نے ایسا نہیں کیا تو......؟“

”نہیں عثمان صاحب کو میں ایک عرصے سے جانتا ہوں وہ اپنی بات سے کبھی پھرا نہیں کرتے۔ البتہ حیرت مجھے یہ ہو رہی ہے کہ عثمان صاحب نے ایسا کیا کیوں اور یہ کوئی پرانی بات نہیں نئی ہے۔ آدھی سے زیادہ جائداد وہ اپنے نام کروا چکے ہیں پہلے تو......“

”خیر ہمیں گہرائی میں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ رفیق ان کاغذات کی رو سے تو عثمان صاحب مجرم ہیں۔ اب یہ ہے کہ لڑکے اس بات پر یقین کر لیں کہ...... ایسا نہ ہو کہ پالنے کی محبت ہر سچائی پر غالب آ جائے اور......“ شجاع الدین کو محبت کی سچائی نے خوف زدہ کر دیا تو رفیق نے مکاری سے اپنی ٹوپی اور پھونک والا عمل کیا اور بیڑی کو ہتھیلی پر مسل کر پھر جیب میں رکھ لیا۔ یہ اس کی پرانی عادت تھی۔ یہ اس کے مخصوص انداز تھے جن سے اس کی مکار سوچیں ابھرتی تھیں۔

”خدا میرا ہی بھلا کرے شجاع صاحب‘ رفیق نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔ آخر رفیق کو بھی کچھ

لینا ہے ایک ایسا ہی گھر ایسی گاڑی اور پھر صاحب بن کر زندگی گزارنی ہے مجھے ابھی...... اور آپ تو جانتے ہیں کہ......"

وہ بھی اپنے انداز میں کمی کمی کرنے لگا تو شجاع الدین اندر سے کھول کر رہ گیا مگر ہڈی ڈالنا بھی ضروری تھا منہ بند رکھنے کے لیے۔

"رفیق کبھی تم نے چیونٹے کو دیوار پر چڑھتے ہوئے دیکھا ہے کتنی بار گرتا ہے۔"

"جھوٹ بولوں تو گردن کٹا دوں۔ کبھی کبھی چیونٹا گرتے پڑتے چھت تک پہنچ ہی جاتا ہے اور......"

رفیق مکاری سے ہنسا تو شجاع الدین سلگ اٹھا۔ اسی وقت ذورین اور فضہ اندر آ گئے۔

"ارے ذورین بیٹا آؤ آؤ۔" شجاع الدین دونوں کو دیکھ کر خوش ہوگئے۔ دونوں کہیں باہر جانے کے موڈ میں تھے۔ شجاع الدین کو اور کیا چاہیے تھا۔

"ابو ہم باہر جا رہے ہیں۔ آپ سے اجازت لینے آئے تھے چلے جائیں۔" فضہ نے چاپلوسی سے پوچھا۔

"ہاں ہاں۔ بیٹا کیوں نہیں جاؤ ضرور جاؤ۔ ذرا طبیعت بہل جائے گی ذورین بیٹے کی والدین نہ ہوں تو بچے کس طرح بے اماں ہو جاتے ہیں۔ بیٹا تم اب فکر نہ کرو۔ میں ہوں ناں سب کچھ سنبھال لوں گا۔ جاؤ شاباش۔"

شجاع الدین اپنا بھاری وجود لے کر بمشکل اٹھے اور ذورین کو ساتھ لگایا جعلی آنسو صاف کیے۔ رفیق...... بھی جعلی ہچکی اور سڑ سڑ کرنے لگا۔ شجاع الدین نے اسے ٹھوکا مار کر گھورا کہ اس طرح ان کی ایکٹنگ کی ویلیو ختم ہو جاتی ہے لہٰذا وہ خاموش رہے۔ مگر ذورین کو نہ جانے کیوں یقین نہیں آتا تھا۔ وہ عجیب کیفیت سے دوچار تھا۔

"چلیں ذورین!" فضہ نے ذورین کو دیکھا تو دونوں چلے گئے۔

"ماشاء اللہ چاند سورج کی جوڑی لگ رہی تھی ہے ناں رفیق۔"

شجاع الدین کی آنکھیں دونوں کی شادی کے خیال سے چمک رہی تھیں۔

"جی ہاں کیوں نہیں۔ مگر آپ کو تو پتا ہے کہ یہ شادی بھی رفیق کی......" وہ مکاری سے اپنی اہمیت جتا رہا تھا۔ شجاع الدین کا بس چلتا تو اس کا گلا دبا دیتا مگر ابھی وہ اس سے بگاڑ بھی نہیں سکتے تھے لہٰذا چپ رہے۔

☆☆☆

"کیوں کیا ہوا؟" ذورین گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے باہر نکلا تو فضہ بھی ساتھ ہی نکل گئی۔

"والٹ وغیرہ تو لیا نہیں تم یہیں رکو میں آتا ہوں۔"

ذورین آگے بڑھا تو کسی خیال کے تحت فضہ بھی اس کے پیچھے گئی۔ لاؤنج میں نیلو بیٹھی تھی۔ ذورین نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی۔ نیلو نے اہمیت ہی نہیں دی بے پروائی سے بیٹھی "ٹی وی" دیکھتی رہی۔ فضہ دروازے کی اوٹ میں ہوگئی۔

"تم...... تم اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہو؟" وہ نہ جانے کیوں کس جذبے نفرت یا محبت کے اندرونی احساس کے ساتھ آگے بڑھا۔ وہ کیوں چاہتا تھا کہ وہ اس کی ہر بات کو اہمیت دے۔ اس کے وجود اس کی ناراضگی و خفگی کو اہمیت دے اور وہ تھی کہ اس کا انجان پن اسے راکھ کر جاتا۔ اس وقت بھی اس کی بے نیازی پردہ کھول اٹھا تو نیلو بھی سکون سے ریموٹ کنٹرول ایک طرف رکھ کر کھڑی ہوگئی۔

"میں تو خیر خود کو کچھ بھی نہیں سمجھتی آپ کو میری اتنی پروا کیوں ہے؟"

نیلو کا لہجہ پر اعتماد تھا۔ اس کا انداز ذورین کو راکھ کر گیا وہ سلگ اٹھا۔

"میں اور تمہیں اہمیت دوں گا۔ تمہاری پروا کروں گا مائی فٹ!" وہ دہاڑا۔

"اچھا تو کیا پروا کرنے اور اہمیت دینے کے کچھ اور انداز ہوتے ہیں۔ بلاوجہ مخاطب کرنا ہر حرکت پر نظر رکھنا یہ سب ان کے لیے کیا جاتا ہے جن کی آپ کو بہت پروا ہوتی ہے۔"

نیلو مزید چڑانے والے انداز میں بولی تو کچھ دیر کے لیے ذورین بھی اس کی بات کا قائل ہوگیا۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی وہ اسے کچھ زیادہ ہی اہمیت دینے لگا تھا۔ ہر وقت وہ اسی کے بارے میں سوچتا رہتا اسے اگنور کرنے کے چکر میں مزید اہمیت دے جاتا۔ وہ بے پروا ہوتی اسے اگنور کرتی تب بھی اسے غصہ آتا۔ یہ سب اس بات کا اعتراف ہی تو تھا کہ وہ اسے اہمیت دیتا تھا اسے اس کی بہت پروا تھی مگر وہ اعتراف کرتا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"اونہہ اچھا ہے تم اسی خوش فہمی کی بے کنارہ لہروں میں ڈولتی رہو۔"

"او کے مگر جب میری بے کنارہ خوش فہمی کو کبھی اللہ تعالیٰ یقین کا ساحل نصیب کرے تو مبارک باد دینے ضرور آیئے گا۔" نیلو نے جلانے والی مسکراہٹ سے اسے دیکھا ٹی وی آف کیا اور آگے بڑھ گئی اور ذورین کی انا پر ایک اور چوٹ پڑ گئی۔ وہ جھنجلا گیا جی تو چاہا کہ کوئی چیز اٹھا کر اس کے دے مارے۔ قریب تھا کہ وہ کوئی کارروائی کرتا اسی وقت فضہ اندر آ گئی۔

"ارے ذورین! اتنی دیر لگا دی میں وہیں انتظار کرتے کرتے آ گئی۔"

فضہ اس کے قریب آ کر بولی تو اس وقت ذورین کو وہ بھی زہر لگی۔ انسان کے احساس کی دنیا میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے علاوہ کسی کو برداشت نہیں کر سکتا اور فضہ تو خود اس پر مسلط ہوتی تھی لہٰذا اس کی پسند کی کسی شاہراہ پر قبضہ نہیں تھی۔ مگر اب وہ اسے اگنور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"ہوں ...... ہاں چلو۔" ذورین نے میز پر سے والٹ اٹھایا۔ کھول کر دیکھا تو مطلوبہ رقم نہیں تھی۔ وہ فضہ کی طرف مڑا۔

"تم یہیں رکو میں اپنے کمرے سے ہو کر آتا ہوں۔"

"اچھا لیکن جلدی آجانا۔ یہ نہ ہو کہ یہیں فریز ہو جاؤں۔"

فضہ نے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے کہا اور میگ لے کر بیٹھ گئی۔ کچھ ہی دیر میں فون کی بیل ہوئی اور تو کوئی تھا نہیں اس نے فون ریسیور کیا۔

"ہیلو!"

"ہیلو میں عمار بات کر رہا ہوں۔" دوسری طرف عمار تھا۔ فضہ گھبرا گئی کیونکہ جب بھی عمار کا فون آتا تو ایک تو ذورین کا موڈ بدل جاتا' دوسرے نیلو کی اہمیت بڑھ جاتی۔ اس نے مکاری سے یہاں وہاں دیکھا اور کچھ سوچ کر بولی۔

"ہیلو جی! کون بات کر رہا ہے؟"

"میں نے بتایا ہے کہ میں عمار بات کر رہا ہوں آپ کون ہیں؟"

"میں ...... میں جی ملازمہ ہوں گھر کی۔" اسے اور کچھ نہ سوجھا تو ملازمہ بن گئی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ مما، پپا یا نیلو سے بات کراؤ۔" اب بے چارہ عمار کیا جانے کہ کیا ڈرامہ ہو رہا ہے۔

"وہ جی اس وقت تو گھر پر کوئی بھی نہیں۔" اس نے جھوٹ بولا مکاری سے اطراف پر بھی نظریں دوڑا رہی تھی کہ کوئی آ نہ جائے۔

"کہاں گئے ہیں؟"

"ہم تو ملازم لوگ ہیں صاحب' ہمیں کیا پتا بس سب لوگ گھومنے گئے ہیں۔"

"اور ذورین!" عمار کو معلوم تھا کہ ذورین عثمان سے اس حد تک بدگمان ہو چکا ہے کہ وہ ان کے ساتھ باہر تو کہیں جانے سے رہا۔ ذورین کے ذکر پر فضہ نے گھبرا کر سیڑھیوں کی جانب دیکھا وہ ابھی نہیں آیا تھا۔

"ذورین صاحب تو جی' ان کا تو کچھ پتا نہیں کہاں ہیں۔ وہ تو صبح سے گئے ہوئے ہیں۔"

اس نے کمال مکاری سے اپنے جھوٹے لہجے پر کنٹرول رکھتے ہوئے کہا تو عمار بے چارہ یقین نہ کرتا تو کیا کرتا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں کل پھر فون کروں گا نیلو کو ضرور بتا دینا۔"

"ضرور جی ضرور بتا دوں گی۔ خدا حافظ!" عمار سے پہلے اس نے خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

اسی وقت ذورین آ گیا۔ اس نے اسے ریسیور رکھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"کس کا فون تھا؟" ذورین کے سوال پر وہ گھبرا سی گئی۔

"کسی کا نہیں رانگ نمبر لگ گیا تھا کسی کا۔ کوئی عبدالغنی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ میں نے کہہ دیا یہاں کوئی اس نام کا نہیں۔ نہیں ہے ناں ...... یا ہے؟" وہ انجان بنی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں بھئی چلو اب۔" ذورین نے بے زاری سے کہا اور جب وہ دروازے سے نکل رہا تھا اسی وقت نیلو اپنی کتاب جو اس وقت یہیں چھوڑ گئی تھی لینے آ گئی تو ذورین نے ایک سلگتی نگاہ اس پر ڈالی اور فضہ کا ہاتھ پکڑ کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔

"فضہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اب تمہیں ماموں جان سے مانگ لوں گا۔"

حملہ کرنے والے کو معلوم تھا کہ وہ حملہ کر رہا ہے مگر حملے کی زد میں آنے والی دونوں لڑکیاں بے خبر تھیں۔ ایک کا منہ اچانک خوش خبری پر حیرت و استعجاب سے کھلا رہ گیا۔ آنکھیں پھیل گئیں جبکہ دوسری کے ہاتھ سے کتاب گرتے گرتے بچی کم مائیگی کا احساس آنکھوں میں تیر گیا۔

"ارے ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔ میں آج ہی ماموں جان سے بات کروں گا۔"

ذورین نے جس مقصد کے لیے یہ بات چھیڑی تھی' وہ پورا ہو چکا تھا۔ وہ بڑے جوش سے فضہ سے باتیں کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اور وہ لرزتے ہاتھوں میں کتاب لیے دل میں اٹھتے طوفان کو روکے اس ستمگر کی پشت دیکھتی رہ گئی۔

وقت رخصت وہ چپ رہا عابد
آنکھ میں پھیلتا گیا کاجل

نیلو اپنی خود فراموشی کی کیفیت میں تھی کہ اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ کب رافع آیا اور کب اس نے ٹشو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے شعر پڑھا تو وہ کچھ جھینپ گئی۔

"تم کب آئے؟" اس نے ٹشو سے آنکھوں کے کنارے صاف کیے۔

"یار مجھے نفرت ہے اس سوال سے کب آئے؟ اب تو یہی ہے کہ میں اپنی سن پیدائش دن' وقت لکھ کر اپنے ماتھے پر چپکا لیتا ہوں صرف آپ کی سہولت کے لیے۔ ٹھیک ہے مان لیا کہ دو چار سال بڑا ہوں تم سے۔ اب یہ کیا کہ ...... بابا ہی سمجھ لیا جائے بچے کو۔"

وہ محض فریش کرنے کی غرض سے منہ بنا کر بولا تو نیلو اسے گھورنے لگی۔

"رافع ایک تو تم لڑکیوں کی طرح ایج کانشس بہت ہو ...... میں نے صرف کمرے میں آنے کا پوچھا تھا۔"

"آپ احمق ہیں اول درجے کی۔ معلوم ہے مجھے' لے کر بے چارے مزاح کی ٹانگ توڑ دی۔"

یار قسم سے تم لڑکیاں ماہر ہوتی ہو۔ توڑ پھوڑ میں۔ کبھی ٹانگ توڑ دی، کبھی آنکھ پھوڑ دی اور دل توڑنا تو آپ خواتین کے بائیں پاؤں کا کام ہوتا ہے۔"

رافع نے جوش میں بایاں پاؤں اٹھایا اور توازن برقرار نہ رکھنے پر گر گیا۔

"رافع کب بڑے ہو گے؟" نیلو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تو کھڑا ہو کر وہ اس کے خوبصورت نازک ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیکھ کر رہ گیا۔ دل کے نہاں خانوں سے اس لمحے کے امر ہونے کی دعا نکلی۔

"اب ہاتھ پکڑا ہے تو چھوڑ نہ دینا۔ ہاں ذرا پنکھے پر لٹکا نا بڑی گرمی لگ رہی ہے۔"

رافع نے اپنی نظروں کے تاثر کو ختم کرنے کے لیے کہا تو نیلو نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"تم ان فضولیات میں پڑے ہو اور آج تمہاری فرسٹ کزن نضہ کا رشتہ طے ہو رہا ہے۔"

نیلو کے لہجے میں، انداز میں جانے کیا بات تھی کہ رافع چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"اور یہ حماقت سوائے ذورین کے کوئی نہیں کر سکتا۔ کیوں ٹھیک ہے ناں؟"

رافع بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ نیلو نے چہرہ دوسری جانب کر لیا۔

"ہاں۔" آواز اتنی اندر سے آئی کہ خود نیلو کو بھی سنائی نہیں دی۔

"تو ہمیں تمہیں کیا بھئی اگر ذورین اپنی خوشی سے کھڈے میں چھلانگ لگا رہا ہے تو چلو ایک گم ہی ہو جائے۔" رافع نے ریکٹ اٹھائے تو وہ دل کا درد سمیٹتی آگئی۔

☆☆☆

ابھی تک شجاع الدین اور رفیق کا ڈراما کامیابی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ دو مکار اور عیار ذہنوں کی عدالت میں اس وقت عثمان اور عاتکہ بیٹھے تھے۔

"تو عثمان صاحب آپ اعتراف کرتے ہیں کہ یہ سب جائداد اور بزنس جو ذورین اور حماد کی ملکیت ہے آپ نے اپنے نام کر لیا ہے۔"

شجاع الدین نے مکاری سے ذورین کو دیکھا جس کو اب بھی یقین تھا کہ عثمان ایسا نہیں کر سکتے۔

"ماموں جان میں اس بات کو نہیں مانتا، آپ کوئی اور بات کریں۔"

عثمان اور عاتکہ کی محبت کی جڑیں اتنی گہری تھیں کہ ذورین نے صاف انکار کر دیا تو نیلو نے ممنون سی نگاہ ذورین پر ڈالی۔ کچھ تو تھا نا جو اعتماد کے اس رشتے کو جوڑے ہوئے تھا۔ ذورین کا یہ انکار رفیق اور شجاع الدین کو کھولا کر رکھ گیا۔ دونوں نے مکاری سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ آج اگر ذورین اڑ جاتا تو کہانی ہی ختم ہو جاتی اور اب کلائمکس پر آ کر کہانی فلاپ ہو جائے یہ وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے۔

"ذورین میاں، تم صبر تو کرو ابھی دیکھنا یہ خود اعتراف کریں گے کہ..."

"یہ...... یہ سب جھوٹ ہے انکل، آپ اس قسم کے الزام میرے پپا پر نہیں لگا سکتے۔ میرے پپا ایسا سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہرگز نہیں سوچ سکتے۔" نیلو بے قراری سے بولی۔

"بیٹا جی، اس میں اموشنل ہونے والی کوئی بات نہیں۔ میری عثمان صاحب سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں بڑے اچھے آدمی ہیں آپ کے پپا، انہوں نے ایسا سوچا نہیں ہے کر دیا ہے۔ ذرا پوچھو تو اپنے پپا سے۔"

شجاع الدین نے مکاری سے عثمان کو دیکھا جن کے چہرے پر سکون اور اعتماد تھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھے تھے۔

"پپا آپ...... آپ چپ کیوں ہیں کیوں خاموش ہیں۔ انکار کیوں نہیں کرتے کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ آپ پر الزام ہے سراسر الزام ہے۔" نیلو کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عثمان چپ کیوں ہیں۔

"نیلو درست کہہ رہی ہے انکل! آپ چپ کیوں ہیں۔"

رافع نیلو کی بات کی تائید کرتا ہوا اٹھا تو ذورین اس سے پہلے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میرا خیال ہے نیلو اپنے پپا سے خود اگلوا لے گی۔ کسی اور کو کوشش کرنے کی ضرورت نہیں اور یوں بھی رافع تمہارا ہمارے معاملے میں بولنے کا حق نہیں بنتا۔"

ذورین خاصا بد لحاظ بن گیا۔ اس وقت شدید ذہنی دباؤ میں تھا۔

"آج اگر میں زبان کھول دوں تو حقوق اور رشتوں کا یہ ڈراما آج ہی اختتام تک پہنچ جائے گا لیکن......" رافع کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے ماموں کا پول کھول کر رکھ دے اور اس بات کا خوف شجاع الدین، رفیق اور نضہ کو ہو لا گیا۔

"ذورین، درست کہہ رہا ہے۔ تم چپ رہو عثمان صاحب اگر سچے ہیں تو کیوں چپ ہیں۔ بولیں نا یہ یتیم بچوں کے حقوق کا معاملہ ہے۔ بولیں جواب دیں خاموش کیوں ہیں؟"

شجاع الدین نے رافع کا بازو دبایا۔ رافع ان کی کسی دھمکی میں آنے والا نہیں تھا مگر وہ کچھ سوچ کر چپ ہو گیا۔

"پپا، آپ پر اتنا بڑا الزام لگ رہا ہے تو خاموش کیوں ہیں۔ آخر بتاتے کیوں نہیں کہ سچائی کیا ہے؟ کیا واقعی......؟" نیلو نے بے چین ہو کر عثمان کو ایک طرح سے جھنجوڑ کر رکھ دیا تو انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا۔ وہ اپنے باپ کا سر سچائی سے بلند دیکھنا چاہتی تھی، ندامت سے جھکا ہوا نہیں۔

"ہاں میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھ پر جو الزام لگایا گیا ہے وہ درست ہے۔ یہ شجاع صاحب، رفیق اور یہ فائلیں جو کہہ رہی ہیں وہ درست ہے۔ میں نے یہ سب کچھ دانستہ طور پر اپنے نام کروایا ہے۔"

عثمان صاحب کے اقبالی بیان نے کمرے میں موجود لوگوں پر سکتہ سا طاری کر دیا۔ رافع نیلو کو دیکھ رہا تھا جو اس اعتراف پر بے یقینی سے عثمان کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔

"نہیں نہیں پپا! پلیز کہہ دیں کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ جھوٹ ہے یہ سب۔ ورنہ آپ...... آپ ایسا کوئی کام نہیں کر سکتے جو دھوکے فریب کے زمرے میں آتا ہو...... نہیں پپا کہہ دیں کہ یہ جھوٹ ہے۔"

نیلو پاگلوں کی طرح روتی روتی بے ہوش ہو کر عاتکہ کی گود میں گر گئی۔ عثمان صاحب باہر نکل گئے۔ شجاع الدین اور رفیق نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ تو کسی جعلی ڈرامے کے ذریعے عثمان کا پتا کاٹنا چاہتے تھے مگر عثمان حقیقتاً مجرم ثابت ہو گئے تھے۔ اس سے بڑھ کر ان کو اور کیا چاہیے تھا۔ رافع کو شدید صدمہ پہنچا تھا۔ وہ بھی خاموشی سے باہر نکل گیا۔ جبکہ ذورین کی عجیب حالت تھی۔ عثمان صاحب پر اسے ابھی بھی یقین تھا کہ...... وہ کوئی ایسا کام نہیں کر سکتے۔ اسے غصے سے زیادہ صدمہ ہو رہا تھا۔ والدین کی طرح محبت کرنے والے چاہنے والے بھی دھوکے باز نکلے تھے۔ اس نے دکھ سے عاتکہ کو دیکھا جو نیلو کو ہوش میں لا رہی تھیں۔

"دیکھ لو بیٹا میرا فرض تھا تمہیں حالات سے آگاہ کر دینا اب تم خود فیصلہ کر لو۔"

باہر نکل کر شجاع الدین نے دل میں اپنی کامیابی کا جشن مناتے ہوئے ذورین کو دیکھا جس کو ابھی بھی کسی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کی تو عجیب حالت ہو رہی تھی۔

"جی میں عمار بھیا کو بلاتا ہوں پھر مل کر فیصلہ کرتے ہیں کہ کیا کرنا ہے؟"

ذورین نے ایک طرح سے جان چھڑائی اس وقت وہ صرف تنہائی چاہتا تھا۔ کوئی معمولی بات نہیں ہوئی تھی اور حیرت ناک بات یہ تھی کہ ذورین کو اس سارے شاک میں جائداد اور دولت کا کوئی افسوس یا صدمہ نہیں تھا۔ اسے صدمہ یہ ہو رہا تھا کہ عثمان ایسا نہیں کر سکتے۔ اسے...... اعتماد کے ٹوٹ جانے کا دکھ ہو رہا تھا۔

"خدا میری ہی بھلا کرے ذورین میاں' عمار میاں کا اب کس بات کا انتظار' نکال باہر کرو اس فراڈ بندے کو توبہ توبہ...... کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اوپر سے اتنا نیک اور شریف نظر آنے والا آدمی ایسا ہو گا' توبہ!"

رفیق جلتی پر تیل ڈالنے کا ہنر تو خوب جانتا تھا اور پھر دونوں نے ذورین کو اس طرح گھیرا کہ وہ عثمان صاحب کو فیملی سمیت گھر سے باہر نکالنے پر تیار ہو گیا اور یہ رفیق اور شجاع الدین کے مقاصد کا اہم حصہ تھا۔

"آپ دونوں نے جو ہمیں والدین کی طرح پالا پوسا' چاہا جو بھی کچھ کیا اس کے صلے میں——

میں یہ کر سکتا ہوں کہ آپ لوگوں سے باعزت طور پر گھر چھوڑ دینے کو کہہ رہا ہوں ورنہ...... فراڈ کیس میں آپ جیل بھی جا سکتے ہیں۔ اور ایسا ہو گا بھی...... لیکن فی الحال پلیز میرے گھر سے چلے جائیں۔ پلیز! جس طرح ہماری زندگی میں' اس گھر میں آئے تھے اسی طرح نکل جائیں پلیز! میں اتنی ہی ہمدردی کر سکتا ہوں۔"

ذورین نے سرد مگر تلخ لہجے میں کہا اور نیلو کو گھورتا ہوا آگے بڑھا جس کی کیفیت اس سے مختلف نہیں تھی۔ وہ خود بھی پپا سے سخت خفا تھی۔ ذورین جاتے جاتے پھر پلٹ کر عثمان اور عاتکہ کو دیکھنے لگا۔ یہ دونوں بھی کیا چیز تھے اور آج کس حیثیت میں اس کے سامنے تھے دونوں خاموش تھے۔

"مجھے انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ تمام ثبوت ملنے کے باوجود بھی مجھے یقین نہیں کہ آپ نے یہ سب کیا ہے...... اینی وے اب آپ میرے گھر سے تشریف لے جایئے پلیز!"

ذورین نے بڑی مشکل سے ضبط کیا اس کی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ وہ اس وقت جذباتی ہو رہا تھا اور اسے اپنی اس کیفیت کی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ ان لوگوں سے اتنی محبت کرتا ہے ان پر اتنا اعتماد کرتا ہے کہ ثبوت مل جانے کے بعد بھی وہ ان سے بدگمان نہیں ہوا تھا اور اس کا یہ اعتماد عاتکہ اور عثمان کو متحیر کر گیا تھا۔ ذورین کے بعد نیلو بھی جانے لگی تو عثمان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ذورین میری سگی اولاد نہیں پھر اسے مجھ پر ابھی بھی اعتماد ہے بیٹا تم میری اپنی سگی اولاد ہو اور بدگمانی کی دھند میں کھڑی ہو۔"

عثمان صاحب جو تین روز سے خاموش تھے اتنا کچھ سن کر برداشت کر رہے تھے۔ نیلو کو ساتھ لگا کر تڑپ کر رو دیے۔

"پپا میں...... میں آپ سے بدگمان نہیں ہوں مگر آپ بتا کیوں نہیں دیتے یہ سب کیا ہے؟"

"میں وعدہ توڑنا تو نہیں چاہتا تھا بیٹا مگر......" اور پھر انہوں نے ساری بات اسے بتا دی۔

"تو پپا آپ...... آپ اپنے سر پر یہ سارے الزام کیوں لے رہے ہیں۔ آپ بتائیں ذورین کو تائی' سب کو بتائیں۔ میں آپ پر ایسا کوئی الزام برداشت نہیں کر سکتی پلیز پپا!"

"بیٹا ضد نہیں کرتے۔ منع تو تمہیں بتانے سے بھی کیا گیا تھا مگر میں اپنی اولاد کو خود سے بدظن نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اب خاموش رہو اور تیاری کرو۔ اب ہم اپنے فلیٹ میں رہیں گے۔"

"پپا اور جو ذورین آپ سے بدگمان ہے؟" نیلو کو یہی تو فکر تھی کہ ذورین پپا سے بدگمان نہ ہو۔ وہ اس کے دل میں اپنی حیثیت کو مانے نہ مانے مگر وہ تو اسے اہمیت دیتی تھی۔

"ڈونٹ وری بیٹا! سب ٹھیک ہو جائے گا...... لیکن ابھی تم نے خاموش رہنا ہے کسی سے کچھ نہیں کہنا۔ میں صرف تمہیں بدگمان نہیں دیکھ سکتا تھا اس لیے بتانا پڑا ورنہ...... خیر......"

☆☆☆

عثمان صاحب اور عاتکہ اس گھر سے جا رہے تھے تو ماضی کی بے شمار یادوں نے جیسے دامن تھام لیا تھا۔ وہ کن حالات میں یہاں آئے تھے شرفو بابا کے کوارٹر میں اور پھر دو بچوں کو انہوں نے سب کچھ سمجھ لیا۔ پوری محبت اور دیانت داری سے انہوں نے بچوں کو پالا تربیت کی بزنس سنبھالا اپنے والدین کی طرف سے معافی مل جانے کے باوجود ان لڑکوں کو چھوڑ کر نہیں گئے اور آج ذورین نے خود نکل جانے کو کہا تھا۔ وہ لوگ تیار ہو کر گاڑی میں بیٹھ رہے تھے کہ دسو اور شانو بھی آ گئے۔

''ابے تو کہاں جا رہا ہے؟'' رفیق نے دسو کا بازو پکڑا۔

''فکر نہ کرو خالو تمہیں قبر میں اتارنے آ جاؤں گا۔''

''جا رہا ہے تو اس بڑھی کھوسٹ کو بھی لیتا جا میں دوسری شادی کرنے والا ہوں۔''

رفیق اور شجاع الدین نے جو ڈراما تیار کیا تھا اس کے تحت رفیق کو بہت کچھ ملنے کی امید تھی اور یہ طے تھا کہ ذرا صاحب حیثیت ہو کر پہلا کام وہ دوسری شادی والا کرتا اور یہ خواب شجاع الدین اسے دکھا چکے تھے۔ رفیق کی بات پر دسو جو پک اپ پر سامان رکھوا رہا تھا اور اتنے دنوں سے رفیق کی چال بازیاں بھی برداشت کر رہا تھا اس نے رفیق کے پیروں پر چھلانگ لگا دی اور رفیق اسی طرح ہائے ہائے کرتا۔

''ارے کمبخت سارا اپنی خالہ پر گیا ہے۔ مار کر ہی دم لے گا۔ ابھی تو میرے کھیلنے کودنے کے دن آئے ہیں۔''

رفیق نے اس کا سہارا لے کر اٹھنا چاہا تو وہ کھسک گیا۔ وہ پھر گر گیا تو اس کی جیب سے بیڑی نکالی اور تمبا کو ناک میں اچھال دیا۔ تو رفیق دیوانہ وار چھینکنے لگا۔

''خالو جان' آپ کے کھیل کے ختم ہونے کے دن آ گئے ہیں' آؤ شانو۔''

دسو نے رفیق کو چھینکنے کے شغل میں مصروف کیا اور خود آگے بڑھ گیا۔ وہ جا رہے تھے۔ ذورین کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ عجیب سی بے چینی اور بے قراری تھی۔ نہ جانے کیوں جی چاہ رہا تھا کہ آگے بڑھ کر ان کو روک لے۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا جہاں سے پورچ صاف نظر آ رہا تھا۔ عاتکہ نے بھی اسی وقت اوپر دیکھا۔ ذورین جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ عاتکہ کی محبت اس کی کمزوری تھی۔ اس کا جی چاہا ابھی جا کر ان کو روک لے اس نے بمشکل خود کو روکا۔

''ہمیں بھی ہمراہ لے لو قافلے والو۔ مما! بڑی سنگدل ہیں آپ کہ بیٹے کو چھوڑ کر جا رہی ہیں۔''

رافع جلدی سے عاتکہ کی طرف بڑھا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

''بیٹا میں چھوڑ کر نہیں جا رہی' مجھے تو چھوڑ دینے پر مجبور کیا جا رہا ہے اور جو کام مجبوراً کیے جائیں وہ......'' عاتکہ نے بمشکل آنسوؤں کو پیا۔ ذورین کی کیفیت کو وہ بخوبی سمجھ رہی تھیں مگر ابھی وہ کچھ کہہ کر اپنی بات گنوانا نہیں چاہتی تھیں۔ اس لیے چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئیں۔

''یہ کیا بات ہوئی مما! آپ نیلو کو تو ساتھ لے کر جا رہی ہیں اور مجھے نہیں۔ مائیں بیٹوں کی پیدائش پر زیادہ خوش ہوتی ہیں اور محبت زیادہ بیٹیوں سے کرتی ہیں' میں بھی جاؤں گا......بس۔''

وہ اپنے انداز میں بولتا ہوا عاتکہ کے ساتھ پیچھے بیٹھ گیا تو نیلو پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔

''رافع میرا خیال ہے تمہیں نہیں جانا چاہیے ہمارے ساتھ۔''

''مس ڈرائیور آپ گاڑی چلایے۔ آپ کے خیال سے مسافر متفق نہیں۔''

رافع نے دونوں ہاتھوں سے نیلو کا سر آگے کرتے ہوئے کہا۔

''رافع تمہارا سب کچھ تو یہیں ہے۔ میرا مطلب ہے کہ......''

نیلو کی بات پر رافع نے ایک گہرا سانس لیا۔

''تمہیں کیا خبر میرا سب کچھ کہاں ہے؟ چلو گاڑی چلاؤ۔ وہاں انکل انتظار کر رہے ہوں گے۔''

رافع نے آواز اور بات کی گہرائی کو محسوس کیا تو پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ اسی وقت ذورین بھی آ گیا۔

''مما آپ آگے آ جایئے اس رافع کے بچے نے تو مجھے واقعی ڈرائیور بنا دیا ہے۔''

نیلو نے سائڈ مرر سے ذورین کو دیکھا۔

''نہیں بیٹا' میں بیٹھ گئی ہوں۔ جاؤ رافع تم بیٹھ جاؤ۔''

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں رافع جلدی سے باہر نکلا اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ذورین سلگ کر رہ گیا۔ اسے نیلو کے ساتھ رافع کا بات کرنا قطعی پسند نہیں تھا اور اس ''نہیں'' کی وجہ کو وہ سمجھ نہیں سکتا تھا۔

''چلیں!'' رافع جلدی سے یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ اسے ذورین کے تیور کڑے لگ رہے تھے۔ نیلو نے گلاسز لگائے اور گلاسز کی نیلی ٹھنڈی روشنی میں سلگتا ہوا ذورین اتر گیا۔ اس شخص سے اس نے جانے کیا سے کیا کچھ وابستہ کر ڈالا تھا کہ انتہائی ناروا رویے کے باوجود وہ اندر ہی اندر کہیں موجود تھا۔ مگر وہ اپنے احساس یا جذبوں کی اتنی غلام بھی نہیں تھی۔ اس نے اٹھتی ٹیسوں کو دبایا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے۔ ...ی۔ گیٹ کھلا تھا۔ اس نے ذرا اسپیڈ بڑھائی تو ذورین نے ایک دم سے گیٹ کو پاؤں مارا اور گیٹ بند ہو گیا۔ نیلو ایک دم بوکھلا گئی۔ بریک لگاتے لگاتے بھی گاڑی بند گیٹ سے جا ٹکرائی اور نیلو کا سر اسٹیئرنگ سے جا ٹکرایا۔ رافع کا سر اسکرین سے جا لگا۔ عاتکہ اچھل کر رہ گئیں۔

''یا اللہ اس لڑکے کو کیا ہو گیا ہے۔ یا اللہ اس لڑکے کو اپنی امان میں رکھنا۔ بہت غلط لوگوں میں

پھنس گیا ہے۔ میرا نازوں کا پلا بیٹا۔" عاتکہ جانتی تھیں کہ ذورین جب بھی ذہنی طور پر اپ سیٹ ہوتا ہے تو اسی انداز میں ری ایکٹ کرتا جبکہ رافع اور نیلو کو شدید غصہ آ گیا تھا اس پر۔ مگر دونوں ضبط کر کے رہ گئے۔ رافع اترا گیٹ کھولا تو نیلو نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی ہی تھی کہ ذورین پھر آگے بڑھا اور عاتکہ والی سائیڈ پر ان کے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ نیلو کو پھر بریک لگانے پڑے۔

"آپ...... آپ نہ جائیں پلیز...... نہ جائیں مما!"

اس کے ٹوٹے لہجے میں ڈھلے الفاظ عاتکہ کو تڑپا گئے۔ وہ سب کچھ بھول کر اترنے لگیں تو نیلو پلٹ کر ذورین کو دیکھنے لگی۔

"یہ صرف میری مما ہیں، آپ کی نہیں۔ یہی کہا تھا ناں آپ نے پھر کس مان پر ان کو مما کہہ کر روک رہے ہیں۔"

"نیلو تم چپ رہو۔ تم...... تم جاؤ میں ٹھہر کر ذورین کے ساتھ آ جاؤں گی۔"

عاتکہ کی ممتا بٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ اس وقت ذورین کو ہرٹ کرنا نہیں چاہ رہی تھیں۔

"مما پلیز! آپ ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ جائیں گی۔...... ببول پر کبھی گلاب نہیں کھلا کرتے مما! اب بھی آپ کو نہ جانے کس مقصد کے لیے روکا جا رہا ہے۔ ذورین صاحب، کچھ تیر بچا رکھیے زندگی میں بہت سے مواقع ملیں گے آزمانے کے۔"

"نیلو۔" عاتکہ نے تنبیہی لہجے میں کہا۔

"مما پلیز! دروازہ بند کریں۔ پپا وہاں پریشان ہو رہے ہوں گے۔"

"اپنا خیال رکھنا ذورین بیٹے، میری جان! اپنا خیال رکھنا۔ میں نے بڑی محبت سے تم دونوں کو پالا ہے اور...... خدا حافظ بیٹا!" نیلو نے گاڑی آگے بڑھا دی تو ذورین کی مضبوط گرفت سے عاتکہ کا ہاتھ نکل گیا تو وہ جلتی آنکھوں کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گیا۔ گھر نہیں اسے لگا جیسے اس کا دل خالی ہو گیا ہو۔ وہ بچوں کی طرح تڑپ تڑپ کر رو دیا۔

"نیلو آئی ہیٹ یو!" اسے نیلو سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ حسب معمول غصے میں کمرے کا حلیہ ہی بدل کر رکھ دیا۔ اسی وقت فضہ جس کو شجاع الدین نے نمبر بنانے کے لیے بھیجا تھا دروازے پر گرا ہوا پردہ اٹھا کر اس کی طرف بڑھی۔

"ذورین!" فضہ نے بڑی لگاوٹ سے آگے بڑھ کر اس کی تپتی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو اس وقت اسے فضہ زہر لگی۔ اس نے بے رخی سے اس کا ہاتھ پیچھے کر دیا۔

"فضہ پلیز! اس وقت چلی جاؤ۔" ذورین نے انتہائی رکھائی سے کہا۔ برا تو فضہ کو بہت لگا وہ جو اس کی مہربانیوں کی عادی تھی اس کا یہ انداز کھولا گیا مگر ضبط کر گئی۔

"جن سے نفرت ہوتی ہے ذورین ان کے یوں چلے جانے کا کون سوگ مناتا ہے۔ تم تو......"

اس کی بات پر ذورین تڑپ کر اٹھا اور دروازہ کھول کر انتہائی بدتمیزی سے بولا۔

"فضہ پلیز! اس وقت مجھے تنہا چھوڑ دو پلیز!" وہ دھاڑا تو فضہ صورتحال کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے باہر آ گئی۔

☆☆☆

مکافات عمل کی چوٹ بڑے بڑے فرعونوں، شیطانوں کو راہ ہدایت پر ڈال دیتی ہے۔ انسان کے اپنے اعمال سزا بن کر اس کے سامنے آ جاتے ہیں۔ محسن صاحب کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ دولت کی حرص میں انہوں نے اپنا بیٹا داؤ پر لگا دیا تھا۔ جس کی خاطر وہ یہ سب کر رہے تھے جس عفت جہاں کو وہ یرغمال بنا کر ان کی بیٹی کو اغوا کر کے ان کا سب کچھ ہتھیانا چاہتے تھے، آج انہی دونوں کے قدموں میں گڑگڑا رہے تھے۔

"مجھے معاف کر دو ماہ ما بیٹی! صرف خدا کی خاطر مجھے معاف کر دو۔ ورنہ میں اس قابل نہیں ہوں...... بھابی پلیز! خدا کے لیے مجھے معاف کر دیں۔ میں آپ کو خدا اور رسول پاکؐ کا واسطہ دیتا ہوں، مجھے معاف کر دیں...... معاف کر دیں پلیز!"

محسن صاحب، ماہ ما اور عفت کے پاؤں پکڑ کر بیٹھے ہوئے تھے کہ جب تک معاف نہیں کریں گی پاؤں نہیں چھوڑیں گے۔

"یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے، محسن بھائی! ٹونی کا آپریشن ہو رہا ہے۔ اللہ سے بچے کی زندگی کی دعا کیجیے۔ ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے۔ جو ہوا اسے بھول جائیے۔ نہیں تو اس کا حساب بعد پر رکھ دیجیے۔ مجھے اللہ نے میری بیٹی زندہ سلامت لوٹا دی میرے لیے یہی بہت ہے۔ اس بات سے مجھے کوئی غرض نہیں کہ کیا ہوا، کس نے کیا۔ آپ بھی مطمئن ہو کر اللہ سے بیٹے کی زندگی مانگیں۔"

عفت نے ماہ ما کو ساتھ لگا لیا جس کو محسن صاحب نے پہلے ماں کے پاس پہنچایا تھا، ٹونی کو اسپتال بعد میں لے کر آئے تھے۔

"خبردار! جو تم نے کوئی دعا کی ہو محسن! تم نے مارا ہے میرے اکلوتے بیٹے کو جس کی خاطر میں نے سب کچھ قربان کر دیا۔ تم نے خود اسی بے وقعت مایہ کی خاطر بیٹا مار دیا۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ ہرگز معاف نہیں کروں گی۔" بشریٰ بیگم کو ٹونی سے بہت محبت تھی۔ اس کی خاطر تو انہوں نے خود کو سر سے پیر تک بدل کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لی تھی۔ آئندہ گناہوں سے، حرص، ہوس اور لالچ سے مگر محسن ابھی اسی اندھیر نگری میں تھے۔

"بشریٰ پلیز! ابھی ایسی باتیں نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ ہم سب کے گناہ معاف کرے

ٹونی کو زندگی عطا فرمائے۔"

ماہ ما اور عفت ان لوگوں کو سنبھال رہی تھیں۔

"ماہ ما پلیز! تم مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی تھی۔ اس روز تمہاری تصویریں میں نے ہی بنائی تھیں اور اسی مقصد کے لیے کہ شہرام تم سے بدظن ہو جائے۔ سب کچھ وہی ہوا جو ہم نے سوچا تھا مگر جو ہمارے ساتھ ہوا یا ہو رہا ہے اس کا تو ہم نے خوابوں میں بھی نہیں سوچا تھا۔ پلیز، ہمیں معاف کر دو اور دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کر کے ہمارا ٹونی ہمیں لوٹا دے۔"

ماریہ مستقل ماہ ما سے معافی مانگ رہی تھی۔

"ماریہ ٹھیک ہے جو کچھ ہوا مگر اب ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔ اب تو صرف اللہ کے حضور توبہ اور دعا کا وقت ہے۔ اللہ سے دعا کرو کہ ٹونی کو زندگی عطا فرما دے۔"

بشریٰ اور ماریہ تو سجدے میں گڑگڑا کر اللہ سے توبہ بھی کر رہی تھیں اور ٹونی کی زندگی کی بھیک بھی مانگ رہی تھیں۔

"پروردگار، ہم خطاکار ہیں ہمیں معاف فرما۔ یا اللہ ہمیں معاف فرما دے۔"

محسن صاحب بری طرح گڑگڑا رہے تھے۔ اسی وقت ڈاکٹر باہر آئے تو وہ برقی انداز میں ان کی طرف بڑھے۔

"ڈاکٹر صاحب میرا بیٹا!" وہ کسی ان پڑھ باپ کی طرح بے قراری سے ڈاکٹر کے سامنے گڑگڑانے لگے۔

"دیکھیے محسن صاحب! ہم ڈاکٹرز بھی انسان ہوتے ہیں ساری عمر پڑھنے اور ریسرچ کرنے میں گزار دیتے ہیں مگر پھر بھی اپنے پیشنٹ کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ وہ زندہ رہے گا یا نہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ ہم نے کہہ دیا کہ مریض چند مہینوں یا دنوں کا مہمان ہے مگر اس نے طویل زندگی گزاری۔ سب کے سب اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اللہ سے دعا کریں آپریشن ہو رہا ہے۔"

ڈاکٹر ان کا شانہ تھپتھپاتا آگے بڑھ گیا تو وہ پھر سجدے میں گر کر دعائیں کرنے لگے۔ اللہ کی پاک ذات تو رحمن ہے رحیم ہے۔ اپنے بندے سے بے حد پیار کرنے والی ذات ہے۔ بندہ جب نادم ہو کر اس کے در پر جھکتا ہے تو وہ اس کو معاف کرتا چلا جاتا ہے نوازتا چلا جاتا ہے۔ اور بندے کی دل سے کی گئی توبہ اللہ کو بہت پسند ہے۔ محسن اور بشریٰ کی توبہ بھی اللہ نے قبول کر لی اور ٹونی کو لوٹا دیا اس کا آپریشن کامیاب رہا تھا۔

"یا اللہ ہم گناہ گار تیرا شکرانہ ادا کر ہی نہیں سکتے۔"

سب سجدے میں گرے اللہ کے حضور شکرانہ ادا کر رہے تھے۔

☆☆☆

ٹونی بہت جلدی صحت یاب ہو رہا تھا۔ محسن صاحب اور بشریٰ نے تو اللہ سے لو لگالی تھی۔ گزشتہ گناہوں سے توبہ کر کے اللہ کی بخشی ہوئی ہدایت کی طرف لوٹ آئے تھے۔ ماہ ما اور عفت اپنے گھر چلی گئی تھیں۔

"مما، یہ سب کیا ہے یہ سب خواب ہے یا وہ خواب تھا جو ٹوٹ گیا ہے۔ جس میں ہم سب تھے۔ پاپا تھے، شہرام تھا۔ دادی ماں اور سب لوگ تھے۔ کہاں گئے وہ سب۔ مما کون سا خواب ہے؟ اگر یہ خواب جوان پیارے رشتوں کے بغیر ہے تو ٹوٹ کیوں نہیں جاتا۔ میرے پیارے پاپا آ کر مجھے پیار کیوں نہیں کرتے، کیوں نہیں یہ خواب ٹوٹ رہا......" ماہ ما نے گھر میں قدم رکھا تو یادوں نے اس کا استقبال کیا۔ جہاں پاپا کی بے لوث محبت تھی کتنا چاہتے تھے اسے۔ یہاں شہرام کی محبت کی یادیں تھیں۔ کس تمنا سے دونوں نے ایک دوسرے کو چاہا تھا اور کس طرح جدا ہو گئے تھے۔ وہ پہروں بیٹھی یادوں کے موتی چنتی رہی۔

"زندگی اسی دکھ سکھ کی دھوپ چھاؤں کا نام ہے میری جان! ہمارے ساتھ جو کچھ ہوا اس میں ہمارا اپنا قصور ہے۔ اصل میں جب انسان کی آنکھوں پر غفلت اور خودسری کی پٹی بندھی ہوتی ہے ناں تو وہ سیدھے راستے کو دیکھ ہی نہیں سکتا۔ جانتا سب کچھ ہے مگر غفلت کی وجہ سے اچھائی کو مانتا نہیں۔ اس سارے قصے میں گڑبڑ میری وجہ سے ہوئی۔ اتنے اچھے سسرال والوں کو ذلیل کرنے کی کوشش میں، میں خود زندگی کی نظر میں گر گئی۔ شہرام جیسے اچھے لڑکے کو میں نے گنوایا تم نے نہیں۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا ماہ ما میری بیٹی! مجھے معاف کر دینا میری وجہ سے......" عفت جہاں واقعی بہت پچھتا رہی تھیں۔

"چھوڑیں مما! اگر زندگی دکھ سکھ کی دھوپ چھاؤں کا نام ہے تو پھر ہمیں تو اس دھوپ چھاؤں سے آشنا ہونا چاہیے تھا ناں۔ اب ہم گاؤں جائیں گے اپنی باقی زندگی وہیں گزاریں گے۔"

"گاؤں...... میں کس منہ سے گاؤں جاؤں گی۔ بیٹا میں اس قابل نہیں کہ اتنے اچھے پیارے لوگوں کو فیس کر سکوں؟" عفت جہاں کو اپنے اعمال کے آئینے میں اپنی شکل نظر آ رہی تھی جو اتنی اچھی نہیں تھی۔

"یہی تو بات ہے مما! کہ آپ ان پیارے لوگوں کو جانتی نہیں، سمجھتی نہیں۔ آپ ایک نظر ان کی طرف دیکھیے تو سہی، سب کے سب آپ کی طرف بھاگے چلے آئیں گے۔ لیکن فی الحال تو ہمیں اسپتال جانا چاہیے۔ آج شاید ٹونی کو ڈسچارج کر دیا جائے۔"

''ہاں اپنی پریشانی میں کل بھی نہیں گئے اور وہ لوگ تو اب ہماری ذرا سی چپ کو بھی سمجھتے ہیں کہ ہم ناراض ہیں۔ جھٹ معافیاں مانگنے لگتے ہیں۔''

''یہ بات تو ہے مما! مجھے خود بہت شرمندگی ہوتی ہے جب انکل فوراً میرے سامنے ہاتھ باندھ دیتے ہیں۔''

ماہ ما نے الماری سے اپنے کپڑے نکالنے کے لیے اسے کھولا تو ایک ساتھ کئی البم نیچے گر پڑیں۔ عفت تو چلی گئیں۔ ماہ ما دیکھتی رہ گئی۔ اس کے بچپن سے جوانی تک کی تصویریں تھیں وہ دیکھتی رہی۔ ایک تصویر جس میں دادی ماں نے شہرام کو دلہا اور اسے دلہن بنا کر بنوائی تھی۔ وہ دیکھتی رہی کتنا خوش اور مطمئن لگ رہا تھا شہرام۔ یہاں تک کہ تصویر اس کے آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

''ماہ ما جانی! آجاؤ دیر ہو رہی ہے۔'' باہر سے عفت کی آواز آئی تو وہ اٹھ گئی۔

دونوں اسپتال کے کوریڈور سے گزر رہی تھیں کہ سامنے سے نیلو آگئی۔

''اگر میں غلطی پر نہیں تو تم نیلو ہوناں۔'' ماہ ما بڑی بے قراری سے اس کی طرف بڑھی۔

''آپ غلطی پر نہیں چھا جیھل پر ہیں ویسے یہ نیلو ہی ہیں اور مجھے تو آپ فوراً پہچان گئی ہوں گی۔ میں رافع ہوں۔'' رافع نیلو سے ملنے اسپتال ہی آگیا تھا اور اب ماہ ما سے اچانک ملاقات پر دونوں بہت خوش ہوئے تھے۔

''ماہ ما تم کہاں غائب ہو گئی تھیں۔ میں نے اتنے فون کیے تمہیں، تمہارے گھر پر گئی کے گھر پر کہ ہر بار ناکامی ہوئی۔ آخر کہاں غائب ہو گئی تھیں تم اور یہ کہ تم یہاں کیا کر رہی ہو۔''

نیلو ایک سانس میں بولے گئی تو ماہ ما نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ڈاکٹر صاحبہ! ایک سانس میں اتنا بولنا مناسب نہیں ہوتا۔ پہلے مما سے ملو، یہ میری پیاری مما ہیں اور......''

''اور یہ میری محسن بیٹی نیلو۔ جیتی رہو بیٹی، ماہ ما نے تو اتنی تعریف کی تھی کہ......''

عفت نے نیلو کو ساتھ لگا کر پیار کیا تو وہ ماہ ما کو گھورنے لگی۔

''بہت بری بات ہے ماہ ما دوسروں کا اعزاز تم مجھے دے رہی ہو۔''

''جی بالکل یعنی کہ محسن صاحب چپ چاپ کھڑے ہیں اور کریڈٹ محسنہ کو بلاوجہ کا دیا جا رہا ہے۔ اگر آپ کی یادداشت انچ بھر بھی کام کرتی ہے تو سنئے ہم آپ کے محسن ہیں۔''

رافع نے کالر درست کرتے ہوئے کہا تو ماہ ما پیار سے اسے دیکھنے لگیں۔

''جی مما، یہ ہیں میرے شریر سے بھیا محسن!''

''بندے کا نام محسن نہیں، رافع ہے۔''

''جیتے رہو بیٹا۔ میں تو بے حد شکر گزار ہوں تمہاری اور......''

''نہیں مما! آپ ہمارا صرف شکریہ ادا کریں۔ اگر نہ کیے بغیر بدہضمی کا احتمال نہ ہو تو...... لیکن شکرانہ صرف اللہ تعالیٰ کا ادا کریں، جس نے ہم گناہ گاروں کو اس وقت رحمت کا فرشتہ بننے کا شرف بخشا۔''

''ارے بیٹا! میں گناہگار اللہ کا شکرانہ تو ادا کر ہی نہیں سکتی۔''

''مما! آپ رافع سے باتیں کریں۔ میں ذرا نیلو کے سوالات کے جوابات دے دوں۔''

اور پھر ماہ ما اور نیلو آگے بڑھ گئیں۔

''سنو لڑکی!'' رافع ایک دم ماہ ما کے سامنے آگیا تو دونوں رک گئیں۔

تم مجھے بھیا کہتی ہوناں!'' رافع جانے کیا کہنے جا رہا تھا۔ دونوں حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''نہیں، کہتی نہیں سمجھتی ہوں۔'' ماہ ما نے پیار سے رافع کو دیکھا جس کی گہری نظریں نیلو پر ٹھہر گئیں۔

''تو پھر بھیا کا خیال رکھنا۔'' اس کے گمبیر لہجے میں ڈھلا بظاہر چھوٹا سا جملہ بہت کچھ کہہ گیا جو دونوں کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ گہری نظروں سے نیلو کو دیکھتا آگے بڑھ گیا تو سامنے سے آتی ایک موٹی سی نرس سے جا ٹکرایا۔

''اوہ تو اب بہت پٹے گا رافع، اس نرس کو یوں بھی اپنے بارے میں بہت خوش فہمی ہے کہ بہت حسین ہے اور......''

نیلو اس نرس کو اچھی طرح جانتی تھی۔ اب دونوں قدرے دور کھڑی رافع کی درگت کی منتظر تھیں۔

''تم نے مجھے ٹکر مارا؟'' نرس نے کمر پر ہاتھ باندھ لیے تو رافع کا سانس خشک ہو گیا۔

''جی وہ دراصل آنٹی! میرے بریک فیل ہو گئے ہیں ابھی جا کر ٹھیک کرواتا ہوں۔''

''تم نے مجھے آنٹی بولا؟'' نرس کو تاؤ آگیا۔

''اب میں آپ کو انکل بھی تو نہیں کہہ سکتا ناں۔ آپ ڈاکٹر زبردست کو جانتی ہیں ناں میں جانتا ہوں۔''

رافع چکما دے کر بھاگ گیا تو وہ دونوں ہنستی ہوئی آگے بڑھیں تو نیلو کی نظریں ذورین پر پڑ گئیں جو اسی کی طرف آرہا تھا۔

ذورین ان ہی کی طرف آرہا تھا۔ نیلو کا دل کسی خوش کن خیال کی آمد سے دھڑک رہا تھا۔ جب سے ہوش سنبھالا تھا وہ اس کو دیکھنے کی عادی تھی اور تمام عمر دیکھنا چاہتی تھی اور اب جدائی کے اس موڑ پر کتنے دنوں بعد اسے دیکھا تھا۔ وہ دل کی بات مانتی تو دیکھے چلی جاتی مگر وہ ہمیشہ اپنے دماغ، اپنی

سوچوں کی تابع رہی تھی۔ وہ قریب آیا تو اس نے حقارت سے گلاسز لگا لیے اور ماہ ما سے بات کرنے لگی جو ذورین کو دیکھ کر' پہچان کر خوش ہو رہی تھی۔ قریب تھا کہ وہ نیلو سے کچھ پوچھتی ذورین قریب آ کر نیلو سے بات کرنے ہی لگا تھا کہ نیلو نے ماہ ما کا ہاتھ تھاما اور آگے بڑھ گئی۔ وہ کھول اٹھا۔ تیزی سے اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا تو دونوں رک گئیں۔ نیلو نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی اور راستہ کاٹ کر آگے بڑھنے لگی۔

''میں تم سے بات کرنے آیا ہوں۔'' ذورین نے دبے لہجے میں کہا۔

''مسٹر بات کرنے کے لیے کسی تعلق اور واسطے کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ میرے اور آپ کے درمیان رابطے کا ایسا کوئی سلسلہ نہیں اور میں اجنبیوں سے بات نہیں کرنا چاہتی۔''

نیلو سے پیر تک اجنبی بنی کہہ رہی تھی۔ اس لاتعلقی پر ذورین سلگ اٹھا۔ جہاں نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کھڑا تھا۔ جذبوں کے موڑ پر وہاں وہ اس سے اجنبی بن رہی تھی۔

''میرے اور تمہارے درمیان کچھ نہیں' کوئی تعلق کوئی واسطہ نہیں؟''

اس کے لہجے میں سوالیہ احتجاج تھا' آنکھوں میں شکوہ تھا۔ نیلو نے گہرا سانس لے کر اس کو دیکھا۔ بدتمیز اکھڑ سا یہ شخص تو جانے کب زندگی میں خواہش بن کر شامل ہو گیا تھا۔ اب اس کو کس طرح کہتی کہ ہر تعلق اور واسطے کے تمام راستے تم پر آ کر ہی تو ختم ہوتے ہیں مگر وہ اپنی سوچوں' خواہشوں کی تابع ہی کب تھی۔

''میرے نزدیک تو کوئی نہیں' تعلق کا کوئی پل میرے اور آپ کے درمیان نہیں۔ آپ اپنے طور پر سمجھتے رہیں تو یہ آپ کا بچپنا ہوگا۔'' وہ ایک انداز بے نیازی سے بولی تو وہ جو جانے کس جذبے کے تحت آ گیا تھا اکڑ گیا۔

''کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں تو تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ تمہارے پپا نے اچھا نہیں کیا جو کچھ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا ہے' میں فراڈ کیس میں ان کو جیل بھجوا سکتا ہوں۔''

وہ نہ تو یہ کہنے آیا تھا اور نہ اسے احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے۔ اپنے الفاظ کی سنگینی کا اسے نہیں نیلو کو احساس ہوا۔ تو وہ سر تا پا سلگ اٹھی۔ وہ جس نے دو قدم آگے بڑھا دیے تھے' اس کی بات پر تیورا کر مڑی شدت جذبات سے اس کا چہرہ تپ گیا۔

''ہوں تو یہ بات ہے..... جائیے کورٹ جانے کے بجائے آپ ہاسپٹل کیا کرنے آئے ہیں؟ جائیے کیوں نہیں جاتے' کن جذبوں نے آپ کا راستہ روک رکھا ہے۔ کون سے احساس آپ کے اس ارادے کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ کس لحاظ مروت کی پروا ہے آپ کی راہ میں۔ جائیے کورٹ جائیے پپا پر کیس بنائیے اور ان کو سخت سے سخت سزا دلوائیے۔ وہ آپ کے مجرم ہیں جو چاہے کیجیے ان

کے ساتھ یہاں کیوں آئے ہیں۔ غالباً آپ کو کورٹ اور ہاسپٹل میں فرق معلوم نہیں..... یہ ہاسپٹل ہے مسٹر!''

زہر خند لہجے میں سلگتے الفاظ ذورین کو راکھ کر گئے۔

''شٹ اپ!'' وہ اتنی زور سے بولا کہ قریب سے گزرتے ہوئے وارڈ بوائے دیکھنے لگے۔ نیلو بھی ہی ہو گئی کیونکہ آج کل فائنل ایئر میں ہونے کی وجہ سے وہ اکثر یہاں ہی ہوتی تھی۔

''مسٹر ذورین! یہ میرا ہاسپٹل ہے مجھے یہیں پڑھنا اور کام کرنا ہے۔ آئندہ آپ یہاں نہیں آئیں گے۔''

نیلو نے تحکم آمیز انداز میں کہا تو ذورین پاؤں پٹختا ہوا اور خود کو کوستا ہوا آگے بڑھ گیا تو نیلو آنکھوں میں اترتی دھند میں اس شخص کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی جو رگ جاں بن چکا تھا۔

''نیلو! یہ سب کیا ڈراما ہے۔ جب تو حالات ایسے نہیں تھے۔''

ماہ ما حیران نظروں سے پہلے ذورین کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی پھر نیلو کی طرف پلٹی جو آنکھوں کی نمی کا بھرم رکھنے میں مصروف تھی۔

''بعض اوقات زندگی میں ایسے حادثات و واقعات پیش آ جاتے ہیں ماہ ما! جن کے بارے میں کبھی انسان نے سوچا بھی نہیں ہوتا۔ آؤ بتاتی ہوں۔''

وہ ماہ ما کا ہاتھ پکڑ کر کینٹین لے گئی اور ایک کونے میں بیٹھی وہ دونوں..... ایک دوسرے کو گزرنے والے ناگہانی واقعات بتا رہی تھی۔

''اف میرے خدا' ماہ ما! تمہارے ساتھ اتنا بڑا فراڈ ہوا' کتنے برے لوگ ہوتے ہیں جو محض دولت کے لالچ میں انسانیت کے درجے سے گر جاتے ہیں۔ بالکل حیوان بن جاتے ہیں اب ٹونی کیسا ہے؟''

نیلو کو ماہ ما کی کہانی زیادہ خطرناک لگ رہی تھی۔ وہ خود کو اس سے بہتر سمجھتے ہوئے خدا کا شکر ادا کر رہی تھی۔ کہ وہ عیار مکار اور لالچی لوگوں کے درمیان اکیلی نہیں تھی۔ اپنے چاہنے والے مما پپا کی محبتوں کی پناہ میں تھی۔

''ٹونی اب خدا کے فضل سے ٹھیک ہے اور آج وہ گھر چلا جائے گا لیکن یہ سب اتنا انوکھا اور غیر متوقع تھا کہ اس وقت جب میرا ان لوگوں پر سے بالکل اعتماد اٹھ گیا تو ٹونی ہی میری رہائی کا پیامبر بن کر آ گیا۔ جس کی وجہ سے میں زندگی' محبت اور خوشیوں کی بازی ہار رہی تھی۔ وہی میری جیت بن گیا اور آنٹی انکل تو بس اب ہر وقت معافیاں ہی مانگتے رہتے ہیں۔'' ساری بات بتاتے ہوئے ماہ ما کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔

''یہ تو مکافات عمل ہے ماہ ما کہ انسان اپنی ظاہری طاقت کے زعم میں حق وانصاف کی حقیقت کو اپنی عیاری سے دبا دیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ تو ہے نا سب کا پیدا کرنے والا اور دیکھنے والا، جاننے والا جب وہ بندے کی درازرسی کھینچتا ہے تب بندہ توبہ کی طرف لوٹتا ہے۔ اب محسن انکل کو دیکھو جب آئے تھے تو کون کہہ سکتا تھا کہ یہ اس طرح تمہارے ساتھ کریں گے۔''

''درست کہہ رہی ہو۔ انسان جب اللہ کے احکام بھول کر اپنی من مانی کرتا ہے تو اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں خود ہی گر جاتا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ ان سب کو معاف فرماتے ہیں۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تم نے اپنے ہیرو کو زیرو کیوں کر دیا'' ماہ ما کے اصرار پر نیلو نے کھیلے جانے والے ڈرامے کا سارا اسکرپٹ اسے سنا دیا تو وہ گہرا سا سانس لے کر رہ گئی۔

''توبہ ہے یہاں بھی دولت کا جھگڑا ہے۔ پتا ہے دادی ماں کہا کرتی تھیں کہ انسان زر زمین کے لیے تمام عمر جھگڑتا رہتا ہے جہاں اس نے عارضی رہنا ہے اور جہاں ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لیے کچھ نہیں کرتا۔ بے تحاشا زمین کے لیے لڑتے لڑتے وہ دو گز زمین کو بھول جاتا ہے۔ اربوں کھربوں دولت کی فکر میں رہتا ہے اور کفن کے لیے چند روپے اس کے پاس نہیں ہوتے۔ وہ ہمیشہ کہا کرتی تھیں کہ انسان خود غرضی میں اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ بائی دے وے تم نے ذورین کے ساتھ اچھا نہیں کیا سن تو لیتیں وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔''

''اونہہ وہ کوئی اظہار محبت کرنے تشریف نہیں لائے تھے۔ سنا نہیں کیا فرما رہے تھے کہ تمہارے پاپا کو فراڈ کے کیس میں جیل بھجوا سکتا ہوں۔ اور جو شخص میرے والد کے بارے میں ایسی بات کرے میں......''

''نیلو یہ بھی تو دیکھو...... وہ تو ہر بات سے لاعلم ہے۔ وہ بے چارا تو خود مظلوم ہے۔''

''اونہہ مظلوم صاحب فضہ پر سو جان سے فدا ہیں۔'' نیلو جل کر بولی۔ اس کا چہرہ اس کی اندرونی خلفشار کی غمازی کر رہا تھا۔

''ہوں، تو سارا غصہ اسی بات کا ہے ناں کہ وہ......'' ماہ ما نے شوخی سے کہا۔

''نہیں ماہ ما یہ بات بھی ہو سکتی تھی مگر اب مجھے اس سے شکوہ صرف اپنے مما پپا کے ساتھ بدتمیزی کرنے کا ہے۔ ماہ ما اس شخص نے میری مما کا مان توڑا ہے۔ تمہیں معلوم ہے مما اس بے وفا کو مجھ سے زیادہ چاہتی ہیں۔'' نیلو کی آواز بھیگ گئی۔

''اور تم......؟'' ماہ ما نے خوشی سے نیلو کو دیکھا تو وہ گہرا سا سانس لے کر رہ گئی۔

''معلوم نہیں مجھے صرف اتنی خبر ہے کہ انتہائی بدتمیز سا یہ شخص بچپن ہی سے دل میں کہیں جگہ بنا چکا ہے لیکن ماہ ما خدا کا شکر ہے کہ میں اپنے جذبوں میں بے اختیار نہیں ہوں۔ اللہ نے بڑا ضبط دیا ہے

مجھے۔ خیر تم بتاؤ شہرام کی کوئی خبر نہیں ملی۔''

نیلو کی بات پر ایک ٹیس سی ماہ ما کے دل میں اٹھی۔ سارے مناظر نگاہوں میں گھومتے چلے گئے۔

''نہیں نیلو! وہ تو بے منزل راستوں کا مسافر بن کر جانے کہاں کھو گیا ہے۔ وہ بدگمانی کے جنگل میں بھٹک رہا ہے۔ ویسے اب مما نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم گاؤں واپس چلے جائیں گے۔''

ماہ ما نے شہرام کے ذکر پر نم ہو جانے والے کناروں کو صاف کرتے ہوئے سکون سے کہا کیونکہ جب سے مما نے گاؤں جانے کا فیصلہ کیا تھا وہ بہت خوش اور مطمئن تھی۔

''اور وہ سب خفا نہیں ہیں کہ......''

''نہیں نیلو وہ سب بہت زیادہ اچھے اور نائس ہیں۔ بس مما کو ہی ان سے چڑ تھی مگر خدا کا شکر ہے کہ اب ان کو بھی معلوم ہو گیا ہے کہ سچ اور حقیقت کیا ہے۔''

''یار قسم سے تم دونوں کلاس کی......'' دونوں نے پلٹ کر دیکھا تو رافع غصے میں ان کی طرف آ رہا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور مسکرائیں۔

''صرف کلاس کی...... کیا مطلب بھئی اپر کلاس کی۔''

''ڈھیٹ اور بدتمیز لڑکیاں ہیں۔ یار عجیب ہو تم دونوں ہم وہاں کھڑے کھڑے سوکھ گئے ہیں اور تم دونوں یہاں پر داستان گوئی میں مصروف ہو۔ اپنے معدے کا اتنا خیال ہے کہ اس کو ناکوں ناک تک ٹھونسا جا رہا ہے اور وہاں ہماری آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں۔''

رافع جو دونوں کو کھاتا دیکھ کر چڑ گیا تھا بات مکمل کرتا ہوا بولا۔

''ارے واہ تم نہ سہی تمہاری آنتیں تو نیک کام کر رہی ہیں۔''

''کیا مطلب ہے تم...... تم اتنی بدتمیز لڑکیاں ہو کہ......''

رافع غصے میں بولتا ہوا نیلو کے برابر والی کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ لکڑی کی پرانی سی کرسی درمیان سے پوری آواز کے ساتھ ٹوٹی تو کیفے کا ملازم جلدی سے بھاگا۔

''ٹوٹ گئی کیا؟'' ملازم کے چہرے پر فکر و پریشانی عیاں تھی۔

''نہیں یار بچ گئی۔ خدا کا شکر ہے ٹانگ بچ گئی۔''

رافع نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ اس نے اسی پھرتی سے ہاتھ ہٹایا۔

''سر میں نے کرسی کا پوچھا ہے۔''

اس کا یہ کہنا تھا کہ رافع کو اپنی ٹانگ کی ناقدری پر تاؤ آ گیا۔

''حد ہو گئی یار خدا نے میری ٹانگ بچا لی تمہیں اس کی کوئی پروا نہیں۔ ابھی زخم دکھاؤں گا ناں ٹھکانے آ جائیں گے۔'' رافع نے اسے ڈرایا۔

"تو صاحب آپ رکیے میں مرہم پٹی لے کر آتا ہوں۔"

ملازم نے کرسی کو اوپر نیچے سے دیکھتے ہوئے کہا تو رافع سلگ اٹھا۔

"میاں اس کی مرہم پٹی نہیں اس کو بدل ڈالیے نئی خرید لیجیے یا کیل ٹھونک لیجیے۔"

"صاحب بھی نہ جانے کیا چیز ہیں میں تو آپ کی ٹانگ کی بات کر رہا ہوں۔ اب آپ کی ٹانگ میں تو کیل......" ملازم کان کھجانے لگا۔ تو رافع کھسیانا سا ہو کر ان دونوں کو دیکھنے لگا جو ہنسے جا رہی تھیں۔

"زہر لگتی ہے تم دونوں کی با جماعت ہنسی۔ ویسے یہ ذورین میاں کیا سنا کر گئے ہیں' صلواتوں کے علاوہ......؟"

رافع نے نیلو کے ہاتھ سے اس کا آدھا برگر لے کر کھاتے ہوئے پوچھا تو نیلو اسے گھورنے کے عمل سے فارغ ہو کر پانی پینے لگی پھر خاموشی سے گلاس کے کنارے پر انگلی پھیرنے لگی۔

"ڈاکٹر صاحبہ' میں نے کچھ پوچھا ہے۔" رافع نے گلاس لیتے ہوئے پوچھا۔

"تم نے خود ہی تو کہا ہے صلواتوں کے علاوہ تو اس کے علاوہ تو وہ کبھی بھی کچھ کہتے ہیں' نہ سنتے ہیں پھر کیا بتاؤں...... ویسے فرما رہے تھے کہ فراڈ کیس میں تمہارے پپا کو جیل بھجوا سکتا ہوں۔"

"ہیں' یہ کیا کہہ کر گیا ہے؟" رافع نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ پانی پیا اور ان کو اٹھنے کا اشارہ کر کے خود بل دینے چلا گیا۔

"او کے' اس سے بولو کہ ہمت ہے تو آؤ میدان میں' دیکھتے ہیں مات کس کو ہوتی ہے؟"

رافع کا انداز اور لہجہ بہت پختہ اور سنجیدہ تھا۔ دونوں اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"کبھی کبھی تم بہت مختلف نظر آتے ہو۔" نیلو اس کو دیکھ رہی تھی۔ وہ پلٹ کر اسے گہری نظروں سے دیکھنے لگا۔

"آنسوؤں کو گدگدی کر کے ہنسانے کا فن میں نے بڑی مشکل سے سیکھا ہے ورنہ تو زخموں...... کی کثرت سے میری آنکھ میں موج آ گئی۔" رافع کافی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اس نے جان بوجھ کر زمین پر بیٹھ کر قریب سے گزرتی ہوئی خوبصورت سی لڑکی کو دیکھا تو وہ دونوں مسکرانے لگیں۔

"تمہاری آنکھ کی یہ موج اگر وہ دیکھ لیتی ناں تو ایمرجنسی میں لیٹے ہوتے' چلو اٹھو۔"

نیلو نے ہاتھ بڑھایا تو ایک لطیف سا احساس اس کے اندر تک اتر گیا۔ وہ جو اس کی منزل تھی اس کی تلاش کا حاصل تھی۔ اس کا آئیڈیل تھی۔ اپنا نازک خوبصورت ہاتھ سہارے کے لیے بڑھائے کھڑی تھی۔

"یار کبھی کبھی وقت اتنا خوبصورت اور لمحے اتنے حسین روپ میں کیوں ڈھل جاتے ہیں کہ رواں

رواں اس کے ٹھہر جانے' رک جانے کی دعا کرنے لگتا ہے۔ واہ واہ رافع میاں' کیا فلسفہ جھاڑا ہے۔"

وہ اپنی بات کی گہرائی کے اثر کو ایسے ہی زائل کر دیتا تھا۔

"اپنی جینز جھاڑو' فلسفہ نہ جھاڑو۔" نیلو نے زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کیا۔

"کیوں بڑی بہن تم بڑی چپ چپ ہو۔" اب رافع ماہا کی طرف گھوما۔

"میں...... میں بڑی ہوں' بڑی بہن ہوں۔ بولو بڑی ہوں چوزے۔" ماہا نے اس کے کان کھینچے۔

"ارے نہیں بھئی صرف بڑی کہاں ہو' بہت بڑی ہو۔" وہ ہنستا ہوا عفت کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

"اسٹوپڈ' نہ جانے خود کو یہ لڑکی سمجھتی کیا ہے۔ اور میرا دماغ کیوں خراب ہوا ہے کہ بار بار اس کی راہوں میں جاتا ہوں اور وہ پاؤں جھاڑ کر آگے بڑھ جاتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے میں مجنوں بن جاؤں گا اس کے پیچھے۔ ایک بار عمار بھائی سے رابطہ ہو جائے پھر سمجھ لوں گا ان لوگوں سے کیا سمجھ رکھا ہے۔ یہ عمار صاحب نہ جانے کہاں گم ہیں۔ اپنے کسی ٹھکانے پر ملتے ہی نہیں' کیا کروں......؟"

ذورین وہاں سے جلا بھنا آیا تھا۔ وہ نیلو کی طرف کیوں بڑھ رہا ہے' کیوں ان ہی راستوں پر جاتا ہے جو نیلو پر ختم ہوتے ہیں۔ وہ اپنی اس کیفیت کو ہرگز بھی محبت کا نام دینے کو تیار نہیں تھا۔ مگر وہ اپنی کیفیت سے چڑ بھی جاتا کہ جب اسے اس کی کسی بھی بات کی پروا نہیں تو اسے اتنی پروا کیوں ہے۔ اسی کیوں میں وہ الجھ جاتا۔ آخر کچھ تو تھا جو اسے اس کی اتنی پروا تھی کہ جانے کس جذبے کے تحت اس کے ہاسپٹل چلا گیا تھا حالانکہ اسے اس سے کوئی بات نہیں کرنی تھی۔ اسے اب گھر میں بہت بوریت ہوتی تھی' پہروں تنہا بیٹھا ایام گزشتہ کے بارے میں سوچتا رہتا۔ عاتکہ اور عثمان کی بے لوث محبت ان کی تعلیم و تربیت' ان دونوں نے تو والدین کی کمی کو پورا کر دیا تھا۔ وہ ان دونوں سے شدید محبت کرتا تھا۔ نیلو سے چڑ ہی اس محبت کی وجہ سے شروع ہوئی کہ وہ اس کی محبت کی شریک بن جاتی تھی۔ بے شمار یادیں دماغ کی اسکرین پر ابھرنے لگیں۔ اسے یاد تھا' عثمان اس کی فرمائش پر گھوڑا بن کر اسے کتنی دیر سیر کرایا کرتے تھے۔ عاتکہ تو اسے اس حد تک چاہتیں کہ اس کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ تڑپ جاتیں۔ نہ جانے کیا پڑھ پڑھ کر اس پر دم کیا کرتیں۔ اس کی کامیابی کے لیے دعائیں کیا کرتیں۔ محبتوں کے اس قافلے میں یہ کالی بھیڑ کہاں سے آ گئی جس نے سب کو جدا کر دیا۔ بدگمانی کی چنگاری کس نے رکھ دی کہ محبت' اعتماد' مان' بھروسا سب راکھ ہو کر رہ گیا۔

"وہ دن وہ راتیں وہ برساتیں' وہ دھنک بکھیرتے لمحے کہاں چلے گئے' کہاں گئے وہ دن' وہ پیارے پیارے لوگ' وہ سب کہاں گیا۔"

اس نے طیش میں تکیے پر مکے مارے۔ آج تو بے چینی بہت بڑھ گئی تھی پھر اسی تکیے میں سر دے کر شدت سے رو دیا۔

''آجاؤں۔'' ہلکی سی دستک کے ساتھ فضہ اندر آ گئی تو ذورین نے چہرہ رگڑ ڈالا۔ نہ جانے کیوں اس وقت اس کا آنا اسے اچھا لگا تھا۔

''آؤ بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔'' وہ اٹھ کر واش روم میں گھس گیا اور وہ کمرے پر طائرانہ نظر ڈال کر چونک سی گئی۔ ایک طرف دیوار پر ان سب کی گروپ فوٹو تھی۔

ایک ہیپی فیملی کی طرح سب خوش دلی سے مسکرا رہے تھے۔ عمار اور ذورین کے درمیان کھڑی نیلو بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ راکھ ہو گئی۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟'' ذورین تولیے سے چہرہ صاف کر کے ایک طرف رکھتا ہوا بولا۔

''ہوں' دیکھ رہی ہوں کتنی اچھی یادگار تصویر ہے۔ سب مسکراتے ہوئے کتنے اچھے لگ رہے ہیں' خاص طور پر نیلو بہت اچھی لگ رہی ہے۔''

فضہ نے جان کر ذورین کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اس کے دل میں نیلو کی موجودگی کا پتا لگانا چاہتی تھی۔

ذورین تصویر کے قریب جا کر دیکھنے لگا تو ماضی کا ایک خوبصورت دن یاد آ گیا۔ نیلو کی سالگرہ تھی' عاتکہ نے ذورین کو کہا تھا کہ اپنی پسند کا جوڑا خرید کر لائے نیلو کے لیے۔ تب وہ بھی خوبصورت سا جھلملاتا ہوا' بہت لائٹ پنک شیڈ کا جوڑا جس میں ہلکے سے پرپل کلر کی آمیزش تھی' خرید کر لایا تھا۔ جوڑا دیکھ کر دھنک کے سارے رنگ نیلو کے رخساروں پر پھیل گئے تھے۔ مگر اسے چڑانے سے باز نہیں آئی تھی۔

''واٹ میں یہ سوٹ پہنوں گی۔ مما آپ...... آپ خود چلی جاتیں ناں...... بالکل اچھا نہیں ہے میں تو نہیں پہنوں گی۔ بندے کی کوئی پسند ہونی چاہیے یہ...... تو میں تو نہیں پہنوں گی۔''

''مت پہنو' بھاڑ میں جاؤ' تم ہو ہی نہیں اس قابل کہ تمہیں کوئی ڈھنگ کی چیز دی جائے۔ لیجیے مما کام کرنے والی ماسی کو دے دیجیے گا۔''

ذورین سدا کا اکھڑ اور تنک مزاج تھا۔ اس کے رخساروں پر پھیلے رنگوں میں عیاں اپنا عکس اور اس کی پسندیدگی کی کرنیں بھی نہ پہچان سکا۔ اس کے ہاتھ سے سوٹ چھین کر عاتکہ کی طرف اچھال دیا جو ہمیشہ ہی ان دونوں کی نوک جھوک سے خوش ہوا کرتی تھیں۔

''نیلو' کیوں تنگ کرتی ہو اتنا خوبصورت سوٹ ہے۔ میرے بیٹے کی چوائس تو بہت اچھی ہے۔''

''اف توبہ ہے مما! آپ تو بس اب دیکھیے ناں۔''

''اب تم یہ سوٹ نہیں پہنو گی حد ہو گئی...... آخر تم خود کو سمجھتی کیا ہو۔''

ذورین نے پھر اس کے ہاتھ سے سوٹ چھین لیا اور شام جب وہ غصے میں بیٹھا اس کے اعزاز میں ہونے والی پارٹی میں سخت بور ہو رہا تھا اور قریب تھا کہ اسے اگنور کرنے کے اظہار کے طور پر وہ جاوید کے ہاں جانے کے لیے نکل پڑتا تو اسی وقت وہ اسی لباس میں اسی...... شیڈ کے میک اپ میں سراپا ضیا بار بنی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ کچھ دیر کے لیے وہ پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھے گیا۔ اسی روز اسی لمحے اس نے نیلو کے لیے دل میں نرم گوشہ محسوس کیا تھا۔ ایسا کچھ محسوس کیا تھا جس کو وہ آج تک محسوس کرنے کے باوجود تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھا۔

''تو تم نے اپنا فیورٹ سوٹ خرید لیا اسی شاپ سے لیا تھا یا کسی اور شاپ سے۔ ویسے یار وہ دکاندار تھا بڑا اچھا' بلاوجہ ہی بات کو طول دے رہا تھا اور تم بھی تو خواہ مخواہ اٹک گئی تھیں۔ جب بندے کو چیز اتنی پسند ہو تو......'' اس کی دوست بولے جا رہی تھی۔

''ساری قیمت پسند ہی کی تو ہوتی ہے ندا' ورنہ قیمت تو جتنی کہتا میں دے دیتی مگر مجھے اس آدمی کی بات بری لگ گئی تھی اس لیے میں نے اپنی پسند کی قربانی دے دی لیکن دیکھو اللہ تعالیٰ بندے کی خواہش کس انداز میں پوری کرتا ہے کہ بندہ حیران رہ جاتا ہے۔''

''جب تم نے خریدا نہیں تو یہ چل کر آ گیا۔'' ندا کو حیرت ہو رہی تھی۔

''یہی سمجھ لو یہ ہماری مما کے لاڈلے سپوت ہیں ناں ذورین صاحب' وہ اپنی پسند کے لے کر آئے ہیں۔'' دھنک کے کئی رنگ نیلو کے چہرے پر پھیل گئے۔ بارش کے بعد کی سنہری سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔

''زبردست بھئی' دو دشمنوں کی سوچ اور پسند میں اتنی ہم آہنگی زبردست بھئی' کوئی چکر ہے۔'' ندا نے شوخی سے کہا تو ذورین جانے کس خواہش کے تحت تمام حسیات کے ساتھ اس کے جواب کا منتظر ہو گیا۔ جو ندا کو اس کی بات پر گھورنے لگی تھی۔

''شٹ اپ۔''

''جیسے میں تو حسن کی دیوی کے لیے مرا جا رہا ہوں مائی فٹ!''

ذورین نے زور سے پاؤں پٹخا اور اپنے اندر کچھ دیر قبل جنم لے لینے والے احساس پر مٹی ڈال کر آگے بڑھ گیا تھا۔

''ذورین' کہاں ہو؟'' فضہ نے گم صم ذورین کو دیکھا جو تصویر کے پس منظر میں کھو سا گیا تھا۔

''ہوں...... ہاں کچھ سنہری یادوں کی کرنیں ہیں جو حال کی تاریکی کو منور کر دیتی ہیں۔''

ذورین کے چہرے اور آواز کی گہرائی سے فضہ کو اندازہ ہو گیا تھا مگر وہ اپنے ابا کی طرح عیار اور

مکار سوچ کی لڑکی تھی اور معاملہ فہمی کی خوبی اضافی تھی۔ ذورین کا موڈ دیکھ کر بات کرتی تھی۔

''ہاں' یہ بات تو ہے۔ کچھ بھی سہی عثمان صاحب اور آنٹی بہت اچھے تھے۔ بہت خیال رکھا انہوں نے تم دونوں کا۔ پتا ہے ابو تو ان کے احسان مند رہے ہیں۔ کہ کسی رشتے کے نہ ہونے کے باوجود پرورش کی لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ انہوں نے یہ سب تم لوگوں کی دولت جائیداد کی خاطر کیا تھا تو.....''

فضہ باپ کی طرح میٹھی چھری بنی ہوئی تھی اور اس وقت وہی باتیں کر رہی تھی جو وہ سننا چاہتا تھا۔ جن سے اس کی توجہ حاصل ہو سکتی تھی۔ وہ باتیں کرتے ہوئے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بغور دیکھ رہی تھی۔ گو کہ اس کی لگاوٹ اور توجہ سے اندر بری طرح جلن ہو رہی تھی مگر وہ اس خوبرو بندے کی توجہ کی خاطر سب کچھ قبول کر سکتی تھی۔

''ہاں نیلو بھی اچھی لڑکی ہے مگر کچھ مغرور اور خود پسند سی ہے' اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھتی ہی نہیں لیکن اچھی خوبصورت لڑکی.....''

نیلو کے ذکر پر بہت سی تلخ یادیں ذورین کو سلگا گئیں۔

''نہیں ہے وہ اچھی لڑکی' اول درجے کی بدتمیز اور خودسر لڑکی ہے اور مجھے وہ قطعی پسند نہیں اور آئندہ تم اس کا ذکر میرے سامنے نہ کرنا' اوکے!''

ذورین نے غصے سے وہ تصویر بھی اتار کر بیڈ پر پھینک دی اندھا کیا چاہے دو آنکھیں فضہ خوش ہوگئی۔ اپنی مکاری سے اپنا کردار بھی بچا گئی تھی اور حسب منشا نتیجہ بھی حاصل کر لیا تھا۔

''اوکے آئندہ تمہیں مجھ سے اس معاملے میں شکایت نہیں ہوگی۔ اچھا چلیں آج چائنیز چلتے ہیں۔ سچ بہت موڈ ہو رہا ہے۔'' فضہ ناز و انداز کے تمام رموز سے واقف تھی۔ ایک ادا سے اس نے ذورین کا ہاتھ تھام کر کہا تو وہ بھی تیار ہو گیا۔ اس وقت سخت بور ہو رہا تھا۔

''چلو نوشی کو بولو تیار ہو جائے۔'' باہر کی طرف جاتے ہوئے ذورین نے کہا تو فضہ جو اس وقت تنہائی چاہتی تھی۔ وہ ذورین کو اس کی وہ بات یاد دلانا چاہتی تھی جب اس نے محض نیلو کو چڑانے کے لئے غصے میں فضہ کو پرپوز کرنے کا کہہ دیا تھا تو فضہ نے یہ بات گرہ میں باندھ لی تھی اور ذورین تو اس بات کو بھول بھی چکا تھا مگر اس نے نوشی کا کہہ کر اس کا موڈ آف کر دیا۔

''نوشی..... تمہیں معلوم تو ہے ایک دم بور لڑکی ہے وہ نہ تو خود انجوائے کرتی ہے نہ کرنے دیتی ہے۔''

''لیکن بہن ہو تم بھئی' سارا وقت اکیلی بور ہوتی رہتی ہے اور تمہیں اس کا خیال ہی نہیں۔'' ذورین نے ذرا برہمی سے کہا تو فضہ لائن پر آ گئی۔

''ارے نہیں ذورین' یہ تو میں محض تمہارے خیال سے کہہ رہی تھی۔ تم اپ سیٹ ہو ناں۔ اگر تم کہتے ہو تو اسے بھی لے چلتے ہیں۔'' اور جب دونوں اوپر پہنچے تو نوشی ایک طرف بیٹھی تھی..... جب کہ رافع اپنا سامان باندھ رہا تھا۔ ذورین نے چڑ کر نظریں پھیر لیں۔

''یہ تم کہاں جا رہے ہو ساز و سامان سمیت۔'' فضہ نے رافع کو گھورا جو جلدی جلدی اپنے کپڑے رکھ رہا تھا۔ اس کی بات پر پلٹا۔ دونوں کو دیکھا' نوشی کو اشارے سے کپڑے تہ کرنے کو کہا اور خود فضہ کی طرف کمر پر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

''بات یہ ہے فضہ بی بی کہ میں ہوں عزت دار آدمی اور اپنی عزت کو کچھ زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ اس لیے سوچا کہ کوچ تو کرنا ہی ہے تو بے آبرو ہو کر کوچ کرنے سے بہتر ہے بندہ عزت سے اور یوں بھی.....'' رافع بات کرتا کرتا ذورین کی طرف مڑا پھر جھک کر بیگ کی زپ بند کرنے لگا۔ پھر کھڑا ہو گیا۔

''اور یوں بھی میں سمجھتا ہوں کہ اب اس ڈرامے میں..... میرا کردار ختم ہو گیا ہے چلو نوشی!'' رافع نوشی کی طرف گھوما جس نے جلدی سے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا تو فضہ نے جھٹ اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''ارے واہ' نوشی کیوں جائے گی یہ نہیں جائے گی۔ نوشی تم ہمارے ساتھ چلو۔ ہم چائنیز جا رہے ہیں۔''

''جی نہیں یہ آپ کے ساتھ ہرگز نہیں جائے گی اس لیے کہ اسے مینڈک کے تکے اور چھپکلی کی کڑاہی قطعی پسند نہیں۔ کاکروچ کی بھجیا تو تمہیں ہی پسند ہے۔ جاؤ کھاؤ جا کر۔ ہم تو دیسی بندے ہیں ساگ روٹی اور دال چاول کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ کیوں نوشی چلو آؤ۔'' رافع نے پھر نوشی کا ہاتھ تھاما اور باہر کی طرف بڑھا۔ فضہ کو بھی غصہ آ گیا۔ اس نے اتنی ہی سختی سے نوشی کا ہاتھ کھینچا۔

''تم کہیں نہیں جا رہیں اور جب تک ابو نہ کہیں گے۔ ہم پرانے گھر نہیں جائیں گے اس لیے تم بھی نہیں جاؤ گی۔''

''فضہ' میں جاؤں گی اس طرح روک کر اپنا تھوڑا بہت بھرم نہ گنواؤ۔''

نوشی نے بھی مضبوط اور اٹل لہجے میں کہا تو فضہ کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''میں سب جانتی ہوں نوشی' تم کس چکر میں ہو مگر میری بات کان کھول کر سن لو وہ کسی اور کے چکر میں ہے۔''

فضہ نے نوشی کو سمجھانے کی کوشش کی کہ رافع نیلو کو چاہتا ہے۔

''ڈونٹ وری فضہ! میں خدا کے حکم کی پابند ہوں۔ کوئی چکر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

نوشی نے اعتماد سے کہا اور رافع کے ساتھ باہر نکل گئی۔

"کیا مطلب ہے' تم وہاں اکیلی رہوں گی۔ ابو تمہاری جان نکال دیں گے۔"

فضہ تیزی سے اس کے سامنے آ گئی۔ ویسے تو اسے اس وقت نوشی کے ٹل جانے کی خوشی ہو رہی تھی مگر اسے معلوم تھا شجاع الدین رافع کے کتنے خلاف ہیں۔

"تم ابو کی فکر نہ کرو جاؤ جہاں جا رہی ہو۔" نوشی نے ذورین پر تیکھی نگاہ ڈالی اور رافع کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ وہ دونوں بھی آ گئے۔ تمام راستے فضہ' رافع کے خلاف بولتی رہی اور رافع تو ذورین کو یوں بھی رقیب روسیاہ ہی لگنے لگا تھا۔

"تو کیا نوشی واقعی رافع کو چاہتی ہے؟" موڑ کاٹتے ہوئے ذورین نے تصدیق چاہی۔

"ایسا ویسا مرتی ہے اس پر' مگر مجال ہے کبھی اس پر ظاہر کیا ہو اور وہ اسے لفٹ تک نہیں کراتا۔"

"ہوں' تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نوشی بہت مضبوط اور اپنا بھرم رکھنے والی لڑکی ہے۔ تم سے تو خاصی مختلف ہے۔ ویسے اگر رافع اس کے ساتھ شادی کر لے تو بڑی اچھی بات ہو جائے۔"

ذورین جانے یہ کیوں چاہ رہا تھا کہ نوشی اور رافع اگر شادی کر لیں گے تو نیلو اسے صاف نظر آنے لگے گی اور یہ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ ایسا کیوں چاہتا ہے اس خواہش کے پیچھے جو سچ تھا وہ اسے قبول کرنا نہیں چاہتا تھا کہ وہ نیلو کو اس شدت سے چاہتا ہے کہ کسی کو اپنے اور اس کے درمیان پسند نہیں کرتا۔ ذورین کی یہ بات فضہ کو پسند تو نہیں آئی مگر وہ اس کی بات کی نفی کیونکر کر سکتی تھی۔

"ہاں بہت اچھی بات ہے۔ ابو کی اور ہماری خواہش تو ہے مگر یہ رافع بہت بدتمیز ہے۔ خود کو نہ جانے کیا سمجھتا ہے۔ سدا کا خودسر اور بدتمیز ہے۔"

اپنی بات کہہ کر وہ باہر دیکھنے لگی پھر ایک دوبار بولتی نظروں سے ذورین کو دیکھا۔ اس نے بھی محسوس کر لیا کہ وہ کچھ کہنا چاہتی ہے۔

"تم کچھ کہنا چاہ رہی ہو؟"

"ہاں وہ دراصل اس روز تم نے خود کہا تھا کہ......" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا؟" ذورین قطعی بھول چکا تھا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"وہ......وہ تم نے کہا تھا کہ تم ابو سے میرے لیے بات کرو گے میں انتظار ہی کرتی رہ گئی۔ اور تم نے پلٹ کر ذکر بھی نہیں کیا۔ میں نے تو ابو سے ذکر بھی کر دیا تھا لڑکی ہو کر مگر......"

فضہ نے چہرے پر دنیا جہاں کی معصومیت اور مظلومیت طاری کرتے ہوئے کہا تو مخصوص رفتار پر گاڑی چلتے چلتے جھٹکے سے رک گئی۔ ذورین اس سے اپنی ہی کہی ہوئی بات بھول چکا تھا۔

"میں اور تم سے شادی...... کم آن فضہ! میرا خیال ہے' ہم دوست زیادہ اچھے ہیں۔"

ذورین نے بے پروائی سے اس کی بات کو ذرا بھی اہمیت نہ دیتے ہوئے گاڑی چائنا ٹاؤن کے سامنے روکتے ہوئے کہا تو فضہ بل کھا کر رہ گئی۔ ایک تو یہ اس کی توہین تھی دوسرے وہ اسے کسی صورت کھونا نہیں چاہتی تھی۔

"تم نے تو وہی دیوانوں جیسا کہا ہے کہ بھول جاتا ہوں جنوں میں کہی ہوئی بات۔ اس وقت ایسے ہی کسی ہوٹل سے نکلتے ہوئے تم نے خود کہا تھا کہ تم مجھے پرپوز کرنا چاہتے ہو اور......"

فضہ بھی ڈھیٹ تھی۔ پوری ڈھٹائی سے اس کی ساتھ چلتے ہوئے اس نے ساری بات یاد دلا دی تو اسے بھی یاد آ گیا اور ساتھ ہی ایک ناگوار احساس بھی کہ اس نے محض نیلو کو سنانے کے لیے یہ بات کہہ دی تو کیوں، اس لیے کہ وہ نیلو کو اتنی اہمیت دیتا تھا اور اپنے طور پر اسے جلانا چاہتا تھا۔ ورنہ فضہ سے شادی اف' اس نے ناگوار سی نگاہ فضہ پر ڈالی جو ٹھیک ٹھاک لڑکی ہونے کے باوجود اپنی حرکتوں اور سوچ کی وجہ سے پسند کے معیار پر پوری نہیں اترتی تھی۔

"اچھا' فی الحال تو بیٹھو۔" ذورین نے ناگوار سے انداز میں کہا اور ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئے۔ وہ سخت بور لگ رہا تھا۔ آرڈر دے کر وہ اطراف کا جائزہ لینے لگا تو نظریں گیٹ پر ٹھہر گئیں جہاں سے نیلو' رافع اور نوشی کسی بات پر ہنستے ہوئے آ رہے تھے۔ رافع اور نیلو ساتھ تھے' نوشی پیچھے تھی۔ نیلو کی مسکراہٹ اور رافع کی شوخ نظریں کچھ کہہ رہی تھیں۔ ذورین سلگ اٹھا۔ نہ جانے کیوں ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر وہ کھولنے لگتا تھا۔ اور جب تک وہ تینوں کسی ٹیبل تک پہنچتے وہ محض نیلو کو چڑانے کے لیے فضہ سے شادی کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"رافع' ذرا نظریں گھماؤ دیکھیں وہ دونوں کہاں ہیں؟"

جب نیلو کو پتا چلا تھا کہ ذورین اور فضہ چائنا ٹاؤن جا رہے ہیں تو نیلو نے بھی پروگرام بنا لیا تھا۔

"نظریں گھماؤں' بی بی! میری نظریں ہیں کہ اسٹیئرنگ ہیں جو گھماؤں......ویسے ذرا سامنے دیکھیے۔"

کافی فاصلے پر دیکھا۔ نیلو کے عین سامنے ذورین بیٹھا تھا۔ فضہ برابر بیٹھی تھی۔

"چھوڑو رہنے دو۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کھوج لگانے کی۔" نیلو نے ذورین کو اگنور کرتے ہوئے کہا۔

"فضہ وہ دیکھو رافع اور نوشی' نیلو کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ میرا خیال ہے تم جاؤ اور ان کو شادی کی دعوت دے کر آؤ۔" ذورین فضہ سے شادی کا ارادہ کر چکا تھا۔ بعض اوقات انسان ضد میں آ کر اپنا ہی نقصان کر بیٹھتا ہے اور ستم یہ کہ اسے اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ وہ صرف اپنی......انا کا میدان مار لینا چاہتا تھا اور ذورین بھی نیلو کو مات دینے کے چکر میں سود و زیاں کو بھلا بیٹھا تھا۔

''کس کی شادی کی دعوت دوں؟'' فضہ کچھ دیر کے لیے سمجھ نہ پائی کہ ابھی تو وہ اپنی کہی بات سے انکار کر رہا تھا اور اب شادی کا کہہ رہا تھا۔

''ظاہر ہے میری اور تمہاری...... میں نے تم سے شادی کا فیصلہ کرلیا ہے اور......''

ذورین جنون میں کہے جا رہا تھا اسے اس وقت احساس ہی نہیں تھا کہ وہ کتنا اہم فیصلہ کر رہا ہے۔

''ذورین تم ...... تم سچ کہہ رہے ہو ناں۔'' فضہ نے بے یقینی سے ذورین کو دیکھا جس کی نظریں اس وقت بھی نیلو پر تھیں جو رافع کی کسی بات پر مسکرا رہی تھی۔ وہ کھول رہا تھا۔ وہ اسے اگنور کرنے کے چکر میں مزید اس کے قریب ہو رہا تھا۔

''ہاں' اب اتنی بڑی بات میں مذاق میں تو کہہ نہیں سکتا۔''

ذورین نے بے دلی سے اسے دیکھا جس کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا تھا۔ ذورین نے شکست خوردہ انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔ نظر کے حصار میں ابھی بھی نیلو ہی تھی۔ اس کے اندر عجیب سی کیفیت کی آندھی سی چل رہی تھی۔ دل و دماغ اس کے بودے فیصلے کے خلاف محاذ آرا تھے مگر یہ اس کی ضد کا فیصلہ تھا اور ضد کے فیصلوں میں انسان سب سے پہلے اپنا ہی نقصان کرتا ہے مگر ایسا کرتے وقت وہ سود و زیاں کے احساس کو قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتا۔ ذورین اپنے طور پر نیلو سے بدلہ لے رہا تھا۔

''ہائے ذورین! دیکھنا وہ کتنا خوش ہوں گے۔ ویسے ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ......''

فضہ تو خوشی کے مارے بے حال ہو رہی تھی اور بلاوجہ ہی شرمانے لجانے کی کوشش میں ذورین کو اور بری لگ رہی تھی۔

''اگر بات سمجھ میں آگئی ہو تو جاؤ ان تینوں کو کہو کہ ہماری شادی کی خوشی میں آج کا ڈنر ہماری طرف سے ہوگا۔'' ذورین نے نیلو پر نظریں جمائے فضہ سے کہا تو وہ اٹھلا گئی۔ نیلو پر برتری کا احساس اسے مغرور بنا گیا۔

''تو پھر تم بھی ساتھ چلو ناں ذورین! میری بات پر تو شاید ان کو یقین ہی نہ آئے۔ رافع تو بہت بدتمیز ہے ایسی بات لگاتا ہے کہ......'' فضہ بھی اس مہربان لمحے کو پوری طرح کیش کرا لینا چاہتی تھی۔

ذورین نے ایک تیکھی سی نگاہ ان پر ڈالی اور پھر کچھ سوچ کر اس کے ساتھ چل دیا۔ نیلو نے دونوں کو اپنی طرف آتے دیکھ لیا تو اس نے جان بوجھ کر مینو بک سامنے کرلی اور ذورین کو اس کی اگنور کرنے کی عادت ہی سے چڑ تھی۔

''ہائے نیلو کیسی ہو؟'' فضہ ذورین کی قربت کے احساس میں اترا کر بولی۔

''بہت بلکہ بہت ہی اچھی!'' نیلو سے پہلے رافع نے جواب دیا تو ذورین نے ایک تیز نگاہ رافع پر

ڈالی مگر بولا کچھ نہیں البتہ فضہ چپ ہو گئی۔

''تم ہمیشہ دوسروں کے لقمے ہی اچکنا۔ میں نے نیلو سے بات کی ہے تم سے نہیں۔''

رافع نے بک نیچے رکھی اور اسے گھورنے لگا۔ نیلو گھبرا گئی کہ بلاوجہ ایسی جگہ پر ہنگامہ ہو جائے گا۔

''ہاں فضہ' میں ٹھیک ہوں آؤ بیٹھو۔'' نیلو نے بات کو سنبھالا۔

''ہاں ضرور۔ میرا خیال ہے ہم وہ کارنر والی ٹیبل پر چلتے ہیں وہیں ہم سب ڈنر کریں گے۔ آج کا ڈنر ہماری طرف سے ہے۔'' فضہ نے جھٹ اپنا موڈ درست کرلیا۔

''آپ کی طرف سے ڈنر' کہیں آج سوئم تو نہیں آپ کا؟''

رافع کی بات پر فضہ نے جل کر اسے دیکھا پھر اترا کر ذورین کو دیکھنے لگی۔

''یہ ڈنر ہماری شادی کی خوشی میں ہے۔ ذورین مجھ سے شادی کر رہے ہیں۔''

یہ خبر تینوں کے لیے دھماکا خیز تھی مگر ذورین کی نظر نیلو پر تھی جس کے ہاتھ میں مینو بک لرز گئی۔ چہرے پر سایہ لہرایا' پلکیں اٹھیں اور ایک نظر ذورین پر ڈالی۔ وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ نیلو نے جھٹ نظریں جھکا لیں۔ اندر اٹھتے طوفان کو روکنے کے لیے اس نے سانس روک لیا۔ ضبط کی سرحدوں پر اس نے پہرہ سخت کر دیا۔ وہ ذورین پر کوئی کمزوری ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔

''مبارک ہو۔'' حلق میں آنسوؤں کے گولے کو اندر دھکیلتے ہوئے نیلو نے مسکرا کر کہا۔

''ویسے ذورین! میں تمہیں اتنا بدذوق نہیں سمجھتا تھا۔''

جانے کیوں رافع کو افسوس ہو رہا تھا۔ وہ فضہ کو جو کہ اس کی سگی ماموں زاد بہن تھی خوب اچھی طرح جانتا تھا اور وہ خوف زدہ تھا کہ اگر یہ نکاح ہو گیا تو بہت گڑبڑ ہو جائے گی۔

''میرے ذوق کو کوئی نہیں جانتا' ایلی دے! یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔''

ذورین نے ایک سلگتی ہوئی گہری نظر نیلو پر ڈالی اور سنایا بھی اسے۔

''او کے! درست کہہ رہے ہو تم خودکشی کا فیصلہ ہمیشہ انسان کا ذاتی معاملہ ہی ہوتا ہے۔ ویسے بائی دا وے یہ حادثہ کب وقوع پذیر ہو رہا ہے؟''

''بہت جلد!'' فضہ نے ذورین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''چلو ہماری طرف سے پیشگی مبارک باد قبول کرو۔ "WISH YOU ALL THE BEST"

ان کڑے لمحوں میں نیلو خود پر قابو پا چکی تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا تو ذورین بس اسے گھور کر رہ گیا۔

''نوشی' آپ اپنی بہن کی شادی کے موقع پر کچھ نہیں کہیں گی؟'' رافع نے نوشی کو دیکھا جو حیرت سے فضہ اور ذورین کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے باپ اور بہن کی چالوں سے بخوبی واقف تھی مگر کچھ کہہ

نہیں سکتی تھی رافع نے اسے منع کر رکھا تھا۔

''جس روز یہ شادی ہو گی اس روز ان کو مبارک باد کہوں گی' بس!''

نوشی نے ایک ناپسندیدہ سی نگاہ بہن پر ڈالی اور نیلو کو دیکھنے لگی جو اپنا بیگ اٹھا رہی تھی۔

''آپ اپنی ہونے والی شادی کو سلیبریٹ کریں ہم تو کافی دیر سے آئے ہیں۔ مما پاپا پریشان ہو رہے ہوں گے' چلیں رافع۔'' نیلو نے رافع کو دیکھا جو ایسے اٹھا جیسے اشارے کا منتظر ہو۔ وہ تینوں جا چکے تھے۔ ذورین ابھی تک گیٹ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''ذورین اب کیا پروگرام ہے؟'' فضہ نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تو وہ ایک گہرا سانس لے کر وہیں بیٹھ گیا جہاں سے نیلو اٹھ کر گئی تھی۔

☆☆☆

''اچھا تو ذورین فضہ سے شادی کر رہا ہے۔'' عثمان نے فائل بند کر کے عاتکہ کو دیکھا جو اس خبر سے بری طرح پریشان ہو گئی تھیں۔

''جی ہاں اور ایسا نہیں ہونا چاہیے آپ کچھ کریں۔ عثمان اگر یہ شادی ہو گئی اور میرا بیٹا موقع پرستوں کے چنگل میں پھنس گیا تو بہت برا ہو گا' کچھ کریں۔ یہ شادی رکوا لیں۔''

عاتکہ بری طرح پریشان تھیں۔ ان کو ذورین سے نیلو کی طرح پیار تھا۔

''او کے فکر نہ کرو۔ شادی کا دن آنے دو گنڈاسا باندھ کر کلہاڑی پکڑ کر عین نکاح کے وقت پہنچ کر کہوں گا۔ رک جایئے مولوی صاحب' اس خوشی میں مجھے بھی شریک کر لیجیے۔''

''عثمان میری جان پر بنی ہے اور آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے۔ آپ کو بھی بتانے کی ضرورت ہے کہ وہ لوگ کتنے خطرناک ہیں اور......'' عثمان نے پر مزاح انداز میں کہا تو عاتکہ روہانسی ہو گئیں۔ عثمان جانتے تھے نیلو اور ذورین کی شادی عاتکہ کی اولین خواہش تھی۔

''عاتکہ دیکھو جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اور پھر وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ نیلو کا جہاں نصیب ہو گا ہو جائے گا۔''

''عثمان! عثمان آپ کیا سمجھ رہے ہیں۔ میں نیلو کے خیال سے کہہ رہی ہوں۔ ٹھیک ہے ذورین اور نیلو کی شادی میری اولین خواہش تھی اور ہے مگر فی الحال میں اسے اس فراڈ آدمی سے بچانا چاہتی ہوں۔ آپ کو معلوم نہیں کہ شجاع الدین اور رفیق مل کر اسے برباد کر رہے ہیں۔ وہ عیار مکار لوگوں میں پھنسا ہوا ہے اور آپ کا اطمینان سکون دیکھنے کے لائق ہے۔'' عاتکہ باقاعدہ رو پڑیں۔

''بیگم صاحبہ! عقل مندی کا تقاضا ہے' پہلے تولو پھر بولو۔ میں بھی کسی بات کا انتظار کر رہا ہوں۔ پورے حقائق کے ساتھ ان پر ہاتھ ڈالوں گا۔''

''جی جب وہ اپنا کام کر جائیں گے...... اور یہ عمار وہاں کیا کر رہا ہے آ کیوں نہیں رہا؟''

''عاتکہ آج تو تم بالکل ذورین کی ماں لگ رہی ہو۔ عمار وہاں مصروف ہے۔ اس کے فائنل ایگزامز بس ختم ہونے والے ہیں۔ فارغ ہو کر آ جائے گا انشاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اور شجاع الدین نے لڑکی کا نکاح کرا دیا ذورین سے پھر؟'' عاتکہ کو یہی فکر لگی ہوئی تھی۔ اگر لڑکی اور وہ لوگ اچھے ہوتے تو وہ قطعی مداخلت نہ کرتیں مگر اب تو ایک روگ سا لگ گیا تھا ان کو۔

''ڈونٹ وری عاتکہ! اللہ پر بھروسا کرو انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ انسان کی قوت برداشت سے زیادہ آزمائش میں مبتلا نہیں کرتا۔ جتنی انسان کی طاقت ہوتی ہے اتنی اس کو آزمائش بھی دیتا ہے۔ پھر بھی اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے' اس کی آزمائش سے۔ سب کچھ خدا پر چھوڑ دو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

پھر کتنی ہی دیر عثمان ان کو سمجھاتے رہے۔

☆☆☆

''مبارک ہو شجاع صاحب' ذورین نے خود فضہ بی بی سے شادی کا کہہ دیا ہے۔ اب تو سمجھئے آپ کا سر بھی کڑاہی میں جانے والا ہے۔ ویسے خدا میرا ہی بھلا کرے۔ دیر مت کیجئے گا۔ نکاح تو فوراً کر ڈالیے۔'' جتنی دیر میں رفیق نے اپنی ٹوپی اور پھونک والا عمل کیا اتنی دیر میں شجاع الدین نے اپنا سگار سلگا لیا۔ لمبا سا کش لے کر فضا کو دھوئیں سے آلودہ کر دیا۔

''تم نکاح کی بات کرتے ہو رفیق! مجھے تو ڈراما ہی کچھ اور لگ رہا ہے۔ ذورین بالکل خاموش ہے۔ عثمان نے اتنا بڑا فراڈ کیا اور عمار بالکل لاپتا ہے۔ ذورین نے بھی کوئی کارروائی نہیں کی اور یہ شادی کا شوشا بھی ایک ڈراما ہی لگ رہا ہے۔'' شجاع الدین کائیاں آدمی تھا وہ وہاں جا پہنچا تھا جہاں رفیق کی سوچ بھی نہیں گئی تھی۔

''ٹھیک ہے۔ اگر یہ ڈراما ہوا تو ہم بھی کوئی ڈراما رچا دیں گے۔ خدا میرا ہی بھلا کرے میرا مشورہ ہے کہ ذورین کو ہاتھ سے نہ گنواؤ۔ ذورین کی وہی قیمت ہے جو مرے ہوئے ہاتھی کی ہوتی ہے اور نکاح کے بعد تو فضہ بیٹی کے حقوق بھی بڑھ جائیں گے۔ اور ہاں حق مہر میں یہ کوٹھی لکھوانا نہ بھولیے گا اور......'' رفیق منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ وہ تو یوں بات کر رہا تھا کہ جیسے لوٹ کا مال ہو اور جتنا چاہا اٹھا لو مگر شجاع الدین کسی گہری سوچ میں تھا۔

''ہاں سب کچھ ہو جائے گا مگر عمار کو آ جانے دو' تم خود ہی بتا رہے ہو وہ بہت سمجھدار ہے اور اگر اس نے بال کی کھال اتارنا شروع کر دی تو سمجھ لو ہماری بھی خیر نہیں۔''

''واہ صاحب واہ! آپ تو ایسی بات کہہ رہے ہیں جیسے رفیق اپنا سوئم منا چکا ہے۔ عمار بہت عقل

منداور سمجھ دار ہے مگر گھاس تو ہم نے بھی نہیں کاٹی۔ عمار میاں کو بھی شیشے میں نہ اتار لیا تو......"

"تو تمہاری گردن کاٹ دوں؟" شجاع الدین نے ہنس کر کہا تو وہ کھسیانا سا ہو گیا۔

"خیر چلو دیکھ لیتے ہیں۔ اگر تم عمار کو بھی شیشے میں اتارنے میں کامیاب ہو گئے تو ہر چیز میں تم برابر کے حصے دار ہو گے ورنہ......"

"میری منصوبوں کی فیکٹری پر اب بھی اعتبار نہیں آیا آپ کو...... خیر دیکھ لیجئے گا۔"

پھر دیر تک دونوں پرائی زمین پر منصوبوں کی فصل بوتے رہے۔

☆☆☆

"سردی بہت زیادہ ہو گئی ہے، ہما بیٹی سے کہو غفوراں سے کہہ دے انگیٹھی گرم کرلائے۔ آپ کہیں تو چائے یا سوپ وغیرہ بنوالوں؟" صدیقہ بیگم نے گرم شال لپیٹتے ہوئے نجیب صاحب کو دیکھا جو کسی گہری سوچ میں تھے۔ چونک کر بیگم کو دیکھنے لگے پھر لحاف کو گرد لپیٹا اور حقے کی نال منہ سے لگائی مگر سردی کی وجہ سے حقہ سرد پڑ چکا تھا۔

"پہلے تو اس کو گرم کرادو پھر چائے......" نجیب صاحب نے نال ایک طرف رکھ کر کہا تو لڑکی حقہ لے کر باہر نکل گئی۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو شہر جا کر ان دونوں کو لے آئیں۔ ایاز نے جس بندے کو ان کی نگرانی پر لگایا تھا وہ بتا رہا ہے کہ دونوں بہت تنہا ہیں اور عفت کی طبیعت بھی خراب رہتی ہے۔ اب ہم نہ خیال رکھیں گے تو کون رکھے گا۔"

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ اب عفت کے مزاج کی کلف اتر گئی ہوگی۔ اس عورت کے غرور اور خود پسندی نے زندگی کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا ہے۔ پہلے ایاز کو بھیجو، آجائیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں خود زبردستی لے کر آؤں گا۔ ہماری بیٹی کی زندگی بھی برباد کر کے رکھ دی ہے اس نے...... اور ہاں ماہ ما کے لیے کوئی رشتہ نظر میں رکھو۔ بھائی عبدالکریم کا لڑکا ابھی باہر سے پڑھ کر آیا ہے۔ عفت اور ماہ ما آجائیں تو بات آگے بڑھائیں گے۔"

"کہہ تو آپ ٹھیک رہے ہیں مگر ماہ ما میری بیٹی ہے۔ میں اسے باہر کیسے جانے دوں گی۔"

صدیقہ بیگم ماہ ما کو شہرام کی دلہن کے روپ میں ہی دیکھتی تھیں مگر نجیب صاحب ان دونوں کے رویے سے بددل ہو گئے تھے۔ مگر صدیقہ بیگم نہ جانے کس امید پر بیٹھی تھیں۔

"صدیقہ بیگم! یہ بات میں کس دل سے کہہ رہا ہوں تم اچھی طرح جانتی ہو۔ میں نے اس گھر اور خاندان کی روایات کے لیے کیا نہیں کیا مگر...... بہر حال اب پرانی کوئی بات نہیں ہوگی۔ دلوں میں ایک بار بال آجائے تو زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔ میں نے شہرام کے لیے بہن آمنہ کی بیٹی کو دیکھا

ہے۔ پڑھی لکھی اور اچھی لڑکی ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

نجیب صاحب نے اپنی بات کی تائید کے لیے ان کو دیکھا مگر وہ چونکہ دلی طور پر ان سے متفق نہیں تھیں اس لیے چہرہ بھی بے تاثر رہا۔

"اب اگر میں کچھ کہوں گی تو آپ کو برا لگے گا۔ میرا دل نہیں مانتا...... آمنہ کی بیٹی مجھے......"

"بس اب زیادہ بحث نہیں ہوگی۔ ماہ ما اور شہرام کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ اب راکھ میں چنگاری کی تلاش میں اپنے ہاتھ خراب کرنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا اب اس بات کو دہرایا نہ جائے۔"

نجیب صاحب نے سخت لہجے میں کہا تو صدیقہ بیگم بھی افسردہ ہو کر چپ ہو گئیں۔ انگیٹھی ان کے بیڈ کے قریب کر کے وہ جانے لگیں۔ وہ بھی محسوس کر رہے تھے خود وہ اپنے فیصلے پر کہاں مطمئن اور خوش تھے مگر انہوں نے بھی مجبوراً یہ فیصلہ کیا تھا۔

"سنو وہ رات شہرام کا فون آیا تھا۔ آنے کے بارے میں کیا کہہ رہا تھا؟"

شوہر کی بات پر وہ پلٹ کر آ گئیں اور سرد ہاتھ انگیٹھی کی طرف بڑھائے۔

"کہہ رہا تھا، جلد ہی آجائے گا۔ اپنی پڑھائی سے تو اللہ کے فضل سے فارغ ہو گیا ہے۔ کہہ رہا تھا اب جب فون کرے گا تو آنے کا ہی بتائے گا۔"

"اچھا خدا کا شکر ہے کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے آرہا ہے۔ اب ان شاء اللہ اس کے آتے ہی شادی کر دوں گا۔"

نجیب صاحب نے کہا تو صدیقہ بیگم ان کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"آپ نے ان لوگوں سے بات کرلی ہے رشتے کی یا اپنا خیال ہے؟ دیکھیں میرا مشورہ یہی ہے شہرام کی بات ابھی نہ کریں۔ خدا نہ کرے کہ آپ بات کریں اور شہرام انکار کر دے پھر خاندان میں کیا عزت رہ جائے گی۔ یہ میری درخواست ہے اگر مان لیں تو......"

صدیقہ کے ممتا بھرے التجائیہ لہجے میں جانے کیا تھا کہ نجیب صاحب چپ سے ہو گئے۔

"ٹھیک ہے ایسا ہی کرلیں گے۔ مگر تم شہرام کو جلد ہی شادی کے لیے تیار کر لینا۔ زندگی کا کب بھروسا ہوتا ہے۔ کم از کم اپنے فرائض تو ادا کر دیں۔ اس کی رائے کے بعد ہی ان سے بات کروں گا رشتے کی۔"

"جی بہتر!" صدیقہ بیگم کے لیے آس کا یہ تنکا ہی بہت تھا۔ وہ کسی حد تک مطمئن سی باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

"چاچی جی! آپ نے جواب نہیں دیا۔ گاؤں چلیں گی کہ نہیں؟"

نجیب صاحب کے کہنے پر ایاز اگلے ہی روز ان دونوں کو لینے پہنچ گیا تو عفت مارے ندامت کے

چپ سی ہو گئیں تو ایاز سمجھا کہ شاید وہ جانا نہیں چاہتیں۔

''کیوں نہیں جاؤں گی بیٹا! میں تو ندامت کی دلدل میں اس حد تک دھنسی ہوئی ہوں کہ نظریں بھی نہیں اٹھا سکتی۔ انسان کی جھوٹی انا' بے جا ضد اسے کتنا ذلیل کرتی ہے یہ میں نے اب جانا ہے۔ سارا دن پنچھی دنیا بھر کی خاک چھانتا ہے بالآخر لوٹ کر گھر کو ہی آتا ہے...... یہ تو بھائی صاحب اور سب کا بڑا پن ہے کہ میری اتنی گستاخیوں کے باوجود گلے لگانے کو تیار ہیں ورنہ تو واپسی کے تمام راستے میں نے اپنے ہاتھوں سے بند کیے تھے۔ میں تو اس قابل بھی نہیں کہ......''

بولتے بولتے سود و زیاں اور احساس ندامت سے شدت سے رو پڑیں تو ایاز نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

''چاچی جی' بھول جائیں سب کچھ یہ دکھ سکھ' یہ زندگی میں آنے والے نشیب و فراز ہی اصل زندگی ہیں۔ بھول جائیں سب کچھ اور میرے ساتھ چلنے کی تیاری کریں۔ ماہ ما کیا خیال ہے گاؤں جانا ہے؟''

ایاز نے ایک طرف بیٹھی آنسو دوپٹے میں جذب کرتی ماہ ما کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ ایاز کے ساتھ لگ کر شدت سے رو پڑی۔ پھر وہ کتنی ہی دیر دونوں کو دلاسے دے دے کر ان کے احساس ندامت کو کم کرتا رہا۔

''ایاز بیٹے ہم تمہارے ساتھ چلتے مگر ایک مجبوری ہے۔''

''کیسی مجبوری چاچی جی!''

''وہ محسن بھائی اور بشریٰ عمرہ کرنے جا رہے ہیں تو ہم چاہتے ہیں کہ ان کو خدا حافظ کر کے ہی جائیں۔ چند روز میں وہ لوگ چلے جائیں گے۔''

''چلیں ایسا کرتے ہیں کہ میں دوبارہ آجاؤں گا۔ آپ لوگ ان کو خدا حافظ بھی کہہ لیں اور وائنڈ اپ کر لیں' میں دوبارہ آجاؤں گا۔''

''میں ڈرتی ہوں ایاز کہیں بھائی صاحب میری اس مجبوری کو بھی گستاخی نہ سمجھیں۔ بیٹا خدا جانتا ہے کہ اب میں وہ نہیں رہی۔ میرے اندر کی مغرور' خودسر' دنیا کو ٹھوکر پر رکھنے والی عفت ختم ہو چکی ہے۔ وقت اور حالات نے مجھے توڑ کر رکھ دیا ہے۔ ڈرتی ہوں بھائی صاحب خفا نہ ہو جائیں۔'' عفت واقعی اب ایک عام عورت کی طرح خوف زدہ ہو گئی تھیں۔ اب تو ان کو اپنے سائے سے بھی خوف آتا تھا۔

''ارے نہیں چاچی جی! آپ فکر نہ کریں۔ اب وہ آپ سے ہرگز خفا نہیں ہوں گے۔ مطمئن رہیے میں چلتا ہوں۔ دوبارہ آجاؤں گا۔''

ایاز کے یوں آنے پر دونوں ماں بیٹی بہت خوش تھیں۔

''خدایا تیرا شکر ہے ورنہ تو میں گاؤں جاتے ہوئے خوف زدہ ہو رہی تھی کہ جانے ان کا کیا رویہ ہو؟'' عفت ایاز کے جانے کے بعد بہت خوش تھیں اور خدا کا شکر ادا کر رہی تھیں۔

''میں نے کہا تھا ناں' تایا ابو اور بڑی امی بہت نائس ہیں۔ بس اب ہم انکل اور آنٹی کے جاتے ہی گاؤں چلے جائیں گے۔ کتنا سکون ہو گا سب اپنے ہوں گے۔ لونگ' کیئرنگ سب لوگ بہت اچھے ہیں۔ ناں...... ہم...... اب وہیں رہیں گے...... اور......''

بات کرتے کرتے ایک دم شہرام کا خیال آ گیا تو ایک ٹیس دل میں اٹھی۔ یادوں کا ریلا سا آیا اور اس کے ضبط کو بہا کر ساتھ لے گیا۔

''مما! وہاں...... وہاں شہرام بھی تو ہو گا...... اور میں اس کی موجودگی میں وہاں نہیں رہ سکتی۔'' وہ عفت کے ساتھ لگ کر شدت سے رو دی تو وہ ایک بار پھر ندامت میں ڈوب گئیں۔ وہ ماہ ما کی خوشیوں کی قاتل خود کو ہی سمجھتی تھیں۔

''ماہ ما! میری جان! تم فکر نہ کرو' سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس کی ذمے دار میں ہوں...... میں ہی بدگمانی کی اس دھند کو ختم کروں گی۔ میں خود شہرام کو مناؤں گی۔ اسے بتاؤں......''

''تو مما! ہرگز نہیں۔ آپ نہ تو اسے منائیں گی اور نہ کوئی بدگمانی دور کریں گی۔ وہ خود کو اتنا پارسا سمجھتا ہے اور مجھے اس نے میری ہی نظروں میں گرا دیا' میرے کردار کو داغ دار کر کے۔ میں اس شخص کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اس نے کوئی معمولی گناہ نہیں کیا۔ میرے کردار پر کیچڑ اچھالی ہے۔ میں...... میں اسے ہرگز معاف نہیں کروں گی مما!'' تلخ یادوں کی ساری تلخی اس کے اندر اتر گئی۔ وہ کتنی ہی دیر روتی رہی۔

☆☆☆

''ہائے عفت' یہ تم نے بہت بڑی خوشی خبری سنائی ہے کہ بھائی صاحب نے تمہیں اور ہم سب کو معاف کر دیا ہے۔ ہم تو بھٹکے ہوئے لوگ تھے۔ ہمیں تو اندازہ ہی نہیں ہوا کہ کیا کھویا اور کیا پایا ہے...... میں...... اللہ کے گھر جا کر گڑگڑا کر توبہ کروں گی اور سب کے لیے دعائیں کروں گی۔''

بشریٰ بیگم جن کو اللہ نے ہدایت دی تو اللہ کے نیک بندے بن گئے۔ محسن صاحب تو اب زیادہ وقت عبادت ہی میں گزارتے۔ ابھی بھی وہ عصر کی نماز کے بعد تسبیح ہاتھ میں لیے آ گئے۔

''یہ انسان بھی کس قدر خسارے میں ہے' اس دنیا کی چند روزہ زندگی کے لیے ابدی زندگی خراب کر لیتے ہیں۔ یہ حرص' لالچ' انسان کے دشمن ہیں جن کے پیچھے وہ دیوانہ وار بھاگتا ہے۔ کیسے کیسے

غریب دیکھتا ہے دھوکے دیتا ہے اور دوزخ کا مال بناتا ہے استغفار۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔ ہم غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔ اب خدا کے حضور جھکے ہیں تو دل میں ایسا سکون واطمینان ہے کہ بیان نہیں کرسکتا کہ لالچ میں......"

محسن صاحب واقعی ماہ ما سے بہت شرمندہ تھے جب بھی ملتے یہی کہتے تھے۔

"انکل پلیز! آئندہ آپ یہ نہیں کہیں گے۔ جب سب کچھ ختم ہوگیا ہے تو پھر ان باتوں سے کیا فائدہ۔ یہ ماریہ اور ٹونی کہاں ہیں؟"

"بیٹا اب وہ کسی ڈانس پارٹی میں نہیں جاتے اوپر ہیں اپنے کمرے میں، وہیں چلی جاؤ۔"

ماہ ما اٹھ کر اوپر چلی گئی۔

"السلام علیکم!" ماہ ما نے اندر جھانکا تو اس کا دل خوش ہوگیا کہ اس ایک حادثے نے سب کو سر سے پیر تک بدل کر رکھ دیا تھا۔ ماریہ قرآن پاک پڑھ رہی تھی۔ ٹونی بھی کسی اسلامی کتاب کا مطالعہ کررہا تھا۔

"وعلیکم السلام آؤ ماہ ما کیسی ہو؟" ٹونی نے کتاب بند کرکے ایک طرف رکھ دی۔

"خدا کا شکر ہے بالکل ٹھیک ہوں۔ سنا ہے ٹونی ایاز بھائی آئے تھے۔ تایا ابو نے ان کو بھیجا تھا۔ اب وہ ہم سے بالکل بھی خفا نہیں ہیں۔ انہوں نے ہمیں گاؤں بلایا ہے۔"

ماہ ما بہت خوش تھی کہ تایا ابو نے ان لوگوں کو معاف کردیا ہے۔

"مبارک ہو۔ یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔ ورنہ تو ہم لوگ خود کو ہی مجرم سمجھتے رہتے۔ تو کب جارہے ہو تم لوگ؟"

ٹونی اور ماہ ما ماریہ کے خیال سے اٹھ کر بالکونی میں آگئے۔

"ایاز بھائی تو ساتھ لے جانے کے لیے آئے تھے مگر مما نے کہا کہ انکل آنٹی کو خدا حافظ کرکے ہی جائیں گے اس لیے وہ واپس چلے گئے ہیں پھر آئیں گے مگر ٹونی صرف اس بدگمان شخص کی وجہ سے میرا دل وہاں جانے کو نہیں چاہ رہا۔" ماہ ما کی آواز بھیگ گئی۔

"ڈونٹ وری! میں اس بدگمان شخص کی ساری بدگمانیاں دور کردوں گا۔ بس ایک بار ملاقات ہوجانے دو۔"

ٹونی نے سوچ رکھا تھا کہ اس کی وجہ سے جو شہرام بدگمان ہوا ہے تو وہی اس کی بدگمانی دور بھی کرے گا۔

"ہرگز نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے اس کی بدگمانیاں دور کرنے کی۔ وہ خود کو سمجھتا کیا ہے بہت پارسا ہے۔ اونہہ...... اعتماد نام کی کوئی چیز جس کے پاس نہیں تو اسے اہمیت دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔

خود پسند...... اس نے میری انسلٹ کی ہے۔ میں بھی اسے معاف نہیں کروں گی۔ اور تمہیں بھی صفائیاں پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" ماہ ما نے برہمی سے کہا۔

"او کے تم اپنا بی پی ہائی نہ کرو۔ لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ شہرام کا جو اس وقت رویہ تھا وہ بالکل درست تھا۔ کوئی غیرت مند مرد یہ برداشت نہیں کرتا کہ......"

"او کے او کے! تم بلاوجہ کا فلسفہ جھاڑ کر اس کی طرفداری نہ کرو۔ ٹھیک ہے بندہ بدگمان ہوجاتا ہے مگر بدگمانی دور بھی کرلیتا ہے مگر شہرام نے تو...... قسم سے ٹونی محبتوں کے سارے مان، سارے بھرم توڑ کر رکھ دیے اس شخص نے۔ بہت دکھ دیے ہیں مجھے ٹونی! میں...... میں......"

ماضی کا ایک ایک لمحہ اس کے دل میں تیر کی طرح اتر گیا۔ ٹونی اسے کتنی ہی دیر بہلاتا رہا۔ ٹونی نے دل میں فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ شہرام کی بدگمانی دور کرے گا خواہ کچھ بھی ہوجائے۔ مگر بدقسمتی سے جس روز محسن صاحب بشریٰ اور ماریہ عمرے کی سعادت کے لیے جارہے تھے ماہ ما اور ٹونی ان کو چھوڑنے آئے۔ وہ لوگ جاچکے تھے۔ ٹونی اور ماہ ما کتنی دیر تک وہاں کھڑے آتے جاتے مسافروں اور متحرک جہازوں کو دیکھتے رہے۔

"میرے خیال میں اب چلنا چاہیے مما گاڑی میں سوگئی ہوں گی۔"

اور جب دونوں آگے بڑھے تو عین اسی وقت شہرام لاؤنج سے نکلا اور پہلی نظر ہی ماہ ما اور رقیب روسیاہ ٹونی پر پڑی۔ دونوں اس ناگہانی آفت سے بے نیاز مسکراتے ہوئے سامنے سے گزر گئے اور اس کے خون میں ابال آنے لگا۔

"اونہہ...... کرلی ناں شادی...... اب تو شادی کی مبارک باد دے کر ہی جاؤں گا۔"

شہرام نے غصے سے پلٹ کر دیکھا۔ وہ دونوں جاچکے تھے۔

ایک عرصے کے بعد اس ستمگر کو دیکھا۔ شہرام بری طرح اپ سیٹ ہوگیا تھا۔ وہ اس کی اپنی تھی، اس کی فرسٹ کزن۔ اس کی پہلی اور اولین چاہت تھی۔ اپنے ہرجائی پن کے باوجود اس کے دل میں تھی اور ستم یہ تھا کہ وہ اسی کے ساتھ تھی جس نے ان کے ارمانوں کے گلشن میں آگ لگادی تھی وہ پھر بھی اس کے قریب تھا۔ شہرام کا خون کھول رہا تھا۔ گھر آکر بھی وہ اسی کیفیت میں رہا۔ اس نے کسی سے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ دل بہت بھرا ہوا تھا۔ وہ اس ٹھنڈ میں باہر نکل گیا۔ کتنی ہی دیر تازہ ہوا میں گہرے سانس لیتا رہا مگر دل کی بے قراری کم نہ ہوئی تو وہ امی کے پاس آگیا۔ وہ لحاف میں بیٹھی تھیں۔ اس نے بے بسی سے سر ان کی گود میں ڈالا تو ایک انجانا سا سکون اس کے رگ و پے میں اتر گیا۔ کیا چیز ہے ماں کا قرب، ماں کا لمس...... کہ اولاد کچھ دیر کے لیے سب کچھ بھول جاتی ہے۔

"کیا بات ہے میری جان! جب سے آئے ہو بہت بے قرار ہو۔ جانتی ہوں۔ تم نے کچھ نہیں

بتایا مگر ماں اولاد کے چہرے سے پڑھ لیتی ہے۔'' انہوں نے سر پر ہاتھ پھیرا پھر جھک کر پیار کیا تو شہرام کے کئی آنسو ان کی گود میں جذب ہو گئے۔

''امی جان! یہ...... یہ ماہ ما مجھے مار دے گی۔ کبھی اس کی محبت' کبھی اس کی بے وفائی اور کبھی اس کی جدائی۔ کیوں نہیں نکل جاتی وہ میری زندگی سے۔ آزاد کر دے مجھے اپنے ہر احساس سے۔ کیوں آزاد نہیں کر دیتی۔''

وہ بے بسی سے ماں کے سامنے بولے گیا یہی تو ایک ہستی ہوتی ہے زندگی میں جس سے بندہ سب کچھ کہہ سکتا ہے۔ وہ اس کے درد کو اپنے دل میں محسوس کر رہی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ شہرام آج تو کیا کبھی بھی نہ تو ماہ ما کو بھلا سکتا ہے اور نہ ہی کسی اور جگہ شادی کے لیے تیار ہو سکتا ہے لیکن ایاز نے جو بتایا تھا اس کے مطابق تو بہتری کے بہت سے راستے نظر آ رہے تھے مگر وہ شوہر کی ضد سے بھی خوف زدہ تھیں۔

''اتنے دکھی کیوں ہو رہے ہو چاند ابھی ماں زندہ ہے اور پھر اب تو عفت وہ نہیں رہی اور ماہ ما بھی۔''

''امی پلیز! نام نہ لیں میرے سامنے ان کا۔ آپ کو معلوم ہے ماہ ما اور ٹونی نے شادی کر لی ہے۔''

اس کا لہجہ رو سا دیا۔

''نہیں۔ نہیں' تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے بیٹے! ورنہ ایسی کوئی بات نہیں۔ اگر ہوتی تو عفت ایاز کو بتا دیتی اور گاؤں آ کر رہنے پر ہرگز تیار نہ ہوتی۔'' ان کی وضاحت پر شہرام نے جو دیکھا تھا بتا دیا۔

''شادی تو خیر نہیں کی ویسے دوستی تو ان لوگوں میں ہے تو......''

''اونہہ دوستی...... میں ایسی دوستی کو نہیں مانتا جو......'' وہ نہ جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ ماں کے لحاظ سے خاموش ہو گیا۔ صدیقہ بیگم تو اسے نجیب صاحب کے ارادے سے آگاہ کرنا نہیں چاہتی تھیں مگر پھر بھی جب ثمن سے رشتے کی بات اسے پتا چلی تو وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔

''امی جان! ابا جی سے کہہ دیں' ایسا کچھ نہ کریں۔ ورنہ میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا ہاں...... وہ نہیں تو کوئی بھی نہیں۔ میں...... میں نہ اسے بھلا سکتا ہوں اور نہ کسی اور کو اس کی جگہ دے سکتا ہوں اس لیے پلیز' مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا جائے ورنہ......''

وہ غصے میں بولتا ہوا دروازہ کھول کر باہر جانے لگا تو سامنے ماہ ما اور عفت جہاں سے ٹکراؤ ہو گیا۔ ماہ ما اپنی اندر باہر کی معصومیت سمیت ایک حقیقت بنی کھڑی تھی۔ کچھ دیر کے لیے نظر میں بہت سے ان کہے شکوے تیر گئے۔ مگر دونوں کو اپنے ضبط پر کمال حاصل تھا۔ شہرام عفت کو بھی سلام کیے بغیر ماہ ما کے

قریب سے گزرتا ہوا باہر نکل گیا۔

''بھائی صاحب اور بھابی جان! آپ لوگ بڑے ہیں۔ میں بہت گنہگار ہوں بہت زیادہ بدتمیزیاں کی ہیں میں نے۔ آپ لوگ مجھے معاف کر دیں' پلیز!'' عفت جہاں با قاعدہ ہاتھ باندھے کھڑی تھیں۔

''اگر تمہیں اس سے سکون ملتا ہے تو ہم نے تمہیں معاف کیا۔ اب سکون واطمینان سے یہاں رہو اور زندگی کی ابتدا نئے انداز میں کرو ماہ ما! میرا بچہ......'' نجیب صاحب نے دونوں کو ساتھ لگا لیا۔

ان دونوں کے آ جانے سے عجیب سی رونق تھی مگر عفت جہاں تو بس یہ چاہتی تھیں کہ کسی طرح شہرام کی بدگمانی دور ہو جائے اور صدیقہ بیگم بھی یہی چاہتی تھیں کہ ماہ ما اور شہرام کی شادی ہو مگر دونوں کو ایک دوسرے کے سائے سے بھی چڑ تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو جہاں دیکھتے نفرت سے منہ پھیر لیتے۔ اس روز بھی ماہ ما نجیب صاحب کے پاس بیٹھی اپنے بچپن کی باتیں کر رہی تھی کہ شہرام تیزی سے کسی کام کی غرض سے اندر آیا۔

''ابا جی! یہ کاغذات...... اوہ!'' وہ کوئی کاغذ لیے اندر آیا۔ ماہ ما کو دیکھ کر منہ بنا کر واپس چلا گیا۔ ایک ٹیس سی اٹھی ماہ ما کے دل میں جسے وہ دبا کر رہ گئی اور نجیب صاحب جو پھر سے ماہ ما کے بارے میں سوچ رہے تھے شہرام کی اس حرکت پر پھر سوچ میں پڑ گئے۔ اسی طرح اس روز شہرام ماں کے پاس بیٹھا تھا کہ ماہ ما آ گئی اور اسے دیکھ کر فوراً وہاں سے ہٹ گئی۔

''مجھے معلوم ہے تم دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں جی سکتے پھر یہ ڈرامے کس کے لیے؟''

صدیقہ بیگم نے مسکرا کر کہا وہ اکھڑ پن سے کھڑا ہو گیا۔

''نہیں امی جان! ایسا ہرگز نہیں ہے۔ میں اتنا کمزور بھی نہیں ہوں جتنا آپ یا وہ سمجھتی ہے۔ میں آپ کے پاس اس لیے آیا تھا کہ آپ ابا جی سے کہہ دیں کہ میں ثمن کے ساتھ شادی کے لیے تیار ہوں۔''

وہ اندر باہر دھما کے کرتا ہوا باہر نکل گیا تو سائڈ پر کھڑی ماہ ما دل ستم زدہ کو تھام کر رہ گئی۔

☆☆☆

ذورین نے اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی ماری تھی۔ شجاع الدین تو اس کے نکاح کے درپے ہو گئے تھے۔ فضہ الگ جان کو آ گئی تھی۔ ذورین نے عمارے کو شیٹ کرنے کی بہت کوشش کی تھی۔ مگر وہ نہ جانے کہاں روپوش ہو گیا تھا۔ اب اتنا بڑا قدم وہ تنہا نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ضد میں آ کر بات تو وہ کر چکا تھا مگر دل کسی طور پر تیار نہیں تھا۔ اور اب اپنی بات سے ہٹنا بھی خلاف مردانگی تھا۔

''کیا کروں...... یا اللہ! کیا کروں' کس سے مشورہ لوں؟'' ذورین بہت پریشان تھا۔ فضہ اور

شجاع الدین کا دباؤ بڑھ رہا تھا اور وہ بری طرح سے گھبرا گیا تھا۔

''مما!'' ایک دم عاتکہ کا خیال پریشانی میں کرن بن کر چمکا۔ وہ سب کچھ بھلا کر کہ کس طرح اس نے ان کے ساتھ بدتمیزی کی ہے ایک طرح سے گھر سے نکالا ہے سب کچھ بھلا کر وہ عثمان صاحب کے فلیٹ پر پہنچ گیا۔

''مما...... مما! آپ کہاں ہیں؟'' وہ بالکل پہلے جیسے انداز میں بولتا ہوا ان کو تلاش کرتا ہوا آیا تو عاتکہ بے قراری سے بھاگتی ہوئی آ گئیں۔

''ذورو' میرا بیٹا واپس آ گیا۔'' عاتکہ بے قراری سے ذورین سے لپٹ گئیں۔

''مما! ادھر دیکھیے آپ کا بیٹا عمار بھی آ گیا ہے۔'' عاتکہ اور ذورین نے پلٹ کر دیکھا عمار عثمان کے ساتھ کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''عمار میرا بیٹا!'' عاتکہ اور ذورین ایک ساتھ عمار کی طرف بڑھے۔

''یہ چپکے سے میرے آنگن میں بہار کیسے اتر آئی؟'' عثمان صاحب پدرانہ شفقت کے ساتھ عمار کی طرف بڑھے تو ذورین ایک دم عمار سے الگ ہو گیا۔ نہ جانے کیوں اس وقت اسے عثمان پر بہت پیار آ گیا اور اس کا جی چاہا کہ عمار کے بجائے وہ ان کے گلے جا لگے مگر بیچ میں تضاد کی' سوچ کی اختلاف کی ایسی فصیل کھڑی ہو چکی تھی کہ وہ بس ایک طرف کھڑا ہو گیا اور عمار ان دونوں کی محبتیں سمیٹتا رہا۔ دونوں کی والہانہ محبت اور شفقت دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ یہ جنم دینے والے والدین نہیں' صرف پالنے والے والدین ہیں۔ ذورین کے اندر غبار سا اٹھنے لگا۔ بارہا جی چاہا وہ بھی محبتوں کے اس قافلے میں شامل ہو جائے مگر ایک ان جان سی رکاوٹ نے قدم تھام رکھے تھے۔ وہ لاتعلق سا کھڑا رہا۔

''عمار بیٹا' کوئی اطلاع تو کر دیتے آنے کی؟'' عاتکہ نے پیار سے عمار کو دیکھا۔

''ارے مما' جو مزہ سرپرائز میں ہے وہ...... اور یہ آپ اتنی کمزور کیوں ہو رہی ہیں۔ پپا لگتا ہے اب آپ مما کا خیال نہیں رکھتے۔'' عمار نے شکایتی نظروں سے عثمان کو دیکھا۔

''جی ہاں' آپ کو اپنی مما ہی نظر آتی ہیں' ہم تو جیسے صحت و تندرستی کے ریکارڈ قائم کر رہے ہیں۔ اس ہڈیوں کے ڈھانچے کو جسے آپ پپا کہہ رہے ہیں' پہلوان بن گئے ہیں۔ ذرا اپنی مما سے پوچھیے ہمارا کتنا خیال رکھتی ہیں۔ بالکل بھی خیال نہیں رکھتیں تمہارے پپا کا۔''

عثمان صاحب نے شاکی سی نگاہ عاتکہ پر ڈالی جو ذورین کی طرف دیکھ رہی تھیں' ان کا دل دکھ گیا۔ کتنا تنہا اور اکیلا سا لگ رہا تھا۔

''جی بالکل' یہ تو آپ کی صحت سے ہی اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ کا خیال نہیں رکھا جاتا' کولیسٹرول بڑھا ہوا ہے جناب کا اور......''

''مما یہ میری کٹ کھنی کہاں ہے' اسے میری خوشبو نہیں پہنچی۔ رکیے' میں خود اسے ڈھونڈ لیتا ہوں۔'' عمار نیلو سے ملنے کا سوچ کر مسکراتا ہوا دروازے کی جانب بڑھا تو ذورین سامنے آ گیا۔

''میں چلا جاؤں بھائی؟'' ذورین کے لہجے میں عجیب طرح کا شکوہ تھا' احساس کمتری سا تھا۔ عمار رک کر اسے جانچتی نظروں سے دیکھنے لگا۔

''ذرا رک جاؤ' ایک ساتھ چلتے ہیں۔ مجھے تم غیروں کے حوالے کر کے جاؤ گے۔''

عمار کا لہجہ عجیب سا تھا' ذورین سمجھ نہیں پایا۔ عمار اسے سوچوں کے حوالے کر کے خود نیلو کی تلاش میں نکل گیا۔ اس کے کمرے کے سامنے کھڑے ہو کر پہلے تو اس نے سوچا دستک دے اور پھر اس نے ہلکی سی دستک دی مگر جواب نہ پا کر اس نے دروازے کو زور لگایا تو وہ کھل گیا۔ اس نے جھانکا' نیلو دنیا و مافیہا سے بے نیاز سوچوں میں گم تھی۔ عمار نے آگے بڑھ کر آہستگی سے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ وہ اس کے لمس کو کہاں بھولی تھی۔

''ارے بھائی' آپ......!'' لڑکھڑاتی آواز میں بھیگا ہوا یہ چھوٹا سا جملہ کہتی وہ عمار سے لپٹ گئی اور پھر اس کو سگے بھائیوں کی طرح چاہنے اور عزیز رکھنے والے بھائی نے اس کے اشکوں کی داستان سن لی' اس نے ہچکیوں کے بیچ ذورین کی بے شمار شکایتیں کر ڈالیں۔

''اور آپ...... آپ بھی بہت برے ہیں۔'' آخر میں اس نے اسے بھی گھسیٹ لیا۔

''ہائیں ہائیں' لڑکی! میرا کیا قصور ہے؟'' عمار نے پیار سے اس کی سرخ اور گرم ناک دبائی تو وہ اسے گھورنے لگی۔

''بھائی' آپ آئے کیوں نہیں اتنا کچھ ہو گیا۔ سب کچھ ختم ہو گیا اور آپ اب آ رہے ہیں؟'' نیلو ذورین اور فضہ کی شادی کے حوالے سے کہہ رہی تھی۔

''دیکھو گڑیا......! مجھے سب پتا چلتا رہا ہے' پپا تمام حالات بتاتے رہے ہیں مگر......''

''بھائی! آپ کو پتا ہے' ذورین صاحب فضہ سے شادی کر رہے ہیں۔'' سارے حالات ساری کہانی کا نچوڑ آواز کی لرزش میں ڈھل گیا تو عمار اسے دیکھنے لگا۔ دونوں ہاتھ گود میں رکھے بے چینی سے ہاتھ مسلتے نظریں جھکائے وہ بمشکل آنسو ضبط کیے ہوئے تھی۔ وہ کچھ دیر بغور دیکھتا رہا پھر مسکرا دیا۔ اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس کا جھکا ہوا سر اوپر کیا۔

''تمہیں اعتراض کس بات پر ہے...... ذورین کی شادی پر یا فضہ کے ساتھ شادی پر؟''

اس معنی خیز سوال پر وہ گھبرا گئی تھی۔ ایک نظر عمار کو دیکھا وہ جانچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اب وہ کیسے کہہ دیتی کہ اسے دونوں باتوں پر اعتراض ہے۔ ذورین پر صرف میرا حق ہے مگر یہ اعتراف تو وہ مر کر بھی نہیں کر سکتی تھی اس لیے رخ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔

''بھائی' مجھے ان کی شادی پر کیوں اعتراض ہونے لگا افسوس تو ان کے انتخاب پر ہے۔''

''ہاں' مجھے بھی حیرت اس کے انتخاب پر ہے' جبکہ اس کے انتخاب کی نظر کہیں اور ہونی چاہیے تھی۔ بہرحال دیکھ لیتے ہیں کہ اس نے یہ غلطی دانستہ کی ہے یا واقعی فضہ اسے پسند آگئی ہے؟''

عمار نے معنی خیزسی نظر اس پر ڈالی تو وہ سمجھ نہیں پائی۔

''بھائی' مجھے یقین ہے کہ فضہ ذورین کی پسند نہیں مگر نہ جانے وہ جان بوجھ کر دلدل میں کیوں اتر رہا ہے؟''

نیلو کو واقعی یقین تھا کہ وہ محض اسے اگنور کرنے کے لیے فضہ کو پسند کرنے اور شادی کا ڈھونگ رچا رہا ہے۔

''اور یہ یقین تمہیں کیسے ہے کہ وہ فضہ کو پسند نہیں کرتا۔ ہیں' بتاؤ...... تمہیں یہ یقین کیسے ہوا؟''

عمار شوخ نظروں سے اسے دیکھتا ہوا اس سے کچھ اگلوانا چاہ رہا تھا۔ وہ کچھ گڑبڑا سی گئی۔

''مجھے معلوم نہیں۔'' وہ کترا سی گئی۔

''لیکن مجھے معلوم ہے بلکہ اب تو یقین ہو گیا ہے کہ......''

عمار کا لہجہ نیلو کو چونکا گیا۔ ایک عجیب طرح کا ملال اندر اتر گیا کہ عمار اگر سچائی تک پہنچ گیا تو کیا سمجھے گا کہ وہ محض اپنی خاطر یہ سب کر رہی تھی۔

''بھائی...... بھائی' آپ کو اندازہ نہیں کہ وہ سب کتنے غلط لوگ ہیں۔ تو ذورین بہت برے لوگوں میں پھنس رہا ہے جو بہت لالچی اور موقع پرست لوگ ہیں اور فضہ تو......''

''اوکے اوکے' اب میں آگیا ہوں ناں سب کو دیکھ لوں گا اور جو جہاں قصوروار ہو گا اسے وہیں سزا ملے گی۔ چلو آؤ' مما پپا کب سے ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔''

وہ دونوں کسی بات پر ہنستے ہوئے لاؤنج میں آگئے۔ عاتکہ نے میز پر چیزوں کے ڈھیر لگا دیے تھے۔ ایسے میں جب وہ چاروں ہنس بول رہے تھے ذورین ایک طرف بیٹھا تھا۔ سب نے اسے شریک محفل کرنا چاہا مگر وہ اپنی جگہ پر جما رہا اور پھر باتوں میں اس کا وجود بے معنی ہو گیا تو ذورین شکوے سے بھرپور نظر بھائی پر ڈالتا چپکے سے باہر نکل آیا۔ آج وہ خود کو بہت تنہا محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆

''یار رفیق' مجھے تو کچھ گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ اگر عمار نے ہمیں ہی پکڑ لیا تو۔''

شجاع الدین کو جب سے عمار کے آنے کی اطلاع ملی تھی وہ کچھ گھبرا رہے تھے۔ گھبراہٹ کا کچھ احساس رفیق کو بھی تھا مگر اسے اپنی صلاحیتوں پر بھروسا تھا اسی لیے اپنی ٹوپی والے ٹوٹکے سے فراغت کے بعد وہ شجاع احمد کی طرف پلٹا۔

''خدا میرا ہی بھلا کرے صاحب پکڑے گا تو ہم اپنا آپ چھڑا لیں گے...... مگر آپ اپنے حواسوں پر قابو رکھیے۔ اگر ایسی کمزوری دکھائی تو کہانی اور ہو جائے گی اور اگر کہانی اور ہو گئی تو گردن......''

رفیق نے اپنی گردن پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اسی وقت عمار ذورین کے ساتھ اندر آیا اور اتنے خلوص اور اپنائیت سے ملا کہ شجاع الدین کے خدشات مٹ گئے۔ جعلی اشکوں نے عمار کی شرٹ بھگو دی۔

''میری مرحوم بہن کے بچے' ہم بھی زندگی کے کس موڑ پر ملے ہیں کہ......''

مصنوعی ہچکی نے عمار کو متاثر کر ہی ڈالا۔ اس نے انہیں شانوں سے پکڑ کر صوفے پر بٹھا دیا اور خود ان کے قریب بیٹھ کر تسلیاں دینے لگا۔ اس کا انداز اتنا حوصلہ افزا تھا کہ ان کو خاصی ڈھارس ہو رہی تھی۔

''حوصلہ کریں ماموں جان! اب کیا ہو سکتا ہے' مما پپا تو اب زندگی کے فریم میں یاد کی صورت ہو گئے ہیں' چونکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے اس لیے ہم بے بس انسان تو بس اللہ کے ہر حکم اور ہر فیصلے پر سر ہی جھکا سکتے ہیں۔ آپ ہیں ناں اب ہمارے پاس اب ہمیں کس بات کی فکر ہے۔ ذورین نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے کہ آپ ہمارے لیے کتنا پریشان رہتے ہیں۔ بہرحال اب میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔''

اور پھر عمار کتنی ہی دیر شجاع الدین کو تسلیوں کے جال میں الجھاتا رہا۔

''ارے بیٹا' میں تم لوگوں کے لیے پریشان نہ رہوں گا تو کون رہے گا۔ آخر روز آخرت میں اپنے اللہ کو بھی منہ دکھانا ہے اور پھر میری بہن کیا مجھ سے شکوہ نہیں کرے گی کہ میں نے اس کے بیٹوں کا خیال بالکل نہیں رکھا۔ ارے میں تو جان بھی دے دوں تم لوگوں کی خاطر۔ میری پیاری مظلوم بہن آہ جوانی میں چلی گئی بچوں کو جی بھر کر بھی نہیں دیکھا اور......''

شجاع الدین نے پھر رونا شروع کر دیا قریب تھا کہ ایکٹنگ میں مزید اصلیت کی صورت اختیار کرتے ہوئے دھاڑیں مارنے لگتے۔ عمار نے جھٹ ٹیبل سے ٹشو اٹھا کر ان کی طرف بڑھائے۔

''ارے ماموں جان حوصلہ رکھیے۔ بہن کی فکر مت کیجیے۔ وہ بے چاری آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ آپ صرف اللہ کو منہ دکھانے والے کام کریں کیونکہ بہرحال اللہ اندر باہر کے بھید جانتا ہے اور جزا سزا کا مالک ہے بندہ تو بے بس ہے۔ بہرحال اب آپ کو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں میں امتحانات سے فارغ ہوتے ہی بھاگ آیا ہوں تو صرف آپ کی محبت میں آپ فکر نہ کریں۔''

عمار نے اپنی محبتوں کا یقین کچھ اس انداز میں دلایا کہ شجاع الدین کے سارے خدشے مٹ گئے۔ وہ تو خود اپنی صلاحیت پر حیران تھے کہ کس طرح رفیق کی مدد کے بغیر انہوں نے عمار کو شیشے میں

اتار لیا تھا۔ اب وہ اندر ہی اندر رفیق کا پتا کاٹ رہے تھے جو اپنی چندی آنکھوں میں آئے مصنوعی آنسو صاف کر رہا تھا۔ اسی وقت فضہ، رافع اور نوشی اندر آئے تو عمار ان کی طرف متوجہ ہوگیا۔ فضہ اور نوشی میں وہ گیس لگانے لگا کہ کون فضہ ہے۔ وہ اٹھ کر ان کے قریب ہوگیا۔ رافع سے بغیر تعارف کے ہاتھ ملایا۔

"اگر میں غلطی پر نہیں تو تم رافع ہو۔" عمار نے پریقین سی نگاہ اس پر ڈالی تو وہ قدرے جھک گیا۔

"آپ کا جواب سو فیصد درست ہے عمار بھائی۔ اس خوب رو، اسمارٹ، خوش اخلاق نوجوان کو رافع ہی کہتے ہیں۔"

وہ شوخی سے بولا تو عمار کو اس کا انداز اچھا لگا۔

"تم نے اپنی ایک خوبی کا تو ذکر نہیں کیا جو خود ہی بول رہی ہے کہ بندہ خوش فہم بھی ہے۔"

عمار کی بات پر رافع خوش دلی سے ہنس دیا پھر عمار دونوں لڑکیوں کو دیکھنے لگا۔

"تم......تم فضہ ہو۔" عمار نے نوشی کے سر پر ہاتھ رکھا تو رافع اچھل پڑا۔

"توبہ توبہ کیا غضب کر رہے ہیں۔ عمار بھیا یہاں آپ سو فیصد غلط ہیں قند کو زہر کہہ رہے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ یہ تو بہت اچھی سی، معصوم سی، پیاری سی، سادہ سی لڑکی نوشی ہے۔ فضہ یہ ہے۔"

رافع نے اتنے معنی خیز انداز میں تعارف کرایا تو فضہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگی مگر گھورنے کا یہ عمل اسے ختم کرنا پڑا، عمار کی وجہ سے جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"السلام علیکم عمار بھائی، یہ رافع تو بس یوں ہی ہے۔" وہ کھسیانی سی ہوگئی۔

"وعلیکم السلام۔ فضہ کیسی ہو اور رہی بات رافع کی تو مجھے معلوم ہے کہ یہ کیا چیز ہے؟"

عمار نے ایک ذومعنی سی نظر رافع پر ڈالی جو نظریں جھکائے قالین کے نقش و نگار دیکھتے ہوئے نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔

"اور رفیق! ہماری نسرین خالہ کا کیا حال ہے ٹھیک تو رہتی ہیں؟" عمار نے رفیق کی طرف دیکھا جو طوطے کی طرح نظریں گھما گھما کر سب کو دیکھتے ہوئے نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔

"اچھی بھلی ہے عمار میاں، اس کو کیا ہونا ہے۔ ایسی سخت جان ہے کہ ستر بیماریاں بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں۔ مجال ہے کسی بیماری سے گزر جائے۔ قیامت کی پھوڑیاں سمیٹے گی۔ کم بخت جان کو آگئی ہے۔"

رفیق نے انتہائی نفرت سے نسرین کا ذکر کیا۔

"بہت بری بات ہے رفیق......! نسرین خالہ بہت نیک خاتون ہیں۔ میں ان کا بہت احترام کرتا ہوں۔ ہماری پرورش میں ان کا بہت ہاتھ ہے۔"

"خیر عمار میاں......! آپ کی پرورش میں ہاتھ تو میرا بھی بہت ہے، آپ کو ٹہلانے لے جایا کرتا تھا اور ذرا سی بات پر آپ میرا چہرہ سرخ کر دیا کرتے تھے تھپڑوں سے۔"

رفیق کی باتیں ابھی جاری تھیں کہ ذورین آگیا۔ وہ بہت پریشان اور الجھا ہوا تھا۔ عمار نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ وہ بھائی تھا اور محسوس کر رہا تھا کہ ذورین خوش نہیں اور وہ جو کچھ کر رہا تھا محض نیلو کی ضد اور اپنی انا کی تسکین کے لیے کر رہا تھا۔ نیلو بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔

"تم کہاں رہ گئے تھے ذورین، میں اس قدر پریشان ہو رہی تھی کہ کیا بتاؤں؟"

عمار نے دیکھا فضہ تیزی سے ذورین کی جانب بڑھی اور کسی کا خیال کیے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے سامنے لے آئی۔

"ہاں اور نہیں تو کیا ذورین یہ تمہارے لیے بہت پریشان ہو رہی تھی اتنا کہ بسکٹ کی ساری پلیٹ اس پریشانی کے ذریعے پیٹ میں سیٹ ہوگئی۔ یار ایسی پریشانیاں ہمیں لاحق کیوں نہیں ہوتیں؟"

"رافع، تم بہت بولتے ہو۔ بولنے پر آتے ہو تو موقع محل دیکھتے ہی نہیں بولے چلے جاتے ہو۔"

شجاع الدین کو اول تو رافع کا وجود ہی اس موقع پر کھل رہا تھا، اوپر سے اس کے معنی خیز جملے شجاع الدین کو طیش دلا گئے۔

"ٹھیک ہے ماموں جان! اب میں موقع پر ہی بولوں گا۔" رافع نے ذرا تیز آواز میں کہا اور باہر نکل گیا تو عمار نے سوالیہ نظروں سے شجاع الدین کو دیکھا۔ وہ بھی کچھ کھسیانے سے ہوگئے۔

"یہ اس کی عادت ہے بیٹا کہ فضہ سے بلاوجہ الجھتا رہتا ہے۔ دیکھنا ابھی آجائے گا۔ آؤ میرے پاس بیٹھو تم سے مجھے اپنی بہن کی خوشبو آتی ہے۔"

شجاع الدین نے اپنے لہجے میں درد بھرتے ہوئے کہا تو عمار ان کے قریب بیٹھ گیا۔

"فضہ بیٹی، میرا خیال ہے جب تک میں عمار میاں سے بات کرتا ہوں، تم اور ذورین کہیں باہر گھوم آؤ۔"

باپ کی اس آفر پر فضہ تو نثار ہوگئی مگر ذورین چڑ گیا۔ اس کے چہرے پر تلخی سودار ہوگئی۔

"نہیں، اس وقت میرا کہیں جانے کو موڈ نہیں ہو رہا۔ بھائی، میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں آپ فارغ ہو کر وہاں آجائیں۔" ذورین نے بیزار سے انداز میں کہا اور باہر نکل گیا۔

☆☆☆

شہرام نے ثمن کے ساتھ شادی کا اعلان کر کے گھر بھر کو سناٹوں میں دھکیل دیا تھا۔ عفت اور ماما کے لوٹ آنے کے بعد تو خود نجیب صاحب کی نیت بھی بدل گئی تھی۔ انہوں نے ثمن کے ساتھ شہرام کی شادی کا ارادہ ہی بدل دیا تھا مگر آج اس کے باقاعدہ اعلان نے بجائے خوشی دینے کے ان کو بھی

افسردہ کر دیا تھا کیونکہ وہ بہر حال ماہ ما کو ہی اس کی دلہن بنانا چاہتے تھے مگر بدقسمتی سے درمیان میں حائل ہو جانے والی خلیج نے بے بس کر کے رکھ دیا۔

"شہرام نے ثمن کے لیے ہاں کہہ دی ہے صدیقہ۔ میرا خیال ہے آپ اور عفت رحیم بھائی کے گھر چلے جاؤ اور رشتے کی بات کرو پھر انشاءاللہ جلد ہی شادی کر دی جائے گی۔"

عفت اور صدیقہ بیگم سر جوڑے باتیں کر رہی تھیں جب نجیب صاحب نے آ کر بتایا۔ عفت کا چہرہ اتر گیا کیونکہ وہ سمجھتی تھیں کہ ماہ ما کے لیے اس گھر سے زیادہ محفوظ اور اچھی پناہ گاہ ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ گہرا سا سانس لے کر رہ گئیں البتہ صدیقہ بیگم ہمت کر کے کھڑی ہو گئیں۔

"شہرام کی شادی کی ایسی بھی کیا جلدی ہے آپ کو ابھی تو پڑھائی ختم ہوئی ہے اس کی کچھ کام کرے، نوکری کرنی ہے کرے یا بزنس کرنا چاہتا ہے کرے۔ ابھی سے شادی کے چکر میں پڑ گیا تو کیا کرے گا؟ میں نے اتنا عرصہ اس کی تعلیم اور مستقبل کی خاطر اس کی جدائی برداشت کی ہے اور اب وہ...... نہیں ابھی میں ثمن کے گھر نہیں جاؤں گی چاہے آپ کو برا ہی لگے میں تو نہیں جاؤں گی۔"

صدیقہ کے مودب لہجے میں ہلکا سا انکار تھا۔ اس رشتے پر خود نجیب صاحب بھی کہاں تیار تھے مگر چونکہ شہرام نے منہ کھول دیا تھا اس لیے وہ متحرک ہو گئے تھے۔

"اور یہ جو شہرام نے خود سے کہہ دیا ہے؟"

"وہ تو احمق ہے میں سب جانتی ہوں جی! اس لڑکے ثمن کے ساتھ شادی کے لیے ہامی کیوں بھری ہے۔ وہ تو بچہ ہے ہم کیوں اس طرح جان بوجھ کر ناپسندیدہ زندگی کا طوق ان کے گلے میں ڈالیں۔ ابھی آپ چپ رہیے میں خود شہرام سے بات کروں گی۔ اگر وہ سنجیدہ ہوا تو ثمن کے گھر چلے جائیں گے ورنہ......"

صدیقہ نے عفت کی طرف دیکھا جو اپنی جنگ لڑتی اس مہربان سی جیٹھانی کو دیکھتی رہ گئیں جن کی انہوں نے نہ تو قدر کی نہ عزت دی۔

"ایک تو تم ماں بیٹے کی مجھے سمجھ نہیں آئی کہ کیا چاہتے ہو تم لوگ۔ الجھا کر رکھ دیا ہے مجھے، بہر حال مجھے جلدی جواب دے دینا اور عفت، تم نے ماہ ما کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

بیگم کو برہم سے لہجے میں جواب دے کر وہ اب عفت کی طرف دیکھ کر پوچھ رہے تھے۔

"...... بھائی جی! ماہ ما آپ کی بیٹی ہے۔ آپ سوچیں اس کے بارے میں، میں کون ہوں سوچنے اور فیصلہ کرنے والی۔ قسمت اچھی ہوتی تو زندگی کے دھاگے اس طرح کیوں الجھتے کہ ان کو سنوارنا مشکل ہو جاتا۔"

عفت آبدیدہ ہو گئیں۔ ماضی کے آئینے میں اپنی ہی صورت نظر آ رہی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ پریشان نہ ہو اللہ مالک ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا انشاءاللہ۔"

عفت کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ باہر نکل گئے۔

"کیا کریں کس طرح سے ان دونوں بچوں کے دلوں سے بدگمانی کو صاف کریں۔ میرا تو دل بالکل ثمن کے لیے تیار نہیں۔ عفت کچھ کرو...... اور مجھے معلوم ہے کہ شہرام نے یہ فیصلہ محض ماہ ما سے چڑ کر کیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ دونوں اپنی زندگی کو انا کی بھینٹ کیوں چڑھا رہے ہیں۔"

"میں کیا کروں بھابی جان میں تو ندامت کے جنگل میں بھٹکتی رہتی ہوں۔ یہ جو کچھ بھی ہوا ہے میری ہی وجہ سے تو ہوا ہے۔ مجھ جیسی عورتیں جو اتنی سطحی سوچ کی مالک ہوتی ہیں کہ ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھ لیتی ہیں مگر محبت اور بے لوث جذبوں کے موتیوں کو روند دیتی ہیں۔ مذہب سے دوری مجھ جیسی عورتوں کو برباد کر دیا کرتی ہے۔ اپنی روایات کو روند کر دوسروں کی اترن استعمال کرنے والی مجھ جیسی عورتیں ہمیشہ بے چین و بے قرار ہی رہتی ہیں۔ بربادی ہوتی ہیں، یہ میرے بداعمال کی سزا ہے بھابی جو مجھے بھگتنی ہے۔"

عفت جہاں بری طرح رو پڑیں۔ اپنی خودسری کی داستان خود دہرا کر وہ کتنی دیر روتی رہیں، پچھتاتی رہیں۔

"چلو عفت، اب پرانی باتیں مت دہراؤ آئندہ کے لیے کچھ سوچو کچھ کرو۔ تم ماہ ما سے کہو کہ اگر وہ ایک بار شہرام سے سوری کر لے تو مجھے یقین ہے اس کی بدگمانی دور ہو جائے گی۔"

"بھابی جان! دونوں کی رگوں میں ایک ہی خون گردش کر رہا ہے۔ شہرام اگر اکھڑ ہے تو ماہ ما اس سے زیادہ انا پرست ہے۔ دونوں ناسمجھ ہیں نہیں جانتے کہ وہ اپنی زندگی کو اور دوسروں کی خوشی کو اپنی جھوٹی انا کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں۔"

"پھر بھی تم ایک بار ماہ ما سے کہہ کر تو دیکھو ہو سکتا ہے کہ وقت اور حالات نے نفرت کی فصیل میں دراڑ ڈال دی ہو۔ خدا کرے ایسا ہی ہو تو میں تو شکرانے کے نفل پڑھوں گی۔"

صدیقہ بیگم نے خلوص دل سے دعا کی تو عفت جہاں متاثر کن نظروں سے ان کو دیکھنے لگیں جن سے ان کو بے وجہ کا بیر تھا جن سے ان کو چڑ تھی اور وہ ان کی کتنی خیر خواہ تھیں۔ کاش انسان دوسروں کو سمجھتے وقت اپنی خود ساختہ دشمنی کا چشمہ اتار لیا کرے تو وہ اتنے مسائل کا شکار نہ ہو۔

"ٹھیک ہے بھابی جان! میں کوشش کر دیکھتی ہوں۔" عفت اٹھ کر باہر آ گئیں۔ کمرے میں آئیں تو ماہ ما کو کتابوں میں مصروف پایا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اسے پیار کیا۔

"اتنی دیر لگا دی مما آپ نے تائی امی کی پاس۔" جواباً اس نے بھی ماں کو پیار کیا۔

"بس جانی، جب باتیں شروع ہو جائیں تو...... اور یہ تم کیا کر رہی ہو؟"

''مما......! میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اپنی ادھوری تعلیم مکمل کرلوں کیا خیال ہے آپ کا؟''

اپنے فیصلے کی تائید کے لیے اس نے مما کی جانب دیکھا جو کچھ خاص خوش نظر نہیں آ رہی تھیں۔

''کیوں مما......! آپ خوش ہیں کہ نہیں؟''

''خوش ہوں بیٹا مگر میں کچھ اور چاہتی ہوں۔''

''آپ...... آپ کیا چاہتی ہیں مما مجھے تو آپ کی خوشی چاہیے۔'' ماہ ما نے پیار سے ان کے ہاتھ چوم لیے تو عفت کتنی ہی دیر اسے دیکھتی رہیں اور اپنی بات کے لیے موزوں الفاظ کا چناؤ کرتی رہیں۔

''بولیے ناں مما......! آپ الجھی ہوئی کیوں ہیں؟'' ماہ ما نے استفسار کیا۔

''بیٹا' میں چاہتی ہوں کہ...... دیکھو میری جان......! مجھے غلط نہ سمجھنا' میں بہت ٹوٹی ہوئی عورت ہوں جس نے اپنا ماضی اور حال خود برباد کیا ہے مگر...... مگر بیٹا' میں چاہتی ہوں کہ ہمارا مستقبل اچھا ہوجائے۔ یہ سب ہمارے اپنے ہیں۔ کتنی وسعت ہے ان کے دلوں میں' کتنا چاہتے ہیں یہ سب لوگ ہمیں۔ تو بیٹا میں اب ان سے الگ ہونا نہیں چاہتی۔ میں...... میں یہ چاہتی ہوں کہ تم اور شہرام......''

''مما پلیز!'' عفت جہاں جو بڑی مشکل سے اتنی تمہید کے بعد اصل بات پر آئی تھیں کہ ماہ ما اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے انداز ہی بتا رہے تھے کہ نفرتوں کی دھند چھٹنے کے بجائے گہری ہوئی ہے۔

''مما' آپ سب کیا چاہتے ہیں۔ میں اس خود پرست آدمی کے قدموں میں جھک جاؤں جو اس قدر بے اعتبار آدمی ہے کہ اپنے سائے پر بھی شک کرتا ہے۔''

''شک...... لیکن جو کچھ ہوا تھا' حقیقت تھا کہ نہیں پھر شہرام تو مرد ہے اتنے بڑے ثبوت کے بعد......''

اب عفت جہاں شہرام کو بالکل درست سمجھ رہی تھیں۔

''کیا حقیقت تھی' اس نے فریم میں بجی تصویر پر اعتبار کرلیا اور سینے میں دھڑکتے شفاف دل پر' اپنی محبت کو پہچان نہ سکا۔ نو مما سوری' میں اتنے کمزور اور بے اعتبار آدمی کے ساتھ زندگی کے رابطے جوڑنا نہیں چاہتی جو کسی بھی وقت...... نو مما' نو! میں کسی قیمت پر بھی اس شخص کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں' میں اس کی خاطر جوگ نہیں لوں گی۔ مما' آپ جہاں کہیں گی شادی کرلوں گی مگر اس شخص کے سامنے اب نہیں جھکوں گی۔ اگر اس قصے میں میرا قصور تھا تو میں نے اس سے سوری کرلی تھی مگر وہ اتنا خود پسند ہے کہ میری معذرت' میری معافی کے انکساری وجود کو اپنی خودسری اور واہموں کے ساتھ روندتا چلا گیا اور اب پھر میں اس کے سامنے جھک جاؤں' نیور مما......! نیور' الحمدللہ میں پہلے بھی درست تھی اور اب بھی ہوں' اب میں نہیں وہ معافی مانگے...... اور پلیز مما! آج کے بعد آپ اس ٹاپک پر بات مت کیجیے گا۔''

بولتے بولتے اس کا لہجہ بلند اور تلخ ہوگیا تھا۔ آنکھوں میں وہ منظر گھوم گیا جب اس نے گڑگڑا کر شہرام سے معافی مانگی تھی اور وہ انتہائی بدتمیزی اور خودسری سے اسے روندتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔ وہ کش دان کے قریب جا بیٹھی۔ عفت جہاں گم صم سی ابھی بھی صوفے پر بیٹھی انجانی سوچوں میں گھری ہوئی تھیں۔ ماہ ما نے پلٹ کر دیکھا تو ماں کو یوں افسردہ سا دیکھ کر وہ ان کے قریب آ گئی اور ان کے ہاتھ آنکھوں سے لگالیے۔

''سوری مما' آپ جانتی ہیں کہ میں آپ کی خاطر سب کچھ قربان کرسکتی ہوں مگر اس شخص کے سامنے جھک نہیں سکتی۔ اس نے مجھے ہرٹ کیا ہے۔ اس نے میرے اور ٹونی کے مما اس نے اس قدر انسلٹ کی ہے میری کہ میں......''

وہ شدتوں سے رو پڑی تو عفت جہاں نے اسے ساتھ لگالیا۔ وہ ماں تھیں اور ماہ ما کو جانتی تھیں۔ اس لیے اپنی حیثیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی بات منوا کر اس کی انا کو مجروح نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

''او کے مائی چائلڈ! اگر تم خوش نہیں ہو تو تم پر ہم اپنا فیصلہ مسلط نہیں کریں گے۔ ڈونٹ وری' میں تو یہ چاہتی تھی کہ تم اپنوں میں رہو اپنے پھر اپنے ہوتے ہیں۔ اب دیکھو' میری اتنی کوتاہیوں کو بھائی صاحب اور بھابی نے معاف کردیا سینے سے لگالیا ہے ہمیں لیکن تم پریشان نہ ہو' انشاء اللہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔''

عفت جہاں اسے ساتھ لگائے سمجھا رہی تھیں اور ماہ ما کے اندر گرتے آنسو ایک آگ سی بھڑکا رہے تھے۔

☆☆☆

بے جا ضد اور انا پرستی زیادہ تر انسان کی اپنی ذات ہی کو نقصان پہنچاتی ہے۔ شہرام بھی ماہ ما کو نیچا دکھانے کی کوشش میں ثمن کے ساتھ شادی کا فیصلہ کر بیٹھا تھا کیونکہ شہرام پر جنون بن کر سوار ہوگیا تھا۔ حسب معمول جنون میں اس نے اپنے کمرے کا حلیہ بگاڑا اور اب دادی جان کے کمرے میں کھڑا کتنی دیر سے اس کمرے سے وابستہ حسین یادوں کے آئینے میں جھانکتا رہا۔ وہ خوب صورت لمحات جن کے رنگ اس کی زندگی کو حسین بنا گئے تھے' اب صرف خوشگوار یاد بن گئی تھی۔ وہ دن' وہ لمحات کتنے حسین تھے جب دادی جان کے اصرار پر ان دونوں کو دلہا دلہن بنایا گیا تھا پھر تصویریں بنوائی گئیں۔ ماہ ما کتنی حسین لگ رہی تھی۔ رخساروں پر حیا کی سرخی' آنکھوں میں شہرام کے ساتھ زندگی کی کرنیں مل کر اسے مزید حسن بخش رہی تھیں۔ وہ پلکیں جھپکائے بنا دیکھے گیا اور نہ جانے پھر وہ سارا حسن' وہ سارے احساسات کہاں کھو گئے۔ غبار بن کر آنکھوں میں آ گئے۔ وہ حسین چہرہ دھندلانے لگا۔ لطیف احساسات کی جگہ ایک انجانے طوفان نے لے لی اور طوفان سب کچھ تباہ کرتا ہوا چلا گیا۔ اس کے

اندر طوفان نے ہلچل مچادی تھی۔ اس کو خود پر اختیار نہ رہا۔ اس نے جنون میں تصویر اتار کر دور پھینکی۔ تصویر دروازے میں ماہ ما کے قدموں میں ڈھیر ہوگئی۔ وہ اکثر دل کے سکون کے لیے دادی ماں کے کمرے میں ان کی خوشبو محسوس کرنے کے لیے آجایا کرتی تھی' اس وقت بھی اسی خواہش میں آگئی تو دروازے پر ہی ٹھہر گئی کیونکہ اس نے شہرام کو دیکھ لیا تھا۔ تصویر کا شیشہ چکنا چور ہو چکا تھا۔ ماہ ما نے تصویر اٹھائی تو کئی جگہ سے اس کے ہاتھوں سے خون رسنے لگا۔ شہرام وحشت ناک سا اسے گھورے جا رہا تھا۔ شدید خنکی کی باوجود اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے اس کی شدید قسم کی اندرونی خلفشار کی غمازی کر رہے تھے۔ ماہ ما نے تصویر ساتھ لگائی اور شہرام کی طرف بڑھی۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔

''تصویر دیوار سے اتار کر پھینک دینے سے نہ تو محبت نفرت میں بدلتی ہے اور نہ تصویر مٹتی ہے۔ ہو سکے تو جذبوں کے' محبتوں کے' ان نقوش کو دل سے مٹا دو۔ مٹا سکو تو اپنی جیت اپنی فتح کا جھنڈا میرے ضبط کی زمین میں گاڑ دینا' نہ مٹا سکو تو مردوں کی طرح اپنی شکست تسلیم کرنے ضرور آنا۔''

ماہ ما نے انتہائی اعتماد کے ساتھ اس کی پروا کیے بغیر کہا تو شہرام سلگ اٹھا۔

''تم کیا سمجھتی ہو' بہت محبت ہے مجھے تم سے' مرا جا رہا ہوں میں تمہارے بغیر۔ زندہ نہیں رہ سکتا میں تمہارے بغیر۔'' وہ دانت پیس کر بولا تو ماہ ما' جس نے واپسی کے لیے رخ موڑ لیا تھا واپس مڑی۔ کچھ دیر اس کے وحشت زدہ چہرے کو دیکھتی رہی۔

''ضروری نہیں کہ اس بات کے اظہار کے لیے آپ چلا چلا کر دنیا والوں کو بتائیں کہ مجھے اس سے محبت ہے' میں اس کے بغیر جی نہیں سکتا۔ اس کے ثبوت کے لیے آپ کا یہ انداز' یہ رویہ ہی کافی ہے۔''

''شٹ اپ! کیا سمجھتی ہو تم خود کو آخر' کس کس کو بے وقوف بناؤ گی تم ...... میں شہرام ہوں ٹونی نہیں۔''

شہرام انتہائی نفرت سے چلایا تو ماہ ما کے چہرے پر طنزیہ سی مسکراہٹ آگئی۔

''آف کورس' آپ شہرام ہیں' آپ ٹونی ہو بھی نہیں سکتے۔ کہاں ٹونی اور کہاں آپ بہت زیادہ فاصلہ ہے زمین اور آسمان میں......'' ماہ ما کا لہجہ اتنا تلخ اور طنزیہ تھا کہ شہرام سلگ اٹھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا اس زمین اور آسمان سے......!'' وہ دہاڑا۔

''صرف یہ کہ ٹونی بہت اچھا انسان ہے۔''

''جی' میں جانتا ہوں وہ کتنا اچھا انسان ہے۔ تب ہی تو اس کے ساتھ تم......''

''شٹ اپ! یہی ہے آپ کی سوچ کی بلندی کہ ایک تصویر سے آگے نہیں سوچ سکتی۔ مسٹر شہرام! اب مجھے آپ کو کھو دینے کا کوئی دکھ نہیں' آپ نہ میری محبت کے قابل تھے اور نہ ساتھ کے۔ میں ایسے شخص کے ساتھ چلنا گوارا نہیں کر سکتی جس کی سوچ کی بنیادیں اتنی کمزور ہوں کہ ہوا کے معمولی سے جھونکے سے بھی خوف زدہ رہتا ہو......اور......''

''تم......تم......'' قریب تھا کہ جوابی حملے کے طور پر اس کا گلا ہی دبا دیتا۔ اسی وقت عفت اور صدیقہ آگئیں۔ دونوں نے حیرت سے ان دونوں کو دیکھا۔ دونوں برہم تھے پھر دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور اس وقت آجانے پر خود کو ملامت کی اور کھسک جانے کے ارادے سے پلٹیں کہ اچھا ہے دونوں لڑ جھگڑ کر ہی دل کا غبار نکال لیں تو شاید عداوت و کدورت کے بادل چھٹ جائیں اور فضا نکھر جائے مگر دونوں ماؤں کی خیال خامی ثابت کرنے کے لیے شہرام تیزی سے باہر نکل گیا۔

''کیا بات ہے بیٹا' کیا ہوا ہے؟'' عفت جہاں نے آہستگی سے ماہ ما سے پوچھا تو شدت ضبط اور صدمے سے اس نے تصویر کے دو ٹکڑے کر کے آتش دان میں شعلوں کے حوالے کیا اور سرخ چہرہ لیے پلٹی۔

''یہ ہوا ہے مما!'' آنسوؤں کا گولا حلق میں پھنس رہا تھا۔ وہ اس کا بھرم رکھنے کے لیے تیزی سے باہر نکل گئی تو دونوں ایک دوسرے کو دکھ سے دیکھ کر رہ گئیں اور اس ناخوشگوار واقعے نے بزرگوں کی رہی سہی امید بھی ختم کر دی۔ دونوں اپنے اپنے مورچوں میں ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لیے تیار تھے۔ ماہ ما نے دوبارہ تعلیم جاری رکھنے کا اعلان کر دیا تھا' دوسری طرف شہرام نے شہر میں جاب کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔

''ٹھیک ہے' تم دونوں کی یہی ضد ہے تو ایاز اور ہاتم لوگوں کے ساتھ رہیں گے شہر میں اپنا الگ گھر لے کر۔''

''لیکن ابا جان' میں اس گھر میں نہیں رہوں گا جس میں یہ رہے گی۔'' شہرام نے حقارت سے ماہ ما کو دیکھا۔

شہرام نفرت اور عداوت میں اس حد تک آگے جا چکا تھا کہ اسے یہ بھی خیال نہ رہا کہ وہ اپنے باپ سے مخاطب ہے۔

''شہرام' شادی تم دونوں کا ذاتی معاملہ ہے اس لیے میں نے کوئی زبردستی نہیں کی مگر دوسرے معاملات میں تم دونوں کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ماہ ما بیٹی' تمہیں کوئی اعتراض ہے؟''

نجیب صاحب نے ماہ ما کی جانب دیکھا تو عفت جہاں نے دل تھام لیا کہ نہ جانے یہ کیا دھماکا کر دے۔

"جی نہیں تایا ابو! مجھے آپ کے کسی فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں جو آپ کا حکم۔"

ماہ ما نے انتہائی ادب سے کہا تو عفت جہاں نے خوف زدہ سانس کو سکون کے ساتھ آزاد کیا۔

"جیتی رہو بزرگوں کی باتیں اور ان کے فیصلے وقتی طور پر نوجوانوں کو ناگوار تو گزرتے ہیں مگر بچے نہیں جانتے کہ یہ فیصلے کتنے پائیدار اور اثر انگیز ہوتے ہیں۔ بہرحال میں نے ایاز سے کہہ دیا ہے وہ جا کر اپنا گھر خریدے پھر تم لوگ وہاں جاؤ گے میں اپنے خاندان اور گھر کو بکھرنے نہیں دوں گا۔"

نجیب صاحب گھر کے بزرگ تھے' کس کی مجال تھی کہ انکار کرتا۔ شہرام اور ماہ ما کو بھی نہ چاہتے ہوئے یہ فیصلہ قبول کرنا پڑا۔

☆☆☆

"کس قدر دشوار ہے نیلو! تم کو تم سے مانگنا۔ تم' جو میری سوچ' میری تلاش' میری جستجو کی منزل ہو میری اولین چاہت ہو مگر کتنا مشکل ہے اپنی خواہش' اپنی طلب کا کشکول تمہارے سامنے پھیلانا۔ نیلو! میں...... میں بہت حرماں نصیب ہوں' خوشیاں اور محبتیں تو مجھ سے یوں کترا کر گزر جاتی ہیں کہ جیسے میں کوئی اچھوتا ہوں پھر یوں ہوا کہ میں خود خوشیوں سے پرہیز کرنے لگا۔ میں خود ان کو اگنور کرنے لگا۔ دل میں کوئی زندگی کی رمق باقی تھی ہی نہیں۔ ماں باپ کے بعد تو زندہ رہنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ غموں کی اندھیر نگری میں اکیلا ہی بھٹکتا رہتا پھر یہ کہ میں نے اپنے غموں کو خوش مزاجی کے لبادے میں چھپا کر مسکرانا تو سیکھ لیا مگر زندگی ایک مسلسل تلاش اور جستجو کے بھنور میں پھنسی رہی۔ مجھے زندگی کے لیے کسی ایسے ساتھی اور دوست کی ضرورت تھی جسے میں چاہوں۔ نیلو کہتے ہیں کہ آئیڈیل ملتے نہیں مگر مجھے تو تم جو میری آئیڈیل ہو مل گئی ہو تو زندگی بھر کی تلاش ختم ہو گئی ہے مگر ابھی تو تم نظر آ گئی ہو میری سوچ کی تمام راہیں تم تک آ کر ختم ہو گئی ہیں نیلو مگر...... مگر نیلو کس قدر دشوار ہے تم کو تم سے مانگنا یہ اعتراف کرنا کہ تم میری پہلی اور اولین چاہت ہو' کس طرح تمہیں تم سے مانگوں نیلو کہہ بھی نہیں سکتا اور کہے بنا رہ بھی نہیں سکتا۔ کاش...... کاش نیلو تم بن مانگے میری ہو جاؤ۔ صرف میری' ایسا ہو گیا ناں تو مجھے زندگی سے کوئی شکوہ نہیں رہے گا۔ نیلو! ایک بار کہہ دو تم میری ہو...... صرف میری!"

وہ انہی بے خودی سوچوں میں اتنا گم تھا' اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ نیلو جو اس کی فرمائش پر چائے بنا کر لائی تھی اور اب کئی آوازیں دے چکی تھی۔

"اوئے ہانگڑو! کن سوچوں میں گم ہو' کیا سوچ رہے تھے کس سوچ کی شامت آئی ہوئی تھی؟"

"اوہ تو تم ہو' تمہارے ہی بارے میں سوچ رہا تھا۔"

رافع نے اس کے ہاتھ سے مگ لیتے ہوئے ایک گہری نظر اس سنہری رنگت والی لڑکی پر ڈالی جو اس وقت سادہ سے روپ میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"میرے بارے میں' اچھا...... بھلا کیا سوچا جا رہا تھا میرے بارے میں؟"

نیلو اس کی سوچ اس کی چاہتوں کی منزل سے اتنی دور تھی کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ رافع اس کے بارے میں کیا سوچ اور جذبات رکھتا ہے۔ وہ اپنا مگ لے کر اس کے سامنے کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

"بھئی یہی کہ تم بس ٹھیک ٹھاک ہی ہو۔" رافع نے ناک چڑھائی تو وہ اسے گھورنے لگی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا اس ٹھیک ٹھاک سے؟"

"ہاں دیکھو ناں' اگر تمہاری دونوں آنکھوں کے آپس میں نظری اختلاف چل رہے ہیں اور ایک آنکھ دائیں اور دوسری بائیں دیکھتی ہے تو تم بھینگی حسینہ سی لگنے لگی ہو تو اس میں تمہارا کیا قصور ہے بھلا اور اب اگر تمہاری ناک پر ٹرک کا پہیا پھر گیا اور سونگھنے کے لیے دو سوراخ چھوڑ گیا تو اس میں بھی تمہاری خطا نہیں۔ پاؤں ہی کو لے لو ایک اگر چوہیا کا پاؤں ہے تو دوسرا ہاتھی کا' تو بتاؤ تم خطار کار کہاں ہوئیں' بھئی یہ تو......"

"رافع کے بچے میں تمہیں قتل کر دوں گی جو آئندہ ایسی بکواس کی ہو۔"

نیلو نے سارے کشن اس کی طرف اچھال دیے جن کو وہ ایک فیلڈر کی طرح کیچ کرتا رہا۔

"قتل تو لڑکی پہلے ہی کر چکی ہو تم مجھے اب خبردار...... جو میری آنے والی نسل کو کوسا تو اس معاملے میں' میں بڑا جذباتی ہوں اپنے بچوں کو کوسنے والوں کو میں منہ چڑھا دیا کرتا ہوں ایسے۔" اور پھر رافع نے ایسا مضحکہ خیز منہ بنایا کہ نیلو بے ساختہ ہنس پڑی اور وہ اس کی ہنسی کی جلترنگ میں کھو سا گیا۔

"ویری فنی! ویسے رافع تمہاری پرسنالٹی اتنی جاذب نظر اور اچھی ہے......"

نیلو اس کے ہر احساس سے بے خبر اپنی رائے دے رہی تھی تو رافع کو اپنے گرد جگنو رقصاں نظر آنے لگے۔ کچھ دیر کے لیے وہ کھو سا گیا۔

"واقعی' پھر کیا خیال ہے؟" اس کے احساسات کا لوچ اس کے گمبھیر لہجے میں در آیا تو نیلو مگ رکھ کر اس کی طرف پلٹی۔

"پھر خیال یہ ہے کہ جب تم چپ ہوتے ہو' سنجیدہ ہوتے ہو' تو کوئی کہہ نہیں سکتا کہ تمہارے اندر ایک مسخرہ چھپا بیٹھا ہے۔" وہ بڑی بے گانگی سے اس کے احساسات کی نازک کلیوں کو روندتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ ایک سرد جھونکا رافع کو چھو کر گزر گیا۔

"دیکھا' اس کو کہتے ہیں ذہنی اپروچ' میں تمہارے لیے کیا سوچ رہا تھا اور تم...... ایسی ویسے میں تمہارے لیے پتا نہیں کیا سوچ رہا تھا۔" رافع ہوشیاری سے اپنے احساسات چھپا گیا۔

"چلیے' وہ بھی بتا دیجئے۔" نیلو کھڑی ہو گئی۔

"میں یہ سوچ رہا تھا کہ تم ٹھیک ٹھاک لڑکی ہو' مجھے تمہاری مدد کرنی چاہیے۔"

"اچھا حاتم طائی صاحب' میں کس سمندر میں ڈوب رہی ہوں کہ آپ میری مدد کر کے ثواب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"بھئی' میں سوچ رہا ہوں' تمہارے لیے کوئی لڑکا تلاش کرنا چاہیے۔ شکلاً تو یوں بھی بخشی ہوئی ہو' دو چار سال اگر اور گزر گئے تو ممی پاپا کے گلے کا پیانو بن جاؤ گی جسے وہ بجاتے رہیں گے۔"

نیلو حقیقتاً اس کے احساسات سے نابلد تھی۔ وہ تو خود کسی اور ہی منزل کی راہی تھی۔

"جی' تلاش کیا کرنا گلا حاضر ہے میرا مطلب ہے کہ......" دل کی بات بے ساختہ زبان پر آ گئی۔ تو وہ اسے دیکھ کر جھینپ گیا پھر گلا صاف کر کے ہمت کر کے اس نے اپنے جذبات کو لفظوں کا پیراہن دیا۔

"بھئی دیکھو ناں' میری بہت اچھی دوست ہو تم' میں چاہتا ہوں کہ کچھ نہ کچھ تمہارے لیے کروں۔ اچھا فرض کرو ایک بہت ہی اسمارٹ' چارمنگ' چاکلیٹی قسم کا قابل' ذہین اور بذلہ سنج قسم کا نوجوان اگر خلوص دل سے تمہیں پسند کر کے پرپوز کرے تو......؟"

اپنے جذبوں کو' احساسات کو' اپنی چاہت کو لفظوں کی لڑی میں پرو کر پلکوں پر آرزو کا دیا جلا کر تمنا کا کشکول لرزتے ہاتھوں میں لیے نیلو کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ دل خوف سے بری طرح کانپ رہا تھا کہ تمنا کو ساحل مل بھی سکتا تھا اور موج حوادث کی نذر ہو کر بے وجود بھی ہو سکتا تھا۔ اس نے زندگی داؤ پر لگا دی تھی۔ یہ اس کی زندگی کی پہلی اور آخری خوشی تھی۔ وہ ہار جانے کے خوف سے کانپ رہا تھا جبکہ جیت کا ساحل بھی اسے نظر نہیں آ رہا تھا مگر وہ اپنی خواہش میں خود غرض ہو رہا تھا۔ وہ یہ بازی ہر حال میں جیت لینا چاہتا تھا کیونکہ اس کے بعد اس کے پاس داؤ پر لگانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ اس وقت اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ خوف سے کچھ دیر کے لیے اس کی دھڑکنیں گویا تھم سی گئیں۔ نیلو اس کی زندگی کی اکلوتی خوشی تھی مگر اس کے اندر کیا ہو رہا ہے' نیلو قطعی بے خبر تھی۔ اس نے تنگ میز پر رکھا' ایک نظر رافع پر ڈالی جس کا چہرہ عجیب سا تاثر پیش کر رہا تھا جس کو وہ نہیں سمجھتی تھی۔ نیلو نے بولنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ رافع نے خوف زدہ ہو کر آنکھیں موند لیں کچھ دیر کے لیے۔

"ان خصوصیات کا حامل نوجوان تم کو نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں البتہ کوئی اور ہوا تو سوچا جا سکتا ہے۔" دھڑا دھڑ ارمانوں کا محل رافع کے اوپر ڈھیر ہو گیا۔ تمنا کے ساحل سے زندگی کی ناؤ اس برے طریقے سے ٹکرائی کہ کچھ بھی باقی نہ بچا۔ خوابوں کی کرچیاں آنکھیں لہولہان کر گئیں۔ آرزو کا دیا بجھا تو اتنا گھپ اندھیرا ہوا کہ وہ ٹپٹا کر رہ گیا۔ نارسائی کا تیر سید عادل ستم زدہ میں پیوست ہو گیا تو وہ کراہ اٹھا۔

"میں...... میں نیلو! میں تمہیں پرپوز کروں گا' کم آن نیلو! میں یعنی کہ میں......"

وہ اتنی زور سے قہقہہ لگا کر ہنسا' کتنی ہی دیر وہ اندر کی چیخ و پکار کو اس قہقہے میں دبانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس وقت وہ کھڑکی کی طرف منہ کیے اس انداز میں ہنس رہا تھا کہ کچھ دیر کے لیے نیلو بھی کچھ گھبرا سی گئی۔

"رافع!" اس نے آہستگی سے رافع کے شانے پر ہاتھ رکھا تو رافع ایک گہری سانس لے کر اس کی طرف پلٹا اور دونوں ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

"کم آن نیلو! میں تو تمہیں عام لڑکیوں سے مختلف سمجھتا تھا۔ مگر خیر اس میں تمہارا بھی کیا قصور ہے۔ ارے بھئی ہم جیسے خوب رو اور اسمارٹ نوجوان کو دیکھ کر اکثر لڑکیاں خوش فہمی کا شکار ہو جایا کرتی ہیں۔"

وہ عجیب کھوکھلے سے انداز میں کالر سیدھے کرتا ہوا ہنسا تو نیلو کو غصہ آ گیا۔

"بکومت کتنے عجیب اور بس عجیب ہی لگ رہے ہو۔ کیا ہوا ہے تمہیں چہرہ ایک کھنڈر بن گیا ہے تمہارا' کیا بات ہے بتاؤ؟" رافع نیلو کا بہت اچھا دوست تھا۔ دوستی کے اس عرصے میں رافع نے دوستی کا ہر اعتماد اسے دیا تھا۔ وہ اسے اس طرح دیکھ کر واقعی پریشان ہو گئی تھی۔

"نہیں سمجھیں ناں!" رافع نے بجھے دل سے اور ویران آنکھوں سے نیلو کو دیکھا جس کے چہرے پر اجنبی سے تاثر نے اسے بتا دیا کہ وہ واقعی اس کے جذبوں اور احساسات سے اتنی ہی ناواقف ہے' جتنا کہ وہ اس سے واقف ہے اور اسے چاہتا ہے۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور تر ہو جانے والے کناروں کو پھر رگڑ ڈالا۔

"ہوں' کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔ ویسے لڑکی! تم ٹھیک ٹھاک ہو۔ تمہیں تو کوئی بھی میرے جیسا خوب رو' اسمارٹ بندہ چاہ بھی سکتا ہے اور اپنانے کا طلب گار بھی ہو سکتا ہے مگر مجبوری یہ ہے کہ تم میری دوست ہو اور وہ بھی بہت اچھی دوست اور مجھے تمہاری دوستی بہت عزیز ہے۔ میں تم سے شادی کر کے دوستی گنوانا نہیں چاہتا اس لیے کہ عورت جب دوست سے بیوی بن جاتی ہے تو دوست نہیں رہتی۔ اسی لیے سوری' میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔"

کھوکھلے بے جان لہجے میں ڈھلے الفاظ کی بازگشت خود اسے بھی بے چین کر گئی۔

"شٹ اپ' بہت عجیب لگ رہے ہو اس وقت۔" نیلو کچھ خفا سی ہو گئی تو رافع کے چہرے پر ایک کرب ناک سا سایہ لہرا گیا۔ اس نے ایک زخمی سی نظر اس پر ڈالی جو اس سے اجنبی تھی' اس کے احساسات سے' جذبوں سے تو کچھ دیر کے لیے اس کا دل چاہا کہ سب کچھ تہس نہس کر دے۔ اس زندگی میں اسے ملا ہی کیا تھا۔ جب والدین نہ رہے تو باقی کیا بچا تھا۔ نیلو کی صورت میں منزل نظر آئی

تو وہ اس کے لیے ایسا مکان ثابت ہوئی جس پر وہ اپنی نیم پلیٹ بھی نہیں لگا سکتا تھا۔ اس کا جی چاہا نیلو کو بھی جھنجوڑ کر رکھ دے کہ آخر کیا کمی ہے مجھ میں کہ تم مجھے چاہ نہیں سکتیں اپنا نہیں سکتیں۔ مگر وہ جانتا تھا کہ محبت ہوتی ہے' کی نہیں جاتی۔ دل کوئی مشین تو ہے نہیں کہ چابی گھمائی اور اپنی مرضی پر چلانا شروع کر دیا۔ دل تو اپنی مرضی کا بادشاہ ہوتا ہے۔ کسی کے دل پر زبردستی حکومت تو نہیں کی جا سکتی اور پھر اس نے خود پر قابو پایا اور نیلو کی طرف بڑھا۔

''رافع......! آج تم بہت مختلف لگ رہے ہو۔'' نیلو نے بغور اسے دیکھا۔ وہ اس کی کیفیت سے بے خبر بولی تو رافع اسے دیکھ کر نرمی سے مسکرا دیا۔

''میں ہوں ہی مختلف تم نے غور آج کیا ہے۔''

''ہاں شاید۔ اچھا خیر چھوڑو' باہر چلیں؟'' نیلو آگے بڑھی اور دروازے تک پہنچی۔

''نیلو......!'' رافع کی آواز پر وہ پلٹی۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''ایک بات بتاؤ' تم نے کبھی تشنہ ساحل کی بازگشت سنی ہے؟''

''رافع......! رافع' آج تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ اتنی الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہو خوف آ رہا ہے مجھے تم سے۔''

''اچھا چلو' یہ بتاؤ کہ کبھی تمہاری کوئی خواہش تشنہ رہی ہے؟''

''الحمدللہ' میری ہر خواہش پوری ہوئی ہے۔ میری خواہش بڑی ہو یا چھوٹی' اللہ نے ہمیشہ پوری کی ہے۔''

''خدا کرے آئندہ بھی تمہاری ہر خواہش پوری ہو۔''

اور پھر رافع تیزی سے باہر نکل گیا تو وہ کتنی ہی دیر ہلتے ہوئے پردے کی اٹھتی لہروں میں رافع کی باتوں کو سمجھتی اور سوچتی رہی۔

☆☆☆

''ویسے ماموں جان آپ کی اور پپا کی کوئی دشمنی تھی کہ انہوں نے کبھی بھی آپ لوگوں کا ذکر نہیں کیا حالانکہ کرنا چاہیے تھا۔ اتنے اچھے ہمارے ماموں اور ہم کسی اپنے کے قرب کو ترستے رہے۔''

عمار نے چائے کا کپ شجاع الدین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو کچھ دیر کے لیے ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ میں لرزش پیدا ہوئی' کچھ تو وہ عمار کے آنے سے ہی خوف زدہ تھے اور کچھ اس کے اچانک ٹپک پڑنے والے سوالات سے خوف زدہ ہو جاتے۔

''نن...... نہیں تو بیٹا' دشمنی کیا ہونی تھی بس وہ زمینوں کے تنازعے پر دونوں گھرانوں میں ان بن ہو گئی تھی' بس تم جانو پرانے وقتوں میں ذرا سی بات کو بھی بہت سمجھا جاتا تھا لیکن خیر چھوڑو اب تو ہم مل گئے ہیں ناں دیکھنا انشاء اللہ اب میں ماں اور باپ دونوں کی کمی پوری کروں گا۔ تم دونوں کو اتنا پیار دوں گا کہ......''

ان کی بات ابھی جاری تھی کہ اس دوران میں ذورین اور فضہ کسی بات پر ہنستے ہوئے آ گئے۔ عمار نے بغور دونوں کو دیکھا۔

''تم لوگ کہاں تھے ذورین' کافی دیر سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''

نہ جانے کیوں عمار کو فضہ کے ساتھ ذورین کا یہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔

''جی عمار بھائی! ہم ذرا آئس کریم کھانے گئے تھے اور یوں بھی مجھے شاپنگ کرنا تھی تو ذورین نے کہا کہ آج ہی کر لوں۔'' ذورین سے پہلے فضہ کا جواب دینا عمار کو مزید تاؤ دلا گیا۔

''پھر ہو گئی شاپنگ!'' عمار کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا کیونکہ کل ہی ذورین نے اس سے جھوٹ بول کر دس ہزار کی رقم لی تھی۔

''جی...... کچھ کچھ ہو ہی گئی۔'' اس بار فضہ نے معنی خیز انداز میں ذورین کو دیکھا تو عمار کھڑا ہو گیا۔

''اوکے! اچھی بات ہے۔ چلیے ماموں جان! آپ سے رات کو کھانے پر ملاقات ہوگی۔ مجھے ذرا کام سے جانا ہے۔ چلیں ذورین!'' عمار کھڑا ہو گیا تو ذورین بھی اس کے ساتھ آ گیا۔ دونوں بھائی کافی دیر پارک میں گھومتے رہے۔ عمار اس سے ہر ٹاپک پر بات کرتا رہا۔

''تو تمہیں فضہ بہت پسند ہے؟'' بالآخر عمار اس ملاقات کے اصل موضوع پر آ گیا۔

''یہ آپ سے کس نے کہا کہ فضہ مجھے بہت پسند ہے؟'' ذورین کے لہجے میں ناراضگی تھی۔

''کیا مطلب؟ چلو یہ بتاؤ تم اسے پسند کے کس درجے پر فائز کرتے ہو؟''

''کسی بھی نہیں۔'' اس نے برہمی سے کہا تو عمار اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''پھر یہ سب کیا ہے؟ یہ ناز' یہ انداز' انڈر اسٹینڈنگ' آنا جانا۔ WHAT IS THIS?''

''کچھ بھی نہیں مگر میں شادی اسی سے کروں گا۔ یہ میرا قطعی اور آخری فیصلہ ہے۔''

ذورین نے قطعیت سے کہا تو عمار پریشان سا ہو گیا۔

''لیکن یہ زیادتی نہیں تمہارے ساتھ اور فضہ کے ساتھ۔''

''ہوتی ہے تو ہو' یہ نیلو خود کو سمجھتی کیا ہے۔ فضہ سے شادی صرف میں نیلو کی چڑ میں کر رہا ہوں۔''

ذورین نے اردگرد کے ماحول کے خیال سے دبے لہجے میں کہا تو عمار خوش دلی سے مسکرا دیا کیونکہ وہ جو کہنا چاہتا تھا' ذورین نے خود اسے اس راستے پر ڈال دیا تھا۔

"اوہ تو یہ معاملہ ہے۔ نیلو سے تمہاری یہ تسلی بے معنی نہیں دیکھو...... جب انسان کسی کو دانستہ طور پر اگنور کر کے اس کی حیثیت اور اہمیت کو ختم کر رہا ہوتا ہے تو درپردہ وہ اس کی اہمیت کو تسلیم کر رہا ہوتا ہے۔"

"کوئی حیثیت کوئی اہمیت نہیں نیلو کی میری زندگی میں۔"

عمار کی بات پر ذورین نے نظریں جھکا کر کہا تو وہ ہنس پڑا۔

"تمہارے ان الفاظ کی بازگشت کی وہی اہمیت ہے ذورین جو کھنڈروں میں پلٹ آنے والی آواز کی ہوتی ہے۔ حقیقت کو تسلیم کرنے میں بڑائی ہوتی ہے۔ مان لو کہ تم نیلو کو پسند کرتے ہو چاہتے ہو اور میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم دونوں......"

"پلیز بھائی! میرے اور آپ کے چاہنے سے کیا ہوگا...... وہ بہت خود سر اور بدتمیز لڑکی ہے اور میں فضہ کو پسند کرتا ہوں اس لیے کہ وہ میری ہر بات مانتی ہے اور......"

"اگر تم خود پسندی اور خود پرستی کے مرض میں اس حد تک مبتلا ہو ہی چکے ہو تو پھر فضہ سے کیوں شادی کر رہے ہو؟ ایک روبوٹ خرید لو وہ بھی تمہاری ہر بات مانے گا۔"

"کچھ بھی ہو بھائی! شادی تو میں فضہ ہی سے کروں گا یہ میرا قطعی فیصلہ ہے۔"

"اور میں تمہیں ایسا کرنے نہیں دوں گا۔" عمار نے بھی مضبوط لہجے میں کہا۔

"مگر کیوں؟ آپ کو معلوم ہے کہ فضہ ہمارے اکلوتے رشتے دار کی بیٹی ہے اور ماموں جان بیمار آدمی ہیں اور فضہ کی شادی کی وجہ سے بہت پریشان ہیں اور دیکھیے ناں ان کا ہم پر حق ہے۔ بزنس میں ان کو لاس ہوا ہے اگر اپنوں کی مدد ہم نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟"

ذورین نیلو کی ضد میں کیے گئے اپنے اس فیصلے کا دفاع بڑی مردانگی سے کر رہا تھا۔ اس وقت وہ کچھ نہیں سوچ رہا تھا سوائے اس کے کہ وہ نیلو کو چڑانے کے لیے فضہ سے شادی کرے۔ وہ کوے کو اڑانے کے لیے درخت کاٹ دینا چاہتا تھا۔ اس کی چھاؤں سے محرومی اس کے پیش نظر ہرگز نہیں تھی۔ عمار نے بغور ذورین کو دیکھا جو اپنے فیصلے پر ڈٹا کھڑا تھا۔ عمار نے دل میں ایک فیصلہ کیا اور واپسی کے لیے مڑتے ہوئے اس نے پھر پلٹ کر ذورین کو دیکھا جو بہت الجھا ہوا تھا۔

"یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟" عمار نے ایسے کہا جیسے کہہ رہا ہو پھر سوچ لو۔

"بالکل!" ذورین نے خشک لہجے میں کہا۔

"او کے!" عمار نے گہرا سانس لیا اور آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

"ہاؤ!" عمار نے آگے بڑھ کر کہا تو نیلو ایک دم چونک کر مڑی اور عمار پر ایک خفگی کی نظر ڈال کر

پھر رخ پھیر کر کھڑی ہوگئی۔

"پتا ہے جب کسی لڑکی کا چہرہ سرخ ہو' سوجا ہوا ہو تو اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟"

عمار نے اس کے چہرے کو دیکھا پھر اس کی ناک پکڑی تو وہ مزید پیچھے ہٹ گئی۔

"ہوں تو اس کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ اس پیاری سی لڑکی کو بھڑ نے کاٹا ہے۔"

"جی نہیں' اس لڑکی کو اس کے بھائی نے اگنور کیا ہے۔ آپ کو کچھ خبر ہے؟"

"نہیں تو' مجھے تو قطعی کوئی خبر نہیں' کیا کہیں آگ واگ لگ گئی ہے؟"

عمار اس کی ناراضگی سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا تو وہ غصے سے اس کی طرف پلٹی۔

"میرے دل میں۔"

"ارے...... ارے...... رے۔ ہٹو پیچھے' فائر بریگیڈ کو فون کرنے دو' میری بہن کا دل ہے کوئی تنور تو نہیں۔"

عمار جلدی سے فون کی طرف بڑھا تو نیلو نے ریسیور اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

"بھائی' میں آپ سے ناراض ہوں۔" وہ چلائی۔

"آہستہ لڑکی' میں بہرہ نہیں ہوں۔ ویسے بائی دا وے آپ ناراض کس حساب میں ہیں؟"

وہ سب جانتا تھا' صرف اسے چڑانے کے لیے بولا۔

"او کے' اگر آپ کو ناراضگی کی وجہ ہی معلوم نہیں تو پھر آپ...... آپ......"

اس کی آواز اندر ہی دب گئی اور ٹپ ٹپ بوندیں گرنے لگیں تو عمار تڑپ اٹھا۔

"خبردار جو اب مزید آنسو گرائے ہوں۔ گڑیا' میں تو تمہیں چھیڑ رہا تھا۔ آئی نو کہ تم کس وجہ سے خفا ہو۔ اچھا چلو' چلتے ہیں' آج ہم خوب گھومیں گے۔"

عمار نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتا ہوا لے آیا۔

"ارے' کیا ہوا ہے کہاں جا رہے ہو؟" عاتکہ دونوں کی طرف بڑھیں۔

"عما' بڑی زبردست قسم کی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ ہم جا رہے ہیں اور جب تک گڑبڑ دور نہ ہو جائے ہم نہیں آئیں گے' خدا حافظ!"

"اللہ حافظ بیٹا...... اور سنو گاڑی احتیاط سے چلانا۔"

عاتکہ ان کو خدا حافظ کہتی ہوئی اندر آ گئیں اور پھر عمار اسے تمام وقت مناتا رہا دونوں گھومتے رہے۔

"بھائی' آپ کو میری زندگی میں اپنی اہمیت کا اندازہ بھی ہے اور پھر...... کتنے دن ہوگئے ہیں' آپ......"

''میری پیاری گڑیا' میں کچھ بڑی ہو گیا تھا۔ کچھ ایسے حالات گڑبڑ کیے ہوئے ہیں سب لوگوں نے کہ......''

''سب نے کوئی گڑبڑ نہیں کی ہے۔ ساری گڑبڑ کے ذمے دار ذورین صاحب ہیں۔''

نیلو نے انتہائی غصے سے کہا تو عمار اسے دیکھنے لگا۔ وہ آج اس سے بہت سی باتیں کرنے آیا تھا۔

''دیکھو نیلو! ہم کسی بھی معاملے میں گڑبڑ کا ذمے دار کسی ایک بندے کو نہیں قرار دے سکتے۔ اس میں سب کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اچھا خیر! ابھی اس بات کو چھوڑو یہ بتاؤ کہ رافع کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

عمار نے اچانک ہی رافع کا نام لیا تو نیلو چونک کر اسے دیکھنے لگی' بولنے لگی تو اسی وقت ویٹر ان کی آرڈر کی چیزیں لے کر آ گیا' چنانچہ وہ چپ ہو گئی۔

''رافع بہت اچھا انسان ہے اور......'' وہ کچھ گڑبڑا سی گئی۔

''رافع' واقعی اچھا انسان ہے اور مجھے بہت پسند ہے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہیں کیسا لگتا ہے؟''

''میں کچھ سمجھی نہیں بھائی کہ آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟'' رافع کے اس خصوصی ذکر پر وہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔ عمار کی بات کا مطلب سمجھ بھی رہی تھی' جبکہ وہ اس انداز میں رافع کا ذکر پسند ہی نہیں کرتی تھی۔

''بھئی میرا مطلب ہے کہ بڑا اچھا خوب رو اور اسمارٹ نوجوان' قابل اور...... مجھے بہت پسند ہے۔ مما پپا کو بھی پسند ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اگر تم تیار ہو جاؤ تو ہم لوگ اس رشتے پر بہت خوش ہوں گے۔''

عمار نے سوپ سے اٹھتے ہوئے دھوئیں کی اوٹ سے نیلو کے چہرے کو دیکھا جو رافع کے اس انداز کے ذکر پر پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے تو کبھی رافع کے بارے میں اس انداز میں سوچا تک نہیں تھا۔

''بھائی' آپ...... آپ مجھے یہاں انٹرٹین کرنے کے لیے لائے ہیں یا پریشان کرنے کے لیے۔''

اس نے شاکی سی نظر عمار پر ڈالی اور سوپ ایک طرف کرتے ہوئے کہا جس سے عمار کو رافع کے بارے میں اس کی رائے معلوم ہو گئی۔

''دیکھو نیلو! ہر فیصلہ وقت کا تقاضا ہوتا ہے۔ اب ہمیں نئے رشتوں کے دھاگے تو جوڑنے ہیں ناں تو اس لحاظ سے رافع میرا اور مما پپا کا بہترین انتخاب ہے لیکن ہم اپنا فیصلہ تم پر مسلط کرنا نہیں چاہتے' تم اگر خوشی سے......''

''بھائی آپ واقعی یہی چاہتے ہیں؟'' نیلو کی آواز بھیگ سی گئی۔

''نہیں نیلو! زندگی کے کچھ فیصلے ہم لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی کرتے ہیں۔ بات اگر میرے چاہنے کی ہوتی تو میں...... میں تو یہ چاہتا تھا کہ تم اور ذورین جیسے میرے دل کے قریب ہو ویسے ہی میری نظروں کے سامنے رہو' میں تمہیں اور ذورین کو ایک دیکھنا چاہتا تھا۔'' عمار نے بڑی صاف گوئی سے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا تو ایک ٹیس سی نیلو کے دل میں اٹھی۔

''بھائی' میرے اور آپ کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔'' نہ جانے یہ جملہ کس جذبے سے بے اختیار ہو کر زبان سے پھسل گیا تو عمار چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ ذورین نے بھی تو یہی کہا تھا۔ جب دونوں ایک دوسرے کو چاہتے تھے تو پھر کیوں اپنی اپنی جھوٹی انا کا جھنڈا لہرانے کے چکر میں خود کو برباد کر رہے تھے۔

''تم دونوں کیوں اپنے آپ کو برباد کر رہے ہو۔ میں یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ تم دونوں شدت سے ایک دوسرے کو چاہتے ہو پھر...... پھر سب کیوں......؟ دیکھو نیلو ایسا مت کرو ورنہ اپنے بودے فیصلوں کی نذر ہو جاؤ گی۔ مما پپا اور میں الگ دکھی ہو جائیں گے۔ نیلو' میری بہن جھک جانے میں عظمت ہوتی ہے۔ میں...... میں ذورین سے بات کرتا ہوں کہ......''

''کیا مطلب ہے آپ کا بھائی! آپ میرے لیے ذورین سے رشتے کی بھیک مانگیں گے' نیور! آپ نے میری بات کا غلط مطلب لیا ہے وہ خود کو سمجھتا کیا ہے۔ میں مر نہیں جاؤں گی اس کے بغیر۔ وہ انتہائی بدتمیز اور خود پسند آدمی ہے۔ میں اس خود پرست شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔''

وہ غصے میں بولی تو عمار دکھی ہو گیا کیونکہ وہ جانتا تھا یہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے بھی ہیں اور کتراتے بھی ہیں۔

''نیلو نفرت اور حقارت کے ساتھ کیے گئے فیصلوں کی زد میں صرف ہم ہی نہیں آتے' اس کی لپیٹ میں بہت سے لوگ جن سے ہمیں بہت پیار ہوتا ہے' ہمیں عزیز ہوتے ہیں' آ جاتے ہیں اور......''

رافع کی آڑ لے کر اس ٹاپک پر بات کرنے کا عمار کا مطلب ہی یہ تھا کہ دونوں کو کرید کر ان کے دلوں کی کدورت ختم کر دی جائے مگر دونوں اپنے اپنے محاذ پر نفرتوں کے ہتھیاروں کے ساتھ ڈٹے ہوئے تھے۔

''اجی وے' آپ اگر صرف ذورین کے نہیں میرے بھی بھائی ہیں تو دوبارہ آپ ذ[illegible] کے ساتھ میرا نام نہیں لیں گے۔''

نیلو نے فیصلہ کن مضبوط لہجے میں کہا تو عمار گہری سی سانس لے کر رہ گیا۔

''ٹھیک ہے' تم اگر اسی بہانے میری محبت کو بھی آزمانا چاہتی ہو تو اب میں تمہیں یا ذورین کو اس رشتے کے لیے ہرگز مجبور نہیں کروں گا اور......''

''ارے عمار...... تم......!'' عمار کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ کسی کی آواز پر پلٹا۔

''ارے شہرام' تم......!'' عمار اور شہرام گلے مل رہے تھے۔ نیلو حیرت سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ شہرام کے نام پر وہ چونک اٹھی۔ ماہ ما کے شہرام کو وہ جانتی تھی مگر یہ وہی شہرام ہے' اس بات کا یقین نہیں تھا اس لیے چپ چاپ دونوں کو دیکھتی رہی جو بڑی محبت سے ایک دوسرے کے احوال جان رہے تھے۔

''بڑے بے مروت ہو یار' پلٹ کر دیکھا ہی نہیں۔'' شہرام نیلو کو دیکھ رہا تھا اور عمار اور اس کے درمیان رشتے کا تعین کر رہا تھا۔

''جی ہاں' جیسے آپ نے تو میرے گھر کی چوکھٹ توڑ ڈالی ہے آ آ کر۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں بہت معروف ہو جاؤں گا' تم ہی کوشش کرنا۔ بیٹھو...... ویٹر' پلیز......!''

عمار نے اسے بیٹھنے کا اشارہ دے کر ویٹر کو بلایا۔

''سوری یار! ہوا یہ تھا کہ میری ڈائری گم ہو گئی تھی جس میں تمہارا فون نمبر اور ایڈریس وغیرہ تھا۔ ویسے یار عمار! وہاں تو کوئی اور تھیں ناں غالباً کیا نام تھا بھلا سا......''

''شٹ اپ۔ یہ میری بہت پیاری' بہت لاڈلی بہن نیلو ہے' ڈاکٹر نیلوفر!''

شہرام کا شوخ اشارہ سمجھ کر عمار نے نیلو کا تعارف کرایا تو وہ کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔

''اوہ' ویری سوری...... السلام علیکم!'' شہرام نے شرمندہ سی نظر اس پر ڈالتے ہوئے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! کیسے ہیں آپ؟''

''جی الحمدللہ۔ بالکل ٹھیک ہوں۔''

''حیرت ہے تم پہلے آدمی ہو جو ڈاکٹر سے مل کر کہہ رہے ہو کہ بالکل ٹھیک ہوں حالانکہ ہوتا یہ ہے کہ بندہ جہاں کسی ڈاکٹر سے ملتا ہے ناں کوئی بیماری نہ بھی ہو پھر بھی کہیں نہ کہیں سے چھوٹی موٹی بیماری جھانکنے لگتی ہے' ویسے میری بہن بہت قابل ڈاکٹر ہے' دل کی بیماری کے سوا ہر بیماری کا علاج کروا سکتے ہو۔''

''میرے دل کی بیماری لاعلاج ہے' خیر میں نے بہن بھائی کو ڈسٹرب تو نہیں کیا' کیوں ڈاکٹر صاحبہ؟''

شہرام نے خوش دلی سے نیلو کو دیکھا جو خوش ہو کر دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اسے یقین

تھا کہ یہ ماہ ما کا شہرام ہے۔ اگر یہی ہوا تو اس نے دونوں کے دل کی کدورت دور کرنے کے کتنے ہی منصوبے بنا ڈالے۔

''ارے نہیں شہرام بھائی' مجھے تو واقعی آپ سے مل کر خوشی ہوئی ہے بلکہ مجھے تو ایسا لگ رہا ہے کہ میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے اور میں آپ کے بارے میں جانتی بھی ہوں۔''

''ارے' ہم بے ناموں کو کون جانتا ہے...... اور عمار! تم سناؤ' کیا کارنامے انجام دیئے ہیں جن کے لیے پریشان رہا کرتے تھے۔'' شہرام عمار کو دیکھنے لگا۔

''فی الحال تو کوشش ناکام ہی ہو رہی ہے۔ آگے دیکھو' جو اللہ کو منظور ہوا۔ اچھا پہلے تو تم اپنا کوئی اتا پتا دو' یہ تو اچھا ہوا کہ اتفاقیہ ملاقات ہو گئی ورنہ تو میں چاہتے ہوئے بھی تم سے مل نہیں سکتا تھا۔''

اور پھر کتنی ہی دیر شہرام ان کے ساتھ رہا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

''او کے یار! پھر ملیں گے' میں ذرا کام سے نکلا تھا پھر میں جلد ہی گھر پر چکر لگاؤں گا۔ فون پر تو رابطہ رہے گا ہی۔''

شہرام کھڑا ہو گیا تو نیلو کو ایک بے چینی سی ہو رہی تھی کہ کسی طرح اس سے ماہ ما کا پوچھے۔

''ایکسکیوزمی شہرام بھائی! ایک بات پوچھوں آپ سے؟''

''جی پوچھیے' ڈاکٹر صاحبہ! اب ڈاکٹرز سے دشمنی تو مول نہیں لے سکتے ناں' کہیے۔''

شہرام نے مسکرا کر اسے دیکھا تو نیلو نے اجازت طلب نظروں سے عمار کو دیکھا جو اس کا مطلب سمجھ گیا۔

''پوچھو بھئی' کیا بات ہے؟''

''شہرام بھائی...... آپ...... آپ کسی لڑکی کو جانتے ہیں......؟'' وہ ماہ کا نام لیتے لیتے ڈر سی گئی۔

''لو اور سنو' ارے لڑکی! الرجی ہے اسے لڑکیوں سے جاننا تو بہت دور کی بات ہے۔'' عمار شہرام کو دیکھ کر ہنسا کیونکہ وہ اور شہرام ایک جگہ پر رہے تھے' ایک ساتھ پڑھتے تھے مگر شہرام نے کبھی اس سے کوئی بات نہیں کی تھی' جبکہ وہ اس سے مذاق بھی کیا کرتا تھا کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی مرد کی زندگی میں کوئی حسینہ نہ آئی ہو مگر شہرام انکار کر جاتا تھا۔

''نیلو! اگر آپ نے ایسی بات کی ہے تو کیا مطلب ہے آپ کا' آپ کیا پوچھنا چاہ رہی ہیں؟''

''میں...... میں صرف یہ پوچھنا چاہ رہی ہوں شہرام بھائی کہ آپ کسی ماہ ما کو جانتے ہیں؟''

''جی...... ماہ ما......'' ایک ہلچل سی مچ گئی تھی' اندر کہیں۔ وہ تو اس کی پہچان بن گئی تھی۔ اس کی چاہت' اس کی اولین خواہش تھی مگر اب...... اب فقط یہ نام احساس محرومی بن کر رہ گیا تھا۔

''جی...... جی نہیں' میں کسی ماہ ما کو نہیں جانتا' او کے عمار! پھر ملیں گے۔''

شہرام نے جلدی سے عمار سے ہاتھ ملایا اور نیلو پر ایک نظر ڈال کر آگے بڑھ گیا اور یہ سوچ اس کے ہمراہ تھی کہ یہ ماہ ما کو کیسے جانتی تھی۔ اگر جانتی تھی تو اس کا ذکر اس کا نام...... عجیب لڑکی ہے یہ شہرام الجھا ہوا آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

"کیا سوچ رہے ہیں ایاز!" ہما کافی دیر سے دیکھ رہی تھی کہ ایاز گہری سوچ میں ہے۔

"زندگی کے نشیب و فراز کے بارے میں سوچ رہا ہوں ہما' حالات نے کیسے کیسے رخ اختیار کیے ہیں۔ پہلے ہماری محبت کی ناؤ طوفان میں گھر گئی' خدا نے اسے ساحل بخشا تو شہرام اور ماہ ما نے گڑبڑ کر دی اور...... اور سب کچھ بکھر کر رہ گیا۔ کس قدر پریشان ہیں' ہم سب ان دونوں کے لیے اور کتنے خود غرض ہیں یہ دونوں کہ ان کو کسی کا خیال نہیں۔" ایاز دونوں کے لیے افسردہ ہو گیا۔

"بے وقوف ہیں دونوں جانتے ہیں کہ الگ الگ جی نہیں پائیں گے مگر پھر بھی ندی کے دو کنارے بننے کے لیے تیار ہیں۔ ویسے ایاز! ہم ان دونوں کی نفرت ختم کرنے کی کوشش تو کر سکتے ہیں۔"

"تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ ہماری ہر کوشش کو ناکام بنا دیں گے بہر حال جو تمہارے ذہن میں ہے آزما لینے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں اللہ کرے کوئی راستہ نکل ہی آئے۔"

"ارے ماہ ما آؤ...... آؤ' آج یونیورسٹی سے جلدی آ گئیں۔"

ہما' ماہ ما کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی جو بہت مضمحل سی لگ رہی تھی۔

"بس ہما' آج طبیعت بہت بوجھل سی ہے۔ دل چاہ رہا ہے کہ لمبی تان کر سو جاؤں۔"

"آج...... آج شہرام کی طبیعت بھی کچھ بوجھل سی ہے اور اس کا دل بھی یہی چاہ رہا ہے کہ لمبی تان کر سو جائے۔ ہائے' تم دونوں کے خیالات کتنے ملتے جلتے ہیں' ہے ناں ایاز!"

ہما نے مسکرا کر' خوش ہو کر کہا تو ماہ ما نے جھک کر اپنا بیگ صوفے پر سے اٹھایا۔

"ویری فنی! ہما' اب بڑی ہو جاؤ۔ ایک بیٹے کی اماں بن گئی ہو' خیالات ملتے جلتے ہیں۔"

ماہ ما برا سا منہ بناتی آگے بڑھ گئی تو ایاز مسکرانے لگا۔

"ویسے خاصی بودی کوشش ہے' دونوں کے خیالات کو ملانے کی' دونوں جن ہیں۔"

شام کو ماہ ما اٹھی تو موسم بڑا خوب صورت ہو رہا تھا۔ ایک عجیب طرح کی طمانیت کا احساس لیے وہ واش روم میں چلی گئی۔ کافی عرصے بعد وہ فریش ہوئی تھی۔ موسم کی مناسبت سے گہرے رنگ کے لباس میں نیچے آئی تو سب کہیں جانے کو تیار تھے۔

"اوہ شکر ہے ماہ ما' تم خود ہی تیار ہو کر آ گئیں۔ میں تمہارے ہی پاس آ رہی تھی۔ ہم لوگ ذرا

موسم کو انجوائے کرنے جا رہے ہیں' چلیے ایاز! گاڑی نکالیے۔"

"چلیں ماہ ما!" ایاز نے ماہ ما کو اس لیے پوچھا کہ شاید اسے مزید کوئی تیاری درکار ہو۔ ماہ ما نے ایک نظر شہرام پر ڈالی جو شلوار سوٹ میں اسمارٹ لگ رہا تھا۔

"چلیں!" اس نے آہستگی سے کہا تو ہما اور ایاز خوش ہو گئے۔ ان کی نفرت کو ختم کرنے کے لیے جو مہم انہوں نے شروع کی تھی' اس کا آغاز اچھا ہو رہا تھا۔

ایاز اور ہما آگے بیٹھ چکے تھے۔ سازش کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ دونوں کو پیچھے ایک سیٹ پر بٹھایا جائے' جبکہ پیچھے بیٹھنے کو دونوں تیار نہیں تھے۔ ہما اور ایاز نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"بیٹھو بھئی' سارا موسم تو گھر پر ہی گزر رہا ہے۔" پھر ایاز نے خود دونوں کے لیے دروازے کھولے۔ دونوں نے حقارت سے ایک دوسرے کو دیکھا اور "اونہہ" کر کے رہ گئے۔

"بھائی' گاڑی میں ڈرائیو کروں گا۔" شہرام نے اس کے ساتھ نہ بیٹھنے میں پہل کر دی تو وہ راکھ ہو کر رہ گئی۔

"ٹھیک ہے' تم ڈرائیو کر لو گاڑی۔ آؤ ہما! ہم پیچھے بیٹھ جاتے ہیں۔"

ایاز اور ہما نکل کر باہر آ گئے اور شہرام کو چابی دے کر پیچھے بیٹھ گئے۔

"انتہائی فضول اور بچکانہ حرکتیں کر رہے ہیں آپ لوگ...... میں آگے نہیں بیٹھوں گی۔"

"ارے ٹونی تم...... آؤ۔" ماہ ما کو واقعی ٹونی کے آنے کی خوشی ہوئی تھی۔ وہ جلدی سے اس کی طرف بڑھی تو شہرام بل کھا کر رہ گیا۔

"ہما' آپ لوگ جاؤ۔ میں اور ٹونی گھر پر رکیں گے۔" ماہ ما کا انداز بہت سادہ تھا۔ اس وقت اس کے ذہن کے کسی گوشے میں بھی ایسی بات نہیں تھی کہ وہ شہرام کو چڑانے کے لیے ٹونی کو اہمیت دے۔ ٹونی جب سے بدلا تھا' اس کی ملاقات سے وہ ایسے ہی خوش ہوتی تھی۔

"تم نہیں جا رہیں تو کیا فائدہ' ہم کون سا اتنے شوقین بیٹھے ہیں سیر سپاٹے کے۔ رہنے دو پھر کبھی چلے جائیں گے۔"

ہما اور ایاز اپنے پلان کے فیل ہو جانے پر افسردہ ہو گئے۔

"جی نہیں' ہم آج ہی جائیں گے۔ کسی کی خاطر ہم اپنی خوشیاں اپنے پروگرام خراب نہیں کر سکتے۔"

یہ کہتے ہوئے شہرام نے غصے سے دروازہ بند کیا اور گاڑی ٹونی اور ماہ ما کے اتنے قریب سے نکالی کہ ہما کی چیخ نکل گئی۔ لڑکھڑاتی ہوئی ماہ ما کو اگر ٹونی نہ تھام لیتا تو وہ گر جاتی۔

☆☆☆

ذورین کی ضد تھی کہ وہ فضہ سے شادی کرے گا۔ عمار کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہاں کرنا پڑی تھی۔ اس وقت بھی ذورین آیا ہوا تھا۔ اسے عمار مما کے پاس لے آیا تھا۔

''مما' آپ...... آپ کے لاڈ پیار نے اس کو بگاڑ دیا ہے۔ آپ اس کو سمجھاتیں کیوں نہیں' فضہ کے ساتھ شادی کا فیصلہ اس کی زندگی کا بدترین فیصلہ ہے۔ سمجھائیں اس کو پلیز!''

عمار اسے مما کی ممتا کی عدالت میں کھڑا کر چکا تھا اور وہ محبت سے اسے دیکھے جا رہی تھیں پھر اس کو پیار کر کے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تو ذورین کا دل چاہا' چیخ چیخ کر رو پڑے اور کہے کہ مما' میں...... میں فضہ سے شادی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں تو صرف اس خود سر لڑکی کو چاہتا ہوں جو کچھ بھی نہیں جانتی مگر یہ سب کچھ اندر ہی رہا۔

''عمار' میری جان! میں مجبوری کی ڈور میں بندھی ہوں۔ اگر نیلو کی ماں نہ ہوتی تو میں اسے ہرگز ایسے لوگوں کے حوالے نہ کرتی لیکن میں نیلو کی ماں ہوں میں...... کچھ کہہ نہیں سکتی۔''

''اگر آپ کچھ نہیں کہہ سکتیں تو مما...... ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ میں فضہ ہی سے شادی کروں گا۔ بھائی! اب کوئی بات نہیں ہوگی اس سلسلے میں۔''

ذورین نے سختی سے عاتکہ کا ہاتھ جھٹکا اور کھڑا ہو گیا۔ وہ تو یہ سوچ کر آیا تھا کہ اگر مما نے ہلکا سا اشارہ بھی کیا تو وہ اپنا فیصلہ بدل دے گا مگر انہوں نے اس کو اس کے فیصلے کے حوالے کر دیا تھا۔

''ذورین جانی! تم...... تم سمجھتے کیوں نہیں۔ کوئی منطق' کوئی دلیل بھی تو تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔''

''محبت میں کوئی مجبوری' کوئی منطق' کوئی دلیل نہیں ہوتی مما! آپ ہمیشہ نیلو ہی کی مما رہیں' ایک بار صرف ایک بار میری مما بن کر مجھے روک کر تو دیکھتیں۔''

وہ کسی الجھے ہوئے بچے کی طرح پریشان ہو رہا تھا۔ عاتکہ اور عمار نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر ذورین غصے میں باہر نکلا۔

''عمار بیٹا...... اسے دیکھو کہیں کھو نہ جائے۔ میرا بیٹا کن مشکلات میں پھنس گیا ہے۔''

عاتکہ شدت سے رو دیں۔ عمار جلدی سے باہر نکلا۔ ذورین گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا۔ عمار اس کی طرف بڑھا۔

''بھائی!'' نیلو کی آواز پر عمار اور ذورین مڑے۔ وہ مضمحل سی عمار کے قریب آ گئی۔ ایک شاکی سی نظر ذورین پر ڈالی۔

''بھائی' میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ...... کہ میں رافع کے بارے میں سوچنے پر تیار ہوں۔''

لڑکھڑاتی آواز میں بولتی وہ آگے بڑھ گئی تو غبار ذورین کی رگیں کاٹنے لگا۔ اس نے زور سے

دروازہ بند کیا۔ ٹائر پر پاؤں مارا۔

''نیلو......!''

رافع جو اتفاق سے ابھی ابھی آیا تھا' گاڑی لاک کر کے وہ ان تینوں کی طرف بڑھ رہا تھا کہ نیلو کا جملہ اس کی سماعتوں سے ٹکراتا ہوا اندر پھول کھلاتا چلا گیا۔ لمحوں کے اس سفر میں اس نے اپنے خوابوں کی منزل پالی۔ وہ دانستہ طور پر باڑھ کی آڑ میں ہو گیا۔ ایسے ہی تو موقعے ہوتے ہیں جن میں انسان تمام اخلاقیات کو بالائے طاق رکھ کر خود غرض ہو جاتا ہے۔ وہ سانس روکے مزید کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا۔ اپنے قد سے بھی بڑی باڑھ کے پیچھے کھڑے رافع نے جھانک کر دیکھا' نیلو چہرہ جھکائے ہاتھوں کو مسل رہی تھی۔ ذورین کھا جانے والی نظروں سے نیلو کو گھور رہا تھا جبکہ عمار نیلو کے قریب آ گیا تھا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ نیلو کے فیصلے سے وہ خوش نہیں ہوا تھا مگر چونکہ یہ نیلو کا فیصلہ تھا اس لیے وہ چپ ہو گیا جبکہ ذورین کا جی چاہ رہا تھا اس کو جان سے مار دے۔

''نیلو' تم نے یہ فیصلہ کر کے بہت اچھا کیا ہے ویسے تم نے یہ فیصلہ خوشی سے کیا ہے ناں؟''

کچھ تو عمار بول ہی آہستہ رہا تھا' دوسرے ہوا تیز چل رہی تھی۔ رافع کوشش کے باوجود کچھ سن اور سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ عمار کی بات پر نیلو نے ایک شکتی سی نگاہ ذورین پر ڈالی کچھ دیر کے لیے نظریں ملیں۔ ایک پل کے لیے دونوں ڈول سے گئے۔ اپنی اپنی انا کی چوٹیوں پر کھڑے لڑکھڑا سے گئے مگر جلد ہی سنبھل گئے۔ نیلو کے چہرے پر رعونت آ گئی۔

''ضروری تو نہیں بھائی کہ ہر فیصلہ دل سے اور خوشی سے کیا جائے' کچھ فیصلے تو......''

آنسوؤں کا گولا سا حلق میں الفاظ کی راہ میں رکاوٹ بن گیا تو وہ آنکھوں کے کناروں پر بند باندھ کر اپنا بھرم رکھنے کی کوشش کرنے لگی تو عمار نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ وہ اس کے اندر کی کیفیت کو اچھی طرح جانتا تھا کہ اس نے یہ فیصلہ کس طرح کیا ہے مگر وہ خوش تھا کہ نیلو نے یہ فیصلہ جس دل سے بھی کیا تھا' بہترین فیصلہ کیا تھا۔ رافع واقعی اسے بہت پسند تھا۔

''نیلو' تم نے یہ فیصلہ جس دل سے بھی کیا ہے بہت اچھا' بہت پائیدار اور نہایت مناسب ہے اس لیے کہ رافع بہت اچھا انسان ہے اور......'' عمار کی بات ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ ذورین تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔

''بھائی! آئیں...... آپ کیوں اپنا وقت برباد کرتے ہیں۔ رافع کتنا اچھا انسان ہے ان سے بہتر کون جان سکتا ہے' جب ہی تو زندگی کی ڈور اس کے ہاتھوں میں دینے چلی ہیں...... ناں ورنہ......''

زہریلے لہجے میں ڈھلے یہ الفاظ نیلو کو سلگا

''بھائی' ان سے کہہ دیں یہ میرا ذاتی معاملہ ہے اور میں اپنی ذاتیات میں کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں دے سکتی' جیسے فضہ سے شادی ان کا ذاتی معاملہ ہے اسی طرح رافع سے شادی کا فیصلہ میرا ذاتی معاملہ ہے اور میں رافع کے......''

''رافع' رافع......ایک یہی نام رہ گیا ہے تمہاری زندگی میں...... جی چاہتا ہے قتل کردوں اس شخص کو۔''

دھیمے مگر سخت الفاظ میں ذورین نے کہا۔ وہ غصے سے اس وقت سرخ ہو رہا تھا۔ اس کے اس انداز اور باتوں سے نیلو کو انجانا سا سکون مل رہا تھا۔ اسے اس کی پروا تھی تو سلگ رہا تھا ناں ورنہ اسے کیا غرض تھی اس سے یا رافع سے۔

''میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ آپ میرے معاملے میں نہیں بول سکتے۔ اگر میرا آپ پر کوئی حق نہیں ہے تو آپ کا بھی مجھ پر کوئی حق نہیں ہے۔''

نیلو جان بوجھ کر انجان بن کر ذورین کو تنگ کر رہی تھی۔ نہ جانے کیوں وہ اس سے کیا سننا چاہتی تھی۔

''حق......حق...... میں نے تو اپنی ذات کے گرد کوئی حد بندی نہیں کھینچی تھی۔ مجھے تو ڈوبنے سے کسی نے بچایا ہی نہیں...... مجھے...... مجھے تو بھٹکنے کے لیے تنہا ہی چھوڑ دیا تھا' زندگی کے راستے گم کردیے تھے اور تہمت خود مختاری کی لگا دی گئی کہ......''

ذورین عجیب سے شکستہ لہجے میں بول رہا تھا۔ عمار تڑپ اٹھا اسی لیے اس نے دونوں سے پوچھا تھا مگر دونوں ہی میدان مارنا چاہتے تھے تو وہ کیا کر سکتا تھا۔

''خاموش ہو جاؤ تم دونوں۔ بالکل ذہنی مریض لگ رہے ہو اس وقت تم دونوں۔ جو اپنی اپنی کھوکھلی انا کے مورچوں میں ایک دوسرے کو داغ بھی رہے ہو اور زندہ بھی رکھنا چاہتے ہو اور یہ حرکتیں' یہ سوچ' ذہنی طور پر بیماری کی نشاندہی...... ہے۔ تم دونوں نے جو فیصلے کیے ہیں میں جانتا ہوں۔ تم دونوں ہی پچھتاوے کی آگ میں جلو گے مگر اب میں تم دونوں کو بے یقینی کے درمیان رہنے نہیں دوں گا۔ تم دونوں کی شادیاں جلد ہی فضہ اور رافع سے کردی جائیں گی۔ یہ جو جھوٹی انا ہوتی ہے ناں یہ انسان کی دشمن ہوتی ہے۔ کسی کو اس سے نقصان نہیں پہنچتا' سوائے اس کے اپنی ذات کے۔''

عمار حقیقتاً غصے میں آ گیا تھا۔ اس نے گھور کر دونوں کو دیکھا جن پر عمار کی کسی بات کا اثر نہیں تھا۔ دونوں اپنے اپنے مورچوں میں حملے کے لیے تیار تھے۔

''بھائی' میں گھر جا رہا ہوں' فضہ میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ آپ چل رہے ہیں یا......''

ذورین گاڑی کی طرف بڑھتا ہوا پوچھ رہا تھا۔ عمار شدید غصے میں تھا۔ نیلو راکھ ہو گئی تھی فضہ کے

ذکر پر۔

''تم چلے جاؤ' مجھے جب آنا ہوگا آ جاؤں گا۔''

عمار نے غصے میں کہا تو ذورین نے ایک قہر باری نگاہ نیلو پر ڈالی اور زور سے گاڑی کا دروازہ بند کرتا ہوا بیٹھ گیا اور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا تو رافع جس نے گاڑی گیٹ سے باہر کھڑی کی تھی' جلدی سے باہر نکل گیا۔

''چلیں بھائی' اندر چلیں ٹھنڈ زیادہ ہو رہی ہے۔'' نیلو نے عمار کا ہاتھ پکڑا تو وہ غصے سے اس کی طرف گھوما' ہاتھ الگ کیا عمار کو دونوں پر شدید تاؤ آ رہا تھا۔

''نہیں جانا مجھے اندر اور تم دونوں کو اپنے علاوہ کس کی پروا ہے' خود پرست ہو تم دونوں۔''

عمار نے ہاتھ کھینچا اور پیدل ہی گیٹ سے باہر نکلنے لگا۔ نیلو اس کے پیچھے بھاگی۔

''بھائی پلیز! رک جایے میری بات سنیے پلیز' بھائی!''

نیلو بھاگتی ہوئی عمار تک پہنچ گئی تو وہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے آنسو ہمیشہ سے ہی اس کی کمزوری رہے تھے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو صاف کردیے۔

''بھائی سوری! پلیز' آپ خفا ہو کر مت جایئے۔ بھائی آپ پر تو میں جان بھی دے سکتی ہوں مگر......'' وہ عمار کے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر شدت سے رو پڑی۔ ہمیشہ کے لیے ذورین کی زندگی سے نکل جانا یا اسے نکال دینا آسان تو نہیں تھا۔ عمار اس کی مجبوری سمجھ رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو چاہنے کے باوجود اگنور کر رہے تھے۔

''تم دونوں نے بہت تنگ کر رکھا ہے مجھے میں...... میں......''

عمار واقعی ان دونوں سے بہت خفا تھا۔

''اچھا بھائی' آپ ابھی میرے ساتھ چلیے۔ میں آپ کو خود کافی بنا کردیتی ہوں چلیے پلیز!''

نیلو عمار کو ایک طرح سے گھسیٹ کر اپنے کمرے میں لے آئی۔ پھر دونوں کتنی دیر باتیں کرتے رہے۔ ہر بات پر عمار کا یہ مطلب ہوتا کہ نیلو ذورین کو فضہ کے ساتھ شادی کرنے سے منع کرے مگر وہ معذرتی انداز میں نظریں جھکا لیتی۔

''ٹھیک ہے' جیسے تم دونوں کی مرضی۔ تمہارا انتخاب پھر بھی اچھا ہے بلکہ بہت اچھا ہے۔ رافع واقعی اچھا اور مخلص انسان ہے۔ تمہاری عزت بھی کرے گا اور قدر بھی مگر ذورین کا انتخاب بہت کمزور اور بے اعتبار ہے۔ فضہ اس کی ہرگز اچھی ساتھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ وہ غلط لڑکی کا انتخاب کر بیٹھا ہے میں بہت فکرمند ہوں۔''

عمار' نیلو کی طرف سے واقعی مطمئن تھا کیونکہ رافع اسے خود پسند تھا جبکہ ذورین کے لیے وہ بہت

پریشان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اپنے بودے فیصلے کی نذر ہو جائے گا تو اپنے ساتھ سب کو دکھی کر دے گا۔

''بھائی' آپ اتنے فکرمند نہ ہوں۔ جب وہ ڈوبنے کا فیصلہ کر چکا ہے تو کون اسے روک سکتا ہے۔ شاید رافع نے درست ہی کہا تھا کہ خودکشی انسان کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے۔ ہم آپ کیا کر سکتے ہیں۔ آپ پلیز' میری طرف سے بدگمان مت ہوئیے گا...... میں......''

نیلو روہانسی ہو گئی تو عمار نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کھڑا ہو گیا۔

''نہیں' تمہاری طرف سے بدگمان نہیں ہوں نیلو لیکن کاش کہ وہ ہو جاتا جو میں چاہتا تھا۔''

عمار کے لہجے میں ڈھلی حسرت نیلو کی نارسائی کی آگ کو مزید بھڑکا گئی۔

''کاش...... بھائی' کاش یہ کاش ہماری زندگیوں میں نہ آیا کرے تو جدائی کے موسم نکھر نہ جایا کریں۔ مگر یہ کاش ان لمحات کو انمول کر دیتا ہے جن کو ہم جان بوجھ کر گنوا بیٹھتے ہیں اور پھر ان کی یاد میں......'' نیلو کی آواز بھیگ گئی۔

''نیلو میں نے کہا ہے ناں کہ میں تم سے خوش ہوں تم نے پھر بھی بہترین فیصلہ کیا ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں بھائی آپ خودکشی کے بھی تو طریقے ہوتے ہیں' اچھے بھی اور برے بھی۔ آپ کہہ رہے ہیں کہ میں نے قدرے بہتر فیصلہ کیا ہے ذورین سے......''

اب ضبط کا یارا نہیں رہا تھا۔ نیلو منہ پر ہاتھ رکھ کر باہر نکل گئی۔ عمار کا دل چاہا' زبردستی دونوں کو پکڑ کر نکاح کر دے۔ بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی مگر وہ سمجھدار اور ہوش میں رہ کر فیصلے کیا کرتا تھا۔ اس نے حالات کو وقت کے دھارے پر چھوڑ دیا۔ جس کا موڑ آئے گا' وہ ٹھہر جائے گا۔ وہ سر جھٹک کر باہر آیا تو عثمان صاحب کسی گہری سوچ میں غلطاں تھے۔ وہ ان کے قریب بیٹھ گیا۔

''کیا بات ہے پپا کچھ پریشان لگ رہے ہیں؟''

عمار کی بات کے جواب میں انہوں نے ایک خاموش سی نگاہ اس پر ڈالی اور پھر سگار سلگانے لگے۔

''حالات بہت بگڑ گئے ہیں عمار بیٹا!''

''اچھا' ایسی بات ہے...... آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا' ابھی بگڑے ہوئے حالات کی خبر لیتا ہوں۔ دیکھیے گا کان پکڑوا کر آپ کے سامنے بیٹھ نہ بنا دیا تو کہیے گا۔ تیر کی طرح سیدھے ہو جائیں گے...... سمجھتے کیا ہیں یہ حالات خود کو ان کی خودسری تو میں......''

عمار نے عثمان صاحب کو خوش کرنے کے لیے کہا تو وہ سنجیدگی سے مسکرا دیے۔

''ہاں' میرا بھی یہ خیال تھا کہ تم آتے ہی ان بگڑے ہوئے حالات کو سیدھا کر دو گے کسی بھی

طرح سے ہی سہی مگر تم تو خود ان حالات کے سامنے بے بس نظر آ رہے ہو۔''

''پپا' بے بس تو نظر آؤں گا ہی بس تو آپ نے خرید کر دی نہیں مجھے۔ اب آج اگر میرے پاس بس ہوتی تو میں ان حالات کو بے دردی سے کچلتا ہوا روندتا ہوا آگے بڑھ جاتا اور پھر بس ویران جگہ پر کھڑی کر کے فرار ہو جاتا اور......''

عمار ایسی باتوں سے عثمان کے بجائے خود کو بہلا رہا تھا۔

''عمار! بیٹا پلیز سیریس ہو جاؤ۔''

''اوکے' آئی ایم...... اب کہیے آپ کیوں پریشان ہیں میرے ہوتے ہوئے؟''

وہ سنجیدہ ہو کر کشن گود میں رکھ کر بیٹھ گیا تو عثمان صاحب نے ساری بات اسے بتا دی۔

''پپا' آپ جانتے ہیں یہ سب طے ہے تو پھر......''

''مگر بیٹا' ذورین اور فضہ کی شادی طے تھی نہ رافع اور نیلو کا رشتہ۔''

عثمان صاحب کو نئے رشتوں کی یہ تصویر اچھی نہیں لگی تھی۔ ان لوگوں نے تو کچھ اور ہی سوچ رکھا تھا۔

''کیوں پپا آپ کو رافع پسند نہیں۔ میرا تو خیال تھا کہ رافع کے بارے میں آپ کی اور مما کی رائے بہت اچھی ہے اور وہ ہے بھی بہت اچھا لڑکا۔''

''اس میں کوئی شک نہیں کہ رافع بہت اچھا لڑکا ہے اور ہماری رائے بھی اس کے بارے میں بہت اچھی ہے عمار لیکن بیٹا ہم دونوں کچھ اور ہی چاہتے تھے۔''

اسی دوران میں عاتکہ بھی شریک گفتگو ہو گئیں تو عمار اٹھ کر ان کے ساتھ جا بیٹھا اور صوفے پر لیٹ کر سر ان کی گود میں رکھ دیا۔

''جو آپ لوگ چاہتے ہیں وہی میں چاہتا ہوں مگر مما! ہمارے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ دونوں ہماری چاہتوں کی حد کراس کر کے اپنی اپنی پسند اور انا کے مورچوں میں ضد کا میدان مارنا چاہتے ہیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں سوائے ان کے لیے دعا کرنے کے۔''

''دعا کے ساتھ ساتھ ان کو روکا بھی تو جا سکتا ہے بیٹا!''

''روکا تھا پپا مگر آگ سے کھیلنے کا ان کا ذاتی فیصلہ ہے پھر ہم کیا کر سکتے ہیں کرنے دیں' تجربہ کرنے دیں۔ بعد میں ہمیں تو الزام نہیں دیں گے ناں۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا بچوں کو آگ سے کھیلنے کی اجازت دے دی جائے؟''

''مما جان! تب ہی تو بچوں کو معلوم ہو گا کہ آگ خطرناک چیز ہے اس کے قریب نہیں جانا چاہیے۔''

عمار مستقل دلائل دیے جا رہا تھا۔ نہ جانے کس کو مطمئن کر رہا تھا ان دونوں کو یا خود کو۔

''کبھی کبھی آگ سب کچھ جلا کر راکھ کر دیتی ہے عمار بیٹا! پھر راکھ میں انگلیاں پھیرنے سے...... تم ذورین کو روک لو ٹھیک ہے اگر وہ نیلو سے چڑتا ہے تو نہ سہی مگر وہ فضہ کے ساتھ بھی شادی کرے ورنہ......'' عثمان صاحب کی بات میں جانے کیا تھا کہ عمار ان کو دیکھتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

''کم آن پپا! آپ تو مما جیسی باتیں نہ کریں۔''

''کیوں نہ کروں عاتکہ اگر ماں ہے تو میں باپ۔ تم لوگوں کو اندازہ ہی نہیں ہے کہ پالنے کی محبت بھی کتنی عجیب ہوتی ہے۔ جتنی بے وجود ہوتی ہے اتنی ہی مضبوط اور پائیدار ہوتی ہے۔ رگوں میں خون بن کر گردش کرتی ہے۔ تم دونوں کو ہم نے بڑے خلوص نیت سے اور محبتوں سے پالا ہے اور اب ہم یوں انجان بن کر' بے گانے بن کر اپنے بچوں کو برباد ہوتا ہوا دیکھیں...... یہ نہیں ہو سکتا۔''

عثمان ایک عرصے سے خاموشی سے سب کچھ برداشت کر رہے تھے۔ آج جذباتی ہو گئے تھے۔

''میرا تو آنگن ہی ویران ہو کر رہ گیا ہے۔ ایک وقت تھا ہر طرف تم لوگوں کی شرارتیں تھیں' معصوم قہقہے تھے۔ زندگی کتنی بے فکر اور پرسکون تھی۔ خدا اس رفیق کو اور شجاع الدین کو سمجھے' نہ جانے کب سے ہماری خوشیوں کی گھات لگائے بیٹھے تھے۔ یہ جب سے ہماری زندگی میں داخل ہوئے ہیں' حالات ہی بدل گئے ہیں۔ میرا ذورین میری آنکھوں کی ٹھنڈک کیسا مرجھا کر رہ گیا ہے۔ عمار بیٹے' میں کچھ نہیں جانتی' مجھے میرے گھر کا سکون' میرے بیٹوں کی خوشیاں واپس چاہئیں۔ جن کے لیے ہم دونوں نے اپنے اپنے گھر والوں کو چھوڑ دیا اور وہ سب بھی ہم سے چھن گیا۔ میں اپنے بچوں کے بغیر جی نہیں سکتی۔ میرے ذورین کو واپس لے آؤ عمار' میرے ذورین کو لے آؤ۔''

عاتکہ نہ جانے کب سے ضبط کیے بیٹھی تھیں۔ آج پھٹ پڑیں' اس بری طرح روئیں کہ عمار کا جی چاہا ابھی جا کر ذورین کو کان سے پکڑ کر لائے اور عاتکہ کے قدموں میں ڈال دے۔

''پلیز مما! اس طرح مت روئیے' میں...... دیکھیے تو اس ذورین کے بچے کو کیسے ٹھیک کرتا ہوں۔ انشاء اللہ بہت جلد سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ڈونٹ وری میرا بھروسا کریں مما' اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چلیں' آج ہم سب ڈنر باہر کریں گے۔ چلیں پپا آپ بھی تیار ہو جائیے اور شانو تم نیلو کو بلا کر لاؤ۔''

عمار نے برتن اٹھاتی شانو سے کہا تو وہ برتن وہیں رکھ کر نیلو کے کمرے کی طرف بھاگی راستے میں وسو سے ٹکر ہو گئی۔

''بدشکل بھینگے' دیکھ کر نہیں چل سکتے آنکھیں کہاں ہیں تمہاری؟''

''تمہیں آنکھوں کی پڑی ہے اور مجھے چھریوں کی۔ کہاں رکھی ہیں تم نے ساری چھریاں؟''

''تمہاری گردن کے لیے تو میرے ناخن ہی کافی ہیں تمہیں چھریوں کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے؟''

''ہاں' یہ بات بھی درست ہے...... لیکن میں تمہیں سچ سچ بتا دیتا ہوں شانو کہ......''

''کیوں' کیا کیا ہے؟ پھر میرا کھانا کھا لیا ہے۔ خدا کرے تمہیں پیٹ میں جنوں والے مروڑ اٹھیں۔ ہر روز میرا کھانا کھا لیتے ہو کیکڑے' مگر پھر بھی......''

شانو نے زور سے اس کا بازو دبایا تو وہ چلا پڑا۔

''کیا مطلب ہے صرف کھانا کھانے پر تم میرا بازو دبا رہی ہو تو چوڑیاں ٹوٹنے کی خبر' مہندی کی کون پھٹ جانے کی خبر اور میک اپ کے سامان کی گمشدگی کی خبر پر تو تم اپنے حواس کھو بیٹھو گی اور میرا یہ اکلوتا گلا دبا دو گی۔''

وہ جیسے جیسے بتا رہا تھا شانو کی آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں...... اور ہاتھ وسو کی گردن کی طرف' وہ الٹے قدموں پیچھے کھسک رہا تھا۔

''تم نے...... تم نے...... مچھر کہیں کے' میری چوڑیاں توڑ دیں۔ ہیں...... تم نے میری چوڑیاں توڑ دیں...... میں...... میں......''

''نہیں شانو' تمہاری چوڑیاں میں نے جان بوجھ کر نہیں توڑیں۔ دیکھو ناں' تمہارے پیسے چرانے کے لیے مجھے الماری کے اوپر جھانکنا تھا اور تم جانو' میں عالم چنا جتنا لمبا تو ہوں نہیں۔ سوچ رہا' سوچ رہا پھر مجھے کرسی نظر آئی۔ میں نے کرسی گھسیٹی پیسے چرانے کے لیے تو پھر بھی کم پڑ رہا تھا۔ میں نے جھٹ تمہاری چوڑیوں کا ڈبا کرسی پر رکھ ...... پر کھڑا ہو گیا تو تڑ تڑ ساری چوڑیاں ٹوٹ گئیں۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ آخر تم تو نے وان ۃ نچ کی چوڑیاں کیوں لیتی ہو...... خیر بڑے ہاتھ پیر مارے مگر مجال ہے' تمہارے پیسے ملے ہوں پھر......''

''کیا...... کیا' تم نے میرے پیسے چرانے کی کوشش بھی کی۔''

اب تو شانو بے ہوش ہونے کو تھی۔

''ناکام کوشش کہو ناں' خیر تمہارے پیسے چرانے کی نوبت بھی نہ آتی' اگر میں تمہاری نئی سینڈل ماسی پھتر کی بیٹی نوراں کو نہ دے دیتا۔''

''کیا' تم نے میری نئی سینڈل نوراں کی بچی کو دے دی۔''

شانو کی رگوں میں خون گرم ہو کر ابلنے لگا۔

''نوراں کی بچی کو نہیں خود نوراں کو دی ہے۔''

''نہیں' اب میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ تم بندر کہیں کے' مچھر...... ساری ٹانگیں توڑ کر بھینگا نہ کر دوں تو کہنا...... آج...... آج بنو کے ہوٹل پر تمہاری ہڈیوں کا سوپ ہی بکے گا۔ کہاں ہے چھری

......جلنے چھریاں۔

شانو خونخوار انداز میں اس کی جانب بڑھی تو وہ بندروں کی طرح خارش کرتا ہوا پھدکتا ہوا باہر نکل گیا۔ شانو پیچھے پیچھے تھی۔ دسو شانو کی ماں سے جا ٹکرایا۔

''دیکھ کے بیٹا!''

''جیتی رہو خالہ یہ لو مونگ پھلی اپنی بندریا بیٹی کے لیے۔''

دسو نے جیب سے کچھ نکال کر حاجرہ کے ہاتھ پر رکھا اور خود آم کے پیڑ کی کمزور سی شاخ پر جا چڑھا جو اس کے چڑھنے کی گویا منتظر تھی' اس کے چڑھتے ہی جھٹ اس سمیت زمین پر آ گری۔

''ہائے ابا جی! زبان میں بری طرح موچ آئی ہے۔ ہائے او ابا جی!''

دسو منہ ٹیڑھا کر کے رونے لگا۔

''جیسا کرو گے میاں ویسا بھرو گے' خدا حافظ! ہم رات دیر سے آئیں گے۔''

عثمان صاحب سمیت سب ہنستے ہوئے پورچ کی طرف بڑھے۔

''جا تو گاڑی سے رہے ہیں' آئیں گے دیر سے واہ...... امیر لوگوں واہ۔ جواب نہیں تم لوگوں کا...... چل دسو شہزادے' کہیں کالی چڑیل نہ آ جائے۔''

دسو اٹھنے ہی والا تھا کہ اوپر سے کسی پرندے نے بڑی سی بیٹ اس کے سر پر کر دی تو سارا چہرہ بھی گندا ہو گیا تو اس نے شکایتی نظروں سے پرندے کو دیکھا۔

''واہ میرے یار' کتنے دن کا رکا ہوا مال تھا...... ہائے او ابا جی!''

☆☆☆

رافع جب سے نیلو کی بات سن کر آیا تھا' وہ اس کی آواز کی بازگشت میں مسرور سا گھوم رہا تھا۔ اس کے خوابوں کا شہر سج گیا تھا۔ اس ایک جملے میں چھپنے والے لفظوں سے وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نیلو کبھی اس کے بارے میں سوچ بھی سکتی ہے۔ تب سے اب تک اس نے نیلو کے ساتھ زندگی گزارنے کے کتنے خواب دیکھ ڈالے تھے۔ زندگی سے سارے شکوے مٹ گئے تھے۔ محرومیوں اور نارسائیوں کے پالنے میں پلنے والا رافع آج بہت خوش ہو گیا تھا۔ اس سے یہ خوشی سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ نیلو کو حاصل کر لے گا' اس کی مرضی اور اس کی خوشی کے ساتھ۔ آج وہ بے حد خوش تھا۔ اپنی خوشی شیئر کرنا چاہتا تھا۔ چیخ چیخ کر سب کو بتانا چاہتا تھا کہ نیلو اس کی ہونے والی ہے' نیلو اس کو ملنے والی ہے۔

''کس کو بتاؤں' کس کو سناؤں؟ اے خاموش فضا' میری خوشی میں شریک ہو جا' اے مسکراتی چاندنی' مجھے مبارکباد دے دے۔ مجھے زندگی کی سب سے بڑی خوشی ملنے والی ہے۔ میری نیلو مجھے

ملنے والی ہے...... اے زندگی' مجھے اب تجھ سے کوئی شکوہ نہیں' کسی بہار سے کوئی گلہ نہیں۔ مدتوں بعد سہی' اللہ نے میرے آنگن میں خوشیوں کے اتنے پھول کھلائے کہ میرا دامن تنگ پڑنے لگا ہے اور محترمہ نیلو صاحبہ کتنی ہوشیاری سے چھپایا ہوا تھا' آپ نے خود کو ہم سے کہ میں تو بالکل ختم ہی ہو گیا تھا اور چپکے ہی چپکے میرے بارے میں سوچا جا رہا تھا...... ہا' یہ انسان بھی کس قدر جلد باز ہے۔ معلوم ہے نیلو' اس روز تم سے بات ہونے کے بعد میں نے تو مکمل طور پر ملک چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر اب...... اب تھینک یو اللہ میاں لیکن میں اپنی یہ انمول خوشی کس کے ساتھ شیئر کروں؟''

رافع خوشی سے نوشی اور نیلو کی تصویر جو وہ اپنے پاس رکھتا تھا' دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔ خوشی سے وہ بے حال ہو رہا تھا۔ وہ نوشی کو سب کچھ بتانا چاہتا تھا۔

''نوشی ہیں...... مگر......'' وہ نوشی کو خوشیوں کی اس محفل میں شریک کرنا چاہتا تھا مگر نوشی کی خاموش گہری آنکھوں میں اپنا عکس بھی دیکھ چکا تھا۔ اس کی بے زبان محبت کو بھی سمجھتا تھا۔ وہ اسے ناپسند نہیں کرتا تھا۔ بلکہ پسند کرتا تھا مگر اس کی چاہتوں کی منزل تو کوئی اور تھی۔ اس کی تلاش' اس کی جستجو تو نیلو پر آ کر ختم ہو گئی تھی اور جب منزل نظر آئی تو وہ خود غرض بن گیا۔ اس نے زندگی میں پایا ہی کیا تھا سوائے محرومی کے۔ اب اگر اسے زندگی کی اولین خوشی مل رہی تھی تو وہ......

''ارے آؤ' نوشی آؤ' میں تمہاری طرف ہی آ رہا تھا۔''

عین اس وقت نوشی کمرے میں داخل ہوئی تو رافع کھڑا ہو گیا۔

''زہے نصیب خیریت تو تھی؟'' نوشی کو خیریت تو اس کے ایک ایک انداز سے نظر آ رہی تھی۔

''ہاں' وہ نوشی بات یہ ہے کہ...... کہ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں...... میں بہت خوش ہوں۔ زندگی میں مجھے پہلی اور اولین خوشی ملی ہے میں......''

فرطِ جذبات سے رافع کی آواز کی لہریں جذبات میں ڈوب رہی تھیں۔ نوشی اس کی خوشی کی نوعیت تو نہیں جانتی تھی مگر اتنا ضرور جانتی تھی کہ اس کے دل نے محبت کے جس کنول کی آبیاری کی ہے' وہ آج کسی اور خوشی کی روشنی میں نہا رہا ہے۔

''تو اس میں بتانے والی کون سی بات ہے آپ تو سر سے پیر تک خوشی کی انجانی مسرت کا کسی انوکھی خوشی کا اشتہار بنے ہوئے ہیں۔ خوشی کی کرنوں میں نہا رہے ہیں' ویسے خوشی کی نوعیت کیا ہے؟''

''ہوں...... بوجھو تو جانیں۔'' رافع بڑی ترنگ میں بولا تو ایک ٹیس سی نوشی کے دل میں اٹھی اور اس کے ضبط کے پردے میں چھپ کر رہ گئی۔ بھلا اس میں بوجھنے والی کیا بات تھی۔ اپنے دل میں براجمان رافع کی آنکھوں میں نیلو کھڑی مسکرا رہی تھی' اس کی یک طرفہ محبت پر ایک زخمی سی مسکراہٹ نوشی کے ہونٹوں پر آ گئی۔

''آپ خود ہی بتا دیجئے میں بھلا اتنی قابل اور ذہین کب ہوں کہ آپ کے اندر اتر سکوں یا جھانک سکوں۔'' اس نے ملائم سے لہجے میں کہا تو رافع اسے دیکھے گیا۔

''نوشی تم بہت بہت اچھی لڑکی ہو۔''

''اچھا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ اس وقت آپ کی آنکھوں کی روشنی بہت تیز ہے اس لیے آپ کو معمولی چیز بھی اچھی لگ رہی ہے۔ ایسا ہوتا ہے ناں کہ جب بندہ خود خوش ہوتا ہے اسے سب اچھا لگ رہا ہوتا ہے ورنہ......'' ایک سرد آہ لفظوں کی آڑ لے کر گزر گئی۔

''ارے نہیں نوشی! تم ہو ہی اچھی' تم اور فضہ اتنی مختلف ہو کہ میں اکثر سوچا کرتا ہوں کہ تمہیں ماموں جان کی بیٹی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ تمہیں کسی بہت اچھی جگہ پر ہونا چاہیے تھا۔ خیر میری دعا ہے تمہیں کوئی بہت اچھا' تمہاری طرح کا ڈیسنٹ قسم کا بندہ ملے جو تمہیں بہت پسند کرے اور تمہاری عزت کرے۔''

وہ اسے بڑے خلوص دل سے دعا دے رہا تھا اور اس دعا کے آئینے میں وہ خود سجا ہوا تھا جسے صرف نوشی دیکھ رہی تھی' دکھ سے مسکرا دی۔

''تھینک یو رافع مگر ہم بہت بے بس لوگ ہیں۔ خواب تو دیکھ سکتے ہیں مگر ان کی تعبیر ہمارے اختیار میں نہیں ہوتی۔ آپ نے اتنی خوبصورت دعا دی ہے کہ...... خیر آپ نے بتایا ہی نہیں کہ آپ کیوں خوش ہیں...... خوشی کی تمہید اتنی لمبی ہو گئی کہ......''

نوشی کے بھیگے لہجے میں مزید نمی اتر آئی۔

''نوشی...... نوشی' کہاں ہو تم...... اوہ تو تم یہاں ہو اور میں تمہیں سارے میں تلاش کر کے آرہی ہوں۔'' فضہ کی آواز دور سے آئی دوسرے پل فضہ ان کے سر پر کھڑی تھی۔

''کیوں' کیا بات ہے؟'' نوشی فضہ کی طرف مڑی۔

''وہ ذرا میرے ساتھ شاپنگ کے لیے چلو۔''

''کیوں' تمہارا شاپنگ پارٹنر کہاں ہے جو نوشی کا خیال آ گیا ہے؟''

رافع سینے پر ہاتھ باندھے فضہ کی طرف بڑھا تو وہ اسے گھورنے لگی تو اسے بھی رافع میں ایک خاص تبدیلی نظر آئی۔

''تم بہت مختلف لگ رہے ہو۔ لگتا ہے کوئی بڑی خوشی ملی ہے؟''

''فضہ...... ارے بھئی تم نوشی کو لینے آئی تھیں اور خود بھی......''

ذورین بھی آ گیا تو رافع کو دیکھ کر ایک عجیب طرح کی رقابت کا احساس اس کے اندر اتر گیا۔ نیلو' جو نہ جانے کب اس کی چاہت' اس کی محبت ہونے کا اعزاز حاصل کر چکی تھی جس کی اہمیت کو اس نے

کبھی تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔ وہ اس کی زندگی میں اتنی اہمیت حاصل کر چکی تھی کہ اس کی سوچ کو مٹانے کے لیے وہ دن رات مصروف رہتا۔ جب سے نیلو کے منہ سے رافع کا نام سنا تھا وہ تمام رات نہیں سو سکا تھا۔ نیلو کسی اور کی ہو جائے یہ تو اس نے نیلو سے بھرپور نفرت کے باوجود بھی نہیں سوچا تھا۔ وہ چاہتا تھا' وہ خود بخود اس کے آنگن میں بہار بن کر اتر آئے۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا' وہ رافع کی بننے جا رہی تھی۔ وہ اندر ہی اندر سلگ رہا تھا اور اس وقت تو رافع اسے کسی فاتح کی طرح خوش اور مغرور نظر آ رہا تھا۔ وہ کھول کر رہ گیا اور رافع بھی اس وقت ذورین کی اندرونی کیفیت کا اندازہ لگا رہا تھا۔ اس کے اندر کہیں خوشی کا فوارہ سا پھوٹ پڑا۔ ذورین کو مات دینے کا نہیں' نیلو کو پا لینے کا احساس' اس کو جیت لینے کا احساس۔ جس کو وہ انجانے خوف سے محسوس بھی نہیں کر پا رہا تھا۔

''فضہ' تم دونوں کو یہیں گوند لگ گئی ہے تو چپکی رہو۔ مجھے اب کہیں نہیں جانا۔''

ذورین کے اندر کا سارا غصہ اس کے تلخ کٹیلے لہجے میں ڈھلا ماحول کو تلخ کر گیا۔ وہ رافع پر ایک قہر آلودی نظر ڈالتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

''ذورین میری بات تو سنو...... آؤ نوشی تمہاری وجہ سے وہ خفا ہو گیا ہے۔''

فضہ نے نوشی کا ہاتھ پکڑا اور گھسیٹتی ہوئی اسے لے گئی اور نوشی نے پلٹ کر ایک بے بس سی نظر رافع پر ڈالی۔ وہ جانتا تھا فضہ شروع ہی سے بدتمیز اور دھانسو سی تھی۔ ہر وقت نوشی کو دبا دبا کر اس نے اس کی شخصیت ہی مسخ کر دی تھی۔ وہ دبی دبی سی سب سے الگ ہوتی چلی گئی۔ باپ اور بہن کی عیاریوں سے کوسوں دور یہ لڑکی رافع کو واقعی پسند تھی۔ اپنی اچھائیوں کی وجہ سے وہ رافع کو پسند ضرور تھی مگر اس سے محبت یا شادی کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کی منزل تو نیلو تھی جو اسے ملنے والی تھی۔

''نیلو...... نیلو' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا تم میرے بارے میں سوچو گی۔ میرے خدا' میری بھٹکی ہوئی ناؤ کو کنارا بخش دیا میں جس قدر شکر ادا کروں' اسی قدر کم ہے۔'' رافع زندگی کی اس اکلوتی خوشی سے جو ابھی اسے ملی بھی نہیں تھی اس کے تصور ہی سے شاداں ہو رہا تھا۔ اتنا کہ نوشی کی دکھی خاموش نظر کا اثر لمحوں میں زائل ہو گیا۔ یہ انسانی فطرت ہے جس کو وہ خود پسند کرتا ہے' چاہتا ہے' اسی کے پیچھے بھاگنا اسے اچھا لگتا ہے مگر اس دوڑ میں وہ یہ بھول جاتا ہے کہ کوئی جانے کب سے اس کے تعاقب میں ہے۔ رافع بھی اتنا ہی خود غرض ہو رہا تھا۔

''یہ...... یہ رنگ اس وقت خوبصورت ہو گی نیلو جب تمہاری انگلی کی زینت بنے گی۔ نیلو' میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ تم میری منزل ہو۔''

ایک خوبصورت سی نازک سی رنگ جو نیلو کے منہ سے اپنا نام سن کر وہ اسی وقت خرید لایا تھا اب اسے دیکھ رہا تھا اور چشم تصور میں کئی بار وہ نیلو کو یہ رنگ پہنا چکا تھا۔ اس وقت اسے صرف نیلو ہی نظر

آ رہی تھی۔

☆☆☆

''کوئی پروگریس نہیں ہے امی جان! دونوں اپنے اپنے مورچوں میں ہروقت ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے منتظر ہیں۔''

ایاز اور ہما نے صدیقہ بیگم اور عفت کو بلالیا تھا اور اب ہما ساری صورت حال بتارہی تھیں۔

''کیا کریں' یہ لڑکی لڑکا تو آنکھ کا بال بن گئے ہیں۔ کس طرح سمجھائیں ان کو کہ اپنی زندگی برباد نہ کریں۔ وہاں شہرام کے ابا جی مستقل زور ڈال رہے ہیں کہ اس کی شادی جلدی کردی جائے۔''

''دونوں ہی انا پرست ہیں ناں سوری کرلینے میں کون سے بال جھڑ جائیں گے ماہ ما کے مگر یہ لڑکی اس قدر اکڑفوں ہوگی میں تو سوچ بھی نہیں سکتی۔ کچھ بھی سہی غلطی تو اس کی ہے ناں......'' عفت کو اب واقعی بیٹی پرتاؤ آنے لگا تھا۔

''خیر' اس میں صرف ماہ ما ہی قصوروار نہیں عفت! شہرام ہی کو عقل کرنی چاہیے۔ اب جبکہ بات کھل گئی ہے کہ ماہ ما قصوروار نہیں تو وہ کیوں نہیں مان جاتا' کیوں معاف نہیں کردیتا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میری کوئی اولاد اتنی ناخلف ہوسکتی ہے۔''

صدیقہ بیگم روہانسی ہوگئیں تو ایاز نے ان کو پیار کرلیا۔

''امی جان! ٹھیک ہے آپ شہرام سے خفا ہیں مگر اس ناراضگی میں اس کو لڑکی تو نہ بنائیں ناں۔ وہ ناخلف ہوسکتا ہے' ہوسکتی نہیں۔''

''ایاز بیٹا' میں بہت بہت پریشان ہوں۔'' ایاز کی بات پر وہ پہلے تو مسکرائیں پھر افسردہ ہوگئیں۔

''آپ کی پریشانی کا تو ایک ہی حل ہے اماں جان!''

''کیا' جلدی بتاؤ۔'' دونوں خواتین ایک ساتھ بولیں۔

''وہ یہ کہ...... دونوں کا زبردستی نکاح کردیا جائے دونوں کو بے ہوش کرکے۔''

''بے ہوش کرکے...... مگر جب ان کو بے ہوشی کے انجکشن لگائے جائیں گے تو ان کو پتا چل جائے گا کہ ان کو بے ہوش کرکے ان کا نکاح کیا جارہا ہے...... نہیں' نہیں' یہ طریقہ درست نہیں۔'' ہما جلدی سے بولی تو ایاز اس کی طرف گھوم گیا۔

''ارے اتنی عقل مندی کی بات آپ کے ذہن میں آئی کیسے؟ دیکھا امی جان! آپ کی بہو کتنی ذہین ہوگئی ہے۔ انجکشن لگانے سے تو ان کو پتا چل جائے گا' ہم پتا ہے کیا کریں گے دونوں کو کھڑا کریں گے اور دونوں کے سروں پر دعائیں ڈنڈے برسائیں گے' دونوں بے ہوش بھی

ہوجائیں گے اور ان کو پتا بھی نہیں چلے گا اور ہم ان کا نکاح کردیں گے۔ ہیں ٹھیک ہے ناں؟''

''ہاں ہاں' یہ بالکل ٹھیک ہے۔ کیا مطلب ہے آپ میرا مذاق اڑا رہے تھے؟''

ایاز کے مسکرانے پر ہما کھسیانی سی ہوگئی۔

''جی نہیں' میں تو کبھی اڑا رہا ہوں' مادر حزہ! کچھ تو عقل کے ناخن لیا کیجئے اور......''

ایاز کی بات ادھوری رہ گئی۔ سامنے سے شہرام آ گیا۔

''السلام علیکم امی جان! آپ لوگ کب آئے؟''

شہرام نے عفت کو دانستہ اگنور کرتے ہوئے ماں کو سلام کیا اور ان کے ساتھ لگ گیا۔ اس بات کو سب نے محسوس کیا۔ عفت محسوس کرنے کے باوجود خود کو اس رویے کا حقدار سمجھتے ہوئے خاموش رہیں۔

''وعلیکم السلام' جیتے رہو۔ خدا دشمنوں سے محفوظ رکھے۔ ان سے ملو یہ رشتے میں تمہاری چچی ہوتی ہیں۔'' صدیقہ بیگم کو شہرام کا یہ گستاخانہ رویہ بہت برا لگا تھا۔ ان کے اس طرح تعارف کرانے پر شہرام شرمندہ ہوکر عفت کے سامنے سر جھکا کر کھڑا ہوگیا تو عفت نے جھٹ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر پیشانی چوم لی۔

''جیتے رہو بیٹا! بچوں کو کچھ نہ کہیے بھابی جان! ہم وہی کاٹ رہے ہیں جو ہم نے بویا ہے۔ اس میں بچوں کا کوئی قصور نہیں۔ جاؤ بیٹا' آرام کرو۔''

انتہائی حلیم لہجے میں ڈھلے محبت میں لپٹے الفاظ شہرام کو متاثر کرگئے۔ اس کا جی چاہا اپنی اس چاچی کی گود میں سر رکھ کر رو پڑے اور ڈھیروں شکوے کر ڈالے۔ اپنی بے قراریوں کا حساب طلب کرے مگر وہ ان پر ایک نظر ڈال کر آگے بڑھ گیا۔ دوسری طرف سے ماہ ما چائے لے کر آ گئی۔ سر پر دوپٹا جمائے وہ بہت معصوم اور سادہ سی لگ رہی تھی۔ شہرام کچھ دیر کے لیے کھو سا گیا۔ لمحہ بھر کے لیے اس کا دل چاہا سب کچھ بھول کر اس کی تمام خطائیں معاف کرکے اپنا لے اور پھر دونوں کہیں دور نکل جائیں۔ اپنے اس خوفناک ماضی سے دور جس میں ٹوٹی تھا اور خوابوں کی راہ گزر پر جب ٹوٹی کی شبیہ ابھرتی سب کچھ ختم ہوجاتا۔

''اونہہ......'' وہ حقارت سے اونہہ کرتا آگے بڑھ گیا۔

''لیجئے' تائی جان! آپ کے لیے لائٹ اور مما کے لیے اسٹرونگ سی چائے۔''

ماہ ما نے بڑی محبت سے صدیقہ بیگم کو چائے دی تو وہ گہرا سانس لے کر رہ گئیں۔

''جیتی رہو بیٹی! نہ جانے یہ چاند کس آنگن کا مقدر بنے گا' میں تو بدنصیب......''

''ارے بھابی جان! دل چھوٹا نہ کیجئے اللہ بہتر کرے گا۔ ثمن بھی تو بہت پیاری بچی ہے۔''

عفت نے صدیقہ بیگم کا ہاتھ تھاما۔ ماہ ما ایک گہری نظر ان پر ڈال کر کھڑی ہو گئی۔ وہ سمجھ رہی تھی یہ دونوں مائیں کیا چاہتی ہیں اور کس نیت سے ایسی باتیں کر رہی ہیں۔ مگر وہ بھی اتنی کمزور نہیں تھی کہ ان کی باتوں میں آ جاتی۔ وہ اپنے کمرے میں جا ہی رہی تھی کہ بشریٰ بیگم اور محسن صاحب آ گئے۔

''السلام علیکم بھائی صاحب!'' عفت اور صدیقہ کھڑی ہو گئیں۔

''وعلیکم السلام! بھابی بیٹھیے، میں اس قابل ہرگز نہیں ہوں کہ آپ لوگ احتراماً کھڑی ہوں۔ تشریف رکھیے پلیز!'' محسن صاحب شرمندہ سے لہجے میں بولے۔

''اور بشریٰ کیسی ہو تم؟''

''جی بھائی جان! بہت خوش اور مطمئن ہوں۔ خدا کا ایسا فضل ہوا ہے کہ میں بتا نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ سے توبہ کی توفیق پیدا کرنے والے نے ایسے توبہ قبول فرمائی کہ اپنے گھر بلا لیا۔ ہمارا تو لوٹنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ سبحان اللہ' کس قدر مہربان ہے ہمارا خالق' ہم بے شمار گناہ کر کے ایک بار توبہ کرتے ہیں صدق دل سے تو وہ ہمیں سکون کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے اتنا کہ ہم بے بس بندے شکرانہ بھی ادا نہیں کر پاتے اس کی نعمتوں کا۔''

محسن صاحب نے ہاتھ میں پکڑی تسبیح آنکھوں سے لگالی۔

''سبحان اللہ' اللہ تعالیٰ بے حد مہربان ہے بھائی صاحب! ہم ہی اپنے ساتھ ظلم کرتے ہیں۔ یہ ماریہ اور ٹونی نہیں آئے کیا..... بشریٰ!''

''کہاں آئے ماریہ کی طبیعت خراب تھی البتہ ٹونی گاڑی لاک کر رہا تھا۔ ابھی تک کیوں نہیں آیا' ذرا دیکھنا ماہ ما بیٹی!''

''جی اچھا!'' بشریٰ کے کہنے پر ماہ ما تیزی سے مڑی تو شہرام جو اپنے کمرے سے ان لوگوں کو آتے دیکھ چکا تھا مارے غصے کے تیزی سے نیچے آیا تو دونوں ٹکرا گئے۔ حسد اور غصے سے شہرام اسے اچھی خاصی سنانا چاہتا تھا مگر اپنی ماں کا خیال کر کے چپ ہی رہا۔ ماہ ما نے ایک نظر اسے دیکھا اور باہر آ گئی اور شہرام وہیں دروازے پر کھڑا دیکھتا رہا۔

''ارے ٹونی! تم اندر کیوں نہیں آئے؟'' ٹونی کو اس انداز میں پکارنے پر وہ کھول اٹھا۔

''تم جو آ گئی ہو..... کیسی ہو؟'' ٹونی کا انداز بہت سادہ تھا۔

''الحمدللہ' بالکل ٹھیک ہوں۔ یہ بتاؤ ماریہ کیوں نہیں آئی جبکہ فون پر تو تم نے رات بتایا تھا کہ وہ بھی آئے گی۔''

''ارے بھئی' اس نے آنا ضرور تھا مگر محترمہ رات پھسل گئیں پاؤں میں ہلکی سی موچ آ گئی ہے۔''

''اوہ' زیادہ تو نہیں؟''

''نہیں' الحمدللہ بڑی چوٹ نہیں آئی۔ معمولی سی موچ ہے' جلد ہی ٹھیک ہو جائے گی انشاءاللہ۔ تم بتاؤ کہ میں نے تمہیں کہا تھا کہ سر ڈھانپ کر رکھا کرو مگر تم ..... دیکھو اول تو اللہ کا حکم ہے کہ سر ڈھانپ کر اور چہرہ ڈھانپ کر رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے مگر پھر بھی سر کی تو لازمی احتیاط کرنی چاہیے اور دوسرے لڑکیاں سر ڈھانپ کر بہت سوبر اور ڈیسنٹ لگتی ہیں..... سر ڈھانپ کر رہا کرو اچھی لگو گی!''

اور پھر ٹونی نے خود اس کے شانوں پر سے دوپٹا اٹھا کے اس کے سر پر رکھا تو شہرام کٹ گیا۔ خاندانی غیرت اور رقابت نے بل کھایا۔ ناگوں میں تناؤ ابھرا اور قدم اٹھ گئے۔

''اوہو تو اس لیے محترمہ سر پر دوپٹا جمائے رہتی ہیں؟'' وہ سلگ اٹھا۔

''او کے مولانا تنویر محسن صاحب! کوشش کیا کروں گی۔ اب چلو اندر اپنے ہاتھوں سے بنے پکوڑے کھلاتی ہوں۔''

''واٹ' پکوڑے اور تم نے بنائے ہیں؟ جس کو چائے کا پانی ابالنا بھی نہیں آتا تھا پکوڑے تو کوئی ذاکرہ ہی بنا سکتا ہے۔'' ٹونی کو خاصی حیرت ہوئی۔

''تو چلو آزما لو آؤ۔'' ماہ ما پلٹی تو شہرام طوفان کی طرح اس کے قریب سے گزرا۔

''ارے شہرام! تم..... السلام علیکم' آؤ ناں بیٹھو۔ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔''

ٹونی راہ ہدایت پر کھڑا بڑے خلوص سے معانقے کے لیے ہاتھ بڑھائے دعوت مذاکرات دے رہا تھا مگر شہرام اس وقت صرف رقابت کی آگ میں جل رہا تھا۔ غصے میں اس نے ٹونی کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو بھی اگنور کر دیا۔

''تھینک یو مولانا صاحب! مجھے آپ سے نہ کچھ کہنا ہے اور نہ سننا ہے۔ تھینک یو ویری مچ!'' اس نے شعلے برساتی نظر ماہ ما پر ڈالی تو وہ جل کر رہ گئی مگر بولی کچھ نہیں۔

''تم بہت زیادہ بدگمان ہو شہرام! اور یہ اچھی بات نہیں۔''

ٹونی طے کر چکا تھا کہ شہرام کی بدگمانی ضرور دور کرے گا تو اس نے ابتدا کر دی تھی۔

''جی' میں اچھی طرح جانتا ہوں' آپ ہی کو ہر اچھی بری بات کی خبر ہے۔ ہمیں جاہل ہی رہنے دیجیے تو بہتر ہے۔'' زہر میں بجھے تیر ماہ ما کے دل کے آر پار ہوتے رہے اور وہ اسے جھلساتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ماہ ما کو یوں لگ رہا تھا اس کا ہر اٹھنے والا قدم اسے اس سے دور کر رہا ہے۔

''شہرام! فاصلے کیوں بڑھا رہا ہے۔ ٹھیک ہے وہ بدگمان ہے' خفا ہے مگر معذرت کا راستہ تو اسے کھلا چھوڑنا چاہیے ورنہ تو بات بہت خراب ہو جائے گی۔'' ٹونی نے پر تاسف لہجے میں بولا۔

''تو تمہیں کیا ضرورت پڑی ہے' بدگمانیاں دور کرنے کی۔ میرا دل صاف ہے۔ مجھے کوئی بدگمانی

نہیں۔تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہونا چاہیے۔" ماہ ما کی آواز بھیگ گئی۔

"نہیں ماہ ما! پہلے کی اور بات تھی' اب...... اب یہ کافی نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ شہرام بدگمانی کی گہری دھند سے نکل آئے ورنہ وہ زندگی کے راستے گم کر بیٹھے گا اور اب میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔ آج نہیں تو کل میں کوشش کرتا رہوں گا' اس کی بدگمانی دور کرنے کی۔"

ٹونی نے پرعزم لہجے میں کہا تو وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

"فضول ہے ٹونی' شہرام بہت کم ظرف اور شکی مزاج آدمی ہے اور......"

"ہر محبت کرنے والا مرد تھوڑا بہت شکی ضرور ہوتا ہے ماہ ما اور اس قسم کی تصویریں دکھا کر اس محبت کرنے والے کا ظرف آزمانا بھی تو کم ظرفی ہے ناں جو میں نے دکھائی تھی۔ ماہ ما' شہرام بے قصور ہے۔بس ذرا سخت ہو گیا ہے۔ اگر ایک موقع دے دے تو......"

"وہ کبھی بھی تمہیں ایسا کمزور لمحہ نہیں دے گا ٹونی! میں اس شخص کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"تو نہ دے موقع' کمزور لمحہ ہم چھین لیں گے اس سے کوئی نہ کوئی موقع انشاءاللہ۔"

ٹونی نے خلوص سے کہا۔ ماہ ما دیکھ رہی تھی ٹونی بہت پرعزم تھا اس معاملے میں۔

"چلو اندر...... تیر پلٹ کے نہیں آیا کرتے۔" ماہ ما نے سرد سی آواز میں کہا۔

"یہ تیر پلٹ کر ضرور آئے گا' انشاءاللہ......" ٹونی نے آگے چلتی ہوئی ماہ ما کو دیکھا اور اس کے پیچھے آ گیا۔

☆☆☆

"آپ نے مجھے بلایا تھا ماموں جان! معذرت چاہتا ہوں' میں ذرا مصروف تھا۔"

"ارے کوئی بات نہیں عمار بیٹے! آؤ بیٹھو۔" اتنے دنوں سے عمار کے رویے اور ذورین کی حمایت سے شجاع الدین پر اعتماد ہو گئے تھے۔

"جی حکم!" عمار بھی اپنا ہوم ورک مکمل کر چکا تھا۔ اس نے بھی اب کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے بظاہر فرمانبرداری سے پوچھا تو شجاع الدین نے بغور اس کا جائزہ لیا۔

"ہوں بیٹا' میں یہ چاہ رہا تھا کہ گھر میں کوئی ہلا گلا ہونا چاہیے۔"

شجاع الدین نے اپنی بات کے لیے تمہید باندھی۔

"جی' میں سمجھا نہیں۔" عمار جان بوجھ کر انجان بن گیا۔

"وہ بیٹا! میں بیمار آدمی ہوں' وہ بھی دل کا۔ ہر وقت موت سر پر منڈلاتی رہتی ہے۔ میں...... میں......" شجاع الدین اپنی بات میں تاثیر پیدا کرنے کے لیے رک گئے۔

"جی کہیے نا' ماموں جان! اگر ہم بھی ایک دوسرے سے اپنے دکھ سکھ نہیں کہیں گے تو کس سے کہیں گے۔ آپ کہیے آپ کو جو کہنا ہے۔" عمار نے اخلاقی سہارا دیا تو وہ پہلو بدل کر اپنی بات کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ سگار سلگانے لگے مگر پھر ارادہ ترک کر دیا۔

"میرا مطلب یہ ہے بیٹے کہ ذورین اور فضہ کی شادی کر دی جائے تو کیا خیال ہے اس بارے میں تمہارا؟ کیونکہ میں فضہ کے بارے میں بہت پریشان رہتا ہوں۔"

شجاع الدین نے پریشانی کو بڑی شدت سے خود پر طاری کیا۔

"جی بہت اچھا خیال ہے۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ ان دونوں کی شادی ہو جائے مگر......"

"مگر...... مگر کیا؟" شجاع الدین تو اس مگر سے فوراً گھبرا گئے کیونکہ وہ عمار سے یوں بھی خوف زدہ ہی رہتے تھے کہ اس کی ذہانت کہیں ان کی چالوں کو بے نقاب نہ کر دے۔

"کوئی خاص بات نہیں ماموں جان! ذورین اور فضہ کی شادی تو طے ہے ناں مگر میں بزنس کے سلسلے میں بہت پریشان ہوں۔ میں آپ سے بات کرنے ہی والا تھا کہ......"

"کک...... کون سی بات؟" شجاع الدین گھبرا گئے۔ عمار نے بغور ان کو دیکھا۔

"وہ دراصل بات یہ ہے ماموں جان! کہ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میرے یہاں نہ ہونے کا فائدہ اٹھا کر عثمان صاحب نے ہاتھ دکھا دیا ہے۔" عمار نے جان بوجھ کر عثمان صاحب کا نام اس انداز میں لیا کہ شجاع الدین مزید کھل جائیں اور انہوں نے واقعی برا سا منہ بنا لیا۔

"مائنڈ نہ کرنا عمار بیٹے! میں تو اس عثمان کو نہیں سمجھا اور نہ ہی تم لوگوں کو کہ اس نے تم لوگوں کے بزنس کو اتنا نقصان پہنچایا۔ جائیداد وغیرہ تک اپنے نام کروا لی مگر تم لوگوں نے کوئی ایکشن نہیں لیا بلکہ ان کے ساتھ وہی تعلقات' وہی محبتیں جبکہ تم لوگوں کو چاہیے تھا کہ فراڈ کیس میں اسے پولیس کے حوالے کر دیتے۔"

"جی...... جی کیوں نہیں' میں ضرور فراڈ کیس میں پولیس کے حوالے کروں گا۔"

عمار نے پلٹ کر کچھ اس طرح ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا کہ شجاع الدین خوف زدہ سے ہو گئے اور گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔ عمار زیر لب مسکرا دیا۔

"آپ فکر ہی نہ کیجئے ماموں جان! جس جس نے ہمارے ساتھ فراڈ کیا ہے وہ اپنے انجام کو ضرور پہنچے گا۔ کیوں رفیق میاں!" اسی وقت رفیق بھی آ گیا تو عمار نے اسے بھی شامل کر لیا اور وہ اپنی مکار فطرت کی وجہ سے چاپلوسی سے مسکرایا۔

"خدا میرا ہی بھلا کرے عمار میاں! آپ کوئی غلط بات کر سکتے ہیں۔ بالکل ٹھیک ہی کہا آپ نے؟" رفیق نے اپنی چندی آنکھیں مٹکائیں۔

"رفیق تمہیں خبر بھی ہے۔ عمار بیٹے نے کیا بات کہی ہے؟" شجاع الدین نے رفیق کو گھورا۔

"چلیے میں پھر بتائے دیتا ہوں رفیق! میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم تو ہمارے بہت پرانے نمک حلال ہو' ہمارا بچپن تمہاری گود میں گزرا ہے اور تم بھلا یہ کیسے برداشت کر سکتے ہو کہ کوئی ہمارے ساتھ فراڈ کرے' لہٰذا تم فراڈیے کو جانتے تو ہو ناں' اسے پکڑوانے میں میری مدد ضرور کرو گے۔ ماموں جان! یہ رفیق ہمارا بہت وفادار ملازم ہے' جس کو نہ ہمارے والدین نے ملازم سمجھا اور نہ ہی ہم نے ...... کیوں رفیق؟"

عمار نے بڑی گہری معنی خیز سی نگاہ شجاع الدین اور رفیق پر ڈالی جو خود کو ابھی سے عدالت میں کھڑا ہوا محسوس کر رہے تھے۔ دونوں کے رنگ فق ہو گئے۔

"کیوں رفیق! تم تو چپ ہی ہو گئے۔ کیا بات ہے' طبیعت تو ٹھیک ہے ناں خالہ نسرین کی؟"

"نن...... نن...... نہیں تو عمار میاں! سب ٹھیک ہے' آپ بالکل درست کہہ رہے ہو میاں میں ...... میں بھلا آپ لوگوں کے ساتھ فراڈ ہونے دوں گا' اسی لیے تو ...... میں نے عثمان صاحب کو رنگے ہاتھوں پکڑوایا ہے۔ شجاع الدین صاحب ان کا کچا چٹھا اچھی طرح جانتے ہیں اور آپ کو معلوم نہیں عمار میاں' وہ شخص آپ کے والد کا جعلی کزن بن کر......"

رفیق کو تو موقع ملنا تھا' عثمان صاحب کے خلاف بولنے کا مگر اب عمار بھر چکا تھا' اکتا کر بولا۔

"بس بس رفیق! میں سب جانتا ہوں۔ سمجھ لوں گا عثمان صاحب کو بھی مگر ابھی میں ان کو ڈسکس نہیں کر رہا' وہ بات یہ ہے ماموں جان کہ میں آج آپ سے کچھ مانگنے آیا تھا۔"

عمار نے پہلے تو رفیق کو ڈپٹ دیا لہجہ تیز ہو گیا پھر اس نے خود پر قابو پایا اور پوری طرح شجاع الدین کی طرف متوجہ ہو گیا تو وہ اندر ہی اندر ڈول گئے کہ اب جانے کیا ہو جائے۔

"ہاں' ہاں کہو بیٹا! کیا بات ہے؟" انہوں نے کمال ہوشیاری سے خود پر قابو پایا۔

"وہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ عثمان صاحب سے تو میں بعد میں نمٹ لوں گا۔ فی الحال مجھے سرمایہ چاہیے بزنس کو پھر سے چلانے کے لیے۔ تو آپ مجھے کتنا سرمایہ دے سکتے ہیں؟"

عمار نے گویا بم دھماکا کیا۔ شجاع الدین جو اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے' اندر تک ہل کر رہ گئے۔

"میں ...... میں سمجھا نہیں بیٹا؟" انہوں نے کن انکھیوں سے رفیق کو دیکھا جو خود بھی عمار کی چال سمجھ نہیں پایا تھا۔ کبوتر کی طرح آنکھیں پٹ پٹا کر رہ گیا جواب میں۔

"اس میں سمجھ میں نہ آنے والی کیا بات ہے ماموں جان! آپ ہی تو اب اس دنیا میں ہمارے اکلوتے رشتے دار ہیں۔ اصل خونی تعلق ہے آپ سے' آپ ہماری مما کے فرسٹ کزن ہیں تو آپ ہماری مدد نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟ دیکھیے ماموں جان! میں کرائسس میں ہوں...... پلیز' میری مدد کیجیے ورنہ رہا سہا بزنس بھی ٹھپ ہو جائے گا۔ میں نے بڑے مان سے آپ سے کہا ہے۔"

عمار بہت سمجھ کر میدان میں اترا تھا۔ وہ کن انکھیوں سے شجاع الدین اور رفیق کو دیکھ رہا تھا۔ شجاع الدین کی تو ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے بیٹا' تمہارا مان سر آنکھوں پر مگر یہ رفیق اچھی طرح جانتا ہے کہ میں تو دیارِ غیر سے لٹ لٹا کر آیا تھا۔ یہاں آ کر بھی کوئی بزنس سیٹ نہیں کر پایا' ایک تو بیماری نے اور دوسرے دو دو بیٹیوں کی فکر نے مجھے کچھ کرنے نہیں دیا۔ بیٹا تھا نہیں تو مرحومہ بہن کے بیٹے رافع کو بیٹا بنا کر پالا' تعلیم و تربیت دی مگر وہ بازو بننے کے بجائے دشمن بن گیا۔ بس بیٹا' اب میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میری جیب بالکل خالی ہے میں ......" جھوٹ بولتے بولتے شجاع الدین اس گھڑی کو کوس رہے تھے جب وہ رفیق کے کہنے میں آ کر مزید دولت کے لالچ میں اس ڈرامے کا اہم کردار بن گئے تھے۔

ناجائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت میں خوش اور مگن تھے کہ رفیق نے ایک اور خواب دکھا دیا۔ ان کو تو لینے کے دینے پڑتے دکھائی دے رہے تھے۔

"میں جانتا ہوں ماموں جان! آپ بھی کوئی خاص سرمایہ دار نہیں مگر پھر بھی دو فیکٹریاں' بینک بیلنس اور تین کوٹھیوں کو بھی اچھا خاصا سرمایہ کہا جا سکتا ہے۔"

عمار نے ان کی جائیداد کی تفصیل یوں بتائی کہ شجاع الدین کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ انہوں نے گھور کر اس یقین سے رفیق کو دیکھا جیسے اس نے ہی سب کچھ عمار کو بتا دیا ہو۔

"ٹھیک ہے بیٹا' یہ سب ہے تو سہی مگر......" شجاع الدین نے عرق آلود پیشانی صاف کی۔

"ارے ماموں جان! میں آپ کی پریشانی سمجھ رہا ہوں مگر آپ گھبرائیے نہیں میں آپ سے بطور قرض لے رہا ہوں۔ بزنس سیٹ ہونے پر ایک ایک پائی لوٹا دوں گا۔ یوں بھی ہم دونوں ہی تو آپ کے بیٹے اور آپ کی جائیداد کے وارث ہیں۔ آپ کے بعد ہمیں ہی تو یہ سب سنبھالنا ہے ناں اور پھر فضہ کی ذورین سے شادی ہو جائے گی تو...... آپ تو یوں گھبرا رہے ہیں جیسے میں کوئی غیر اجنبی آدمی ہوں۔ کم آن ماموں جان! حیرت ہو رہی ہے مجھے آپ پر۔ میرا تو خیال تھا جتنا آپ ہمیں چاہتے ہیں میرے کہنے پر سب کچھ میرے حوالے کر دیں گے۔"

عمار نے اس کمزور لمحے کو جس میں شجاع الدین اپنی تمام مکاریوں کے باوجود بے بس نظر آ رہا تھا۔ کبھی ماتھا صاف کرتا' کبھی رفیق کو گھورتا' جس کی سمجھ میں خود نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے' یہاں تو الٹی آنتیں گلے پڑ رہی تھیں۔

"خدا میرا ہی بھلا کرے صاحب! میں چلوں' وہ بڑھیا ہے ناں عمار میاں کی خالہ نسرین! آخری سانسیں گن رہی ہو گی۔ کم بخت نہ مرتی ہے نہ دوسرا چانس بنتا ہے' میں چلتا ہوں۔"

رفیق نے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیں اور کھسک گیا۔ شجاع الدین اکیلے رہ گئے تھے۔ انہوں نے دل کو بڑا کیا اور پہلو بدل کر بیٹھ گئے۔

''عمار میاں! میں بیمار دل آدمی ہوں میری بیٹیوں کا کوئی نہیں ہے اور......''

''کمال ہے ماموں جان! ہمارے ہوتے ہوئے آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کا بیٹا نہیں یا فضہ لوگ تنہا ہیں۔ ہم لوگ ہیں ناں۔ آپ کیوں فکر کرتے ہیں۔ اچھا ہے اپنے ہوش وحواس میں سب کچھ ہمارے حوالے کردیں تو ہم لوگ بھی سیٹل ہو جائیں۔ رہی شان کی بات تو ان سے تو میں ایک ایک پائی نکلوالوں گا لیکن ابھی آپ میرے ہاتھ مضبوط کریں' مجھے سرمائے کی سخت ضرورت ہے۔ اب آپ ہی ہمارے سرپرست ہیں ماموں جان! میرے ہاتھ خالی ہیں' آپ اپنا دست شفقت ہمارے سروں پر رکھ دیں ورنہ تو......''

عمار شجاع الدین کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لینا چاہتا تھا جو اس نے مکاری اور عیاری سے ہتھیالی تھی دوسری طرف شجاع الدین کو راہ فرار نظر نہیں آرہی تھی۔

''ہاں' اچھا بیٹا! میں فضہ اور رفیق سے مشورہ کرلوں تو......''

وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو ان کو محسوس ہوا کہ اداکاری والی بیماری آج سچ ہو رہی ہے۔ ان کو واقعی دل میں درد سا محسوس ہوا۔

''جس سے چاہے مشورہ کرلیجئے ماموں جان! مگر یہ مت بھولیے گا مجھے بزنس سیٹ کرنا ہے اور مجھے اچھے خاصے سرمائے کی ضرورت ہے۔'' عمار نے اب مزید اصرار کے ساتھ کہا تو شجاع الدین لاٹھی ٹیکتے دل میں رفیق اور اپنی لالچی فطرت کو کوستے باہر نکل آئے۔

''اب آئے گا اونٹ پہاڑ کے نیچے لوٹ کا مال سمجھ رکھا تھا بڑے میاں نے۔''

عمار مسکرا کر اپنے کمرے کی طرف آگیا۔ آج وہ بہت مطمئن تھا۔ اب وہ فضہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

''جی میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی عمار بھائی؟'' فضہ نے انجان نظروں سے عمار کو دیکھا۔

''ارے بھئی اس میں سمجھ میں نہ آنے والی کیا بات ہے۔ میں نے تو سادہ سی بات کی ہے کہ محبت اور دولت میں تمہارا انتخاب کیا ہوگا۔ محبت یا دولت؟'' عمار نے جانچتی ہوئی نظروں سے فضہ کو دیکھا۔

''ٹھیک ہے عمار بھائی' محبت بھی ضروری ہے مگر محبت سے نہ تو انسان پیٹ بھر سکتا ہے نہ ضروریات زندگی پوری کر سکتا ہے۔ انسان کے پاس دولت ہو تو سب کچھ خرید سکتا ہے۔''

فضہ اپنی سطحی سوچ کے ساتھ کئی درجے نیچے آگئی' عمار کی نظروں سے اور ذورین کی ضد پر اسے غصہ آنے لگا۔ ذورین جو دولت کو محض ضرورت سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا' اس لڑکی کو زندگی میں شریک کرنے جارہا ہے' وہ اتنی کمزور اور سطحی سوچ رکھنے والی لڑکی ہے۔

''فضہ' بندہ دولت سے سب کچھ خرید سکتا ہے مگر محبت نہیں......اس لیے کہ محبت کسی دکان پر رکھی شے نہیں یہ تو انسان کے دل سے پھوٹنے والا وہ قدرتی چشمہ ہے جو انمول ہے' جس کی نہ تو کوئی قیمت ہے اور نہ ہی کوئی ادا کرسکتا ہے۔''

''مگر عمار بھائی! آپ یہ بھی تو سوچیے کہ اگر آپ کے دل میں محبت ہو اور آپ کا پیٹ خالی ہو تو......''

''رہنے دو فضہ! یہ بہت گہری باتیں ہیں اور سطح پر سفر کرنے والے کبھی بھی گہرائی کے راز نہیں جان سکتے۔ اوکے' تم آرام کرو میں چلتا ہوں۔''

قریب تھا کہ فضہ اپنے بھونڈے فلسفے کا دفاع کرتی عمار کھڑا ہو گیا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔

''اونہہ آگئے کہیں سے محبت کا پیغام لے کر۔ اس کوٹھی پر تو میں راج کروں گی جیٹھ جی!'' باپ کی طرح لالچی فضہ خوابوں میں کھوگئی۔

☆☆☆

شہرام کافی دیر سے عمار کے پاس آیا ہوا تھا اور نیلو کو بے چینی ہو رہی تھی کہ کسی طرح وہ اعتراف کرلے کہ وہ ماہ ما کو جانتا ہے مگر وہ بھی پہلو بچا کر نکل ہی جاتا۔

''شہرام بھائی! وہ......'' وہ چائے دے کر پھر بولی تو کپ تھام کر اس نے نیلو کو دیکھا۔

''ڈاکٹر صاحبہ پلیز! یہ مت پوچھنا کہ میں کسی ماہ ما کو جانتا ہوں' میں واقعی کسی ماہ ما کو نہیں جانتا...... بالکل نہیں جانتا۔'' شہرام نیلو کے سوال کرنے سے قبل ہی بول پڑا۔ اس کا انداز ہی بتا رہا تھا کہ وہ ماہ ما کے علاوہ کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔

''اور اگر میں یہ کہوں شہرام بھائی کہ جھوٹ آپ پر جچ نہیں رہا تو......''

نیلو کو شک ہی نہیں' یقین تھا کہ شہرام ہی ماہ ما کا روٹھا ہوا شہرام ہے۔

''تو میں یہ کہوں گا کہ مجھ پر سچ بھی نہیں جچتا تھا اور آپ بھی میرا اعتبار کریں کہ میں کسی ماہ ما کو نہیں جانتا لیکن آپ ماہ ما کو کیسے جانتی ہیں؟''

''ماہ ما میری بہترین دوست ہے۔''

''اسی لیے...... محترمہ نے ساری داستان سنا ڈالی ہوگی اسے' تب ہی تو یہ پوچھتی ہے۔'' شہرام نے کھولتے ہوئے سوچا۔

''او کے عمار! پھر ملیں گے۔ اگر ہو سکے تو اپنی بہن صاحبہ کو یقین دلا دو کہ میں کسی ماہ ما کو نہیں جانتا۔ ان کی ماہ ما کا شہرام کوئی اور ہوگا۔''

شہرام نے گہری سانس کے ساتھ جھک کر چابی اٹھائی۔

''بھئی' میں اس کو کیسے یقین دلا سکتا ہوں' مجھے تو تم نے آج تک اپنے اندر جھانکنے کی اجازت تک نہیں دی۔ ویسے نیلو' یہ اتنا گہرا بندہ ہے کہ اپنے کسی چکر کی ہوا نہیں لگنے دی۔ ویسے میں اس کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں مگر اس کی کوئی ماہ ما ہے' یہ نہ اس نے بتایا اور نہ مجھے خبر ہے۔ ہو سکتا ہے تمہاری ماہ ما کا بھی کوئی اور شہرام ہو جیسے ان کی کوئی اور ماہ ما ہے' کیوں شہرام؟''

''ہوں' ہاں...... کیا مطلب ہے تمہارا؟''

عمار نے اتنی بے ساختگی سے کہا کہ شہرام بھی گڑبڑا سا گیا۔

''کوئی مطلب نہیں' اب تم خفا نہ ہو جانا اور پرسوں والا پروگرام ڈن ہے ناں؟''

عمار جانتا تھا کہ اس قسم کی باتوں پر شہرام سنجیدگی سے خفا ہو جایا کرتا تھا۔ اسی خوف سے وہ بات گول کر گیا۔

''ہاں سوچوں گا۔'' شہرام نے ڈل سے انداز میں کہا۔

''سوچوں گا نہیں' پرسوں شام تم میرے پاس ہوگے۔ چلو جاؤ' خدا حافظ!''

عمار اسے پکڑ کر باہر آ گیا۔

''خدا حافظ!'' ہامی بھرتا ہوا شہرام گاڑی میں بیٹھ کر خدا حافظ کہتا ہوا چلا گیا۔

''بھائی' مجھے یقین ہے کہ یہی ماہ ما کا شہرام ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ کسی ٹونی نامی شخص کی وجہ سے یہ اتنا بددل ہو گیا ہے کہ اپنا نام بھی ماہ ما کے ساتھ لینا پسند نہیں کرتا۔''

''اور دوسری طرف کیا پچویشن ہے؟''

''اس کا بھی یہی حال ہے احمق ہیں دونوں۔ ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہتے ہیں مگر ایک دوسرے کو معاف کرنے پر تیار نہیں۔''

''جھوٹی انا یہی تو ہوتی ہے...... کیا تم دونوں ایک دوسرے کو معاف کر سکتے ہو؟''

عمار نے پلٹ کر کہا تو نیلو نظریں جھکا کر رہ گئی۔ جانتی تھی عمار دل سے ذورین اور اس سے خفا تھا۔ وہ خاموشی سے آ کر عاتکہ کے قریب بیٹھ گئی۔ کیا سکون تھا' ماں کی قربت میں۔ اس نے سر ان کے شانے سے لگا دیا تو ڈھیر سارا سکون اس کے اندر اتر گیا۔

''کیا بات ہے نیلو طبیعت تو ٹھیک ہے ناں!'' عاتکہ نے اس کی پیشانی چومی۔

''طبیعت نہیں مما! ان دونوں کے دماغ خراب ہیں۔ دوسروں کے اجڑے دل آباد کرتے ہیں' صفائی کراتے ہیں مگر اپنے دل صاف نہیں کرتے...... اور......''

ابھی عمار کی بات جاری ہی تھی کہ ذورین نمودار ہوا۔ عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔ بڑھی ہوئی شیو' ملگجا لباس۔

''ذورین' میرے بیٹے!'' عاتکہ تڑپ کر اٹھیں مگر وہ لڑکھڑاتا ہوا ان کی گود میں آ گرا۔

''مما! مما' میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے مما! مما' مجھ پر دم کر دیں' پھونک ماریں' پلیز مما!''

ذورین کی حالت بہت خراب تھی' بہت تیز بخار تھا۔ عاتکہ تو باقاعدہ رونے لگیں۔

''ذورین میرے بیٹے! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ مما صدقے' کتنے دن سے اس بخار میں پھنک رہے ہو اور ماں کو خبر تک نہیں کی۔ عمار جلدی سے گاڑی نکالو میں اپنے بچے کو ابھی اسپتال لے کر جاؤں گی۔''

''کیوں ڈاکٹر' تمہاری کیا رائے ہے؟'' نیلو جو ذورین کی حالت پر تڑپ تو اٹھی تھی مگر اس کی کسی جوابی کارروائی کی وجہ سے الگ ہو گئی۔ عمار کی بات پر وہ پلٹی۔

''ڈاکٹر صرف ڈاکٹر ہوتا ہے بھائی اور مریض صرف مریض۔ دوست یا دشمن نہیں ہوتا۔ اس وقت ان کو اسپتال لے جانے کی سخت ضرورت ہے۔''

''او کے' تو کیا اس مریض کو گاڑی تک لے جانے میں آپ ہماری مدد کریں گی؟''

ذورین بخار میں پھنک رہا تھا۔ اس وقت اسے کچھ ہوش نہیں تھا نیلو کچھ جھجک سی گئی۔

''پکڑو نیلو میرا بچہ بخار میں پھنک رہا ہے اور ہاں آج تمہاری نائٹ ہے ناں؟''

''مما' میری نائٹ نہیں ہے مگر آپ فکر کیوں کرتی ہیں اسپتال میں اور بھی ڈاکٹر اور عملہ ہے جو سب مریضوں کو اچھی طرح دیکھتے ہیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے اس کا بازو پکڑو۔ مجھ سے تو اپنا بوجھ اٹھانا مشکل ہو رہا ہے۔''

نیلو نے ایک طرف سے ذورین کو پکڑا' دوسری طرف سے عمار نے۔ ذورین کی حالت کے پیش نظر ڈاکٹرز نے اسے روک لیا۔

''میں رکوں گی اپنے بچے کے پاس۔'' عاتکہ بضد تھیں۔

''نہیں مما! آپ گھر جائیے۔ میں ہوں ناں' اس کے پاس۔ آپ رکیے میں نیلو کو دیکھتا ہوں۔''

عمار باہر نکلا کاؤنٹر پر نیلو کھڑی نرس سے باتیں کر رہی تھی کہ دوسری طرف سے ڈاکٹر ناز آ گئیں۔

''ہائے نیلو! آج تو تمہاری نائٹ نہیں تھی پھر کیسے نظر آ رہی ہو؟''

''ہاں نائٹ تھی تو نہیں مگر کروں گی۔'' نیلو رجسٹر پر جھک گئی۔

''کیوں بھئی' ہم لوگ تو نائٹ کے تصور ہی سے خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔''

''مجبوری ہے ناز!'' وہ سر اٹھا کر بولی۔

''کیوں ڈاکٹر اجمل کا آرڈر تو نہیں؟''

''نہیں بھئی وہ ذورین ہیں ناں...... ان کی طبیعت خراب ہے اس لیے۔''

''ذورین...... اوہ تو یہ معاملہ ہے۔ ویسے کی مین کے ساتھ کیا پرابلم ہے؟''

ناز نے چھیڑنے والے انداز میں پوچھا تو عمار رک گیا۔

''موصوف کو ہائی گریڈ فیور ہے۔ ویسے رات کو میں ہوں تم چاہو تو جا سکتی ہو گھر۔''

''ریئلی!'' ناز خوش ہو گئی۔

''آف کورس۔ جب میں ہوں تو پھر تمہاری کیا ضرورت ہے۔ یوں بھی تمام پیشنٹ ڈاکٹر نیلو کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔'' نیلو نے ازراہ مذاق گاؤن کے کالر درست کیے۔

''نو ڈاؤٹ تو پھر میں ڈاکٹر اجمل کو بتا دوں؟''

اور پھر ناز فون کرنے لگی۔ نیلو پھر رجسٹر پر جھک گئی۔ عمار کی سمجھ میں نہیں آیا ان دونوں دیوانوں کا کیا علاج کرے جو بلاوجہ اپنی محبت کو قتل کر رہے تھے۔

''تم دونوں کیسے جی پاؤ گے ایک دوسرے کے بغیر؟''

عمار نے ایک گہرا سانس لیا اور نیلو کی طرف آ گیا۔

''پھر کیا ارادے ہیں نیلو! تم اور مما جاؤ گھر میں ہوں ذورین کے پاس۔''

''ارے بھائی میں کیسے جا سکتی ہوں میری تو نائٹ ڈیوٹی ہے۔''

''مگر تم نے تو مما سے کہا تھا آج تم آف ہو۔'' عمار نے جتانے والے انداز میں کہا۔

''ہاں جی وہ...... یوں ہی ذرا مما کو چڑانے کے لیے۔'' نیلو نظریں چرا کر رہ گئی تو عمار نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''نیلو مت کرو تم لوگ ایسے جیسے کر رہے ہو۔ الگ الگ تم دونوں جی نہیں پاؤ گے۔ جدائی کے سناٹے زندگی کی تمام خوشیوں کو نگل لیں گے۔ نیلو میری بات مان جاؤ پلیز...... کوئی ایک...... کوئی ایک قدم آگے بڑھاؤ پلیز تم ہی......'' عمار کے لہجے میں اتری التجا نیلو کی خوشی تھی مگر وہی جھوٹی انا۔

''بھائی پلیز! مجھ سے ایسی کوئی توقع نہ رکھیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو وہ قدم ذورین کے بھی تو ہو سکتے ہیں میرے ہی کیوں...... پلیز آئندہ......''

''او کے نہیں کہوں گا۔'' عمار غصے میں آ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ذورین جس قسم کے ذہنی انتشار کا شکار ہو کر اسپتال میں آ کر لیٹ گیا تھا وہ ان دونوں کی بلاوجہ کی سرد جنگ تھی جو سب کو جلائے دے رہی تھی۔ وہ خفا ہو کر آ گیا۔ نیلو بھی پیچھے ہی آ گئی۔

''بھائی پلیز! خفا مت ہوئیے گا آپ مما کو لے کر جائیے میں ہوں یہاں پر۔''

نیلو نے عمار کے شانے پر ہاتھ رکھا جسے عمار نے نرمی سے تھام کر پیار سے اسے دیکھا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ ان دونوں سے نہ تو خفا ہو سکتا تھا نہ ہی اپنا فیصلہ ان پر مسلط کر سکتا تھا۔

''او کے...... آئی ہوپ کہ ڈاکٹر کی حیثیت سے تم اس کا بہت خیال رکھو گی۔''

''اسپتال میں آنے والے تمام مریض ہمارے لیے اہم ہوتے ہیں بھائی! یو ڈونٹ وری یہ بھی ایک پیشنٹ کی حیثیت سے میرے لیے اہم ہیں۔'' نیلو نے بے سدھ پڑے ذورین کو دیکھا۔

''چلو پھر ٹھیک ہے چلیے مما! جب ہمارے ڈاکٹرز اتنے اچھے ہیں تو ہمیں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''او کے خدا حافظ!'' نیلو ان کے ساتھ ہی باہر تک آ گئی۔

''خدا حافظ!'' نیلو خدا حافظ کہتی واپس ذورین کے پاس آ گئی۔ اس وقت بے ہوشی کی حالت میں پڑا یہ شخص جتنا خود پرست اکھڑ اور بدتمیز تھا اتنا ہی اسے عزیز تھا۔ وہ تو بچپن ہی سے چاہے چلی جا رہی تھی اسے۔

وہ کرسی پر بیٹھی بیٹھی سو گئی۔ ذورین کو میڈیسن وغیرہ دے کر وہ مطمئن ہو گئی تھی اور اسی وجہ سے ذرا بخار میں کمی ہوئی تو وہ اٹھ گیا۔

''میں کہاں ہوں؟'' فوری طور پر وہ سمجھ نہ پایا کہ کہاں ہے۔

''آپ اسپتال میں ہیں کمبل مت اتاریئے۔'' نیلو نے بڑھ کر کمبل درست کیا تو نیلو کو یوں خود سے قریب دیکھ کر ایک خوشی کی لہر اندر تک اتر گئی۔

''تم یہاں......'' اپنی خوشی کو اس نے اپنے اکھڑپن میں لپیٹ لیا۔

''جی اگر بخار آپ کے دماغ کو نہیں چڑھا تو عرض ہے کہ میں ڈاکٹر ہوں اور آج میری نائٹ ڈیوٹی ہے اور ڈاکٹر کی حیثیت سے اپنے تمام مریضوں کا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے اور اس وقت کمرے میں آپ میرے پیشنٹ اور میں ڈاکٹر ہوں لہٰذا بحیثیت ڈاکٹر پوچھتی ہوں کہ اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟'' اسی اجنبیت سے نیلو نے کہا تو وہ جل گیا۔

''جی بحیثیت پیشنٹ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ میں اس وقت بہت اچھا محسوس کر رہا ہوں خدا کا شکر ہے۔'' وہ منہ بگاڑ کر بولا تو نیلو کو ہنسی آ گئی جسے وہ صفائی سے دباتی ہوئی قریبی ٹیبل پر دوائیں دیکھنے لگی۔

''آپ کچھ لیں گے...... میرا مطلب ہے آپ کو ابھی میڈیسن لینی ہے اس سے پہلے آپ فروٹ دلیہ یا جو بھی لینا چاہیں بتا دیں۔'' اس کے انداز پر وہ سلگ اٹھا۔

''جی نہیں' مجھے کچھ نہیں چاہیے نہ ہی دوا لینی ہے آپ کے علاوہ کوئی اور ڈاکٹر ہو تو اسے بلا دیجیے میں اسے بتانا چاہتا ہوں کہ اس وقت میرا دل چاہ رہا ہے چائے پینے کو اور کھانے کو اخروٹ کا حلوہ چاہیے اور......'' وہ بستر پر بیٹھ کر بچوں کی طرح بولتا ہوا نیلو کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ کتنی معصومیت تھی اس کے انداز میں۔ کتنا مختلف لگ رہا تھا۔

''افسوس کہ آپ کی ڈیمانڈ پوری نہیں ہو سکتی۔ چائے تو کسی نہ کسی طرح مل جائے گی لیکن اخروٹ کا حلوہ نہیں' دوسری بات کسی اور ڈاکٹر کی......''

''جی' یہ میری دوسری نہیں پہلی ڈیمانڈ تھی۔'' وہ درمیان ہی میں اسے روک کر بولا۔

''رائٹ' تو سنیے کہ آج میری نائٹ ڈیوٹی ہے آپ کو جو کہنا ہے' مجھے ہی کہہ دیجیے ورنہ میں راؤنڈ پر جا رہی ہوں۔'' نیلو نے اپنا گاؤن اٹھایا۔

''جی نہیں' مجھے کچھ نہیں چاہیے۔'' وہ اپنے انداز میں بولا۔

''جانتی ہوں۔'' نیلو نے زیر لب کہا اور باہر نکل گئی اور پھر نیلو اس کے پاس نہیں آئی بلکہ نرس کو بھیجا کہ اسے میڈیسن دے آئے۔

''سر آپ میڈیسن لے لیجیے۔'' نرس کتنی دیر سے میڈیسن کھانے پر اصرار کر رہی تھی اور وہ انکار کر رہا تھا کہ کسی طرح تو نیلو آئے گی۔

''لے لیں...... اب جائیے۔'' ذورین نے میڈیسن لے کر اپنی شرٹ کی جیب میں رکھ لیں۔

''سر! ڈاکٹر صاحبہ مجھ پر غصہ ہوں گی۔'' بے چاری نرس روہانسی ہو گئی۔

''آپ کی ڈاکٹر صاحبہ کو غصہ ہونے کے علاوہ آتا ہی کیا ہے۔ جائیے کہہ دیجیے...... کہ میں نے میڈیسن لے لی۔'' وہ نیم دراز ہو گیا اور آنکھیں موند لیں۔ اسی وقت نیلو آ گئی اور نرس کو اشارے سے جانے کو کہا اور پھر میڈیسن نکال کر گلاس میں پانی نکال کر اس کے قریب آ گئی۔

''میڈیسن لے لیں۔'' نیلو نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

''کہہ جو دیا کہ......'' وہ غصے سے اٹھا مگر نیلو کو دیکھ کر خوشی کی کونپلیں کھل گئیں مگر چہرہ تنا رہا۔

''میڈیسن لے لیں' ضروری ہے ورنہ پچھلی دوا کا اثر بھی زائل ہو جائے گا۔''

''لے لیتا ہوں مگر یہ نہ سمجھیے گا کہ آپ کہہ رہی ہیں بلکہ صرف اس خیال سے کہ مجھے جلدی ٹھیک ہونا ہے اور یہ کہ پچھلی دوا کا اثر زائل ہو جائے گا۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

''جانتی ہوں میں' الحمدللہ ڈاکٹر ہوں' خوش فہمی میں مبتلا ہونے کا مرض نہیں ہے مجھے۔''

نیلو نے متانت سے کہا اور میڈیسن اس کے ہاتھ پر رکھ کر پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا تو کچھ دیر کے لیے ذورین کھو سا گیا۔ کبھی کبھی کچھ ایسے ہی انمول لمحات آتے ہیں جن کے ٹھہر جانے کی

دل دعا کرتا ہے۔ اس وقت دونوں کے دل کی عجیب حالت تھی۔ نیلو کے ہاتھ میں لرزش پیدا ہو گئی۔

''آپ میڈیسن کے بعد آرام کیجیے۔ اگر پھر ضرورت پڑے تو بلا لیجیے گا۔''

نیلو نے میڈیسن اس کے ہاتھ پر رکھی اور تیزی سے واپس مڑتے ہوئے بولی تو ذورین کا دل چاہا' اس کا راستہ روک کر کہے مجھے تو ہر وقت تمہاری ضرورت ہے مگر وہ اپنے ضبط کا دامن تھامے لیٹ گیا۔ نیلو بن دیکھے باہر نکل گئی۔ نہ جانے وہ کہاں تھی' کس روم میں تھی۔ یہ لڑکی اس کی زندگی کی اہم ہستی تھی مگر وہ اس سے اتنا ہی انجان اور بے گانہ تھا۔ وہ مسلسل نیلو کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس پر غنودگی سی چھا گئی۔ اسی وقت اس کے روم کے قریب ہی کسی کی آواز آئی۔

''ارے نیلو! تم' کل تو تمہاری نائٹ نہیں تھی پھر......'' نہ جانے کون تھی وہ ذورین کی حسیات بے دار ہو گئیں۔

''ہاں نائٹ تو نہیں تھی بلکہ نازکی ڈیوٹی تھی مگر......''

''نیلو کی نائٹ نہیں تھی تو کیا وہ میری خاطر......'' انجانی خوشی کے جگنو رقص کرنے لگے۔ کان مزید کھڑے ہو گئے۔ بلکہ وہ آہستگی سے چلتا ہوا دروازے کے قریب آ گیا حالانکہ بخار دوبارہ ہو رہا تھا اور جسم ٹوٹ رہا تھا مگر وہ نیلو کی نگر کے پیچھے چھپی ہوئی اپنی اہمیت کی تلاش میں آ گیا۔

''پھر آپ کو کیوں شوق ہوا اس سردی میں نرم گرم بستر کے بجائے......''

''ہاں وہ ذورین کی طبیعت بہت خراب تھی تو اس لیے میں......''

نیلو کے دھیمے لہجے میں ڈھلے یہ چند الفاظ ذورین کا جی چاہا' خوشی سے چلا پڑے۔

''اوہو تو ذورین صاحب آئے ہیں' دوستی ہو گئی تم دونوں کی۔ یار ہمیں بھی تو دکھا دو کہ موصوف ہیں کیسے؟ تمہاری ہی طرح ہینڈسم اور اسمارٹ ہیں یا...... کہاں ہیں کس روم میں ہیں۔ چلو مجھے ملواؤ' چلو ناں؟'' راحت اتنی بضد ہوئی کہ نیلو پریشان ہو گئی۔

''تم بھی کمال کرتی ہو راحت چلو...... مجھے راؤنڈ کرنے دو۔''

نیلو کی کھجھکی سی آواز ابھری اور پھر دونوں چلی گئیں۔ ذورین مسکراتا ہوا بستر پر آ گیا' اور کتنی ہی دیر وہ نیلو کے الفاظ کی نشاط آفرینی میں کھویا رہا۔ کتنا اچھا لگ رہا تھا یہ سب۔ تو کیا نیلو بھی اسے اتنی ہی گہرائی سے چاہتی ہے اور نہیں تو کیا وہ محض اس کی خاطر' اپنی نیند بھلائے اسپتال میں تھی۔ زندگی میں پہلی بار وہ اتنا خوش اور مطمئن ہوا تھا۔ اس وقت فضہ کا خیال تک اس کے آس پاس نہیں پھٹکا تھا۔ وہ خوابوں کی راہ گزر پر نیلو کے ہمراہ دور تک نکل گیا اور جانے کب تک سوتا رہا۔ صبح نرس اور نیلو کی باتوں سے اس کی آنکھ کھلی۔

''اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟'' نیلو اس کی طرف متوجہ ہو کر مسکرائی تو یوں نیلو کو اٹھتے ہی دیکھنے

پر ہی وہ خوش ہو رہا تھا کہ نیلو اور راحت کی بات یاد آ گئی۔ عجیب طرح کی شوخی اس کی آنکھوں میں ابھر آئی۔

"میں خدا کے فضل سے بالکل ٹھیک ہوں ڈاکٹر صاحبہ!"

وہ سب کچھ بھلائے اسی کے انداز میں خوش دلی سے کہہ رہا تھا۔

"گڈ! اب ایسا ہے کہ آج آپ کا بلڈ...... ٹیسٹ ہونا ہے ذرا اپنی آستین اوپر کیجیے۔"

نیلو بڑی سنجیدگی سے صرف ڈاکٹر بنی اپنی کارروائی میں مصروف تھی۔

"لے لیجیے کبھی آپ خون نکالتی ہیں کبھی جلاتی ہیں' یہ لیجیے۔"

وہ زیر لب بولا اور آستین اوپر کر کے بازو نیلو کی طرف بڑھا دیا۔

"ڈاکٹر صاحبہ رافع صاحب کا فون آیا ہے وہ بہت جلدی میں ہیں۔"

قریب تھا کہ نیلو اس کا بلڈ نکالتی' اس اطلاع پر نیلو کے ہاتھ وہیں رک گئے' اس نے سرنج...... نرس کو دی اور خود دروازے کی جانب بڑھی۔

"نرس صاحب کا بازو ابھی کھول دو...... نہ جانے کتنی دیر لگ جائے۔" نیلو باہر نکل گئی تو ذورین کا مارے غصے کے بی پی ہائی ہو گیا۔ اس کا جی چاہا ابھی جا کر رافع کو کھری کھری سنا ڈالے۔ وہ نہ جانے کب تک سلگتا رہتا۔ نیلو رافع سے مختصر سی بات کر کے آ گئی۔ اس نے ایک نظر ذورین پر ڈالی۔ وہ منہ پھلائے' چہرہ موڑے بیٹھا تھا۔ اسے معلوم تھا ابھی کچھ دیر پہلے جس کے چہرے پر کرنوں کا راج تھا' اب تاریکی کیوں ہوگئی ہے۔ رافع کا فون آنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

"لائیے' بازو...... دیر ہو رہی ہے۔" نیلو نے جان بوجھ کر اس کے موڈ کو اگنور کیا تو وہ اس کی طرف گھوم گیا کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔

"نائٹ ڈیوٹی کرنے والے ڈاکٹر صبح کتنے بجے آف کرتے ہیں۔" ذورین نے اس کی آنکھوں میں دیکھا رت جگے کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ تھکن کی دھند مزید خوبصورت بنا رہی تھی۔

"نو بجے!" نیلو نے ایک نظر اس پر ڈالی جو بہت برہم ہو رہا تھا۔

"نو بجے!" ذورین نے اس پر گہری نظر ڈالی اور پلٹ کر ٹیبل پر سے اپنی رسٹ واچ اٹھائی۔ وقت دیکھا اور اسے دیکھنے لگا۔

"نو بج کر دو منٹ ہو چکے ہیں آپ کی ڈیوٹی ختم ہو چکی ہے اس لیے آپ تشریف لے جائیں اور سسٹر آپ آن ڈیوٹی ڈاکٹر کو بلا لیجیے۔"

ذورین نے انتہائی تلخ لہجے میں کہا کہ کچھ دیر کے لیے نیلو سن ہو کر رہ گئی۔ اس کے موجودہ رویے

سے وہ تھوڑی سی خوش فہم بھی ہوگئی تھی۔

"او کے اسٹاف...... آپ بھی آف ہو چکی ہیں۔ چلیے آن ڈیوٹی ڈاکٹر اور نرس ان کو لک آفٹر کرلیں گے۔" نیلو نے بھی اسی کے انداز میں کہا اور نرس کے ساتھ باہر نکل گئی۔ وہ جلدی سے جانا چاہتی تھی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے تھے۔

"تم...... تم میری کبھی نہیں ہو سکتیں نیلو!" ذورین بے دم سا ہو کر لیٹ گیا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا' بھاگ جائے یہاں سے۔ نیلو تھی تو جی چاہ رہا تھا کہ عمر یہیں تمام کر دے۔ ذورین کو ٹھیک ہوتے ہوئے تین ہفتے لگ گئے تھے۔ عمار بھی اس کے ٹھیک ہونے کا منتظر تھا۔

☆☆☆

رافع اس روز سے خوشیوں کے جھولے میں جھولتا بے شمار خواب دیکھ چکا تھا اور اس وقت وہ نیلو سے حال دل کہنے آ رہا تھا۔ وہ اس سے ملنا چاہتا تھا اس سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا۔ اپنی بے قراریوں کی داستان سنانا چاہتا تھا۔ اپنی محرومیوں کے بعد اس کے مل جانے کا یقین مانگے گا۔ ایک ایک سیڑھی چڑھتے ہوئے اس کا دل عجیب انداز میں دھڑک رہا تھا۔ وہ کتنا خوش ہے وہ چلا چلا کر پوری دنیا کو بتانا چاہتا تھا اپنی زندگی کی اس اکلوتی خوشی میں سب کو شریک کرنا چاہتا تھا۔ لاؤنج میں عثمان صاحب سے مل کر وہ عاتکہ کا پوچھ کر کچن کی طرف بڑھا۔ اس کے ہاتھوں اور پیشانی پر پسینہ آ رہا تھا۔

"مما' بس میں آپ کو کیا بتاؤں۔ وہ کتنا بدتمیز اور اکھڑ ہے میں اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔" کچن میں غالباً نیلو بھی تھی جو اپنی مما سے مخاطب تھی۔

"نیلو! تم نے بھی تو کبھی ذورین سے کمپرومائز نہیں کیا' میں جانتی ہوں تم دونوں ایک دوسرے کے بغیر خوش نہیں رہ سکتے مگر یہ بھی جانتی ہوں کہ دونوں میں سے جھکے گا کوئی بھی نہیں تو شادی تو بہرحال تمہیں کرنی ہے اور اسے بھی...... فضہ ذورین کے لیے مناسب نہیں مگر رافع عمار کا بہترین انتخاب ہے تمہارے لیے۔ میں اور تمہارے پاپا بہت خوش ہیں۔ رافع بہت اچھا انسان ہے۔"

اپنے نام پر رافع نے ایک ہاتھ سے دل تھاما' دوسرا ہاتھ کرسی کی پشت پر رکھ دیا۔ دھڑکنیں بھی تھم گئیں۔

"مما' رافع کی اچھائی سے مجھے کب انکار ہے مگر بھائی سے کہہ دیں میں رافع سے شادی نہیں کر سکتی۔ وہ صرف میرا اچھا' بہت اچھا دوست ہے۔ میں اسے کسی اور روپ میں گوارا نہیں کر سکتی۔ مما پلیز! آپ بھائی سے کہہ دیں میں رافع سے شادی نہیں کرنا چاہتی...... بس۔"

دھڑ دھڑ' خوابوں کا تاج محل رافع پر گرتا چلا گیا۔ دل کچھ دیر کے لیے دھڑکنا بھول گیا۔ اندر باہر

آندھیاں سی چل پڑیں۔ وہ ڈول ڈول گیا۔ کرسی تھامی نہ ہوتی تو دھڑ سے گر پڑتا۔ وہ کیا سوچ کر آیا تھا اور کیا مل رہا تھا۔

''اف' میرے خدا! کیا میری قسمت میں کوئی خوشی ہے ہی نہیں۔ پھر یہ...... یہ اف نیلو! یہ سب کیا ہے' آب حیات دے کر چھین لیا ہے۔ لڑکی' میری زندگی کی تو تم اکلوتی خوشی تھیں۔ ایک بار تم مل جاتیں تو...... تو...... لیکن نہیں میں اس قابل ہی نہیں نیلو...... نیلو!''

رافع لڑکھڑاتا ہوا باہر نکلا۔ یہ تو غنیمت ہوا عثمان صاحب سامنے نہیں تھے ورنہ سارے راز فاش ہو جاتے۔ وہ بمشکل سیڑھیاں اترا۔ گاڑی تک کا راستہ اس نے کانٹوں پر چلتے ہوئے کاٹا' پسینے میں شرابور آندھیوں میں گاڑی کئی بار حادثے سے بچی۔ نیلو کے الفاظ ہتھوڑے بن کر اس کے دل و دماغ پر برس رہے تھے۔ اس کا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ گاڑی کسی چیز سے ٹکرا دے وہ اب زندہ نہیں رہنا چاہتا تھا۔

''اچھا رافع...... بہت اچھا انسان ہے رافع...... دوست ہے رافع۔ اچھا...... نہیں ہوں میں۔ اچھا انسان' نیلو میں بہت برا آدمی ہوں' اچھا ہوتا تو...... میرے ساتھ ایسا کیوں ہوتا؟ نیلو' تمہیں کیسے بتاؤں کہ تمہارے اس اچھے دوست نے زندگی...... میں ایک ہی تمنا کی تھی تمہیں چاہنے کی' تمہیں پانے کی۔''

بستر پر گرا جانے کب تک تاریکی میں ڈوبا رہا۔ کوئی بھی نہ جان سکا کہ سب کو ہنسانے والا خود کتنا دکھی ہے۔ تنہائی کے شانے پر وہ اپنے کتنے آنسو بہاتا ہے۔ اس وقت بھی وہ اپنی دوست' ہمدرد تنہائی سے لپٹا اپنی ساری محرومیاں اس کے سینے میں اتار رہا تھا اور جانے کب تک وہ اسی بے قراری کی کیفیت میں اپنے ارمانوں کی قبر پر اشکوں کے دیے جلاتا رہا... اور اشکوں کی اس آگ میں اس کا سارا جسم جل رہا تھا۔ سخت سردی کے باوجود وہ کتنی دیر پانی کے ٹھنڈے چھینٹے منہ پر ڈالتا رہا اور وہ سرد گرل سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

''رافع!'' نوشی نے آہستگی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو اس کا جی چاہا' اس پیاری مخلص سی لڑکی کے شانے پر سر رکھ کر اپنے سارے دکھ اس کے حوالے کر دے مگر وہ کبھی بھی اتنا کمزور نہیں ہو سکتا تھا۔

''نوشی' جاؤ آرام کرو۔ میں تنہا رہنا چاہتا ہوں۔'' رافع نے سرد لہجے میں کہا اور اپنے شانے پر رکھا اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔ مگر نوشی جانتی تھی' اس وقت اسے اس کی سخت ضرورت تھی۔ وہ اسے چاہتی تھی اور جن کو چاہا جاتا ہے ان کو دکھوں کے حوالے نہیں کیا جاتا۔

''تنہا تو صرف رافع...... اللہ تعالیٰ کی پاک ذات ہے۔ ہم آپ جیسے تو بے شمار انسان ہیں جن کو

کبھی خوشی زیادہ ملتی ہے اور کبھی غم زیادہ ملتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں انسان ہمت ہار دے۔ جیت کا یقین لے کر میدان میں اترنا بہادری ہے۔ رافع ڈٹ کر مقابلہ کرنا جواں مردی ہے۔ جیت گئے تو کیا کہنے ہار کو بھی دلیری سے قبول کرنا چاہیے اور پھر...... جو بارش ہمارے نصیب کی نہیں ہوتی وہ ہمارے آنگن میں کیسے برس سکتی ہے آپ...... تو بہت بہادر ہیں۔ آپ تو...... روتوں کو ہنسانے والے ہیں خود روتے ہوئے بہت کمزور لگ رہے ہیں۔ رافع پلیز!''

''نہیں ہوں میں اچھا' نہیں ہوں میں بہادر' دلیر' کیا سمجھ رکھا ہے تم لوگوں نے مجھے...... پتھر ہوں میں میرے جذبات نہیں' میرے احساسات نہیں' میں کچھ نہیں چاہ سکتا' کچھ پانے کی تمنا نہیں کر سکتا۔''

نوشی کی تسلی کے جواب میں وہ بری طرح دہاڑا اور پھر وہ نوشی کے شانے پر سر رکھے پھوٹ پڑا اور نوشی نے بھی اسے برسنے دیا کیونکہ اس وقت اس کے دل پر غم کے جو گھرے بادل تھے وہ اسی طور چھٹ سکتے تھے۔

☆☆☆

رافع کو چند روز کے لیے جو خوشی ملی تھی' وہ اب ختم ہو چکی تھی۔ رافع اپنے خول میں واپس چلا گیا تھا۔ خود کو اس نے اس طرح نارمل کر لیا تھا۔ چہرے سے دل پر گزرنے والی قیامت کا گمان بھی نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت بھی وہ بیٹھا کوئی کتاب دیکھ رہا تھا کہ عمار آ گیا۔

آیئے عمار بھائی!'' وہ کھڑا ہو گیا۔

''کیسے ہو رافع؟'' عمار اس سے خاص بات کرنے کی غرض سے آیا تھا۔

''بہت اچھا ہوں' خوبرو ہوں' اسمارٹ ہوں بھائی مگر نہ جانے لڑکیوں کو نظر کیوں نہیں آتا؟''

وہ اپنی فطری شوخی سے ہنس کر بولا تو عمار بغور اسے دیکھنے لگا۔

''ارے بہت سی مرتی ہوں گی تمہیں کیا خبر؟''

''ارے بھائی بہت سی لڑکیوں کا اچار ڈالنا ہے ہمیں تو ایک چاہیے تھی مگر...... خیر آپ نے نا۔''

رافع کی آواز گہری ہو گئی تو اس نے عمار کے چونکنے سے پہلے ہی خود پر قابو پا لیا۔

''ہاں' دراصل رافع! آج میں بطور خاص تمہارے پاس بہت ہی خاص بات کرنے آیا ہوں بلکہ میری زندگی کی سب سے خاص اور اہم بات ہے...... اگر فارغ ہو تو شروع کروں؟''

''فارغ...... میں بالکل فارغ ہو چکا ہوں بھائی۔ میری زندگی کی خاص باتیں ختم ہو چکی ہیں۔ آپ کی زندگی کی اہم اور خاص بات سننے کے لیے میں بالکل فارغ ہوں' آپ کہیے ناں۔''

وہ سمجھ گیا تھا کہ نیلو کے اس بارے میں جو خیالات ہیں' وہ ابھی تک عمار کو معلوم نہیں۔

رافع ٹوٹے لہجے میں بول رہا تھا۔ ایک ایک لفظ کا بھیگا پن اس کے اندر اتری برسات کی خبر دے

رہا تھا۔

"بات یہ ہے رافع، نیلو میری زندگی کی اہم ترین ہستی ہے۔"

"کچھ لوگ بہت خوش نصیب ہوتے ہیں عمار بھائی۔ ہر کسی کی زندگی میں اتنی اہمیت حاصل کرلیتے ہیں کہ پھر ان سے دور ہونے کا تصور بھی جان لیوا ہو جاتا ہے۔"

رافع کے دل میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

"کیا بات ہے رافع، کچھ اداس ہو؟ اچھا خیر، تمہاری اداسی کا احوال بعد میں جانیں گے یہ بتاؤ نیلو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" عمار نے انجان پن میں تیر رافع کے زخمی دل میں اتار دیا تو وہ تڑپ اٹھا۔ بمشکل خود پر قابو پا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے دل پر کیا واردات گزر رہی تھی عمار اس سے قطعی لاعلم تھا۔

"نیلو...... نیلو کے بارے میں اب کیا رائے دوں بھائی! نیلو تو اتنی اچھی لڑکی ہے کہ مجھ جیسے تو اس کی طرف دیکھتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں۔ وہ بندہ بڑا ہی خوش نصیب ہوگا جس سے نیلو کی شادی ہوگی۔"

رافع نے بمشکل لڑکھڑاتے لہجے پر قابو پایا تھا۔ عمار اس کے مقابل آن کھڑا ہوا۔

"گڈ! تو پھر تم اب وہ خوش نصیب بننے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

کوئی اور وقت ہوتا تو رافع خوشی میں سارے لحاظ بالائے طاق رکھ کر عمار کو اٹھا کر جھومنے لگتا ناچتا پھرتا مگر اب تو اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ زخموں پر نمک کا کام کیا تھا۔

"ارے عمار بھائی! آپ سے کس نے کہہ دیا کہ میں خوش نصیب ہوں۔ میں کہاں خوش نصیب ہوں عمار بھائی، میں اس قدر بدنصیب ہوں کہ شہر میں اگر کفن کی دکان کھولوں گا تو لوگ مرنا چھوڑ دیں گے۔"

رافع کی آواز بھیگ گئی تو عمار چونک گیا۔ رافع کا لہجہ اس کی باتیں معمولی نہیں تھیں۔

"رافع کیا بات ہے، تم بہت ویران اور بدلے ہوئے لگ رہے ہو۔"

"ارے نہیں بھائی ایسی بھی کوئی خاص بات نہیں، یوں ہی ذرا ذائقہ بدلنے کے لیے کبھی کبھی ایسی ڈائیلاگ بازی کرلیتا ہوں تاکہ زبان ایک ہی ذائقے کی عادی نہ ہو جائے۔ رہی بات نیلو کی تو عمار بھائی شادی اور دوستی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ نیلو میری بہت اچھی دوست ہے۔ میں اس کی بہت عزت کرتا ہوں لیکن میں اس سے شادی نہیں کرسکتا۔ یقیناً اس کے ساتھ شادی میرے لیے اعزاز ہوتا...... مگر میں نے آپ کو بتایا ہے ناں کہ میں اتنا خوش نصیب نہیں کہ یہ اعزاز میرا مقدر بنتا۔"

"لیکن رافع، نیلو تو تمہارے بارے میں بڑی اچھی رائے رکھتی ہے اور اس نے تمہارے بارے میں سوچنے کے لیے کہا تھا۔" عمار بالکل بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ رافع کیوں اس قسم کی باتیں کر رہا ہے۔

"ہوں لگتا ہے نیلو کی سوچ آپ تک پہنچی نہیں۔" ایک زخمی سی مسکراہٹ رافع کے ہونٹوں پر آ گئی۔

"کیا مطلب؟" عمار نے حیرت سے رافع کو دیکھا جس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

"مطلب تو واضح ہے بھائی کہ ہم دونوں اچھے دوست ہیں اور دوستی کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ شادی کرکے دشمن نہیں بننا چاہتے۔ آپ دیکھیے شادی کے بعد ساری دوستی ختم ہو جاتی ہے اور آئے دن لڑائی جھگڑے دنگا فساد ہوتا ہے لہٰذا ہم دونوں اپنی پیاری دوستی ختم نہیں کرنا چاہتے بس......"

رافع نے رخ دوسری طرف کرلیا عمار کچھ نہ سمجھتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"ٹھیک ہے بھئی، اگر تم دونوں کی یہی رائے ہے تو...... ورنہ میں چاہتا تھا تم دونوں......"

"چاہا تو میں نے بھی اس کے سوا کچھ نہیں تھا بھائی مگر اس کم نصیبی کا کیا کروں میں......"

رافع دکھ سے سوچ کر رہ گیا۔

"جانے دیں عمار بھائی، چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب اللہ جی کو منظور نہ ہو تو میرے اور آپ کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ آیئے ہم آج چائے کہیں باہر چل کر پئیں۔" رافع زخموں پر چلتا ہوا عمار کے ساتھ باہر نکل گیا۔

☆☆☆

شجاع الدین کا دماغ آج کل بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ عمار آہستہ آہستہ غیر محسوس انداز میں ان کے گرد دائرہ تنگ کرتا جا رہا تھا اور وہ ہر صورت میں فرار ہو جانا چاہتے تھے کیونکہ اب تک وہ ذورین سے جو لاکھوں روپے اور فیکٹری کی زمین اینٹھ چکے تھے، اسے گنوانا نہیں چاہتے تھے۔

"اب تمہاری ترکیبوں کی شیطانی مشین کو کیا ہو گیا ہے یہاں سے فرار کی کوئی ترکیب نکالو ورنہ ایسے دھرے جائیں گے کہ......" رفیق کے ساتھ لان میں ٹہلتے ہوئے وہ چور لہجے میں کہہ رہے تھے۔ جبکہ رفیق کا شیطانی دماغ اپنے بچاؤ کی ترکیب سوچ چکا تھا۔

"خدا میرا ہی بھلا کرے صاحب، آدھے آدھے کا وعدہ کرو تو نکالتا ہوں...... ورنہ......" رفیق نے اپنا ٹوپی اور پھونک والا ٹوٹکا دہراتے ہوئے کہا۔

"اچھا بابا اگر یہاں سے اس مال سمیت فرار ہونے کا موقع مل گیا تو ضرور دوں گا۔"

شجاع الدین نے مکاری سے پھر رفیق کو بے وقوف بنایا۔

"رقم تو تم مجھے کیا دو گے وہ فیکٹری والی زمین مجھے دے دینا میں اس پر گھر بناؤں گا۔ خوابوں کا آشیانہ نام رکھوں گا اور اپنی نئی دلہن کے ساتھ رہوں گا۔"

رفیق بات کرتے کرتے واقعی دلہن کے پاس پہنچ گیا کہ پاؤں بے دھیانی میں گملے سے ٹکرایا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ پہلے کوئی جان دار سی ترکیب نکالو یہاں سے خیریت اور عزت سے نکل جانے کی پھر دیکھا جائے گا۔ ارے...... تو شان

ہی اچھا تھا۔ ہر معاملے میں چپ رہتا تھا۔ یہ تو خبیث جان کو آ گیا ہے۔"

شجاع الدین کا بس چلتا تو عمار کو ہی ٹھکانے لگا دیتا۔

"مجھے بھی خبر نہیں تھی کہ عمار میاں ہماری جان کو آ جائیں گے۔ یہیں سے کوئی ایسا منصوبہ بناتا کہ واپس ہی نہ آتا اور آتا بھی تو...... خیر ابھی ذورین ہاتھ میں ہے۔ فضہ اور ذورین کا کسی طریقے سے نکاح کروا دو تاکہ کل کو اگر بات بگڑے تو عمار ہم سے ذورین والا مال واپس نہ لے سکے۔"

"بات تو تمہاری ٹھیک ہے مگر عمار تو پروں پر پانی پڑنے نہیں دیتا۔ کئی بار کہہ چکا ہوں وہ تو منگنی کی طرف نہیں آ رہا تو نکاح کا کیا مانے گا۔ خیر میں ذورین کو قابو کرنے کی کوشش کرتا ہوں کیونکہ مال سمیت بچ کر نکل جانے کی یہی ایک ترکیب ہے۔"

اور ساتھ ہی شجاع الدین نے کئی منصوبے سوچ ڈالے تھے۔ ذورین اور فضہ کے نکاح اور ذورین کو ورغلا کر جائداد میں اپنا حصہ لے کر جانے کے۔

☆☆☆

آج کل عمار بھی بہت الجھا ہوا تھا۔ گھر کے موجودہ حالات اسے کوئی بڑا فیصلہ کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ اسے رہ رہ کر ذورین پر غصہ آ رہا تھا جس کی وجہ سے وہ شجاع الدین جیسے چیز کو برداشت کر رہا تھا۔ وہ کوئی ایسی حکمت عملی اپنانا چاہتا تھا کہ ذورین اس عیار گروپ سے بچ جائے۔ اس وقت بھی وہ مسلسل اسی بارے میں سوچ رہا تھا کہ ذورین فضہ کے ساتھ آیا۔

"بھائی، وہ......" ذورین اس کے تیور دیکھ کر کچھ ڈر سا گیا۔

"کیا وہ...... کہو ناں، رک کیوں گئے؟" عمار نے نارمل لہجے میں کہا۔

"بھائی، وہ مجھے ناں کچھ رقم کی ضرورت ہے۔" ذورین کا یہ کہنا تھا کہ عمار کا دماغ گھوم گیا۔

"واٹ؟ تمہیں رقم کی ضرورت ہے۔ کتنی ضرورت ہے تمہیں رقم کی۔ تم کرتے کیا ہو رقم کا۔ ایک پھوٹی کوڑی نہیں دوں گا۔ برباد کر کے رکھ دیا ہے تم نے سب کچھ۔ کمایا کیا ہے تم نے؟ تمہیں صرف خرچ کرنا ہی آتا ہے۔ بزنس برباد ہو رہا ہے تو ہو تمہیں تو پیسہ لٹانے سے فرصت نہیں۔ کوئی پیسہ نہیں ہے میرے پاس اور اگر ہے تو نہیں دوں گا۔ جاؤ خود کماؤ اور عیش کرو۔"

عمار نے سوچے ہوئے منصوبے پر عمل شروع کر دیا تھا۔ ذورین تو عمار کو حیرت سے دیکھے جا رہا تھا۔ فضہ کے چہرے پر البتہ تاثرات ابھر کر ڈوب رہے تھے۔

"بھائی، یہ آج آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ آپ تو بالکل غیروں کی طرح بات کر رہے ہیں۔ اگر آپ کے پاس پیسے نہیں ہیں تو نہ سہی مگر آپ خفا تو نہ ہوں۔" ذورین اس کے انداز پر گھبرا سا گیا مگر فضہ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اگر ذورین اس طرح دب گیا تو اسے عمار جائداد سے حصہ نہیں دے گا لہٰذا اس نے میدان میں کودنا اپنا حق سمجھا۔

"عمار بھائی، آپ اس طرح کیوں بات کر رہے ہیں۔ والدین کی چیز پر تو ساری اولاد کا برابر کا حصہ ہوتا ہے۔ آپ کس طرح ذورین کو الگ کر رہے ہیں؟"

"اچھا، تو اب تم مجھے بتاؤ گی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ ذورین کا جو حصہ تھا، وہ پہلے ہی لے چکا ہے۔ تم لوگ کیا سمجھتے ہو کہ مجھے کسی بات کی خبر نہیں۔ سب پتا ہے مجھے یہ اپنا حصہ لے چکا ہے اور باقی حصہ میرا ہے۔ اس پر ذورین کا کوئی حق نہیں۔" عمار بالکل اجنبی سا لگ رہا تھا۔

"بھائی، یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کیوں ایسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ میں نے ایسا کیا کہہ دیا ہے کہ آپ اتنے خفا ہو رہے ہیں مت کریں ایسی باتیں۔" ذورین بہت گھبرا گیا تھا۔

"ایسی باتوں کی ابتدا تم نے کی ہے مجھے ورنہ تو میں نے یہ سوچ رکھا تھا کہ اپنا سب کچھ بھی تمہیں ہی سونپ دوں گا۔ میرے نزدیک تو محبت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں مگر تم نے اپنے لیے انتہائی گھاٹے کا سودا کر کے مجھے یہ سب کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے بھائی، میں ابھی مما پپا کو بلاتا ہوں۔" ذورین گھبرا کر فون کی طرف لپکا مگر عمار نے غصے سے اس کا راستہ روک لیا۔ اس کے چہرے پر اتنا تناؤ تھا کہ ذورین کی آگے بڑھنے کی جرأت ہی نہیں ہوئی۔

"خبردار! جوان فرشتہ صفت لوگوں کو پریشان کیا خود غرض انسان! انہوں نے ہمیں، بجائے والدین کی یاد نہیں آنے دی اور تم نے ان کے ساتھ یہ کیا کہ ان کو......"

"پلیز عمار بھائی! آپ کی یہ پہچان ہے کہ دوست دشمن کو آپ پہچان نہیں سکتے۔ عثمان صاحب جنہوں نے آپ لوگوں کو چیٹ کیا، جائداد پر قبضہ کر لیا، آپ ان کو اچھا کہہ رہے ہیں اور ذورین کو برا۔ میں جانتی ہوں یہ بھی انہی کی سازش ہے کہ ذورین کو راستے سے ہٹا دیا جائے اور ساری جائداد پر قابض ہو جائیں آپ کے ذریعے۔ اول تو وہ نیلو اور ذورین کی شادی کر کے سب کچھ چھین لینا چاہتے تھے یہ نہیں ہوا تو آپ کو گن پوائنٹ پر رکھ لیا۔"

ذورین تو گھبرائے جا رہا تھا، جبکہ فضہ بڑی بے باکی سے لڑ رہی تھی۔

"فضہ، تم اپنے حواسوں میں تو ہو جانتی ہو کیا کہہ رہی ہو اور کس سے کہہ رہی ہو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ان تینوں کی کیا حیثیت ہے میری زندگی...... میں"

"اور شاید آپ بھی نہیں جانتے کہ ذورین کی میری زندگی میں کیا حیثیت ہے۔"

فضہ دوبدو جواب دے رہی تھی۔ ذورین کی تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے، وہ تو اس بات پر پچھتا رہا تھا کہ نہ رقم کا مطالبہ کرتا نہ ایسی صورت حال پیدا ہوتی۔

"میں جانتا ہوں کہ ذورین کی کیا حیثیت ہے تمہاری زندگی میں۔ اس لیے میں ذورین کو تمہیں سونپ رہا ہوں۔ لے جاؤ اسے، میں اسے ہر چیز سے عاق کرتا ہوں۔"

"آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ [illegible]

[illegible] سارے منصوبوں پر پانی پھر گیا تھا۔

"تم اس معاملے میں بولنے والی کون ہو؟" عمار بیچ طیش میں آ گیا۔ ذورین تو بس دونوں کو دیکھے جا رہا تھا۔

"میں...... میں کون ہوں عمار بھائی' آپ نہیں جانتے میں کون ہوں...... تو سنیے' میں اور ذورین جلد ہی شادی کر رہے ہیں' بہت جلد۔" فضہ نے فخریہ انداز میں ذورین کی جانب دیکھا جس کو خنکی میں بھی پسینہ آ گیا تھا۔

"اوہ' مبارک ہو ذورین! مبارک ہو فضہ! یہ تو فضہ نے بتا دیا کہ تم دونوں شادی کر رہے ہو ورنہ تو شاید ہمارے بھائی صاحب تو بتانا بھی گوارا نہ کرتے۔" عمار کا لہجہ دکھی ہو گیا۔

"بھائی...... بھائی! آپ میری بات تو سنیے۔" ذورین گھبرا سا گیا۔ اس نے عمار کے ہاتھ پکڑے مگر اس نے غصے سے جھٹک دیئے۔

"میری اجازت کی تو خیر تم لوگوں کو ضرورت نہیں بہر حال تم لوگوں نے یہ فیصلہ کر کے میرے لیے آسانی کر دی ہے۔ اب شادی کے بعد ذورین تم لوگوں کے ساتھ جائے گا رخصت ہو کر۔ میرے گھر میں نہ تو تمہارے لیے جگہ ہے فضہ اور نہ ہی اس کے لیے۔ یہ گھر داماد بن کر ماموں جان کے ساتھ رہے گا اور اب اس گھر اور جائداد سے پھوٹی کوڑی بھی اس کو نہیں ملے گی۔ IS IT CLEAR? جاؤ اب شادی کرو لیکن یہ یاد رہے کہ نکاح کے بعد میں تم دونوں کو یہاں پاؤں بھی رکھنے نہیں دوں گا' یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" عمار بہت غصے میں تھا۔

"آپ ایسا نہیں کر سکتے بھائی' آپ مجھے خود سے جدا نہیں کر سکتے۔"

ذورین روسا دیا۔

"کیوں نہیں کر سکتا۔ جب تم ایسا کر سکتے ہو تو میں کیوں دل پر پتھر نہیں رکھ سکتا۔"

"ظاہر ہے جب آپ کو اس پتھر کی وجہ سے اتنی جائداد مل رہی ہے تو پتھر رکھنے میں کیا......"

"شٹ اپ اینڈ گیٹ لاسٹ!" فضہ کی بات پر عمار طیش میں آ گیا۔ وہ چلایا تو فضہ اونہہ کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔ ذورین عمار کی طرف بڑھا مگر وہ غصے میں دوسری طرف نکل گیا۔

☆☆☆

"یہ تو بہت گڑبڑ ہوتی جا رہی ہے فضہ' تم اور نوشی آج ہی اپنے گھر شفٹ ہو جاؤ۔"

شجاع الدین کو یہ خبر ملی تو وہ چوکنے ہو گئے۔

"اور آپ......؟" فضہ نے پوچھا تو وہ کھڑے ہو گئے۔

"میں ابھی یہیں ہوں۔ ذورین چھوڑنے والی چیز نہیں اور یہ جو عمار نے کہا ہے ناں یہ بھی نہیں ہوگا۔ ہم ذورین کو مٹھی میں رکھ کر سب نکلوا لیں گے۔ تم دونوں کا نکاح ہو جائے گا تو ہم قانونی طور پر ہر چیز کے حق دار ہو جائیں گے۔" شجاع الدین نے بیٹی سے زیادہ خود کو بہلایا۔

"نہیں ابو' مجھے اب ذورین میں کوئی دلچسپی نہیں اتنا تو وہ دبو ہے۔ مجال ہے اس نے کوئی بات کی ہو بھائی سے' جو بات کی میں نے ہی کی۔ آپ کو نہ جانے ابھی بھی کیا نظر آ رہا ہے جبکہ مجھے تو کچھ نظر نہیں آ رہا اور پھر اگر میں اس خوب صورت محل میں نہیں رہ سکتی تو مجھے ذورین کا اچار ڈالنا ہے کیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ ذورین کے پاس کچھ بھی نہیں' سب کچھ عمار کے پاس ہے۔ وہ تو اسے کچھ بھی نہیں دے گا۔ اس لیے مجھے تو اس کھیل سے آؤٹ ہی سمجھئے۔" سطحی سوچ کی مالک فضہ نے اپنا فیصلہ سنا ڈالا۔

"ٹھیک ہے اب ہمیں بہت ہوشیاری سے یہ کھیل ختم کرنا ہے۔ تمہیں کوئی واویلا مچانے کی ضرورت نہیں۔ عمار بہت تیز آدمی ہے وہ ہمارے ساتھ کچھ بھی کروا سکتا ہے۔"

پھر رات گئے تک دونوں باپ بیٹی آئندہ کی پلاننگ کرتے رہے۔

☆☆☆

ذورین عمار کے رویے سے بہت بددل ہو گیا تھا۔ وہ رات اس نے کانٹوں پر گزاری تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ عمار جو اس کا اکلوتا بھائی تھا' اس دنیا میں جس سے خون کا تعلق تھا وہ بھی ایسی سطحی باتیں کر سکتا ہے۔ عمار نے اسے عاق کر دیا اور خود نہیں...... نہیں۔

"میرا بھائی ایسا نہیں ہو سکتا مما...... پپا! دیکھا آپ نے عمار بھائی کو کیا ہو گیا ہے نہ جانے؟ کیوں کیا انہوں نے میرے ساتھ ایسا...... میں تو اپنی جان بھی بھائی پر قربان کر دیتا۔ بھائی...... بھائی......"

ذورین عثمان اور عاتکہ کے تصویر کے سامنے کھڑا روئے جا رہا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر روتا رہا۔ آج اسے اپنے مما پپا اور عثمان عاتکہ بہت یاد آ رہے تھے۔ اپنے والدین سے تو نہیں مل سکتا تھا عثمان اور عاتکہ کی گود میں سر رکھنے کے لیے وہ مچل گیا۔ وہ تیزی سے نیچے آیا۔ لاؤنج میں فضہ اور نوشی بیٹھی تھیں۔

"فضہ!" ذورین فضہ سے سخت ناراض تھا' اس کی باتوں کی وجہ سے عمار کو غصہ آ گیا تھا۔ وہ فضہ کی طرف بڑھا مگر فضہ اس سے زیادہ غصے میں تھی' اٹھ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

"فضہ' میری بات سنو۔" ذورین فضہ کی طرف بڑھا مگر نوشی درمیان میں آ گئی۔

"اب فضہ کو پکارنا فضول ہے ذورین! اب آپ خالی ڈبا ہیں اور خالی ڈبے کی اسے کبھی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" ذورین نوشی کی بات کا مطلب نہیں سمجھ پایا تھا۔

"آپ کو عمار بھائی نے عاق کر دیا ہے ناں۔"

"ہاں کر دیا ہے پھر...... اگر ایسا نہ بھی کرتے تو میں خود ہر چیز چھوڑ دیتا۔"

''اچھا ایسا ہے تو پھر سمجھ لیں کہ فضہ اب آپ کی طرف پلٹ کر دیکھے گی بھی نہیں۔ اسے صاحب حیثیت اور صاحب جائداد ذورین پسند تھا۔ ایسے ذورین سے اس کا واسطہ نہیں۔ وہ تو اس گھر پر راج کرنا چاہتی تھی جس سے آپ بھی بے دخل کر دیئے گئے۔''

نوشی کو غصہ آ رہا تھا فضہ پر اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی ذورین کو سب کچھ بتا دے۔

''تم تو فضہ سے کچھ زیادہ ہی بدگمان لگ رہی ہو نوشی!''

''بدگمان نہیں ذورین! فضہ میری بہن ہے اور میں اسے آپ سے بہتر جانتی ہوں۔ اس نے آپ سے یہی کہا ہو گا کہ وہ آپ کو چاہتی ہے پسند کرتی ہے۔''

''تو تمہیں کچھ شبہ ہے اس بات میں؟'' ذورین حیران ہو رہا تھا نوشی کی باتوں پر۔

''میرے شبے میں یقین کی جھلک بھی ہوتی ناں ذورین تو آج یہ ڈراما نہ ہو رہا ہوتا۔ دکھ اس بات کا ہے کہ میں بھی اس ڈرامے کا ایک کردار ہوں جسے نہ چاہتے ہوئے بھی ایکٹ کرنا پڑا۔''

نوشی جو شروع ہی سے اس ڈرامے کے حق میں نہیں تھی اسے مجبوراً شریک ہونا پڑا اور اب اسے بہت شرم آ رہی تھی اس خیال سے کہ جب ساری بات کھل جائیگی تو ذورین، عمار سب لوگ کیا سوچیں گے ان کے بارے میں۔ اسے نفرت سی محسوس ہو رہی تھی اپنے لوگوں سے کاش وہ اپنے ابو کو اس ڈرامے سے روک سکتی مگر وہ تو کچھ بھی نہیں کر سکی تھی۔

''لگتا ہے سب کے دماغ خراب ہو گئے ہیں۔ اب تم کس ڈرامے کا ذکر کر رہی ہو؟''

ذورین بہت الجھا ہوا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ زچ ہو گیا تو نوشی نے دکھ بھری مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا اور کھڑی ہو گئی۔

''میں اگر ذرا سا بھی اختیار رکھتی تو یہ ڈراما نہ ہوتا۔ اگر ہوتا تو میں اس کا کردار نہ ہوتی۔''

مبہم سے لہجے میں وہ بولتی باہر نکل گئی تو ذورین الجھا ہوا پریشان سا باہر آ گیا۔

''ایک دوستانہ مشورہ دوں ذورین!'' وہ گاڑی نکال رہا تھا تو نوشی پھر آ گئی۔

''تم آج بہت عجیب لگ رہی ہو، عجیب باتیں کر رہی ہو۔ کہو کیا بات ہے؟''

''جب منزل سامنے ہو تو دائیں بائیں کے جنگل میں الجھنے والے دانش مند نہیں ہوتے۔''

''لڑکی، آج میرا دماغ خراب ہے تم مزید کر رہی ہو۔ آسان الفاظ میں بات نہیں کر سکتی ہو؟''

ذورین نے زور سے دروازہ بند کیا۔

''آسان الفاظ کی سچائی اگر ہضم کر سکتے ہو تو سنو، نیلو تمہاری منزل ہے اور اس سے بڑھ کر تمہارے لیے کوئی اور لڑکی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے منزل کی تلاش میں بھٹکو مت، بس مجھے یہی کہنا تھا۔''

نوشی نے آہستگی سے کہا اور آگے بڑھ گئی۔ ذورین کتنی ہی دیر خاموش بیٹھا رہا اور پھر گاڑی تیزی سے نکال کر لے گیا۔

''اونہہ نیلو، نیلو میری منزل کب ہے نوشی اسے تو رافع کا خیال ہے اسے پسند کرتی ہے۔ میرا اللہ لینے سے زیادہ اہم رافع کا فون ہو تو......اونہہ......''

ذورین نے تلخی سے سوچا اور کتنی دیر تک یونہی گھومتا رہا مگر کہیں سکون نہیں مل رہا تھا۔ عمار کی باتیں، نیلو کا رویہ اس کا جی چاہ رہا تھا تموج میں آئے ہوئے سمندر میں چھلانگ لگا دے۔ وہ سرد ریت پر کتنی دیر سے چل رہا تھا۔ عجیب بے منزل ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اکیلا ہو اس کا کوئی اپنا نہ ہو۔ خود کو مظلوم تصور کر کے اس کی آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔

''کسی سے کیا شکوہ کروں جب میرا اپنا سگا بھائی ہی میرا نہیں رہا تو پھر مجھے جینے کا بھی کوئی حق نہیں کسی کو میری پروا نہیں۔ نہ مما کو نہ پپا کو اور وہ بدتمیز لڑکی تو......''

''نیلو، تم......تم بہت بدتمیز ہو، میں......'' اور نہ جانے کن سوچوں کے راستے پر چلتا ہوا وہ پانی کے اندر چلتا جا رہا تھا۔

''ذورین، رک جاؤ۔ میری بات سنو۔'' ذورین نے پلٹ کر دیکھا۔ نہ جانے کون اسے آوازیں دیتا پکارتا ہوا آ رہا تھا۔ وہ رک گیا۔

''ارے حامد! تم......تم کب آئے؟'' وہ پلٹ کر تیزی سے حامد کے گلے لگ گیا۔

''میں رات ہی آیا ہوں۔ مصروف اتنا تھا کہ فون بھی نہیں کر سکا۔ سوچا تھا سرپرائز دوں گا۔ گھر گیا تو وہ تمہاری کزن نوشی نے بتایا کہ تم اپ سیٹ ہو کر گئے ہو تو بس سیدھا یہیں آ گیا، تمہارے پرانے ٹھکانے کا پتا تو ہے مجھے۔'' حامد نے جلدی جلدی اسے تفصیل بتائی اور دونوں چلتے ہوئے کنارے تک آ گئے اور اب گاڑی میں بیٹھے گرم گرم سوپ پی رہے تھے۔

''یار، گھر میں مجھے نہ تو انکل آنٹی نظر آئے اور نہ ہی نیلو نظر آئی اور یہ تمہارے ماموں اور کزنز کہاں سے دریافت ہو گئیں۔ اس سے قبل تو ان کا ذکر تک نہیں سنا تھا۔''

حامد جلدی جلدی بولتا ہوا تفصیل جاننا چاہتا تھا اور جواباً جو ذورین کو کہانی پتا تھی، اس نے مختصراً بتا دی۔

''حیرت ہے یار! اچانک کسی ماموں کا آ جانا اور فضہ کا تم پر مہربان ہونا کوئی عجیب سی بات نہیں؟'' حامد بھی اس کہانی پر چونک سا گیا تھا۔

''اس میں عجیب کی کیا بات ہے وہ میرے ماموں ہیں ظاہر ہے جب رشتے داروں میں ناراضگی ہوتی ہے تو ایسے ہی ہوتا ہے ایک دوسرے کی خبر تک نہیں لیتے۔ میرے پپا اور ماموں جان کے درمیان بھی ایسی ہی ناراضگی چل رہی تھی کہ وہ ہم سے بے خبر رہے مگر جب پتا چلا کہ مما پپا نہیں رہے ہیں تو......آ گئے اور......''

''اچھا ابھی تو میں نے ایک ہی لڑکی دیکھی ہے۔ غالباً اس کا نام نوشی تھا، وہ تو کچھ ایسی توپ چیز نہیں یہ فضہ کیسی ہے؟ اسی طرح ہے یا خوب صورت ہے؟''

''معلوم نہیں۔'' ذور

”کیا مطلب ہے ابھی تم کہہ رہے تھے کہ وہ تم پر مرتی ہے اور تم دونوں شادی کرنے والے ہو اور تم نے دیکھا نہیں کتنی حسین ہے؟“ حامد کو واقعی حیرت ہو رہی تھی۔

”وہ مجھ پر مرتی ہے نا مگر میں تو نہیں۔“ ذورین نے بیزاری سے کہا۔

”اور تم کس پر مرتے ہو؟“ حامد نے شوخ معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا تو ذورین کی نظروں میں نیلو کا عکس ابھرا مگر پھر اس نے اپنی ہی سوچ کی نفی کر دی۔

”یار، اعتراف میں اتنی دیر چلو میں مشکل آسان کر دیتا ہوں...... نیلو پر ناں؟“

”ہرگز نہیں، وہ ایسی چیز نہیں کہ اس پر مرا جائے۔“ اس نے سخت لہجے میں اپنے دل اپنی سوچوں کی نفی کی تو حامد ہنس پڑا۔

”نیلو جیسی لڑکیاں ہی ہوتی ہیں ذورین جن پر مرا جاتا ہے۔ ایسی اچھی باوقار لڑکیاں تو مرد کے لیے اعزاز ہوتی ہیں ذورین! تم...... تم اس اعزاز سے کیوں محروم رہنا چاہتے ہو اور......“

”میری چھوڑ و اپنی سناؤ کہاں مر گئے تھے اتنے عرصے سے کوئی خبر دی نہ لی۔“

ذورین کو معلوم تھا کہ حامد نیلو کے ذکر پر اسے خوب سنائے گا اس لیے اس نے موضوع ہی بدل دیا۔

”میری کہانی بھی کوئی دنیا سے مختلف نہیں ہے ذورین، زندگی میں ایسے ایسے نشیب و فراز آئے کہ میں لڑکھڑا سا گیا۔ زندگی کے سفر میں ایسے موڑ بھی آئے کہ میں نے خودکشی تک کی کوشش کی۔ میری زندگی میں جو لڑکی آئی اسے مجھ سے نہیں میری دولت سے پیار تھا اور اسی لیے اس نے اپنی جھوٹی محبت کا جادو جگایا۔ مجھے دیوانہ بنایا اور میں کاٹھ کا الو بنا اس کے راستے پر چلتا چلا گیا اور......“ شکستہ لہجے میں بولتا حامد روسا دیا۔ ذورین کو بہت دکھ ہو رہا تھا اس کی باتیں سن کر۔

”تم اس لڑکی کو پہچان نہیں سکے؟“

”نہیں ذورین! عورت بہت زیادہ معصوم بھی ہے اور بہت زیادہ شاطر اور خطرناک بھی۔ اس لیے تو کہہ رہا ہوں کہ نیلو جیسی لڑکیاں اور ان کی محبت مرد کے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں ہوتی۔ تم کو اس کی قدر کرنی چاہیے تھی۔“

”وہ ایک بار تو مل جائے حامد!“ ذورین کے دل کی گہرائیوں سے آواز آئی اور پھر دونوں دوست جانے کب تک باتیں کرتے رہے۔

”اچھا اٹھو چلیں...... میں، نیلو اور انکل آنٹی سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”تو جاؤ، اکیلے جاؤ۔ میں وہاں نہیں جاؤں گا۔“ ذورین نے صاف انکار کر دیا۔

”احمق نہ بنو، کیوں نہیں جاؤ گے تم؟“

”بس اب میرا کسی سے کوئی تعلق نہیں، جب اپنا بھائی ہی اپنا نہیں تو......“ ذورین دکھی ہو گیا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا، عمار بھائی نے کیا کہا ہے؟“ حامد کے استفسار پر ذورین نے ساری

بات اسے بتا دی تو وہ چونک گیا۔

”اگر عمار بھائی نے ایسا کہا ہے تو ضرور گڑبڑ ہے کہیں۔ خیر تم چلو میرے ساتھ۔ تعلق ایسے ہی نہیں ٹوٹ جاتے۔“

اور پھر دونوں آ گئے۔

☆☆☆

”ایاز بھائی، شام کو گاڑی مجھے چاہیے۔“ یونیورسٹی سے آتے ہی ماہ ما نے کہا۔

”کیوں کہیں جانا ہے؟“

”جی، شام کو میں نے اپنی بہت ہی پیاری دوست کے ہاں جانا ہے۔“

”ہیں...... شام کو تمہیں بھی ایک بہت پیاری دوست کے ہاں جانا ہے اور آج شام ہی کو شہرام نے بھی اپنے ایک بہت ہی پیارے دوست کے ہاں جانا ہے۔ ہائے، کتنی ملتی جلتی ہیں تمہاری دوستیاں۔ کہیں تم دونوں کی دوست ایک ہی تو نہیں؟“ حسب عادت ہما نے معصومیت میں دونوں کو ملانے کے لیے پھر احمقانہ سی بات کی تو ایاز اسے گھور کر رہ گیا۔ شہرام اور ماہ ما نے پہلے اسے گھورا پھر ایک دوسرے کو گھورا۔

”شٹ اپ ہما، تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ اچھی خاصی نارمل ہوتی تھیں تم۔“

”کیوں بھئی، اس میں ابنارمل ہونے والی کون سی بات ہے۔ ہو سکتا ہے تم دونوں کی ایک ہی دوست ہو اور اللہ کرے ایسا ہی ہو۔“ ہما نے دونوں کو زبان دکھائی۔

”ہما، سوچ سمجھ کر بولا کرو۔“ شہرام کھانا چھوڑ کر اٹھ گیا تو دونوں مائیں دکھ، بے بسی کے ملے جلے احساسات کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

”بھائی، گاڑی میں لے کر جاؤں گا یہ طے ہے اس لیے......“ شہرام نے پلٹ کر ایاز کو یاد دہانی کرائی۔

”ایاز بھائی، گاڑی مجھے چاہیے یہ طے نہیں تھا...... مگر گاڑی میں ہی لے کر جاؤں گی۔“

ماہ ما نے بھی اسی انداز میں کہا تو شہرام کھول اٹھا۔

”امپاسبل، گاڑی میں لے کر جاؤں گا بھائی!“ شہرام اکڑ گیا۔

”امپاسبل، گاڑی تو میں ہی لے کر جاؤں گی تم جاؤ بھاڑ میں...... ہے ناں ماہ ما!“

ماہ ما کے بجائے ہما نے کہا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

”جی نہیں، اس میں لڑنے والی تو بات ہے ہی نہیں۔ بھئی گاڑی کے چار پہیے ہیں۔ دو شہرام لے جائے اور دو ماہ ما لے جائے، کیوں...... کیا خیال ہے؟“

”ہاں بالکل۔“ ایاز نے اس انداز میں کہا کہ ماہ ما اور شہرام نے ایک ساتھ کہا۔ سب ان کو دیکھ کر مسکرانے لگے تو دونوں شرمندہ ہو گئے اور ایک دوسرے کو گھور کر رہ گئے۔

کوئی ضرورت نہیں، میں ٹیکسی سے چلی جاؤں گی۔" ماہ ما پیچھے ہٹ گئی۔

"اس احسان کا شکریہ، میں ٹیکسی سے چلا جاؤں گا۔" شہرام نے جوابی میزائل پھینکا اور باہر نکل گیا۔

"اونہہ جیسے میں تو ان پر احسان کرنے جا رہی تھی۔" ماہ ما الگ بڑبڑاتی ہوئی دوسرے دروازے سے باہر نکل گئی۔

"یہ لوگ نہیں سدھریں گے۔" ایاز نے کہا تو دونوں مائیں دکھ سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں اور پھر وہی ہوا۔ ایاز نے لاکھ کہا کہ وہ دونوں کو ان کے دوستوں کے گھروں میں الگ الگ چھوڑ آئے گا مگر دونوں نے ایک ہی آواز میں انکار کر دیا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم دونوں۔ بدتمیزی میں ڈھٹائی میں یک جان ہو اور اچھائی کے راستے پر دو کنارے بن جاتے ہو۔ ہم لوگ ہی پاگل ہیں کہ تم دونوں کو بچانا چاہتے ہیں۔ جاؤ، دفع ہو جاؤ۔ بلاوجہ ہم لوگوں کی زندگی برباد کر رکھی ہے۔ میں نے اور سب نے طے کر لیا ہے کہ اب تم دونوں کو باندھ کر نکاح کر دیا جائے گا اور خبردار جو انکار کیا تو......"

ایاز نے غصے میں بولتے ہوئے کہا اور پلٹ کر پیچھے دیکھا تو خود سے شرمندہ سا ہو گیا کیونکہ وہ دونوں جانے کب کے جا چکے تھے اور اپنی تقریر ضائع ہونے پر وہ بے مزہ سا ہو گیا۔

☆☆☆

"بھائی آپ نے ایسا کیوں کہا دل ٹوٹا ہو گا ذورین کا؟"

عمار نے نیلو کو ساری بات بتائی تو اسے ذورین سے ہمدردی ہونے لگی۔

"خبردار جو اس گھامڑ کی حمایت کی تو۔ ویسے ایک دوسرے کے دشمن ہو اور ذرا جو کچھ کہہ دیا تو ہمدردی کا بخار ہونے لگا۔ بہت اچھی ہو تم اور بہت اچھا ہے وہ بھی، ایک برے تو ہم ہیں کہ تم دونوں کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر اتنی ہی محبت اور خیال ہے ایک دوسرے کا تو کیوں نہیں مل جاتے تاکہ مصیبت ہی ختم ہو اور آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ رافع نے آپ کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔"

عمار اتنی دیر سے اسے ڈانٹ رہا تھا، ذورین کی طرفداری کرنے پر یہ لیکچر سننے کو مل رہا تھا۔ وہ چپ چاپ سنے گئی مگر رافع کے انکار پر وہ خوشی سے چلا اٹھی۔

"ہیں سچ بھائی......! میں نے کہا تھا ناں رافع بہت اچھا انسان ہے بہت سمجھ دار ہے۔"

"ہاں معلوم ہے مجھے کہ وہ بہت اچھا ہے اسی لیے تمہارے لیے اسے منتخب کیا تھا مگر اس نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ بھی گھامڑ ہے تمہاری طرح......" عمار ابھی اور بھی اس سے لڑتا کہ شہرام آ گیا۔

"لو میرا دوست تو آ گیا......اور تمہاری دوست نہیں آئی۔"

عمار شہرام سے بغل گیر ہو گیا تو شہرام پریشان ہو کر نیلو کو دیکھنے لگا مگر وہ کھڑی ہو گئی۔

"آ جائے گی وہ بھی بہت پابند ہے وقت کی آپ پریشان نہ ہوں۔ شہرام بھائی آپ اکیلے کیوں آئے؟"

"کیا مطلب اکیلے کیوں آئے؟" شہرام کو نیلو سے خوف ہی آتا تھا جب بھی ملاقات ہوتی اس کے زخموں پر نمک چھڑکنا اپنا فرض سمجھتی تھی۔

"آپ گھبرا کیوں گئے بھائی؟ میں نے تو اس لیے کہا تھا کہ شاید آپ ایاز بھائی اور ہما بھابی کو بھی لے آئیں۔"

"نہیں وہ ذرا مصروف تھے اسی لیے میں آ گیا۔" اس نے شکر ادا کیا کہ ماہ ما کا نہیں پوچھا پھر سارا وقت وہ نیلو سے کتراتا ہی رہا مگر آج اس نے بھی اس کے سامنے ماہ ما کا ذکر نہیں کیا تو اسے یقین ہو گیا کہ اس کی دوست ماہ ما نہیں آ رہی کوئی اور آ رہی ہے۔

"کھانا لگاؤ بھئی ڈاکٹر ہمارے دوست کے پیٹ میں چوہے کبڈی کر رہے ہیں۔"

"ہرگز نہیں جب تک میری دوست نہیں آ جاتی کھانا نہیں ملے گا۔ آپ کے پیٹ کے چوہے کبڈی کھیلیں یا ہاکی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جب تک آپ لوگ جوس لے لیں۔"

نیلو جا کر دونوں کے لیے اورنج جوس لے آئی۔

"نیلو ادھر دیکھو کون آیا ہے؟" عاتکہ کی آواز پر نیلو کے ساتھ سب نے دیکھا۔ عاتکہ کے ساتھ ماہ ما اپنے معصوم حسن کے ساتھ موجود تھی۔ شہرام کے ہاتھ میں گلاس لرز گیا مگر پھر وہ سنبھل گیا اسے نہ پہچاننے کا سوچ کر......اور ادھر ماہ ما نے بھی......ایسی ہی امید تھی۔

"ارے ماہ ما، اتنی دیر کر دی تم نے......آؤ ناں!"

نیلو، ماہ ما کی طرف بھاگی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر لے آئی۔ ماہ ما نے شہرام کو دیکھا اور برا سا منہ بنا لیا اور ہما کی قائل ہو گئی۔ کتنا درست اندازہ تھا اس کا کہ دونوں ایک ہی جگہ جا رہے ہیں۔ اس نے اسے نہ پہچاننے کا سوچ لیا۔

"اچھا ماہ ما بتاؤ۔ ان دونوں میں میرے عمار بھائی کون سے ہیں؟"

نیلو اور عمار نے بھی دونوں کو پھنسانے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ ماہ ما جھینپ سی گئی۔ شہرام نے سر جھکا لیا۔

"السلام علیکم عمار بھائی!" ماہ ما نے عمار کو مخاطب کیا۔

"وعلیکم السلام! لیکن میں عمار نہیں ان کا دوست شہرام ہوں یہ عمار ہیں۔"

عمار نے بڑی سنجیدگی سے ماہ ما کو دیکھا اور شہرام کی طرف اشارہ کیا۔

"ہو سکتا ہے میں دھوکا کھا جاتی اگر میں آپ کو پہچانتی نہ ہوتی۔ آپ کے چہرے پر لکھا ہے کہ آپ نیلو کے عمار بھائی ہیں۔" ماہ ما نے شہرام کو اگنور کرتے ہوئے اعتماد سے کہا۔

"گڈ بہت ذہین ہو ورنہ ابھی پکڑی جاتیں......اپنی دے، ان سے ملیے۔ یہ میرے دوست ہیں

شہرام اور ان کی خاص بات یہ ہے کہ امریکا بھی گھوم آئے ہیں مگر ان کی زندگی بہت بے رنگ ہے یعنی ان کی زندگی میں کوئی حسینہ نہیں ہے۔ ہے ناں عجیب بات؟''

عمار نے شوخی سے شہرام کو دیکھا تو اسی وقت ماہ ما نے بھی دیکھا۔ ایک دوسرے کے وجود اور محبت سے انکار پر بس ملامت کر کے رہ گئے۔

''میرے خیال میں تو ایسی عجیب بات بھی نہیں کچھ لوگ اتنے خود پسند اور خود پرست ہوتے ہیں کہ اپنے علاوہ کسی کو اہمیت دینا گوارا ہی نہیں کرتے، ہوسکتا ہے آپ کے یہ دوست بھی ایسی خصوصیات رکھتے ہوں۔'' ماہ ما کے دھیمے لہجے کی کاٹ پر نیلو اور عمار نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''شہرام تم چپ کیوں ہو بتاؤ ماہ ما کی بات کی تردید کرو گے یا تصدیق؟''

''کچھ باتیں بالکل فضول اور بے معنی ہوتی ہیں، ان کی تصدیق یا تردید کیا کرنی۔''

''بھئی بچو بات یہ ہے کہ آپ دونوں اپنی اپنی جگہ پر غلط ہیں کیوں اور کیسے، یہ میں بعد میں بتاؤں گا فی الحال پیٹ کا دوزخ بھر لیں کیوں ڈالنز؟''

''وائے ناٹ، میں ابھی کھانا لگواتی ہوں بلکہ آپ بھی چلیے ناں ذرا ہاتھ بٹا دیجیے۔''

نیلو نے عمار کا ہاتھ تھاما تو ماہ ما کھڑی ہوگئی۔

''نیلو چلو میں چلتی ہوں ناں، تمہارے ساتھ۔'' ماہ ما کھڑی ہوگئی۔ وہ تنہائی میں شہرام کے پاس رکنا نہیں چاہتی تھی مگر وہ دونوں پلاننگ کے تحت کھڑے ہوگئے۔

''ارے نہیں ماہ ما تم بیٹھو بھئی ہم ابھی آتے ہیں۔ یہ میرا دوست اچھا ہے، بہت نخو لیا ہے۔ دیکھنا ابھی تم سے تمہارا نام پوچھے گا اور لطیفے سنائے گا کیوں شہرام!''

عمار نے شوخی سے شہرام کو ٹہوکا مارا تو شہرام کو واقعی غصہ آ گیا، عمار کی اس بچکانہ حرکت پر۔

''کم آن یار عمار، کیا ہو گیا ہے تم کو......؟''

''اچھا کا ئو مت۔ میں جانتا ہوں بہت بھوک لگ رہی ہے ہم ابھی آتے ہیں۔''

وہ دونوں جا چکے تھے۔ شہرام نے ایک تیز نظر ماہ ما پر ڈالی جو اسے اگنور کر کے میگزین چہرے کے سامنے پھیلائے پڑھ تو نہیں رہی تھی صرف اسے اگنور کر رہی تھی۔ سادہ سے لباس میں لائٹ میک اپ میں وہ بہت معصوم اور پیاری لگ رہی تھی۔ شہرام کن انکھیوں سے اسے دیکھے گیا۔ بارہا ایسے لمحات آ جاتے تھے کہ اس کا جی چاہتا تھا سب کچھ بھول کر اس کا ہاتھ تھام لے مگر پھر نہ جانے کیا بات تھی کیا چیز تھی کہ وہ رک جاتا تھا۔

''جب تمہیں معلوم تھا کہ میں یہاں آ رہا ہوں تو تم کیوں آئیں؟''

بالآخر اسے موقع مل ہی گیا اس پر بگڑنے کا۔ اس نے کہا تو۔ ماہ ما نے پہلے تو میگزین ہٹا کر اسے دیکھا پھر دائیں بائیں دیکھا کہ کوئی ہے تو نہیں پھر میگزین میز پر پٹخ کر کھڑی ہوگئی۔

''مجھے الہام نہیں ہوا تھا کہ آپ میری ہی دوست کے ہاں جا رہے ہیں ورنہ میں قطعی نہ آتی اور دوسری بات یہ کہ بندے کو اتنا خوش فہم نہیں ہونا چاہیے آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے کہ میں آپ کے پیچھے آ سکتی ہوں ایسا کرنا ہوتا تو......''

''چلانے کی ضرورت نہیں۔ معلوم ہے آپ میرے پیچھے تو آ ہی نہیں سکتیں۔''

شہرام نے گہری نظر اس پر ڈالتے ہوئے معنی خیزی سے کہا تو وہ چپ رہی۔

''کیا ضرورت تھی نیلو کو میرے بارے میں سب کچھ بتانے کی؟''

''میں نے سب کچھ نہیں بتایا میں نے اسے صرف یہ بتایا ہے کہ آپ کتنے خود پرست اور خود پسند آدمی ہیں......اور جس شخص کو یہ بیماری ہوتی ہے وہ کیسا ہوتا ہے، وہ خوب جانتی ہے۔''

ماہ ما نے گویا صفائی سے اعتراف کر لیا کہ وہ اس کی باتوں میں خیالوں میں موجود رہا ہے۔

''مگر میں نے تو اتنی دوستی ہونے کے باوجود عمار سے تمہارا ذکر نہیں کیا۔''

شہرام نے نہ جانے اس کی اہمیت ختم کی تھی یا اپنی بہادری دکھائی تھی، مضبوطی کا اظہار کیا تھا۔ ماہ ما نے انتہائی دکھ سے اسے دیکھا اور کچھ دیر کے لیے وہ اتنی بے وزن ہوگئی کہ اس نے بھی کیوں اس ہرجائی کو اتنی اہمیت دی۔ نیلو سے ذکر نہ کرتی تو اچھا تھا۔

''ہاں یہیں سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ کون کتنا سچا ہے اور کتنی گہرائی میں ہے کس کے جذبے زیادہ سچے اور صادق ہیں۔'' اندر کا سارا درد ماہ ما کے لہجے میں سمٹ آیا۔

''تمہارا مطلب یہ ہے کہ میرے جذبے میری محبت جھوٹی تھی۔ جھوٹی محبت تھی ناں میری جبھی آج تک کسی اور کے بارے میں سوچنا تو درکنار میں نے کسی لڑکی کو دیکھا تک نہیں مگر تمہیں کیا، تم نے تو کبھی میری محبت پر یقین کیا ہی نہیں تم......''

''اونہہ محبت کے اظہار کے لیے یا یقین کے لیے محبتوں کا اشتہار بننا ضروری نہیں ہوتا۔''

آج ایک عرصے کے بعد وہ دونوں تجدید محبت کر رہے تھے تو دھند چھٹنے لگی تھی مگر شہرام پھر اٹک جاتا۔ اس تکرار کے بعد کچھ دیر سکوت رہا۔

''اتنی دیر سے کیوں آئی تھیں جبکہ میں بھی ٹیکسی سے آیا تھا اور......''

''ٹیکسی خراب ہوگئی تھی راستے میں۔'' ماہ ما نے منہ پھلائے کہا۔

''تو ٹونی کو موبائل سے فون کر کے بلا لیا ہوتا۔''

شہرام کے لہجے میں پھر تلخی در آئی اس کے لہجے سے نکلا بدگمانی کا تیر پھر ماہ ما کے دل میں اتر گیا۔

''کیا تھا مگر وہ نماز پڑھنے گیا ہوا تھا۔'' ماہ ما کے چہرے پر سختی آ گئی۔ اس نے بھی اسی طرح جواب دیا۔ شہرام پھر سخت ہو گیا کہ اس نے ٹونی کو کیوں فون کیا تھا اور اس سے دوبارہ نہ ملنے کے اپنے فیصلے پر وہ مطمئن ہو گیا۔

''دیکھا بھائی کیا کہا تھا میں نے۔'' عمار اور نیلو نے جس مقصد کے لیے ان دونوں کو بلایا تھا وہ پورا ہو گیا تھا، نیلو بہت خوش تھی۔

"ہوں، یہ تو بہت اچھی بات ہوگئی۔ اب دیکھنا انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اور پھر دوستانہ ماحول میں کھانا کھایا گیا۔ اس تمام عرصے میں شہرام اور ماہ ما نے مکمل طور پر ایک دوسرے کو اجنبی ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ عمار معنی خیز بات کرتا تو دونوں چونک کر رہ جاتے۔ واپسی پر عمار اور نیلو نے دونوں کو چھوڑنے کا کہا تو دونوں پریشان ہو گئے۔

"رہنے دیں بھائی میں ٹیکسی سے چلی جاؤں گی۔" ماہ ما نے کہا تو عمار کو غصہ آ گیا۔

"چپ خبردار جو آواز نکالی تو...... وقت دیکھا ہے تم نے، اس وقت تنہا لڑکی کا ٹیکسی میں جانا مناسب ہے...... چلو بیٹھو۔"

عمار نے ڈپٹ کر کہا تو ماہ ما بھی خوف زدہ ہو گئی۔ ایک ٹیکسی والا واقعہ تو وہ بھگت ہی چکی تھی، چپ چاپ بیٹھی رہی۔

"آپ بھی تشریف رکھیے۔" عمار نے شہرام کے لیے فرنٹ ڈور کھولا۔

"نہیں میں تو کسی سے بھی جا سکتا ہوں کوئی بھی وقت ہو میں ٹیکسی سے چلا جاؤں گا۔"

شہرام اس خوف سے نہیں بیٹھ رہا تھا کہ جانا تو دونوں کو ایک گھر ہی ہے، ساری قلعی کھل جائے گی۔

"خبردار جو بیٹھنے سے انکار کیا تو بیٹھ جایئے شرافت کے ساتھ۔ بھائی اگر میری دوست کو بٹھا سکتے ہیں تو میں ان کے دوست کو بٹھا سکتی ہوں۔" اور پھر لاکھ اس نے انکار کیا مگر وہ نہیں مانے۔

"عجیب بہن بھائی ہو تم دونوں یار!" شہرام خفا خفا سا بیٹھ گیا۔

"عجیب ہیں مگر عقل سے غریب نہیں ہیں، تم دونوں کی طرح۔ اچھا بتاؤ، پہلے کس کے گھر جائیں۔ شہرام تمہارے یا ماہ ما تمہارے؟" عمار کے سوال پر دونوں گڑبڑا گئے۔

"پہلے ان محترمہ کو چھوڑ دو اور مجھے تم یہیں اتار دو۔ میں پیدل چلا جاؤں گا یہاں سے تھوڑا ہی فاصلہ ہے۔"

شہرام نے باہر دیکھتے ہوئے کہا تو عمار نے گاڑی روک دی۔ شہرام اترنے لگا۔

"خبردار جو قدم نیچے اتارا تو۔ ٹھیک ہے ہم شکل سے بے وقوف لگ رہے ہوں گے مگر ہیں نہیں۔ تم لوگ کیا سمجھ رہے ہو کہ ہمیں معلوم نہیں؟"

"کیا مطلب؟" شہرام نے کھسیانا ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ گاڑی خاموشی سے چلتی رہی اور ان دونوں کے مشترکہ گیٹ پر آ کر رک گئی۔

"تم دونوں ایک ہی منزل کے مسافر ہو، کیوں نہیں مان لیتے تم لوگ؟"

عمار گاڑی روک کے گہرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"عمار بھائی آپ......" ماہ ما نے کچھ کہنا چاہا مگر عمار نے ڈپٹ دیا۔

"چپ رہو لڑکی! یار میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ زندگی تو محبت کے لیے تھوڑی ہے اور تم لوگ نفرت میں برباد کیے جا رہے ہو۔ ارے یہی جینے والے تو روشنی مستعار بھی لے کر جیتے ہیں اور تم لوگوں کے تو اندر سے روشنی پھوٹ رہی ہے اور تم لوگ......"

عمار کتنی دیر سمجھاتا رہا مگر دونوں اپنی اپنی ضد پر جمے ہوئے تھے پھر وہ اندر آئے سب سے ملاقات ہوئی۔

"بیٹا تم لوگ ان کے دوست ہو یہ دونوں اپنے ساتھ دوسروں کے ساتھ بہت ہی زیادتی کر رہے ہیں، سمجھاؤ ان کو۔"

صدیقہ بیگم اور عفت نے عمار اور نیلو کو الگ لے جا کر اپنا حال دل سنا دیا۔

"ارے آنٹی آپ دعا کیجیے۔ انشاءاللہ دونوں لائن پر آ جائیں گے۔"

"ان دونوں کی بدگمانی تو اللہ ہی دور کر سکتا ہے آنٹی آپ دعا کریں ہم کوشش کرتے ہیں۔"

دونوں ان بے بس ماؤں کو تسلیاں دیتے آ گئے۔

☆☆☆

اس روز شہرام آفس سے آ رہا تھا کہ عصر کی اذان ہو گئی۔ اس نے گاڑی روکی اور جلدی جلدی آ کر جماعت میں کھڑا ہو گیا۔ نماز کے بعد وہ بیٹھا دعا مانگ رہا تھا اللہ سے سکون دل کے لیے کہ اسے اپنے قریب ہی کوئی دھیمی آواز میں کلمے کا ورد کرتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے دعا سے فراغت کے بعد اس نیک بندے پر نظر ڈالی تو وہ ٹونی تھا یک دم دل میں نفرت پیدا ہو گئی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر جانے لگا مگر ٹونی نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے قریب ہی بٹھا لیا۔

"نہیں شہرام نہیں۔ یہ خالق کل کائنات وحدہ لاشریک کا گھر ہے اور اس کے گھر میں ہر قسم کی برائی ممنوع ہے۔" ٹونی نے بڑے پیار سے اس کا ہاتھ تھامے رکھا۔

"جانتا ہوں میں اس پاک گھر میں کوئی غلط بات نہیں کرنا چاہتا اس لیے کہہ رہا ہوں چھوڑ دو مجھے جانے دو۔"

شہرام نے مسجد کے تقدس کے احترام میں آہستگی سے کہا۔

"لیکن شہرام! میں نے غلط بات نہیں کرنی ہے بلکہ حق بات کہنے کے لیے اللہ کے گھر کے سوا کوئی جگہ نہیں۔ بھائی لڑائی لڑائی معاف کرو اللہ کا گھر صاف کرو۔" ٹونی نے مسکرا کر کہا تو شہرام اسے گھورنے لگا۔

"دیکھو شہرام! اپنی جگہ پر تم بھی درست ہو لیکن میں نے تمہاری نفرت، کدورت اور بدگمانی دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ مجھے ایسا موقع ضرور دے کہ اللہ ہی کے پاک گھر میں بیٹھ کر میں اس کی پاک ذات کے سامنے تمہاری بدگمانی دور کر دوں اور شکر الحمدللہ کہ آج باری تعالیٰ نے مجھے وہ موقع عنایت کر دیا ہے۔"

"مجھے کچھ نہیں سننا۔" شہرام......

”لیکن مجھے بہت کچھ کہنا ہے شہرام۔ میں اللہ کے گھر میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہارا گنہگار میں ہوں، ماہ ماہ نہیں۔ وہ تو شبنم کی طرح پاکیزہ اور کلیوں کی طرح معصوم ہے۔ میرے اور اس کے درمیان صرف دوستی تھی اور دوستی ہے۔ وہ جو ایک جذبہ ہے ناں جسے ہم محبت کہتے ہیں نہ میرے دل میں تھا اور نہ ہی ماہ ماہ کے دل میں۔ اس کے آئینہ دل پر تو تمہارا عکس بن کر ٹھہر گیا ہے لیکن بدقسمتی سے ہماری دوستی کو ہمارے والدین نے استعمال کرنا چاہا دولت اور جائداد کے لالچ میں پپا اور مما نے مجھے ورغلایا۔ میں نے بھی اسی مستی میں ماہ ماہ پر غلط نظر ڈالنی شروع کردی جبکہ ماہ ماہ بے چاری تو بالکل ہی اس سازش سے بے خبر تھی۔ معصومیت سے پھنس گئی اور ہم لوگوں نے باقاعدہ ڈانس پارٹی ارینج کی اور ماہ ماہ کو طعنے دے کر ڈانس پر اکسایا۔ وہ بے چاری تو کرنا بھی نہیں چاہتی تھی مگر ہم سب نے اسے مجبور کردیا۔ وہ تو میرا ہاتھ بھی پکڑنے کو تیار نہیں تھی مگر میں گمراہی میں اخلاقیات سے گر چکا تھا۔ زبردستی اس کے ساتھ ڈانس کیا اور ماریہ نے غلط پوز کی تصاویر بنائیں اور یہ تصویریں ہم تمہیں ہی بدگمان کرنے کے لیے بنارہے تھے۔ تم دونوں کی منگنی توڑ کر اور دلوں میں نفرت پیدا کرکے تعلق ختم کرکے اپنا الو سیدھا کرنا چاہتے تھے تمہیں یہ بتانا چاہتے تھے کہ ماہ ماہ مجھے اتنا چاہتی ہے اور میرے اتنے قریب ہے...... اور یوں جب منگنی ختم ہوگئی تم بدگمان ہوکر تمام تعلق توڑ گئے تو ہمارے مقاصد کامیاب ہوگئے۔ انکل کی ڈیتھ ہوگئی۔ تم میدان چھوڑ گئے تو ہم لوگوں نے ماہ ماہ اور آنٹی کو پھنسانا چاہا مگر ماہ ماہ مجھ سے شدید نفرت کرنے لگی۔ اس نے طرح طرح سے مجھے نقصان پہنچایا۔ جان سے مارنے کی کوشش بھی کی مگر جب ہماری دال نہیں گلی تو پپا نے آنٹی کو یرغمال بنالیا اور ماہ ماہ کو کڈنیپ کرنے کی کوشش کی اور ماہ ماہ جو اسلام آباد جارہی تھی اسے ٹیکسی ڈرائیور کے ذریعے اغوا کرنے کی کوشش کی مگر خوش قسمتی سے اچھے لوگوں نے اسے بچالیا اور یوں وہ اپنی دوست نیلو کے ہاں سے پپا کے ساتھ آگئی مگر پپا نے پھر ہاتھ دکھایا اور آنٹی عفت کی بے بسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ماہ کو اغوا کرلیا لیکن......“ ٹونی ایک تسلسل سے بولے جارہا تھا۔ اس کے لہجے سے سچائی جھلک رہی تھی۔ شہرام کے اندر عجیب سی کیفیت جاگ رہی تھی۔ ٹونی کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ سرد ہونے لگا۔

”لیکن میرے بھائی اللہ تعالیٰ بے حد رحمٰن اور رحیم ہے۔ بندہ بے شمار گناہ کرتا چلا جاتا ہے مگر اس کی مہربان ذات پاک معاف کرتی چلی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا تھا کہ ہم لوگ گمراہی کی تاریکی میں ڈوبے رہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ماہ ماہ کے وسیلے ہی سے ہدایت دی اور ہم سیدھے راستے پر چل پڑے۔ تو میرے بھائی یہ ہے سچائی جو میں نے اللہ کے گھر میں اللہ کو گواہ بنا کر بتائی ہے۔ سچائی کے آئینے میں ماہ ماہ بالکل بے قصور ہے اور اگر تم اب بھی اس سے خفا ہوگے یا اسے اپناؤ گے نہیں تو تم گنہگار ہوگے۔ ایک مسلمان بھائی کی حیثیت سے میرا مشورہ ہے کہ ماہ ماہ سے معذرت کرلو اس لیے کہ میری طرح تم بھی اس کے مجرم ہو، خدا کے نام پر اپنی بدگمانی ختم کردو پلیز!“

ٹونی کے جذبے کی سچائی الفاظ میں ڈھلی تو روشنی بکھیرتی چلی گئی۔ شہرام کی نگاہ سے جیسے ساری

دھند چھٹ گئی ہو، فضا بالکل صاف شفاف ہوگئی ہو۔ اس کو ہچکی سی آنے لگی وہ گھبرا ہو گیا۔

”کچھ مت سوچو شہرام! اپنا دل صاف کرلو۔ مجھ سے چاہو تو خفا رہو مگر ماہ ماہ سے نہ رہو۔“

ٹونی کہہ رہا تھا۔ شہرام شرمندہ سا ہوکر اسے دیکھنے لگا۔ ٹونی نے ذرا سا ہاتھ رکھا تو وہ اس سے لپٹ گیا۔

”سوری...... سوری ٹونی! میں بھی غلط تھا مجھے معاف کردینا پلیز! خدا کی قسم اب میرا دل صاف ہے۔“

اس کے بعد شہرام شدت سے رو پڑا اور اندر کی ساری دھول میل دھل گئی۔

☆☆☆

”حالات بہت خطرناک ہوگئے ہیں شجاع الدین! نکل لو یہ نہ ہو گردن کٹوا بیٹھو۔“

رفیق، شجاع الدین کو فرار ہونے کا مشورہ دے رہا تھا۔

”اور تم......“ شجاع الدین کے اندر تو گھبراہٹ ہورہی تھی مگر وہ ظاہر نہیں کررہے تھے۔

”اجی میرا کیا ہے۔ خدا میرا ہی بھلا کرے۔ اس گھر کا پرانا نمک خوار ہوں۔ سب مجھ پر اعتماد کرتے ہیں۔ مجھے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا ہاں!“

رفیق نے مکاری سے ٹوپی اتاری، پھونک مار کر پھر سر پہ رکھی اور کھی کھی کرتا ہوا باہر نکل گیا لیکن شجاع الدین سمجھ گیا تھا کہ اب فرار ہونے ہی میں عافیت ہے۔ اس نے بیٹیوں سمیت ملک سے فرار ہونے کا پروگرام بنالیا۔

”مگر ابو ہم کب تک...... ملک سے باہر رہیں گے۔“ فضہ جانا نہیں چاہتی تھی۔

”اوہو، کوئی تمام عمر تو نہیں باہر رہیں گے یہ بات ختم ہوجائے تو آجائیں گے۔ بس کچھ مت سوچو تم لوگ تیار ہوجاؤ اور سنو کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے۔ ابھی سب کے ساتھ نارمل رہو۔“

شجاع الدین نے ان دونوں کو سمجھایا۔ نوشی بہت اداس ہورہی تھی کیونکہ اس سفر میں یقیناً رافع ساتھ نہیں ہوگا۔

”تم لوگ ابھی بھی یہیں ہو، جلدی کرو۔“

”آپ لوگ کہیں بھی جائیں ماموں جان! نوشی یہیں رہے گی، میرے پاس۔“

اسی وقت رافع اندر آیا تو نوشی کھل اٹھی مگر شجاع الدین تپ گئے۔

”یہ کیسے ہوسکتا ہے تمہارا دماغ تو درست ہے ناں؟“

”جی ہاں، میں نے پورے ہوش و حواس کے ساتھ یہ فیصلہ کیا ہے کہ نوشی آپ کے ساتھ اب کہیں نہیں جائے گی اس لیے کہ میں اور نوشی جلد ہی شادی کررہے ہیں۔“

یہ دھماکا نوشی کے لیے بھی اتنا ہی حیرت انگیز تھا جتنا ان باپ بیٹی کے لیے۔ مگر دل میں خوشی کا چشمہ پھوٹ پڑا تھا شاید۔

''تم کون ہوتے ہو یہ یک طرفہ فیصلہ کرنے والے۔ میں اپنی بیٹی کو ہرگز تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔''

شجاع الدین لالچی آدمی تھے اور رافع میں ان کو ایسی کوئی کشش نظر نہیں آتی تھی۔

''میرا فیصلہ یک طرفہ نہیں ہے ماموں جان۔ اس میں نوشی کی بھرپور رائے اور سو فیصد خوشی کا دخل ہے۔ یقین نہ آئے تو پوچھ لیجیے بیٹی سے...... کیوں نوشی؟''

رافع نوشی کی اولین چاہت تھا اور آج اس کا طلب گار بن کر آیا تھا تو وہ انکار کیسے کر سکتی تھی؟

''رافع بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میرا بھی یہی فیصلہ ہے۔'' نوشی کی نظریں جھک گئیں۔

''اونہہ تم نے تو ہمیشہ گھاٹے کا سودا ہی کیا ہے۔'' فضہ نے نوشی کو گھورا۔

''میں ایسے گھاٹے کے لیے تیار ہوں جو مجھے زندگی بھر کی خوشیاں دے دے۔'' نوشی جھوم سی گئی اور دوسری شام سادگی سے نوشی اور رافع کا نکاح ہو گیا۔

''رافع! تم واقعی بہت سمجھ دار ہو۔ بھائی نے جب بتایا کہ تم نے میرے ساتھ شادی سے انکار کر دیا تو......''

''تو تم کتنی خوش ہوئی ہو گی اندازہ ہے مجھے...... ارے بھئی، میں اتنا عاقل بالغ اور سمجھ دار قسم کا خوب رو، اسمارٹ قسم کا بندہ تمہارے ساتھ شادی کرتا، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

رافع نے نیلو کو دیکھا۔ سنہری لباس میں جو اس کی نظروں میں اتری جا رہی تھی۔ اس نے گہرا سانس لے کر نوشی کو دیکھا جو سر جھکائے جانے کیا سوچ رہی تھی۔

''اور یوں بھی نیلو! میں زندگی کے سفر پر کاغذ کی ناؤ میں بہہ کر سمندر میں اترنا نہیں چاہتا تھا۔''

رافع کے گہرے الفاظ اور لہجے کا کرب کوئی بھی نہ سمجھ پایا، سوائے نوشی کے۔

''نوشی تم...... تم کہیں مروت میں تو نہیں ماری گئیں۔ تمہاری رائے تو میں نے لی ہی نہیں؟''

رافع ایک دم نوشی کی طرح جھکا تو وہ متانت سے مسکرا دی۔

''میں جانتی ہوں کہ یہ آپ کے دل کا فیصلہ نہیں، آپ کی پسند کا فیصلہ ہے، دماغ کا فیصلہ ہے اور میرے لیے اس سے بڑھ کر خوشی اور اطمینان کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ میں آپ پر مسلط نہیں کی جا رہی آپ اپنی پسند سے اپنا رہے ہیں۔'' نوشی دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھی اور رافع کی نظریں عمار سے باتیں کرتی نیلو پر رکی ہوئی تھیں۔ ایک ٹیس سی دل میں اٹھی تو وہ چونک کر نوشی کی طرف لوٹ آیا۔

☆☆☆

''میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گا بھائی۔ ٹھیک ہے وہ ضرورت مند تھے میں نے انہیں رقم بھی دی زمین بھی دی مگر وہ کوئی غیر نہیں ہمارے اپنے ہیں۔ ہمارے اکلوتے رشتے دار ہیں جن سے ہمارا خون کا رشتہ ہے۔ میں آپ کو ان کے ساتھ زیادتی کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

ذورین ابھی تک اندر کی کہانی سے ناواقف تھا اور اب عمار کو بھی روک رہا تھا۔

''اچھا تو وہ اکلوتے خونی رشتے دار ہیں تمہارے ماموں جان...... ارے اول درجے کا گھٹیا اور فراڈیا آدمی ہے تمہارا یہ ماموں جان۔ ان کے ماضی کو دیکھو، ہمارے ہی باپ کے اعتماد کا قاتل ہے۔''

''میں نہیں مان سکتا کہ......''

''شٹ اپ! میں تمہاری رائے کا محتاج نہیں ہوں مجھے اسی دن کا انتظار تھا۔''

''ہاں جی پپا میں ہوں۔ آپ لوگ ابھی آ جایئے۔''

عمار نے اسے ڈانٹ کر اسی وقت عثمان کو بلوا لیا۔

''ہوں تو رفیق، تم ہمارے پرانے نمک خوار ہو۔ وہ باتیں جانتے ہو ہمارے بارے میں جو ہم بھی نہیں جانتے؟''

اس وقت ہال کمرے میں سب موجود تھے، تمام ملازمین سمیت۔ عمار نے رفیق پر پہلا حملہ کیا تو وہ لڑکھڑا گیا۔

''خدا آپ کا بھلا کرے عمار میاں، آپ کو وجہ ہے کیا؟'' زندگی میں پہلی بار رفیق نے کسی دوسرے کا بھلا چاہا۔

''چلو، خدا کا شکر ہے کہ اپنے علاوہ بھی تم نے کسی کا بھلا چاہا۔ خیر میں کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں حالانکہ اس وقت تمہیں پولیس اسٹیشن میں ہونا چاہیے تھا۔ بہرحال یہ بتاؤ کہ یہ شجاع الدین ہمارے کیا لگتے ہیں ہمارے ماموں ہیں یا لالچ سے بنے یا بنائے گئے ہیں؟ دیکھو جھوٹ نہ بولنا۔ گردن کٹوا دوں گا اور گردن کے بغیر دسو کو خالو پسند نہیں۔'' عمار نے بڑی ہوشیاری سے گھیرا تھا۔ شجاع الدین کا بس چلتا تو وہ بھاگ جاتا۔ رفیق کی بھی ایسی ہی کیفیت تھی۔

''وہ عمار میاں! ہاں، یہ تمہارے ماموں ہی ہیں۔'' رفیق نے پھر جھوٹ بولا۔

''اور یہ عثمان صاحب ہمارے کیا لگتے ہیں؟ دیکھو ناں ہم تو بچے تھے ہم کو کیا خبر ہمارا کون اپنا ہے اور کون پرایا۔ ہمیں تو کوئی اس وقت حیوان بھی پال لیتا تو ہم اسی کو اپنا سمجھتے۔''

عمار نے عثمان اور عاتکہ کو دیکھا۔ حرص و ہوس، لالچ سے پاک شفاف محبتوں کے مجسمے دونوں بہت پرسکون اور خوش تھے۔ رفیق نے عیاری سے دونوں کو دیکھا۔

''یہ عثمان صاحب ایک غیر آدمی ہیں عمار میاں! یہ پرانے ملازم شرفو کے پرانے جاننے والے تھے، پسند کی شادی کر کے شرفو کے پاس آ گئے تو شرفو بابا نے آپ دونوں بھائیوں کو ان کی گود میں ڈال دیا۔''

''ہوں، گود لینے کے بعد انہوں نے کیا...... کیا......؟'' عمار بالکل وکیلوں کی طرح جرح کر رہا تھا۔

''سب جانتے ہیں میاں!

رفیق کو اعتراف کرنا ہی پڑا۔

"ہوں، میں جانتا ہوں کہ یہ بہت اچھے انسان ہیں مگر تم نے ان کا پتا اس لیے کاٹنا شروع کیا کہ یہ شجاع الدین کی طرح تمہاری عیاریوں میں ساتھ نہیں دے سکتے تھے اور چونکہ تمہیں یہ بات معلوم تھی کہ ہمارا کوئی رشتے دار نہیں ہے اور عثمان صاحب سے بھی کوئی خونی رشتہ یا تعلق نہیں ہے تو تم نے باقاعدہ پلاننگ کی اور تم نے اس گھر کی دکھتی رگ یعنی ذورین پر ہاتھ رکھ دیا۔ پہلے ذورین کو مما اور پپا سے متنفر کیا پھر اپنے خوابوں کی تعبیر کے لیے شجاع الدین سے سازباز کی اور ایک مال و زر کے لالچی انسان جس نے تمام زندگی فراڈ بازی میں بسر کی اور بہت سی دولت فراڈ کے ذریعے کمائی، اسے تم ہمارا ماموں بنا کر لے آئے...... کہو یہ جھوٹ ہے۔"

عمار زور سے چلایا شجاع الدین لڑکھڑا گیا۔

"کہو یہ جھوٹ ہے یا سچ!" عمار رفیق کے قریب جا کر چلایا۔

"آج جھوٹ بولوں تو خدا اگر دن کاٹ دے عمار میاں، یہ سب سچ ہے۔"

رفیق نے تھوک نگلتے ہوئے اعتراف کیا تو عمار ذورین کی طرف آ گیا۔

"سنا آپ نے، یہ آپ کے ماموں جان کی حقیقت ہے۔" ذورین کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنے بڑے ڈرامے کا شکار رہا ہے۔ کتنی بدتمیزیاں کر گیا تھا وہ عاتکہ کے ساتھ عثمان کے ساتھ۔

"اور شجاع الدین صاحب عرف ماموں جان! اب میں آپ سے کیا کہوں کہ میرے ان والدین نے بڑوں کا ادب کرنا سکھایا ہے تو اب میں کیسے کہوں کہ آپ نے اپنی زندگی فراڈ بازی میں گزار دی۔ مرنے کے بعد کیا ہوگا، کیا جواب دیں گے اس کی فکر نہیں کی۔ آپ زمینیں جمع کرتے رہے مگر دو گز زمین نہیں بنائی جو انسان کا آخری ٹھکانا ہے۔ بے شمار دولت جمع کی مگر چند روپے نہیں جمع کیے جن سے آپ کفن کا کپڑا ہی خرید لیں۔ آپ نے اپنی تمام جوانی حرام مال بنانے میں گزار دی، کم از کم بڑھاپا تو بچا لیتے آپ نے تو وہ بھی داؤ پر لگا دیا اور ہمارے گھر میں نقب لگا دی۔ یہ دولت اور جائداد حاصل کرنے کے لیے آپ نے اس عمر میں فراڈ ڈراما رچا دیا۔ افسوس صد افسوس آپ کی بیکار زندگی پر جو نہ آپ کے کام آ سکی نہ آپ کی اولاد کے اور نہ کسی انسان کے..... شاید آپ نہیں جانتے کہ اصل رشتہ انسانیت کا رشتہ ہوتا ہے ماموں جان! لالچ تو خون کے رشتوں کو بھی گمراہ کر دیتا ہے لیکن اگر انسان میں انسانیت اور خوف خدا ہے تو...... وہ عثمان اور عاتکہ بن جاتے ہیں، نہ ہو تو شجاع الدین اور رفیق بن جاتے ہیں۔ پپا اور مما جب آئے تو ہم لوگ بہت چھوٹے تھے۔ یہ چاہتے تو ہمیں نکال باہر کرتے اور تمام جائداد کے وارث بن جاتے مگر ان لوگوں نے ہمیں ہمارے سگے والدین یاد آنے نہیں دیے۔ ہمارے ڈوبے ہوئے بزنس میں جان ڈالی اور آج ہم کامیاب بزنس کے مالک ہیں۔ پپا نے اپنی جائداد جو والدین سے ملی، وہ بھی ہمارے نام کر دی تو ہم سے یہ کیا لیں گے۔ ذورین یہ رہیں وہ ساری فائلیں اور کاغذات جن کی رو سے ہم دونوں ہی مالک ہیں اور نکو کے لیے صرف وہ کچھ ہے جو انہوں نے ذاتی طور پر اپنے بزنس سے کمایا۔" عمار نے سب کچھ ذورین کے سامنے رکھ دیا۔

"یہ...... یہ فائلیں!" شجاع الدین اور رفیق پریشان ہو گئے۔

"جی! ابھی پریشانی ہے ناں آپ کو کہ یہ میرے پاس کیسے آ گئیں یا یہ حالات مجھے وہاں بیٹھ کر معلوم ہو گئے تو شک عثمان صاحب پر نہ کیجیے گا بلکہ یہ پورا ٹیم ورک ہے۔ اس میں دسو، ہاجرہ اور شانو کی کوششیں شامل ہیں جن کو رافع نے پوری ایمانداری کے ساتھ مجھ تک پہنچایا۔"

"رافع! تم...... آستین کے سانپ، دھوکے باز......" شجاع الدین رافع کی طرف بڑھے۔

"دھیرج ماموں جان! رافع اگر آستین کا سانپ ہے تو خدا کرے ایسا سانپ ہر آستین میں ہو، ایسا دھوکے باز ہر کوئی ہو جو برائی کا دشمن اور سچائی کا دوست ہو۔ خوش ہوں کہ ایسا داماد ملا ہے۔ رافع میں تمہارا احسان مند ہوں کہ پل پل کی خبر تم مجھے وہاں دیتے رہے ہو اور نوشی، تم بہت اچھی لڑکی ہو، نیک نیت ہر حال میں خوش اور مطمئن رہنے والی اور رافع تمہارا خدا کی طرف سے انعام ہے اس کی قدر کرنا...... اور فضہ بی بی! دولت اور محبت میں یہی فرق ہے کہ دولت ضرورت ہے اور محبت سکون قلب...... لیکن بات ذرا گہری ہے تم نہیں سمجھ پاؤ گی...... اور ماموں جان آپ بتائیے کیا......"

"عمار میاں! جانے دو لالچی آدمی ہے، لالچ میں آ گیا تھا۔"

رفیق جانتا تھا شجاع الدین کی باری آ گئی تو اس کی بھی آ جائے گی۔

"تم کمینے، ذلیل آدمی جھونپڑی میں رہ کر محل بنانے کے خواب دیکھنے والے یہ سارا کھیل تیرا ہی جمایا ہوا ہے۔ اپنے لالچ میں تو میرے پاس آیا اور لالچ دے کر مجھے بھی ورغلایا۔"

شجاع الدین سب کچھ بھول گیا۔ اس نے رفیق کا گریبان پکڑ لیا۔

"بچنے نہ پائے۔ بچنے نہ پائے۔ ذرا زور سے دبا دو شجاع الدین بھیا!" دسو زور سے چلایا۔

"شجاع الدین صاحب، رفیق تو ایک غریب آدمی ہے اور لالچ میں آ گیا اور آپ کو بھی لالچ دیا مگر آپ نے لالچ کیا کیوں؟ آپ کے اندر اگر سچائی ہوتی تو آپ اس کو سمجھاتے کہ جس تھالی میں بندہ کھائے، اسی میں چھید کرے گا تو پھر کیسے کھائے گا۔ آپ کے اندر کے لالچ نے موقع کو غنیمت جانا اور چلے آئے ماموں جان بن کر۔ اگر آپ ذرا بھی دانش مند ہوتے تو جان لیتے کہ زیادہ کے لالچ میں انسان ہاتھ کی بھی گنوا دیتا ہے اور آپ تو ہر دور میں ہر کسی کو دھوکا ہی دیتے آئے ہیں۔ اب آپ کا علاج بہت ضروری ہے۔"

عمار نے شجاع الدین کو غصے سے دیکھا۔ عثمان نے کچھ کہنا چاہا مگر عمار نے ان کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

"پلیز پپا! آج صرف مجھے ہی بولنا ہے، مجھے بولنے دیں پلیز اور بھائی صاحب، اب سناؤ تم نے مجھ سے جو حساب کتاب مانگا

ہوئی، ذرا آپ حساب دیجیے۔

عمار نے کہا تو ذورین شرمندہ ہو گیا۔ کیونکہ عثمان کی چڑ میں وہ لٹاتا چلا گیا لیکن اب اسے کیا خبر تھی کہ وہ ان کی عیاری کا شکار ہوا اور ماموں کی محبت میں کسی بات کا خیال نہیں رکھا۔

"بھائی، جب آپ کو معلوم ہے تو پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟"

ذورین نے چور سے لہجے میں کہا اور سر جھکا لیا۔

"آپ سب کے سامنے ساری باتیں ہو چکی ہیں۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ شجاع الدین صاحب میں آپ کو اور رفیق کو پولیس کے حوالے کر رہا ہوں۔ یہ میری مجبوری ہے۔" عمار نے گویا اعلان کیا تو شجاع الدین کھڑا ہو گیا۔

"دیکھ لوں گا میں بھی اتنی دیر سے بکواس برداشت کر رہا ہوں میں تمہیں اچھی طرح سمجھ لوں گا، اب میں تمہیں بتاؤں گا کہ شجاع الدین کو یوں ذلیل کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔ چلو فضہ، نوشی!"

شجاع الدین کمال ڈھیٹ آدمی تھا۔ متاثر ہونے یا شرمندہ ہونے کے بجائے دھمکی دے رہا تھا۔

"عمار بیٹے، روکو اسے کوئی مصیبت نہ کھڑی کر دے میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

عاتکہ بری طرح گھبرا گئیں۔

"ہاں بیٹے یہ آدمی درست نہیں۔" عثمان بھی ڈر گئے۔

"کم آن پاپا! برے کو انجام تک پہنچنا چاہیے اور یہ میری خالی دھمکی نہیں، میں اس شخص اور رفیق کو نہیں چھوڑوں گا۔ ان کو دھوکے بازی کی سزا ملنی چاہیے۔ اسے ایک بار میدان میں آنے تو دیں۔ آج اگر ان کو چھوڑ دیا گیا تو ان کے حوصلے بلند ہو جائیں گے اور نہ جانے یہ پھر کسے جا کر بے وقوف بنا دیں۔"

عمار، رفیق اور شجاع کو پولیس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"ابو...... ابو، میری بات سنیے پلیز! میری بات سنیے۔ آپ ایسا کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ سوری کر لیجیے، یہ سب بہت اچھے لوگ ہیں۔"

نوشی باپ کے پیچھے بھاگی۔ وہ دلی طور پر چاہتی تھی کہ شجاع الدین اپنی حرکتوں کی معافی مانگ لے تو اس اچھے خاندان سے تعلق برقرار رہے۔

"تم چپ رہو، تمہیں تو پکی پکائی مل گئی ہے اور اب ہمیں پکڑوانا چاہتی ہو۔ تم چلتی ہو تو چلو ورنہ چلیں ابو جلدی کریں، اس سے پہلے کہ کوئی آ جائے۔ یہ جو عمار ہے ناں بہت خطرناک ہے ہم کو پکڑوا دیا تو بہت مشکل ہو جائے گی، چلیے جلدی کیجیے۔" فضہ چیخنے لگی۔

اور پھر نوشی کا بھی انتظار نہیں کیا گیا۔ دونوں ذورین کی گاڑی لے کر فرار ہو گئے۔

"گاڑی ذرا تیز چلاؤ شجاع الدین۔ پکڑے گئے تو انجام سلاخیں۔ خدا میرا ہی بھلا کرے۔ اللہ پاک ہمیں بچا لے...... بچا لے!" رفیق بہت خوف زدہ ہو رہا تھا۔

"ہائیں، ہم کب آ گئے اور کیوں آ گئے؟" شجاع الدین اور فضہ نے گھبراہٹ میں دیکھا ہی نہیں کہ رفیق گاڑی میں پہلے سے موجود ہے۔

"ہوں ٹھیک ہے۔ میں بھی اس عمار اور عثمان کو بتاؤں گا کہ میں کیا ہوں۔"

شجاع الدین نے سارا غصہ اسپیڈ پر نکالا اور فل اسپیڈ پر گاڑی چھوڑ دی۔

"ابو، اس ذورین کو بھی مت چھوڑیے گا، چیٹر......!"

فضہ کو تو بس ذورین پر غصہ تھا حالانکہ اس نے اس کے ساتھ بے وفائی نہیں کی تھی۔ وہ تو خود پیچھے ہٹ گئی تھی۔ اس کے عاق ہو جانے کی خبر کے بعد۔

"شجاع الدین، تیز کرو اور تیز اور تیز......" اور تینوں باتیں کرتے منصوبے بناتے تیز رفتاری سے جا رہے تھے۔

"یار رفیق! اب ساتھ دینا، ایسا نہ ہو کہ...... اب ٹکرانا ہے عثمان اور عمار سے۔"

"ابو، آگے دیکھیے......" اور جب تک فضہ چلاتی، گاڑی آئل ٹینکر سے ٹکرا چکی تھی۔

☆☆☆

ایکسیڈنٹ بہت خطرناک ہوا تھا جس میں رفیق کو اپنی ٹانگوں کی قربانی دینی پڑی تھی۔ شجاع الدین کو بھی شدید چوٹیں آئی تھیں مگر وہ اپنے تمام زخم بھول گئے کیونکہ فضہ کے دماغ میں خطرناک قسم کی چوٹیں آئی تھیں اور اسے فوری طور پر امریکا جانا پڑا تھا۔

"میرے پروردگار، میری توبہ۔ میری بچی کو زندگی دینا۔"

یوں شجاع الدین اپنے انجام کو پہنچ گیا اور اس کے انجام کا سب کو افسوس ہوا تھا۔

"افسوس، صد افسوس۔ شجاع الدین نے کس طرح اپنی اور بیٹی کی زندگی برباد کر لی۔ یہ لالچ بھی کتنی بری بلا ہے۔ یہ بلا جس کو چمٹ جاتی ہے، اس کا سکون کھا جاتی ہے۔ نوشی کا کوئی فون آیا تھا کہ نہیں۔" عاتکہ کو بہت فکر ہو رہی تھی فضہ کی۔ نوشی ابھی بھی ان سے رابطہ رکھے ہوئے تھی۔

"جی مما آیا تھا کہہ رہی تھی، دو آپریشن ہوئے ہیں۔ کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی، دعا کریں۔"

"ضرور، کیوں نہیں۔ اللہ اس لڑکی کو زندگی اور صحت دے۔"

"آمین۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر انسان اپنے ایمان، دو گز زمین کی فکر کرے تو شاید وہ اتنا گمراہ نہ ہو...... اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے، آمین۔"

عثمان صاحب صدق دل سے آمین کہتے ہوئے بیٹھ گئے۔

"مما، کتنی حیرت کی بات ہے کہ نوشی اور رافع تو اتنے مختلف تھے کہ لگتا ہی نہیں تھا کہ ان میں سے ہیں۔"

"دونوں ہی بہت اچھے تھے۔" نیلو چائے لے کر آ گئی۔ نیلو کے منہ سے ان دونوں کی تعریف۔

"اور خاص طور پر راف

ذورین نے منہ بنا کر نیلو کو چڑایا۔ وہ بھی اسے جلانے کے لیے بولی۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ رافع بہت بلکہ بہت زیادہ اچھا انسان ہے۔ تو ہی خوش نصیب ہے کہ رافع جیسے انسان کی لائف پارٹنر بنی ہے۔''

اس کی بات پر ذورین کھول اٹھا۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ راکھ ہو گیا۔ اس کے منہ سے رافع کا نام سن کر۔

''خوش نصیبی کا یہ تاج تو بھائی نے تمہارے سر پر بھی رکھنا چاہا تھا پھر انکار کیوں کیا۔''

ذورین اس کے مقابل کھڑا اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا نہ جانے کیا پوچھنا چاہ رہا تھا۔ نیلو کا جی چاہا جو وہ سننا چاہتا ہے کہہ ڈالے کہ میں نے تمہارے علاوہ کسی کا خیال تک اپنی سوچوں کی سرحد تک نہیں آنے دیا تو رافع کو زندگی کی سلطنت کا حکمران کیسے بنا لیتی مگر وہ کون سا کم تھی۔

''اس لیے کہ میں اپنے آپ کو رافع کے قابل نہیں سمجھتی تھی۔'' وہ مضبوط لہجے میں کہتی باہر نکل گئی اور وہ ہلتے ہوئے پردے کو دیکھتا ہوا عثمان کی طرف پلٹ آیا۔

''پپا اب اپنے گھر چلیے۔ زندگی بکھری ہوئی ہے اسے سمیٹ لیجیے۔'' شجاع الدین کی حقیقت جان لینے کے بعد ذورین کتنی ہی دیر عثمان کے پاؤں پکڑے روتا رہا تھا۔ عاتکہ کی گود میں سر چھپائے اسے ہچکی لگ گئی۔ اسے سنبھالنا بہت مشکل ہو گیا تھا سب کے لیے اور اب بھی وہ ان کے قریب کھڑا کہہ رہا تھا۔

''بھئی، وہ تمہارا گھر ہے پھر کسی شجاع الدین کے کہنے میں آ کر تم نے نکال دیا تو اس بڑھاپے میں کہاں.....''

''پپا لگتا ہے آپ نے اپنے بیٹے کو معاف نہیں کیا۔'' عثمان کے مذاق پر وہ روہانسا ہو گیا۔

''ارے نہیں، نہیں بیٹا......! مذاق کر رہا تھا بھلا ہم اپنے بچوں کے بغیر جی سکتے ہیں۔ یہ میرا شیر کہاں ہے۔ میرا بازو، میری ہمت، میرا عمار کہاں ہے۔''

''میں یہاں ہوں پپا!'' پھر عمار تیزی سے آگے بڑھا اور دونوں بھائی عثمان سے لپٹ گئے، فرط جذبات سے عثمان رو پڑے۔

''خدایا تیرا شکر ہے۔ میرے بیٹے تو نے واپس دے دیے۔ پروردگار، میرے آشیانے کو دشمن کے شر سے محفوظ رکھنا۔'' عاتکہ خدا کا شکرانہ ادا کر رہی تھیں۔

☆☆☆

''نسرین، اے نسرین بیگم، ذرا دودھ گرم کر کے دوا تو دو، خدا تمہارا ہی بھلا کرے۔''

رفیق ٹانگیں کٹوا کر بندہ بن گیا تھا۔ اس نے شدت سے گڑگڑا کر اللہ سے اپنے گناہوں کی توبہ کی تھی۔ ٹانگوں سے معذور ہوا تو نسرین جیسی نیک فرشتہ صفت بیوی کی اچھائی کا قائل ہو گیا۔

''آپ کی دوا کا ابھی وقت نہیں ہوا ہے وسو کے خالو۔ ابھی آدھا گھنٹا باقی ہے۔ آپ سکون سے لیٹے رہیں۔ میں خود لے آؤں گی تب تک یہ کھانا کھائیں۔''

نسرین کی زبان میں شہد گھل گیا تھا۔ وہ یہی تو چاہتی تھی کہ رفیق اچھا آدمی بن جائے تو وہ اس کی باندی بن کر عزت اور خدمت کرے۔

''نسرین تو بڑی نیک عورت ہے۔ میں نے ہمیشہ تیرے ساتھ زیادتی کی آج معذور ہو کر تیرے لیے ہی مصیبت بن گیا ہوں۔ مجھے معاف کر دینا۔ میں...... بہت برا آدمی ہوں۔''

رفیق نسرین کے ہاتھوں میں سر رکھ کر شدت سے رو پڑا۔

''رفیق جو ہوا سو ہوا، بھول جاؤ سب کچھ۔ اللہ ہم سب کو معاف کرے۔ اللہ تو بندے کے بے شمار گناہ معاف کرتا ہے۔ ہم تو خود گنہگار ہیں۔ چلو، میں نے آپ کو معاف کیا۔'' نسرین بھی شوہر کی معذوری کا خیال کر کے رو پڑی۔

''نہیں، میں بہت برا آدمی ہوں۔ ہاجرہ، وسو، شانو کس کس کا گنہگار نہیں، میں بہت برا آدمی ہوں۔''

''خالو میاں! تم برے تھے ہو نہیں۔ اس لیے کہ اب تم نے توبہ کر لی ہے اور اپنے علاوہ بھی دوسروں کا بھلا چاہنے لگے ہو۔'' اسی وقت وسو، شانو اور ہاجرہ آ گئے۔ سب نے رفیق کو معاف کر دیا تو وہ خدا کا شکرانہ ادا کرنے لگا۔

''ویسے خالو ساری عمر تو تم گردن کٹواتے رہے مگر اب......''

''شاید اس لیے کہ میرا پروردگار مجھے توبہ کا موقع دینا چاہتا تھا کہ توبہ کر کے میں بھی کوئی نیک کام کر جاؤں اور اللہ مجھے اب نیک کام کرنے کی توفیق دے آمین!'' رفیق نے آنکھیں صاف کیں۔

''آمین خالو آمین، چلو پھر نیک کام کی ابتداء کرو۔ میری اور شانو کی بات پکی کر دو۔ شانو کو بیٹی بنا لو۔''

وسو نے ٹہنی کی طرح شرماتے ہوئے لہراتے ہوئے کہا تو شانو شرما کر بھاگ گئی۔

''شرما گئی پگلی!'' وسو اس سے زیادہ شرمایا۔ ہاجرہ اور نسرین گلے ملنے لگیں۔

''اچھا وسو بیٹے! میں تو شانو کو بہو بنانا چاہتا تھا مگر تم اسے میری بیٹی بنا رہے ہو اور تم میرے بیٹے ہو۔ اس طرح تم دونوں بہن بھائی ہو گئے۔'' رفیق ہنسا تو وسو نے سر پیٹ لیا بال نوچ لیے۔

''یہ کیا کہہ دیا خالو! نہیں میں تمہارا بیٹا نہیں ہو۔ کہہ دو شانو تمہاری بہو ہے۔''

''اچھا بھئی ہاجرہ بہن، شانو کو ہماری بہو بنا دو۔'' اور پھر مبارک سلامت سے وسو اور شانو کی منگنی ہو گئی۔

☆☆☆

شہرام آج کل شدید قسم کی الجھن کا شکار تھا۔ وہ شرمندہ بھی تھا مگر اعتراف کرنے سے گھبرا رہا تھا۔ وہ ماہ ماکو منانا بھی

''اوہ، اب میں اس سے سوری بولوں گا تو اترا جائے گی۔ اترا ئے گی نہیں تو پھول کر کپا ہو جائے گی اور میں اسے پہلے کی طرح اسمارٹ دیکھنا چاہتا ہوں مگر پھر اسے مناؤں کیسے۔ ایاز بھائی، ہما...... امی جان! چاچی...... اف توبہ کیا مشکل ہے۔''

وہ کوفت کا شکار تھا۔ ہاں یہ ضرور ہوا تھا کہ وہ اب ماہ ما کے سامنے زیادہ رہنے لگا تھا، جہاں ہوتی وہیں چلا جاتا۔ کبھی کبھی خوامخواہ ہی بات کرنے کی کوشش کرتا۔ غیر محسوس انداز میں وہ چھانا چاہتا تھا۔ اب ایک دم قدموں میں بیٹھ جانا اسے قطعی گوارا نہیں تھا۔ اس کی اس تبدیلی کو سب نے محسوس کیا تھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں مسکراہٹوں کا تبادلہ بھی کیا تھا۔

''اے اللہ، اب تو ان کے دلوں کی کدورت ختم کردے۔'' دونوں مائیں ہر وقت اللہ سے دعائیں کرتی رہتیں۔ ماہ ما تو اپنی دھن میں رہتی تھی۔ اسے تو کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ ٹونی نے ماہ ما کو کچھ نہیں بتایا تھا البتہ عفت کو سب معلوم تھا اور اب وہ شہرام کی طرف سے کسی اقرار کی منتظر تھیں دونوں۔ دوسری طرف شہرام کو بے چینی سکون سے بیٹھنے نہیں دے رہی تھی۔ اس دن دونوں بیٹھی تھیں کہ شہرام آ گیا۔ بہت الجھا ہوا۔

''امی، امی جان! وہ میں نے آپ سے کہنا ہے کہ......'' وہ کچھ کہنے اور نہ کہنے میں الجھا ہوا تھا۔

''ہاں کہہ دو۔ یوں بھی اب میں واپس جا رہی ہوں، ثمن کے گھر جانا ہے اور......''

صدیقہ بیگم نے عفت کو دیکھا جنہوں نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔ شہرام بری طرح گھبرا گیا۔

''کیا...... کہا امی جان! چاچی جی میں یہ کہنے نہیں آیا کہ آپ ثمن کے گھر جائیں بلکہ...... بلکہ......'' اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے روکے اور کیسے کہے۔

''بلکہ......'' صدیقہ بیگم شوخ ہو گئیں۔ وہ اسی سے کہلوانا چاہتی تھیں۔

''بلکہ یہ کہ آپ ثمن سے میری شادی ہرگز نہیں کریں گی یہ کہنے آیا ہوں۔''

''کیوں بھئی اتنی اچھی لڑکی ہے۔ اچھا چلو مان لیا کہ ثمن سے نہیں تو پھر کس سے کرو گے؟''

صدیقہ بیگم نے اسے گھیر لیا تھا۔ عفت جہاں چپ چاپ ماں بیٹے کی باتیں سن کر خوش ہو رہی تھیں۔

''کس سے کروں گا کس سے کروں گا؟'' شہرام زیر لب بڑبڑاتا ہوا عفت کی طرف مڑا اور ان کے ہاتھ تھام لیے۔

''چاچی جی، آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے ناں!''

''ہاں بیٹا، کیوں نہیں...... لیکن جو بھابی جان پوچھ رہی ہیں وہ تو بتاؤ ثمن نہیں تو پھر کس سے کرو گے؟''

''جب آپ نے معاف کر دیا ہے تو مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں کس سے کرو گے۔ آپ دونوں کیوں نہیں سمجھ رہیں؟'' وہ زچ ہو گیا تو دونوں ایک ساتھ بولیں۔

''ارے بھئی ہم بڈھے لوگ ہیں ہماری سمجھ اب اتنی کام نہیں کرتی خود ہی بتا دو۔''

وہ پریشان ہو گیا پھر ٹیبل پر رکھی اپنی اور ماہ ما کی تصویر دیکھنے لگا۔ جس میں دونوں دلہا دلہن بنے تھے۔

''آپ لوگ کیوں چاہتے ہیں کہ یہ بے چارے تصویر ہی میں دلہا دلہن بنے رہیں۔ اب حقیقت میں بھی ان کو دولہا دلہن بنا دیں ناں۔'' وہ جلدی سے بولا اور شرما کر جلدی سے باہر نکل گیا۔

''عفت مبارک ہو!'' صدیقہ بیگم خوشی سے چلا کر عفت سے گلے ملنے لگیں پھر ایاز اور ہما بھی شریک ہو گئے۔ اس وقت ماہ ما ٹیرس پر کھڑی فل مون کو دیکھ رہی تھی۔ پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ وہ چونک کر مڑی شہرام کو دیکھ کر وہ جلدی سے جانے لگی۔

''خبردار، جو مجھے چھوڑ کر گئیں۔ میرا مطلب ہے رکو مجھے کچھ کہنا ہے۔'' وہ راستہ روک کر کہہ رہا تھا۔

''جی کہیے۔'' وہ اعتماد سے کہہ رہی تھی۔

''وہ یہ کہ ٹونی بہت اچھا انسان ہے۔'' شہرام شاید کچھ کہنا چاہتا تھا یا منہ سے نکل گیا تھا۔ ماہ ما نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس کا وجیہہ چہرہ آج ایک مدت کے بعد صاف اور شفاف نظر آ رہا تھا۔

''جی، مجھے معلوم ہے پہلے سے۔'' وہ کوئی اہمیت دیے بغیر بولی۔

''لیکن مجھے اب معلوم ہوا ہے اینی وے! اس نے تمہیں فون کیا تھا۔''

''ہاں۔'' ماہ ما کو حیرت ہو رہی تھی کہ ٹونی کے بارے میں وہ اس انداز میں بات کیوں کر رہا ہے۔

''تو پھر موصوف نے سب کچھ بتا دیا ہوگا۔''

''جی نہیں، اس نے مجھے کیا بتانا تھا سوائے اس کے کہ وہ پرسوں عمرہ کرنے جا رہا ہے۔''

''اوہ...... لیکن تم ابھی نہیں جا سکتیں مجھے مزید کچھ کہنا ہے۔'' وہ جانے لگی تو اس نے پھر روک لیا۔

''جی، کہہ ڈالیے سب کچھ کوئی حسرت آپ کے دل میں رہ نہ جائے۔'' وہ چڑ گئی۔

''ہاں کہوں گا کہ تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو۔ تم بہت بری ہو۔ مجھے قطعی پسند نہیں مجھے تم سے بالکل بھی محبت نہیں...... مگر یہ طے ہے کہ میں تمہارے بغیر جی نہیں سکتا۔''

وہ تیزی سے بولتا بولتا ایک دم دھیما پڑ گیا۔ ماہ ما کے اندر ساری چاندنی کی کرنیں اتر گئیں۔

وہ چپ چاپ اسے دیکھے گئی۔ اس کی آنکھوں میں ایک نیا جہاں آباد تھا، خوابوں کا۔

''تم بھی تو کچھ کہو ناں ماہ ما!'' وہ بالکل پہلے والے انداز میں تھا۔ ماہ ما کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

''کیا کہوں؟'' وہ جیسے خواب میں بولی۔

''اب تمہارے ڈائیلاگ بھی مجھے ہی کہنے پڑیں گے۔ کہہ بھی دو SAME HERE۔''

اس کی بات کے جواب میں وہ اندر اترتی چاندنی میں اسے دیکھے گئی۔

''آپ...... آپ...... شہرام، آپ بہت برے ہیں لیکن خدا کا شکر ہے آپ کی بدگمانی اللہ نے دور کر دی۔ شکر ہے۔'' ماہ ما اس کے ہاتھ تھامے شدت سے رو پڑی۔ شہرام نے رونے دیا۔

''لیکن مجبوری ہے کہ نہ تو یہ برا آپ کے بغیر جی سکتا ہے اور نہ آپ اس کے بغیر جی سکتی ہیں لہٰذا اس برے کو قبول کرنا پڑے گا۔ کہو کرو گی ناں قبول؟''

اب وہ کیا بولتی، اس نے اثبات میں سر جھکا دیا تو شہرام خوش ہو گیا۔

''خدایا تیرا شکر ہے۔'' نیچے کہیں مبارک سلامت کے شور پر دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیئے۔ ماہ ما کی نظریں حیا سے جھک گئیں۔

☆☆☆

''ہاں تو میں کہہ رہا تھا مما کہ آج شام کو وہ لوگ آ رہے ہیں۔ وہ دونوں بہن بھائی ہیں۔ میں نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ نیلو اور ذورین کا رشتہ وہیں کریں گے۔ وہ لڑکا بھی اچھا ہے اور لڑکی بھی۔ آپ دیکھ لیجیے گا۔''

عمار نے خاص طور پر بلند آواز میں کہا تا کہ ذورین اور نیلو دونوں سن لیں اور اس کے اس اعلان پر دونوں نے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا۔ دونوں کے دل کسی خوف ناک بات سے دھڑک اٹھے پھر عمار کو دیکھنے لگے اور عمار سمجھ گیا تھا کہ اس کا مقصد بھی یہی تھا۔

''کیوں نہیں بیٹا، اب میں بھی کوئی خوشی دیکھنا چاہتی ہوں۔'' حالانکہ ادر عثمان بھی عمار کے ساتھ شریک تھے۔

''ہاں بھئی، کوئی حرج نہیں۔ اگر لوگ اچھے ہیں تو دونوں شادیاں ایک ساتھ کر دیں گے۔''

وہ دونوں معصوم پرندوں کی طرح آنکھیں پٹ پٹا کر کبھی ان کو دیکھ رہے تھے، کبھی ایک دوسرے کو۔

''میں...... میں کسی اور سے شادی...... نو...... نیور، ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ میں بھائی کو صاف صاف منع کر دوں گی کہ میں کسی اور سے شادی نہیں کروں گی۔ یہ ساری گڑبڑ ذورین کے بچے نے کی ہے ورنہ تو ٹھیک ہے وہ بھی نہ کرے شادی۔ میں کیا اس کے بغیر جی نہیں سکتی۔ میں ایسے کسی ایرے غیرے سے شادی نہیں کروں گی ہاں۔ یہ میری زندگی ہے۔ میں ابھی جاتی ہوں، بھائی کے پاس۔''

نیلو کتنی دیر سے کمرے میں ٹہل ٹہل کر سوچ رہی تھی اور اسی قسم کے سوچ ذورین کو بھی پریشان کیے ہوئے تھی۔ وہ بھی یہی فیصلہ کر کے بیٹھا ہوا تھا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آخر ان لوگوں کو ہماری ذاتی زندگی کسی ایرے غیرے کے نام کرنے کا حق دیا کس نے ہے، میں اس لڑکی کے ساتھ...... تو نیور۔ یہ اس لڑکی نیلو کی وجہ سے ہوا ہے مگر خیر

میں ابھی جا کر بھائی کو منع کرتا ہوں۔'' ذورین تیزی سے باہر نکلا تو دوسری طرف سے نیلو آ رہی تھی۔ عمار کے دروازے پر دونوں ٹھہر گئے اور قریب تھا کہ دونوں کے دھکے سے دروازہ ٹوٹ جاتا۔ عمار نے دروازہ کھول دیا تو دونوں گرتے گرتے بچے۔

''یہ سلوک، یہ اتفاق، یہ یک جہتی...... خدا خیر کرے!'' عمار دونوں کو دیکھ کر مسکرایا۔

''بھائی بھائی...... میں اس لڑکے سے ہرگز شادی نہیں کروں گی۔''

''SAME HERE میں بھی اس لڑکی سے ہرگز شادی نہیں کروں گا۔''

دونوں چلا رہے تھے۔ عمار نے دونوں کو دیکھا۔

''اچھا نہ تم اس لڑکے سے کر رہی ہو، نہ یہ اس لڑکی سے شادی کر رہا ہے تو کیا تم دونوں آپس میں شادی کر رہے ہو، ہیں......؟''

''جی ہاں، جی نہیں۔'' دونوں جذباتی ہو رہے تھے۔ ایک ساتھ جی ہاں کہا پھر فوراً ایک دوسرے کو گھور کر اپنی جی ہاں کی تردید کی جی نہیں کہہ کر۔

''ہوں...... اگر آپس میں بھی نہیں کر رہے تو کیا تم دونوں کے لیے لڑکا لڑکی آسمان سے اتریں گے۔ بس ہم ان لوگوں سے بات کر چکے ہیں۔ تم دونوں کی شادی اسی مہینے میں ہو گی اس لڑکی کے ساتھ اور اس لڑکے کے ساتھ۔ خبردار، جو کوئی چوں چرا کی تو، ہم سے برا کوئی نہ ہو گا۔''

عمار نے اٹل انداز میں کہا تو دونوں پریشان ہو گئے۔ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے ٹہلنے لگے۔

''ٹھیک ہے بھائی، میں آپ کی خاطر نیلو سے شادی کرنے کو تیار ہوں۔''

''واٹ، یہ...... یہ چیٹنگ ہے ذورین یہ نہیں ہو گا۔ یہ جملہ تو میں نے سوچا تھا آپ نے میرا جملہ کیوں چرایا ہے...... بھائی میری بات سنیے میں...... میں آپ کی خاطر ان سے شادی کرنے کو تیار ہوں۔ چور کہیں کے میرا جملہ کیوں چرایا؟'' نیلو اس دھاندلی پر چیخی۔

''ہرگز نہیں، میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ میں تم سے شادی کر لوں گا مگر اس لڑکی سے نہیں۔''

''آپ...... آپ چیٹر ہیں۔ میں نے یہ سوچ رکھا تھا میں ہرگز آپ کی بات نہیں مان سکتی۔''

دونوں آپس میں الجھے ہوئے تھے۔ عمار نے مسکرا کر دونوں کو دیکھا۔

''چلو ٹھیک ہے میں جا کر مما پاپا کو بتا دیتا ہوں کہ مہمانوں کو منع کر دیں یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ شادی کرنے کو تیار ہیں۔'' عمار نے شوخی سے دونوں کو دیکھا اور باہر نکل گیا۔

''مگر بھائی سنیے تو۔'' نیلو گھبرا گئی۔ وہ عمار کو روکنے کے لیے آگے بڑھی تو ذورین نے آگے بڑھ کر اس کا خوب صورت ہاتھ تھام لیا۔

''نیلو!'' ذورین کی گہری آواز نیلو کے اندر اتر گئی۔ وہ بولی نہیں رک گئی۔

''نیلو، کیا تم صرف بھائی کی خاطر میرے ساتھ شادی کرنے کے لیے تیار ہو؟''

ذورین کی آواز بہت گہری اور لہجہ بہت سنجیدہ تھا۔ وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔ یہ ذورین تو بہت مختلف تھا جس کی آنکھوں میں صرف وہی نظر آ رہی تھی۔

''اور اگر میں آپ سے پوچھوں یہی بات تو......؟'' اس نے جواب کے بجائے سوال کر دیا تو وہ شوخی سے مسکرا دیا تو نیلو کا جی چاہا، کہہ دے کہ بدتمیز مسکراتے ہوئے کتنے اچھے لگتے ہو مسکراتے رہا کرو۔

''تو میں یہ اعتراف کرلوں گا کہ نہیں میں بھائی کی خاطر نہیں اپنے اس دل کی خاطر تمہیں اپنانا چاہتا ہوں جس میں صرف تم ہی تم ہو۔ جس کو نہ جانے میں کب سے چاہے چلا جا رہا ہوں مگر تم ہو کہ تمہیں احساس ہی نہیں ہوتا کہ کوئی تمہارے لیے پاگل ہے اور جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا...... اور تم ہو کہ تمہیں میری پرواہی نہیں، تمہیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

اب وہ شاکی لہجے میں اس سے کچھ کہلوانا چاہ رہا تھا۔

''جذبے کبھی بھی لفظوں کے محتاج نہیں ہوتے۔ ذورین رہی بات پروا کی تو یہ بیماری تو مجھے اس وقت سے لاحق ہے، جب اس کا شعور ہی نہیں تھا اور اگر فرق نہ پڑتا اور کوئی دوسرا میری زندگی میں آ سکتا تو رافع سے اچھا انسان کوئی نہیں تھا مگر میں کسی کو آپ کی جگہ دے نہیں سکی۔ ہاں آپ کہیں تو فضہ کو بلوایا جا سکتا ہے، اب تو صحت مند ہوگئی ہے۔''

نیلو نے شوخی سے کہا تو ذورین نے شرٹ کی جیب سے انگوٹھی نکالی جو اس نے صرف اسی موقع کے لیے پاس رکھی ہوئی تھی اور اس کی انگلی میں پہنا دی۔

''شٹ اپ، اب جو کسی رقیب کا نام لیا ہو تو...... خدا کا شکر ہے کہ تم جیسی بد دماغ لڑکی نے ہاں کہہ دی ہے۔''

''مگر میں نے ہاں کب کی ہے؟'' نیلو شوخی سے مسکرائی۔

''اچھا جناب! یہ دھاندلی...... کہو، ہاں۔''

''ہاں......'' ذورین اس کے دونوں ہاتھ تھامے کھڑا پوچھ رہا تھا۔ اس نے دھنک بکھیرتی ہاں کہہ دی تو ذورین مسکرا دیا اور حیا کی دھنک نیلو کے چہرے پر پھیل گئی۔

''خدایا تیرا شکر!'' جانے کہاں سے آواز آئی تو دونوں...... مسکرا دیے۔

(ختم شد)

☆☆☆